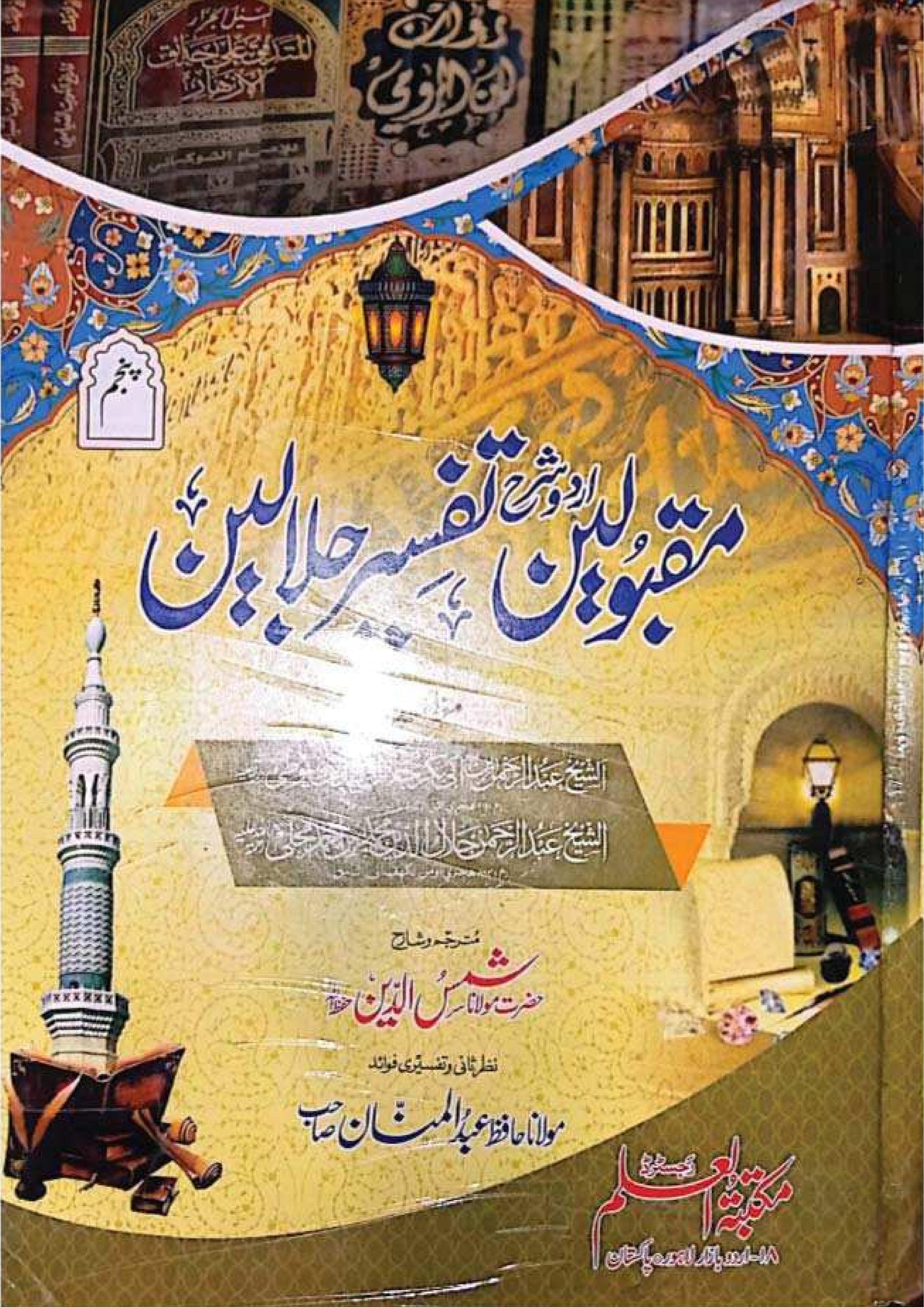
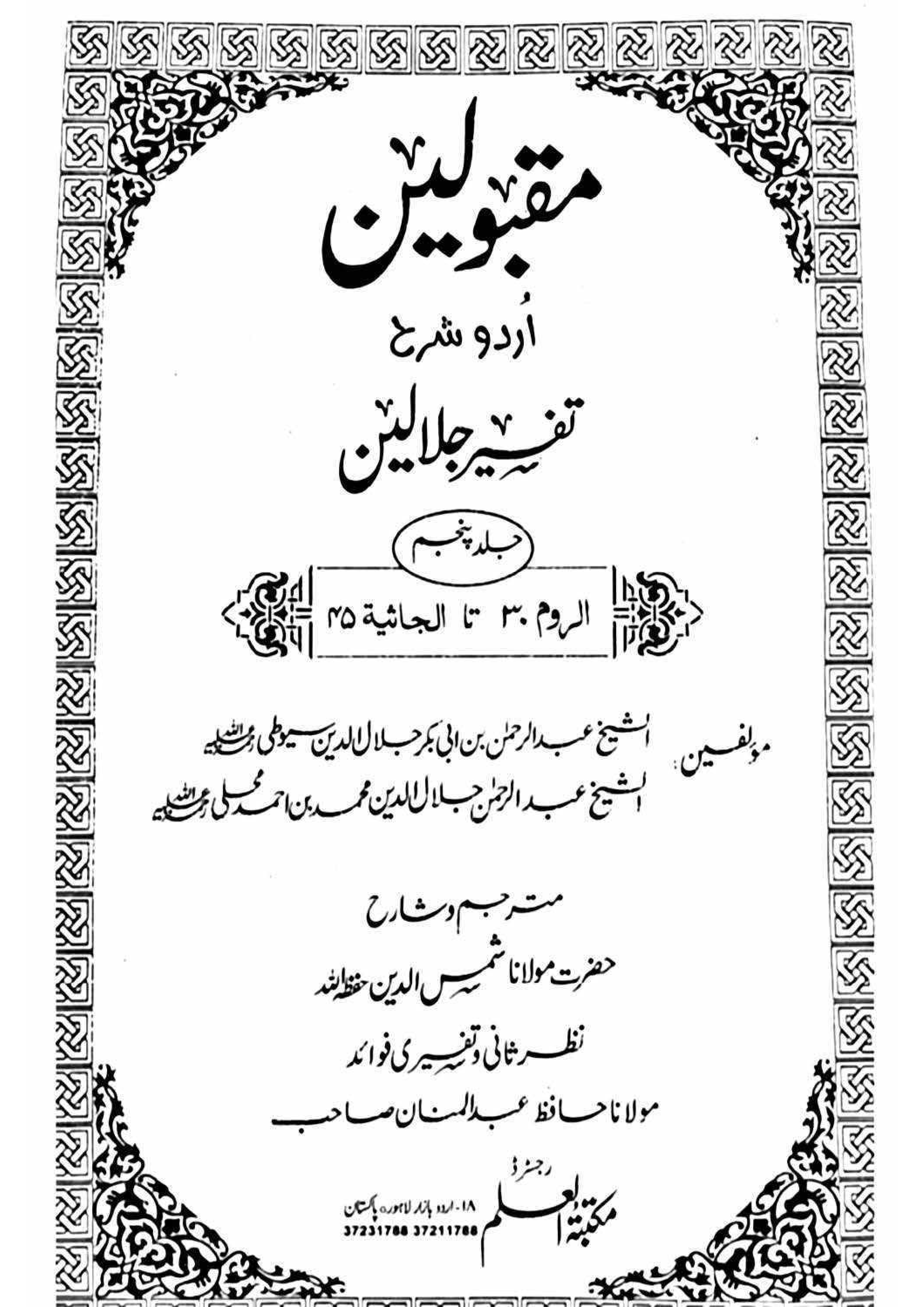

پنجم
مقبولین اردو شرح تفسیر جلالین
مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین
نظر ثانی و تفسیری فوائد
مولانا حافظ عبد المنان صاحب
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور پاکستان



مقبولین

اُردو شرح

تفسیر جلالین

جلد پنجم

الروم ۳۰ تا الجاثیة ۴۵

مؤلفین: الشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
الشیخ عبدالرحمٰن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح
حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی وتفسیری فوائد
مولانا حافظ عبدالمنان صاحب

رجسٹرڈ
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور۔ پاکستان
37231788 37211788

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

نام کتاب: مقبولین اُردو شرح جلالین جلد اوّل

مؤلفین: الشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
الشیخ عبدالرحمن جلال الدین محمد بن احمد محلی رحمہ اللہ

شارح: حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

ناشر: مکتبۃ العلم (رجسٹرڈ)

مطبع: تایا سنز پرنٹرز

طابع: خالد مقبول

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہٰذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

رحمٰن کمپنی الحمد مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار لاہور پاکستان ☎ 37241788

مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 37211788

مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ ☎ 37224228

مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ☎ 37355743

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

السجدة

الأحزاب

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

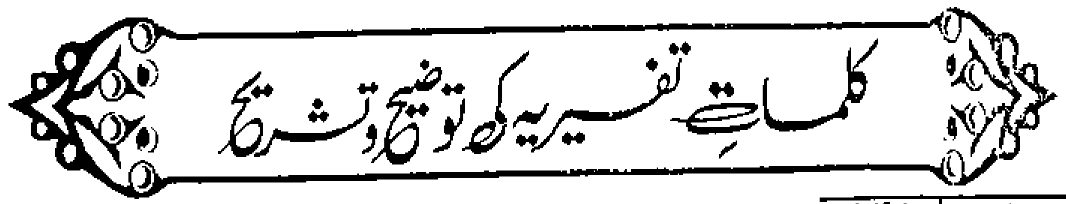
الدخان

الجاثیۃ

الجزء ۲۱

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ القُراٰنِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِؕ
شرعًا ای من شانها ذلک مادام المرءُ فیها وَ لَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُؕ من غیره من الطاعات وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا
تَصْنَعُوْنَ﴿۴۵﴾ فیجازیکم به وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ای بالمجادلة التی هِیَ اَحْسَنُ
کالدعاء الی اللّٰه بآیاته والتنبیه علی حججه اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ بان حاربوا وابوا ان یقروا بالجزیة
فجادلوهم بالسیف حتّی یسلموا او یعطوا الجزیة وَ قُوْلُوْۤا لمن قبل الاقرار بالجزیة اذا اخبروکم
بشیء مما فی کتبهم اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ ولا تصدقوهم ولا تکذبوهم فی ذلک وَ
اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُکُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴿۴۶﴾ مطیعون وَ کَذٰلِکَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ الْکِتٰبَؕ القراٰن ای کما
انزلنا الیهم التوراة وغیرها فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ التوراة کعبد اللّٰه بن سلام وغیره یُؤْمِنُوْنَ بِهٖۚ
بالقراٰن وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ ای اهل مکة مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ بعد ظهورها اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ﴿۴۷﴾
ای الیهود وظهر لهم ان القراٰن حق والجائی به محق وجحدوا ذلک وَ مَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ ای
القراٰن مِنْ کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا ای لو کنت قارئا کاتبا لَّارْتَابَ شک الْمُبْطِلُوْنَ﴿۴۸﴾ ای
الیهود فیک وقالوا الذی فی التوراة انه امی لا یقرأ ولا یکتب بَلْ هُوَ ای القراٰن الذی جئت به اٰیٰتٌۢ
بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَؕ ای المؤمنین یحفظونه وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۹﴾
الیهود جحدوها بعد ظهورها لهم وَ قَالُوْا ای کفار مکة لَوْ لَاۤ هلا اُنْزِلَ عَلَیْهِ علی محمد اٰیٰتٌ
مِّنْ رَّبِّهٖؕ وفی قراءة اٰیاتٌ کناقة صالح وعصا موسٰی ومائدة عیسٰی قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِؕ
ینزلها کما یشاء وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴿۵۰﴾ مظهر انذاری بالنار اهل المعصیة اَوَ لَمْ یَکْفِهِمْ فیما
طلبوه اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ القراٰن یُتْلٰی عَلَیْهِمْؕ فهو اٰیة مستمرة لا انقضاء لها بخلاف ما ذکر
من الاٰیات اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ الکتاب لَرَحْمَةً وَّ ذِکْرٰی عظة لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۱﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ کو اس کو پڑھا کیجئے (مراد قرآن کریم ہے) اور نماز کی پابندی رکھئے بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی ہے (شرعاً جو کام ناشائستہ ہو یعنی یہ نماز کی خصوصیت ہے جب تک کوئی نماز کے اندر رہے) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (دیگر طاعات کی بہ نسبت) اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کا جانتا ہے (لہٰذا اس پر بدلہ دے گا) اور تم اہل کتاب سے مجادلہ مت کرو بجز اس طریقے (مجادلہ) کے جو مہذب ہو۔ (جیسے حق تعالیٰ کی طرف اس آیات کے ذریعہ دعوت دے کر اور اس کے دلائل پر آگاہ کر کے) ہاں جو ان میں زیادتی کریں (اس طرح سے کہ آمادہ جنگ ہوں اور جزیہ قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کے ساتھ تلوار سے جہاد کیجئے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دیں) اور کہہ دیجئے (اس غیر مسلم سے جو جزیہ جانتے ہوئے اپنی مذہبی کتابوں میں سے کوئی بات بیان کرے) کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں (اہل کتب کی اس سلسلہ میں نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو) اور ہمارا اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اس کے فرمانبردار (اطاعت گذار) ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی (یعنی قرآنِ پاک جیسے کہ پہلے انبیاء پر تورات وغیرہ کتابیں نازل کیں) سو جن لوگوں کو ہم نے (تورات) دی جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ) وہ اس قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور ان لوگوں (اہل مکہ) میں سے بھی بعض اس (قرآن) پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) بجز کافروں کے کوئی انکار کرنے والا نہیں مراد یہود ہیں اور نشانیوں سے ان کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن برحق ہے اور اس کا لانے والا بھی برحق ہے مگر یہودی تب بھی نہیں مانتے اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اس وقت جب کہ آپ پڑھ یا لکھ سکتے) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے (یہود مراد ہیں) جو کہتے ہیں کہ تورات میں تو یہ ہے کہ وہ نبی امی ہوں گے نہ پڑھنا جانیں گے اور نہ لکھنا) بلکہ یہ کتاب (قرآن کریم جو آپ پیش کر رہے ہیں) بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے (مسلمان حفاظ) اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کیے جاتے ہیں (یہود مراد ہیں جو دلائل واضح ہو جانے کے بعد بھی انکار کئے چلے جاتے ہیں) اور یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ان (محمدؐ) پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتری (ایک قرأت میں لفظ آیات ہے جیسے صالح کی اونٹنی، عصائے موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے دسترخوان) آپ کہہ دیجئے کہ بس نشانیاں تو اللہ کے قبضے میں ہیں (وہ جب اور جیسے چاہے اتارے) اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں (کھلے بندوں نافرمانوں کو جہنم سے) کیا ان کی فرمائشوں کے سلسلہ میں) ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) اتاری ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے (یہ نشانی تو ایک دائمی اور مسلسل نشانی ہے برخلاف دوسری نشانیوں کے) بیشک اس کتاب میں بڑی رحمت اور نصیحت (وعظ) ہے ایمانداروں کے لئے۔



قوله: وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ: یعنی تمام ہمت بڑی ہے۔ ذکر سے نماز کا تذکرہ کیا کیونکہ نماز ذکر پر مشتمل ہے۔ وہ نیکیوں پر

فضیلت میں نہایت عمدہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا تمہارا تذکرہ کرنا یہ تمہارے اس کی یاد کرنے کے کام سے بڑھ کر ہے۔

قوله: مِمَّا فِي كُتُبِهِمْ: جو کچھ ان کی کتابوں میں ہے اور یہ مجادلہ حسنہ سے ہے۔

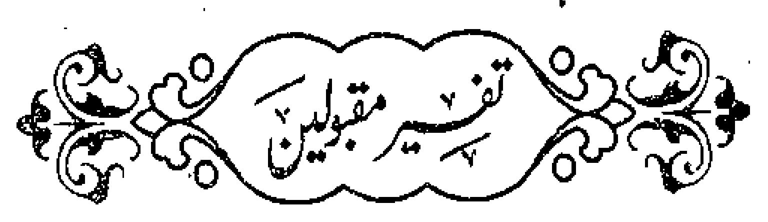
قوله: اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۞ : کفر میں کامل۔

قوله: وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ: یمین کا تذکرہ آپ سے کتابت کی نفی میں شاندار منظر پیش کرتا ہے۔

قوله: اَلْيَهُوْدُ: یعنی تیری نبوت کا دعویٰ باطل ہوا اس لیے کہ یہ ہماری کتابوں کے خلاف ہے تو یہ ابطال واقع کے اعتبار سے ہے نہ کہ فرض۔

قوله: یحفظون: وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں، کسی کو تحریف کی مجال نہیں۔

قوله: لَرَحْمَةً: یہ نعمۃ کے معنی میں ہے۔



اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ....

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا بالآخر وہ منکرین ہلاک ہوئے اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین رسالت کے بعض شبہات کا جواب دیتے ہیں

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم:

اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ کو دی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہیں۔ تنہائی میں تلاوت کرنا، نمازوں میں قرآن مجید پڑھنا، لوگوں کے سامنے پڑھنا اور اس کی تعلیم دینا الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ نماز قائم کریں۔ دیگر آیات میں بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے (اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ) اور سورۃ ہود میں فرمایا ہے (وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ) ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ حکم جہاں آپ ﷺ کو ہے وہاں آپ کی امت کو بھی ہے اور امت کو علیحدہ خطاب بھی ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا: (وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ) علماء نے فرمایا ہے کہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ عام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو پڑھنے کی طرح پڑھو اس میں سنتوں اور مستحبات کا اہتمام اور نماز با جماعت کی ادائیگی اور خشوع وخضوع سے پڑھنا سب آ جاتا ہے۔

نماز بے حیائی سے روکتی ہے

پھر نماز کا خاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: (اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ) (بلاشبہ نماز بے حیائی

سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔)

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہوسکتا ہے۔ایک بطریق تسبب، یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت وتاثیر رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے۔بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے۔جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع وتذلل، اور حق تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت وشہنشاہی کا اظہار واقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ اور بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت وسرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔کما قال تعالیٰ: (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ) (النحل:90) پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرات قرآن یا دعاء وتسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کو مستحضر اور زبان ودل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ورنہ جو نماز قلب لاہی وغافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔جس کی نسبت حدیث میں فرمایا: ((لایذکر اللہ فیہا الا قلیلا)) اسی کی نسبت ((لم یزدد بھا من اللہ الا بعدا)) کی وعید آئی ہے۔

درحقیقت نماز کو نماز کی طرح پڑھا جائے تو وہ گناہوں کے چھڑانے کا سبب بن جاتی ہے، نماز میں قرأت قرآن بھی ہے اور تسبیح بھی تکبیر بھی ہے تحمید بھی، رکوع بھی ہے سجود بھی، خشوع بھی ہے خضوع بھی، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی ہے اور اپنی عاجزی اور فروتنی کا تصور بھی، ان سب امور کا دھیان کر کے نماز پڑھی جائے تو بلاشبہ نمازی آدمی بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے رک جائے گا، جس شخص کی نماز جس قدر اچھی ہوگی اسی قدر گناہوں سے دور ہوگا اور جس قدر نماز میں کمی ہوگی اسی قدر گناہوں کے چھوٹنے میں دیر لگے گی، آدمی اگرچہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو بہرحال نماز پڑھتا رہے کبھی نہ کبھی اس کی نماز انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھڑا ہی دے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتی ہے تو چوری کر لیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کا نماز پڑھنے والا عمل اسے اس عمل سے روک دے گا جسے تو بیان کر رہا ہے۔ (ذکرہ صاحب الروح وعزاہ الی احمد وابن ابی حاتم والبیہقی ۲۱)

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ گناہوں میں بھی مشغول رہتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں اس پر جو اشکال ہوتا ہے اس کا جواب ہمارے بیان میں گزر چکا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نماز تو بلاشبہ برائیوں سے روکتی ہے لیکن روکنے کی وجہ سے رک جانا ضروری نہیں، آخر واعظ بھی تو وعظ کرتے ہیں، برائیوں کی وعیدیں سناتے ہیں، پھر جو رکنا چاہتا ہے وہی رک جاتا ہے اور جو رکنا نہیں چاہتا وہ گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ نماز کم از کم اتنے وقت تک تو گناہوں سے روکتی ہی ہے جتنی دیر نماز میں مشغول رہتا ہے۔

بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان نماز نہیں پڑھ سکتا نمازی آدمی اس سے ضرور بچے گا۔ مثلاً پیشاب کر کے یوں ہی اٹھ جائے اور استنجا نہ کرے، نمازی سے یہ نہیں ہو سکتا، اور کوئی نمازی ستر کھول کر رانیں دکھاتا ہوا نہیں پھر سکتا، اور نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں گناہ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل:

نماز کی اہمیت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑی چیز ہے) درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم ص ۸۴ ج ۱)

نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے ہے جو سراپا ذکر ہے، سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: (وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ) کہ میری یاد کے لیے نماز قائم کیجیے، نماز میں اول سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے نمازی آدمی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک برابر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، اس کی زبان بھی ذکر اللہ میں مشغول رہتی ہے اور دل بھی۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان فرمایا: ((كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ)) (کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے)۔ (رواہ مسلم باب ذکر اللہ تعالیٰ حال الجنابۃ وغیرھا)

یوں تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل اللہ کے ذکر میں شامل ہے لیکن دیگر اعمال ایسے ہیں کہ ہر وقت ان کی ادائیگی کے مواقع نہیں ہوتے اور ذکر اللہ ایسی چیز ہے جو وضو بے وضو ہر وقت حتیٰ کہ ناپاکی کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے، البتہ غسل فرض ہو تو تلاوت کرنا ممنوع ہے۔

تلاوت قرآن مجید، تسبیح و تحمید، تکبیر، تہلیل، دعا یہ سب اللہ کا ذکر ہے، درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے، اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے، وہ لوگ مبارک ہیں جو دل سے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، اس

کی نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں، اس کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی حمد وثناء بیان کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اس کی وجہ سے اسے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس گنا ہو کر ملے گی۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

اور تسبیح وتحمید وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر میں ایک بار (سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ) کہہ لوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج نکلتا ہے۔ (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۲۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھاری ہوں گے، رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: (سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ) (رواہ البخاری وھو آخر الحدیث من کتابہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے (سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ) کہا اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمد اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: (سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ) (رواہ الترمذی وقال حسن غریب اسناداً) مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے تو سب کچھ مگر اسی کے لیے ہے جو یہاں سے کچھ کر کے لے جائے، جو عمل سے خالی ہاتھ گیا اس کے لیے تو چٹیل میدان ہی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسے درخت پر گزر ہوا جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے، آپ نے اس میں اپنی عصا کو مارا تو پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا کہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سُبْحَانَ اللهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور اللهُ اَكْبَرُ) بندہ کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) یعنی سب سے بڑی فضیلت والا ذکر (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ) ہے اور سب سے بڑی فضیلت دعا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمایئے! فرمایا: (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ) ہے۔ (رواہ البخاری)

جب ذکر اللہ کی اس قدر فضیلت ہے تو اسی میں لگا رہنا چاہیے، ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی کام کاج نہیں، ریٹائرمنٹ کے بعد بس بیس سال گزار دیتے ہیں، دکانوں میں لڑکے اور ملازم کام کرتے ہیں اور اتنی بڑی قیمتی زندگی فضول گفتگو میں، اخبار پڑھنے میں، دنیا کے ملکوں کا تذکرہ کرنے میں بلکہ غیبتوں میں گزار دیتے ہیں، یہ بڑے نقصان کا سودا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے جس میں انہوں نے

اللہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی، پھر اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمادے۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی چیزیں تو بہت ہیں آپ مجھے ایک ایسی چیز بتلا دیجیے کہ میں اسی میں لگا رہوں، آپ نے فرمایا: (لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ) (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۸، الترمذی وغیرہ) (کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے) ایک اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بڑا عمل کون سا ہے؟ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۸ عن الترمذی وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں قساوت یعنی سختی آجاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لیے صاف کرنے کی ایک چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس قدر جہاد کرے کہ مارتے مارتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو یہ عمل بھی عذاب سے بچانے میں ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المشکوٰۃ ص۱۹۹) آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) ہر شخص کے اعمال خیر اور اعمال شر کا اس کو علم ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق اصحاب اعمال کا بدلہ دے گا، عمل کرنے والے اس چیز کا مراقبہ کرتے رہیں کہ ہمارے اعمال پیش ہوں گے اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ....

اہل کتاب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے کا طریقہ:

ان آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے مباحثہ کرنے کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے، ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو کرنے کا موقع آجائے تو ان سے اچھے طریقے پر بحث کرو۔ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اس لیے ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور پیغمبروں کی رسالت کے بارے میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی، البتہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے جو منکر تھے ان سے اس بارے میں بحث کرنے کی ضرورت تھی، اور ان لوگوں نے جو اپنے دین میں تحریف کرلی تھی اور اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا۔ ان کی اس گمراہی پر بھی تنبیہ کرنا ضروری تھا۔ یہودی پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے واسطہ پڑا، ان سے دینی امور میں مباحثہ ہوتا رہتا

تھا اور ایک مرتبہ نجران کے نصاریٰ بھی حاضر ہوئے ان سے بھی بحث ہوئی اور سورۂ آل عمران کے شروع کی تقریباً ای آیات نازل ہوئیں جن میں مباہلہ کی دعوت بھی ہے جو آیت کریمہ: (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ) (الآیہ) میں مذکور ہے۔ اہل مکہ مشرک تھے ان سے بھی بحث ہوتی رہتی تھی۔ سورۂ نحل میں تمام انسانوں سے دعوت حق کا خطاب کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) اور یہاں سورۂ عنکبوت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب سے اچھے طریقے پر بحث کرنے کا حکم فرمایا ہے، اچھے طریقہ پر بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سخت بات کا جواب نرمی کے ساتھ اور غصہ کا جواب بردباری کے ساتھ اور جاہلانہ شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو کے ساتھ دیا جائے، حق کی تبلیغ ہو اور نرمی اور بردباری کے ساتھ ہو تو وہ زیادہ نافع ہوتی ہے، ہاں جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی ہو تو وہ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے داعی کی بات بھی قبول نہیں کرتے لیکن داعی کو چاہیے کہ ہر حال میں حلم اور وقار، سنجیدگی اور نرمی پر قائم رہے مذکورہ بالا نصیحت کے ساتھ (اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا) بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بے انصافی پر ہی اتر آئیں اور بھونڈے طریقہ پر گفتگو کرنے لگیں تو تم بھی انہیں ایسا جواب دے سکتے ہو جس سے ان کی بدتمیزی اور بیوقوفی کا کاٹ ہوتا ہو۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا یا جنہوں نے یوں کہا کہ: (اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ) یا یوں کہا: (يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ) ایسی باتیں سن کر مؤمن آدمی کو زیادہ غصہ آ جاتا ہے، اس غصہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ثابت کرتے ہوئے کوئی سخت بات نکل جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) (اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) اس خطاب میں اہل کتاب سے بات کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ تم اہل کتاب سے یوں کہو کہ ہم تو قرآن کریم پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئیں یعنی توراۃ اور انجیل، اور ہمارا اور تمہارا معبود بھی ایک ہی ہے پھر تم دین اسلام سے دور کیوں بھاگتے ہو؟ اگر تمہاری کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ مانتے اور ہمارا تمہارا معبود ایک نہ ہوتا تو اختلاف کرنے اور دور بھاگنے کی کوئی وجہ بھی تھی، جب کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے تو آ جاؤ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آؤ، اختلاف ختم ہم تم ایک، جو کچھ انکار ہے تمہاری طرف سے ہے، اصحاب کتاب ہو کر اللہ کی آخری کتاب سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ دیکھو ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں تم بھی فرمانبردار ہو جاؤ اور اس کے آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (لا تصدقوا اهل الكتب ولا تكذبوهم وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ) (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) جب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ تو ان کی تکذیب یا تصدیق کیسے کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہؓ نے یہود سے جو بعض روایات لی ہیں (اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل ہو گئی ہیں) وہ صرف تاریخی حیثیت سے لے لی گئی ہیں احکام شرعیہ اور حلال و حرام میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ....

نزول قرآن سے پہلے آپ کی عمر کے چالیس سال ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب کہ آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس کو بھی کہتے تھے۔ (اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا) (الفرقان: ۲۵)

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ....

کافروں کی ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالح سے ان کی قوم نے مانگی تھی۔ پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کر لیں تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے دبا ہوا نہیں کہ اس کی چاہت تمہاری چاہت کے تابع ہو جائے تم جو مانگو وہ کر ہی دکھائے گا۔ جیسے ایک اور روایت میں ہے کہ آیتیں بھیجنے سے ہمیں کوئی مانع نہیں سوائے اس کے کہ گذشتہ لوگ بھی برابر انکار ہی کرتے رہے۔ قوم ثمود کو دیکھو ہماری نشانی اونٹنی جو ان کے پاس آئی انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں پیغمبر ہوں قاصد ہوں میرا کام تمہارے کانوں تک آواز اللہ کو پہنچا دینا ہے میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا نیک بد سمجھا دیا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ ہدایت ضلالت اللہ کی طرف سے ہے وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی رہبری کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی چاہت پر موقوف ہے۔ بھلا اس فضول گوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیز ان کے پاس آ چکی جس کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک نہیں سکتا اور انہیں اب تک نشانی کی طلب ہے۔ حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے فصیح و بلیغ اس کے معارضہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ پورے قرآن کا تو معارضہ کیا کرتے؟ دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معارضہ بھی چیلنج کے باوجود نہ

کر سکے۔ تو کیا اتنا بڑا اور اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں؟ جو اور معجزے طلب کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گذشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے جس نے کسی سے الف با بھی نہیں پڑھا جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا بلکہ اہل علم کی صحبت میں بھی کبھی نہیں بیٹھا۔ اور وہ کتاب پڑھتا ہے جس سے گزشتہ کتابوں کی بھی صحت وعدم صحت معلوم ہوتی ہے جس کے الفاظ میں حلاوت جس کی نظم میں ملاحت جس کے انداز میں فصاحت جس کے بیان میں بلاغت جس کا طرز دلربا جس کا سیاق دلچسپ جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود۔ خود بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور۔ اگلی کتابیں جس پر شاہد۔ بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل وعامل۔ اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی طلب محض بدنیتی اور گریز ہے۔ پھر فرماتا ہے اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت ونصیحت ہے۔ یہ قرآن حق کا ظاہر کرنے والا باطل کو برباد کرنے والا ہے۔ گزشتہ لوگوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت وعبرت کا موقعہ دیتا ہے گنہگاروں کا انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ تمہاری تکذیب وسرکشی کو اور میری سچائی وخیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا وہ ایسے لوگوں کو بغیر انتقام نہیں چھوڑتا۔ جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جاں کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو اسے میرے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کہی ہوئی تم سے کہتا ہوں اس لیے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا جاتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کراتا ہے۔ وہ زمین وآسمان کے غیب کا جاننے والا ہے اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں باطل کا ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یافتہ اور ذلیل ہیں قیامت کے دن انہیں ان کی بداعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور جو سرکشیاں دنیا میں کی ہیں سب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ علیم وحکیم اللہ اس کا بدلہ دیئے بغیر ہرگز نہیں رہے گا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ بِصِدْقِي يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَمِنْهُ حَالِيْ وَحَالُكُمْ
وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَهُوَ مَايُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ مِنْكُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾ فِي
صَفْقَتِهِمْ حَيْثُ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَهٗ
لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ عَاجِلًا وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾ بِوَقْتِ اِتْيَانِهٖ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ
بِالْعَذَابِ ؕ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ
اَلْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ فِيْهِ بِالنُّوْنِ اَيْ نَامُرُ بِالْقَوْلِ وَبِالْيَاءِ اَيْ يَقُوْلُ الْمُوَكَّلُ
بِالْعَذَابِ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَيْ جَزَائَهٗ فَلَا تَفُوْتُوْنَنَا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ

فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶ فِيْ اَيِّ اَرْضٍ تَيَسَّرَتْ فِيْهَا الْعِبَادَةُ بِاَنْ تُهَاجِرُوْا اِلَيْهَا مِنْ اَرْضٍ لَمْ يَتَيَسَّرْ فِيْهَا نَزَلَ
فِيْ ضُعَفَاءِ مُسْلِمِيْ مَكَّةَ كَانُوْا فِيْ ضَيْقٍ مِنْ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ بِهَا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبَعْثِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُنْزِلَنَّهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ
بِالْمُثَلَّثَةِ بَعْدَ النُّوْنِ مِنَ الثَّوٰى الْاِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهٗ اِلٰى غُرَفٍ بِحَذْفِ فِيْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا ط نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ هٰذَا الْاَجْرُ لَهُمْ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا عَلٰى اَذَى
الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةُ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹ فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ وَ
كَاَيِّنْ كَمْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ لِضُعْفِهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ اَيُّهَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَاِنْ لَمْ
يَكُنْ مَعَكُمْ زَادٌ وَلَا نَفَقَةٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِقَوْلِكُمْ الْعَلِيْمُ ۝۶۰ بِضَمِيْرِكُمْ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ اَيِ
الْكُفَّارَ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱
يُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ بَعْدَ اِقْرَارِهِمْ بِذٰلِكَ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِمْتِحَانًا
وَ يَقْدِرُ يُضَيِّقُ لَهٗ ط بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْبَسْطِ
وَالتَّضْيِيْقِ وَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط فَكَيْفَ يُشْرِكُوْنَ بِهٖ قُلِ لَهُمْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط عَلٰى ثُبُوْتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ ۝۶۳ ع

ع ۶ ۱۲ ۲

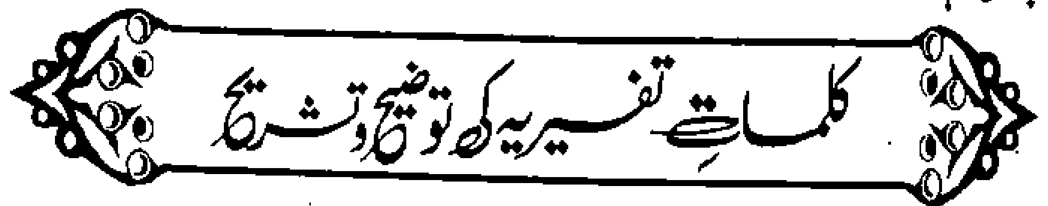
ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان (میری صداقت پر) بطور گواہ کے اس کو ہر شئی کی خبر ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے (میرا اور تمہارا حال بھی اسی میں ہے) اور جو لوگ ایمان لائے باطل پر (جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں) اور اللہ کے منکر ہو گئے (تم میں سے) تو یہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (نقصان میں ہیں کہ کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا) اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا جلد تقاضہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر (جلد) عذاب آ جاتا اور وہ عذاب ان پر دفعتاً آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے عذاب کا جلد تقاضہ کرتے ہیں (دنیا میں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیرے گا جس دن کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے انہیں گھیرے گا اور حق تعالیٰ فرمائے گا (نقول نون کے ساتھ یعنی ہم حکم دیں گے اور یاء کے ساتھ بھی ہے یعنی موکل عذاب فرشتہ کہے گا) کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو

چکھو (اس کی سزا بھگتو تم ہم سے بچ نہیں سکتے) اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراغ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو (جس سرزمین میں بھی عبادت کرنا ممکن ہو یعنی جہاں عبادت ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جاؤ اس جگہ جہاں عبادت ہو سکے یہ آیتیں ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو مکہ میں اظہار اسلام سے عاجز تھے) ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (قیامت کے دن، ترجعون تا اور یاء کے ساتھ ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کا قیام کرائیں گے (مکان دیں گے ایک قراءت لنثوینھم نون کے بعد ثاء کے ساتھ ہے ثوی سے ماخوذ ہے اور غرف کی طرف متعدی ہے فی محذوف مانتے ہوئے) جنت کے بالاخانوں میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (ان میں ہمیشہ رہنے کی تجویز کر لی گئی ہے) کیا ہی اچھا اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا (مذکورہ اجر، یہ وہ) لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا (مشرکین کی ایذاء رسانیوں پر اور غلبہ دین کی خاطر ہجرت کرنے پر) اور اپنے خدا پر توکل کرتے رہے (لہٰذا ان کو ایسی صورتوں سے رزق ملا جن کی طرف سے ان کا (وہم وگمان بھی نہ تھا) اور کتنے جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (کمزور ہونے کی وجہ سے) اللہ ہی انہیں روزی پہونچاتا ہے اور تمہیں بھی (اے مہاجرین اگرچہ فی الحال تمہارے پاس سامان نہیں ہے) اور وہی خوب سننے والا ہے (تمہاری باتوں کو) خوب جاننے والا ہے (تمہاری پوشیدہ چیزوں کو) اور یقیناً (لام قسمیہ ہے) آپ اگر (کفار سے) دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ الٹے کدھر چلے جارہے ہیں (توحید کا اعتراف کرنے کے بعد پھر اس سے پھر رہے ہیں) اللہ ہی روزی فراخ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے (آزمائش کے طور پر) اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے کشادہ کرنے کے بعد یا آزمائش کے طور پر، بلاشبہ اللہ ہی ہر چیز سے واقف ہے اچھی طرح (منجملہ ان کے فراخ اور تنگ کرنے کے مواقع کا جاننا ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھیے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا؟ پھر اس سے زمین کو خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا تب بھی یہ لوگ کہیں گے اللہ نے (پھر کیسے اس کیساتھ شریک کر رہے ہیں) آپ کہہ دیجئے الحمدللہ (کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے) لیکن اکثر لوگ ان میں سے سمجھتے بھی نہیں (اس بارے میں اپنے تضاد کو)۔

ربط آیات:

پچھلی آیات میں کفار کی عداوت اور توحید ورسالت وحق واہل حق سے دشمنی کا بیان تھا قل کفی باللہ الخ سے توحید ورسالت کی دلیل بیان کی جارہی ہے چونکہ کفار کی عداوت بسا اوقات اہل ایمان کو ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کر دیتی ہے اس لیے آیت: یاعبادی الذین امنو الخ میں ہجرت کا حکم ہو رہا ہے پھر اس ہجرت میں عزیز واقارب کی محبت اور خیال اور آئندہ فقر وفاقہ کا اندیشہ رکاوٹ بن سکتا ہے۔ والذین امنو اوعملو الصلحت الخ میں تسلی دی جارہی ہے کہ ہم اہل ایمان کو جنت میں بہترین ٹھکانہ دیں گے جو دنیاوی ٹھکانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور انہیں اہل ایمان کو الذین صبروا الخ۔ سے صبر کی تلقین کی جارہی ہے آیت: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ میں توحید کا بیان ہے چونکہ شروع سورہ سے اہل ایمان کی مختلف پریشانیوں اور

مصائب کا ذکر چلا آ رہا ہے اس لئے اختتام سورۃ پر آیت: والذین جاھدو میں مصائب برداشت کرنے والوں پر بشارت عظمٰی دی جا رہی ہے۔



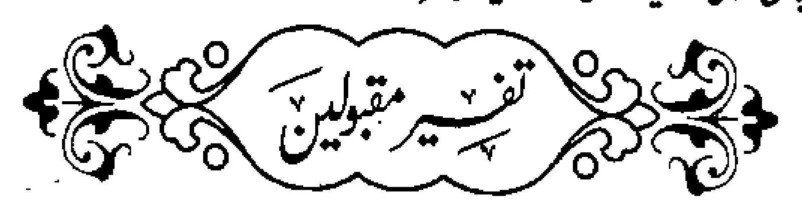
قوله: تَعْدِيَتُهُ: متعدی اس وقت ہوگا جب لَنُبَوِّئَنَّهُمْ پڑھیں گے کیونکہ وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، اسلئے یہاں دوسرے مفعول کی طرف اسکا تعدیہ حرفِ جر کے حذف سے ہے اور لَنُبَوِّئَنَّهُمْ یہ بذاتِ خود دو مفعول کی طرف متعدی ہے۔

قوله: هٰذَا الْاَجْرُ: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قوله: لِضُعْفِهَا: کمزوری کی وجہ سے اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں۔

قوله: بَعْدَ الْبَسْطِ: پس یہ شخص جس پر وسعت کی گئی اور تنگی کی گئی، باری کے اعتبار سے ایک ہیں۔

قوله: اَوْ لِمَنْ يَّشَاءُ: اس صورت میں ضمیر من کی طرف راجع نہیں بلکہ من یشاء کی جگہ آ گئی اس لیے کہ دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے دونوں کو جامع ہو گئی۔ گویا لفظ من مکرر آ گیا پس مرزوق متعدد ہوئے۔



وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ...

موت کے بعد کفار کو عذاب اور مؤمنوں کو جنت:

مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الٰہی طلب کرنا بیان ہو رہا ہے یہ اللہ کے نبی سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کی جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب کر۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العٰلمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہونگے اگر یہ نہ ہوتا تو انکے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ انکی بے خبری میں اچانک اور یک بہ یک آ پڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اس میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے راوی حدیث حضرت یعلی سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت: (نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا) (الکہف:۲۹) یعنی وہ آگ جسے قناتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہونگا جب تک اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤنگا اور

مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے سے آگ ڈھانک لے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے: (لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش) ان کے لیے جہنم میں اوڑھنا بچھونا ہے اور آیت میں ہے: (لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ) (الزمر:16) یعنی ان کے اوپر نیچے سے آگ ہی کا فرش و سائبان ہوگا۔ اور مقام پر ارشاد ہے: (لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ) (الانبیاء:۳۹) یعنی کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیں جبکہ نہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے ان آیتوں سے معلوم ہوگیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہوگی آگے سے پیچھے سے اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہوگی۔ ادھر ہر وقت کہا جائے گا لو اب عذاب کے مزے چکھو پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب دوسرا یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت: (يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ) (القمر:48) یعنی جبکہ جہنم میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے اب بتاؤ! یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اب جہنم میں چلے جاؤ اب تمہارا صبر کرنا یا نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ضرور بھگتنا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

ہجرت کی اہمیت اور ضرورت:

معالم التنزیل (جلد ۳ ص ۴۷۲) میں علامہ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ آیت: (يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا) (الآیۃ) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرلیا تھا وہاں کے مقامی حالات کی وجہ سے (جو کافروں کی طرف سے دکھ تکلیف کی صورت میں پیش آتے رہتے تھے) اپنا ایمان ظاہر کرنے سے قاصر تھے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میری زمین وسیع ہے فراخ ہے یہاں سے ہجرت کر جاؤ، دشمنوں کے خوف کی وجہ سے میری عبادت نہیں کر سکتے ہو تو اس شہر کو چھوڑ دو اور میری عبادت میں لگو۔ اس وقت مدینہ منورہ دار الہجرت تھا، رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور اس سے پہلے بہت سے صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے، کوئی شخص اللہ کے لیے وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے کو آمادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور رہنے کا ٹھکانہ ملتا ہے، جیسا کہ سورۃ نساء میں فرمایا: (وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً) (اور جو شخص اللہ کے لیے وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے کشادگی سے جگہ ملے گی) چونکہ وطن کو مستقل طریقہ پر چھوڑ دینا دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک مشکل چیز ہے اس لیے بعض لوگ ہجرت کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ میری زمین بہت وسیع ہے ہجرت کرو اور میری عبادت کرو۔

ہجرت کرنے میں دو طرح کی تکلیفیں پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے، اول موت کا خطرہ (کافروں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا قوی احتمال) اور دوسرے بھوکے مر جانے کا خطرہ۔ انسان سوچتا ہے کہ یہاں اپنے گھر میں کمائی کرتا ہوں، بیٹے بھی کماتے ہیں، تجارت چالو ہے، اپنی کھیتی باڑی ہے، وطن سے باہر نکلتا ہوں تو کھانے کو کہاں سے ملے گا؟

ہر جان کو موت چکھنی ہے:

اللہ تعالیٰ شانہ نے دونوں باتوں کا جواب دے دیا، اول تو یہ فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کہ ہر جان کو موت چکھنی ہے کہیں بھی رہو موت اپنے مقرر وقت پر آ جائے گی پھر موت سے کیا ڈرنا اور اس کے لیے ہجرت کو چھوڑنے کے کیا معنی؟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (پھر موت کے بعد ہمارے پاس آؤ گے) اگر ہجرت کر لی تو اس کا اجر پاؤ گے، اور اگر بالفرض ہجرت نہ کی تو سزا ملے گی۔

اس کے بعد اہل ایمان کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا: (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) (الآیۃ) (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ضرور بالضرور ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا) اتنی بڑی جنت کا چھوٹا سا گھر اور وطن مالوف چھوڑنے کے عوض مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

رزق مقدر میں لکھا جا چکا، ضرور ملے گا:

دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ) (زمین پر چلنے والے بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے) اس کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ جانور اپنا رزق ساتھ لیے نہیں پھرتے جہاں ہوتے ہیں اللہ ان کا رزق دے دیتا ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ذخیرہ نہیں رکھتے، جو ملا کھا لیا آگے کی فکر نہیں کرتے نہ ان کے یہاں رزق جمع کرنے کا انتظام ہے نہ تحصیل رزق کی کوشش، وہ اسباب کے پیچھے نہیں پڑتے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے رزق عطا فرماتا ہے، اسی طرح جب تم ہجرت کرو گے تو وہ تمہیں رزق دے گا اب تک جس نے کھلایا پلایا ہجرت کے بعد بھی وہی کھلائے پلائے گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۲)

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اس طرح طلب کر لیتا ہے جیسے اسے موت طلب کر لیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۵۲)

آخر میں فرمایا: وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال جانتا ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ ہجرت کرے، سچے دل سے اللہ پر توکل کرے، اور جو شخص عذر کی وجہ سے ہجرت

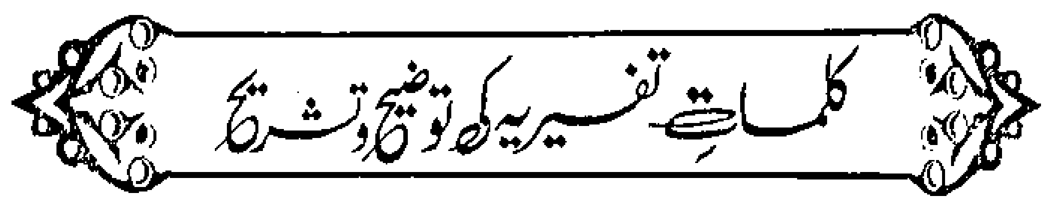
کرنے سے رکے، اور جو شخص محض دنیاوی مفاد کے پیش نظر ہجرت کے لیے نکلے، اللہ تعالیٰ کو ان سب کے احوال و اقوال معلوم ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مکہ معظمہ میں رہ گئے ان میں اصحاب عذر بھی تھے اور وہ لوگ بھی تھے جن کے لیے واقعی عذر نہ تھا، وہ ہجرت کر سکتے تھے، اس زمانے میں مدینے کے لیے ہجرت کرنا فرض تھا، جو شخص ہجرت نہ کرتا اس کا ایمان معتبر نہ سمجھا جاتا تھا، جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی، لیکن مختلف احوال کے اعتبار سے ہمیشہ ایسے احوال مسلمانوں کے لیے پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان اور اعمال باقی رکھنے کے لیے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن گھر بار، مال، جائیداد اور رشتہ داروں کی محبت میں وطن نہیں چھوڑتے، ایسی جگہوں میں رہتے ہیں جہاں اذان بھی نہیں دے سکتے، نماز بھی نہیں پڑھ سکتے مگر دنیا کی محبت انہیں ہجرت نہیں کرنے دیتی، ایسے لوگ تارک فرض ہوتے ہیں۔ (انوار البیان)

اس کے بعد کی آیات میں رزق کا اصلی ذریعہ بتلایا ہے جو حق تعالیٰ کی عطاء ہے اور فرمایا ہے کہ خود ان منکروں کافروں سے سوال کرو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کیے؟ اور شمس و قمر کس کے تابع فرمان چل رہے ہیں؟ بارش کون برساتا ہے؟ پھر اس بارش کے ذریعہ زمین سے نباتات کون اگاتا ہے؟ تو مشرکین بھی اس کا اقرار کریں گے کہ یہ سب کام ایک ذات حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ تو ان سے کہئے کہ پھر تم اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا پاٹ اور ان کو اپنا کارساز کیسے سمجھتے ہو۔ اگلی آیات: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے آخر رکوع تک اسی کا بیان ہے۔

تَنَاقُضَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَاَمَّا الْقُرَبُ فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ لِظُهُوْرِ ثَمَرَتِهَا فِيْهَا وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ بِمَعْنَى الْحَيَاةِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ذٰلِكَ مَا اٰثَرُوا الدُّنْيَا عَلَيْهَا فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ اَيِ الدُّعَاءَ اَيْ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ غَيْرَهٗ لِاَنَّهُمْ فِيْ شِدَّةٍ وَلَا يَكْشِفُهَا اِلَّا هُوَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ بِهٖ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ مِنَ النِّعْمَةِ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ اللَّامِ اَمْرُ تَهْدِيْدٍ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ عَاقِبَةَ ذٰلِكَ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّا جَعَلْنَا بَلَدَهُمْ مَكَّةَ حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ قَتْلًا وَسَبْيًا دُوْنَهُمْ اَفَبِالْبَاطِلِ الصَّنَمِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ بِاِشْرَاكِهِمْ وَمَنْ اَظْلَمُ اَيْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِاَنْ اَشْرَكَ بِهٖ اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ النَّبِيِّ اَوِ الْكِتَابِ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مَاْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَيْ فِيْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ مِنْهُمْ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا فِيْ حَقِّنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ اَيْ طُرُقَ السَّيْرِ اِلَيْنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ

ترجمہ: اور یہ دنیاوی زندگی کے بجز کھیل تماشہ کچھ بھی نہیں ہے (البتہ قرابت داریاں سووہ آخرت میں داخل ہیں کیونکہ کہ ان کے ثمرات آخرت سے تعلق رکھتے ہیں) (دراصل زندگانی آخرت کی ہے (حیوان حیات کے معنی میں ہے) کاش انہیں اس بات کا علم ہوتا (تو یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے) اور یہ لوگ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (دین، دعا کے معنی ہے یعنی اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے کیونکہ وہ ایسی سختی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جس سے ان کو اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا) پھر وہ جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو پھر ایک دم شریک کرنے لگتے ہیں یعنی جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں یہ لوگ کچھ دن اور فائدہ اٹھالیں، بت پرستی پر جمع ہو کر اور ایک قراءت میں ولیتمتعو الام کے سکون کے ساتھ بصیغہ امر تہدید کے لیے آیا ہے (پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہوا ہی جاتا ہے، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے مکہ شہر کو امن والا بنادیا حالانکہ ان کے گرد وپیش لوگوں کو نکالا جارہا ہے (مار دھاڑ کر اور گرفتار کر کے اور یہ لوگ محفوظ ہیں) کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں (بتوں) پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے (شرک کر کے) اور اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہے (کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے بایں طور کہ اس کے ساتھ شرک کرے یا سچی بات (پیغمبر یا کتاب) کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہ ہوگا (یہ مکہ والے بھی انہیں میں ہوں گے) اور جو لوگ ہماری راہ (ہمارے حق میں) مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (تک پہونچنے کے) راستے ضرور دکھلائیں گے اور بلاشبہ اللہ مخلصوں کے ساتھ ہے (اپنی مدد اور اعانت کے ذریعہ)



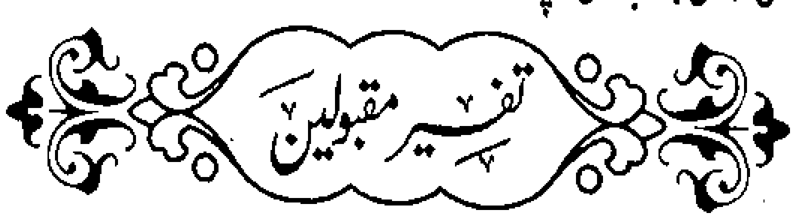
قوله: بمعنی اَلْحَيٰوةُ: دنیا کی ذات میں زندگی تو بطور مبالغہ قرار دی گئی۔ حقیقی زندگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر موت کا طاری ہونا ممتنع ہے۔

قوله: لِيَكْفُرُوا: یہ لازم کی ہے۔ یعنی وہ اس لیے شرک کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے شرک کی وجہ سے نجات کی نعمت کی ناشکری اختیار کریں۔

قوله: فِينَا: استفہام تقریری ہے (یعنی اَلَيْسَ میں)

قوله: جَاهَدُوا فِينَا: ہمارے لیے اور ہماری خاطر۔ فی لام سببیہ کے معنی میں ہے۔

قوله: السَّبِيْلِ اِلَيْنَا: یعنی ہماری جناب میں پہنچنے کا راستہ۔



وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ....

دارِ دنیا کی حقارت اور دارِ آخرت کی فضیلت:

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دنیا کا تمام کارخانہ فنا اور زوال اور ضعف اور اضمحلال پر مبنی ہے تو جان لیں کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سرائے فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلان بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ جیسے بچے لاٹھی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اس کو بازیٔ طفلاں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشا ہے جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لیے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لہو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دارِ آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دارِ آخرت ہے لہٰذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ پس یہ شیدایانِ حیوۃ دنیا جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ان کو غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت اس دنیائے لہو ولعب کو بھول جاتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھی بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ خالص اللہ کی عبادت کی نیت کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور خوف اور اضطراب کو دفع کرنے کے لیے اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جب اللہ کا نبی توحید کی طرف بلاتا ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں اور جب سر پر مصیبت آ پڑتی ہے تو توحید اور اخلاص کے نعرے لگانے لگتے ہیں پھر جب خدا ان کو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور سلامتی کے ساتھ دریا سے خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کشتی سے اترتے ہی حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں جب آفت سر پر آ پہنچی تو اللہ کو پکارنے لگے پھر جب وہ آفت سر سے ٹلی تو پھر وہی کفر اور شرک اور بتوں کو پکارنا شروع کر دیا گویا کہ کفر و شرک سے ان کی غرض یہ ہوئی کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں سوعنقریب جان لیں گے کہ ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا ....

اوپر کی آیات میں مشرکین مکہ کی جاہلانہ حرکتوں کا ذکر تھا کہ سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو یقین کرنے کے باوجود پتھر کے خود تراشیدہ بتوں کو اس کی خدائی کا شریک بناتے ہیں اور صرف تخلیق کائنات ہی کا اللہ تعالیٰ کو مالک نہیں سمجھتے بلکہ آڑے وقت میں مصیبت سے نجات دینا بھی اسی کے اختیار میں جانتے ہیں مگر نجات کے بعد پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ان کے کفر و شرک کا ایک عذر بعض مشرکین مکہ کی طرف سے یہ بھی پیش کیا جاتا تھا کہ ہم آپ کے دین کو توحق و درست مانتے ہیں لیکن اس کی پیروی کرنے اور مسلمان ہو جانے میں ہم اپنی جانوں کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ سارا عرب اسلام کے خلاف ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو باقی عرب ہمیں اچک لے جائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ (کما روی عن ابن عباس، روح)

اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ عذر بھی لغو ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کو تو حق تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے وہ شرف اور بزرگی دی ہے جو دنیا میں کسی مقام کے لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ ہم نے مکہ کی پوری زمین کو حرم بنا دیا ہے۔ عرب کے باشندے مؤمن ہوں یا کافر سب کے سب حرم کا احترام کرتے ہیں۔ اس میں قتل و قتال کو حرام سمجھتے ہیں حرم میں انسان تو انسان وہاں کے شکار کو قتل کرنا اور وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی کوئی جائز نہیں سمجھتا باہر کا کوئی آدمی حرم میں داخل ہو جائے تو وہ بھی قتل سے مامون ہو جاتا ہے۔ تو مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے سے اپنی جانوں کا خطرہ بتلانا بھی ایک عذر لنگ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

اس آیت میں ایک اہم مضمون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا اختیار کرنے اور اس کی طلب میں محنت کرنے اور مشقت اٹھانے پر اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور بالضرور اپنے راستے پر چلا دے گا۔ آیت شریفہ میں بہت بڑی جامعیت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جس طرح بھی جو بھی کوششیں کی جائیں مثلاً طلب علم ہو، کافروں سے مقابلہ ہو، اہل فتن سے مقابلہ ہو زبان سے یا قلم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو یا ظالموں کے سامنے اظہار حق ہو، یہ سب کچھ مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہمارے بارے میں یعنی ہماری رضا کے لیے ہمارے دین کو بلند کرنے کے لیے محنت کریں گے، تکلیف اٹھائیں گے، مصیبتیں برداشت کریں گے ہم انہیں ضرور ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں اور زیادہ ہدایت سے نوازیں گے جیسا کہ سورۃ محمد میں فرمایا: (وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ) (اور جن لوگوں نے ہدایت کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دے گا اور انہیں تقویٰ عطا فرما دے گا) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت کے راستے دکھا دیں گے۔

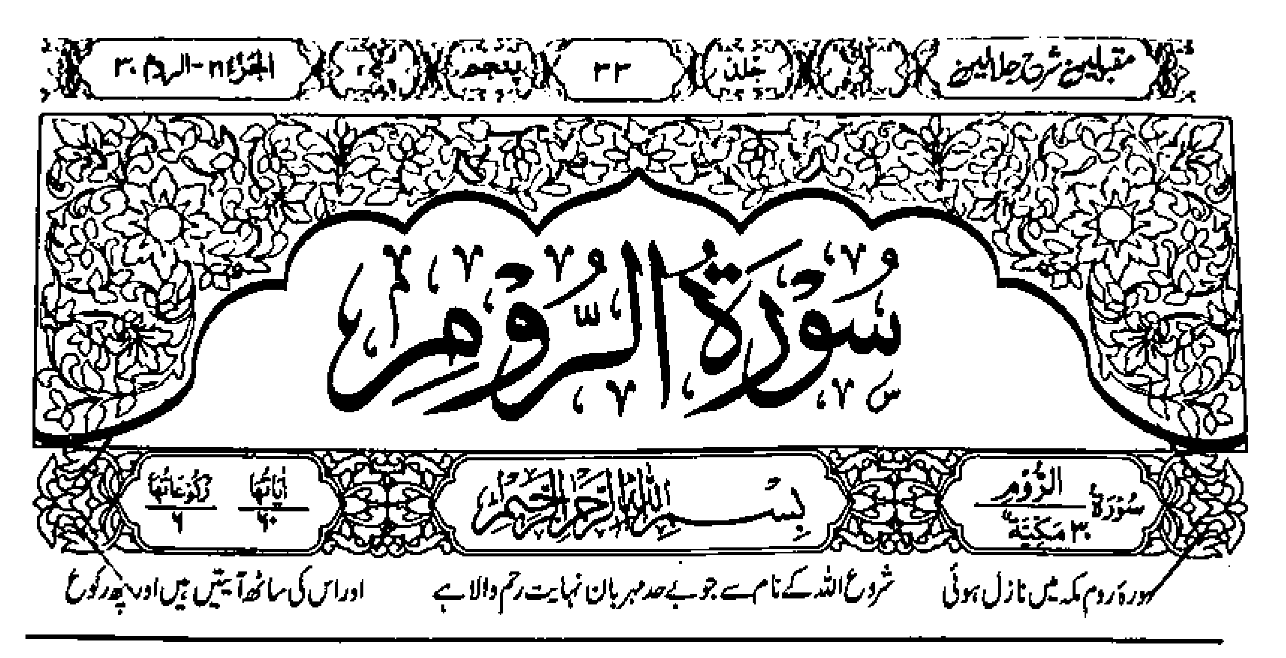
جو شخص علم میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کی راہیں کھول دیتے ہیں اور علم پر عمل کرنے سے مزید علم عطا فرماتے ہیں۔ جو شخص دعوت و تبلیغ اور جہاد کے کام میں لگے، تصنیف و تالیف کا کام کرے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں، تفسیر قرآن لکھنے لگے تو اسے ایسی معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن مجید کے اسرار و رموز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں، جو شخص معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی نظر معاشرہ کی خرابیوں پر جاتی ہے پھر زبان سے یا تحریر سے ان خرابیوں پر تنبیہ کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے اور بات کہنے کے ایسے پیرائے ذہن میں ڈال دیئے جاتے ہیں جنہیں اختیار کرنے سے مخاطبین بات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ مؤمن بندہ کو اپنے ہر عمل میں مخلص ہونا لازم ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بڑھے تو سہی پھر دیکھے کہ اس کا کیسا فضل و انعام ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے: ((من تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا ومن تقرب منی ذراعا تقربت منه

اباعا))۔(یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتو میں چار ہاتھ اس کے نزدیک ہوجاتا ہوں۔)

آخر میں فرمایا کہ:(اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ) (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) لفظ (مُحْسِنِيْنَ) جمع ہے محسن کی، جو لفظ احسان سے لیا گیا ہے اور احسان کا معنی ہے اچھائی کرنا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کو وحدہٗ لاشریک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنا، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنا نماز کے ارکان اور اعمال ادا کرنے میں خوبی اختیار کرنا خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنا، ہر عمل کو ریاکاری اور شہرت کے جذبہ سے پاک رکھنا اور جس طرح جس عمل کے ادا کرنے کا حکم ہوا اسی طرح عمل کرنا لفظ ''احسان'' ان سب کو شامل ہے۔ جو لوگ صفت احسان سے متصف ہیں وہ محسنین ہیں ان کے بارے میں (وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ) فرمایا، اور یہاں سورۃ عنکبوت میں فرمایا، (وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ) (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی معیت یہ ہے کہ وہ مدد فرماتا ہے اور آفات و مصائب سے محفوظ رکھتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پر باقی رکھتا ہے اور مزید ہدایت دیتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں فرمایا:(اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ) (کیا لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم یوں کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی) وہاں یہ بتادیا تھا کہ اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچیں گی، اور سورت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت اور معیت کا وعدہ فرمایا۔



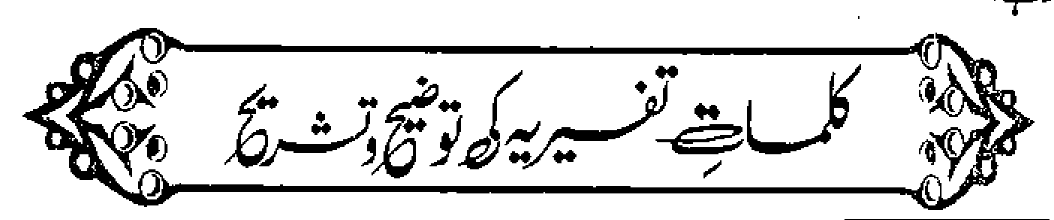
سورہ روم مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

الٓمٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ وَهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ غَلَبَتْهَا فَارِسُ وَلَيْسُوْا اَهْلَ كِتَابٍ بَلْ
يَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ فَفَرِحَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِذٰلِكَ وَقَالُوْا لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ نَغْلِبُكُمْ كَمَا غَلَبَتْ فَارِسُ الرُّوْمَ فِيْٓ
اَدْنَى الْاَرْضِ اَيْ اَقْرَبِ اَرْضِ الرُّوْمِ اِلٰى فَارِسَ بِالْجَزِيْرَةِ الْتَقٰى فِيْهَا الْجَيْشَانِ وَالْبَادِيْ بِالْغَزْوِ الْفُرْسُ وَ
هُمْ اَيِ الرُّوْمُ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ اُضِيْفَ الْمَصْدَرُ اِلَى الْمَفْعُوْلِ اَيْ غَلَبَةِ فَارِسَ اِيَّاهُمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾
فَارِسَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ هُوَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التِّسْعِ اَوِ الْعَشْرِ فَالْتَقَى الْجَيْشَانِ فِي السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنَ
الْاِلْتِقَاءِ الْاَوَّلِ وَغَلَبَتِ الرُّوْمُ فَارِسَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ اَيْ مِنْ قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّوْمِ وَمِنْ بَعْدِهٖ
الْمَعْنٰى اَنَّ غَلَبَةَ فَارِسَ اَوَّلًا وَغَلَبَةَ الرُّوْمِ ثَانِيًا بِاَمْرِ اللّٰهِ اَيْ اِرَادَتِهٖ وَيَوْمَئِذٍ اَيْ يَوْمَ تَغْلِبُ الرُّوْمُ يَّفْرَحُ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ اِيَّاهُمْ عَلٰى فَارِسَ وَقَدْ فَرِحُوْا بِذٰلِكَ وَعَلِمُوْا بِهٖ يَوْمَ وُقُوْعِهٖ يَوْمَ بَدْرٍ بِنُزُوْلِ
جِبْرَئِيْلَ بِذٰلِكَ فِيْهِ مَعَ فَرَحِهِمْ بِنَصْرِهِمْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فِيْهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ
الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَعْدَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ وَالْاَصْلُ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ النَّصْرَ لَا يُخْلِفُ
اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَعْدَهٗ بِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ وَعْدَهٗ تَعَالٰى بِنَصْرِهِمْ يَعْلَمُوْنَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَيْ مَعَايِشَهَا مِنَ التِّجَارَةِ وَالزِّرَاعَةِ وَالْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَهُمْ عَنِ
الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اِعَادَةُ هُمْ تَاكِيْدٌ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لِيَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِهِمْ مَا
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى لِذٰلِكَ تَفْنٰى عِنْدَ انْتِهَائِهٖ وَبَعْدَهٗ

الْبَعْثُ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَیْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ
الْمَوْتِ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ مِنَ الْاُمَمِ وَهِیَ
اِهْلَاكُهُمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً كَعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ حَرَثُوْهَا وَقَلَبُوْهَا
لِلزَّرْعِ وَالْغَرْسِ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ
بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَّلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ؕ
بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰی تَاْنِيْثُ الْاَسْوَءِ الْاَقْبَحِ خَبَرُ كَانَ عَلٰی رَفْعِ
عَاقِبَةُ وَاسْمُ كَانَ عَلٰی نَصْبِ عَاقِبَةَ وَالْمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاِسَاءَتُهُمْ اَنْ اَیْ بِاَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ
ع ۱۰ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ؒ ۴

ترجمہ: الٓمّٓ ۝ (اس کی حقیقی مراد سے اللہ ہی واقف ہے) مغلوب ہوگئے رومی لوگ (یہ اہل کتاب تھے جن پر فارس کے لوگ غالب آگئے تھے جو اہل کتاب نہیں تھے بلکہ بت پرست تھے جس پر کفار مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح اہل فارس رومیوں پر غالب آگئے ہم بھی تم پر غالب آکر رہیں گے) قریب ہی کی سرزمین میں یعنی یہ رومی خطہ فارسیوں کی بہ نسبت عرب سے قریب تر تھا جو ایک جزیرہ کی صورت میں تھا وہاں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور حملہ کی ابتدا فارسیوں کی طرف سے ہوئی اور وہ (رومی) اپنے مغلوب ہونے کے بعد (غلب مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فارسیوں کے رومیوں پر غلبہ کے بعد (عنقریب چند سالوں میں فارسیوں پر غالب آجائیں گے) اور وہ تین سال سے نو یا دس کے درمیان ہے چنانچہ پہلے مقابلے کے سات سال کے بعد دونوں لشکروں کا دوبارہ مقابلہ ہوا اور رومی فارسیوں پر غالب آگئے، اللہ ہی کے لئے پہلے بھی اختیار تھا اور بعد میں بھی اسی کا اختیار (یعنی رومیوں کے غلبہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حاصل یہ ہے کہ پہلے حملہ میں فارسیوں کی کامیابی اور دوسرے حملہ میں رومیوں کی کامیابی اللہ ہی کے حکم وارادہ سے ہوئی ہے) اور اس روز (جب رومی کامیاب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی اس امداد پر (جو رومیوں کی فارسیوں کے مقابلہ میں ہوئی ہے چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کو مشرکین کے مقابلہ میں فتح ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام رومیوں کے غلبہ کی خبر لائے تو مسلمانوں کو بڑی شادمانی ہوئی) اللہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے وہ زبردست (غالب) ہے (مسلمانوں پر) بڑا مہربان ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے (مصدر لفظی طور پر بجائے فعل کے ہے اصل عبارت وعدھم اللہ النصر تھی) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا البتہ اکثر (کفار مکہ میں سے) نہیں جانتے (اللہ کے وعدۂ مدد (کو) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں (یہاں کی معاشرت تجارت، زراعت، عمارت، باغبانی وغیرہ کو) اور آخرت سے یہ لوگ بے خبر ہیں (لفظ ھُم کا تکرار تاکید کے لئے ہے)

کیاانہوں نے اپنے دلوں میں غورنہیں کیا(تا کہ غفلت سے باز رہتے) کہ اللہ نے آسمان کواور زمین کواور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے کسی حکمت ہی سے اور ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کیا ہے(اس لئے مدت پوری ہونے پر یہ دنیا ختم ہوجائے گی اس کے بعد قیامت ہے) اور کثرت سے (مکہ کے رہنے والے) اللہ کی ملاقات کے منکر ہیں(یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کونہیں مانتے) کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جولوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ان کا کیاانجام ہوا؟ پچھلی قوموں کوانکے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کردیا گیا) حالانکہ وہ ان سے طاقت میں بڑھ ہوئے تھے(جیسے قوم عاد وثمود) انہوں نے زمین کو بویا جوتا(کاشت کی اور زمین کو زراعت اور باغبانی کے لئے گاہا) اور اسے آباد کیا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے (کفار مکہ نے) آباد کر رکھا ہے اور ان کے ہاں بھی انکے پیغمبر معجزے (مکمل نشانیاں) لے کر آئے تھے سو اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا (بے قصور انہیں ہلاک کر دیتا) لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے(اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر) پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا برا ہی ہوا لفظ سوای،اسواء کا مونث ہے بمعنی اقبہ اور عاقبہ کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں السوای، کان کی خبر ہوگا اور عاقبہ منصوب پڑھنے کی صورت میں کان کا اسم ہوگا اس سے مراد جہنم اور اس کی برائی ہے اور یہ برائی) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات (قرآن) جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔



قوله: فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ :یعنی رومیوں کا جوعلاقہ جزیرۂ عرب کے قریب ہے اور جزیرۂ عرب رومیوں کے علاقہ سے سب سے قریب ہے۔

قوله: اَلْجَيْشَانِ :رومیوں اور فارسیوں کے لشکر۔

قوله: وَالْبَادِئ :ابتداء کرنے والا۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ :یعنی يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ کے لفظ سے بدل ہے اور فعل مقدر ہے اور لفظ اللہ کو ضمیر کی جگہ بعد کی وجہ سے لائے۔

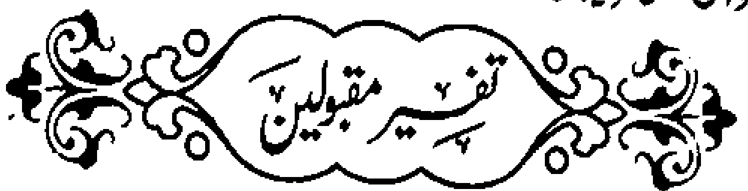
قوله: اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا :کیا انہوں نے اپنے نفوس کے معاملہ میں سوچ بچار نہیں کی وہ دوسروں کی بنسبت ان سے نہایت قریب ہے اور بصیرت والے کے لیے جلی آئینہ ہے۔اس میں ممکنات سب چیزیں روشن نظر آتی ہیں جن سے ایجاد کرنے والے کی اعادے پر قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

قوله: مَا خَلَقَ اللّٰهُ :یہ قول سے متعلق ہے یعنی فیقولوا یا یعلموا۔ یہ محذوف ہیں اور کلام ان پر دلالت کرتا ہے اور وہ ارشاد ہے اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا اي فيقولوا او يعلموا مَا خَلَقَ اللّٰهُ

قوله: بِذٰلِكَ: جار کا تعلق اجل سے ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ کی طرف ہے۔

قوله: بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ: وقت مقررہ ختم ہونے پر اس کو جزاء پالے گا۔

قوله: اَسَآءُوا السُّوْٓاٰی: یعنی سزا یا بری خصلت، تو ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے تا کہ جو ان کا انجام ہونا چاہیے ہو۔



غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝

معرکہ روم وفارس کا انجام:

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لیے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لیے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط لگا لو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی آپ نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لیے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے حضرت عبداللہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکی ہیں دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضور کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر

شرط منظور کرلی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیق نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کردو۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط لگانے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشینگوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی) ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ کرلو کہ کسے سردار بناؤ؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آ گیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز وشاداب ملک کو ویران وغارت کردیا۔ اور اذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم تم کو بتلادیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔ اس بات کا یقین کرلو اس لیے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیشگوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہوکر کہنے لگا اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط لگاتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دونگا ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ شرط قبول کرلی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے آکر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھادو اور مدت بھی بڑھادو۔ حضرت ابو بکر چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہوکر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرو۔ چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔ یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کرکے اسکا سر میرے پاس بھیج دو۔ شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں

گھنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر بزار کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لیے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کیے اور کہا دیکھا اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں خود ہی آمنے سامنے پیش کرونگا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لیے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تاکہ کوئی مکر یا فریب ہو تو کھل جائے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لیے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دئے گئے دونوں وہاں بے ہتھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر

اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی اصحاب رسول ﷺ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔ اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعہ جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں ان کی بحث تو ہم کر چکے ہیں سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچا زاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غندقانیہ تھی حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن ادیوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغریٰ ہے۔ نیز فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی۔ ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کیے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لیے جیسے عید صلیب عید قدرس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کیے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔ کلیسا اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر سطوریہ۔ یہ سب سطور کے مُقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ انکے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیرکی دوراندیشی اور دوربینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر

گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چال چلی اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر راضی ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لیے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوٹے تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کیا۔ جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباروای عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں اس کے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کچھ چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا رومی غالب آ گئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آ ئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی

سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال تک رکھنے چاہیے تھے کیونکہ بضع کے لفظ اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آ جائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔ ابن عباس سدی ثوری اور ابو سعید یہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا عکرمہ زہری اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس رسول کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی ؓ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا ہرقل نے نامہ نبی ﷺ پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابو سفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابو سفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھا لیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کرونگا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا ابو سفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کیے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کی نسبت آپ کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابو سفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بد عہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابو سفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور ﷺ اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔ لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لیے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے کے لیے روانہ ہوا واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لیے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب۔ اور ان کے مقابلے میں مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے

سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لیے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کرلے۔ پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہونگے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔ حضرت زبیر کلامی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا آخر آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آجائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے پروردگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے ٹل جائے یا خلاف ہوجائے۔ جو حق کے قریب ہوا سے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتے ہیں ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گھتیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے نقصان کو پہچان لیتے ہیں بہ یک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور دین میں اخروی کاموں میں محض جاہل غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتادیا کرتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے۔ لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ...

کائنات کا ہر ذرہ دعوتِ فکر دیتا ہے:

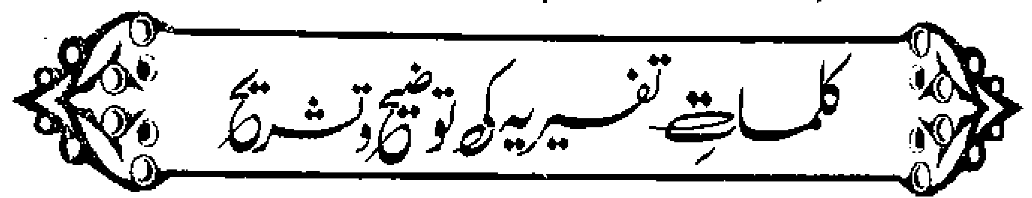
چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت اللہ کی نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو کبھی اور مخلوقات کی پیدائش کو سوچو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بیکار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرتناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہاں کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے انہوں نے دلیلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب اللہ ان پر برس

پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو انکے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا۔ یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو انکی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ اَیْ یُنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ اَیْ خَلْقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾
بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ یَسْکُتُ الْمُشْرِکُوْنَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِمْ وَ لَمْ
یَکُنْ اَیْ لَا یَکُوْنُ لَّهُمْ مِّنْ شُرَکَآئِهِمْ مِمَّنْ اَشْرَکُوْهُمْ بِاللّٰهِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لِیَشْفَعُوْا لَهُمْ شُفَعٰٓؤُا
وَ کَانُوْا اَیْ یَکُوْنُوْنَ بِشُرَکَآئِهِمْ کٰفِرِیْنَ ﴿۱۳﴾ اَیْ مُتَبَرِّئِیْنَ مِنْهُمْ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ تَاکِیْدٌ
یَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْکَافِرُوْنَ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ
یُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ یُسَرُّوْنَ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا الْقُرْاٰنِ وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ الْبَعْثِ وَغَیْرِهٖ
فَاُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اَیْ سَبِّحُوا اللّٰهَ بِمَعْنٰی صَلُّوْا حِیْنَ تُمْسُوْنَ اَیْ
تَدْخُلُوْنَ فِی الْمَسَاءِ فِیْهِ صَلَاتَانِ الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الصَّبَاحِ وَفِیْهِ
صَلٰوةُ الصُّبْحِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِعْتِرَاضٌ وَمَعْنَاهُ یَحْمَدُهٗ اَهْلُهُمَا وَ عَشِیًّا عَطْفٌ عَلٰی
حِیْنٍ وَفِیْهِ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الظُّهْرِ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ کَالْاِنْسَانِ مِنَ
النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ الْبَیْضَةِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ النُّطْفَةَ وَالْبَیْضَةَ مِنَ الْحَیِّ وَ یُحْیِ الْاَرْضَ بِالنَّبَاتِ بَعْدَ
مَوْتِهَا اَیْ یُبْسِهَا وَ کَذٰلِکَ الْاِخْرَاجِ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ ع ۲ ۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے (یعنی لوگوں کی تخلیق کی ابتداء وہی کرتا ہے) پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا (یعنی لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں جلائے گا) پھر اسی کے پاس تم لائے جاؤ گے (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ آس توڑ کر رہ جائیں گے (ان کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے چپ رہ جائیں گے اور ان کے شریکوں میں سے (جنہیں ان لوگوں نے خدا کا ساتھی ٹھہرایا تھا یعنی بت تا کہ وہ ان کے سفارشی ہوں) ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے (ان سے الگ تھلگ ہو جائیں گے) اور جس روز قیامت

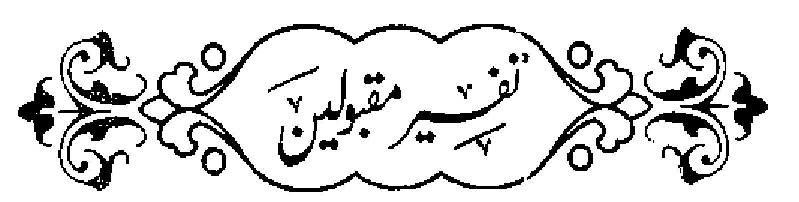
قائم ہوگی اس روز (یہ یومئذٍ پہلے یوم کی تاکید ہے) سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یعنی مومن اور کافر) چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ (جنت) میں مگن (مسرور) ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری (قرآنی) آیات کو اور آخرت کے پیش آنے (بعث وغیرہ) کو جھٹلایا تھا سو ایسے لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو اللہ کی تسبیح پڑھتے رہو (یعنی نماز پڑھا کرو) شام کے وقت (یعنی جب تم شام کرو سبحو بمعنی صلوا ہے اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں) اور صبح کے وقت (صبح ہونے پر (اس میں نماز فجر آگئی) اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے (یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان زمین میں رہنے والے اسی کی حمد کرتے ہیں) اور زوال کے بعد (اس کا عطف لفظ حین پر ہے اس میں نماز عصر آگئی) اور ظہر کے وقت بھی (ظہر میں جب آؤ۔ اس میں نماز ظہر آگئی) وہ جاندار کو بے جان سے باہر نکلتا ہے (جیسے انسان نطفہ سے اور پرندہ انڈے سے) اور بے جان (نطفہ اور انڈے) کو جاندار سے باہر نکلتا ہے اور زندہ کرتا ہے زمین کو (سبزیوں سے) اس کے مردہ (خشک) ہونے کے بعد اس (نکالنے) کی طرح تم بھی باہر لائے جاؤ گے (قبروں سے تخرجون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے)۔



قوله: لَا يَكُوْنُ: ماضی کے الفاظ سے اس کو تعبیر کیا تاکہ اس کا یقینی ہونا ثابت کر دیا جائے۔

قوله: سَبِّحُوا اللّٰهَ: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں لائی گئی ہے۔

قوله: فِي الظُّهْرِ: دن کا درمیان، دوپہر۔



اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ....

یہاں سے معاد یعنی حشر شروع ہوتا ہے اور اس بات کو مدلل کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ مخلوق کو شروع سے پیدا کرتا ہے، یہ بات نہیں کہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا، اگرچہ بھاری بھاری چیزیں اس عالم کی تو پیدا کر دیں۔ جیسا کہ آسمان و زمین، کواکب و عناصر۔ اب ان کے علاوہ انسان نباتات حیوان ہر روز لاکھوں چیزیں پیدا کیا کرتا ہے کہ ان کا اول میں کچھ نام ونشان بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر جو سرے سے پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے بلکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد ہر چیز کو بار دگر پیدا کرے گا اور پھر لوگ عدالت کے دربار میں خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ یہاں سے اس روز کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی نافرمان و مجرم نا اُمید ہو جاویں گے۔ مجرم کون ہیں، کافر و مشرک اور اہل اسلام میں سے فاسق و بدکار، مگر آیت میں کافر و مشرک مراد ہیں، ان کے وہ دلی منصوبے سب

جاتے رہیں گے۔ بعض کہا کرتے تھے کہ ہم کو گنگا مائی بچالے گی، بعض کہتے تھے کہ گائے کی دم پکڑ کے بحر عذاب سے پار ہوجاویں گے اور برہمن نے اس مسئلہ کو اپنے معتقدوں کے دل میں خوب جما رکھا تھا، اس لیے دھرماتما گائے دان کیا کرتے تھے۔ بعض مہاراجہ یہ سمجھتے تھے کہ بیل پر سوار ہوکر پار ہوجاویں گے۔ بعض کہتے تھے ہنومان جی بچالیں گے، بعض کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح تو ہمارے تمام گناہ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اپنے اوپر اٹھاکے لے گئے۔ اب کیا ہے جس نے بپتسمہ یعنی اصطباغ پایا مرتے ہی خدا تعالیٰ کے دائیں طرف تخت رب العالمین کا کنارہ دبا کر بیٹھ جاویں گے، اس طرح مکہ بلکہ عرب کے بت پرست کہیں لات منات پر تکیہ کیے ہوئے تھے، کہیں ملائکہ عناصر اور آفتاب کو قاضی الحاجات دافع المشکلات جانتے تھے۔ وہاں دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی کھڑا نہ ہوگا، بلکہ وَ كَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِیْنَ ۝ اپنے ان معبودوں سے منکر ہوکر کہنے لگیں گے کہ ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ: سیکفرون بعبادتہم۔

ہاں حضرات انبیاء خصوصاً سید المرسلین ﷺ اور ان کے پیرو کاملین ان ایمانداروں کے لیے ضرور سفارش کریں گے کہ جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا دنیا میں ہوگئی ہے، کیونکہ وہ درگاہ کبریائی کے باغی نہ تھے کہ جو اس کے سوا انہوں نے کسی کو معبود بنالیا ہو اور آیت میں صاف اشارہ ہے کہ جو کوئی ان انبیاء کو معبود بنالے گا، اس کی وہ سفارش نہ کریں گے۔ پھر انجام کار وہاں کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل فرماتا ہے، وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ کہ اس روز قیامت برپا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے مجرموں کو فرمانبرداروں سے الگ کردیا جاوے گا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ بہشتوں میں چین کریں گے۔ مدار نجات کا ایمان اور نیک کام کرنے پر رکھا ہے، خواہ اس میں کوئی غریب ہو یا امیر، وضیع ہو یا شریف وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ اور جس نے کہ کفر اختیار کیا۔ اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور قیامت کے منکر ہوئے۔ اس میں شرک اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ بھی آگئے، جن کو وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ میں اجمالاً بیان کردیا کس لیے کہ کفار جو شرک کرتے ہیں۔ وہ آیات توحید کی تکذیب کرتے ہیں اور معصیت کو حلال جان کر کرتے ہیں، اس میں تکذیب آیات قیامت ہے۔ فَاُولٰٓىِٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ پس وہ عذاب میں پکڑے ہوئے لائے جاویں گے۔ یحبرون یسرون بانواع المسار لحظة فلحظة جرہ اذا سرہ (نیشاپوری)

وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ۝

قیامت کے دن مختلف جماعتیں ہونگی، مؤمنین باغوں میں مسرور ہوں گے، مجرمین بدحال ہوں گے:

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر جب سب مرجائیں گے تو دوبارہ زندہ فرمادے گا اور یہ دوبارہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا، مرنے والے زندہ ہوکر اس دن حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس کے بعد مجرمین کی حالت بیان فرمائی کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ ناامید ہوجائیں گے، ان مجرموں میں مشرک بھی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مخلوق کو عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے سفارش

کریں گے ان میں سے کوئی بھی ان کی سفارش نہیں کرے گا نہ کر سکے گا بلکہ شفاعت کے امیدوار خود ہی منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن حاضر ہونے والے مختلف حالتوں میں ہوں گے، اہل ایمان کی حالت اہل کفر کی حالت سے مختلف ہوگی، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ تو بہشت کے باغوں میں مسرور اور خوش وخرم ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور قیامت کے دن کی ملاقات کو نہ مانا، یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰

اس ارشاد سے اس حقیقت سے آگہی بخشی گئی کہ اسی کیلئے حمد وثنا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ یعنی اس پوری کائنات میں۔ ارشاد فرمایا کہ اسی کے لیے ہے تعریف آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ زبان حال سے تو۔ زمین وآسمان۔ کی ہر چیز اسی کی تسبیح وتعریف کرتی ہے۔ اور زبان قال سے بھی اس کی لاتعداد و بے شمار مخلوق اس کے ذکر وتسبیح سے رطب اللسان اور سرشار و شادکام ہے۔ اور جب اس کی یہ شان ہے تو پھر تمہیں بھی ہر وقت اسی کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہنا چاہیے۔ نیز اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس غنی مطلق اور محمود مطلق کو تمہاری حمد وثنا کی کوئی حاجت نہیں کہ اس کی حمد وثنا تو زمین وآسمان کی ہر چیز کر رہی ہے اور برابر و لگاتار کر رہی ہے۔ مگر تمہاری اس تحمید وثنا کا فائدہ خود تم ہی لوگوں کو ہوگا اور وہ اپنے کرم سے تمہیں اس کی جزا سے نوازے گا۔ نیز جو اس کی حمد وثناء سے مشرف وشادکام ہوتے ہیں وہ اس پوری کائنات سے ہم آہنگ اور اس کی سر میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جو اس کے علاوہ اور کسی کی بندگی کرتے ہیں۔ ان کا سر اس کائنات سے بالکل بے جوڑ ہوتا ہے۔ بہرکیف وہی وحدہ لاشریک ہے جس کی حمد وثناء سے کائنات کا ایک ایک گوشہ معمور ومنور ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ تعالى الدَّالَّةِ على قُدْرَتِهٖ تعالى اَيْ اَصْلُكُمْ اٰدَمَ اَنْ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِنْ دَمٍ وَلَحْمٍ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ فِي الْاَرْضِ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا فَخُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَسَائِرُ النِّسَاءِ مِنْ نُطَفِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَتَاْلَفُوْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ جَمِيْعًا مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑ فِيْ صُنْعِ اللّٰهِ تعالى وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اَيْ لُغَاتِكُمْ مِنْ عَرَبِيَّةٍ وَعَجَمِيَّةٍ وَغَيْرِهِمَا وَاَلْوَانِكُمْ ۭ مِنْ بَيَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَيْرِهِمَا وَاَنْتُمْ اَوْلَادُ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ على قُدْرَتِهٖ تعالى لِّلْعٰلِمِيْنَ ㉒ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اَيْ ذَوِي الْعُقُوْلِ وَاُولِي الْعِلْمِ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ

النَّهَارِ بِاِرَادَتِهٖ تَعَالٰی رَاحَةً لَّكُمْ وَابْتِغَاؤُكُمْ بالنهار مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اَیْ تَصَرُّفُكُمْ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَةِ
بِاِرَادَتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَّاعْتِبَارٍ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ اَیْ اِرَاءَتُكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا لِّلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ وَّطَمَعًا لِّلْمُقِیْمِ فِی الْمَطَرِ وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اَیْ یُبْسِهَا بِاَنْ تُنْبِتَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ
وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ بِاِرَادَتِهٖ مِنْ غَیْرِ عَمَدٍ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ
الْاَرْضِ ۖۗ بِاَنْ یَّنْفُخَ اِسْرَافِیْلُ فِی الصُّوْرِ لِلْبَعْثِ مِنَ الْقُبُوْرِ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِنْهَا اَحْیَاءً فَخُرُوْجُكُمْ
مِنْهَا بِدَعْوَةٍ مِنْ اٰیَاتِهٖ تَعَالٰی وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِیْدًا كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾
مُطِیْعُوْنَ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ لِلنَّاسِ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ بَعْدَ هِلَاكِهِمْ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ مِنَ الْبَدْءِ
بِالنَّظَرِ اِلٰی مَا عِنْدَ الْمُخَاطَبِیْنَ مِنْ اَنَّ اِعَادَةَ الشَّیْءِ اَسْهَلُ مِنْ اِبْتِدَائِهٖ وَاِلَّا فَهُمَا عِنْدَهٗ تَعَالٰی سَوَاءٌ فِی
السُّهُوْلَةِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَیِ الصِّفَةُ الْعُلْیَا وَهِیَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَهُوَ الْعَزِیْزُ
فِیْ مُلْكِهٖ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ فِیْ خَلْقِهٖ ع ۳ ۸ ۶

ترجمہ: اور اسی نشانیوں میں سے (جو اللہ کی قدرت پر راہنمائی کرنے والی ہیں) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہارے باپ آدم کو) پھر تھوڑے ہی روز بعد تم (خون اور گوشت سے) آدمی بن کر (زمین میں) پھیل گئے اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی ہم جنس بیویاں بنائیں (چنانچہ حوا کو آدم کی پسلی سے اور باقی عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفے سے پیدا کیا) تاکہ تم کو ان کے پاس سکون حاصل ہو (ان سے الفت ہو) اور تم میاں بیوی میں (باہمی) محبت اور ہمدردی پیدا کی اس (بیان کردہ بات) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ کی صنعت میں) فکر سے کام لیتے رہتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں یعنی لغات کا (اختلاف ہے) بعض عربی اور بعض عجمی وغیرہ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے کسی کا رنگ سفید اور (کسی کا کالا وغیرہ حالانکہ تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو۔ دانش مندوں کے لئے یقیناً ان میں قدرت کی نشانیاں ہیں لِلْعٰلَمِیْنَ فتح لام اور کسرہ لام کے ساتھ ہے یعنی علم و عقل رکھنے والوں کے لئے اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات اور دن میں (اللہ کے ارادہ سے تمہیں آرام پہونچانے کے لئے) اور (دن میں) تمہارا اللہ کی روزی کو تلاش کرنا ہے (اللہ کے حکم سے مطلب معاش کے لئے تمہارے وسائل اختیار کرنا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں (غور اور عبرت کا سننا) اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم

کو دکھلاتا ہے بجلی جس سے (مسافروں کو کڑک سے) ڈر بھی معلوم ہوتا ہے اور مقیموں کو بارش کی) امید بھی نظر آتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (یعنی سوکھ جانے کے بعد اس میں پیداوار کرتا ہے) اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں (نصیحت حاصل کرتے ہیں) اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں (بغیر ستون کے محض اس کے ارادے پر (پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا (اس طرح کہ اسرافیل قبروں سے اٹھنے کے لئے صور پھونکیں گے تو تم یکبارگی نکل پڑو گے) زمین سے زندہ ہو کر۔ سو اللہ کے حکم سے تمہارا زمین سے نکل پڑنا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اور اسی کی ملک ہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہیں (مملوک اور مخلوق اور بندے ہیں) سب اسی کے تابع (مطیع) ہیں اور وہی ہے جو پہلی بار مخلوق (لوگوں) کو پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (مرنے کے بعد) اور یہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے (ابتدائی پیدائش کے مقابلہ میں۔ مخاطبین کے اس نقطہ نظر کی رو سے کہ کسی چیز کا دہرانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے آسان ہوا کرتا ہے ورنہ خدا کے لئے تو ابتداء اور اعادہ دونوں آسان ہونے میں برابر ہیں) اور آسمان اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے (بلند صفت ہے یعنی یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اور وہ (اپنی سلطنت میں) زبردست اور (پیدا کرنے میں) حکمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِذَآ اَنْتُمْ: اِذَآ مفاجات کے لیے ہے کہ پھر تم اچانک پھیلنے والے انسان بن گئے۔

قوله: وَ سَائِرُ النِّسَاءِ: اور تمام عورتوں کو آدمیوں کے نطفوں سے پیدا کیا۔

قوله: لِّتَسْكُنُوْٓا: تاکہ تم اس کی طرف میلان اختیار کر سکو۔

قوله: جَمِيْعًا: تمام مردوں وعورتوں کے مابین نکاح کے ذریعہ محبت وتعلق پیدا کیا یا افرادِ جنس کے درمیان مؤدت پیدا کی۔

قوله: مِنْ بَيَاضٍ: اس طرح کہ اس سے امتیاز ہو، یہاں تک کہ جڑواں بچے بھی مختلف ہوتے ہیں۔

قوله: يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ: ان مقدر ہے۔ ای بان یریکم اس لیے تاکہ تم کو بجلی دکھائے۔

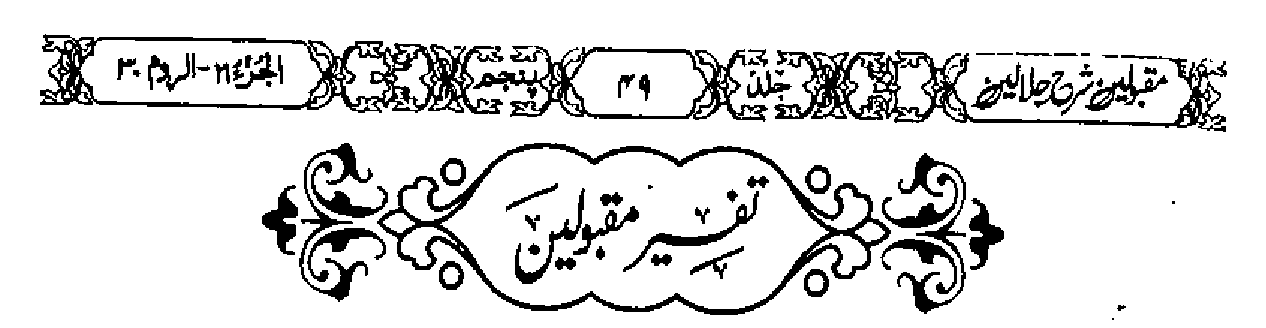
قوله: طَمَعًا: فعل کی علت ہونے کی وجہ سے منصوب کیا۔ مقارنت کی وجہ سے اصل علت سے تشبیہ مقصود ہے اور فاعل ایک ہے اللہ تعالیٰ خوف وطمع کے خالق ہیں۔

قوله: بِارَادَتِهٖ: امر سے تعبیر کمال قدرت اور آلات سے استغناء میں مبالغہ کے لیے لائے۔

قوله: وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ: هُوَ کا مذکر لانا اس کے ساتھ ساتھ کہ وہ اعادہ کی طرف لوٹنے والی ہے تو یہ خبر کے لحاظ سے ہے اور هُوَ مفعول ہے۔

قوله: فِي السَّمٰوٰتِ: ان دونوں میں اسی ہی کے ساتھ اس کی تعریف ہوتی ہے فرمان سے ہو یا دلالت سے۔

قوله: وَهِيَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: یعنی الوہیت والی صفت اور وحدانیت والی صفت ہے۔



تفسیر مقبولین

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ....

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور توحید کے دلائل یہ پوری آٹھ آیات کا ترجمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور مخلوقات میں تصرف فرمانے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور تصرفات بیان فرماتے ہوئے بار بار یوں فرمایا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں، یہ بات چار جگہ فرمائی ہے۔ اولاً: (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ) اور ثانیاً: (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ) اور ثالثاً: (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ) اور رابعاً: (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ) فرمایا ہے، درحقیقت ان آیات میں جن مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے، ان میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور صفت ربوبیت والوہیت اور اس کا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونا پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ آخری تین آیتوں میں قیامت کے دن دوبارہ پیدا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے، اور یہ فرمایا کہ جس نے ابتداءً تخلیق فرمائی وہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔

اول: تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے تم لوگ انہیں کی نسل سے ہو، سورۂ نساء میں فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً) (اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے خوب زیادہ مرد وعورت پھیلائے) (نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ) (ایک جان) سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، ان کی تخلیق مٹی سے تھی لہٰذا سب انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ اسی لیے یہاں سورۂ روم میں (خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ) فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے ان کا جوڑا پیدا کیا یعنی حضرت حوا وجود میں آئیں، پھر دونوں میاں بیوی سے نسل چلی، نسلیں چلتی ہیں مرد وعورت پیدا ہوتے ہیں، تدریجی طور پر نشوونما ہوتی ہے، ہوش سنبھالتے ہیں، جسم میں قوت آتی ہے، اپنی حاجات اور ضروریات کے لیے زمین میں پھیل پڑتے ہیں، مٹی جو بالکل بے جان چیز تھی، اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلہ بنایا پھر اس میں جان ڈال دی، اس طرح سب سے پہلے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس کے بعد برابر مادہ منویہ سے تخلیق ہو رہی ہے جس نے بے جان مٹی میں جان ڈال دی اور بے جان مادہ سے جاندار کو پیدا فرما دیا۔ اسے قدرت ہے کہ وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرما دے، جبکہ مٹی میں رل مل چکے ہوں گے۔

پہلے رکوع کے ختم پر جو (وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ) فرمایا تھا اس کی مزید تفہیم اس رکوع کی پہلی آیت میں فرما دی۔

دوم: یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے پیدا فرما دیئے جو تم ہی میں سے ہیں یعنی عورت مرد جو آپس میں شرعی نکاح کے ذریعہ زوجین بن جاتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اگر وہ بیویاں پیدا نہ فرماتا تو انسان کو زندگی گزارنا دوبھر ہو جاتا۔ بیویوں کے تذکرہ میں جو (خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ) فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتیں جو تمہاری بیویاں ہیں یہ تمہاری ہی جنس سے ہیں، اگر یہ ہم جنس نہ ہوتیں تو الفت کے ساتھ زندگی نہ گزرتی، اسی لیے (لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا) بھی فرمایا،

مطلب یہ ہے کہ ان بیویوں کی تخلیق تمہارے لیے ہے تاکہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے تمہیں سکون حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی وہ ہونی چاہیے جس کے پاس جانے اور رہنے اور زندگی گزارنے سے سکون اور چین نصیب ہو۔ جب میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے آرام و راحت کا خیال رکھتے ہیں تو اچھی طرح زندگی گزرتی ہے، جن عورتوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کرتی ہیں، بات بات میں لڑتی جھگڑتی ہیں وہ مرد کے لیے وبال بن جاتی ہیں۔

مزید فرمایا: (وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً) (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی) یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ میاں بیوی میں ایسا تعلق پیدا فرمادیتا ہے کہ صرف شرعی قانونی ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے دل میں الفت بھی پیدا فرمادیتا ہے اور رحمت بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد اور رحمت کا برتاؤ کرنے والے بن جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ شوہر کہاں کا بیوی کہاں کی، جب نکاح ہو جاتا تو ایک دوسرے میں بے مثال محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، (لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ) مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۶۸ (کہ اے مخاطب دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بڑھ کر تو نے کوئی چیز نہیں دیکھی) چونکہ نکاح والی زندگی ہے اور اس میں جذبات نفسانیہ کی تسکین کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہنے کے جذبات بھی ہوتے ہیں اور عموماً زندگی بھر ساتھ رہنے کی نیت ہوتی ہے اس لیے مؤمن مرد اور عورت آپس میں میل و محبت سے رہنے ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور آپس میں اونچ نیچ کو نباہتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ (مَّوَدَّةً) کا تعلق جوانی کے زمانہ سے ہے جس میں دونوں کی خواہشات آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور (رَحْمَةً) کا تعلق بڑھاپے سے ہے جب جذبات شہوانیہ ختم ہو جاتے ہیں تو آپس میں صرف رحمت ہی کا تعلق رہ جاتا ہے اور طبعی طور پر ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں کہ جس کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گزاری ہے اس کے اعذار اور امراض کے زمانہ میں خدمت کرنی چاہیے اور اس کے کام آنا چاہیے۔ نکاح سے پہلے بھی یہ دیکھ لینا ہے کہ عورت میل و محبت کے ساتھ رہنے والی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے (تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ) (ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کے ساتھ گزارہ کرنے والی ہو اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا) رواہ ابوداؤد والنسائی کما فی المشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۶۸۔ عورت کے خاندان کی عورتوں کے احوال جاننے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ خاندان کثیر الاولاد ہے کہ نہیں۔)

نکاح کے برخلاف جو نفسانی تعلق مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا مظاہرہ زناکاری کی صورت میں ہوتا ہے، اس سے آپس میں محبت پیدا نہیں ہوتی، ایک نفسانی اور مطلب برآری کا تعلق ہوتا ہے یہ تعلق کتنا رہتا ہے، جہاں جس سے مطلب نکلتا دیکھا اسی سے جوڑ لگا لیا پھر جب جی چاہا تعلق توڑ دیا۔ جیسا کہ انگلینڈ میں اس کا عام مزاج اور رواج بن گیا ہے وہاں زناکار مرد اور عورت جو آپس میں دوست (فرینڈ) بنتے ہیں وہ جھوٹی دوستی ہوتی ہے، آپس میں محبت اور رحمت کے وہ جذبات نہیں ہوتے جو شرعی نکاح کی وجہ سے دلوں میں رچ بس جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندہ کو خوف خدا کی نعمت حاصل ہونے کے بعد نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی، اگر اس بیوی کو حکم دے تو فرمانبرداری کرے اور اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور اگر وہ اس سے متعلق کوئی قسم کھا بیٹھے تو اسے قسم میں سچا کر دے (ایسا معاملہ نہ کرے جس سے اس کی قسم ٹوٹ جائے) اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان میں اور اس کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے۔ مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲٦۸۔ (یعنی اس کی خیانت نہ کرے) مرد کو بھی چاہیے کہ نباہنے اور آرام پہنچانے کی فکر رکھے اگر کوئی بات ناگوار ہو تو اسے ٹال دے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مؤمن مرد اپنی مؤمن بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم)

(اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ) (بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یعنی میاں بیوی کے۔

مذکورہ تعلق کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیاوی مقاصد پر نظر کی جائے تو بہت سی نشانیاں سمجھ آسکتی ہیں۔

سوم: آسمان اور زمین کی تخلیق کا اور:

چہار: انسان کی بولیوں اور رنگتوں کا تذکرہ فرمایا، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ آسمان وزمین کی تخلیق کا دیگر آیات میں بھی تذکرہ ہے، ان دونوں کا وجود سب کے سامنے عیاں ہے، ظاہر ہے، آسمان اور زمین بڑی چیزیں ہیں، بنی آدم آسمان کے نیچے رہتے ہیں، زمین کے فرش پر بستے ہیں انسانوں کی زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا مظاہرہ ہے، انسانوں کو بولنے کی صفت سے متصف فرمانا اور اسے الفاظ وکلمات سکھانا اور بات کرنے کی قوت اور استعداد عطا فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس میں قدرت الٰہیہ کا مظاہرہ بھی ہے، جس کسی کو گونگا بنادیا وہ بول نہیں سکتا اور جس کسی کو بولنے کی قوت دی ہے وہ حروف اور کلمات کی ادائیگی میں خود مختار نہیں، حروف کے جو مخارج اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں انسان انہی مخارج سے حروف ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ب دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور میم کا مخرج بھی یہی ہے لیکن ب بری ہے اور میم بحری ہے (اسے اصحاب تجوید جانتے ہیں) ایک کو دوسرے کی جگہ سے ادا نہیں کر سکتے، جب ب اور میم کا یہ حال ہے جو بہت زیادہ قریب المخرج ہیں (بلکہ دونوں کا مخرج ایک ہی بتایا جاتا ہے) تو ب کو جیم کے مخرج سے اور جیم کو ح کے مخرج سے کیسے ادا کر سکتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جو قوت گویائی عطا فرمائی ہے یہ مختلف لغات میں اور بے شمار بولیوں میں بٹی ہوئی ہیں، مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کتنی زبانیں ہیں، ہر زبان کے لغات علیحدہ ہیں، طرز تکلم مختلف ہے، کسی زبان میں مضاف الیہ پہلے بولا جاتا ہے اور کسی زبان میں مضاف پہلے ہوتا ہے، بعض زبانوں میں مذکر مونث کے لیے ایک ہی فعل ہے (مثلاً فارسی میں) اور بعض زبانوں میں تثنیہ کا صیغہ الگ ہے اور جمع کا صیغہ اس سے مختلف ہے، بعض زبانوں میں وہ حروف ہیں جو دوسری زبانوں میں

نہیں ہیں مثلاً ص اور ظ اور ق اور ذ اور ث عربی زبان میں ہیں اور کھ اور گھ اردو زبان میں ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں، اور بری زبان میں ر انہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو حرف جس زبان کا ہے اس کے علاوہ دوسری زبان والے آدمی کو اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے لوگ محنت کرنے پر بھی نہیں بول سکتے۔ ان امور کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہے اور اس کی نعمت کا بھی اور انسانوں کے عاجز ہونے کا بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کلمات اور لغات تو مختلف ہیں ہی لب ولہجہ بھی مختلف ہے، آوازیں بھی مختلف ہیں، مختلف علاقوں کے لوگ مختلف لب ولہجہ میں بات کرتے ہیں، بات سننے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں علاقہ کا آدمی ہے یا فلاں نسب و نسل سے تعلق رکھتا ہے، پھر مردوں کی آواز الگ اور عورتوں کی آواز جدا، بچوں کی آواز علیحدہ، پھر ہر فرد ہر شخص کی آواز علیحدہ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

زبانوں کا اختلاف بیان فرمانے کے بعد رنگتوں کا اختلاف بیان فرمایا، سارے انسانوں کی صورتیں اس اعتبار سے تو ایک ہی ہیں کہ ہر شخص کے چہرہ ناک ہے اور ناک کے اوپر دو آنکھیں ہیں اور ناک کے نیچے منہ ہے اور اس کے اندر دانت ہیں جو ہونٹوں کے کھولنے سے نظر آتے ہیں، لیکن صورتوں میں اتنا اختلاف ہے کہ نسب ونسل کے اعتبار سے بھی صورتیں مختلف ہیں اور علاقوں کے اعتبار سے بھی، مردانہ صورتیں علیحدہ ہیں اور زنانہ صورتیں الگ، اور باہمی امتیاز بھی ہے، ہر شخص اور ہر فرد کی صورت جدا ہے، یہ تو ہوا صورتوں کی ہیئتوں کا اختلاف، پھر ان صورتوں کا مزید اختلاف رنگوں کے اعتبار سے بھی ہے، کسی کا رنگ کالا ہے کسی کا گورا ہے، پھر ان میں بھی تفاوت ہے۔ یہ الوان واشکال کا فرق صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ) (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)

پنجم اور ششم: السنہ اور الوان کی نعمت کا تذکرہ فرمانے کے بعد انسانوں کے سونے اور رزق تلاش کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کا سونا اور سونے کے لیے مجبور ہونا اور نیند کا آجانا اور آرام پانا جو عموماً رات کو ہوتا ہے اور بہت سے افراد دن میں بھی سو جاتے ہیں خاص کر جنہیں قیلولہ کی عادت ہوتی ہے، یہ سونا اور آرام پانا سب اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی نشانی بھی، انسان بعض مرتبہ سونا نہیں چاہتا لیکن نیند کا غلبہ اسے سلا ہی دیتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سونے کی نیت سے لیٹا، دماغ تھکا ہوا ہے جسم تھکن سے بے جان ہو رہا ہے آنکھیں میچتا ہے، کروٹیں بدلتا ہے، پوری رات گزر جاتی ہے لیکن نیند نہیں آتی، اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے تو سلا دیتا ہے اور وہی چاہتا ہے تو جگا دیتا ہے۔ اسی لیے تو سو کر اٹھنے کی دعا میں دونوں نعمتوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے اس لیے اسے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سو کر اٹھنے کی دعا یہ ہے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ) (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت دے کر زندگی بخش دی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر قبروں سے نکل کر جانا ہے) کیونکہ بہت سے لوگ رات میں بھی کسب کرتے ہیں اور رزق تلاش کرتے ہیں اس لیے (مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ) فرمایا۔ جس طرح دن میں بھی سونا ہو جاتا ہے گو عمومی طور پر سونے کے لیے رات ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح رات میں بھی تحصیل رزق کی صورتیں بن جاتی ہیں، الفاظ کے عموم نے دو باتیں بنا دی ہیں۔

دن کا نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رزق تلاش کرنے کے قابل ہونا بھی اس کا انعام ہے، اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، آدمی نہ سونے میں مختار ہے نہ جاگنے میں نہ رزق کمانے کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کا ارادہ ہو تو یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں، آخر میں فرمایا: (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ) (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔)

ہفتم و ہشتم: بجلی کے چمکنے اور آسمان سے پانی نازل فرمانے اور اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ جب بجلی چمکتی ہے تو انسان ڈرتے بھی ہیں اور بارش ہونے کی امید بھی رکھتے ہیں، کیونکہ عام طور پر بجلی چمکنے کے بعد بارش ہو جاتی ہے اور جب بارش ہو جاتی ہے تو مردہ زمین میں زندگی آ جاتی ہے، زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، عقلمندوں کو چاہیے کہ اس میں غور کریں اور سوچیں، بجلی چمکی، خوف دہراس طاری ہوا، بارش کی امید بندھی، پانی برسا، زمین سرسبز ہوئی، یہ سب کیسے ہوا؟ کس کی قدرت سے ہوا؟ (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ) (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں) اگر غور کریں گے تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور ارادہ سے ہوا۔

نہم اور دہم: یہ فرمایا کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ تین آیات میں پہلے آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی بقا کا تذکرہ ہے، جب تک ان کے باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اس وقت تک باقی رہیں گے اور جب قیامت کے دن ان کا حال بدلنے کا ارادہ ہوگا تو اس وقت ان کی حالت بدل جائے گی، آسمان پھٹ پڑیں گے اور زمین میں زلزلہ آ جائے گا، آسمان کو اپنی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر قائم رکھنا اور زمین کو اس کی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر باقی رکھنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے اس میں کسی اور کا کچھ بھی کوئی دخل نہیں۔ سورۃ فاطر میں فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ) (بلاشبہ اللہ آسمان اور زمین کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔)

یہ آسمان قائم ہے، اس کے نیچے جتنے لوگ ہیں زمین کے اوپر بستے ہیں، اس کے بقا کی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے وہ جب تک اس دنیا کو باقی رکھے گا باقی رہے گی، جب فنا کرنا چاہے گا فنا ہو جائے گی، صور پھونکا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا، قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور حساب کے میدان میں جمع ہو جائیں گے اسی کو فرمایا: (ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ) (پھر جب وہ تمہیں بلائے گا زمین سے اچانک تم نکل آؤ گے) پھر فرمایا: (وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝) (آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے اور سب اس کے حکم کے تابع ہیں، تکوینی طور پر وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔)

آخری آیت میں ابتدا اور اعادہ کا تذکرہ فرمایا: (وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ) (اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا) (وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ) (اور اسے دوبارہ پیدا فرمانا پہلی بار پیدا فرمانے کے بہ نسبت

زیادہ آسان ہے) یہ لوگوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کیونکہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ کسی چیز کا دوبارہ وجود میں لانا پہلی دفعہ لانے کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا: فاما تکذیبه ایای فقوله لن یعیدنی کما بدأنی وَلَیْسَ اول الخلق باھون عَلَیَّ من اعادته (ابن آدم یوں کہہ کر مجھے جھٹلاتا ہے کہ اللہ نے جو پہلی بار مجھے پیدا کیا تھا اس کے بعد مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہ فرمائے گا حالانکہ میرے لیے پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے) یعنی جو قدرت ابتداء پیدا کرنے پر ہے وہی دوبارہ پیدا کرنے پر ہے، اس کے لیے دونوں برابر ہیں (رواہ البخاری) ھذا اذا ارید باھون مَا یَدُل علیه اسم التفضیل۔ (قال صاحب الروح وروی الزجاج عن أبی عبیدة و کثیر من اھل اللغة ان (اھون) ھٰھُنَا بمعنی ھین وروی ذلک عن ابن عباس والربیع و کذا ھو فی مصحف عبد اللہ۔ (یہ اس وقت ہے جب کہ یہاں اھون کو اسم تفضیل کا صیغہ سمجھا جائے تفسیر روح المعانی والے کہتے ہیں زجاج نے ابوعبیدہ اور بہت سارے اہل لغۃ سے روایت کیا ہے کہ یہاں اھون ھینٌ کے معنی میں ہے اور یہی بات حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور ربیع سے بھی مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں بھی اسی طرح تھا۔)

پھر فرمایا: (وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی) (اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے) یعنی آسمان اور زمین کے رہنے والے جانتے ہیں اور اس کا یہ وصف بیان کرتے ہیں کہ اس کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے، وہ صفات کمال سے متصف ہے، اس کی صفت قدرت بھی عام ہے اور حکمت بھی تام ہے، قال صاحب الروح فِی السَّمٰوٰت والارض متعلق بمضمون الجملة المتقدمة علیٰ معنی انه سبحانه وقد وصف بذلک وعرف به فیهما علی السنة الخلائق والسنة الدلائل (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں (فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) پچھلے جملہ کے مضمون سے متعلق ہے اس کے معنی ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان صفات کے ساتھ آسمانوں اور زمینوں میں اسی وصف کے ساتھ جانا پہچانا جاتا ہے مخلوقات کی زبانوں پر بھی یہی ہے اور دلائل کی زبان سے بھی) (وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ) (اور وہ عزت اور غلبہ والا ہے اس کی بڑی قدرت ہے اور وہ حکمت والا بھی ہے) قیامت واقع کرنے اور دوبارہ پیدا فرمانے میں جو تاخیر ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے۔

ضَرَبَ جَعَلَ لَکُمْ اَیُّهَا الْمُشْرِکُوْنَ مَّثَلًا کَائِنًا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ ؕ وَهُوَ هَلْ لَّکُمْ مِّنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَیْ مِنْ مَمَالِیْکِکُمْ مِّنْ شُرَکَآءَ لَکُمْ فِیْ مَا رَزَقْنٰکُمْ مِنَ الْاَمْوَالِ وَغَیْرِهَا فَاَنْتُمْ وهم فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ ؕ اَیْ اَمْثَالَکُمْ مِنَ الْاَحْرَارِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَی النَّفْیِ الْمَعْنٰی لَیْسَ مَمَالِیْکُکُمْ شُرَکَاءَ لَکُمْ اِلٰی اٰخِرِهٖ عِنْدَکُمْ فَکَیْفَ تَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِیْکِ اللّٰهِ شُرَکَاءَ لَهٗ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ نُبَیِّنُهَا مِثْلَ ذٰلِکَ التَّفْصِیْلِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ یَتَدَبَّرُوْنَ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا بِالْاِشْرَاکِ

أَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ؕ اَىْ لَا هَادِىَ لَهٗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ مَا
نِعِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ فَاَقِمْ يَا مُحَمَّدُ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ مَائِلًا اِلَيْهِ اَىْ اَخْلِصْ دِيْنَكَ لِلّٰهِ اَنْتَ وَمَنْ
تَبِعَكَ فِطْرَتَ اللّٰهِ خِلْقَتَهُ الَّتِيْ فَطَرَ خَلَقَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ وَهِىَ دِيْنُهٗ اَىْ اِلْزَمُوْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ
اللّٰهِ ؕ لِدِيْنِهٖ اَىْ لَا تُبَدِّلُوْهُ بِاَنْ تُشْرِكُوْا ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ الْمُسْتَقِيْمُ تَوْحِيْدُ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ تَوْحِيْدَ اللّٰهِ مُنِيْبِيْنَ رَاجِعِيْنَ اِلَيْهِ تَعَالٰى فِيْمَا اَمَرَ بِهٖ وَنَهٰى عَنْهُ حَالٌ مِنْ
فَاعِلِ اَقِمْ وَمَا اُرِيْدَ بِهٖ اَىْ اَقِيْمُوا وَ اتَّقُوْهُ خَافُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ
الَّذِيْنَ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِيْمَا يَعْبُدُوْنَهٗ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ فِرَقًا فِيْ ذٰلِكَ كُلُّ
حِزْبٍ مِنْهُمْ بِمَا لَدَيْهِمْ عندهم فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ مَسْرُوْرُوْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَارَقُوْا اَىْ تَرَكُوْا دِيْنَهُمُ الَّذِىْ
اُمِرُوْا بِهٖ وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ اى كفار مكة ضُرٌّ شِدَّةٌ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ رَاجِعِيْنَ اِلَيْهِ دُوْنَ غَيْرِهٖ
ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً بِالْمَطَرِ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ
اُرِيْدَ بِهِ التَّهْدِيْدُ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَاقِبَةَ تَمَتُّعِكُمْ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ
الْاِنْكَارِ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَكِتَابًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ تَكَلُّمَ دَلَالَةٍ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَىْ
يَأْمُرُهُمْ بِالْاِشْرَاكِ لا وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ فَرِحَ بَطَرٍ وَ اِنْ
تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ شِدَّةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ يَيْئَسُوْنَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَانِ الْمُؤْمِنِ
اَنْ يَّشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوْ رَبَّهٗ عِنْدَ الشِّدَّةِ اَوَ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ
يَّشَآءُ امْتِحَانًا وَ يَقْدِرُ ؕ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ بِهَا فَاٰتِ ذَا
الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ حَقَّهٗ وَمِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ الْمُسَافِرِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَاُمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَعٌ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اَىْ ثَوَابَهٗ بِمَا يَعْلَمُوْنَ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ الْفَائِزُوْنَ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا بِاَنْ يُّعْطِيَ شَيْئًا هِبَةً اَوْ هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ فَسُمِّيَ بِاسْمِ

الْمَطْلُوْبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ الْمُعْطِيْنَ اَيْ يَزِيْدُ فَلَا يَرْبُوْا يَزْكُوْا عِنْدَ
اللّٰهِ ۚ اَيْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِلْمُعْطِيْنَ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ صَدَقَةٍ تُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُضْعِفُوْنَ ۝ ثَوَابَهُمْ بِمَا اَرَادُوْهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مِمَّنْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: بتلائی تم کو (تمہارے لئے بیان کی اے مشرکین) ایک مثل تمہارے اندر سے (اور وہ یہ ہے) کیا تمہارے غلاموں میں (جو تمہارے مملوک ہوں) کوئی شخص تمہارا شریک ہے (تمہارے مال وغیرہ میں) جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ آپس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ (یعنی جو تم جیسے آزاد ہو۔ اس میں استفہام نفی کے معنی میں ہے) حاصل یہ ہے کہ تمہارا کوئی غلام بھی تمہاری برابر کا تمہارے نزدیک شریک نہیں سمجھا جاتا پھر اللہ کے کچھ بندوں کو تم اس کا شریک کیسے بناتے ہو؟) ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کر دیا کرتے ہیں (جس طرح یہاں کھول کر بیان کر دیا ہے) سمجھداروں (تدبر کرنے والوں) لیے بلکہ (شرک کرنے والے) ان ظالموں نے اتباع کر رکھا ہے بلا دلیل اپنے خیالات کا، سو جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے (یعنی کوئی اس کا راہنما نہیں ہو سکتا) اور نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا (عذاب الٰہی کو روکنے والا) سو (اے محمدؐ) تم اپنا رخ اس دن کی طرف یکسو رکھو (دین کی طرف متوجہ ہو کر یعنی آپ اپنا دین اور آپ کے پیروکار اللہ کے لئے خالص رکھیں) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو (جو اس کی پیدا کردہ ہے) جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اس کا دین ہے۔ یعنی تم اسے لازم پکڑو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے (یعنی اس کے دین میں تم اسے شرک کر کے تبدیل مت کرو) یہی ہے سیدھا دین (راہ مستقیم اللہ کی توحید ہے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں جانتے (اللہ کی توحید کو) تم اسی کی طرف رجوع رہو (جس چیز کا اس نے حکم دیا اور جس بات سے منع کیا مُنِيْبِيْنَ حال واقع ہے اقم کے فاعل سے اور جو اقم کی مراد میں داخل ہوں یعنی تم سب متوجہ ہو جاؤ) اور اسی سے ڈرو اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان لوگوں میں (یہ بدل ہے حرف جار کے اعادہ سے (جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (طریقہ عبادت یا معبود میں اختلاف کی وجہ سے) اور بہت سے گروہ ہو گئے (دین میں فرقے بن گئے) ہر گروہ (ان میں سے) اس طریقہ پر (جو ان کا بنایا ہوا ہے) نازاں ہے (خوش ہے اور ایک قرآت میں لفظ فارقوا ہے یعنی انہوں نے اپنے اس دین کو چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا) اور جب (کفار مکہ میں سے) لوگوں کی کوئی تکلیف (مصیبت) پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارنے لگتے ہیں اسی کی طرف رجوع ہو کر (دوسری طرف نہیں) پھر اللہ تعالیٰ جب اپنی عنایت (بارش) کا کچھ مزا چکھا دیتے ہیں تو پھر ان میں سے بعض لوگوں اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے اس سے ناشکری کریں (اس کا مقصد دھمکی ہے) سو کچھ اور فائدہ اٹھا لو پھر جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے

مزے اڑانے کا انجام، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے (حجت اور کتاب) کہ وہ کہہ رہی ہو (زبان حال سے) شرک کرنے کو نہیں اور جب ہم لوگوں یعنی مکہ کے کفار وغیرہ کو کچھ رحمت (نعمت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (مستی سے اتراتے ہیں) اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں حالانکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا کرے اور مصیبت میں اللہ سے امید رکھے) کیا ان کی نظر اس پر نہیں (وہ نہیں جانتے) کہ اللہ کشادہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے (بطور آزمائش) اور تنگ کر دیتا ہے۔ جسے چاہے آزمائش کے لئے گھٹا دیتا ہے) بیشک اس میں نشانیاں ہیں ایمانداروں کے لئے سو قرابت داروں کو اس کا حق دیا کرو (بھلائی اور اچھا سلوک کرکے) اور مسکین اور مسافر کو بھی (راہ گیر کو خیرات میں سے۔ آنحضرت ﷺ کی امت بھی اس حکم میں آپ کے تابع ہے) یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی کے طلب گار ہیں (اپنے اعمال کے ثواب کے) اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (کامیاب ہیں) اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ زیادہ ہو جائے (اس طرح سے کہ کوئی شخص ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کسی کو دے تاکہ اس سے زیادہ حاصل ہو جائے اس لئے معاملہ میں زیادتی کو مطلوب کا نام دیا گیا ہے) لوگوں کے مال میں شامل ہو کر (جو مال دینے والے ہیں یعنی مال، مال میں مل کر بڑھ جائے) تو یہ بڑھتا نہیں ہے (یعنی اس میں دینے والوں کو ثواب نہیں ملے گا) اور جو تم صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو سو ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بڑھاتے رہیں گے (جس ثواب کا وہ ارادہ کریں گے۔ (اس میں صیغہ مخاطب سے التفات ہے) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں جلائے گا کیا تمہارے شرکا میں سے بھی) جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے) کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے (نہیں) وہ پاک ہے اور بلند ہے ان سب چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِّنْ اَنْفُسِكُمْ: یعنی تمہارے اپنے نفسوں سے لی گئی اور تمام احوال سے حاصل کی گئی کیونکہ وہ تمہارے نفسوں سے قریب تر ہے۔

قوله: فِطْرَتَ اللهِ: یہ الزام کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے الزموا فطرة الله۔ تم فطرت الٰہی کو لازم پکڑو۔

قوله: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ: یعنی کسی کو تبدیل کرنے کی قدرت نہیں یا کسی کو اس کی تبدیلی مناسب نہیں۔

قوله: وَمَا اُرِيْدَ بِهِ: اور جو اَقِمْ سے مراد لی گئی ہے حالانکہ وہ رسول اور ان کی امت ہے کیونکہ آیت جناب نبی مکرم ﷺ اور آپ کی امت کو سوال ہے۔

قوله: فِيْمَا يَعْبُدُوْنَهٗ: ان میں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یعنی اپنی خواہشات کے اختلاف کے مطابق۔

قوله: اُرِيْدَ بِهٖ: یعنی ان کا لِيَكْفُرُوْا امر ہے اس سے مراد تہدید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتے اور بعض نے کہا کہ

لام تو لام جارہ ہے اور ان مقدر ہے اور لام لام عاقبت ہے۔

قوله: فَرِحَ: تکبر ونشاط کو کہتے ہیں۔

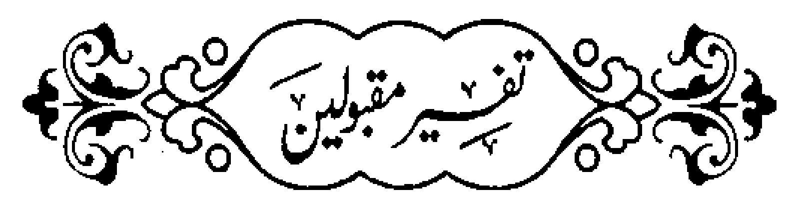
قوله: بِهَا: کمال قدرت وحکمت پر استدلال کرتے ہیں۔

قوله: تَبَعٌ لَهُ فِي ذٰلِكَ: دینے کے لازم ہونے میں جو کہ آپ ﷺ کے حکم سے سمجھ آ رہا ہے۔

قوله: لِلْمُطِيْعِيْنَ: یعنی تاکہ دینے والوں کے مال میں اضافہ ہو۔

قوله: هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۞: یعنی وہ ثواب کو بڑھانے والے ہیں اور مُضْعِف کی مثال مقوی وموسر جو ذی قوت اور ذی یسار ہو۔

قوله: فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ: اس تعظیم کے لیے حاضر سے مخاطب کیا۔



ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ....

مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو شریک اللہ جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ وہ حج وعمرے کے موقعہ پر لبیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ دعا (لبیک لا شریك لك الا شریکا هو لك تملکه و ماملك) یعنی ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے سب تیری ملکیت میں ہے۔ یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے۔ پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس ہی میں پائیں۔ اور بہت اچھی طرح غور وخوض کر سکیں۔ فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضامند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر کے شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں۔ پس جس طرح تم یہ بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ کے لیے بھی نہ چاہو جس طرح غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتا اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ عجب ناانصافی ہے کہ اپنے لیے جس بات سے چڑیں اور نفرت کریں اللہ کے لیے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ خود بیٹیوں سے جلتے تھے اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوتے کہ اپنے غلاموں کو اپنا برابر کا شریک وسہیم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرک جو لبیک پکارتے تھے اور اس پر یہ آیت اتری۔ اور اس میں بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسی طرح تفصیل وار دلائل غافلوں

کے سامنے رکھ دیتے ہیں پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں صرف کرشمہ جہالت اور پیروی خواہش ہے۔ جبکہ یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے سوا اور کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ یہ گو دوسروں کا اپنا کارساز اور مددگار مانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان اللہ کا دوست کوئی نہیں۔ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے۔ کون ہے جو اس پر مہربانی کرے جس پر اللہ نامہربان ہو؟ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۔۔۔۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو یا عام مخاطب کو حکم دیا ہے کہ جب شرک کا نامعقول اور ظلم عظیم ہونا ثابت ہو گیا تو آپ سب خیالات مشرکانہ کو چھوڑ کر اپنا رخ صرف دین اسلام کی طرف پھیر لیجئے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا

اس کے بعد اس دین اسلام کا مطابق اور مقتضائے فطرت ہونا اس طرح بیان فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ جملہ پہلے جملے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا کی توضیح اور دین حنیف جس کے اتباع کا حکم پہلے جملے میں دیا گیا ہے اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے کہ وہ دین فطرت ہے اور فطرۃ اللہ کی ترکیب نحوی میں منصوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں کہ لفظ اتبع یہاں سے محذوف ہے، یا لفظ اعنی، بہرحال یہ متعین ہے کہ دین حنیف جس کا اتباع کا پہلے جملے میں حکم دیا گیا ہے اس کو اس جملے میں فطرۃ اللہ قرار دیا ہے اور معنی اس کے خود اگلے جملے میں یہ بتلائے کہ اللہ کی فطرت سے مراد یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟:

اس معاملہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں ان میں دو زیادہ مشہور ہیں۔

اول: یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو گرد و پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کر دے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا۔ مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔ قرطبی نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد ہے۔ یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے۔

مگر پہلے قول پر متعدد اشکالات ہیں، اول یہ کہ خود اسی آیت میں یہ بھی آگے مذکور ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لیے معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث صحیحین میں خود یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اگر فطرت

کے معنی خود اسلام کے لیے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں، اگر اسلام ایسی فطرت ہے جس میں تبدیلی نہ ہوسکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرے حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا، اس لیے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا، یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہو۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق فقہاء امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی تجہیز و تکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

یہ سب شبہات امام توربشتی نے شرح مصابیح میں بیان کیے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اس خلقی استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق یعنی اسلام کی حقانیت کے پہچاننے کی ختم نہیں ہوتی غلام خضر کے واقع میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی اور چونکہ اس خداداد استعداد و قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اس لیے اس پر ثواب عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہوگیا اور حدیث صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہوگیا کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی وہ اسلام ہی کی طرف لے جانے والی تھی، مگر عوارض اور موانع حائل ہوگئے اور اس طرف نہ جانے دیا اور حضرات سلف سے جو پہلا قول منقول ہے بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں، بلکہ یہی استعداد اسلام اور اس کی قابلیت و صلاحیت ہے۔ محدث دھلوی نے لمعات شرح مشکوۃ میں جمہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں، ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کرسکے قرآن کریم میں اَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس مقصد کے لیے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے۔ شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچاننے اور انتخاب کرے پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لاکر جمع کرے۔ اسی طرح انسان کی فطرت و جبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، اس کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے، اس کا نام اسلام ہے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ۔ مذکور الصدر تقریر سے اس جملے کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت واستعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس کو غلط ماحول کافر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا نہیں کر سکتا۔

اور اسی سے اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے وہ ہماری عبادت کیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے۔ اگر وہ اس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہر گز سرزد نہ ہو۔

اہل باطل کی صحبت اور غلط ماحول سے الگ رہنا فرض ہے:

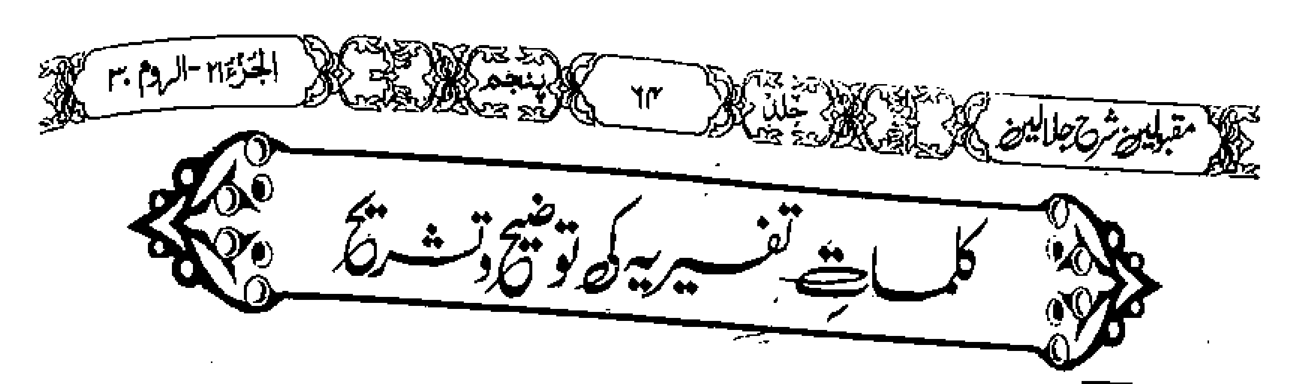
آیت مذکورہ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کا جملہ اگرچہ بصورت خبر ہے یعنی اللہ کی اس فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا، لیکن اس میں ایک معنی امر کے بھی ہیں کہ بدلنا نہیں چاہیے۔ اس لیے اس جملے سے یہ حکم بھی مستفاد ہوا کہ انسان کو ایسے اسباب سے بہت پرہیز کرنا چاہیے جو اس قبول حق کی استعداد کو معطل یا کمزور کر دیں اور وہ اسباب بیشتر غلط ماحول اور بری صحبت ہے، یا اہل باطل کی کتابیں دیکھنا جب کہ خود اپنے مذہب اسلام کا پورا عالم اور مبصر نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ اى القِفَارِ بِقَحْطِ الْمَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ وَالْبَحْرِ اى الْبِلَادِ الَّتِيْ عَلَى الْاَنْهَارِ بِقِلَّةِ مَائِهَا بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ مِنَ الْمَعَاصِيْ لِيُذِيْقَهُمْ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا اى عُقُوْبَتَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾ يَتُوْبُوْنَ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٢﴾ فَاُهْلِكُوْا بِاِشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِنِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ خَاوِيَةٌ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ يَتَفَرَّقُوْنَ بَعْدَ الْحِسَابِ اِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَبَالُ كُفْرِهٖ هُوَ النَّارُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ يُوَطِّئُوْنَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِيَصَّدَّعُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ يُثِيْبُهُمْ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ اى يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ تَعَالٰى اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ بِمَعْنٰى لِتُبَشِّرَكُمْ بِالْمَطَرِ وَّلِيُذِيْقَكُمْ بِهَا مِّنْ رَّحْمَتِهٖ الْمَطَرِ وَالْخِصْبِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ السُّفُنُ بِهَا بِاَمْرِهٖ بِاِرَادَتِهٖ

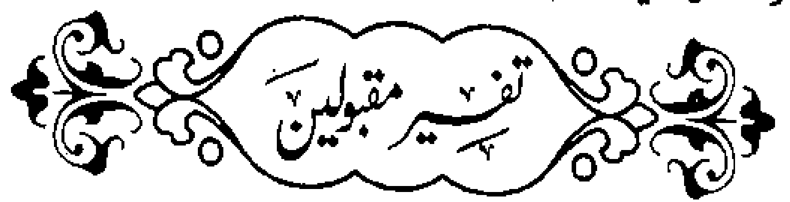
وَلِتَبْتَغُوْا تطلبوا مِنْ فَضْلِهٖ الرزق بالتجارة في البحر وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ هذه النعم يا اهل مكة
فتوحدونه وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بالحجج الواضحات
على صدقهم في رسالتهم اليهم فكذبوهم فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا اهلكنا الذين كذبوهم وَ
كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ على الكافرين اهلاكهم وانجاء المؤمنين اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ
الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا تزعجه فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ من قلة وكثرة وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا بفتح
السين وسكونها قطعا متفرقة فَتَرَى الْوَدْقَ المطر يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ اي وسطه فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ
بالودق به مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ يفرحون بالمطر وَاِنْ وقد كَانُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ تاكيد لَمُبْلِسِيْنَ ۝ آئسين من انزاله فَانْظُرْ اِلٰٓى اَثَرِ وفي قراءة اٰثار
رَحْمَتِ اللّٰهِ اي نعمته بالمطر كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اي يبسها بان تنبت اِنَّ ذٰلِكَ المحيي
الارض لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ لام قسم اَرْسَلْنَا رِيْحًا مضرة على نبات
فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا صاروا جواب القسم مِنْۢ بَعْدِهٖ اي بعد اصفراره يَكْفُرُوْنَ ۝ يجحدون النعمة
بالمطر فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية
بينها وبين الياء وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ ما تُسْمِعُ سماع افهام و
قبول اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا القرآن فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ مخلصون بتوحيد الله ع ۱۳ ۸

ترجمہ: پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں (یعنی جنگلات میں بارش کے نہ ہونے اور پیداوار کی کمی سے) اور دریا میں (یعنی ساحلی علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے) لوگوں کے اعمال کے سبب (یعنی گناہوں کی وجہ سے) تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزا (بدلہ) چکھائے (لِیُذِیْقَھُمْ نون اور یاء کے ساتھ دونوں طرح سے ہے) تاکہ وہ لوگ باز آجائیں (توبہ کرلیں) آپ فرما دیجئے (کفار مکہ سے) کہ ملک میں چلو پھر دیکھو جو لوگ پہلے ہوگزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ ان میں اکثر مشرک ہی تھے (چنانچہ وہ شرک کی پاداش میں تباہ ہوگئے ان کے گھر محلات کھنڈرات بنے پڑے ہیں) (سو آپ اپنا رخ دین قیم (اسلام) کی طرف رکھئے قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے جس کے لئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹنا نہیں ہوگا (یعنی قیامت کا دن) اس دن سب لوگ جدا جدا ہوجائیں گے (یَصَّدَّعُوْنَ ۝ اصل میں یتصدعون تھا۔ تاء کا صاد میں ادغام کردیا گیا۔ حساب وکتاب

کے بعد جنت وجہنم میں الگ الگ بٹ جائیں گے) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑ رہا ہے (کفر کا وبال یعنی جہنم) اور جو نیک کام کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں) (جنت میں اپنے لئے محل تعمیر کر رہے ہیں) (تاکہ اللہ جزا دے (یہ یَصَّدَّعُوْنَ ۞ کے متعلق ہے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اپنے فضل سے (انہیں ثواب عطا فرمائے گا) بیشک اس کو نہیں بھاتے کفر کرنے والے (یعنی انہیں سزا دے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں (یعنی وہ ہوائیں بارش کا پیغام لاتی ہیں) اور مُبَشِّرٰتٍ .لبشر کے معنی میں ہے تا کہ وہ ان ہواؤں کے سبب اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزا چکھائے اور تا کہ کشتیاں (جہاز ہواؤں کے سبب) چلیں اللہ کے حکم (ارادہ) سے اور تا کہ تم تلاش کرو (ڈھونڈو) اس کی روزی (سمندری تجارت کے ذریعہ معاش) اور تا کہ تم شکر کرو (اے مکہ والو! ان نعمتوں کا لہٰذا توحید بجالاؤ) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر (ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے (کھلی حجتیں اپنی اپنی رسالت کی سچائی پر لیکن انہوں نے ان کو جھٹلا دیا) سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے (ہم نے رسولوں کے جھٹلانے والوں کو برباد کر دیا) اور ایمانداروں کو غالب کر دینا ہمارے ذمہ تھا (کافروں کے مقابلہ میں۔ کفار کو ہلاک کر کے اور مسلمانوں کو نجات دے کر) اللہ ہی وہ ہے کہ جو ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں (ہنکاتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے (کم یا زیادہ) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے کسفا سین کے فتحہ اور سکون کے ساتھ۔ متفرق ٹکڑے) پھر تم بارش (مینہ) کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر (بیچ سے) نکلتی ہے پھر وہ اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے (بارش) پہونچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (بارش کی وجہ سے خوش ہو جاتے ہیں) اور واقعہ یہ ہے کہ (ان قد کے معنی میں ہے) وہ لوگ اس سے پہلے (خوش ہونے سے پہلے من قبلہ تاکید ہے) ناامید تھے (بارش سے امید ختم کیے ہوئے تھے) سو دیکھو اثر (ایک قراءت میں لفظ آثار آیا ہے) رحمت الٰہی کا (یعنی بارش کی نعمت) کہ اللہ کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو مردہ ہونے کے بعد (یعنی خشک ہو جانے کے بعد پیداوار کے قابل بنا دیتا ہے) بے شک وہی ہے (زمین کو زندگی بخشنے والا) مردوں کو جلانے والا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور یقیناً اگر ہم (لام قسم کے لیے ہے) ان پر اور ہوا چلا دیں (کھیتوں کو نقصان پہنچانے والی (پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو ہو جائیں (لَّظَلُّوْا معنی صاروا کے ہے یہ جواب قسم ہے) اس کے بعد (زرد ہونے کے بعد) لوگ ناشکری کرنے لگیں (بارش کی نعمت کا انکار کرنے لگیں) سو آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب کہ (تحقیق ہمزتین کے ساتھ اور ہمزہ ثانی کی تسہیل کرتے ہوئے ہمزہ اور یاء کے درمیان) یہ لوگ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو انکی بے راہ راوی سے راہ پر نہیں لا سکتے بس آپ سنا سکتے ہیں (یہاں ان ما کے معنی میں ہے وہ سماع مراد ہے جو سمجھ کر ہو اور سنی ہوئی بات کو مقبول کرنے کے جذبہ سے ہو) انہیں لوگوں کو جو ہماری آیتوں (قرآن) کا یقین رکھتے ہیں) توحید میں اخلاص رکھنے والے ہیں)۔



قوله: الْقَيِّمِ: مکمل استقامت والا۔
قوله: مِنَ اللهِ: یہ يَأْتِيَ سے متعلق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مَرَدَّ کے متعلق ہو کیونکہ معنوی اعتبار سے مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو رد نہیں فرماتے اس لیے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔
قوله: الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اور مؤمنوں کے بدلے پر اکتفاء اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ مقصود بالذات ہے۔
قوله: يُثِيْبُهُمْ: یہ لِيَجْزِيَ کی تفسیر ہے۔
قوله: قد: قد مقدر سے اشارہ ہے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔
قوله: تاكيدٌ: اس میں دلالت ہے کہ بارش کو ہوئے طویل عرصہ ہو گیا اس وجہ سے توجہ مایوسی کی طرف پھیری گئی۔
قوله: فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا: وہ اس اثر یا کھیتی کو دیکھتے اور وہ آیت فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللهِ کا مدلول ہے۔



ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ...

کفر و معصیت کی وجہ سے بحر و بر میں فساد کا ظہور:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور اسے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا، امتحان کے لیے اس میں خیر و شر کے اپنانے کی قوت رکھ دی، اس کے اندر ایسے جذبات ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف کھینچتے ہیں اور شیطان بھی ساتھ لگا ہوا ہے وہ لوگوں کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے ہٹاتا ہے اور کفر اور شرک کی راہ پر ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ کفر اور شرک اور برے اعمال کا نتیجہ برا ہے، کفر اور شرک کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی اور کفر اور شرک کے علاوہ جو برے اعمال ہیں ان کی سزا بھی دونوں جہان میں مل سکتی ہے، انسانوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ عموماً برائیوں کی طرف زیادہ ڈھلتے ہیں اور یہ برائیاں طرح طرح کی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں، دنیا میں امن و امان قائم نہیں رہتا اور ایسے ایسے انقلاب آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا مصیبتوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔ آیت کریمہ (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشکی (جس میں آبادیاں اور جنگل سب شامل ہیں) اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، آپس میں قتل و خون ہوتا اور قحط آتا ہے، مہلک امراض کا عام ہو جانا، نئے نئے امراض کا پیدا ہو جانا، آندھیوں کا چلنا، کھیتوں کو کیڑوں کا کھا جانا اور زلزلوں کا آنا اور سخت سردی سے تباہ ہو جانا (جسے بعض علاقوں میں پالا مارنا کہتے ہیں) اور اس طرح کی بہت سی مصیبتوں کا ظہور ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ بندے ہوش میں

آئیں، کفر وشرک اور گناہوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور یہ انسانوں کے پورے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ بعض اعمال کی سزا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے (لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) (تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے) اگر تمام اعمال پر گرفت کی جائے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا زندہ نہ بچے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا: (وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى) (اور اگر اللہ لوگوں کا مواخذہ فرمائے ان کے اعمال کی وجہ سے تو زمین کی پشت پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں مقررہ میعاد تک مؤخر فرماتا ہے) اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا: (وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ) (اور جو کچھ تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہے اور اللہ بہت سے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے۔)

زمین کے خشک حصہ میں جو فساد اور بگاڑ ہے وہ تو نظروں کے سامنے ہے سمندر میں جو فساد ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں جو سیپیاں ہیں ان کا منہ کھل جاتا ہے اور جس سیپی میں بارش کا قطرہ گر جائے وہ موتی بن جاتا ہے اور بارشیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے رک جاتی ہیں لہٰذا موتیوں کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے اور یہ موتی جو انسان کے کام آتے ہیں ان سے انسان محروم ہو جاتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہدؒ (تابعی) سے یوں نقل کیا ہے کہ ظالم لوگ غریب کشتی والوں کی کشتیاں چھین لیتے تھے۔ آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (اور یہ کشتی چھیننا بطور مثال کے ہے، سمندر کی سطح پر کشتیوں اور جہازوں میں جو لوگوں پر ظلم ہوتے ہیں، ٹیکس لیے جاتے ہیں اور ملکوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے جو گولہ باری ہوتی ہے، جہاز تباہ ہوتے ہیں، ہر فریق کے آدمی مرتے ہیں اور سامانوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیئے جاتے ہیں، یہ سب فساد فی البحر کے ذیل میں آتا ہے۔)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں عمومی فساد کا ذکر ہے جب گناہوں کی وجہ سے عمومی مصیبتیں آتی ہیں تو ان کی وجہ سے مؤمن اور کافر، نیک اور بد حتیٰ کہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے سنا کہ ایک شخص یوں کہہ رہا ہے کہ ظالم شخص صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے، اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ حباری (ایک پرندہ کا نام ہے) بھی اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم کی وجہ سے دبلی ہو کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ٤٣٦)

جب بارش نہ ہوگی تو زمین میں پانی کی بھی کمی ہوگی۔ بارش کا پانی جو جگہ جگہ ٹھہر جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سب ہی پیتے ہیں وہ نہ ہوگا تو پیاس سے مریں گے اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے جب کھیتوں میں پیداوار نہ ہوگی تو انسان اور جانور سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ان تکلیفوں کا ذکر نہیں ہے جو نیک بندوں کو ان کے گناہ معاف کرنے یا درجات بلند کرنے کے لیے پیش آتی ہیں۔ ان حضرات کو آلام وامراض سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن یہ ان کے حق میں مفید ہوتی ہے اس لیے مصیبت نہیں رہتی۔ پھر یہ لوگ صبر کرتے ہیں اس کا بھی ثواب پاتے ہیں اور گناہوں پر متنبہ ہو کر توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

لہٰذا یہ تکلیفیں ان پر بطور قہر نہیں ہوتیں، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور صبر اور توبہ واستغفار کا مستقل ثواب ملتا ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى...

یہاں تک توحید ونبوت ومعاد کے مسائل کو براہین قاطعہ وحجج ساطعہ سے ایسا ثابت کیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھے تو خود سمجھ لے اور جو اس سے بھی بلید الذہن ہو تو ان کی کیفیت کسی سے سن کر مان لے، مگر کفار مکہ اپنی بدقسمتی اور ازلی محرومی سے اس مرتبہ میں بھی نہ تھے، اس پر بھی ان کا وہی اصرار وہی انکار چلا جاتا تھا۔ تو اب ان کی نسبت یہی صادق آ گیا تھا کہ وہ حیات انسانی سے بہرہ ور نہیں۔ گویا مرے ہیں اور نہ ان کے حواس سلیمہ بجا ہیں۔ اندھے، بہرے بھی ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ یہ مردے ہیں۔ آپ مردوں کو سنانے نہیں آئے اور بہرے ہیں، ایسے بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھیں تو آپ انہیں بھی نہیں سنا سکتے۔ کاش بہرے ہوتے اور سامنے آتے ہاتھوں کے اشارے سے ہی سمجھ جاتے مگر جبکہ انہوں نے یہ قصد مصمم کر لیا کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے تو گویا پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے اور یہ ازلی اندھے ہیں۔ آپ ان کو کیونکر رہنمائی کر سکتے ہو۔ آپ صرف ان لوگوں کے سنانے کو آئے ہیں کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت ہے، جس کو اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا، ان کی قابلیت واستعداد فعلیت کے مرتبہ کے پاس آ گئی ہے۔ پس وہی مانتے ہیں۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ تک یہ مطلب ہوا۔

فَاِنَّكَ میں جوف آئی ہے، وہ اس لیے کہ وہ مردے ہیں۔ حیات انسانی ان میں نہیں، بس آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ الموتٰی سے مراد وہی کفار ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الصُّمَّ سے مراد بھی وہی لوگ ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الصُّمَّ سے بھی وہی مراد ہیں کہ جن کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی۔ میت، صم، عمی کے الفاظ کا اطلاق حقیقت عرفی کے مطابق اسی متعارف مردے، بہرے، اندھے پر ہوتا ہے جو ظاہری جان نہ رکھے نہ ظاہری کان نہ ظاہری آنکھ مگر کنایہ کے طور پر یا مجازاً بعلاقہ تشبیہ ایسے لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بھاگ اٹھے تو پھر کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا، سننا تو درکنار اور اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ جن میں ایمان کی قابلیت ہے، پس اب یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ جو اللہ کی آیتوں پر خود ایمان لاتے ہیں ان کو سنانے کی کیا ضرورت؟ تحصیل حاصل ہے۔

سماع موتٰی کی بحث: ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث واقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے، اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتٰی کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے، رہے احادیث واقوال ان سے بھی صاف نہیں معلوم ہوتا کہ میت سن نہیں سکتے، بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ ازآنجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کی بابت وارد ہیں جن میں مردوں

سے خطاب کر کے کلام کیا۔ جیسا کہ ترمذی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان پر سے گزرے تو یہ فرمایا: السلام علیکم یا اہل قبور اور اسی طرح مسلم نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع میں جا کر یہ فرمایا: السلام علیکم دار قوم مؤمنین الخ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ از آنجملہ احادیث عذاب قبر میں جیسا کہ بخاری و مسلم نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر اس کے لوگ واپس پھرتے ہیں تو انہ لیسمع قرع نعالھم وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ الخ از انجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا حضرت یہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دیتے، اس کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

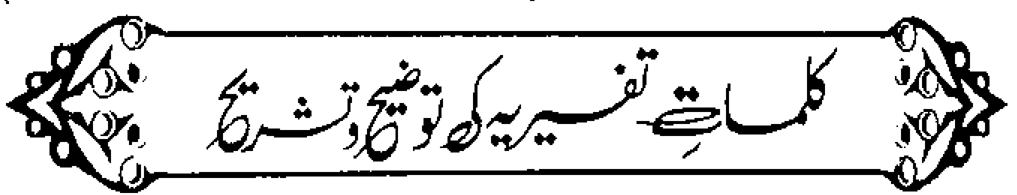
اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ مَاءٍ مَهِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ اٰخَرَ وَهُوَ ضُعْفُ الطُّفُوْلِيَّةِ قُوَّةً اَیْ قُوَّةَ الشَّبَابِ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ ضُعْفُ الْكِبَرِ وَشَیْبُ الْهَرَمِ وَالضُّعْفُ فِی الثَّلَاثَةِ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَفَتْحِهٖ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ مِنَ الضُّعْفِ وَالْقُوَّةِ وَالشَّبَابِ وَالشَّیْبَةِ وَهُوَ الْعَلِیْمُ بِتَدْبِیْرِ خَلْقِهٖ الْقَدِیْرُ ۝٥٤ عَلٰی مَا یَشَآءُ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ یَحْلِفُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ الْكَافِرُوْنَ مَا لَبِثُوْا فِی الْقُبُوْرِ غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ قَالَ تَعَالٰی كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ۝٥٥ یُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ الْبَعْثِ كَمَا صُرِفُوْا عَنِ الْحَقِّ الصِّدْقِ فِیْ مُدَّةِ اللُّبْثِ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ وَغَیْرِهِمْ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ فِیْمَا كَتَبَهٗ فِیْ سَابِقِ عِلْمِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ الَّذِیْ اَنْكَرْتُمُوْهُ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٥٦ وُقُوْعَهٗ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ فِیْ اِنْكَارِهِمْ لَهٗ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٥٧ یُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰی اَیِ الرُّجُوْعُ اِلٰی مَا یَرْضَی اللّٰهُ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا جَعَلْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ تَنْبِیْهًا لَهُمْ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ جِئْتَهُمْ یَا مُحَمَّدُ بِاٰیَةٍ مِثْلَ الْعَصَا وَالْیَدِ لِمُوْسٰی لَّیَقُوْلَنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِی النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِیْرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَیْنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا مِنْهُمْ اِنْ مَا اَنْتُمْ اَیْ مُحَمَّدٌ وَاَصْحَابُهٗ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝٥٨ اَصْحَابُ اَبَاطِیْلَ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝٥٩ التَّوْحِیْدَ كَمَا طَبَعَ عَلٰی قُلُوْبِ هٰؤُلَآءِ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِنَصْرِكَ عَلَیْهِمْ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ۝٦٠ بِالْبَعْثِ اَیْ لَا یَحْمِلَنَّكَ عَلٰی

قرء حفص بضم الضاد و فتحها فی الثلاثة ولكن الضم مختار ١٢

ع ٦

الْخِفَّةِ وَالطَّيْشِ بِتَرْكِ الصَّبْرِ اَیْ لَا تَتْرُكَنَّهُ

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا (حقیر پانی سے) پھر ناتوانی (بچپن کی کمزوری) کے بعد (جوانی کی قوت) توانائی عطا فرمائی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھادیا (بڑھاپے کی کمزوری اور بے انتہاء کمزوری۔ لفظ ضعف تینوں جگہ ضمہ اول اور فتحہ اول کے ساتھ ہے) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (کمزوری اور قوت جوانی اور بڑھاپا) اور وہ (اپنی مخلوق کی تدبیر) جاننے والا (جو چاہے اس پر) قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی قسم کھا بیٹھیں گے (حلف اٹھائیں گے) مجرم (کافر) وہ (قبروں میں) ایک گھڑی سے زیادہ رہے ہی نہیں (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) اسی طرح تھے الٹے جاتے (قیامت کے حق ہونے سے ایسے ہی پھر گئے جیسے ٹھہرنے کی مدت کی سچائی سے منہ موڑ رہے ہیں) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے (فرشتے وغیرہ) وہ کہیں گے کہ تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق (جو اس نے علم ازلی کے مطابق لکھا ہے (قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے) جس کا تم انکار کیا کرتے تھے) لیکن تم یقین نہ کرتے تھے (اس کے ہونے کا) غرض اس روز نفع نہ دے گا (یا اور تا کے ساتھ ہے) ظالموں کو ان کا عذر کرنا (قیامت کے انکار کے سلسلہ میں) اور نہ ان سے خدا کی ناراضگی کی تلافی چاہی جائے گی (خدا کی ناراضگی دور کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یعنی خدا کی خوشنودی کی طرف رجوع کرنے کے لئے) اور ہم نے بیان کئے (بنائے) لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین (اس کی تنبیہ کے لئے) اور اگر (لام برائے قسم) آپ (محمدؐ) ان کے پاس کوئی نشان لے آئیں (جیسے عصائے موسیٰ اور ید بیضا) تب بھی یہی کہیں گے (لَيَقُولَنَّ سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے اور واؤ ضمیر جمع بھی حذف کر دیا گیا ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے) وہ لوگ جو (ان میں) کافر ہیں کہ تم سب (اے محمدؐ! اور ان کے ساتھیوں) محض باطل پر (غلط کار لوگ) ہو اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ان کے دلوں پر جو یقین نہیں کرتے (توحید پر جیسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے) سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ (ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کا) سچا ہے اور اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے (یعنی وہ لوگ آپؐ کو ہلکے پن جوش میں مبتلا کر کے بے قابو ہونے پر آمادہ نہ کرنے پائیں یعنی صبر کا دامن نہ چھوڑیئے)



قوله: مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ: اس سے اشارہ کر دیا کہ ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانے سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے کی پہلے سے مغایرت ثابت ہو جائے۔

قوله: تَقُوْمُ السَّاعَةُ: قیامت کو ساعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہوگی۔

قوله: فِيْمَا كَتَبَهٗ: یعنی جس کو اس نے واجب و لازم کیا۔

قوله: فِيْ سَابِقِ عِلْمِهٖ: یعنی اپنی سابقہ معلومات میں۔

قولہ: اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ: یعنی ہم لوگوں کے ٹھہرنے کی مدت پر لوگوں کے قسم میں اٹھائیں ان لوگوں کے ساتھ لوٹایا جائے گا۔

قولہ: فَهٰذَا يَوْمُ: فا شرط محذوف کے جواب میں آئی ہے۔ تقدیر یہ ہے ان کنتم منکرین البعث پس یہی دن ہے۔

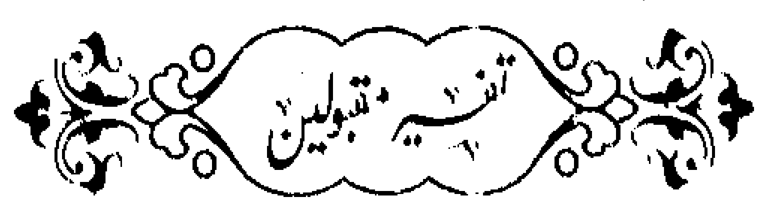
قولہ: بالفناء: یعنی معذرت یہاں عذر کے معنی میں ہے۔

قولہ: اَلْعُتْبٰی: رضامندی۔ یعنی کہ اس سے رضامندی طلب کی اس کے رضامندی ظاہر کردی۔

قولہ: فانیہا لہم: ان کی توبہ و اطاعت پر غور اور کرنے کے لیے۔

قولہ: اصحاب الاباطیل: اباطیل جمع باطل اس کا معنی جھوٹ ہے۔

قولہ: والطیش: اضطراب، بے قراری۔



اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

اس سورت کا بڑا مضمون دین قیامت کے شبہات کے ازالہ سے متعلق ہے جس کے لیے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں بتلا کر غافل انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے۔ مذکور الصدر پہلی آیت میں ایک نئے انداز سے اسی مضمون کا اثبات ہے وہ یہ کہ انسان اپنی طبیعت سے جلد باز واقع ہوا ہے اور سامنے کی چیزوں میں لگ کر ماضی و مستقبل کو بھلا دینے کا عادی ہے اور اس کی یہی عادت اس کو بہت سی مہلک غلطیوں میں مبتلا کرتی ہے۔ جس وقت انسان جوان ہوتا ہے اس کی قوت اپنے شباب پر ہوتی ہے، یہ اپنی قوت کے نشہ میں کسی کو خاطر میں نہیں سمجھتا، حدود پر قائم رہنا اس کو دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو متنبہ کرنے کے لیے اس آیت میں قوت وضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں بتلایا ہے کہ انسان کی ابتدا بھی کمزور ہے اور انتہا بھی درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لیے اس کو ایک قوت ملتی ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس چند روزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری اور آنے والی کمزوری سے کبھی غافل نہ ہو، بلکہ اپنی اس کمزوری کے مختلف درجات کو ہمیشہ سامنے رکھے جن سے گذر کر یہ قوت وشباب تک پہنچا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ میں انسان کو یہی حق دیا گیا کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھو کس قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ ایک قطرہ بے جان، بے شعور، ناپاک، گھناؤنی چیز ہے۔ اس میں غور کرو کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گھناؤنے قطرہ کو ایک خون منجمد کی صورت میں پھر خون کو گوشت کی صورت میں پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں تبدیلیاں کیں۔ پھر اس کے اعضاء وجوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا، جس میں سینکڑوں عجیب و غریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ اور زیادہ غور سے کام لو تو ایک فیکٹری نہیں بلکہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہان کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق وتکوین بھی کسی بڑے ورکشاپ میں نہیں، بلکہ بطن مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینے اسی تنگ وتاریک جگہ میں بطن مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرت انسان کا وجود تیار ہوا۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کے لیے راستہ آسان فرمادیا اس عالم میں آئے تو ان کی شان یہ تھی کہ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا یعنی تمہیں شکم مادر سے اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اب قدرت نے تعلیم وتلقین کا سلسلہ شروع کیا، سب سے پہلا ہنر رونے کا سکھلایا جس سے ماں باپ متوجہ ہوکر اس کی بھوک پیاس اور ہر تکلیف کو دور کرنے پر لگ جائیں۔ پھر ہونٹوں، مسوڑوں کو دبا کر ماں کی چھاتیوں سے دودھ نکالنے کا ہنر سکھلایا جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرے۔ کس کی مجال تھی جو اس لایعقل بچے کو یہ دونوں ہنر سکھادے جو اس کی موجودہ ساری ضرورتوں کی کفالت کرتے ہیں، بجز اس قدرت کے جو اس کی تخلیق کی مالک ہے اب ضعیف بچہ ہے ذرا ہوا لگ جائے تو پژمردہ ہوجائے، ذرا سردی یا گرمی لگ جائے تو بیمار ہوجائے نہ اپنی کسی ضرورت کو مانگ سکتا ہے نہ کسی تکلیف کو دور کرسکتا ہے۔ یہاں سے چلئے اور جوانی کے عالم تک اس کی تدریجی منازل تک غور کرتے جایئے تو قدرت حق جل شانہ کا ایسا عظیم شاہکار سامنے آئے گا کہ عقل حیران رہ جائے گی۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا اب یہ قوت کی منزل میں پہنچے تو زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے، چاند اور مریخ پر کمند پھینکنے لگے، بحر وبر پر اپنے قبضے جمانے لگے، اپنے ماضی ومستقبل سے غافل ہوکر مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے زیادہ کون قوی ہوسکتا ہے) کے نعرے لگانے لگے۔ یہاں تک کہ اسی قوت کے نشہ میں اپنے پیدا کرنے والے کو بھی بھول گئے اور اس کے احکام کی پیروی کو بھی مگر قدرت نے اس کو بیدار کرنے کے لیے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً کہ غافل! خوب سمجھ لے کہ یہ قوت تیری چندروزہ ہے۔ پھر اسی ضعف کے عالم کی طرف لوٹتا ہے اور اسی تدریج سے ضعف بڑھنا شروع ہوگا جس کا اثر ایک وقت کے بعد شیبہ بالوں کی سفیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور پھر سب ہی اعضاء وجوارح کی شکل وصورت میں تبدیلیاں لائے گا۔ دنیا کی تاریخ اور دوسری کتابیں نہیں خود اپنے وجود میں لکھی ہوئی اس مخفی تحریر کو پڑھ لو تو اس یقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ کہ یہ سب کارسازی اس رب العزت کی ہے جو پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اور علم میں بھی سب سے بڑا ہے اور قدرت میں بھی کیا اس کے بعد بھی اس میں کچھ شبہ کی گنجائش رہ گئی، کہ وہ جب چاہے مردوں کو دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن، مفتی شفیع)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ...

یہ تین آیات ہیں، پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے تو اس وقت مجرمین یعنی کافر لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو موت کے بعد قبروں میں تھوڑی سی ہی دیر رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے بتایا کہ اس سے دنیا کی زندگی مراد لیں گے اور ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں ہم ذرا دیر ہی رہے تھے، عمریں تو اچھی خاصی گزاریں لیکن ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کیے، اتنی بڑی زندگی بیکار ہی چلی گئی، جو چیز زیادہ ہو اور اس سے نفع نہ اٹھایا جائے تو وہ قلیل مانی جاتی ہے جیسا کہ قلیل چیز نفع مند ہو تو اسے کثیر کہا جاتا ہے۔ (ذکر صاحب الروح)

ان لوگوں کا کہنا کہ ہم دنیا میں یا برزخ میں صرف ذرا دیر ہی رہے جھوٹ ہی ہوگا اور یہ ان کا پہلا جھوٹ نہیں ہوگا بلکہ دنیا

میں جب ان کے سامنے حق آتا تھا تو اس سے اعراض کرتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے اور الٹی ہی چال چلتے تھے شیطان اور نفس انہیں حق کی تکذیب پر آمادہ کرتے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ نے علم دیا اور ایمان دیا (ان میں فرشتے بھی ہیں اور بنی آدم میں سے وہ افراد بھی ہیں جنہیں علم اور ایمان کے لیے منتخب فرمالیا) یہ حضرات ان سے یوں کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں یعنی اللہ کی کتاب میں بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا اور اپنی کتاب میں جو (وَمِنْ وَّرَآءِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) فرما دیا تھا تم اسی کے مطابق بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ یَوْمِ الْبَعْثِ سے قبروں سے اٹھائے جانے کا دن مراد ہے۔

اہل علم و ایمان مجرمین سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ یہ یوم البعث ہے، قبروں سے زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا دن ہے، تم جس کے منکر تھے وہ سامنے آ گیا اور آج واضح ہو گیا کہ تمہارا انکار کرنا باطل تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے، جو حضرات قیامت واقع ہونے اور وہاں کی پیشی ہونے کی باتیں کرتے تھے تم ان کو جھٹلاتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے، ان کی بات مانتے تو تمہیں آج کے دن کا اور آج کے دن کے حالات کا علم ہوتا۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، کفر اختیار کیا، قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے اب جو بھی کوئی معذرت کریں وہ قبول نہیں ہوگی اور معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اس کا موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیں کیونکہ کفر پر مرنے کے بعد توبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ...

یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد و عناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ ان کی شراتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہے گا۔ اس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہیے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔

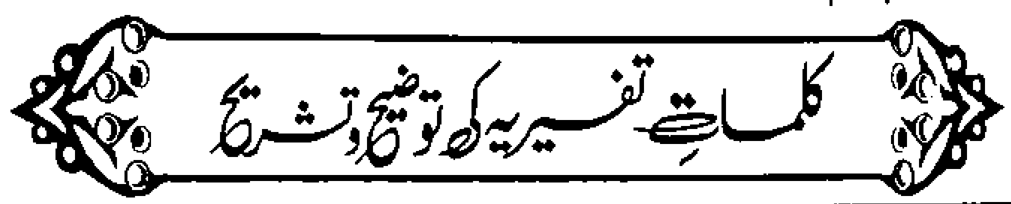


الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تِلْكَ اَیْ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ ذِی الْحِكْمَةِ
وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنْ هُوَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ بِالرَّفْعِ لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَفِیْ قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ بِالنَّصْبِ حَالًا مِنَ
الْاٰيَاتِ الْعَامِلُ فِيْهَا مَا فِیْ تِلْكَ مِنْ مَعْنَی الْاِشَارَةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بَيَانٌ لِّلْمُحْسِنِيْنَ وَ يُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ هُمُ الثَّانِیْ تَاكِيْدٌ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَلْفَائِزُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اَیْ مَا يُلْهِیْ مِنْهُ عَنْ مَا يَعْنِیْ لِيُضِلَّ
بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيْقِ الْاِسْلَامِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖۗ وَّ يَتَّخِذَهَا بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی يُضِلَّ
وَبِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰی يَشْتَرِیْ هُزُوًا ۭ مَهْزُوًّا بِهَا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذُوْ اِهَانَةٍ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِ
اٰيٰتُنَا اَلْقُرْاٰنُ وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ صَمَمًا وَ جُمْلَتَا التَّشْبِيْهِ
حَالَانِ مِنْ ضَمِيْرِ وَلّٰی اَوِ الثَّانِيَةُ بَيَانٌ لِّلْاُوْلٰی فَبَشِّرْهُ اَعْلِمْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ مُؤْلِمٍ وَ ذِكْرُ الْبِشَارَةِ
تَهَكُّمٌ بِهٖ وَهُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ كَانَ يَاْتِی الْحِيْرَةَ يَتَّجِرُ فَيَشْتَرِیْ كُتُبَ اَخْبَارِ الْاَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا
اَهْلَ مَكَّةَ وَ يَقُوْلُ اِنَّ مُحَمَّدًا يُحَدِّثُكُمْ اَحَادِيْثَ عَادٍ وَ ثَمُوْدَ وَاَنَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ
فَيَسْتَمْلِحُوْنَ حَدِيْثَهٗ وَ يَتْرُكُوْنَ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ
النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَیْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اَیْ
وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَ حَقَّهٗ حَقًّا وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الَّذِیْ لَا يَغْلِبُهٗ شَیْءٌ فَيَمْنَعُهٗ عَنْ نَجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ

الْحَكِيْمُ ○ اَلَّذِیْ لَا یَضَعُ شَیْئًا اِلَّا فِیْ مَحَلِّهٖ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اَیِ الْعَمَدَ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ الْاُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَا عَمَدَ اَصْلًا وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ جِبَالًا مُرْتَفِعَةً اَنْ لَا تَمِیْدَ تَتَحَرَّكَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا فِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ⑩ صِنْفٍ حَسَنٍ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ اَیْ مَخْلُوْقُهٗ فَاَرُوْنِیْ اَخْبِرُوْنِیْ یَا اَهْلَ مَكَّةَ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ غَیْرِهٖ اَیْ اٰلِهَتُكُمْ حَتّٰی اَشْرَكْتُمُوْهَا بِهٖ تَعَالٰی وَمَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدَأٌ وَذَا بِمَعْنَی الَّذِیْ بِصِلَتِهٖ خَبَرُهٗ وَاَرُوْنِیْ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَمَا بَعْدَهٗ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَیْنِ بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ⑪ بَیِّنٍ بِاِشْرَاكِهِمْ وَاَنْتُمْ مِنْهُمْ

ترجمہ: الٓمّٓ (اس کی مراد کا حقیقی علم اللہ کے پاس ہے) یہ (آیتیں) آیات ہیں کتاب (قرآن) حکیم کی (جو حکمت والی ہے اٰیٰتُ الْكِتٰبِ میں اضافت منیہ ہے۔ وہ (قرآن) جو کہ ہدایت اور رحمت ہے (رفع کے ساتھ) نیکی کرنے والوں کے لئے (عام قرآت میں لفظ "رحمت" نصب کے ساتھ "آیات" سے حال واقع ہے اور عامل اس میں تلک کے معنی اشارہ ہیں) جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (محسنین کا بیان ہے) اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (دوسرا ھم تاکید ہے) یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت کے راستے پر اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں (یعنی کامیاب ہیں) اور ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے (جو ضروریات کے کام کو چھڑا کر فضولیات میں لگا دیتی ہیں) تا کہ گمراہ کردے (ی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ) اللہ کی راہ (اسلام) سے بے سمجھے بوجھے اور اڑائے اسکی (یتخذ نصب کے ساتھ لِیُضِلَّ پر عطف ہوگا اور رفع کے ساتھ یَشْتَرِیْ پر عطف ہوگا) ہنسی (مذاق) ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے (توہین آمیز) اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں (قرآن کریم سے) پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص منہ موڑ لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں ثقل ہے (یعنی بہرا پن۔ اور دونوں تشبیہیں جملہ وَلّٰی کی ضمیر سے حال واقع ہیں یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے) سو آپ اس کو خوشخبری سنا دیجئے (بتلا دیجئے دردناک عذاب کی (جو شدید ہوگا اور بشارہ کا لفظ بطور مذاق کے ہے اور وہ شخص نضر بن حارث تھا جو تجارت کی غرض سے مقام حیرہ میں آیا کرتا تھا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید کر لے جاتا اور جا کر مکہ والوں کو سنایا کرتا اور کہا کرتا کہ محمد (ﷺ) تو تمہارے سامنے عاد و ثمود کے قصے بیان کرتا ہے لیکن میں فارس اور روم کے حالات سناتا ہوں چنانچہ لوگوں کو اس کی داستان سرائی میں لطف آتا اور قرآن سننا چھوڑ دیتے) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (خٰلِدِیْنَ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ لوگ اس حال میں جنت میں جائیں گے کہ ان کے لئے دوام تجویز ہوگا) یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یعنی اللہ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے اور سچا وعدہ کیا ہے) اور وہ زبردست ہے (اس پر کوئی غالب نہیں کہ اسے اپنے وعدہ اور وعید کے پورا

ہونے سے روک سکے) رحمت والا ہے (ہر چیز ٹھیک برمحل رکھتا ہے) اس نے آسمان کو بلا ستونوں کے بنایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو (یعنی ستون کو۔ عمد عماد کی جمع ہے ستون یہ فرمانا اس صورت میں بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ بالکل ستون ہی نہ ہو) اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے (اونچی اونچی چٹانیں) کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول (ڈگمگانا) نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں (اور ہم نے برسایا (اس میں صیغہ غائب سے التفات ہے) آسمان سے پانی پھر اس میں ہر قسم کے عمدہ اقسام (بہترین) اگائے یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں (مخلوق) ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ (اے مکہ کے رہنے والو! مجھے بتلاؤ) اللہ کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (غیر اللہ یعنی تمہارے معبودوں نے حتی کہ تم انہیں خدا کا شریک تجویز کرنے لگے ہو اور ما استفہامیہ انکار کے لئے ہے اور مبتدا واقع ہے اور ذا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے اور فَاَرُوْنِی عمل سے متعلق ہے اور اس کے بعد دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) بلکہ (لفظ بَل انتقال کلام کے لئے ہے) یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں جو ان کے شرک سے واضح ہے اور تم بھی انہیں ظالموں میں سے ہو۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَهْوَ الْحَدِیْثِ : یہ اضافت من کے معنی میں ہے اس سے خبردار کرنا مقصود ہے، اگر اس سے حدیث منکر مراد لی اور تبعیضیہ میں کہہ کر اس سے عام مراد لیا تب بھی درست ہے۔

قوله: بِفَتْحِ الْیَاءِ: معنی یہ ہوگا تا کہ وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے اور اس میں اضافہ کرے۔

قوله: وَجُمْلَتَا التَّشْبِیْهِ حَالَانِ : یعنی اس کا حال اس شخص جیسا ہے جس نے اسے نہ سنا اور اس کے مشابہ ہے کہ جس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہو۔

قوله: جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ﴿۸﴾ : یعنی ان کو جنتوں کی نعمتیں ملیں گی، مبالغہ کے لیے اس کو الٹ کر دیا، اس طرح کہ اس سے جنات کی وضاحت کر دی۔

قوله: وَعْدَهُمُ اللّٰهُ : یہ دونوں مؤکد مصدر ہیں، پہلا اپنے نفس کے لیے دوسرا غیر کے لیے، کیونکہ لہم جنات وعدہ ہے اور ہر وعدہ کے لیے حق ہونا لازم نہیں۔

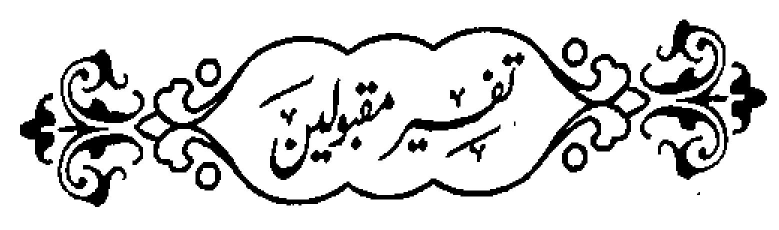
قوله: اَنْ لَا تَمِیْدَ بِکُمْ :ان کے اجزاء کی مشابہت۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اشیاء، طور طریقوں کی تبدیلی کا تقاضا کرتی ہیں۔

قوله: صِنْفٍ حَسَنٍ :یعنی بہت نفع بخش۔

قوله: وَاَرُوْنِیْ مُعَلَّقٌ :افعال قلوب کی خصوصیت تعلیق اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا لفظی عمل باطل ہو جاتا ہے معنی رہ جاتا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کلمہ استفہام یا نفی یا لام ابتدائیہ اس کے معمول پر داخل ہو۔

قوله: لِلْاِنْتِقَالِ :اس کے شمار کرنے سے اعراض کر کے ان کی گمراہی کے ان کے حق میں لکھے جانے کو ذکر کیا جائے کہ جو

کسی دیکھنے والے سے مخفی نہ رہے۔



الٓمّٓ ۝

(ربط) یہ سورت "سورۃ لقمان" کے نام سے موسوم ہے جس میں لقمان حکیم علیہ السلام کے کلمات حکمت وموعظت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر ہے اس لیے سورت کا آغاز قرآن کریم کی مدح اور توصیف سے کیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب حکمت وہدایت ہے جس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں گذشتہ سورت کے اخیر میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے مکذبین کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے اہل علم اور اہل ایمان کا ذکر تھا اس لیے اس سورت کے شروع میں اول قرآن کی مدح اور توصیف ذکر فرمائی اور اس کے بعد سعدا مفلحین اور اشقیا خاسرین کا حال اور مآل اور ان کے مراتب اور مقامات کو بیان کیا تا کہ دونوں فریق میں کمال تباین ظاہر ہو جائے جیسا کہ گذشتہ سورت کی آیت: ویوم تقوم الساعۃ.... میں ذکر تھا کہ قیامت کے دن نیک وبد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝

سراسر ہدایت اور عظیم الشان رحمت:

یعنی یہاں پر ھادی نہیں ھدًی اور رحمۃً فرمایا گیا ہے جو کہ مشتق نہیں مصدر ہیں۔ جو تاکید ومبالغہ کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ سو یہ کتاب سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ایسے محسن لوگوں کو اپنی ہدایت اور راہنمائی سے نوازتی ہے جس سے ان کو صحیح راہ نصیب ہوتی ہے اور وہ زندگی میں حق وہدایت کی اس شاہراہ پر گامزن ہوتے ہیں جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ومشرف کرنے والی عظیم الشان شاہراہ ہے۔ نیز یہ کتاب حکیم ایسے لوگوں کو اس عظیم الشان رحمت سے نوازتی ہے جو ایک طرف تو ان کو اس دنیا میں حیات طیبہ- پاکیزہ زندگی- کی دولت سے سرفراز کرتی ہے اور دوسری طرف یہ آخرت میں انکو جنت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ مند کرتی ہے۔ سو جو اس کتاب حکیم سے منہ موڑتے ہیں وہ سراسر اپنا اور صرف اپنا ہی نقصان کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

ہدایت قرآنی سے استفادے کے لیے بنیادی شرائط:

سو اس ارشاد سے اس کتاب حکیم سے استفادے کیلئے بنیادی شرائط کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب حکیم کا فیضان ہدایت وارشاد ہے تو سب کے لیے عام اور اس کا در رحمت سب کے لیے وا ہے مگر اس سے مستفید وفیضیاب وہی ہو سکتے ہیں جو ایمان واحسان کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جیسا کہ شفاخانہ تو اپنی جگہ قیمتی دواؤں سے بھرا ہوتا ہے اور وہ ہوتا سب کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو سچے دل اور طلب صادق کے ساتھ اس کی طرف رجوع کریں اور حسب

ہدایت دوا استعمال کریں۔ اور محسن احسان سے ماخوذ ہے جس کے معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ اور اچھائی ظاہر اور باطن دونوں کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ نیت بھی صحیح ہو اور عمل بھی درست۔ یعنی کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ حضرت نبی معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے اپنی مشہور حدیث میں احسان کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ سوچو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ الْمُفْلِحِيْنَ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - بہرکیف احسان اور ایمان ویقین کی صفات عظیمہ اور خصال حمیدہ اس کتاب حکیم کی ہدایت ورحمت سے مستفید ہونے کا اولین تقاضا اور اس کیلئے بنیادی شرائط ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ...

قرآن کے دشمنوں کی حرکتیں، ان کے لیے عذاب مہین کی وعید:

قرآن پر ایمان لانے والوں کے اعمال اور ان کے ہدایت پر کامیاب ہونے کی بشارت دینے کے بعد قرآن کا انکار کرنے والوں اور اس کے مقابلہ میں بعض چیزیں اختیار کرنے والوں کا شغل پھر ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن کے مخالف رویہ رکھتے ہیں اور قرآن سے خود بھی دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ہر وہ بات جو اللہ کی یاد سے غافل کرے اور کھیل میں لگائے۔ حضرت حسن بصریؒ نے (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: (هو كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى و ذكره) یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت سے ہٹائے وہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس سے غناء یعنی گانا بجانا مراد ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ بات منقول ہے۔ حضرت مکحول تابعیؒ نے فرمایا کہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) سے گانے بجانے والی لونڈیاں مراد ہیں۔ (روح المعانی)

آیت بالا کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین مکہ میں سے اسلام کے بڑے کٹر دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اسے جس کسی کے بارے میں یہ خبر ملتی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لونڈی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لونڈی کو کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سنا، پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جنگ کر، اس پر آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث تجارت کے لیے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خریدتا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لاکر قریش کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ تمہیں عاد اور ثمود کی باتیں سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں، لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس پر آیات بالا نازل ہوئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے گاتی تھی جو مسلمان کو اور اسلام کے

برے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ نے یہ جو فرمایا کہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کے ذکر سے ہٹائے یہ لغت کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(كل شيء يَلْهُوْبه الرَّجُلُ بَاطِلًا الاَّ رَمْيَهُ بِقَوْسِه وتأديبه وملاعبته امرأته فانهن من الحق)
(رواہ الترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۳۳۷) مطلب یہ ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ جو بھی کوئی لہو کا کام کوئی شخص کرتا ہے تو وہ باطل ہے ہاں تین کھیل ایسے ہیں جو درست ہیں (۱) اپنی کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا۔ (۲) گھوڑے کو سدھارنا (یہ دونوں جہاد کے کام میں آتے ہیں جو دینی ضرورت ہے۔) (۳) اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا (جو نفس ونظر کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے۔)

گانے بجانے کی مذمت وحرمت

لہو ولعب میں ہر طرح کا جوا اور تاش کھیلنا اور ہر وہ شغل آ جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہو اور جو نماز سے اور اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہو۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے یا نعت کے اشعار پڑھے (جس میں بجانے کا سامان بالکل نہ ہو) یا عبرت کے لیے کچھ اشعار پڑھے تو یہ جائز ہے۔ گندے گانے، عشقیہ غزلیں اگرچہ ان کے ساتھ بجانے کا سامان نہ ہو یہ سب ممنوع ہیں، اس قسم کے گانوں کو بعض اکابر نے رقیۃ الزناء (زنا کا منتر) فرمایا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَآءِ الزَّرْعَ) (کہ گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱)

اگر عشقیہ غزلیں نہ ہوں تو پھر شعر پڑھنے والا خوش آواز ہو تب بھی اسے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ میرے آس پاس کون ہے، اگر عورتیں آواز سن رہی ہیں تو پھر شعر نہ پڑھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انجشہؓ ایک صحابی تھے وہ سفر میں جا رہے تھے۔ عرب کا طریقہ تھا کہ سفر میں اونٹوں کو مست کرنے اور اچھی رفتار سے چلانے کے لیے بلند آواز سے شعر پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ انجشہؓ خوش آواز آدمی تھے انہوں نے اونٹوں کی رفتار جاری رکھنے کے لیے اشعار پڑھنا شروع کیے جسے حدی پڑھنا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی اور فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھہر جاؤ شیشوں کو نہ توڑو۔ راوی قتادہ نے شرح کرتے ہوئے بتایا کہ شیشوں سے عورتیں مراد ہیں جو جلدی متاثر ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۰)

آج کل تو گانا بجانا جزو زندگی بن چکا ہے، حلق سے لقمہ ہی تب اترتا ہے جب گانے کی کیسٹ لگا کر کھانا شروع کریں۔ اور آج کل تو ہر گھر کو ٹی وی نے ناچ گھر اور گانا گھر بنا دیا ہے، چھوٹے بڑے مل کر سب گانا سنتے ہیں جس کی وجہ سے فرض نمازیں تک غارت کی جاتی ہیں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے جن گھروں کو بھی شریف گھرانہ سمجھا جاتا تھا آج ان گھرانوں کی بچیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور انہیں گلوکارہ اور فنکارہ کے القاب دیئے جاتے ہیں، پھر اوپر سے غضب یہ ہے کہ اسلامی ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گانے والی لونڈیوں کی فروخت نہ کرو اور انہیں

(گانا) نہ سکھاؤ، اوران کی قیمت حرام ہے۔ اور فرمایا اسی جیسے معاملے کے لیے آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت ابوالصہباء نے بیان کیا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس آیت میں غناء یعنی گانے کی مذمت کی گئی ہے۔ (معالم التنزیل ج۳: ص۰، ۴۹)

گانے بجانے کے شغل نے لوگوں کو بربادی کے گڑھے پر لا کھڑا کر دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں انہیں اپنی بدعملی کا نتیجہ نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو جھوٹی زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے لیکن ان اعمال کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے، گناہوں میں جیسے لت پت تھے ایسے ہی مصیبتوں کے آنے پر ان میں مشغول رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نے نفس ہی کو آگے رکھ لیا ہے، اسی کو امام بنا لیا ہے، اسے ناراض کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

حضرت ابو عامر اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے بجانے کے سامان کو حلال کریں گے اور بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو ایک پہاڑ کے قریب قیام کریں گے ان کے جانور شام کو ان کے پاس پہنچا کریں گے، ان کے پاس ایک شخص کسی ضرورت سے آئے گا تو اسے کہیں گے کہ کل کو آنا، پھر کل آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دے گا، اور ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن تک کے لیے بندر خنزیر بنا دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۰۶ از صحیح بخاری)

ارشاد نبوی ﷺ کہ میں گانے بجانے کی چیزیں مٹانے کے لیے آیا ہوں:

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر اور جہانوں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) اب نام نہاد مسلمانوں کو دیکھو کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ جن چیزوں کو مٹانے کے لیے تشریف لائے انہیں چیزوں کو آنحضرت ﷺ کی نعت سننے میں استعمال کرتے ہیں، پھر اوپر سے ثواب کی امید کرتے ہیں۔ نفس و شیطان نے ایسا مزاج بنا دیا ہے کہ قرآن و حدیث کا قانون بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ راتوں رات ہارمونیم اور سارنگی پر اشعار سنتے ہیں اور ساری رات اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کے مٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رات بھر قوالی سن کر فجر کی اذان ہوتے ہی نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں۔ دیکھ لو یہ ہیں حب نبوی کے متوالے جنہیں فرض نمازوں کے غارت کرنے پر ذرا بھی ملال نہیں، خدارا انصاف کرو یہ راتوں کو جاگنا نبی اکرم ﷺ کی نعت سننے کے لیے ہے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی استعمال کر کے نفس و شیطان کو لذیذ گانے کی غذا دینے کے لیے ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے (اَلْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ) (گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: (لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رِفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ) (جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو رحمت کے فرشتے

ان کے ساتھ نہیں رہتے) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ (مَعَ کُلِّ جَرَسٍ شَیْطَانٌ) (ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک لڑکی داخل ہونے لگی، اس کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس ہرگز نہ لائیں جب تک اس کے جھانجر نہ کاٹ دیئے جائیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

بات یہ ہے کہ گانے بجانے کا دھندا شیطانی دھندا ہے، جو لوگ شیطانی اعمال کرتے ہیں انہیں بجنے بجانے والی چیزوں سے محبت اور رغبت ہوتی ہے، اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مندروں اور نصاریٰ کے گرجوں میں اور ان تمام مواقع میں جہاں شیطان کا راج ہو گانے بجانے کا انتظام اور اہتمام ہوتا ہے، شیطان ان سے گانے گواتا ہے اور باجے بجواتا ہے اور خود بھی سنتا ہے مزے لیتا ہے۔

جاہل پیروں کی بدعملی:

بعض لوگ جو پیری مریدی کا پیشہ کرتے ہیں وہ اپنی خانقاہوں میں اور قبروں پر ساز سارنگی اور ہارمونیم اور طبلہ بجانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں اور بزرگوں کا طریقہ بتاتے ہیں، حالانکہ جن بزرگوں سے نعتیہ اشعار سنا منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسی محفلوں میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ "بجانے کا سامان نہ ہو اور بے ریش لڑکے نہ ہوں اور عورتیں نہ ہوں" اگر کسی شخص نے ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سن لی (اگرچہ پیر بنتا ہو) تو اس کا یہ عمل کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لیے آیا ہوں۔ اسلام میں جب بجتا ہوا زیور گوارا نہیں اور جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈال دی جاتی ہے اور وہ بھی برداشت نہیں تو گانے بجانے کا اہتمام کرنا اور اس کے لیے جمع ہونا کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

حضرت نافعؒ نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ جا رہا تھا انہوں نے مزمار کی آواز سنی (جو بجانے کی چیز تھی) یہ آواز سن کر انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک جانب کو راستہ سے دور ہو گئے پھر دور چلے جانے کے بعد دریافت فرمایا کہ اے نافع کیا آواز آ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آ رہی، اس پر انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹا دیں اور فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے ایک بانسری کی آواز سنی اور یہی عمل کیا ہے جو میں نے کیا ہے۔ واقعہ بیان کر کے حضرت نافعؒ نے فرمایا کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے میں اس وقت کم عمر تھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از احمد و ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے جوے سے طبل اور غبیراء سے منع فرمایا۔ یہ اہل حبشہ کی ایک شراب تھی، اور فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸)

لَهْوَ الْحَدِیْثِ (جو چیز کھیل میں لگائے)

اس کے عموم میں ہر چیز آ جاتی ہے، چونکہ سبب نزول میں گانے بجانے کی چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ اللہ کے ذکر سے اور

نماز سے غافل کرنے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے اور بعض لوگ ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سننے کو ثواب سمجھتے ہیں اس لیے مندرجہ بالا مضمون کو ہم نے اہتمام سے بیان کیا ہے اور گانے بجانے کے سلسلہ میں جو روایات سرسری طور پر سامنے آئی ہیں ان کو جمع کر دیا ہے، جو لوگ کسی بھی ایسے کام میں مشغول ہوں جو اللہ کی یاد سے ہٹائے یہ سب (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) ہے۔

یاد رہے کہ لایعنی باتوں میں مشغول ہونے میں یہ نقصان بہر حال ہے کہ جتنی دیر میں یہ باتیں کی جائیں گی، تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے محروم رہے گا جو بہت بڑا نقصان ہے، مباح ہونا اور بات ہے اور ثواب سے محروم ہونا دوسری چیز ہے اور غیبت اور چغلی جھوٹ تو بہر حال حرام ہی ہے۔

(لَهْوَ الْحَدِيْثِ) میں بعض چیزیں حرام ہیں جن میں قمار یعنی جوا کھیلنا بھی شامل ہے اور بعض چیزیں مکروہ ہیں جن میں گناہ تو نہیں مگر وقت ضائع ہوتا ہے، اگر ضیافت طبع اور دماغ کی تفریح کے لیے کوئی شعر پڑھا جائے جو گندانہ ہو تو یہ مباح ہے۔

شطرنج وغیرہ کا تذکرہ:

شطرنج کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا کہ شطرنج سے وہی شخص کھیلے گا جو گنہگار ہوگا۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ باطل چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطل چیز پسند نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرد سے کھیلا (جو شطرنج کی طرح کھیلنے کی ایک چیز تھی) سو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتر کے پیچھے لگا ہوا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو شیطان کے پیچھے لگ رہا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶) روایات حدیث میں تاش کھیلنے کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نہیں تھا، اگر ہار جیت کی شرط کے ساتھ ہو تو قمار یعنی جوا ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر قمار کے بغیر ہو تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرنے والا تو ہے ہی جیسا کہ تاش کھیلنے والوں کو دیکھا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ فرمایا ہے۔ اِشْتَرٰی کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور ایک کام کے بدلہ دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لیے بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ) میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں جو يَّشْتَرِيْ فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض لَهْوَ الْحَدِيْثِ کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی کھیلنے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس کی فضیلت سورۃ کے شروع کی دو آیتوں میں بیان فرمائی، (قال البغوی فی معالم التنزیل ای یستبدل و باختیار الغناء و المزامیر و المعازف علی القرآن) (ج ۳ ص ۴۹۰) (علامہ بغوی ؒ نے معالم التنزیل میں لکھا ہے "یعنی گانے بجانے اور لہو و لعب کے آلات کو قرآن کے بدلے میں لیتا ہے اور انہیں قرآن کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۔۔۔۔

آفاقی دلائل میں غور و فکر کی دعوت: اس سے کائنات کے بعض اہم دلائل و شواہد میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ زوج

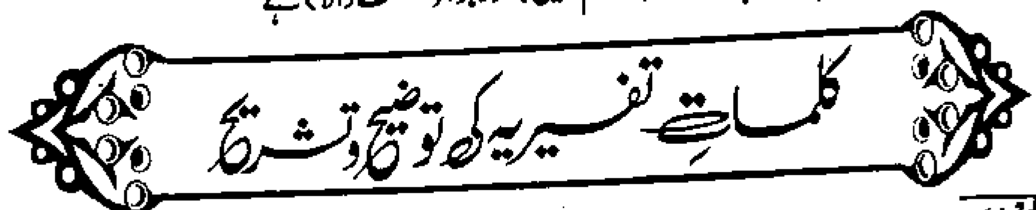
کے معنی قسم اور جوڑے کے آتے ہیں۔ سو قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل جس حقیقت کو بیان فرمایا تھا دنیا اپنی طویل تگ ودو کے بعد اب جا کر اس کا ادراک کر سکی ہے اور آج کا ترقی یافتہ علم نباتات بتاتا ہے کہ ہر پودے میں نر و مادہ کا سلسلہ ہے اور اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر کیف اس آیت کریمہ میں کائنات کے ان بعض دلائل و شواہد میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جو اس میں ہر طرف پھیلے بکھرے ہیں اور جن میں غور و فکر سے کام لے کر ایک متوسط درجے کی عقل کا آدمی بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کا خالق عزیز یعنی ہر چیز پر غالب و مقتدر بھی ہے اور اس بے پایاں قدرت کے ساتھ ساتھ وہ نہایت ہی حکیم بھی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اسی کی قدرت بے نہایت اور حکمت بے پایاں کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ اس نے آسمان کی اس عظیم الشان چھت کو بغیر ایسے ستونوں کے کھڑا کر دیا جو تمہیں نظر آ سکیں۔ اور اسی نے زمین کے اندر پہاڑوں کے یہ عظیم الشان لنگر ڈال دیئے کہ کہیں یہ تمہارے ساتھ لڑھک نہ جائے۔ اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے۔ آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے ہر قسم کی عمدہ پیداواریں اگائیں۔ پس معبود برحق وہی وحدہ لاشریک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے اس میں کسی بھی اور کو شامل کرنا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ مِنْهَا الْعِلْمُ وَالدِّيَانَةُ وَالْاِصَابَةُ فِي الْقَوْلِ وَحِكْمَةٌ كَثِيْرَةٌ مَأْثُوْرَةٌ كَانَ يُفْتِيْ
قَبْلَ بَعْثِ دَاوٗدَ وَاَدْرَكَ زَمَنَهٗ وَاَخَذَ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَرَكَ الْفُتْيَا وَقَالَ فِيْ ذٰلِكَ اَلَا اَكْتَفِيْ اِذَا كُفِيْتُ وَقِيْلَ لَهٗ اَيُّ
النَّاسِ شَرٌّ قَالَ الَّذِيْ لَا يُبَالِيْ اَنْ رَاٰهُ النَّاسُ مُسِيْئًا اَنِ اَيْ وَقُلْنَا لَهٗ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ عَلٰى مَا اَعْطَاكَ مِنَ
الْحِكْمَةِ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ لِاَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهٖ لَهٗ وَمَنْ كَفَرَ النِّعْمَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
عَنْ خَلْقِهٖ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ مَحْمُوْدٌ فِيْ صُنْعِهٖ وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ تَصْغِيْرُ اِشْفَاقٍ
لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ فَرَجَعَ اِلَيْهِ وَاَسْلَمَ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ
اَمَرْنَاهُ اَنْ يَبَرَّهُمَا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ فَوَهَنَتْ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ اَيْ ضَعُفَتْ لِلْحَمْلِ وَضَعُفَتْ لِلطَّلْقِ وَضَعُفَتْ
لِلْوِلَادَةِ وَّفِصٰلُهٗ فِطَامُهٗ فِيْ عَامَيْنِ وَقُلْنَا لَهٗ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ اَيِ الْمَرْجِعُ وَ
اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ مُوَافَقَةٌ لِلْوَاقِعِ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي
الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا اَيْ بِالْمَعْرُوْفِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ طَرِيْقَ مَنْ اَنَابَ رَجَعَ اِلَيَّ ۚ بِالطَّاعَةِ ثُمَّ
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَجُمْلَةُ الْوَصِيَّةِ وَمَا بَعْدَهَا اِعْتِرَاضٌ
يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اَيِ الْخَصْلَةُ السَّيِّئَةُ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ

فِى الْاَرْضِ اَیْ فِیْ اَخْفٰی مَکَانٍ مِنْ ذٰلِكَ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ فَیُحَاسِبُ عَلَیْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ
بِاسْتِخْرَاجِهَا خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾ بِمَکَانِهَا یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی
مَآ اَصَابَكَ ؕ بِسَبَبِ الْاَمْرِ وَالنَّهْیِ اِنَّ ذٰلِكَ الْمَذْکُوْرَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ اَیْ مَعْزُوْمَاتِهَا الَّتِیْ یُعْزَمُ
عَلَیْهَا لِوُجُوْبِهَا وَلَا تُصَعِّرْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ تُصَاعِرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ لَا تُمِلْ وَجْهَكَ عَنْهُمْ تَكَبُّرًا وَلَا تَمْشِ
فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اَیْ خُیَلَاءَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ مُتَبَخْتِرٍ فِیْ مَشْیِهٖ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ عَلَی النَّاسِ وَ
اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ تَوَسَّطْ فِیْهِ بَیْنَ الدَّبِیْبِ وَالْاِسْرَاعِ وَعَلَیْكَ السَّكِیْنَةُ وَالْوَقَارُ وَاغْضُضْ اَخْفِضْ
ع ۲ ۸ ۱۱ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ اَقْبَحُهَا لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ اَوَّلُهٗ زَفِیْرٌ وَاٰخِرُهٗ شَهِیْقٌ

ترجمہ: اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی (اس کے ساتھ علم، دیانت، گفتگو میں پختگی اور ان کی دانائی کی بہت سی باتیں منقول ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت سے پہلے وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر ہیں، ان سے علم حاصل کرنا شروع کیا اور فتویٰ دینا ترک کر دیا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جب ضرورت نہیں رہی تو کیوں نہ بس کروں'' ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بدترین کون شخص ہے؟ فرمایا ''وہ شخص کہ جس کو لوگ بدتری حالت میں دیکھ کر بھی لیں تب بھی وہ کسی کی پرواہ نہ کرے'') یہ کہ یعنی ہم نے انہیں حکم دیا (کہ) اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو (اس دانائی پر جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے) اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے بھلے ہی کو شکر کرتا ہے (کیونکہ اس کے شکر کرنے کا ثواب اسی کو ملے گا) اور جو کوئی (نعمت کی ناشکری کرے گا سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز، خوبیوں والا (اپنی کاریگری میں لائق تعریف) ہے اور (آپ یاد کیجئے جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! (یہ تصغیر ہے بربناء شفقت) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا بیشک (اللہ کے ساتھ) دوسرے کو شریک ٹھہرانا بڑا بھاری ظلم ہے (بیٹے نے شرک چھوڑ دیا اور مسلمان ہو گیا) اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی (ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا) یعنی ایک تو حمل سے کمزوری ہوئی دوسرے دردزہ کی وجہ سے کمزوری ہوئی تیسرے پیدائش کی کمزوری آئی) اور بچہ کا الگ ہونا (دودھ چھوٹنا) دو سال میں ہوا (اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ) تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی ٹھکانہ ہے) اور اگر وہ دونوں تجھ کو زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو (واقع کے مطابق نہ ہو) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے موافق (یعنی احسان، نیک سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آنا) اور اسکی راہ (ڈگر) پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو (طاعت کے ذریعہ) پھر میری ہی طرف آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا (ان کاموں پر بدلہ دونگا اور وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ سے آخر تک جملہ معترضہ ہے) بیٹا اگر کوئی عمل (یعنی بری عادت) رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں

ہو یا زمین کے اندر ہو یعنی اس سے بھی کہیں زیادہ پوشیدہ جگہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نکال لائے گا (پھر اس پر محاسبہ کرے گا، بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے کے بارے میں) باریک بین ہے (اور) بڑا باخبر ہے (اس کی جگہ کے متعلق) بیٹا نماز پڑا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو اور تم پر جو مصیبت پڑے اس پر صبر کیا کرو (کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے کو کہنے کی وجہ سے) بیشک یہ (بات) ہمت کے کاموں میں سے ہے) یعنی وہ ہمت طلب کام کہ جن کے ضروری ہونے کی وجہ سے ان کے کرنے کی ہمت کی جائے) اور مت پھیرنا (اور ایک قراءت میں لا تصاعر ہے) اپنا رخ لوگوں سے (بربناء تکبر) اور زمین پر اکڑ کر مت چلنا (شیخی مارتے ہوئے) بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے (اینٹھ مروڑ سے چلنے والے) فخر کرنے والے کو (لوگوں کے سامنے) پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر (جو ہلکی چال اور بھاگ دوڑ کے درمیان اعتدال کی چال ہو) اور سنجیدگی و وقار کو ملحوظ رکھ) اور اپنی آواز پست رکھ بیشک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے (گدھے کی پہلی آواز کا نام زفیر ہے اور آخری کا نام شہیق) اور بڑا (عظمت والا) ہے



قوله: لُقْمٰنَ: ان کے والد کا نام باعورا ہے۔

قوله: مَاثُوْرَةٌ: یہ منقولہ کے معنی دیتا ہے۔

قوله: وَقَالَ فِیْ ذٰلِکَ: لقمان نے ترکِ دنیا کے متعلق فرمایا، میں اس میں فتویٰ کے ترک پر اکتفاء کرتا ہوں، میرے لیے داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کا علم کافی ہے مجھے فتویٰ کی ضرورت نہیں۔

قوله: وَقُلْنَا لَهٗ: ایتاءِ حکمت یہ قول کے معنی میں ہے، پس یہ اَن تفسیریہ ہے۔

قوله: لِابْنِهٖ: اس کا نام انعم یا اشکم تھا یا ماتان بتایا جاتا ہے۔

قوله: فَرَجَعَ اِلَیْهِ: وہ اصل میں کافر تھے۔

قوله: فَوَهَنَتْ: وهنا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔

قوله: بِلطَّلْقِ: کمزوری برداشت کی دردِزہ کے لیے۔

قوله: فِیْ عَامَیْنِ: دو سال کے اختتام پر اور قرینہ اس پر ہے کہ مضاف محذوف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ

قوله: وَمَا بَعْدَهَا اِعْتِرَاضٌ: اس کے بعد جملہ معترضہ ہے تاکہ اس کے متعلق وصیت خوب مؤکد ہو جائے۔

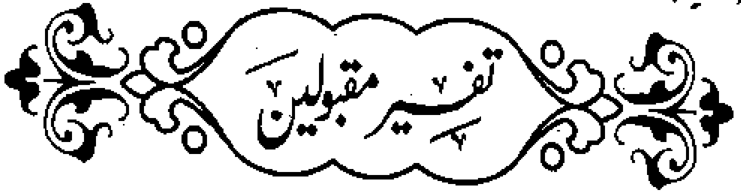
قوله: بِاسْتِخْرَاجِهَا: یعنی اس کا علم ہر مخفی تک پہنچنے والا ہے۔

قوله: مَعْزُوْمَاتِهَا: قطعی طور پر واجب امور، گویا مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: وَلَا تُصَعِّرْ: صعر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کو لگتی ہے جس سے اس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

قوله: بِيْنَ الذَّيْبِ: نرم روی۔

قوله: شَهِيْقٌ: زفیر سانس باہر نکالنا اور الشهيق: سانس لوٹانا۔ جیسا وہ شخص جس پر حرارت مسلط ہو جائے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ...

حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟

اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے پرہیزگار ولی اللہ اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت لقمان پستہ قد اونچی ناک والے موٹے ہونٹ والے نبی تھے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلالؓ جو حضور رسالت پناہ کے غلام تھے۔ حضرت مجع جو جناب فاروق اعظم کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔ حضرت خالد ربعی کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے کچھ دنوں بعد ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور دو بدترین گوشت کے ٹکڑے میرے پاس لاؤ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بہترین مانگے تو بھی یہی لائے گئے اور بدترین مانگے گئے تو بھی یہی لائے گئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے اور ایک بزرگ سے بھی یہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں اس نے کہا پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بیکار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف دلیل ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گو صراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس

امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء کرام عالی نسب اور عالی خاندان کے ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کے سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اسکی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ اس نے کہا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ کہا گیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر وہ کیا ہے؟ کہ تیری مجلس پر رہتی ہے؟ لوگ تیرے دروازے پر آتے ہیں تری باتیں شوق سے سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو بھائی جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کرلو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کرلو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔ ابو داؤدؒ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش اخلاق خاموش غور وفکر کرنے والے گہری نظر والے دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دور رہتے ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا جس دن ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لیے جاتے تھے کہ غور وفکر اور عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت ونبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی راتوں رات ان پر حکمت برسادی گئی اور رگ وپے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی سب باتیں اور عادتیں حکیمانہ ہوگئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلے میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ خود مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لیے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن میں ضعف ہے واللہ اعلم۔ حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی پس سمجھ علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم وعقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گذار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (الروم:44) نیکی والے اپنے لیے بھی بھلا توشہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اسکی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ...

حضرت لقمان کے کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستگی ہے، اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لیے فرمایا یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک الظلم عظیم، آگے حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت آئے ہیں، جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے۔ درمیان میں حق تعالیٰ نے شرک کے ظلم عظیم ہونے اور کسی حال میں اس کے پاس نہ جانے کی ہدایات کے لیے ایک اور حکم ارشاد فرمایا:

والدین کی شکرگزاری اور اطاعت فرض ہے، مگر حکم الٰہی کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں:

کہ اگرچہ ہم نے اولاد کو اپنے ماں باپ کی اطاعت اور شکر گزاری کی بڑی تاکید کی ہے، اور اپنی شکر گزاری و اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی شکرگزاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ ماں باپ کے کہنے سے اور مجبور کرنے سے بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہوتا، اگر کسی کو اس کے والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا بھی ماننا جائز نہیں۔

اور یہاں جبکہ والدین کے حقوق اور ان کی شکرگزاری کا حکم دیا گیا تو اس کی حکمت یہ بتلادی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقاء میں بڑی محنت برداشت کی ہے کہ نو مہینے تو اس کو اپنے شکم میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی اس کو برداشت کیا، پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی جس میں ماں کو خاص محنت بھی شب و روز اٹھانی پڑتی ہے، اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے، اور چونکہ بچے کی پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے، اس لیے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا:

حضرت لقمان کی یہ اور وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں۔ قرآن انہیں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی خطا ظلم ہے چاہے رائی کے دانے کے برابر ہی ہو پھر وہ خواہ کتنی ہی پوشیدہ اور ڈھکا چھپا کیوں نہ ہو قیامت کے دن اللہ اسے پیش کرے گا میزان میں سب وزن ہوں گے اور جزا دیا جائے گا نیک کام پر جزا اور برے کام پر سزا جیسے فرمان ہے آیت: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا (الانبیاء: ۴۷)، یعنی قیامت کے دن عدل کے ترازو رکھ کر ہر ایک کو بدلہ دیں گے کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور آیت میں ہے ذرے برابر نیکی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں کسی محل میں قلعہ میں پتھر کے سوراخ میں آسمانوں کے کونوں میں زمین کی تہہ میں ہو کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ اسے لاکر پیش کرے گا وہ بڑے باریک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے اندھیری

رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔ بعض نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ انھا میں ضمیر شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مثقال کی لام کا پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ اچھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں آسمان اور زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی بنی اسرائیل سے ہیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہ سے مروی تو ہے واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں نہ جھٹلا سکیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کہ کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہو تا ہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو نیک ہو یا بد۔ پھر فرماتے ہیں بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض اس کے واجبات ارکان اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کرنا ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ اپنوں پرایوں میں کرتے رہنا بھلی باتیں کرنے اور بری باتوں سے بچنے کے لیے ہر ایک سے کہنا اور چونکہ۔ نیکی کا حکم یعنی بدی سے روکنا جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اور حق گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں اس لیے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذاء اور مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا در حقیقت اللہ کی راہ میں ننگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلتے ہوئے پست ہمت نہ ہونا یہ بڑا بھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرماتے ہیں اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑ انہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے تئیں بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کر۔ بلکہ نرمی برت خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس مکھ ہو کر ملے یہ بھی تیری بڑی نیکی ہے۔ تہبند اور پاجامے کو ٹخنے سے نیچا نہ کر یہ کبر غرور ہے اور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے سے شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ باچھیں پھاڑ کر لہجہ بدل کر حاکمانہ انداز کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔ صعر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردہ میں ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن ٹیڑی ہو جاتی ہے، پس متکبر شخص کو اسی ٹیڑھے منہ والے شخص سے ملا دیا گیا۔ عرب عموماً تکبر کے موقعہ پر صعر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تن کر اکڑ کر اترا کر غرور و تکبر سے نہ چلو یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا ہے جو خود بین متکبر سرکش اور فخر و غرور کرنے والے ہوں اور آیت میں ہے (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) (الاسراء:۳۷) یعنی اکڑ کر زمین پر نہ چلو نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس کی جگہ گذر چکی ہے۔ حضور کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غصہ ہوتا ہے اس پر ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور ان کی وصیت کا ذکر بھی

ہے۔ اور میانہ روی کی چال چلا کرنہ بہت آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کر بے فائدہ چیخ چلا نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے۔ جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھا دیا کہ بلا وجہ چیخنا ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بری مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دے دی ہوئی چیز واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اور جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ اس لیے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے رات کو۔ واللہ اعلم۔ یہ وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع بخش ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لیے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت حکیمانہ قول اور وعظ و نصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں بزبان رسول اللہ ﷺ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سونپ دی جائے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ڈراونی چیز ہے اور دن کو مذمت و برائی والی چیز ہے آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے پہلے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ گپ شپ کریں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لیے جب بیٹھتے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہوگئی تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حبشیوں کو دوست رکھا کرو ان میں سے تین شخص اہل جنت کے سردار ہیں لقمان حکیم نجاشی اور بلال موذن۔ تواضع اور فروتنی کا بیان حضرت لقمان نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیا نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ہم اس میں سے اہم باتیں یہاں ذکر کر دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہت سے پراگندہ بالوں والے میلے کچیلے کپڑوں والے جو کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے اللہ کے ہاں اتنے بڑے مرتبہ والے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم لگا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی پوری فرما دے۔ اور حدیث میں ہے براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کو قبر رسول کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر ﷺ سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کر دے گو انہیں اللہ نے دنیا نہیں دی لیکن ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ پورا کر لیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار ایک درہم بلکہ ایک فلوس بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن اللہ کے ہاں وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دے دے ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لیے کہ یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ پوری کرتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی اگر کسی بڑے گھرانے میں نکاح کی مانگ کر ڈالیں تو وہاں کی بیٹی نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور ان کی امنگیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی خود ہی فوت ہو جاتی ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کے لیے کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں کل قیامت کے دن تخت و تاراج والے ملک و منال والے عزت و جلال والے بنے ہوئے ہونگے۔ باغات میں نہروں میں نعمتوں میں راحتوں میں مشغول ہونگے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مؤمن ہو کم مال والا کم عیال والا غازی عبادت واطاعت گذار پوشیدہ واعلانیہ مطیع ہو لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو اس کی جانب انگلیاں اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو پھر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا اس کی موت جلدی آ جاتی ہے اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے اس کی رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء جو اپنے دین کو لیے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ جمع ہونگے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر انعام واکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں دیا؟ کیا وہ نہیں دیا؟ کیا لوگوں میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ تو جہاں تک ہو سکے ان سوالوں کے جواب دینے کا موقعہ کم ملے اچھا ہے۔ لوگوں کی تعریفوں سے کیا فائدہ اور مذمت کریں تو کیا نقصان ہوگا۔ ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جسے لوگ برا کہتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔ ابن محیریز تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو۔ خلیل بن احمد اپنی دعا میں کہتے تھے اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے درمیانہ درجہ کا رکھ پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دینداری یا دنیاداری کی شہرت دینے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں اشارے ہونے لگیں۔ پس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مگر جنہیں اللہ بچالے۔ سنو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمالوں کو دیکھتا ہے۔ حضرت حسن سے بھی یہی روایت مرسلا مروی ہے جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی نے کہا آپ کی طرف بھی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا سمجھے نہیں مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دنیوی فسق و فجور ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ شہرت حاصل کرنا نہ چاہو۔ اپنے تئیں اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تذکرے ہونے لگیں علم

حاصل کرو لیکن چھپا و چپ رہو تا کہ سلامت رہو نیکوں کو خوش رکھو بدکاروں سے اعراض رکھو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ حضرت ایوب کا فرمان ہے جسے اللہ دوست بنالیتا ہے وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا ہے۔ محمد بن علا فرماتے ہیں اللہ کے دوست لوگ اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتے۔ سماک بن سلمہ کا قول ہے عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو۔ حضرت ابان بن عثمان فرماتے ہیں اگر دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابوالعالیہ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ انکی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے۔ حضرت طلحہؓ کھڑے تھے حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا اس میں تابع کے لیے ذلت اور متبوع کے لیے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم پر میرا باطن ظاہر ہو جائے تو تم میں سے دو بھی میرے ساتھ چلنا پسند نہ کریں۔ حماد بن زید کہتے ہیں جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گذرتے اور ہمارے ساتھ ایوب ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے۔ پس یہ ایک نعمت تھی۔ آپ لمبی قمیض پہنتے اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ اگلے زمانے میں شہرت کی چیز تھی۔ لیکن یہ شہرت اس کو اونچا کرنے میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ کی رنگوائی اور کچھ دنوں تک پہن کر اتار دی اور فرمایا میں نے دیکھا کہ لوگ انہیں نہیں پہنتے۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں اٹھیں نہ اتنا گھٹیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں۔ ثوری فرماتے ہیں عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑا پہنتے تھے نہ بالکل گھٹیا۔ ابوقلابہ کے پاس ایک شخص بہت سی بہترین اور شہرت کا لباس پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا اس آواز دینے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظاہر لباس میں تواضع کر رکھی ہے گویا چادر ایک بھاری ہتھوڑا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا میرے سامنے تو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ سنو لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر دل خوف اللہ سے نرم رکھو۔

اچھے اخلاق کا بیان:

حضور ﷺ سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کونسا مؤمن بہتر ہے فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا۔ آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف اچھے اخلاق کیوجہ سے انسان بڑے بڑے درجے اور جنت کے اعلیٰ منازل حاصل کر لیتا ہے۔ اور باوجود بہت ساری نیکیوں کے صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں اچھے اخلاق ہی میں دنیا آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتے ہیں انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والوں کے درجوں کو پالیتا ہے۔ حضور سے سوال ہو کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی۔ پوچھا گیا عام طور سے جہنم میں کونسی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا دو سوراخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔ ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا کہ حسن اخلاق۔ فرمایا کہ نیکی کی ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں۔ فرماتے ہیں تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے

اچھے اخلاق والا ہو۔ فرماتے ہیں جس طرح مجاہد کو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے صبح شام اجر ملتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض ونفرت کے قابل اور مجھ سے سب سے دور جنت میں وہ ہوگا جو بدخلق بدگو بدکلام بدزبان ہوگا۔ فرماتے ہیں کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک ومحبت سے ملیں جلیں۔ ارشاد ہے جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا لقمہ نہیں بنائے گا۔ ارشاد ہے کہ دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتی بخل اور بداخلاقی۔ فرماتے ہیں بدخلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لیے کہ بداخلاقی سے ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک بد اخلاقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ بداخلاقیاں نیک اعمالوں کو غارت کردیتی ہیں۔ جیسے شہد کو سرکہ خراب کردیتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے البتہ خوش اخلاقی سے لوگ گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ امام محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان:

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔ اور وہ جہنمی نہیں جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو۔ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے وہ اوندھے منہ جہنم میں جائیں گے۔ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے آپ کی دربار میں اس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی۔ اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے کراہت کرنے لگے۔ امام شعبی کا قول ہے جس نے دو شخصوں کو قتل کردیا وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (: اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ) (القصص 19:) کیا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسے کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے۔ تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسن کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔ امام محمد بن حسین بن علی فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اسکی کم ہوجاتی ہے۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کیساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔ بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑا کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی

چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤس نے انکے پہلو میں ایک ٹھوکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمایئے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا اپنے نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا۔ فرماتے ہیں اسکی طرف اللہ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہبند لٹکائے۔ ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لیے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا قیامت تک وہ دھنستا ہوا چلا جائے گا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ...

متکبرانہ روش سے احتراز و اجتناب کی تعلیم و تلقین:

متکبرانہ روش سے احتراز و اجتناب کی تعلیم و تلقین کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کے ساتھ منہ پھیر کر بات نہ کرنا۔ تصعیرِ خد کے معنیٰ ہیں تکبر و غرور کی بنا پر لوگوں سے بے رخی اور لا پرواہی برتنا۔ اور یہ لفظ صعر سے ماخوذ ہے جو اونٹ کی ایک ایسی بیماری کو کہتے ہیں جس سے وہ گردن دوسری طرف نہیں موڑ سکتا۔ پس جو شخص تکبر کے طور پر اپنی گردن اکڑا کر، پھلا کر اور منہ ایک طرف پھیر کر بات کرتا ہے وہ درحقیقت ایسے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جو ایسی بیماری کی وجہ سے اپنی گردن دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تم کبھی ایسے نہیں کرنا بلکہ عجز و نیاز اور شرافت و بندگی کی چال ڈھال ہی کو اپنائے رکھنا۔ سو اوپر شکر خداوندی اور اس کے آثار و ثمرات اور اس کے نتائج و موجبات کا ذکر فرمایا گیا اور اب یہ ان دونوں باتوں کا مقابل ذکر فرمایا جا رہا ہے جو اس شکر گزاری کے منافی ہیں۔ سو شکر کا مظہر و نتیجہ اخبات و تواضع ہے اور اس کی ضد غرور و تکبر۔ والعیاذ باللہ۔ سو تنگ ظرف لوگ نعمت پا کر اکڑنے اور اترانے والے بن جاتے ہیں جس کے باعث وہ ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں جو انکے ہمسر نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت لقمٰن نے اپنے بیٹے کو اس روش کے اختیار کرنے سے روکا اور منع فرمایا کہ تم غرور و تکبر کی اس روش سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔

خود پسندی اور شیخی بازی اللہ کو ناپسند ہے:

ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا کسی خود پسند شیخی باز کو۔ مختال وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنے جی میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہو اور فخور وہ جو دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی جتا کر فخر کرتا ہو۔ جس کو شیخی باز کہا جاتا ہے۔ سو یہ ممنوع و محذور ہے۔ مگر جو اظہار و بیان تحدیث نعمت کے طور پر ہو وہ اس میں داخل نہیں بلکہ وہ مطلوب و محمود ہے۔ ارشاد ربانی ہے: { وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ } (الضحیٰ: 11) سو اس میں بڑی سخت تنبیہ ہے ان اترانے والوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مال و جان کو اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان سمجھنے کی بجائے اس کو اپنی لیاقت و قابلیت کا نتیجہ اور اپنا استحقاق سمجھنے لگتے ہیں جسکے نتیجے میں ان کے اندر شکر کی بجائے غرور کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے آگے کئی قسم کے رذائل جنم لیتے ہیں۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ ...

میانہ روی کی تعلیم وتلقین:

ارشاد فرمایا گیا اور میانہ روی کو اپنائے رکھنا اپنی چال ڈھال میں۔ یعنی نہ تو متکبروں کی طرح اکڑ کر اور ایڑیاں مار مار کر چلنا اور نہ مریضوں اور بیماروں کی طرح قدم گن گن کر ڈالنا کہ یہ چال بھی تکبر کی ہی ایک دوسری قسم ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی کی روش کو اپنانا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے قول وفعل اور طرز عمل سے ثابت ہے کہ وہی اصل سچا اور کامل نمونہ ہے۔ سواو پر جن باتوں کی نہی کے اسلوب میں تعلیم وتلقین فرمائی گئی تھی اب اسی تواضع اور فروتنی کی تعلیم مثبت انداز میں دی جارہی ہے کہ تم اپنی چال ڈھال میں اکڑنے اور اترانے کی بجائے تواضع اور فروتنی کی روش کو اپنانا اور اللہ کی زمین پر ایڑیاں مار کر چلنے کی بجائے اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی طرح عاجزی اور تواضع کے ساتھ چلنا۔ جیسا کہ عباد الرحمٰن کی صفات وخصال کے ذکر وبیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا: {وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا} (الفرقان:63) نیز دوسرے مقام پر تکبر سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا {ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا} (بنی اسرائیل:27) یعنی تم زمین میں اکڑ کر اور ایڑیاں مار مار کر مت چلا کرو کہ نہ تو اس طرح تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

اپنی آواز کو پست رکھنے کی ہدایت:

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اپنی نصیحت کے دوران مزید کہا اور کسی قدر پست رکھنا اپنی آواز کو۔ یعنی متکبر لوگوں کی طرح کڑک کر اور زور سے بولنے کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت موقع کے مطابق عمل کرنا۔ محض چیخنا، چلانا اور بلا ضرورت اونچی آواز سے بولنا اگر کوئی محمود اور قابل تعریف چیز ہوتی تو گدھے کی آواز سب سے زیادہ اچھی اور قابل تعریف ہوتی۔ حالانکہ وہ تمام آوازوں میں سب سے بری اور کریہہ آواز ہے۔ پس تم اے میرے بیٹے اس سے بچ کر رہنا کہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اور حسن کلام اور حسن بیان سے مشرف وسرفراز ہونے کے باوصف اپنے مرتبہ ومقام کو چھوڑ کر اور اپنی سطح بلند سے اتر کر گدھوں کی صف میں شامل ہو جانا کتنی بڑی حماقت اور کس قدر خسارے کا سودا ہے۔ پس تم اپنی آواز میں کرختگی وخشونت کے بجائے نرمی اور لینت ہی کو اپنائے رکھنا۔ یہاں پر کلمہ من کے استعمال سے ایک اہم درس یہ بھی ملتا ہے کہ خالق نے جب سب لوگوں کو ایک ہی آواز پر پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس کو اس صلاحیت اور اختیار سے نوازا ہے کہ وہ اپنی آواز کو جتنا چاہے اونچا یا پست کر سکتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ خواہ مخواہ گدھوں کی طرح اپنا حلق اور لوگوں کے کان پھاڑنے کی بجائے موقع ومقام کے مطابق آواز کو پست یا بلند کرے سبحان اللہ! کتنی لطافتیں اور کس قدر بلاغتیں ہیں اس کلام حکیم میں۔

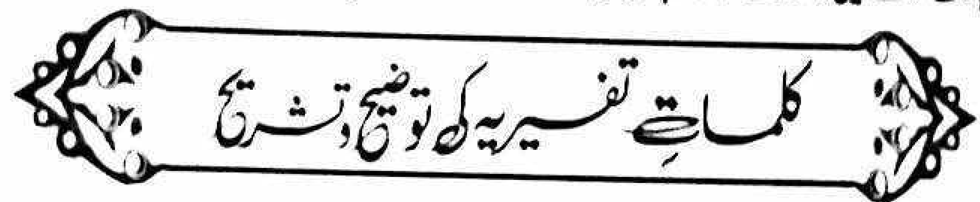
اَلَمْ تَرَوْا تَعْلَمُوْا یَا مُخَاطَبِیْنَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ لِتَنْتَفِعُوْا بِهَا وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنَ الثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ وَالدَّوَابِ وَاَسْبَغَ اَوْسَعَ وَاَتَمَّ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَهِیَ حُسْنُ

الصُّوْرَةِ وَتَسْوِيَةُ الْاَعْضَاءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّ بَاطِنَةً ؕ هِيَ الْمَعْرِفَةُ وَغَيْرُهَا وَ مِنَ النَّاسِ اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ
مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ بَلْ بِالتَّقْلِيْدِ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ
اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ قَالَ تَعَالٰى اَوَ يَتَّبِعُوْنَهُ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ
يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ اَيْ مُوْجِبَاتِهِ لَا وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ اَيْ يُقْبِلُ عَلٰى طَاعَتِهِ وَ
هُوَ مُحْسِنٌ مُوَحِّدٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ بِالطَّرَفِ الْاَوْثَقِ الَّذِيْ لَا يَخَافُ انْقِطَاعَهُ وَ اِلَى
اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ مَرْجِعُهَا وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ يَا مُحَمَّدُ كُفْرُهٗ ؕ لَا تَهْتَمَّ بِكُفْرِهِ اِلَيْنَا
مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ اَيْ بِمَا فِيْهَا كَغَيْرِهِ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ
نُمَتِّعُهُمْ فِي الدُّنْيَا قَلِيْلًا اَيَّامَ حَيٰوتِهِمْ ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴ وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ
لَا يَجِدُوْنَ عَنْهُ مَحِيْصًا وَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ حُذِفَ
مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ عَلٰى ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ
بِالتَّوْحِيْدِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ وُجُوْبَهُ عَلَيْهِمْ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا
فَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ فِيْهِمَا غَيْرُهُ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ اَلْمَحْمُوْدُ فِيْ صُنْعِهِ وَ لَوْ اَنَّ مَا
فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ عَطْفٌ عَلٰى اِسْمِ اَنَّ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ
كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اَلْمُعَبَّرُ بِهَا عَنْ مَعْلُوْمَاتِهِ بِكَتْبِهَا بِتِلْكَ الْاَقْلَامِ بِذٰلِكَ الْمِدَادِ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لِاَنَّ
مَعْلُوْمَاتِهِ تَعَالٰى غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهِ
وَحِكْمَتِهِ مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ خَلْقًا وَبَعْثًا لِاَنَّهُ بِكَلِمَةِ كُنْ فَيَكُوْنُ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ ۢ يَسْمَعُ كُلَّ مَسْمُوْعٍ بَصِيْرٌ ۝۲۸ يُبْصِرُ كُلَّ مُبْصَرٍ لَا يَشْغَلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ يَا
مُخَاطَبًا اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ يُدْخِلُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ يُدْخِلُهُ فِي الَّيْلِ فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا
بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ مِّنْهُمَا يَجْرِيْ فِيْ فَلَكِهِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى هُوَ يَوْمُ

الْقِيٰمَةِ وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ الْمَذْكُوْرُ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَ اَنَّ مَا
يَدْعُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ الزَّائِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ عَلٰى خَلْقِهِ بِالْقَهْرِ
الْكَبِيْرُ ۝ ع ۱۱/۱۲ ۳

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا (اے مخاطبین کیا تم نہیں جانتے) کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان میں (سورج چاند ستارے، تاکہ تم ان سے فائدہ اٹھاسکو) اور جو کچھ زمین میں ہے (پھل، نہریں، چوپائے) اور پوری کردی تم پر اپنی نعمتیں (وسیع اور مکمل دے رکھی ہیں) ظاہری نعمتیں بھی (خوبصورتی، سلامتی اعضاء وغیرہ) اور باطنی نعمتیں بھی (معرفت خداوندی وغیرہ) اور بعض آدمی (مکہ والے ایسے ہیں کہ جو جھگڑتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر واقفیت اور بغیر دلیل کے اور بغیر (کسی پیغمبر) ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (جو اللہ نے اتاری ہو بلکہ تقلید کی بنیاد پر) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے (حق تعالیٰ فرماتے کہ کیا تم اسوقت بھی ان بڑوں کی اتباع کرو گے) اگر شیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا (یعنی اسباب دوزخ کی طرف) اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے (یعنی اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے) اور وہ مخلص (موحد) بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا (پکا سرا جس کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں ہے) اور سب کاموں کا اخیر (انجام) اللہ ہی تک پہونچے گا، اور جو شخص کفر کرے سو اس کا کفر آپ کے لئے (اے محمدؐ) باعث غم نہیں ہونا چاہیے۔ ان سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے سو ہم جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے بیشک اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں (یعنی دلوں کی بھی اور دلوں کے علاوہ کی بھی لہٰذا ان کا بدلہ دے گا) ہم ان کو) دنیا میں) چند روزہ عیش دیئے ہوئے ہیں (دنیا کی زندگی تک) پھر انکو (آخرت میں) ایک سخت عذاب کی طرف پکڑ لائیں گے (عذاب جہنم میں جس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکے گا اور اگر (لام برائے قسم ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کئے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (لَيَقُوْلُنَّ میں نون رفع کئی نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف ہو گیا اور واؤ جمع التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) آپؐ کہئے کہ الحمد للہ (توحید کی حجت ان پر غالب آ گئی) لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے (توحید کے واجب ہونے کو) سب اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے (اس کی ملک، اسی کی مخلوق، اسی کے بندے ہیں لہٰذا جہاں میں اس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے) بیشک اللہ ہی (مخلوق سے) بے نیاز اور (اپنی کاریگری میں) بڑی خوبیوں والا ہے اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور اس سمندر (یہ اِنّ کے اسم پر عطف ہے) کے علاوہ سات سمندر اور اس میں (روشنائی بنکر) شامل ہو جائیں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہونے پائیں (جن سے اللہ کی معلومات کا پتہ چلے، ان قلموں اور اس روشنائی سے لکھکر اور نہ ان سے زیادہ سے کیونکہ اللہ کی معلومات غیر متناہی ہیں (بیشک اللہ زبردست ہے (اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا) حکمت والا ہے (اس کے علم وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں) تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ جلانا بس ایسا ہی ہے جیسا

ایک شخص کا (پیدا کرنا، زندہ کرنا کیونکہ کلمہ کن کے ذریعہ ہوتا ہے) (بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا (ہر آواز) ہے دیکھتا ہے (ہر دکھائی دینے والی چیز کو دیکھتا ہے کوئی ایک چیز دوسری چیز سے اس کی توجہ نہیں ہٹا سکتی) کیا تمہیں خبر نہیں (اے مخاطب تجھے معلوم نہیں) اللہ شامل (داخل) کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو شامل (داخل) کرتا ہے رات میں (اس طرح ہر ایک میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جو دوسرے سے کم ہوتا ہے) اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے (ان دونوں میں سے) ہر ایک (اپنے مدار میں گردش کرتا رہے گا مقررہ میعاد (قیامت) تک اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے یہ (مذکورہ بات) اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ثابت شدہ حقیقت ہے اور جن چیزوں کو یہ پکار رہے ہیں یدعون یا اور تا کے ساتھ۔ عبادت کرتے ہیں) اللہ کے علاوہ وہ بالکل ہی جھوٹ (نیست و نابود) ہے اور اللہ ہی عالیشان (مخلوق پر غالب) ہے



قوله: فِي اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات میں۔

قوله: يَتَّبِعُوْنَهُ: اس میں استفہام انکاری ہے اور تعجبی ہے اور لو کا جواب جیسے: لا نتبعوہ

قوله: لَوْ كَانَ: اس میں صاف ممانعت ہے کہ تقلید اصول میں نہیں۔

قوله: يَدْعُوْهُمْ: یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر ان کے اور ان کے آباء سے متعلق ہے۔

قوله: فَقَدِ اسْتَمْسَكَ: وہ اس سے لٹکنے والا ہے جو لٹکنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مضبوط ہے اور یہ متوکل کی مثال ہے جو اس شخص سے دی جو پہاڑ پر چڑھنا چاہتا ہو اور سب سے زیادہ مضبوط کڑے کو تھام لے جس سے پہاڑ پر چڑھا جاتا ہے۔

قوله: بِالْعُرْوَةِ: ڈول اور لوٹے کو پکڑنے کا دستہ۔

قوله: بِالطَّرْفِ: رسّی کا ایک سرا۔

قوله: وَجُوْبُهُ عَلَيْهِمْ: حمد کا اس پر لازم ہونا اور اس کی دلیل کا ان پر ظاہر ہونا۔

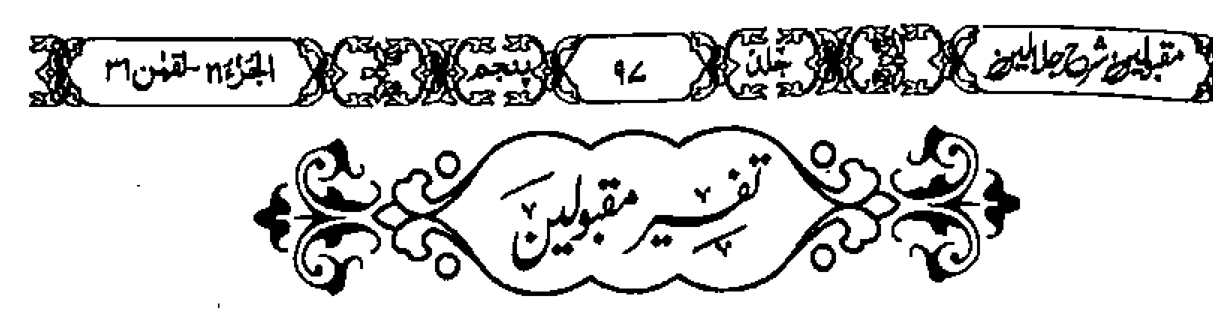
قوله: اِنَّ: کے اسم پر اس کا عطف ہے جبکہ بحر کو منصوب پڑھیں اور اگر بحر پر رفع پڑھیں تو محل اِنَّ پر عطف ہے اور اس کے معمول پر اور يَمُدُّهُ حال بنے گا۔

قوله: الْمِدَادِ: یہ بحر کی خبر ہے۔

قوله: اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ: یعنی اس کے پیدا کرنے اور اٹھانے کی طرح ہے۔

قوله: الْمَذْكُوْرُ: یعنی وسعت علمی اور قدرت کا شامل ہونا۔

قوله: الثَّابِتُ: وہ اپنی ذات کے لحاظ سے واجب الوجود ہے اور اس کی تمام صفات بھی ثابت و برحق ہیں۔



اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ ...

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہر اور باطن نعمتوں کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے بہت سے قول لکھے ہیں اور اس مقام پر جس قدر کثرت سے قول علماء مفسرین نے لکھے ہیں وہ بجا بھی ہیں کیونکہ انسان پر اللہ کی جو نعمتیں ہیں انکا کچھ حد وحساب ہی نہیں پھر جس طرح بے حد وحساب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اسی طرح بے حد وحساب ان نعمتوں کی تفسیر بھی ہے اسی واسطے جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں اپنی نعمتوں کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ: **وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها** جس کے حاصل معنے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو در کنار انسان اگر اللہ کی نعمتوں کی فقط گنتی بھی کرے تو نہیں ہو سکتی جب خود اللہ تعالیٰ کی تفسیر کی رو سے اللہ کی نعمتوں کی تفصیل اور تفسیر انسان کی قدرت سے باہر ہے تو مفسرین نے دس بارہ قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھے ہیں ان سے اللہ کی نعمتوں کی کیا تفسیر ہو سکتی ہے لیکن بیہقی اور دیلمی وغیرہ نے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک صحیح قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ ذکر کر دیا جاتا ہے تا کہ آیت کی کسی قدر تفسیر ہو جائے وہ قول یہ ہے کہ عطاء بن رباح جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور تابعین میں سید التابعین علماء نے ان کو لکھا ہے وہ کہتے ہیں ایک روز میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ خود میں نے بھی اس آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے پوچھی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظاہری نعمتوں سے اللہ کی مثلاً ایک یہی کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہاتھ پیر آنکھوں ناک سب اعضا اللہ تعالیٰ نے تیرے صحیح سالم پیدا کیے اور تندرستی عطا کی اور باطن کی نعمتوں میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ تیرے ایسے برے کام اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے چھپائے کہ اگر آج وہ سب لوگوں پر ظاہر ہو جاویں تو خود تیرے گھر والے تیرے دشمن ہو جاویں غیروں کا تو کیا ٹھکانا حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سمجھانے کی غرض سے ایک نعمت ظاہری اور ایک نعمت باطنی اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی بے گنتی نعمتوں میں سے مثال کے طور پر بیان فرما دی اس طرح قرآن اور حدیث سے نکال کر ہزاروں لاکھوں کروڑوں نعمتیں اللہ کی بیان کی جاویں تو ممکن ہیں مگر اس ہزاروں لاکھوں کروڑوں کی گنتی سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی گنتی پوری ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے موافق یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی پوری کی جاوے اس لیے مفسروں نے اپنی اپنی تفسیر میں جو کچھ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ سب مثال کے طور پر خیال کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر انسان کو کم ہے اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس بات میں طرح طرح کی نصیحت بھی فرمائی ہے مثلاً ابو ہریرہؓ کی صحیح مسلم کی روایت میں فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ تندرستی اور خوشحالی میں جو کم درجہ ہو ایسے شخص پر نظر ڈالے اور جو شخص اپنے سے بڑھتی درجہ میں ہو اس پر کبھی نظر نہ ڈالے تا کہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری لازم نہ آوے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مثلاً سورج چاند مینہ زمین میں کھیتی باغ انسان کی یہ سب ضرورت کی چیزیں پیدا کیں اس پر بھی بعضے ناشکرے لوگ نادانی سے اللہ

تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے میں بغیر کسی دلیل کے طرح طرح کی حجتیں نکالتے ہیں۔"

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ...

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں۔ نہ کسی زبان سے، وہ سب ادا ہوسکتے ہیں نہ کسی قلم سے اُن سب کو لکھا جاسکتا ہے۔ مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب شاخوں کے قلم بنالیے جائیں اور ان کے لکھنے کے لیے سمندر کو روشنائی بنادیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہوجائے گا اور معلومات وتصرفات ختم نہ ہوں گے۔ اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کردیے جائیں، جب بھی سب سمندر ختم ہوجائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ کلمات اللہ سے مراد اس کے علم وحکمت کے کلمات ہیں (روح ومظہری) اور شیون قدرت اور نعمائے آلہیہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کرلو اور سات سمندر مل جائیں جب بھی ان سب سے سب کلمات اللہ کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ اور سات کا عدد بھی بطور مثال ہے، حصر مقصود نہیں۔ اور دلیل اس کی دوسری آیت قرآن ہے جس میں فرمایا ہے: قل لو کان البحر مدادًا لکمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثله مددًا، یعنی اگر سمندر کو کلمات اللہ کو لکھنے کے لیے روشنائی بنالیا جائے تو سمندر ختم ہوجائے گا اور کلمات اللہ ختم نہ ہوں گے، اور صرف یہی سمندر نہیں اسی جیسے اور سمندر کو بھی شامل کردیں تب بھی بات یہی رہے گی۔ اس آیت میں بمثلہ فرما کر اشارہ کردیا کہ یہ سلسلہ دور تک چلایا جائے کہ اس سمندر کے مثل دوسرا سمندر مل گیا پھر اس کی مثل تیسرا چوتھا، غرض سمندروں کی کتنی ہی مقدار فرض کرلو ان کی روشنائی کلمات اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ عقلی طور پر وجہ ظاہر ہے کہ سمندر سات نہیں سات ہزار بھی ہوں وہ بہر حال محدود اور متناہی ہیں اور کلمات اللہ یعنی معلومات اللہ غیر متناہی ہیں، کوئی متناہی چیز غیر متناہی کا احاطہ کیسے کرسکتی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت احبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی آیت ہے: وما اوتیتم من العلم الّا قلیلًا، یعنی تمہیں نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا علم، جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چند احبار یہود حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا، یہ آپ نے اپنی قوم کا حال ذکر کیا ہے، یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری مراد سب ہیں، یعنی ہماری قوم بھی اور یہود ونصاریٰ بھی۔ تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی ہے جس کی شان تبیان لکل شئی، یعنی ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الٰہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے۔ پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تمہیں پورا علم نہیں، بقدر کفایت ہی ہے۔ اس لیے علم الٰہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہی ہے۔ اسی کلام کی تائید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام۔ الایۃ (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ ...

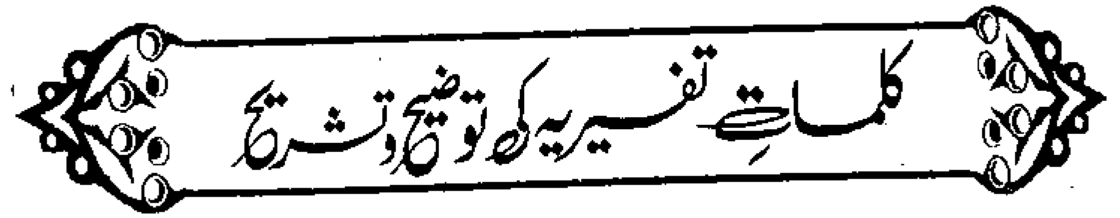
اس سے کائنات کے بعض عظیم الشان مظاہر کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جن میں بڑے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں، جن میں حضرت حق جلّ مَجْدُہ، کی قدرت وحکمت، اسکی رحمت وعنایت، اور اسکی وحدانیت ویکتائی کے عظیم الشان دلائل ہیں، لیکن انسان کی غفلت ولا پرواہی ہے کہ وہ ان میں غور وفکر سے کام نہیں لیتا، اس لیے محروم کا محروم ہی رہتا ہے، سو اس کو غور وفکر کی دعوت اور اسکی تحریک وترغیب کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر پُر حکمت طریقے سے رات کو داخل فرماتا ہے دن میں، اور دن کو داخل فرماتا ہے رات میں، جس سے کبھی دن بڑا، اور رات چھوٹی، اور کبھی اس کے برعکس اور یہ عمل پوری پابندی کے ساتھ لگا تار ہو رہا ہے، تو آخر یہ کون کرتا ہے، سو وہی ہے اللہ قادر مطلق، سبحانہ وتعالیٰ اور اسی نے سورج اور چاند کے ان دو عظیم الشان کروں کو اپنے بندوں کیلئے کام میں لگا رکھا ہے۔ جو منٹوں اور سیکنڈوں کی پابندی کے ساتھ آرہے ہیں، اور جا رہے ہیں، سو وہی اللہ وحدہ لاشریک معبود ہے تم سب کا، سبحانہ وتعالیٰ، پس انسان اگر صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے، تو اس کے لیے کائنات کی اس عظیم الشان اور کھلی کتاب میں عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں، حضرت خالق کل اور مالک مطلق کے وجود باجود، اس کی وحدانیت ویکتائی، اس کی قدرت بے نہایت، اور رحمت وعنایت بے غایت پر دلالت کرتے ہیں، اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہی اللہ وحدہ لاشریک ہی اس ساری کائنات کا خالق اور اس میں حاکم ومتصرف ہے،

الْعَظِيْمُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ السُّفُنَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ يَا مُخَاطَبِيْنَ بِذٰلِكَ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ عِبَرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنْ مَعَاصِى اللّٰهِ شَكُوْرٍ ۝۳۱ لِنِعَمِهٖ وَاِذَا غَشِيَهُمْ اَىْ عَلَا الْكُفَّارَ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ كَالْجِبَالِ الَّتِىْ تَظِلُّ مِنْ تَحْتِهَا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ اَىِ الدُّعَاءَ بِاَنْ يُّنْجِيَهُمْ اَىْ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ مُتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ وَمِنْهُمْ بَاقٍ عَلٰى كُفْرِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ وَمِنْهَا الْاِنْجَاءُ مِنَ الْمَوْجِ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غَدَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲ لِنِعَمِ اللّٰهِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ يُغْنِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ فِيْهِ شَيْئًا وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ فِيْهِ شَيْئًا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فِىْ حِلْمِهٖ وَاِمْهَالِهٖ الْغَرُوْرُ ۝۳۳ الشَّيْطَانُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ مَتٰى تَقُوْمُ وَيُنَزِّلُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ الْغَيْثَ ۚ بِوَقْتٍ يَعْلَمُهٗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ۭ

اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى وَلَا يَعْلَمُ وَاحِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ غَيْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِكُلِّ شَيْءٍ

ع ۱۴ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثَ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ خَمْسَةٌ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ۔

ترجمہ: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتیاں (بحری جہاز) دریا میں چلتی رہتی ہیں تا کہ اے مخاطبین! اس کے ذریعہ) تم کو دکھائے (اپنی قدرت) نشانیاں یقیناً اس میں (عبرتیں) ہیں (گناہوں سے) ہر بچنے والے (اللہ کی نعمتوں کا) شکر بجالانے والے کے لئے اور جب ان کو گھیر لیتی ہیں (کفار پر غالب آ جاتی ہیں) سائبانوں کی طرح موجیں (جو پہاڑوں جیسی کشتیوں کے نیچے اٹھتی رہتی ہیں) تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (سلامتی کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں کسی اور کو نہیں پکارتے) پھر جب ان کو سلامتی کے ساتھ خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعض ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں (ایمان وکفر کے درمیان اور کچھ ان میں کافر ہی رہتے ہیں) اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں (ان نشانیوں میں سے موج سے ان کو نکال لینا بھی ہے) جو بدعہد (غدار) ناشکرے (اللہ کی نعمتوں کے) ہیں اے لوگو! (مکہ کے باشندو!) اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو کہ مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا (بے نیاز نہیں بنا سکے گا) کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے (کچھ بھی) اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ مطالبہ ادا کر سکے گا اپنے باپ کی طرف سے (ذرا بھی) یقیناً اللہ کا وعدہ (قیامت کے بارے میں) سچا ہے سو تم کو دنیاوی زندگی (اسلام سے ہٹا کر) دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ شیطان) تم کو (اللہ کی بردباری اور ڈھیل دینے) کے بارے میں دھوکہ میں ڈالے بلا شبہ اللہ ہی کو خبر ہے قیامت کی (کہ کب آئے گی) اور وہی برساتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) بارش (اس وقت میں جس کو وہ جانتا ہے ینزل (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے (لڑکا یا لڑکی اور ان تینوں باتوں میں سے کسی چیز کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اچھا کام یا برا کام لیکن اللہ کو خبر ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (مگر اللہ جانتا ہے) بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے) ظاہر کی طرح باطن سے واقف ہے) بخاری نے ابن عمرؓ سے مفاتیح الغیب خمسة والی حدیث روایت کی ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الیٰ آخر سورہ۔



قولہ: الزائل: وہ اپنی ذات کی حد تک زائل ہونے والی ہیں اور کوئی چیز اس کے کرنے کے بغیر نہیں پائی جا سکتی۔

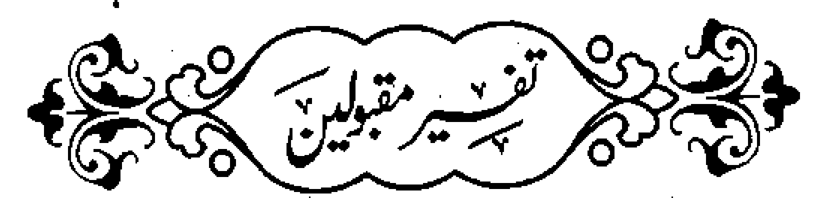
قولہ: بِنِعْمَتِ اللّٰهِ: یعنی اسباب کے مہیا کرنے میں اس کا احسان محض ہے۔

قوله: مُتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْكُفْرِ: کسی طرف جھکنے والے نہیں۔

قوله: كُلُّ خَتَّارٍ: نہایت درجہ کا دھوکہ باز۔

قوله: يُغْنِيْ: يَجْزِيْ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ يَجْزِيْ کی یا مضموم ہے اور یا مفتوح ہو تو اس کا معنی لا يقضي عنه پورا کرنا۔

قوله: فِيْهِ شَيْئًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔



تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ ...

سمندر میں چلتے بحری جہازوں اور کشتیوں میں سامان غور و فکر:

اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا ہے کہ سمندر میں جو کشتی چلتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ دیکھو آدھا تولہ لوہا سمندر میں ڈالو تو اسی وقت ڈوب جائے گا اور سو من کی لکڑی جو کشتی (جہاز) کی صورت میں ہے وہ نہیں ڈوبتا، یہ کشتیاں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہیں، سامان لاتی ہیں، ضرورت کی چیزیں ان کے آنے جانے کی وجہ سے فراہم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے انہیں ہواؤں کے تھپیڑوں کے ذریعہ اس حال میں کر دیتا ہے کہ ان کا چلنا تیرنا مشکل ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کا رخ بدل دیتا ہے تو آرام سے چلتی ہیں، یہ سب عبرت کی چیزیں ہیں ان کے ذریعہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے، جو لوگ صبر اور شکر کا مزاج رکھتے ہیں وہی اللہ کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی کشتی کو پانی کا طوفان گھیر لیتا ہے، بڑی بڑی موجیں جو سائبانوں اور بادلوں کی طرح ہوتی ہیں وہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس صورت میں انسان کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا جو مؤمن بندے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع ہوتے ہی ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں لیکن جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس وقت وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری سچائی اور پھر پورے اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں ان میں جو مؤمن بندے ہوتے ہیں وہ برابر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں خشکی میں آ کر غیر اللہ کو نہیں پکارتے اور شرک میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کے بارے میں فرمایا فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (کہ کشتی سے اتر کر خشکی میں آنے والے بعض لوگ اعتدال والی راہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں یعنی توحید پر ہی برقرار رہتے ہیں جو سیدھا اور اعتدال والا راستہ ہے، اور جو لوگ خشکی میں آ کر اس مصیبت کو بھول جاتے ہیں جو کشتی میں پیش آئی تھی یعنی کشتی ڈوبنے کے قریب تھی یہ لوگ پھر شرک اختیار کر لیتے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں اسی کو فرمایا: (فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ) (سو جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات

دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ (اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو) ان جھوٹے عہد کرنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جو کشتی میں اخلاص کے ساتھ توحید کا عہد کرتے ہیں پھر کشتی سے باہر خشکی میں آ کر توڑ دیتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے دلائل اور آیات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور توحید کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں، آیت کے آخر میں اسی کو بیان فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا ...

یہاں سے حجت تمام کر کے ایک ایسا حکم دیتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے، وہ کیا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ کہ اپنے رب سے ڈرا کرو، جو اپنے رب سے ڈرے گا کسی مصیبت کے پاس نہ جائے گا اور کسی حکم الٰہی کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ او صیکم بتقوی اللہ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، یعنی بتاکید حکم دیتا ہوں، چونکہ خدا سے ڈرنا بغیر یاد دلانے کسی آنے والی بلائے عظیم کے جو اللہ کے ہاں سے آنے والی ہو مشکل ہے، اس لیے اس آنے والی بلا کا ذکر فرماتا ہے۔ واخشوا یوما لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود ھو جاز عن والدہ شیئا کہ اس روز سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے کہ جس دن باوجود شفقت پدری کے کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آوے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ دے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، بغیر ایمان اور عمل صالح کے کچھ چارہ نہ ہوگا، جب باپ بیٹے کا یہ حال ہوگا تو اور کسی کی قرابت یا محبت کا تو کیا ذکر ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے قریش! اپنی خلاصی ڈھونڈو میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ محمد ﷺ کی پھوپھی میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی مجھ سے جو مال چاہے لے لے اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، یعنی اعمال و ایمان چھوڑ کر یہ تکیہ نہ کر بیٹھو کہ ہم پیغمبر کے اقارب ہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح (علیہ السلام) کے کفارہ ہونے پر تکیہ کر کے اعمال صالحہ کو بے فائدہ ٹھہرا دیا اور ضمناً ہر قسم کی بدکاری کی اجازت دے دی، اس سے شفاعت کا انکار نہیں نکلتا، کیونکہ وہ ایمانداروں خدا کے فرمانبرداروں کے لیے ان کے رفع درجات یا قصوروں کی بابت ہوگی۔ سو یہ اور بات ہے، کفار سمجھتے تھے کہ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے، اس لیے فرماتا ہے، اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور وہ دن آئے گا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پھر تم دنیا کی زندگی پر دھوکا نہ کھاؤ، سدا کوئی نہیں جئے گا، وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اور اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی دھوکے میں نہ رہو کہ ہم کو دنیا میں سرداری دی ہے، وہاں بھی دے گا اور جس طرح یہاں ہمارے اقارب اور اعزہ حمایت کر کے چھڑا لیتے ہیں، چھڑا لیں گے یا ہمارے معبود جو اللہ کے گھر کے مختار ہیں، ہمیں بچا لیں گے۔ الغرور فریب یا فریب دہندہ شیطان کہ شیطان تم کو فریب نہ دے۔ اس کے بعد کفار یہ پوچھتے ہوں گے کہ وہ کب آوے گی، اس کی

مدت بیان کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

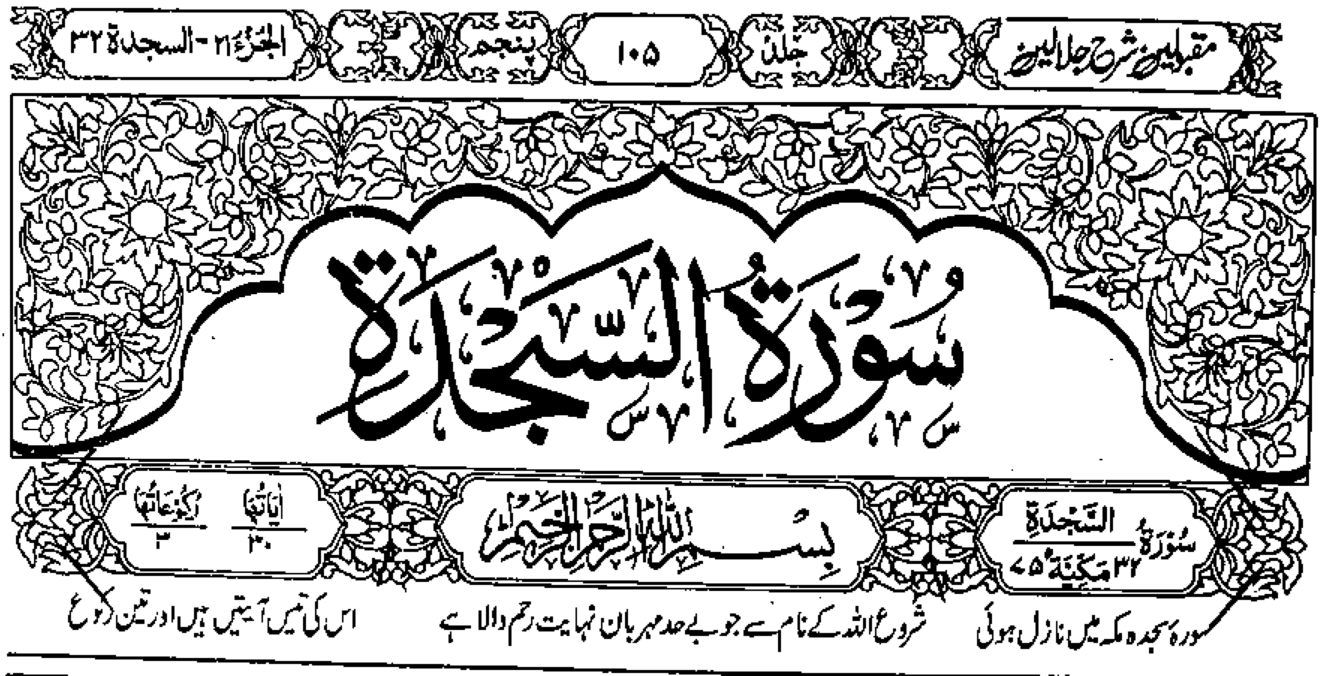
اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ ...

یعنی قیامت آ کر رہے گی، کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تر و تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تر و تازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو تر و تازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں۔ لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کیے بیٹھا ہو، دنیاوی جدو جہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہٰذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو۔ روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی، اسی کی طرف وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑا لو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب (وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا) (لقمان: ۳۴) میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لیے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔

جب سے دنیا میں آلات کا رواج ہو گیا ہے اس وقت سے ایمانیات میں فرق آنے لگا ہے اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ فضا میں جو آلات نصب کر دیتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہوگی، اور ایکسرے کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ آیت شریفہ میں آلات کے ذریعہ جو علم حاصل ہو اس کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ ازل سے ہے ہمیشہ سے ہے جب دنیا میں انسان نہیں آیا تھا اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسانوں کی نسلیں چلیں گی اور فلاں فلاں عورت حاملہ ہوگی اور اس کے پیٹ میں نر ہوگا یا مادہ ہوگا، ناقص پیدا ہوگا یا کامل! کہاں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور کہاں بنی آدم کا علم جو آلات اور اسباب اور تجربات پر موقوف ہے پھر اس بات کو بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ اسباب و

آلات سے پتہ چلانے والوں کی پیشین گوئیاں غلط بھی ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ بندے بھی علم قطعی کے طور پر بارش آنے کا وقت بتا دیتے ہیں اور حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں جو ہے اس سے باخبر کر دیتے ہیں، یہ ان لوگوں کی جاہلانہ باتیں ہیں جو آیت کا مفہوم نہ جاننے کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ آیت میں جو پانچ چیزوں کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری غیب کی چیزوں کو بندے جانتے ہیں، غیب کی تمام چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہر غیب کا علم علم قطعی، علم ازلی، علم ذاتی، علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہونگی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا (فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا) (الجن: 26) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب از کیائے امت نے کی۔ اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ میں غیوب مکانیہ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا میں زمانیہ مستقبلہ مَا فِي الْاَرْحَامِ میں زمانیہ حالیہ اور يُنَزِّلُ الْغَيْثَ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لیے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقعہ ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیاوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لیے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الحدیث۔



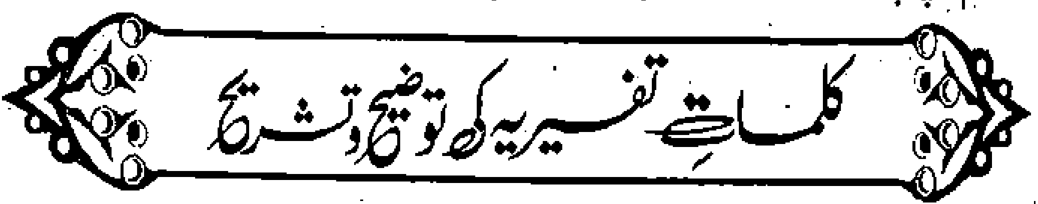
سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اس کی تیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

الٓمّٓ ﴿١﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ خَبَرٌ اَوَّلٌ مِنْ رَّبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ خَبَرٌ ثَانٍ اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ مُحَمَّدٌ لَا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا مَّآ
نَافِيَةٌ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾ بِاِنْذَارِكَ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ
مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَهُوَ فِي اللُّغَةِ
سَرِيْرُ الْمَلِكِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ مَا لَكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ مِّنْ دُوْنِهٖ غَيْرِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ اِسْمُ مَا بِزِيَادَةِ مِنْ اَيْ نَاصِرٍ
وَّلَا شَفِيْعٍ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهٗ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤﴾ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ
مُدَّةَ الدُّنْيَا ثُمَّ يَعْرُجُ يَرْجِعُ الْاَمْرُ وَالتَّدْبِيْرُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٥﴾
فِي الدُّنْيَا وَفِيْ سُوْرَةِ سَالَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لِشِدَّةِ اَهْوَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ وَاَمَّا
الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ اَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ ذٰلِكَ الْخَالِقُ
الْمُدَبِّرُ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَيْ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وَمَا حَضَرَ الْعَزِيْزُ الْمَنِيْعُ فِيْ مُلْكِهِ الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾
بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ بِفَتْحِ اللَّامِ فِعْلًا مَاضِيًا صِفَةً وَبِسُكُوْنِهَا بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَ
بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ اٰدَمَ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ذُرِّيَّتَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ عَلَقَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾
ضَعِيْفٍ هُوَ النُّطْفَةُ ثُمَّ سَوّٰىهُ اَيْ خَلْقَ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اَيْ جَعَلَهٗ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْدَ اَنْ كَانَ
جَمَادًا وَجَعَلَ لَكُمْ اَيِ الذُّرِّيَّةِ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ الْقُلُوْبَ قَلِيْلًا مَّا

تَشْكُرُوْنَ ۝ مَا زَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ لِلْقِلَّةِ وَقَالُوْٓا أَيْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ ءَ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ غِبْنَا فِيْهَا بِأَنْ صِرْنَا
تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا ءَ إِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ اِسْتِفْهَامُ إِنْكَارٍ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَ
إِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ قَالَ تَعَالٰى بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ
كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ لَهُمْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ أَيْ بِقَبْضِ أَرْوَاحِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ
ع ۱۱ ۱۴ تُرْجَعُوْنَ ۝ أَحْيَاءً فَيُجَازِيْكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ

ترجمہ: الٓمّٓ (اسکی مراد سے اللہ ہی بہتر طور پر واقف ہے) بلاشبہ یہ کتاب (قرآن کریم) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مبتداء ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ خبر اول ہے مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ خبر ثانی ہے) بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ (اس کے ذریعہ) اس قوم کو ڈرائیں کہ جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (ما نافیہ ہے) تاکہ وہ (آپ کے ڈرانے سے) ہدایت حاصل کریں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو زمین اور کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں پیدا کیا (ان میں سے پہلا دن اتوار ہے اور آخری دن جمعہ) پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا (عرش لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، ایسا قیام جو اسکی شان کے لائق ہے۔ اے کفار مکہ!) تمہارے لیے اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں ہے (من ولی من کی زیادتی کے ساتھ ما کا اسم ہے یعنی کوئی مددگار نہیں) اور نہ کوئی سفارشی (کہ جو تم سے اس کے عذاب کے دور کر سکے) پھر کیا تم (اس کو) سمجھتے نہیں ہو (کہ ایمان لے آؤ) آسمان سے زمین تک (دنیا کی مدت تک) تدبیر کرتا ہے (پھر تمام امور اور تدبیریں) اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ایسے دن میں کہ جس کی مقدار تمہارے شمار کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوگی (دنیاوی شمار کے اعتبار سے۔ سورۂ سال میں پچاس ہزار سال ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے اس کی شدید ہولناکی کی وجہ سے بہ نسبت کافر کے، رہا مومن تو وہ دن اس پر ایک فرض نماز کہ جس کو وہ پڑھا کرتا تھا دنیا میں اس سے بھی ہلکا ہوگا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) یہ (خالق اور مدبر) غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے (یعنی ہر اس چیز کا جو مخلوق کی نظروں سے اوجھل اور جو حاضر ہے) جو غالب ہے (اپنے ملک میں) اور نہایت رحم کرنے والا ہے (اپنی فرمانبرداری کرنے والوں پر) جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی (خَلَقَهٗ لام کے فتحہ کے ساتھ فعل ماضی ہے اور صفت واقع ہے اور لام کے سکون کے ساتھ بدل اشتمال ہے) اور انسان (آدم) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر بنایا اس کی نسل (ذرّیت) کو خلاصۂ اخلاط (منجمد خون) ایک حقیر پانی کے قطرہ سے (جو معمولی ہوتا ہے یعنی نطفہ سے) پھر اسے برابر کیا (آدم کی تخلیق کو) اور اس میں اپنی روح پھونک دی (یعنی اس کو زندہ، حساس بنا دیا حالانکہ وہ ایک بے جان مادہ تھا) اور بنائے تمہارے لئے (اے آدم کی اولاد!) کان (سمع، اسماع کی معنی میں ہے) اور آنکھیں اور دل تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے قلت کی تاکید کے لئے) یہ لوگ (قیامت کے منکر) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین پر نیست و نابود ہو گئے (مٹی میں مل کر خود بھی مٹی ہو گئے اور رل مل گئے) تو کیا پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے (استفہام انکار کے لئے ہے۔ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں جگہ

دونوں ہمزوں کے درمیان الف زائد کرتے ہوئے۔فرمایا) معاملہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے (دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد) ملنے سے منکر ہیں آپ (ان سے) فرما دیجئے تمہارا قصہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے تمام کروے گا (تمہاری روحوں کو نکال کر) پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے (زندہ کر کے وہ تمہارے کاموں کا بدلہ دے گا)



قوله: وَّلَا شَفِيْعٍ: یعنی جب تم رضاء الٰہی کی مخالفت کر کے حد سے تجاوز کر جاؤ تو تمہارے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا جب دون بمعنی مجاوزت ہو تو اللہ تعالیٰ کا شفیع ہونا لازم ہی نہیں آتا۔

قوله: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ: وہ دنیا کے معاملات کی تدبیر آسمانی اسباب سے کرتا ہے جیسے فرشتے زمین کی طرف اس کے آثار لے کراترتے ہیں۔اِلَى الْاَرْضِ یہ يُدَبِّرُ کے ساتھ اس طرح متعلق ہے کہ اس میں نزول کا معنی ضمناً موجود ہے۔

قوله: يَرْجِعُ الْاَمْرُ: یعنی اس کے علم میں ثابت وقائم رہتا ہے۔

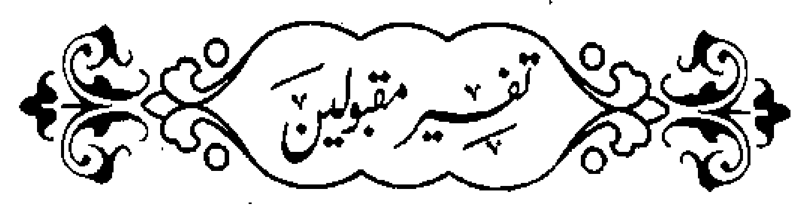
قوله: اَلْفَ سَنَةٍ: یعنی زمانے کے تھوڑے سے حصہ میں تدبیر و وقوع میں وہ غلبہ پانے والا ہے۔

قوله: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ: نسل کو اس لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ اس سے جدا ہوتی ہے۔

قوله: خَلَقَ: جیسا مناسب تھا اس کے اعضاء کی تصویر بنائی۔

قوله: مِنْ رُّوْحِهٖ: مخلوق عجیبہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف بطور شرف نسبت کر دی۔

قوله: قَلِيْلًا مَّا: یعنی بہت معمولی سا شکر یہ تم بجالاتے ہو،تو مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا۔



الٓمّٓ ۚ

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سونے سے پہلے الم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ لیا کرتے تھے (اخرجہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرہم عن جابر)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اس سے پہلی سورۃ میں توحید اور حشر کے دلائل بیان فرمائے تھے اور وہ دو طرف ہیں،اس لیے اس سورۃ میں امر واوسط یعنی اس رسالت کا ذکر کرتا ہے کہ جس پر قرآن کی برہان قائم ہے۔فقال: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ کتاب یعنی قرآن (کہ جس کے برحق ہونے میں عاقل کو غور وتامل کے بعد کوئی بھی شبہ نہیں رہتا) رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ کی طرف

سے ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ط کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے، روحانی پرورش بھی اسی کا خاص حصہ ہے، اس لیے اس نے دنیا کی شائستگی کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کی جو آفتاب کی طرح سے اپنے لیے آپ گواہ ہے، مگر کوڑھ مغزی اور تیرہ باطنی بھی عجب بدبلا ہے، ایسے لوگ یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کو محمد ﷺ نے ازخود بنالیا ہے، خدا نے نازل نہیں کیا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ اس کے جواب میں فرماتا ہے: بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کہ یہ قرآن برحق ہے تیرے رب کے ہاں سے آیا ہے، اس کی شان ربوبیت کا مقتضی ہے۔ یہ کس لیے نازل ہوا؟ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ تاکہ تو اے محمد ﷺ خصوصاً ان لوگوں کو پرحذر کرے اور ان کو آنے والے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا پیغمبر نہیں آیا ہے۔ اس قوم کی خصوصیت نہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان کا نام اس لیے آگیا کہ سب سے اول انہی سے کلام تھا، اس لیے کہ دوسری جگہ آگیا ہے: تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرمادیا ہے کہ میں تمام عالم کے لیے نبی کیا گیا ہوں۔ پس اس جملہ سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب کی قوم کے لیے مبعوث ہوئے تھے بڑی غلطی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ایک عرصہ دراز تک عرب میں کوئی نبی مبعوث ہوکر نہیں آیا تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے گمراہ ہونے کے بعد بجز حضرت کے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اس میں سب آگئے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یہاں سے وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کا پہنچانا رسول پر فرض ہے، جیسا کہ پہلے رسالت اور اس کی ضرورت بیان کی تھی، یعنی اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا نہ وہ لوگ کہ جن کو مشرکین اس کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اس میں اس بات کا بھی رد ہے کہ جن کو تم اس کا شریک سمجھ رہے ہو، وہ خدا تو کیا اس کی اجازت بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کرسکتے' نہ کسی کے حامی ومددگار بن سکتے ہیں، جس خیال سے کہ مشرکین غیر اللہ کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں جس طرح اس کی اجازت بغیر اوروں کی ولایت وشفاعت کی نفی ہے، اسی طرح اس کی طرف سے ولایت وشفاعت یعنی حمایت کا ثبوت ہے۔ اس میں بت پرستوں کی تجہیل ہے، وہ جو یہ اقرار کرکے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں' یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے، جب خلق کو بیان فرماچکا تو اس کے بعد امر کو بیان فرماتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ ...

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ. نذیر سے مراد اس جگہ رسول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ میں آنحضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی دعوت بھی ان کو اب تک نہ پہنچی تھی۔ کیونکہ دوسری آیت قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہے: وان من امة الا خلا فیها نذیر، یعنی کوئی امت اور جماعت دنیا میں ایسی نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو۔

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب، خلیفہ یا عالم دین۔ تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، وہ اپنی جگہ

صحیح درست اور حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کا مقتضا ہے، جیسا کہ ابوحیان نے فرمایا کہ توحید اور ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوتی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی ورسول مبعوث ہو گیا۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اقوام عرب میں بھی بقدر ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی مگر اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی ورسول لے کر آیا ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے نائبین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو۔

اس لیے اس سورۃ اور سورۂ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو۔ اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی ورسول نہیں آیا تھا، اگرچہ دعوت ایمان وتوحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو۔

زمانۂ فترت یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کے لیے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جو آنحضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس سال میں ہو گیا، جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت برا کہتے تھے اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابوداؤد طیالسی نے زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید بن عمرو سے جو صحابہ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لیے دعائے مغفرت کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (روح)

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہوگئی۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام عرب بھی دعوت الٰہیہ اور دعوت ایمان وتوحید سے محروم تو نہیں تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ واللہ اعلم

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ....

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسی ومعنوی، ظاہری و باطنی، آسمان وزمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت وحکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغیر یسیر)

مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات وتدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کاروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لیے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کرلے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی واسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج وآثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لیے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لیے پیش ہوگا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہرحال فِیْ یَوْمٍ کو بعض نے یَعْرُجُ کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا نہایت عمدگی سے پیدا فرمایا، اور ایسا اور اس طور پر کہ ہر چیز سے اس کی قدرت بے نہایت اسکی حکمت بے غایت اور اس کے کمال ربوبیت کے عظیم الشان شواہد ومظاہر سامنے آتے ہیں، اور ایسے اور اس طور پر کہ سوچنے اور غور کرنے سے اس کی صنعت وکاریگری پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ (فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ) (المؤمنون:14) یعنی بڑا ہی برکت والا ہے وہ اللہ جو نہایت ہی عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔ اور پھر اس کیلئے انسان کو خود اس کی اپنی ذات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی کہ اس کیلئے تم لوگوں کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ تم لوگ خود اپنی ہی خلقت وپیدائش میں غور کر کے دیکھ لو۔ اور خود اپنی ہی تخلیق کے مختلف مدارج ومراحل میں غور وفکر کر لو۔ اور دیکھو کہ اس کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وربوبیت کی کیا کیا شانیں خود تمہارے اپنے وجود کے اندر پائی جاتی ہیں، یہ انسان جو اپنی لیاقتوں اور قابلیتوں پر نازاں وفرحاں ہے حضرت قادر مطلق جَلَّ جَلَالُہٗ، نے اس کو اس بے جان اور بے حس مٹی سے بنایا اور پیدا کیا ہے، جو اس کے پاؤں تلے روندی جانے والی چیز ہے، ذرا سوچو کہ کہاں یہ خاک بے جان اور کہاں اس سے وجود میں آنے والا، اور عقل وفکر کے جوہر سے آراستہ پیراستہ یہ انسان جو کسی کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں، قادر مطلق نے اس کو کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیا۔ پھر خلقت انسانی کے دوسرے مرحلے میں اس کو مٹی کے بجائے ایک حقیر وناپاک پانی کے ست سے بنایا۔ اور پھر اس کے تسویہ یعنی اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر سمع وبصر، دل ودماغ، اور علم وادراک، کی وہ عظیم الشان صلاحیتیں نمودار ہوئیں جن سے یہ دوسری تمام حیوانی مخلوقات سے امتیازی پوزیشن کا حامل بنا۔ سو اس روح سے مراد وہ ملکوتی روح ہے جو حیوانی روح سے الگ، اور اس سے اعلیٰ وبالا نوعیت کی

ہوتی ہے، اور رُوحِہٖ کی اضافت سے اس کے اختصاص اور اس کے شرف و مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فیوض و برکات میں سے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس وحدہ لاشریک کی روح کا کوئی حصہ اس کے اندر آ گیا، کہ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک، اور اس سے کہیں اعلیٰ و بالا ہے، سبحانہ وتعالیٰ، سو اپنی تخلیق و پیدائش کے ان مختلف مدارج و مراحل میں غور وفکر سے تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ اس قادر مطلق کے تم پر کتنے بڑے۔ اور کس قدر عظیم الشان احسانات ہیں، کہاں سے تمہارا آغاز کیا۔ اور تم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ سو اس کا تقاضا اور اس کا حق تو یہ تھا کہ تمہارے جسم کا رواں رواں اس کے لیے شکر و سپاس بن جاتا۔ اور تم دل و جان سے اس کے آگے جھک جھک جاتے، اور جھکے ہی رہتے۔ تم اسکی عنایت و ربوبیت پر اس کے شکر میں رطب اللسان رہتے اور اس کی بخشی ہوئی ان نعمتوں اور صلاحیتوں کو جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے تم لوگوں کو عطاء فرمائی ہیں۔ اس کی رضاء کے حصول۔ اور اس کی خوشنودی کیلئے صرف کرتے۔ مگر تم لوگ ہو کہ اسی سے غافل ہو گئے ہو۔ اور اسی کے ناشکرے اور نافرمان ہو گئے ہو۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ....

انسان اور فرشتوں کا ساتھ:

کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جا سکتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے۔ تعجب ہے پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قدرت کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا یوں ہو جا وہیں ہو گیا۔ اسی لیے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح قبض کرنے پر مقرر ہیں تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت میں بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت برا کی وہ حدیث جس کا بیان سورۃ ابراہیم میں گذر چکا ہے اس سے بھی پہلی بات سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھی اور ان کے ساتھ کام کرنے والے فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح نکالتے ہیں اور نرخرے تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لیے زمین سمیٹ دی گئی ہیں اور ایسی ہی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی طشتری رکھی ہوئی ہو۔ کہ جو چاہا اٹھالیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس مضمون کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ کا مقولہ بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملک الموت میرے صحابی کے ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی تسکین خاطر رکھیے اور دل خوش کیجئے واللہ میں خود با ایمان اور نہایت نرمی کرنے والا ہوں۔ سنو! یارسول ﷺ قسم ہے اللہ کی تمام دنیا کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں ہر دن میں میرے پانچ پھیرے ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جتنا وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ یارسول اللہ ﷺ یقین مانئے اللہ کی قسم میں تو ایک

کا دن ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہو تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کیے کا پھل پاتا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ الْكَافِرُوْنَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ مُطَاطِئُوْهَا حَيَاءً يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
أَبْصَرْنَا مَا أَنْكَرْنَا مِنَ الْبَعْثِ وَسَمِعْنَا مِنْكَ تَصْدِيْقَ الرُّسُلِ فِيْمَا كَذَّبْنَا هُمْ فِيْهِ فَارْجِعْنَا إِلَى الدُّنْيَا
نَعْمَلْ صَالِحًا فِيْهَا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۲﴾ الْآنَ فَمَا يَنْفَعُهُمْ ذٰلِكَ وَلَا يَرْجِعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْ لَرَأَيْتَ أَمْرًا فَظِيْعًا
قَالَ تَعَالَىٰ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا فَتَهْتَدِيْ بِالْإِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ بِاخْتِيَارٍ مِنْهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّي وهو لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الْجِنِّ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَتَقُوْلُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ إِذَا
دَخَلُوْهَا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ أَيْ بِتَرْكِكُمُ الْإِيْمَانَ بِهِ إِنَّا نَسِيْنَاكُمْ
تَرَكْنَاكُمْ فِي الْعَذَابِ وَذُوْقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ الدَّائِمِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ
إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا وعظوا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَسَبَّحُوْا مُتَلَبِّسِيْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ أَيْ قَالُوْا سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ عَنِ الْإِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ تَتَجَافَىٰ
جُنُوْبُهُمْ تَرْتَفِعُ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَوَاضِعِ الْاِضْطِجَاعِ بِفُرُشِهَا لِصَلَاتِهِمْ بِاللَّيْلِ تَهَجُّدًا يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
خَوْفًا مِنْ عِقَابِهِ وَطَمَعًا فِيْ رَحْمَتِهِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ يَتَصَدَّقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ
خُبِئَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ فَاتَقَرُّ بِهِ أَعْيُنُهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْيَاءِ مُضَارِعٌ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوُوْنَ ﴿۱۸﴾ أَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْفَاسِقُوْنَ أَمَّا
الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا وَهُوَ مَا يُعَدُّ لِلضَّيْفِ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ

اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا بِالْکُفْرِ وَالتَّکْذِیْبِ فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ

قِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ ۝۲۰ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی

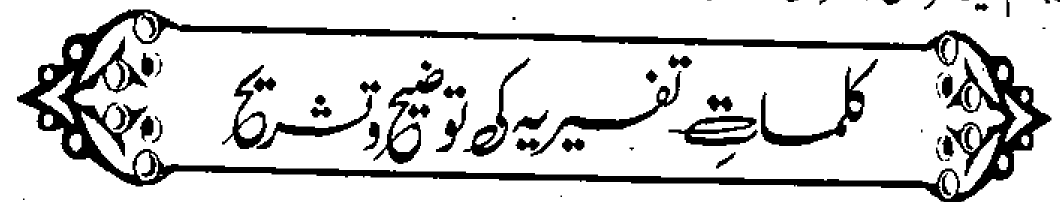
عَذَابَ الدُّنْیَا بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ وَالْجَدْبِ سِنِیْنَ وَالْاَمْرَاضِ دُوْنَ قَبْلَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ عَذَابِ الْاٰخِرَۃِ

لَعَلَّهُمْ اَیْ مَنْ بَقِیَ مِنْهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۲۱ اِلَی الْاِیْمَانِ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ

اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اَیْ لَا اَحَدَ اَظْلَمَ مِنْهُ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ اَیِ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲ ع ۲ ۱۱ ۱۵

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھ لیں کہ جب مجرم (کافر) اپنے پروردگار کے پاس سر جھکائے ہوں گے (مارے شرم کے گردن نیچے کئے ہوئے عرض کریں گے) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا جس کا ہم انکار کرتے تھے یعنی بعث بعد الموت) ہم نے سن لیا (یعنی آپ سے پیغمبروں کی تصدیق سن لی ان امور میں جن میں ہم ان کو جھٹلاتے تھے) سو ہم کو پھر بھیج دیجئے (دنیا میں) ہم (وہاں رہ کر) نیک کام کریں گے ہمیں پورا یقین آ گیا (اب۔ مگر وہ یقین انہیں نفع نہ دے گا اور انہیں دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور لو کا جواب لرأیت امرا فظیعا محذوف ہے ارشاد ہے) اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عنایت فرما دیتے (جس سے وہ ایمان اور اطاعت کی راہ اپنے اختیار سے خود اپنا لیتا) اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے (وہ یہ ہے) کہ میں جہنم کو ضرور بھر دوں گا جنات وانسان دونوں سے (اور جہنم میں داخلہ کے وقت داروغہ جہنم ان سے کہے گا) سو لو اب مزہ چکھو عذاب کا) کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے (اس دن کا یقین نہ کرتے ہوئے) ہم نے تمہیں بھلاوے میں ڈال دیا (عذاب میں رکھ چھوڑا) اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو اپنے اعمال (کفر وتکذیب) کی بدولت ہماری آیتوں (قرآن) پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جب انہیں یاد دلائی جائے (نصیحت کی جائے) اس کی آیتیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور تسبیح کرنے لگتے ہیں اپنے پروردگار کی (حمد کے ساتھ متلبس ہوتے ہوئے۔ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے لگتے ہیں) اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے (ایمان اور اطاعت سے) ان کے پہلو علیحدہ (دور) رہتے ہیں خواب گاہوں سے (نماز تہجد کی وجہ سے بستروں سے الگ رہتے ہیں) اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید رکھتے ہوئے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ) کرتے رہتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو خزانہ غیب میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے سامان چھپا ہوا ہے (جس سے انکی آنکھوں کو چین ہو۔ ایک قرآت میں لفظ اُخْفِیْ سکون یاء کے ساتھ ہے فعل مضارع) یہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ہے تو جو شخص مومن ہو وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو۔ یہ یکساں نہیں ہو سکتے (یعنی مومن وفاسق) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو بطور مہمانی کے ہیں (وہ کھانا جو مہمانوں کے سامنے پیش کیا جائے) ان کے اعمال کے بدلے میں اور جو لوگ نافرمان تھے (کفر وتکذیب کر کے) سو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں قریب کا

عذاب بھی چکھادیں گے (دنیا میں قتل، قید، قحط سالی اور بیماریوں کی صورت میں) علاوہ (پہلے) بڑے عذاب (آخرت) کے شاید کہ یہ لوگ (یعنی جوان میں سے باقی رہ جائیں گے) پھر جائیں گے) ایمان کی طرف) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیتیں (قرآن کریم کی) یاد دلادی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیر رہے) یعنی ان سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے) ہم ایسے مجرموں (مشرکوں) سے بدلہ لے کر رہیں گے۔



قوله: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ: یہ ان کے عدم ایمان کی تصریح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ان کا ایمان نہیں جو کہ حکم کے سبقت کرنے کے لیے مسبّب بن سکتا ہے اس لیے کہ وہ دوزخی ہیں اور اس کو عذاب کے چکھنے کا مسبّب قرار دینا اس کے نسیانِ عاقبت اور آیت فَذُوْقُوْا میں تفکر نہ کرنے کی وجہ سے ہے، یہ اس کو دور نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو اسباب دوسائط کی حد تک ہے۔

قوله: بِتَرْكِكُمُ الْاِيْمَانَ: اس میں اشارہ کیا کہ بِمَا نَسِيْتُمْ میں ما مصدر یہ ہے، موصولہ نہیں۔

قوله: تَرَكْنَاكُمْ: اللہ تعالیٰ کی ذات بھول ونسیان سے بالاتر ہے۔

قوله: ذُوْقُوْا: امر کو تاکید کے لیے مکرر لائے۔

قوله: مَّاۤ اُخْفِيَ: اگر مضارع مانیں تو یا ساکن ہوگی۔

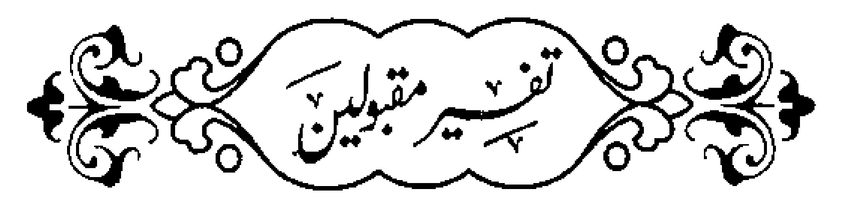
قوله: الْمَاْوٰى: جنت حقیقی ٹھکانہ ہے۔ دنیا کوچ کی جگہ ہے۔

قوله: اُعِيْدُوْا فِيْهَا: یہ ان کے ہمیشہ رہنے کی تعبیر ہے۔

قوله: ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ: یہ ان کی توہین ہے اور ان پر غصہ میں اظہار کا اضافہ ہے۔

قوله: ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا: ثُمَّ، یہ اعراض کے ان سے بعید قرار دینے کے لیے لائے حالانکہ وہ تو بالکل واضح ہے۔

قوله: الْمُشْرِكِيْنَ: تو جو سب ظالموں سے بڑا ظالم ہوگا اس کے حال کا خود اندازہ لگالو۔



وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ ....

قیامت کے دن مجرمین کی بدحالی اور دنیا میں واپس ہونے کی درخواست کرنا

یہ تین آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے، پہلی آیت میں مجرمین کی ایک حالت بتائی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں وقوع قیامت کا انکار

کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: (وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ) جب یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور بارگاہ الٰہی میں پیشی ہوگی تو رسوائی اور ذلت کے مارے ہوئے سر جھکائے ہوں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا جس بات کے منکر تھے وہ سمجھ میں آ گئی لہٰذا ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیجیے اب واپس ہو کر اچھے عمل کریں گے، ہمیں پوری طرح ان باتوں کا یقین آ گیا جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے تابعین سناتے اور سمجھاتے تھے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دینا ہے، دونوں گروہ کے افراد کثیر تعداد میں دوزخ میں جائیں گے جنہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا یہ لوگ وہاں اکٹھے ہوں گے، یہ بات ازل سے طے شدہ ہے اور کافروں کے لیے مقدر ہے۔ جب ابلیس نے (لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ) کہا تھا اس وقت اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا تھا: لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ۝ (کہ اے ابلیس میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کرے گا ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔)

ہدایت بمعنی اراءۃ الطریق تو سب ہی کے لیے ہے لیکن ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب سب کے لیے نہیں ہے، دوزخ کو بھی بھرنا ہے اور جنت کو بھی، اور جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے جائے گا۔ اسے دنیا میں ایمان اور کفر کے دونوں راستے دکھا دیئے گئے، اسے اختیار دے دینے کی وجہ سے کسی کو ایمان یا کفر پر مجبور نہیں کیا گیا، جیسا کہ سورۃ کہف میں فرمایا: (وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَكۡفُرۡ) (اور آپ فرما دیجیے کہ تمہاری طرف حق آ چکا ہے سو تم میں سے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اور قضاء اور قدر کا فیصلہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ کافر ہوں گے اور بہت سے لوگ مؤمن ہوں گے اور کافر دوزخ میں جائیں گے اور اہل ایمان جنت میں۔ جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے اس کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ کفار جو وہاں کہیں گے کہ ہمیں واپس کر دیا جائے ہم نیک بنیں گے، ان کا یہ وعدہ غلط ہوگا، سورۃ انعام میں فرمایا: (لَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ) (اور اگر واپس کر دیئے جائیں تو پھر لازم طور پر وہی کام کریں گے جن سے منع کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اور سورۃ فاطر میں ہے کہ ان کے واپس لوٹا دیئے جانے کی درخواست کے جواب میں یوں ارشاد ہوگا: (اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیۡرُ) (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا۔)

تیسری آیت میں فرمایا کہ مجرمین کی واپسی کی درخواست کے جواب میں ان سے کہا جائے کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو جو بھول گئے تھے (اور اسی بھولنے کی وجہ سے نافرمانی پر تلے ہوئے تھے) اس بھولنے کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

اِنَّمَا یُؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِهَا ...

اہل ایمان کی صفات، مؤمنین کا جنت میں داخلہ، اہل کفر کا دوزخ میں برا ٹھکانہ:

ان آیات میں مؤمنین صالحین کی بعض صفات اور ان کے انعامات بیان فرمائے ہیں اور کافرین فاسقین کا ٹھکانہ اور ان

کی بدحالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو تذکیر اور نصیحت کا اثر لیتے ہیں، جب انہیں ہماری آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو انہیں سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تکبر بھی نہیں کرتے۔ مزید فرمایا کہ ان کے پہلو اپنے لیٹنے کی جگہوں سے یعنی خوابگاہوں سے دور ہو جاتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اس میں نماز تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت بتائی ہے کہ یہ لوگ سونے اور آرام کرنے کے لیے لیٹتے ہیں پھر تھوڑا سا آرام کرکے بستر کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضو کرکے نماز میں لگ جاتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے ہیں اور اس کے انعامات کی امید بھی رکھتے ہیں اور گرفت اور مواخذہ ہونے سے بھی ڈرتے ہیں۔ درحقیقت خوف اور طمع (ڈرنا اور نعمتوں اور مغفرتوں کی امید رکھنا) یہ دونوں مؤمن کی زندگی کے اہم جزو ہیں، مؤمن کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہنی چاہئیں یعنی گناہوں سے بچتا رہے اعمال صالح کرتا رہے اور عدم قبولیت کا خوف بھی لگا رہے، جیسا عمل چاہیے ویسا نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ سے بھی ڈرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اچھی امید بھی لگائے رکھے، جس کے دل سے خوف گیا وہ گناہ بھی کرے گا اعمال بھی ترک کرے گا اور فسق میں ترقی کرتا چلا جائے گا اور جس کے دل سے امید نکل گئی، اللہ کی طرف سے مغفرتوں اور نعمتوں کا امیدوار نہ رہا ایسا شخص دعا بھی نہ کرے گا، خوف اور طمع نہ ہو تو بندہ محرومی کے غار میں اترتا چلا جاتا ہے۔

جو شخص تہجد کا اہتمام کرے گا ظاہر ہے کہ فرائض و سنن کی ادائیگی کا اس سے زیادہ فکرمند ہوگا، لہٰذا اس میں نمازوں کا اہتمام کرنے والوں کی تعریف بیان فرما دی اور ساتھ ہی (مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞) بھی فرما دیا کہ یہ لوگ نمازوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ لفظوں کا عموم زکوٰۃ اور نفلی صدقہ اور صدقہ واجبہ سب کو شامل ہے اور قلیل و کثیر سب کچھ اس میں آ گیا، یعنی یہ جو فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں ایک پیسے سے لے کر لاکھوں خرچ کرنا سب داخل ہو گیا، اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے، خرچ کرنے کا ذوق ہو تو زیادہ مالیت اور کم مالیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور تھوڑا مال ہونا بھی خرچ سے مانع نہیں ہوتا، بعض صحابہؓ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے پاس کچھ نہ ہوا تو مزدوری کرکے کچھ حاصل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نماز تہجد کی فضیلت:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے نماز تہجد مراد ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، صاحب معالم التنزیل (جلد ۳) فرماتے ہیں کہ یہ اشہر الاقوال ہے اور اس کی تائید میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ساتھ چلتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہو جاؤں اور دوزخ سے دور رہ سکوں، سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا اور حقیقت میں کچھ بڑی بھی نہیں، جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان فرما دیں، اس کے لیے بے شک ضرور آسان ہے، اس کے بعد فرمایا کہ (وہ عمل یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو

اس کا شریک نہ بنا اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کر، پھر فرمایا کہ کیا تم کو خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ (سنو!) روزہ ڈھال ہے (جو نفس کی شہوتوں کو توڑ کر شیطان کے حملہ سے بچاتا ہے) اور صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے (یعنی گناہوں کی وجہ سے جو دوزخ کی آگ جلائی ہے اس سے محفوظ کر دیتا ہے گویا کہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے) اور انسان کا رات کے درمیان نماز پڑھنا (تہجد کے وقت) نیک بندوں کا امتیازی نشان ہے، اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی ہے) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ان کی کروٹیں (بستر سے چھوڑ کر) لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتی ہیں، وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے لیے چھپا دیا گیا ہے یہ خزانہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے) پھر فرمایا کہ تم کو احکام الٰہیہ کی جڑ اور اس کا ستون اور اس کی چوٹی کا عمل نہ بتادوں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتایئے! آپ ﷺ نے فرمایا احکام الٰہیہ کی جڑ فرمانبرداری ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور چوٹی کا عمل جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا تم کو ان سب کا جز واصلی نہ بتادوں (جس کو عمل میں لانے سے ان سب چیزوں پر عمل کر سکو گے) میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ضرور ارشاد فرمایئے! آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا اسے قابو میں رکھ کر اپنی نجات کا سامان کرو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! جو باتیں ہم بولتے ہیں کیا ان پر بھی پکڑ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! تم بھی عجیب آدمی ہو! دوزخ میں منہ کے بل اوندھے کر کے جو چیز لوگوں کو دوزخ میں گرائے گی وہ ان کی زبان کی باتیں ہی تو ہوں گی۔ پھر فرمایا تم جب تک خاموش رہتے ہو محفوظ رہتے ہو اور جب بولتے ہو تو تمہارا بول تمہارے لیے ثواب یا عذاب کا سبب بنا کر لکھ دیا جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ حدیث اپنی سند سے ذکر کی ہے اور صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص ۱۴ پر مسند احمد اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے نقل کی ہے، خوابگاہوں سے پہلو جدا ہوتے ہیں اس کا مصداق نماز تہجد بتا کر صاحب معالم التنزیل نے دیگر اقوال بھی نقل کیے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیتے تھے گھروں کو نہیں جاتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے، اور حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابوذر اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں۔ (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۰)

درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد کا مصداق ہونا متبادر ہے اور حدیث شریف سے ان کی تائید بھی ہوتی ہے، البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب نماز تہجد کے لیے خوابگاہ چھوڑنے کی فضیلت ہے جو نفل نماز ہے تو نماز فجر کے لیے گرمی اور سردی میں بستر چھوڑ کر نماز فجر ادا کرنے کی فضیلت کیوں نہ ہوگی جو فرض نماز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نماز فجر جماعت سے پڑھ لوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے جو پوری رات نماز میں کھڑا رہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا (اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے جدا ہو جاتے تھے، یہ سن کر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کی تعداد تھوڑی ہوگی یہ لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس کے بعد باقی لوگوں کا حساب شروع کرنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ ....

جن حضرات کی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ان کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے لیے جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ کیا ہوا ہے اسے کوئی شخص نہیں جانتا، اس میں اجمالی طور پر جنت کی نعمتوں کا مرتبہ بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لیے وہ سامان تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گذر ہوا، اس کے بعد راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ)

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۴)

درحقیقت بات یہ ہے کہ جنت کی جن چیزوں کا قرآن و حدیث میں تذکرہ ہے اس میں کسی نعمت کی پوری کیفیت بیان نہیں کی گئی جو کچھ بیان فرمایا ہے وہاں کی نعمتیں اس سے بہت بلند ہیں اور بالا ہیں اس لیے فرمادیا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان اہل جنت کے لیے تیار کیا گیا ہے کوئی آنکھ تو دنیا میں اسے کیا دیکھ پاتی کسی کان نے اس کی کیفیت کو سنا تک نہیں اور کسی کے دل میں اس کا تصور تک نہیں آیا۔ جنت کے متعلق جو کچھ سن کر اور پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے جب جنت میں جائیں گے تو اس سے بہت بلند و بالا پائیں گے، پھر جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے وہاں ان کے علاوہ بہت زیادہ نعمتیں ہیں، نیز کسی چیز کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے جو پوری واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ محض سننے سے حاصل نہیں ہوتی لہٰذا اس دنیا میں رہتے ہوئے نعمائے جنت کی واقعی حقیقت و کیفیت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جنت کی نعمتوں میں سے اتنی تھوڑی سی کوئی چیز دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے جسے ناخن پر اٹھا سکتے ہیں تو آسمان اور زمین کے کناروں میں جو کچھ ہے وہ سب مزین ہو جائے، اور اہل جنت میں سے کوئی شخص دنیا کی طرف جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جنت میں نہیں ہے صرف ناموں کی مشابہت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کے تذکرہ میں جو سونا چاندی، موتی، ریشم، درخت، پھل ہیرے، تخت، گدے، کپڑے وغیرہ آئے ہیں یہ چیزیں وہاں کی چیزیں ہوں گی اور اسی عالم کے اعتبار سے ان کی خوبی اور بہتری ہوگی، دنیا کی کوئی بھی چیز جنت کی

کسی چیز کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔

تنبیہ: نیک بندوں کی تعریف فرماتے ہوئے (وَھُم لَا یَستَکبِرُونَ) بھی فرمایا ہے یہ سلبی صفت ہے دیگر صفات ایجابی ہیں۔ بات یہ ہے کہ تکبر بہت بری بلا ہے اپنی بڑائی بگھارنا، شہرت کا طالب ہونا، دوسروں کو حقیر جاننا دکھاوے کے لیے عبادت کرنا تاکہ لوگ معتقد ہوں، یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔ تکبر عبادات کا ناس کھو دیتا ہے، کیا کرایا سب مٹی میں مل جاتا ہے، ریا کاری کی وجہ سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں اور وہ مستوجب سزا بھی ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کا تذکرہ آیا ہے، مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ تکبر سے دور رہیں، تواضع اختیار کریں، فرائض بھی ادا کریں، واجبات بھی پورے کریں، نوافل بھی پڑھیں، زکوٰۃ بھی دیں، صدقہ بھی کریں، سب سے اللہ کی رضا مقصود ہو، دکھاوا نہ کریں اور نہ بندوں سے تعریف کے خواہشمند ہوں۔

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا ....

مؤمن اور فاسق برابر نہیں:

مؤمنین صالحین کا اجر و انعام بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا کیا جو شخص مؤمن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے دیا لَا يَسۡتَوٗنَ ۞ (مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہو سکتے) اس کے بعد دوبارہ اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی کافروں کے عذاب کا بھی، ارشاد فرمایا: اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں) نُزُلًا بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ (یہ بطور مہمانی ان اعمال کا بدلہ ہوں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے) وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ (اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا (جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں) وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۞ (اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے) جب ایمان والوں اور نافرمانوں کے انجام میں فرق ہے کہ اہل ایمان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہوں گے اور وہاں ان کے ساتھ مہمانوں جیسا برتاؤ ہوگا اور نافرمان دوزخ میں جائیں گے تو دونوں فریق برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اہل کفر کی ذلت کا یہ عالم ہوگا کہ جب اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم جھٹلانے والا عمل کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ: (اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا) حضرت علیؓ اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی، دونوں میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی ولید نے حضرت علیؓ سے کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو بچہ ہے اور میں بولنے میں تجھ سے بہتر ہوں اور نیزہ بھی زیادہ تیز ہے اور دلاور بھی تجھ سے زیادہ ہوں، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ چپ ہو جا تو فاسق ہے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی (فی صحته كلام طويل ذكره صاحب الروح فراجعه ان شئت، قال صاحب الروح وفی رواية اخرى انها نزلت فی علی كرم الله ورجل من قريش ولم يسمه) (اس بات کے صحیح ہونے میں طویل کلام ہے جسے روح المعانی والے نے ذکر کیا ہے اگر آپ چاہیں تو اسے دیکھ لیں۔ روح المعانی کے مصنف

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرے آدمی کا نام ذکر نہیں کیا۔)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَقَدْ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَقَدِ الْتَقَيَا لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَ جَعَلْنٰهُ اَیْ مُوْسٰی اَوِ الْكِتَابَ هُدًى هَادِیًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً قَادَةً يَّهْدُوْنَ النَّاسَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا عَلٰی دِيْنِهِمْ وَ عَلَى الْبَلَاءِ مِنْ عَدُوِّهِمْ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا الدَّالَّةِ عَلٰی قُدْرَتِنَا وَ وُحْدَانِيَّتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اللَّامِ وَتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ اَیْ لَمْ يَتَبَيَّنْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اِهْلَاكُنَا كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ بِكُفْرِهِمْ يَمْشُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ فِیْ اَسْفَارِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِنَا اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ الْيَابِسَةِ الَّتِیْ لَا نَبَاتَ فِيْهَا فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ هٰذَا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّا نَقْدِرُ عَلٰی اِعَادَتِهِمْ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ بِاِنْزَالِ الْعَذَابِ بِهِمْ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْمَعْذِرَةٍ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنْزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بِكَ حَادِثَ مَوْتٍ اَوْقَتْلٍ فَيَسْتَرِيْحُوْنَ مِنْكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ

ع ۳ ۸ ۱۲

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (یعنی تورات) سو تم دھوکے (شک) میں مت رہو اس کے ملنے سے (چنانچہ معراج کی رات نبی کریم ﷺ و موسیٰ علیہ السلام دونوں کی بالمشافہ ملاقات ہوئی) اور ہم نے اس کو (یعنی موسیٰ یا تورات کو) ہدایت (باعث ہدایت) بنایا اسرائیلیوں کے لئے اور ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنادیئے (لفظ ائمۃ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ہمزہ ثانی کو یاء سے بدل کر ہے بمعنی قائد) جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت دیا کرتے تھے جب کہ وہ لوگ صبر کئے رہے (اپنے دین پر اور دشمنوں کی طرف سے مصیبت پر) اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا (جو ہماری قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرنیوالی تھیں) یقین رکھتے تھے (اور ایک قراءت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے، یعنی لِمَا) بلاشبہ آپ کا

پروردگار سب کے درمیان قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے (دین کے معاملہ میں) کیاان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنے ہلاک کر چکے ہیں (کیا کفار مکہ پر یہ واضح نہیں کہ ہم نے ہلاک کر دیا ہے بہت سی امتوں کو (ان کے کفر کی وجہ سے) یہ آتے جاتے رہتے ہیں (یہ لھم کی ضمیر سے حال واقع ہے) ان کے مقامات میں (شام وغیرہ کے سفروں میں پس ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے) اس کے اندر نشانیاں ہیں (ہماری قدرت کے دلائل ہیں) تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں (وعظ و نصیحت کے طور پر سننا) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بہاتے رہتے ہیں (سوکھی زمین جس میں گھاس پھوس نہ ہو) پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کر دیتے ہیں جس سے انکے چوپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں (اس منظر کو۔ اس لیے انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں (مسلمانوں سے) کہ یہ فیصلہ (ہمارے اور تمہارے درمیان کب ہوگا؟) اگر تم سچے ہو تو کہہ دیجئے کہ اس فیصلہ کے دن (ان کے عذاب نازل ہونے کے متعلق) کافروں کو ان کا ایمان لانا ذرا بھی نفع نہ دے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی (توبہ یا معذرت کا انہیں موقع نہیں دیا جائے گا) سو آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور منتظر رہئے (ان پر عذاب نازل ہونے کا) وہ بھی منتظر ہیں (آپ کے وفات یا شہادت کے جس سے انہیں آپ کی طرف سے چین آ جائے یہ حکم ان کے ساتھ قتال کے حکم سے پہلے کا ہے)

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاَمْرِنَا: وہ ہمارے ہدایت دینے سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

قوله: لَمَّا صَبَرُوْا: یعنی ان کے صبر کی وجہ سے۔ ما، مصدر یہ ہے۔

قوله: هُوَ يَفْصِلُ: یعنی وہ حق کو باطل سے الگ کرتا ہے، حق والے کو باطل پرست سے جدا کر کے۔

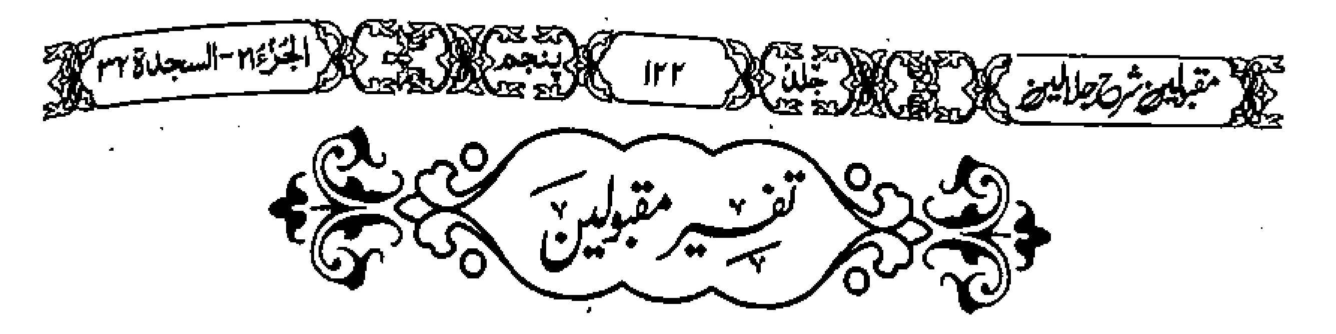
قوله: الْجُرُزِ: جس زمین کی نباتات منقطع ہو جائے۔ (بمعنی بنجر)

قوله: اَنْعَامُهُمْ: گھاس جو چوپایوں کے کھانے میں کام آتی ہے۔

قوله: وَاَنْفُسُهُمْ: انسان اناج کھاتا ہے۔

قوله: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ: ہمارے اور تمہارے مابین کب فیصلہ ہوگا۔

قوله: وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾: جب کفار نے تکذیب پر جلد عذاب طلب کیا تو فرمایا: پھر مہلت نہ ملے گی جلدی نہ مچاؤ۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ....

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہ۔ قتادۃ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے لانبے قد کے گھونگریالے بالوں والے تھے ایسے جیسے قبیلہ شنوأہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں پس اس کی ملاقات میں شک وشبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً حضرت موسیٰ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ حضرت موسیٰ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی۔ جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے آیت (وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا) (الاسراء: ۲) یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اس کی نافرمانیوں کے ترک اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع وصبر میں جمے رہے ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنا دیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں بھلائی کی طرف بلاتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی تحریف تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا ان کے دل سخت کر دیئے عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہوگیا۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہوا رہے آپ فرماتے ہیں دین کے لیے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لیے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیان سے حضرت علیؓ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنا دیا۔ چنانچہ فرمان ہے ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہاں والوں پر فضیلت دی۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد واعمال میں ان کا اختلاف ہے ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً ....

کسی قوم کا مقتداء وامام بننے کے لیے دو شرطیں:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ "یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا و مقتداء بنا دیا جو اپنے پیغمبر کے نائب ہونے کی حیثیت سے باذن ربانی لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا اور جبکہ وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔"

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں، اول صبر کرنا، دوسرے آیات الٰہیہ پر یقین کرنا۔ صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے۔ اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں۔ اس جگہ صبر سے مراد احکام آلٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے۔ دوسرا سبب ان کا آیات الٰہیہ پر یقین رکھنا ہے۔ اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

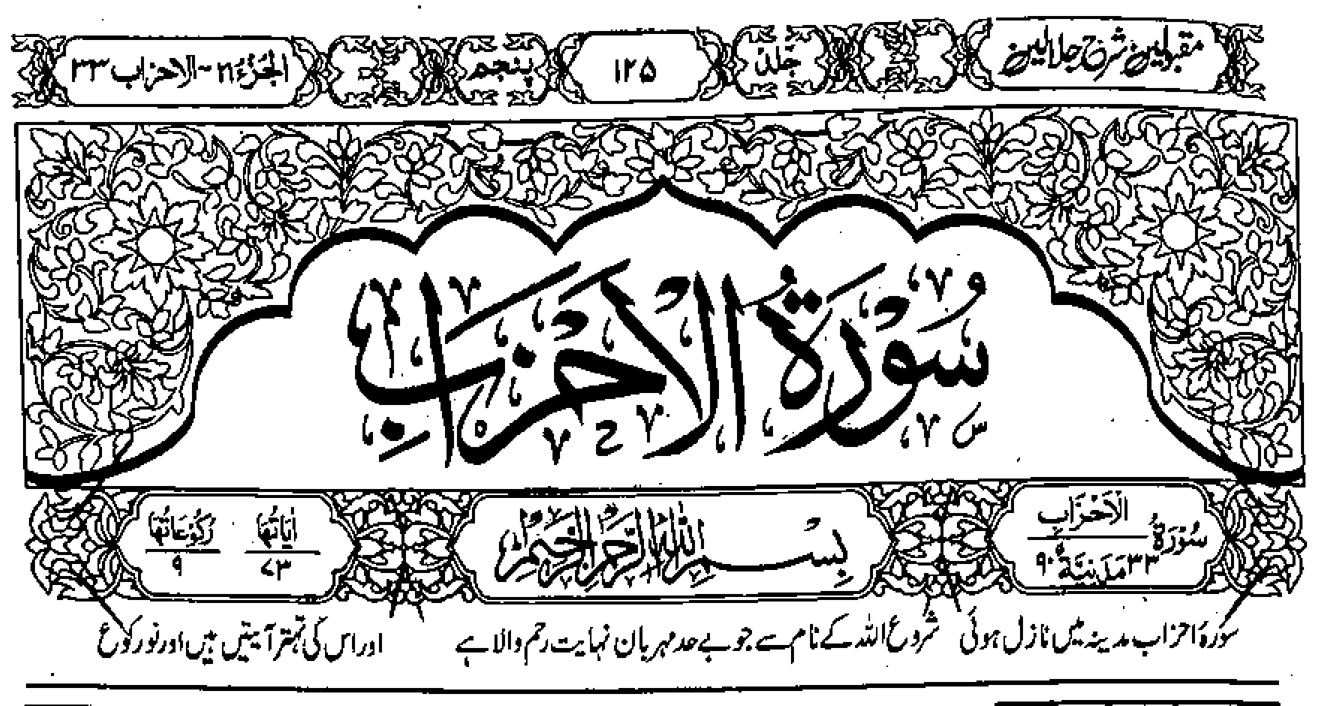
خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے:

کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی ﷺ تم جو ہمیں کہا کرتے ہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کر دیا ہے کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لو گے وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب زیر اور بے وقعت دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو ڈر رہے ہو اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت بتاؤ۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب عذاب اللہ آ جائے گا اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں اس وقت نہ تو ایمان نفع دیتا ہے نہ مہلت ملتی ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (غافر: ۸۳) یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر نازاں ہونے لگے، پوری دو آیتوں تک۔ اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔ اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہیے تھا کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ فرماتے جیسے اس آیت میں ہے کہ اس دن کافروں کا اسلام لانا مقبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے جیسے قرآن میں ہے آیت: فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۱۱۸) ہمارے اور ان کے درمیان تو فتح کر یعنی فیصلہ کر۔ اور جیسے اور مقام پر ہے آیت: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا: ۲۶)

یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے آپس کے فیصلے فرمائے گا اور آیت میں ہے: وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم:۱۵) یہ فیصلہ چاہتے ہیں سرکش ضدی تباہ ہوئے اور جگہ ہے آیت: (وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرہ:۸۹) اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے اور آیت میں فرمان باری ہے آیت: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (الانفال:۱۹) اگر تم فیصلے کے آرزومند ہو تو فتح آ گئی۔ پھر فرماتا ہے آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جائیے جو رب نے اتارا ہے اسے پہنچاتے رہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا تم اپنے رب کے وعدوں کو سچا مان لو اسکی باتیں اٹل ہیں اس کے فرمان سچے ہیں وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے لیکن ان کی یہ چاہتیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو بھولتا نہیں نہ انہیں چھوڑتا ہے بھلا جو رب کے احکام پر جمے رہیں اللہ کی باتیں دوسروں کو پہنچائیں وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان پر اترے گا بدبختی (نکبت) وادبار میں ہائے وائے واویلا میں گرفتار کیے جائیں گے۔ رب کے عذابوں کا شکار ہونگے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔



سورۂ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی تہتر آیتیں ہیں اور نو رکوع

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ دُمْ عَلٰى تَقْوَاهُ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ فِيْمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيْمًا بِمَا يَكُوْنُ قَبْلَ كَوْنِهٖ حَكِيْمًا ۙ﴿١﴾ فِيْمَا يَخْلُقُهٗ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اَيِ الْقُرْاٰنَ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿٢﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ فِيْ اَمْرِكَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ﴿٣﴾ حَافِظًا لَكَ وَاُمَّتُهٗ تَبَعٌ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ رَدًّا عَلٰى
مَنْ قَالَ مِنَ الْكُفَّارِ اَنَّ لَهٗ قَلْبَيْنِ يَعْقِلُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلِ مُحَمَّدٍ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِ
بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ بِلَا يَاءٍ تُظٰهِرُوْنَ بِلَا اَلِفٍ قَبْلَ الْهَاءِ وَبِهَا وَالتَّاءُ الثَّانِيَةُ فِي الْاَصْلِ مُدْغَمَةٌ فِي الظَّاءِ مِنْهُنَّ
بِقَوْلِ الْوَاحِدِ مَثَلًا لِزَوْجَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ اَيْ كَالْاُمَّهَاتِ فِيْ تَحْرِيْمِهَا بِذٰلِكَ الْمُعَدِّ
فِي الْجَاهِلِيَّةِ طَلَاقًا وَاِنَّمَا تَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ بِشَرْطِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِيْ سُوْرَةِ الْمُجَادَلَةِ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ جَمْعُ دَعِيٍّ وَهُوَ مَنْ يُدْعٰى لِغَيْرِ اَبِيْهِ اِبْنًا لَهٗ اَبْنَآءَكُمْ ۭ حَقِيْقَةً ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ اَيِ
الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ قَالُوْا لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِيْ كَانَتْ اِمْرَاَةَ زَيْدِ
بْنِ حَارِثَةَ الَّذِيْ تَبَنَّاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ اِمْرَاَةَ اِبْنِهٖ فَاَكْذَبَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ وَ
اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ فِيْ ذٰلِكَ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿٤﴾ سَبِيْلَ الْحَقِّ لٰكِنْ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
اَعْدَلُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ بَنُوْ عَمِّكُمْ وَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ فِيْ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ فِيْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ فِيْهِ وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ وَ

كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِمَا كَانَ مِنْ قَوْلِكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ رَّحِيْمًا ۝ بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ
اَنْفُسِهِمْ فِيْمَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَدَعَتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اِلٰى خِلَافِهٖ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ فِيْ حُرْمَةِ نِكَاحِهِنَّ
عَلَيْهِمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ ذَوُو الْقَرَابَاتِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِي الْاِرْثِ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ اَيْ مِنَ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ الَّذِيْ كَانَ اَوَّلَ الْاِسْلَامِ فَنُسِخَ اِلَّآ لٰكِنْ اَنْ تَفْعَلُوْٓا
اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ بِوَصِيَّةٍ فَجَائِزٌ كَانَ ذٰلِكَ اَيْ نَسْخُ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ بِاِرْثِ ذَوِي
الْاَرْحَامِ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَاُرِيْدَ بِالْكِتَابِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ وَ اذْكُرْ اِذْ اَخَذْنَا
مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ حِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ كَالذَّرِّ جَمْعُ ذَرَّةٍ وَهِيَ اَصْغَرُ النَّمْلِ وَمِنْكَ وَمِنْ
نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ بِاَنْ يَّعْبُدُوا اللّٰهَ وَ يَدْعُوا النَّاسَ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَ ذِكْرُ
الْخَمْسَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ شَدِيْدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوْهُ
وَهُوَ الْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ اَخَذَ الْمِيْثَاقَ لِيَسْئَلَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ فِيْ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ
تَبْكِيْتًا لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ وَ اَعَدَّ تَعَالٰى لِلْكٰفِرِيْنَ بِهِمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ مُؤْلِمًا هُوَ عَطْفٌ عَلٰى اَخَذْنَا ع ۸ ۱۷

ترجمہ: اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے) تقویٰ پر مداومت رکھئے (اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے) خلاف شرع امور میں (بیشک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے) ہونے والی بات سے اس کے واقع ہونے سے بھی پہلے (بڑی حکمت والا ہے ہر چیز کے پیدا کرنے میں (اور جو حکم) قرآن (آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو) تعملون ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے (اور آپ) اپنے کام میں (اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے) آپ کا محافظ ہے اور آپ کی امت اس بات میں آپ کی پیروکار ہے (اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں پیدا کیے) اس سے کافروں کی اس بات کو رد کر دیا کہ فلاں شخص کے دو دل ہیں جن کی وجہ سے وہ محمد ﷺ سے زیادہ ادراک کر لیتا ہے (اور تمہاری بیویوں کو جن سے) الّٰیِٔ ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور بغیر یاء کے ہم تم ظہار کر لیتے ہو تظھرون ھا سے پہلے الف نہیں ہے اور الف کے ساتھ بھی ہے اور اصل میں تاء ثانی ظاہر ہو کر ظا میں مدغم ہو گئی ان کو مثلاً کسی کا اپنی بیوی کو: انت علی کظھر امی کہہ دینے سے تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے یعنی ماں کی طرح انہیں بالکل حرام نہیں کر دیا ہے جیسا کہ جاہلیت میں اس کو طلاق سمجھا جاتا تھا البتہ شروط کے ساتھ اس پر کفارہ آئے گا جیسا کہ سورہ مجادلہ ہے (اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو) ادعیاء، دعی کی جمع ہے دوسرے کے بیٹے کو متبنیٰ بنا لینا (تمہارا)

حقیقتاً (بیٹا نہیں بنا دیا ہے یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے) یعنی یہود و منافقین نے اسوقت اعتراض کیا جب آنحضور ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے خود نکاح کر لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی (اور اللہ حق بات فرماتا ہے) اس بارے میں (اور وہی سیدھا راستہ) حق کا راستہ (دکھاتا ہے) ہاں البتہ (تم انکو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک راستی) انصاف (کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہاری برادری کے) چچا زاد (بھائی ہیں اور) اس میں (تم سے جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں گناہ تو اس صورت میں ہے کہ تم جان بوجھ کر کہو) اور وہ بھی ممانعت کے بعد (اللہ تعالیٰ) ممانعت سے پہلے جو کچھ تمہارے منہ سے نکلا ہے (بڑی مغفرت کرنے والا) اور اس بارے میں تم پر (بڑی رحمت کرنیوالا ہے نبی ایمان والوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں) جس پیغام کی طرف انہوں نے دعوت دی درانحالیکہ تمہارے نفسوں نے ان کے خلاف کی طرف بلایا ہے (اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں) ان بیویوں سے انہیں نکاح کرنا حرام ہے (اور رشتہ دار) قرابت دار (ایک دوسرے سے) میراث میں (زیادہ تعلق رکھتے ہیں کتاب اللہ کی رُو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے) یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے جو میراث ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی (مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو) وصیت کر کے تو جائز ہے (یہ بات یعنی ایمان و ہجرت کی بابت ذوی الارحام کی میراث کی وجہ سے منسوخی نوشتہ الٰہی میں لکھی جا چکی تھی) کتاب سے مراد دونوں جگہ لوح محفوظ ہے (اور) یاد کیجئے (جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا) (جس وقت وہ حضرت آدم کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح برآمد ہوئے تھے ذر، ذرۃ کی جمع ہے، چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں (اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی) کہ اللہ کی عبادت کرنا اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی دعوت دینا اور پانچ پیغمبروں کا ذکر خاص کا عام پر عطف ہے (اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا تھا) جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اس کے پورا کرنے کا قسموں کے ذریعہ یقین دلایا پھر اس کے بعد عہد لیا (تا کہ ان سچوں سے) اللہ (ان کے سچ کی نسبت سوال کرے) پیغام پہنچانے کے سلسلے میں ان سے نفرت کرنے والوں پر حجت قائم کرنے کے لئے (اور کافروں کے لئے) اللہ تعالیٰ نے (دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے) جو تکلیف دہ ہوگا اَعَدَّ کا عطف اَخَذْنَا پر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِنْهُنَّ: فعل کو مِن سے متعدی بنایا کیونکہ اس کے ضمن میں علیحدگی کا معنی تھا اس لیے کہ یہ طلاق تھی۔

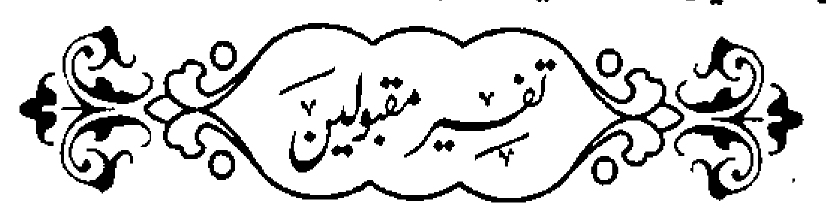
قوله: اَلْمُعَدّ: وہ جاہلیت میں شمار ہوتا تھا۔

قوله: اَدْعِيَآءَكُمْ: یہ دعی کی جمع ہے یہ شاذ وزن ہے۔

قوله: ذٰلِكُمْ: اس سابقہ مذکور یا اخیر کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ: یعنی واقعہ میں اس کی کچھ حقیقت نہیں، وہ بات کی بات ہے۔

قوله: بَنُوْ عَمِّكُمْ: یعنی اس طرح کہو: هذا اخی و مولائی، یہ میرا بھائی اور چچازاد ہے۔
قوله: وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ: فعمد جان بوجھ کر کرنا تو ممانعت کے بعد ہوتا ہے اور خطاءً اس سے پہلے یا سبقت لسانی سے۔
قوله: فِيْمَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ: وہ ان کو اس بات کا حکم دیتے ہیں جس میں ان کی بھلائی ہوتی ہے بخلاف ان کے اپنے نفوس کے۔
قوله: مِنْ عَطْفِ الْخَاصِ: ان کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ شریعتوں والے انبیاء علیہم السلام یہی معروف ہیں۔
قوله: شَدِيْدًا: اس وصف کو بیان کرنے کے لیے اس کو دوبارہ لائے۔



يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ....

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم ﷺ کی محبوبیت اور خصوصیت عند اللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذا رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل و اتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

شان نزول: اس سورۃ کے سبب نزول میں چند روایات منقول ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔ رحمۃ العالمین کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے، دلوں میں ایمان نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا، کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لیے آپ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا احترام کرتے تھے اور کوئی بری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اس واقعہ پر سورۃ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

ایک دوسرا واقعہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ ابن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم سب قریش مکہ کے آدھے اموال آپ کو دے دیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں۔ اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعویٰ اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

تیسرا ایک واقعہ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا ہے کہ ابو سفیان اور عکرمہ ابن ابی جہل اور ابو الاعور سلمی اس زمانے میں جب واقعہ حدیبیہ میں کفار مکہ اور آنحضرت ﷺ کے مابین ترک جنگ پر معاہدہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں، صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت

کریں گے اور نفع پہنچائیں گے۔ آپ اتنا کرلیں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا۔
ان کی بات رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے معاہدہ صلح کر چکا ہوں اس لیے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں، یہ واقعات بھی آیات مذکورہ کے نزول کا سبب ہوسکتے ہیں۔
ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دیے گئے: پہلا اتَّقِ اللّٰہَ یعنی اللہ سے ڈرو، دوسرا وَ لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ، یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنا عہد شکنی ہے جو حرام ہے۔ اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لیے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔
یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ، یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص اعزاز واکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ وغیرہ بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء ﷺ کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا۔ صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔
اس خطاب میں آنحضرت محمد ﷺ کو دو حکم دیے گئے۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا، کہ مشرکین سے جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے، دوسرے مشرکین اور منافقین و یہود کی بات نہ ماننے کا۔ یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو ہر گناہ سے معصوم ہیں، عہد شکنی بھی گناہ کبیرہ ہے، اور کفار و مشرکین کی وہ باتیں جو شان نزول میں اوپر بیان کی گئیں، ان کا ماننا بھی گناہ عظیم ہے تو آپ خود ہی اس سے محفوظ تھے۔ پھر اس حکم کی ضرورت کیا پیش آئی؟ روح المعانی میں ہے کہ مراد ان احکام سے آئندہ بھی ان پر قائم رہنے کی ہدایت ہے جیسا کہ اس واقعہ میں آپ ان پر قائم رہے اور اتَّقِ اللّٰہَ کے حکم کو اس لیے مقدم کیا کہ مسلمانوں نے ان مشرکین مکہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جن سے معاہدہ صلح ہو چکا تھا۔ اس لیے عہد شکنی سے بچنے کی ہدایت لفظ اتَّقِ اللّٰہَ کے ذریعہ مقدم کی گئی۔ بخلاف اطاعت کفار و مشرکین کے کہ اس کا کسی نے ارادہ بھی نہ کیا تھا اس لیے اس کو مؤخر کیا گیا۔
اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد امت کو سنانا ہے۔ آپ تو معصوم تھے، احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کا آپ سے کوئی احتمال نہ تھا۔ مگر قانون پوری امت کے لیے ہے، ان کو سنانے کا عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا جس سے حکم کی اہمیت بڑھ گئی، کہ جب اللہ کے رسول بھی اس کے مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس سے کیسے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔
اور ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ان سے مشورے نہ کریں، ان کو زیادہ مجالست کا موقع نہ دیں۔ کیونکہ ایسے مشورے اور باہمی روابط بسا اوقات اس کا سبب بن جایا کرتے ہیں کہ ان کی بات مان لی جائے تو اگرچہ ان کی بات مان لینے کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی احتمال نہ تھا مگر ان کے ساتھ ایسے روابط رکھنے اور ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی آپ کو روک دیا گیا، اور اس کو اطاعت کے لفظ سے اس لیے

تعبیر کر دیا کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط عادتاً ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ تو یہاں درحقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے، نفس اطاعت کا تو آپ سے احتمال ہی نہ تھا۔

رہا یہ سوال کہ آیت مذکورہ میں کافروں کی طرف سے خلاف شرع اور خلاف حق باتوں کا اظہار تو کوئی بعید نہیں، ان کی اطاعت سے منع کرنا بھی ظاہر ہے۔ مگر منافقین نے اگر اسلام کے خلاف کوئی بات آپ سے کہی تو پھر وہ منافقین نہ رہے، کھلے کافر ہو گئے، ان کو الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ منافقین نے بالکل کھول کر تو کوئی بات خلاف اسلام نہ کہی ہو مگر دوسرے کفار کی تائید اور حمایت میں کوئی کلمہ کہا ہو۔

اور منافقین کا جو واقعہ شان نزول میں اوپر بیان ہوا ہے، اگر اس کو سبب نزول قرار دیا جائے تو اس میں اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ اس واقعہ کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کو اس سے روکا گیا ہے کہ ان اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے یہود سے آپ زیادہ مدارات کا معاملہ نہ کریں۔

اس آیت کے آخر میں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ فرما کر اس حکم کی حکمت بیان کردی گئی۔ جو اوپر دیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈریں، اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مانیں۔ کیونکہ عواقب امور اور نتائج کا جاننے والا اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، وہی مصالح عباد کو جانتا ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ کفار یا منافقین کی بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن سے شر و فساد کم ہونے اور باہمی رواداری کی فضا قائم ہونے وغیرہ کے فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ یہ رواداری بھی مصلحت کے خلاف ہے، اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ

یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، ان کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ اور صحابہ اسی کا اتباع کریں۔ چونکہ اس خطاب میں صحابہ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لیے آخر میں بصیغہ جمع بِمَا تَعْمَلُوْنَ فرما کر تنبیہ کردی گئی۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے۔ اس میں ارشاد ہے کہ آپ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں اور اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہی کافی کارساز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ ....

منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو:

تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۴ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ جمیل بن معمر فہری ایک آدمی تھا اس کی ذکاوت اور قوت حافظہ مشہور تھی، قریش اس کے بڑے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ اس کے سینہ میں دو دل ہیں اور وہ خود بھی یوں کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں ان دونوں کے ذریعہ جو کچھ سمجھتا ہوں وہ محمد ﷺ کی عقل سے زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی باتوں کی تردید فرمائی اور فرمایا، مَا

جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ (کہ اللہ نے کسی بندہ کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے) جو شخص یہ دعوئی کرتا ہے اسے اپنے دعوے کی سزا ضرور ملتی ہے اور اس کے دعوے کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہ شخص بھی جنگ بدر میں شریک تھا جب مشرکین کو شکست ہوگئی تو ابوسفیان نے اسے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ تو شکست کھا گئے، ابوسفیان نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیری ایک چپل تیرے ایک ہاتھ میں ہے اور دوسری تیرے پاؤں میں ہے، کہنے لگا اچھا یہ بات ہے! میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ وہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں، اس وقت لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنی چپل کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے یہ نہ سمجھتا کہ وہ میرے پاؤں میں ہے۔

ظہار کیا ہے:

- اہل عرب میں ظہار کا طریقہ جاری تھا یعنی مرد اپنی بیوی سے یوں کہہ دیتا تھا کہ: (اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ) (تو میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے) ایسا کہہ دینے سے اس عورت کو اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے حرام سمجھ لیتے تھے۔ اسلام میں اگر کوئی شخص ایسا کہہ دے تو اس کے لیے کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے جو سورۃ المجادلہ کے پہلے رکوع میں مذکور ہے، اہل عرب جو اپنے اوپر عورت کو ہمیشہ کے لیے حرام سمجھ لیتے تھے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری حقیقی اور واقعی ماں نہیں بنا دیا) لہٰذا اگر کوئی شخص ظہار کر لے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہ ہو جائے گی مقررہ کفارہ دے دے تو پھر میاں بیوی کی طرح رہیں۔

بیٹا بنا لینا:

اہل عرب کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب کسی لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے (جو اپنا بیٹا نہیں دوسرے شخص کا بیٹا ہوتا تھا جسے ہمارے محاورہ میں لے پالک کہتے ہیں) تو اس لڑکے کو بیٹا بنانے والا شخص اپنی ہی طرف منسوب کرتا تھا یعنی حقیقی بیٹے کی طرح سے اسے مانتا اور سمجھتا تھا اور اس سے بیٹے جیسا معاملہ کرتا تھا اس کو میراث بھی دیتا تھا اور اس کی موت یا طلاق کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو بھی حرام سمجھتا تھا اور عام طور سے دوسرے لوگ بھی اس لڑکے کو اسی شخص کی طرف منسوب کرتے تھے جس نے بیٹا بنایا ہے اور ابن فلاں کہہ کر پکارتے تھے، ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ) (کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی اور واقعی بیٹا قرار نہیں دیا) تم جو انہیں بیٹا بنانے والے کا بیٹا سمجھتے ہو اور اس پر حقیقی بیٹے کا قانون جاری کرتے ہو یہ غلط ہے۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ (یہ تمہاری اپنی منہ بولی باتیں ہیں، اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں) وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ (اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور حق راہ بتاتا ہے) اسی میں سے یہ بھی ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (تم انہیں ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ (سو اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو مثلاً کسی لڑکے کو پال لیا جس کا باپ معلوم نہ تھا مثلاً کسی لقیط (پڑا ہوا بچہ) کو

اٹھالیا۔ اس کے باپ کا علم نہیں بیٹا بنانے والے کو ہے نہ بستی والوں کو تو اسے یا اخی (میرا بھائی) کہہ کر بلاؤ کیونکہ وہ تمہارا دینی بھائی ہے، یا دوست کہہ کر بلاؤ مَوَالِیْ، مَوْلٰی کی جمع ہے جس کے متعدد معانی ہیں، ان میں سے ایک ابن العم یعنی چچا کے بیٹے کے معنی میں بھی آتا ہے، اس لیے صاحب جلالین نے مَوَالِیْکُمْ کا ترجمہ بنو عمکم کیا ہے یعنی چچازاد کہہ کر پکارلو۔ وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ (اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں) تم سے بھول چوک ہو جائے اور منہ سے بیٹا بنانے والے کی طرف نسبت کر بیٹھو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ (لیکن اس حکم کی خلاف ورزی قلبی ارادہ کے ساتھ قصداً ہو جائے تو یہ مواخذہ کی بات ہے) وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) گناہ ہو جائے تو مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو۔

ضروری مسائل:

مسئلہ: اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو کوئی شخص لے کر پال لے اور بیٹا بیٹی کی طرح اس کی پرورش کرے جیسا کہ بعض بے اولاد ایسا کر لیتے ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن حقیقی ماں باپ، بہن اور دیگر رشتہ داروں سے اس کا تعلق حسب سابق باقی رہنے دیں، شرعی اصول کے مطابق آنا جانا ملنا جلنا جاری رہے قطع رحمی نہ کی جائے۔

مسئلہ: قرآن مجید میں بتادیا کہ متبنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا لہٰذا اس کو پالنے والے مرد یا عورت کی میراث نہیں ملے گی، بعض مرتبہ کسی کو بیٹا بیٹی بنا لینے کے بعد اپنی اولاد پیدا ہو جاتی ہے اور اولاد کے علاوہ دیگر شرعی ورثاء بھی ہوتے ہیں پس سمجھ لیا جائے کہ میراث اسی اصل ذاتی اولاد اور دیگر شرعی ورثاء کو ملے گی منہ بولے بیٹے بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہیں، البتہ منہ بولے بیٹے کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو تہائی مال سے زیادہ نہ ہو اور اس وصیت کرنے میں اصل وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی نیت نہ ہو۔

مسئلہ: منہ بولا بیٹا بیٹی چونکہ اپنے حقیقی بیٹا بیٹی نہیں بن جاتے اس لیے اگر وہ محرم نہیں ہیں تو ان سے وہی غیر محرم والا معاملہ کیا جائے گا اور سمجھدار ہو جانے پر پردہ کرنے کے احکام نافذ ہوں گے، ہاں اگر کسی مرد نے بھائی کی لڑکی لے کر پال لی تو اس سے پردہ نہ ہوگا یا اگر کسی عورت نے بہن کا لڑکا لے کر پال لیا تو اس سے بھی پردہ نہ ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں محرم ہونے کا رشتہ سامنے آ گیا، ہاں جس کا رشتہ محرمیت نہ ہوگا اس سے پردہ ہوگا، مثلاً کسی عورت نے اپنے بھائی یا بہن کی لڑکی لے کر پال لی جس کا عورت کے شوہر سے کوئی رشتہ محرمیت نہیں ہے تو اس مرد کے حق میں وہ غیر ہوگی اس سے پردہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنایا اور اس بیٹا بنانے والے کی لڑکی بھی ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ حرمت نکاح کا کوئی دوسرا سبب نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی نامحرم کو اپنا بیٹا بنایا اور اس لڑکے کی کسی لڑکی سے شادی کر دی پھر یہ لڑکا مر گیا یا طلاق دے دی تو اس بیٹا بنانے والے شخص سے مرنے والے کی بیوی کا نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری وجہ حرمت نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا پھر بڑا ہو جانے پر اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحشؓ سے ان کا نکاح کر دیا

تھا، جب انہوں نے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا، اس پر عرب کے جاہلوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، (جس کا تذکرہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے، انشاء اللہ) ان لوگوں کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے (وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ) فرمادیا (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنادیا تھا۔) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ﷺ کہا کرتے تھے۔ جب آیت :مَاجَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ" نازل ہوئی تو ہم نے ایسا کہنا چھوڑ دیا۔

مسئلہ: دوسروں کے بچوں کو شفقت اور پیار میں جو بیٹا کہہ کر بلا لیتے ہیں جبکہ ان کا باپ معروف و مشہور ہو تو یہ جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح کسی کے منہ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے والے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی کو اپنا باپ بنائے یا بتائے یا کاغذات میں لکھوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص) آج کل جو لوگوں میں اپنا نسب بدلنے، جھوٹا سید بننے یا اپنی قوم و قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کی طرف منسوب ہونے کا رواج ہوگیا ہے یہ حرام ہے ایسا کرنے والے حدیث مذکور کی وعید کے مستحق ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے زنا کیا اور اس سے حمل رہ گیا پھر جلدی سے کسی سے نکاح کرلیا اور اس طرح سے اس شوہر کا بچہ ظاہر کردیا جس سے نکاح کیا ہے تو یہ بھی حرام ہے، اور اگر کسی شخص کا واقعی بچہ ہے اور وہ اس کا انکار کرے تو یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی عورت کسی قوم میں کسی ایسے بچے کو شامل کردے جو ان میں سے نہیں ہے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اللہ اسے ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ فرمائے گا، اور جس کسی مرد نے اپنے بچے کا انکار کردیا حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی رحمت سے دور فرمادے گا اور اسے (قیامت کے دن) اولین و آخرین کے سامنے رسوا کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ....

تکمیل ایمان کی ضروری شرط:

چونکہ رب العزت وحدہ لاشریک کو علم ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت پر خود ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ اس لیے آپ کو ان کی اپنی جان سے بھی انکا زیادہ اختیار دیا۔ یہ خود اپنے لیے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسول کو بدل و جان قبول کرتے جائیں جیسے فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:٦٥) تیرے رب کی قسم یہ مؤمن نہ ہونگے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں اور تیرے تمام تر احکام اور فیصلوں کو بدل و جان بکشادہ پیشانی قبول نہ کرلیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی با ایمان نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے

اس کے مال سے اسکی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یارسول اللہ آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے۔آپ نے فرمایا نہیں نہیں عمر جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ یہ سن کر جناب فاروقؓ فرمانے لگے قسم اللہ کی یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں آپ نے فرمایا اب ٹھیک ہے۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں تمام مؤمنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں۔ اگر تم چاہو تو پڑھ لو: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (الاحزاب:۶) اور فرمان نبویؐ ہے: سنو جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے اس کا مال تو اس کے وارثوں کا حصہ ہے۔ اور اگر کوئی مرجائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہوں تو اس کے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے۔ پھر فرماتا ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظام میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں جیسی خود کی اپنی مائیں۔ ہاں ماں کے اور احکام مثلاً خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہاں ثابت نہیں گو بعض علماء نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں لکھا ہے جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں نصاً فرمایا ہے لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ حکم کا اثبات۔ حضرت معاویہؓ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المؤمنین کے بھائی تھے انہیں ماموں کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کہا ہے کہہ سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضور ﷺ کو ابو المؤمنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابو المؤمنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آجائیں گی جمع مذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مونث بھی شامل ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ ابی بن کعب اور ابن عباسؓ کی قرأت میں اُمَّهٰتُهُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں وھو اب لھم یعنی آپ ان کے والد ہیں۔ مذہب شافعی میں بھی ایک قول یہی ہے۔ اور کچھ تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے قائم مقام باپ کے ہوں میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔ نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لے نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرے۔ آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے (نسائی وغیرہ) مما دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو باپ نہ کہا جائے کیونکہ قرآن کریم میں ہے آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب:۴۰) حضور تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بہ نسبت عام مؤمنوں مہاجرین اور انصار کے ورثے کے زیادہ مستحق قرابتدار ہیں۔ اس سے پہلے رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا تھا اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے۔ اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ پہلے اگر انصاری مرگیا تو اس کے وارث اس کی قرابت کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ مہاجر ہوتے تھے

جن کے درمیان اللہ کے نبی ﷺ نے بھائی چارہ کرادیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصاری ومہاجرین کے بارے میں اترا ہم جب مکہ چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس مال کچھ نہ تھا یہاں آ کر ہم نے انصاریوں سے بھائی چارہ کیا یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر کا بھائی چارہ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمان کا ایک زرقی شخص کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ یہ زخمی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا عام حکم ہمارے لیے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے ورثہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے طور پر کچھ دے دلا سکتے ہو۔ پھر فرماتا ہے اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا ہوا تھا جس میں کوئی ترمیم وتبدیلی نہیں ہوئی۔ بیچ میں جو بھائی چارے پر ورثہ بنتا تھا یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لیے تھا اب یہ ہٹا دیا گیا اور اصلی حکم دے دیا گیا واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ ....

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا:

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہ السلام سے جو عہد لیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے، تمام انبیاء کرام علیہ السلام کا عمومی اور حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، ان حضرات کی محنتیں اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کرنے سے متعلق بہت زیادہ تھیں، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کی فضیلت زائدہ ظاہر فرمانے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ حضرات گذشتہ اصحاب شرائع والے انبیاء (علیہ السلام) میں مشہور ہیں ان حضرات کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانیؒ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی تخلیق مقدم تھی اس لیے ذکر میں آپ ﷺ کی تقدیم فرمائی، اور اس بارے میں ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے: (بدئ بی الخلق وکنت اٰخرهم فی البَعْثِ) (مخلوق کی پیدائش کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور میں بعثت میں سب انبیاء سے آخری ہوں) اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے: (کنت اول النّبیین فی الخلق واٰخرهم فی البعث) (میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انبیاء سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخری ہوں) (یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ (ص ۳) میں بھی نقل کی ہے) نیز یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ آپ سب سے پہلے نبوت سے سرفراز کیے گئے تھے اس لیے بھی آپ ﷺ کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اس بارے میں اور بھی متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں حضرت ابوہریرہؓ سے بحوالہ سنن ترمذی نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا (وَاٰدَمُ بَیْنَ

الرُّوۡحِ وَالۡجَسَدِ) (یعنی میرے لیے اس وقت نبوت ثابت ہوگئی تھی جب آدم روح وجسم کے درمیان تھے) اور حضرت عرباض بن ساریہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب آدم اپنی مٹی ہی میں تھے۔

حضرات انبیاء کرامؑ سے کیا عہد لیا جس کا اس آیت شریف میں ذکر ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (جلد ۲۱ ص ۱۵٤) لکھتے ہیں (ای واذکر وقت اخذنا من النبیین کافۃ عہودھم بتبلیغ الرسالۃ والشرائع والدعاء الی الدین الحق) (یعنی اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے تمام نبیوں سے یہ عہد لیا کہ رسالت کی تبلیغ کریں گے، احکام شریعت پہنچائیں گے اور دین حق کی طرف بلائیں گے) مشکوۃ المصابیح ص ۲٤ پر مسند احمد سے نقل کیا ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر (اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ) (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) فرمایا تو سب نے بَلٰی کہا یعنی اقرار کیا کہ ہاں واقعی آپ ہمارے رب ہیں، اسی موقعہ پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک خصوصی عہد لیا گیا جو رسالت اور نبوت کے بارے میں تھا جو آیت (مذکورہ بالا) وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَهُمۡ میں مذکور ہے۔

سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۹ میں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا (اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا) جس عہد کا شروع آیت میں ذکر ہے بطور تاکید اسی کو دوبارہ ذکر فرمایا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے مذکورہ بالا عہد لینے کے بعد پھر اللہ کی قسم دلا کر دوبارہ عہد لیا جسے مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا سے تعبیر فرمایا۔ (ذکرہ فی الروح)

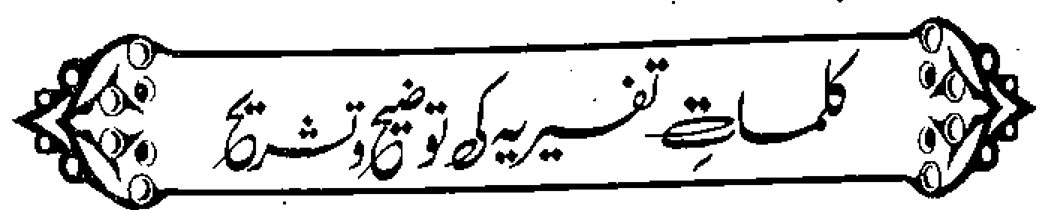
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَآءَتۡکُمۡ جُنُوۡدٌ مِنَ الۡکُفَّارِ مُتَحَزِّبُوۡنَ اَیَّامَ حَفۡرِ الۡخَنۡدَقِ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ۚ مَلَائِکَةً وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بِالتَّاءِ مِنۡ حَفۡرِ الۡخَنۡدَقِ وَبِالۡیَاءِ مِنۡ تَخۡرِیۡبِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ بَصِیۡرًا ۝ اِذۡ جَآءُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ مِنۡ اَعۡلَی الۡوَادِیۡ وَاَسۡفَلِهٖ مِنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ مَالَتۡ عَنۡ کُلِّ شَیۡءٍ اِلٰی عَدُوِّهَا مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ جَمۡعُ حَنۡجَرَةٍ وَهِیَ مُنۡتَهَی الۡحُلۡقُوۡمِ مِنۡ شِدَّةِ الۡخَوۡفِ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ۝ الۡمُخۡتَلِفَةَ بِالنَّصۡرِ وَالۡیَاسِ هُنَالِکَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اُخۡتُبِرُوۡا لِیَتَبَیَّنَ الۡمُخۡلِصُ مِنۡ غَیۡرِهٖ وَزُلۡزِلُوۡا حُرِّکُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا ۝ مِنۡ شِدَّةِ الۡفَزَعِ وَ اذۡکُرۡ اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ضُعۡفُ اِعۡتِقَادٍ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ بِالنَّصۡرِ اِلَّا غُرُوۡرًا ۝ بَاطِلًا وَاِذۡ قَالَتۡ

طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ هِيَ اَرْضُ الْمَدِيْنَةِ وَلَمْ تَنْصَرِفْ لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ لَا
مُقَامَ لَكُمْ بِضَمِّ الْمِيْمِ وَ فَتْحِهَا اَيْ لَا اِقَامَةَ وَ لَا مَكَانَةَ فَارْجِعُوْا ۚ اِلٰى مَنَازِلِكُمْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَ كَانُوْا
خَرَجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَلْعٍ جَبَلٌ خَارِجَ الْمَدِيْنَةِ لِلْقِتَالِ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
النَّبِيَّ فِي الرُّجُوْعِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ غَيْرُ حَصِيْنَةٍ نَخْشٰى عَلَيْهَا قَالَ تَعَالٰى وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ
اِنْ اَيْ مَا يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ مِنَ الْقِتَالِ وَ لَوْ دُخِلَتْ اَيِ الْمَدِيْنَةُ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا نَوَاحِيْهَا ثُمَّ
سُئِلُوا اَيْ سَاَلَهُمُ الدَّاخِلُوْنَ الْفِتْنَةَ الشِّرْكَ لَاٰتَوْهَا بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيْ اَعْطَوْهَا وَفَعَلُوْهَا وَ مَا
تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ
مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ عَنِ الْوَفَاءِ بِهٖ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا اِنْ فَرَرْتُمْ لَّا
تُمَتَّعُوْنَ فِي الدُّنْيَا بَعْدَ فِرَارِكُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ بَقِيَّةَ اٰجَالِكُمْ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ يُجِيْرُكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اِهْلَاكًا اَوْ هَزِيْمَةً اَوْ يُصِيْبُكُمْ بِسُوْءٍ اِنْ اَرَادَ اللّٰهُ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ خَيْرًا وَ لَا
يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ وَلِيًّا يَنْفَعُهُمْ وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ يَدْفَعُ الضَّرَّ عَنْهُمْ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِيْنَ الْمُثَبِّطِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ تَعَالَوْا اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ
الْقِتَالَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ رِيَاءً وَسُمْعَةً اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ بِالْمُعَاوَنَةِ جَمْعُ شَحِيْحٍ وَهُوَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَاْتُوْنَ
فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ كَنَظَرِ اَوْ كَدَوَرَانِ الَّذِيْ يُغْشٰى
عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ اَيْ سَكَرَاتِهٖ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ وَحِيْزَتِ الْغَنَائِمُ سَلَقُوْكُمْ اٰذَوْكُمْ وَضَرَبُوْكُمْ
بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اَيِ الْغَنِيْمَةِ يَطْلُبُوْنَهَا اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا حَقِيْقَةً فَاَحْبَطَ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ الْاِحْبَاطُ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ بِاِرَادَتِهٖ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ مِنَ الْكُفَّارِ لَمْ
يَذْهَبُوْا ۚ اِلٰى مَكَّةَ لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ كَرَّةً اُخْرٰى يَوَدُّوْا يَتَمَنَّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ
فِي الْاَعْرَابِ اَيْ كَائِنُوْنَ فِي الْبَادِيَةِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ اَخْبَارِكُمْ مَعَ الْكُفَّارِ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ

ع ۱۲ ۱۸ هٰذِهِ الْكَرَّةَ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ رِيَاءً وَخَوْفًا مِنَ التَّعْيِيْرِ

ترجمہ: (اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم پر کفار کے بہت سے لشکر) خندق کھودنے کے دنوں میں جتھ بندی کر کے چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی کہ جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی (اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال) تعملون تاء کے ساتھ یعنی خندق کا کھودنا اور یاء کے ساتھ مشرکین کی توڑ پھوڑ (دیکھ رہے تھے جبکہ وہ لوگ چڑھ آئے تھے تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کیطرف سے بھی) مشرقی سمت کے اعلیٰ حصہ سے اور مغربی سمت کے نچلے حصے سے (اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں) ہر طرف سے ہٹ کر دشمن پر لگ رہی تھیں جو ہر جانب سے حملہ آور تھا (اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے) مدد آنے اور مایوسی کے مختلف گمان (اس موقع پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا) ان کی آزمائش کی گئی تا کہ مخلص غیر مخلص سے نمایاں ہو جائے (اور انکو خوب جھنجھوڑا گیا) ان کو ہلا دیا گیا شدت خوف کے ذریعہ (اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا) اعتقادی کمزوری تھی (کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور رسول نے) مدد کے متعلق دھوکہ (جھوٹ کا وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں بعض لوگوں) منافقوں نے کہا اے یثرب کے لوگو! اہل مدینہ۔ لفظ یثرب علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے (تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں) مقام میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی نہ ٹھہرتا ہے اور نہ اس کی جگہ ہے (سو لوٹ چلو) مدینہ اپنے اپنے گھر اور یہ منافقین مدینہ سے باہر سلع پہاڑ تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کے لئے آئے تھے (اور ان میں سے بعض لوگ پیغمبر سے) (واپسی کی) اجازت مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (کھلے پڑے ہیں ہمیں ان کا خطرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ) (حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض) جنگ سے) بھاگنا ہی چاہتے تھے اور اگر آ گھسے) مدینہ میں (ان پر آس پاس سے) مدینہ کے اردگرد سے پھر ان سے فساد) شرک (کی درخواست کریں) یعنی ان سے آنے والے استدعا کریں تو اسے منظور کر لیں یہ لفظ مد کے ساتھ اور بغیر مد کے ہے یعنی ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے شریک فتنہ ہو جائیں گے (اور اپنے ان گھروں میں برائے نام ہی ٹھہریں حالانکہ یہی لوگ پیشتر اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کے) پورا کرنے کے (متعلق باز پرس ہوگی آپ فرما دیجئے بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا۔ اگر تم مرنے سے یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو) اور اس حالت میں (اگر تم بھاگے تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے) بھاگنے کے بعد دنیا میں (مگر چند روزہ) باقی زندگی (آپ کہہ دیجئے کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے) پناہ دے کر (اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے) ہلاک کر کے یا شکست دے کر یا وہ کون ہے جو تمہیں مصیبت میں ڈال سکے (اگر اللہ تم پر فضل) مہربانی (کرنا چاہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حامی) (نفع بخش (نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار) جو ان سے نقصان ہٹا سکے (اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو رکاوٹ بنتے ہیں) ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں (اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ) بھاگ آؤ (اور یہ لوگ لڑائی) جنگ (میں نام ہی کو آتے ہیں) ریاکاری اور شہرت کی نیت سے (تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے) امداد کے لحاظ سے اشحۃ شحیح کی جمع ہے اور ضمیر یاتون سے حال واقع ہے (پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ

وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے) دیکھنا یا گھمانا اس شخص کا (کہ اس پر موت کی بیہوشی طاری ہو یعنی سکرات شروع ہوگئی ہوں) پھر وہ خطرہ جب ٹل جاتا ہے) اور مال غنیمت جمع ہونے لگتا ہے (تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں) ستانے اور مارنے کی صورت میں (مال پر ریجھتے ہوتے) مال غنیمت کی جستجو میں رہتے ہیں (یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے) حقیقت میں (چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں) اور یہ بیکار کر دینا اللہ کے ارادہ کے لئے بالکل آسان ہے (ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر) کفار (گئے نہیں ہیں) مکہ لوٹ کر انہیں ان سے خطرہ کی وجہ سے (اور یہ لشکر اگر آ پڑیں دوبارہ حملہ کر کے) تو یہ لوگ یہی چاہیں گے (تمنا کریں گے کاش یہ دیہات میں باہر رہتے ہوتے) یعنی جنگل میں بسے ہوتے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے) تمہارے اور کفار کے حالات (اور اگر تم میں ہی رہیں) اس حملہ میں (تو بھی بہت کم لڑتے) ریاکاری کے طور پر اور عار کے خوف سے)۔



قوله: اِذْ جَآءَتْكُمْ: یہ بدل ہے۔

قوله: مُتَحَزِّبُوْنَ: وہ گروہ بندی کر رہے تھے یہ قریش، بنوغطفان اور یہود تھے۔

قوله: اِذْ جَآءُوْكُمْ: یہ پہلے اِذ سے بدل ہے۔

قوله: مِنْ اَعْلَى الْوَادِيْ: یہ بنوغطفان تھے۔

قوله: وَاَسْفَلِهٖ مِنَ الْمَشْرِقِ: یہ قریش تھے۔

قوله: مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ: پھیپھڑے سخت خوف کی وجہ سے پھول جاتے ہیں اور حنجرہ کے منہ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

قوله: الظُّنُوْنَا ۝: الرسول کی طرح الف فواصل کی خاطر لاتے ہیں۔

قوله: مُقَامَ: یہ اقام کا مصدر میمی ہے۔

قوله: الْمَدِيْنَةِ: فاعل کو حذف کر دیا تا کہ اس کی طرف اشارہ ہو کہ گروہی شکل میں اس کا مدینہ میں داخلہ ممکن نہ رہا۔

قوله: مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ: یہ وہاں بس فتنہ برپا کرنے کی حد تک ٹھہریں گے۔

قوله: لَا تُمَتَّعُوْنَ: یعنی بھاگنا مفید نہ ہوگا اور اس سے چنداں فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔

قوله: الْقَآئِلِيْنَ: یہ مدینہ کے رہائشی دوستوں کو منافقین کہتے ہیں۔

قوله: جَمْعُ شَحِيْحٍ: بخیل پر بولا جاتا ہے۔

قوله: تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ: ان کی آنکھیں، اپنے حوالی میں غشی والے کی طرح گھومتی ہیں۔

قوله: فَاَحْبَطَ اللّٰهُ: ان کے بطلان کو ظاہر کر دیا ورنہ تو ان کے اعمال ہی نہیں۔ جو باطل ہوں۔

قوله: بارَادَتِه: ان کے اعمال کا حبط ارادۂ الٰہی کے سامنے نہایت معمولی ہے۔
قوله: یَسْئَلُوْنَ: وہ اس شخص سے پوچھتے پھرتے جو مدینہ سے آتا کہ مسلمانوں کا کیا بنا؟

تفسیر مقبولین

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ....

ذکر قصہ غزوۂ احزاب وغزوۂ بنی قریظہ:

غزوہ احزاب کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کی مدد اور کفار کی جماعت کی بدحالی اور بدحواسی۔

اس رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے، تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زمانہ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آکر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام خزرج تھا، انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان خاتم النبیین ﷺ اس شہر میں تشریف لائیں گے، یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کے لیے یہاں آکر بس گئے تھے۔ جب حضور انور ﷺ نے حج کے موقع پر اوس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ كَفَرُوْا بِهٖ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاع اور دوسرا بنی نضیر اور تیسرا بنی قریظہ تھا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرمالیا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے، یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھئے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے، ادھر تو آپ ﷺ سے یہ کہا اور ادھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا دے، یہود میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لیے اوپر چڑھ گیا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے مشورے سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہ ؓ کو یہود کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ، منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے، اس سے ان کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں، جب ان کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپ ﷺ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم ؓ کو نائب بنا کر اور دیگر صحابہ کرام ؓ کو ساتھ لے کر بنو نضیر کے محلہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلہ شہر سے ذرا دور تھا) آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا، منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہٰذا انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ ہمیں جلاوطن کردیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں، اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جاسکیں اسے لے جانے کی اجازت دیں، آپ نے انہیں جلاوطن کرنا منظور فرمالیا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ، وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہوگئے اور بعض لوگ شام چلے گئے (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ٤ ص ۷۵ سے نقل کیا ہے، مفصل قصہ انشاء اللہ سورۃ الحشر کی تفسیر میں بیان کریں گے) یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیئے، یہ ٤ ہجری کا واقعہ ہے۔

غزوۂ احزاب کا مفصل واقعہ:

اب غزوہ احزاب کا واقعہ سنئے اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بنونضیر کو جب حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کردیا تو وہ وہاں جاکر بھی شرارتوں سے اور اپنی بیہودوالی بیہودگیوں سے باز نہ آئے، ان کے چودھری مکہ معظمہ میں پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ آؤ ہم تم مل کر داعی اسلام ﷺ سے جنگ کریں اور ان کو ان کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کردیں۔ قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم اہل کتاب ہو، سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دین شرک کو دین توحید سے بہتر بتایا اور قریش سے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے، یہ بات سن کر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے، اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد ﷺ سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرلیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہوجاؤ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہوجائے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لیے تیار ہوگئیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے لیے خندق کھودنا:

رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے ارادہ بد کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے، انہوں نے بتایا کہ اہل فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں، چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا، اس خندق کی کھدائی میں سید دوعالم ﷺ خود شریک ہوئے، سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا، سید دوعالم ﷺ نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لیے دیا، (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلمان فارسیؓ بڑے قوی اور تندرست آدمی تھے ان کے متعلق مہاجرین وانصار میں اختلاف ہوا، انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ کھودنے کے لیے دیا جائے، یہ سن کر سید دوعالم ﷺ نے فرمایا (سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ) (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ انصار میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہل

عرب نہیں جانتے تھے، وہ لوگ خندق کے اس طرف رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرما دیا۔

إِذْ جَآءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ ....

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا:

خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہو کر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس بھی نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے، ان کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریباً ایک مہینہ تک تھا، گو وہ خندق پار نہیں آ سکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقع نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے، اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی، سردی بھی تھی، کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، اس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اسے اللہ جل شانہ نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آ گئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جسے اردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آ گیا، اس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ (مِّنْ فَوْقِكُمْ) سے وادی کا اوپر کا حصہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو غطفان اور ان کے ساتھی آئے تھے جن میں اہل نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی، اور (اَسْفَلَ مِنْكُمْ) سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ، بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

(تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝) جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے جس میں مخلص اہل ایمان بھی تھے اور منافقین بھی، مؤمنین بھی، مؤمنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائے گا، اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے (وقال بعضهم انه خطاب للمؤمنين المخلصين و كانت ظنونهم من خاطر نفس وهو اجسها التي يوجبها الخوف الطبيعي وهذا لا مؤاخذه فيه قال صاحب الروح بعد هذا الذي ذكرنا او يقال: ظنونهم المختلفة هي ظن النصر بدون نيل العدو منهم شيءًا و ظنه بعد النيل و ظن الامتحان وعلى هذا لا يحتاج الى الاعتذار) (اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ (وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝) کا خطاب مؤمنین مخلصین سے ہے۔ مؤمنین مخلصین کے گمان دل کے خیالات تھے جن سے طبعی خوف پیدا ہوتا ہے اور ایسے گمانوں میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ روح المعانی والے نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا بعض نے کہا کہ ان کے اس طرح کے مختلف گمان مراد ہیں کہ دشمن سے لڑائی کے بغیر ہی مدد ہو جائے اور دشمن سے لڑائی کے بعد اور آزمائش کا گمان اور اس طرح کے گمانوں پر کسی

معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔)

بعض کافروں کا مقتول ہونا:

دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیر اندازی ہوتی رہی، مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لے کر خندق میں اتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدود بھی تھا، جنگ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لیے جنگ احد میں شریک نہ ہوسکا تھا، غزوہ خندق کے موقعہ پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لیے پکار کر کہا کہ (هَلْ مَنْ يُّبَارِزُ) یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہل عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علیؓ آپ ﷺ سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے عمرو بن عبدود نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں، تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں ان میں سے کسی کو سامنے لاؤ، حضرت علیؓ نے فرمایا لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں، یہ بات سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھا دی، اس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی، پھر حضرت علیؓ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا، غبار بلند ہوا اور حضرت علیؓ نے زور سے اللہ اکبر کہا، تکبیر کی آواز میں مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی، آپ ﷺ نے جواب میں کہلوا دیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا، مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کو ایک تیر آ کر لگا جس نے ان کی اکحل نامی رگ کاٹ دی، انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوہ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبداللہ بن سہل اور طفیل بن نعمان، ثعلبہ ابن غنمہ اور کعب بن زیدؓ کے اسمائے گرامی ذکر کیے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا:

غزوہ احزاب کے موقعہ پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے، آپ نے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: (ملاء اللہ علیهم بیوتهم وقبورهم نارًا کما شغلونا عن الصلوة الوسطی حتی غابت الشمس) (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے

ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہوگیا) اس کے بعد آپ نے وضوفرمایا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی، بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضا ہوگئی تھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء آپ ﷺ نے رات کا ایک حصہ گزر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضاء ہوئی تھیں، (عشاء تو وقت عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی تھی) البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہوگئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہوجاتے تھے، غزوہ خندق کے موقعہ پر بھی آپ ﷺ دعائیں کرتے رہے، دشمنوں کے شکست خوردہ ہو کر بھاگنے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دعا کا اہتمام کیا، صحیح بخاری ص ۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی (اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اَهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ) (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کوڈگمگادے)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دعا بتایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو: (اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا) (اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما۔)

دعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت:

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، چولہے بجھ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، ہوا تیز بھی تھی اور سخت سرد بھی، دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں، ابوسفیان جو اس وقت قریش مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا ہتھیار بھی ختم ہوچکے، جانور بھی ختم ہوچکے اور بنوقریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرچکے ہیں، ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو، اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جارہا ہوں، اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا پھر قریش بھی چلے گئے، قبیلہ بنوغطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (اے ایمان والو اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آگئے سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے) ''جن لشکروں کو نہیں دیکھا'' ان سے فرشتے مراد ہیں، اس موقعہ پر فرشتے نازل ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے کا کام کیا، جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آکر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جارہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنان اسلام کو واپس کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لیے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لیے جائیں گے ا۔ چنانچہ غزوہ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ نہیں کر سکے ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہو گئے، جوق در جوق مدینہ منورہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض ان واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے یعنی سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ:

جس وقت دشمن چڑھ آئے تھے اس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا، کھانے پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا، بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی، رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، حضرات صحابہ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے، خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے، کھانے کے لیے ایک مٹھی جو لائے ہوتے تھے جنہیں ابال لیا جاتا تھا اور یہ ابلے ہوئے جو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ لیے جاتے تھے جس میں بو آجاتی تھی اور اس کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اترتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر یہ پڑھتے جاتے تھے (اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ) (اے اللہ زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجیے) آپ ﷺ کی یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمد سے بیعت کی ہے ہم جب تک بھی زندہ رہیں ہماری بیعت باقی ہے)

رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی، اس موقعہ پر آپ ﷺ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے شعر ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لولا انت ما اهتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینة علینا	وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الالی قد بغوا علینا	وان ارادوا فتنة اَبَیْنَا

(۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

(۲) سو ہم پر اطمینان نازل فرمائیے، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھئے اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے اور بے شک ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ تو اگر یہ لوگ فتنہ چاہتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

آخری کلمہ اَبَیْنَا کو رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کہ مسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہوں گے:

خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہؓ کے بس سے باہر ہوگیا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں اترتا ہوں، آپ ﷺ نے پھاوڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس چٹان میں پھاوڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوگئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہوگئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو، اس پر آپ ﷺ نے فتح یابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، حضرت سلمان فارسیؓ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرہ شہر کے محلات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہوگئے، مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی امت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اس سے روم کی سرزمین کے سرخ محلات ظاہر ہوگئے مجھے جبرئیل نے بتایا کہ میری امت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاء کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہٰذا تم خوش ہو جاؤ، اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کرلیا کہ یہ سچا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مذکورہ بالا شہروں کو فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھو یثرب سے ان کو حیرہ اور کسریٰ کے محل نظر آ رہے ہیں اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ مجھے ملک شام کے خزانے دے دیئے گئے، پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اللہ کی قسم! شام کے سرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروزے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کرلیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے دے دی گئی تھیں، یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ آپ کی امت ان کو فتح کرے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو۔ (البدایہ النہایہ ج ٤ ص ۹۹ تا ۱۰۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرما دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرت جابرؓ کے ہاں ضیافت عامہ:

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آ گئی تو صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے (جو ہمارے قابو میں نہیں آ رہی) آپ ﷺ نے فرمایا میں اترتا ہوں اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا آپ نے پھاوڑا لیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں، آپ نے اجازت دے دی، میں اپنے گھر گیا اور بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت بھوک کی حالت میں ہیں، اسی پر میری بیوی نے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع یعنی تین کلو کے لگ بھگ جو تھے، اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو بکری بھی تھی میں نے اسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پیسنا شروع کیے اتنے میں میں نے بکری کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جو پیسنے سے فارغ ہو گئی، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجھے رسوا مت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آ جائیں) میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورت حال عرض کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت ہے، پھر آپ نے زور سے اعلان فرمایا کہ خندق والو! آ جاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے، آپ ﷺ مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے، آپ آگے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے، میں جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری کیفیت بیان کر دی (کہ مجمع کثیر آ رہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہوا نا! جس کا مجھے اندیشہ تھا، میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوا مت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ ﷺ کو سب بات بتا دی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتا دیا تھا، تو وہ کہنے لگی پھر کوئی بات نہیں، اب اللہ اور اللہ کے رسول جانیں۔

آپ تشریف لائے تو جو گوندھا ہوا آٹا تھا اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لو اور ہانڈی کو چولہے سے مت اتارو، حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آ جاؤ کھچ بچ میں مت بیٹھو، چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتی رہی، آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بوٹیاں رکھ کر اور شوربا بھر بھر کر حاضرین کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا، حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے خوب کھایا اور سیر ہو کر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اسی طرح ابل رہی تھی اور ہمارا آٹا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خود کھا لو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹)

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمد بن اسحق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میری بٹیا جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ صبح کے وقت ان کو کھالیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی، اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ پر میرا گذر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بٹیا! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تاکہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ، میں نے وہ کھجوریں آپ ﷺ کی ہتھیلیوں میں ڈال دیں، وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھر سکیں، آپ ﷺ نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا پھر وہ کھجوریں اس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اونچی آواز میں خندق والوں کو پکارو کہ آجاؤ صبح کا کھانا کھالو، خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہو کر واپس ہو گئے۔ (قال ابن کثیر فی البدایہ والنھایہ ج ۴ ص ۱۹۹ ھکذا رواہ ابن اسحاق وفیہ انقطاع)

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ....

منافقین کی بدعہدی اور شرارتیں:

یہ نو آیات کا ترجمہ ہے جس میں منافقین کی قولی اور عملی غداری کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی مخالفانہ اور بزدلانہ حرکتوں کو بیان کیا ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا (جو ضعیف الاعتقاد تھے) انہوں نے یوں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودتے وقت بشارت دی کہ تم حیرہ کے محل اور کسریٰ کے شہر اور یمن کے شہر اور روم کے محل فتح کرو گے، تو اس پر منافقین نے کہا لو دیکھ لو! یہاں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے، خندق کھودی جا رہی ہے، ذرا بھی باہر نہیں جا سکتے، اگر یہاں سے جائیں تو قتل ہو جائیں حال تو یہ ہے لیکن بشارتیں یوں دی جا رہی ہیں کہ یوں شہر فتح ہوں گے اور ایسے محلات پر قبضہ ہوگا، کچھ نہیں یہ سب دھوکہ ہی دھوکہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ نازل فرمائی۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کو دل سے مانتے ہی نہیں تھے پھر انہوں نے مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ کیسے کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق کا کوئی دین نہیں ہوتا وہ منہ دیکھی باتیں کرتا ہے، کیونکہ وہ لوگ بظاہر اسلام کے مدعی تھے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہہ رہے تھے اس لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا کہ آپ کو رسول ماننے کا دم بھریں لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دھوکہ دہی کی نسبت کریں گے تو مسلمان ہمیں کیسے مسلمان مانیں گے۔

دوسری آیت میں منافقوں کی ایک جماعت کا یہ بات نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یوں کہا کہ اے یثرب

والو یعنی مدینے میں سکونت کرنے والو! یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ کیونکہ بظاہر قتل ہونے کی صورت بن رہی ہے، اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے تو قتل ہونے سے بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں بھی یہیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی۔ مفسرین نے لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا کا ایک مطلب تو وہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اب محمد ﷺ کے دین میں رہنے کا موقع نہیں رہا لہٰذا تم اپنے پرانے دین شرک پر واپس ہو جاؤ۔ اور ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے تم نے جو بیعت کی ہے اس سے واپس ہو جاؤ اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔

یثرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عمالقہ میں سے ایک شخص کا نام یثرب تھا اسی کے نام پر یہ نام رکھا ہے، چونکہ (ثَرَبَ يَثْرِبُ) ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اب اس کو اس نام سے یاد کرنا ممنوع ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (مَنْ سَمَّى الْمَدِيْنَةَ يَثْرِبُ فَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ تَعَالٰى هِيَ طَابَةٌ هِيَ طَابَةٌ هِيَ طَابَةٌ) (یعنی جو شخص مدینہ کو یثرب کے نام سے یاد کرے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے) یعنی عمدہ ہے مبارک ہے اچھا شہر ہے۔ (رواہ احمد فی مسند عن البراء بن عازب ؓ)

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اس شہر کا نام مدینہ منورہ ہی مشہور ہو گیا اگرچہ اس کے علاوہ اس کے اور بھی نام ہیں:

آیت بالا میں بعض منافقوں کے اجازت لینے کا بھی ذکر ہے، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں واپس ہونے کی اجازت دے دی جائے کیونکہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں، چوروں کا خوف ہے، جب یہاں آگئے تو وہاں کوئی حفاظت کا انتظام بھی نہیں اور وہاں دشمنوں کے پہنچنے کا ڈر ہے کیونکہ خندق کی جگہ سے دور ہیں۔ مفسرین نے بتایا ہے کہ جب منافقوں نے یہ کہا کہ اے یثرب والو! یہاں سے چلے جاؤ ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، تو ان کی باتوں میں آکر قبیلہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہونے کی اجازت طلب کر لی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا: وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ (یہ بات نہیں ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں) اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھاگ جائیں۔)

تیسری آیت میں ان لوگوں کی فتنہ پردازی کا تذکرہ فرمایا وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا (الآیۃ) (اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے آپ ﷺ سے اجازت لے کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال ہونے سے منہ موڑنا ہے۔ اگر کافروں کا کوئی لشکر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ ان سے یہ کہے کہ چلو مسلمانوں سے لڑو تو یہ ضرور ان کی بات مان لیں گے اور اپنے گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں گے بس کافروں کے کہتے ہی چل پڑیں گے یا اتنی دیر لگائیں گے جتنی دیر میں ہتھیار لے لیں، اس وقت انہیں گھروں کی حفاظت کا خیال بالکل نہیں رہے گا، انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت ہے۔ (قال صاحب الروح ان طلبهم الاذن فی الرجوع لیس

لا ختلال بیوتھم بل لنفاقھم و کراھتھم نصر تک) (تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا واپسی کی اجازت مانگنا واقعتاً کوئی گھروں کے نقصان کے اندیشہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے منافق ہونے اور تیری مدد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا۔)

آیت کریمہ کی دوسری طرح بھی تفسیر کی گئی ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں، (والوجوہ المحتملۃ فی الآیات کثیرۃ کما لا یخفی من لہ ادنی تأمل وماذکرناہ اولاً ھو الاظھر فی ما أری) (آیات میں کئی سارے احتمالات موجود ہیں جیسا کہ ذرا غور بھی کرنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے جو ہم نے سب سے پہلے توجیہ ذکر کی ہے میرے خیال میں وہی زیادہ راجح ہے۔)

چوتھی آیت میں بھی انہیں لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے گھروں کے خالی ہونے کا بہانہ کر کے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے اجازت طلب کی تھی، ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ (الآیۃ) یعنی ان لوگوں نے اس سے پہلے عہد کیا تھا کہ پشت پھیر کر نہ جائیں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنو حارثہ کا ذکر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قبیلہ بنو سلمہ مراد ہے، یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بزدلی دکھا چکے تھے پھر توبہ کر کے شریک ہو گئے تھے اور خندق کا واقعہ پیش آنے سے پہلے عہد کیا تھا کہ راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں ان منافقوں کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافروں کو بری طرح شکست دی تو یہ کہنے لگے افسوس ہم شریک نہ ہوئے، اگر ہم شریک ہوتے تو یوں کرتب دکھاتے اور ایسا ویسا کرتے، آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع ہوگا تو ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے، جب غزوۂ خندق کا موقع آیا تو ان کے سارے دعوے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے، وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۞ (اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی) عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں راہ فرار اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم موت سے یا قتل کے ڈر سے بھاگ گئے تو تمہارا یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا، اگر بھاگ گئے تو کتنا جیو گے؟ اجل مقررہ کے مطابق موت تو آ ہی جائے گی اور عمر کا جو بقیہ حصہ ہے اس سے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتے، بھاگ کر عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقرر ہے۔

مزید فرمایا کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے اگر تم بھاگ گئے اور جہاں پہنچے وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک فرما دیا تو تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے؟ اور وہ تم پر اپنا فضل فرمائے مثلاً تمہیں زندہ رکھے جو کہ ایک دنیاوی رحمت ہے تو اسے اس سے کون روک سکتا ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں بھی ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں کو شرکت جہاد سے روک رہے تھے اور مسلمانوں کے حق میں اپنے قول اور فعل سے برا کردار ادا کر رہے تھے، ارشاد فرمایا اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک مخلص مسلمان غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے سگے بھائی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور اس کے پاس نبیذ

(کھجوروں کا میٹھا پانی) پڑا ہے، یہ شخص منافق تھا، مخلص مسلمان (اس کا بھائی) جو اس کے پاس سے گزر رہا تھا، نے اس سے کہا تو یہاں ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں، اس پر بھنا ہوا گوشت کھانے والے شخص نے کہا کہ تو بھی میرے پاس آ جا کہ اب تو تم لوگ ایسے گھیرے میں آ گئے ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مخلص مسلمان نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اللہ کی قسم میں تیری بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دوں گا، یہ صاحب امام الانبیاء ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچے تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ لے کر نازل ہو چکے ہیں۔

اور صاحب معالم التنزیل نے (جلد ۳ صفحہ ۵۱۸) لکھا ہے کہ یہودیوں نے منافقوں کو کہلا بھیجا کہ تم لوگ ابوسفیان اور اس کی جماعت اور دوستوں کے ہاتھ پر کیوں اپنی جان کو تباہ کر رہے ہو، اگر اس مرتبہ انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تم پر ترس آ رہا ہے تم ہمارے بھائی ہو اور پڑوسی ہو ہمارے پاس آ جاؤ، (اس صورت میں اخوان سے برادر نسبتی نہیں بلکہ برادر وطنی مراد ہوں گے) یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مؤمنین ومخلصین کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں جنگ کرنے سے روکنے لگے اور خوف زدہ کرنے لگے کہ دیکھو اگر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے تم پر قابو پا لیا تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے، تمہیں محمد (ﷺ) سے کس خیر کی امید ہے اس کی جنگ کا تو یہ حاصل ہے کہ ہم سب یہیں مقتول ہو جائیں گے، چلو ہم اپنے یہودی بھائیوں کے پاس چلے چلیں، منافقوں کی یہ بات سن کر اہل ایمان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا اور ان میں ثواب کی امید اور زیادہ پکی ہو گئی۔

لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا (اور یہ لوگ یعنی منافقین لڑائی کے موقع پر جو حاضر ہو جاتے ہیں ان کا یہ حاضر ہونا بس ذرا سا نام کرنے کو ہے)

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ....

منافقوں کی انتہائی بزدلی کا ایک نمونہ اور مظہر: فرمایا گیا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ حملہ آور ابھی تک گئے نہیں اور وہ لشکر اگر ان پر دوبارہ حملہ کر دیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ یہ کہیں باہر جا کر کسی گاؤں میں دیہاتیوں کے بیچ میں رہیں اور وہیں سے ہو کر یہ تمہارے حالات کے بارے میں پوچھتے رہیں۔ سو یہ ان کی بزدلی کی انتہاء ہے۔ نیز یہاں سے قرآن پاک کا ایک اور معجزہ بھی سامنے آیا کہ قرآن پاک ان کے دلوں کے احوال کی خبر اس طرح دے رہا ہے اور ان کے اندر کی کیفیات کو اس صراحت و وضاحت سے بیان فرما رہا ہے جس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ اس ذات اقدس واعلیٰ کا کلام صدق نظام ہے جو کہ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہر کیف یہ منافقوں کی بزدلی کا ایک نمونہ اور مظہر ہے کہ دشمنوں کی جماعتیں تو پسپا ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس پہنچ گئیں لیکن ان لوگوں کے دلوں پر انکا خوف بدستور مسلط ہے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے نور ایمان ویقین سے محرومی کا۔ جبکہ مؤمن صادق اپنی قوت ایمانی کی بنا پر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور وہ اپنے ایمان ویقین کی بنا پر اپنے لیے ہر حالت کو بہتر ہی سمجھتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا حَسَنَةٌ اِقْتِدَاءٌ بِهٖ فِي الْقِتَالِ وَالثُّبَاتِ فِيْ

مَوَاطِنِهٖ لِمَنْ بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ يَخَافُهٗ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ بِخِلَافِ مَنْ
لَيْسَ كَذٰلِكَ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ مِنَ الْكُفَّارِ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنَ الْاِبْتِلَاءِ
وَالنَّصْرِ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فِي الْوَعْدِ وَ مَا زَادَهُمْ ذٰلِكَ اِلَّا اِيْمَانًا تَصْدِيْقًا بِوَعْدِ اللّٰهِ وَّ
تَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ لِاَمْرِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ مِنَ الثَّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ مَاتَ اَوْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ذٰلِكَ وَمَا بَدَّلُوْا
تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ فِي الْعَهْدِ وَهُمْ بِخِلَافِ حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ عَلٰى نِفَاقِهِمْ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنْ شَاءَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا لِمَنْ تَابَ
رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ بِهٖ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيِ الْاَحْزَابَ بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا مُرَادَهُمْ مِنَ الظَّفَرِ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ بِالرِّيْحِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَلٰى اِيْجَادِ مَا يُرِيْدُهٗ
عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ غَالِبًا عَلٰى اَمْرِهٖ وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَيْ قُرَيْظَةَ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ حُصُوْنِهِمْ جَمْعُ صِيْصِيَةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ الْخَوْفَ فَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ مِنْهُمْ اَيِ الذَّرَارِيَّ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ
ع اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا بَعْدُ وَهِيَ خَيْبَرُ اُخِذَتْ بَعْدَ قُرَيْظَةَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ۳ ۱۹

ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے جنگ میں آپؐ کی پیروی کرنے اور موقع جنگ میں ثابت قدم رہنے میں (عمدہ نمونہ موجود ہے) لفظ اسوۃ کے ہمزہ پر کسرہ اور ضمہ کے ساتھ (یعنی اس شخص کے لئے) یہ لکم سے بدل واقع ہے (جو اللہ اور آخرت کے دن سے ڈرتا) خوف کھاتا (ہو اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتا ہو) برخلاف اس شخص کے جو ایسا نہ ہو (او جب اہل ایمان نے) کفار کے (لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی ہے وہ جس کی ہمیں اللہ ورسول نے خبر دی تھی) یعنی آزمائش ونصرت الٰہی (اور اللہ ورسول نے وعدہ سچ فرمایا تھا) اس سے (ان کے ایمان) اللہ کا وعدہ سچا جاننے میں (اور) حکم کی (فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوئی ان اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے) انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے اور کچھ ان میں کے (اس کے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا) عہد میں انکی حالت منافقین کے برخلاف ہے (یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ دے) اور منافقین (کو اگر چاہے تو سزا دیدے) ان کو نفاق کی حالت میں موت دے کر (یا) چاہے تو (انہیں توبہ کی توفیق دیدے بیشک اللہ تعالیٰ) توبہ کرنے والے کے لئے (معاف کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے) اور (اللہ نے

کافروں) جماعتوں (کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا) مسلمانوں پر کامیابی کی تمنا پوری نہیں ہوئی (اور جنگ میں اہل ایمان کی طرف سے اللہ ہی کافی ہوگیا) ہوا اور فرشتوں کو بھیج کر (اور اللہ تعالیٰ تو) اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر (ہے ہی بڑی طاقت والا، زبردست) اپنے حکم پر غالب (اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی) یعنی بنو قریظہ نے (انہیں ان کے قلعوں سے اُتار دیا) صیاصی، صیصیۃ کی جمع ہے بمعنی محافظ، مراد قلعے ہیں (اور انکے دلوں میں تمہاری دھاک دہشت) بٹھادی (پھر کچھ لوگوں کو) ان میں سے بعض جنگجوؤں کو (تم قتل کرنے لگے اور ان میں سے بعض) یعنی عورتوں بچوں (کو تم نے گرفتار کرلیا اور تمہیں مالک بنادیا ان کی زمینوں کا ان کے گھروں کا ان کا مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تم نے قدم نہیں دیکھا ابتک) اور وہ سرزمین خیبر ہے جو جنگ قریظہ کے بعد حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز بڑی قدرت رکھتا ہے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اُسْوَةٌ :عمدہ خصلت ہے جس کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اس کی پیروی کرو۔ اُسْوَةٌ، نمونہ۔

قوله: وَمَا زَادَهُمْ :اس چیز نے صرف ان کے ایمان میں اضافہ کیا۔ زَادَ کی ضمیر لَمَّا رَاَ کی طرف ہے۔

قوله: مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ :انہوں نے اپنی نذر کو پورا کیا جیسا حمزہ، مصعب، انس بن نضر رضی اللہ عنہم۔ نحب استعارۃً موت کے لیے استعمال کیا ہے کیونکہ وہ نذر ہی کی طرح ہے۔ کل نفس ذائقة الموت۔

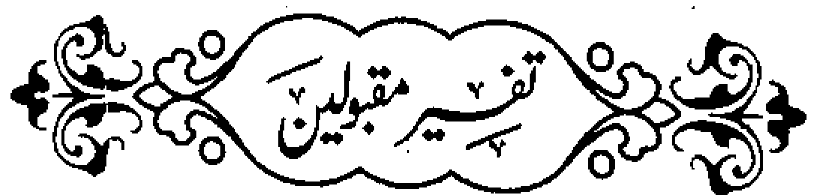
قوله: مَّنْ يَّنْتَظِرُ :یہ انتظار کرنے والے عثمان وطلحہ رضی اللہ عنہما تھے۔

قوله: لِيَجْزِيَ اللّٰهُ :یہ منطوق معرض کی تعلیق ہے۔

قوله: بِغَيْظِهِمْ :وہ غصہ سے دانت پیس رہے تھے۔

قوله: لَمْ يَنَالُوْا :یہ حال کے بعد حال ہے۔

قوله: ظَاهَرُوْهُمْ :انہوں نے احزاب کی پشت پناہی کی۔



لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ....

پیغمبر کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہدایت وتلقین:

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال افعال احوال اقتدا پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر وتحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضور ﷺ نے قائم کی۔ مثلاً راہ الٰہ کی تیاری شوق

جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ نے دکھائی یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لیے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹ پٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے کہ تم نے میرے نبی ﷺ کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول کو اپنے لیے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے؟ پھر اللہ کی فوج کے سچے مؤمنوں کو حضور ﷺ کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب ٹڈی دل لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ ان ہی کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا وعدہ غلط ہو یقیناً ہمارا سر اور اس جنگ کی فتح کا سہرا ہوگا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کے جس وعدہ کی طرف اس میں اشارہ ہے وہ آیت یہ ہو جو سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ آیت: (اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ) (العنکبوت: ۲) یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا؟ کہ بغیر اس کے کہ تمہاری آزمائش ہو تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم سے اگلے لوگوں کی آزمائش بھی ہوئی انہیں بھی دکھ درد لڑائی بھڑائی میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انہیں ہلا یا گیا کہ ایماندار اور خود رسول کی زبان سے نکل گیا کہ اللہ کی مدد کو دیر کیوں لگ گئی؟ یاد رکھو رب کی مدد بہت ہی قریب ہے یعنی یہ صرف امتحان ہے ادھر تم نے ثابت قدمی دکھائی ادھر رب کی مدد آئی۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ سچا ہے فرماتا ہے کہ ان اصحاب پر رسول ﷺ کا ایمان اپنے مخالفین کی اس قدر زبردست جمعیت دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ یہ اپنے ایمان میں اپنی تسلیم میں اور بڑھ گئے۔ یقین کامل ہو گیا فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔ اس آیت میں دلیل ہے ایمان کی زیادتی ہونے پر۔ بہ نسبت اوروں کے ان کے ایمان کے قوی ہونے پر جمہور ائمہ کرام کا بھی یہی فرمان ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی تقریر شرح بخاری کے شروع میں کردی ہے وللہ الحمد والمنة۔ پس فرماتا ہے کہ اس کی تنگی ترشی نے اس تختی اور تنگ حالی نے اس حال اور اس نقشہ نے انکا جو ایمان اللہ پر تھا اسے اور بڑھا دیا اور جو تسلیم کی خُو ان میں تھی کہ اللہ رسول کی باتیں مانا کرتے تھے اور ان پر عامل تھے اس اطاعت میں اور بڑھ گئے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ ....

منافقوں کے مقابلے میں سچے مسلمانوں کا رویہ و نمونہ:

منافقوں کے مقابلے میں سچے اہل ایمان کا رویہ و نمونہ اور ان کا ایمان افروز اعلان و بیان یہ تھا کہ انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھتے ہی کہا کہ اسی کا وعدہ فرمایا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے۔ بالکل سچا اور درست وعدہ فرمایا تھا۔ اور اس سے ان کے جذبہ تسلیم و رضا میں اور بھی اضافہ ہوا۔ یعنی یہ کہ راہ حق میں تمہاری آزمائش ضرور ہوگی مگر غلبہ بہر حال تمہارا ہی ہوگا

اور اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی تو اللہ پاک ضرور تمہاری نصرت وامداد فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت نمبر 214 اور عنکبوت آیت نمبر 322 وغیرہ مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نیز بعض روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان احزاب کی حملہ آوری سے پہلے یہ بھی فرمایا تھا کہ آئندہ چند ہی دنوں میں دشمن کی فوجیں تم پر حملہ آور ہوں گی مگر اللہ پاک ایک آندھی بھیج کر اور ان پر رعب ڈال کر ان کو بھگا دے گا۔ سو یہ سب کچھ اس وعدے کے عموم میں داخل ہے۔

بہر کیف منافقین کے مقابلے میں یہ سچے اور مخلص مسلمانوں کا تاثر اور ان کا نمونہ در دیہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے ان حملہ آور دشمنوں کو دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئی کہا کہ یہ تو وہی امتحان ہمیں پیش آ رہا ہے جس کی خبر ہمیں اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ بالکل سچا ثابت ہوا۔ پس جو لوگ اس مرحلے میں ثابت قدم رہیں گے وہ آئندہ ظہور میں آنے والے وعدوں کی صداقت بھی دیکھ لیں گے اور وقت آنے پر مسلمان قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے بھی مالک ہوں گے۔ سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔

اس واقعے سے سچے ایمانداروں اور منافقوں کا ایک ہی واقعہ پر تاثر اور ان کا ردعمل تھا جو اوپر گزرا کہ منافقوں نے مشکل اور آزمائش کے اس موقع پر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ سب فریب تھے ۔ والعیاذ باللہ ۔ اور مؤمنوں کا یہ جواب یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے دشمنوں کے لشکروں کو دیکھتے ہی کہا کہ یہی تو وہی امتحان ہے جس کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں دی تھی اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ سچ ہے کہ ۔ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ۔ سو ایک ہی واقعہ اہل ایمان کے ایمان ویقین میں اضافہ اور ترقی کا باعث بنا اور منافقوں کے نفاق اور ان کی محرومی میں اضافے کا باعث۔ سو صدق واخلاص اور ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور کفر و نفاق محرومی و ہلاکت کا ذریعہ ۔ والعیاذ باللہ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صدق واخلاص اور ایمان ویقین کی دولت سے سرشار وسرفراز رکھے اور نفاق اور کھوٹ کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے ۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا ....

اس کے بعد مؤمنین صحابہؓ کی تعریف فرمائی کہ جب انہوں نے کافروں کے گروہوں کو دیکھ لیا کہ وہ باہمی مشورے کر کے آ گئے ہیں تو انہوں نے کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (یہ وہ ہے جس کا اللہ نے اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا) یعنی اہل ایمان کی جانچ اور امتحان کا جو قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے اسی میں ایک یہ بھی امتحان وابتلاء ہے، دشمنوں کی آمد اہل ایمان کے لیے ایمان میں اضافہ کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو زیادہ بشاشت کے ساتھ تسلیم کرنے کا سبب بن گئی، سورۃ بقرہ میں امتحان کا ذکر فرمایا ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ) (الآیۃ) اور سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے: (اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ) اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے: (الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ) اور فرمایا: (وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ) ان آیات میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کا امتحان ہوگا اور مؤمنین ومنافقین الگ الگ

پہچان لیے جائیں گے۔

اس کے بعد ان مؤمنین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ایمان والے عام عہد اور اقرار کے علاوہ بھی کچھ عہد زائد کیا تھا، ان کے لیے فرمایا کہ بعض نے تو اپنی نذر پوری کردی یعنی معاہدہ کے مطابق جہاد میں شرکت کرکے شہید ہوگئے، ان کے بارے میں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ فرمایا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں کہ جب موقع ہوگا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کردیں گے۔

یہاں مفسرین کرام نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن النضر ؓ غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہ ہوا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہوگئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہوگئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اس سے برأت ظاہر کرتا ہوں، یہ کہہ کر آگے بڑھے، مشرکین کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ ؓ سے ملاقات ہوگئی اور ان سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے احد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اس کے بعد لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے جس سے چہرہ بدل گیا تھا اس لیے انگلیوں کے پوروں سے ان کی بہن نے انہیں پہچانا، شمار کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسی سے کچھ اوپر تلوار، نیزہ اور تیر کے زخم تھے ہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰۲، وذکرہ البخاری فی کتاب التفسیر من جامعہ ج ۲ ص ۷۰۵ قال انس بن مالک نُریٰ ھٰذہ الآیۃ نزلت فی انس بن نضر)

حضرت انس بن مالک ؓ نے جو فرمایا کہ یہ آیت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی جو مفسرین نے لکھے ہیں ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ ہیں، بعض روایات میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ بات پسند کرے کہ کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کردی ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے (معالم التنزیل) حضرت طلحہ بن عبید اللہ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں شہید نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کا مصداق بتایا کیونکہ انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کے تیروں سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ بچایا تھا یعنی ڈھال کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہوگیا تھا اور ان کے جسم میں ستر سے کچھ اوپر زخم آگئے تھے، اپنی طرف سے تو انہوں نے نذر پوری کر ہی دی اور شہید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی اور جنگ جمل کے موقع پر ۳۰ ہجری میں شہید ہوئے۔ صحابہ کرام کے دشمن ذرا غور تو کریں کہ انہوں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں

کی) یعنی جو حضرات ابھی زندہ ہیں اور شہادت کے منتظر ہیں اور اپنے عہد پر قائم ہیں اپنے عزم کو انہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا،
وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ....

اس سے اس نتیجہ وانجام کو بیان فرمادیا گیا جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل واعتماد کے نتیجے میں، اس جنگ، یعنی غزوہ احزاب میں ظاہر ہوا، کہ کافر لوگ جس طرح حق اور اہل حق کے خلاف دشمنی وعداوت اور بغض وعناد کے ساتھ بھرے ہوئے آئے تھے۔اسی طرح اس بغض وعناد کی آگ کے ساتھ بھرے ہوئے واپس لوٹے اس کے کچھ حصے کو بھی یہ لوگ اپنے اندر سے نہ نکال سکے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ جو بڑے بڑے منصوبے لے کر آئے تھے ان میں سے کسی میں بھی ان کو کسی بھی طرح کی کوئی کامیابی نصیب نہ ہوسکی۔اور اس لڑائی میں اللہ خود ہی مسلمانوں کو کافی ہوگیا۔ان کو کوئی لڑائی لڑنی ہی نہیں پڑی۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دشمنوں کے پاؤں اکھاڑنے کیلئے باد تند و تیز بھیج دی۔اور ان کی مدد کیلئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتار دیئے۔آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی قوت والا، انتہائی زبردست ہے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اس کیلئے نہ کچھ مشکل ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔پس جو لوگ صدق دل سے اس پر بھروسہ کریں گے اور اسی کے بھروسے پر اس کی راہ میں اٹھیں گے وہ ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیگا۔بلکہ عناصر کائنات کو ان کی مدد میں لگا دیگا۔اور ان کی مدد کیلئے وہ ملائکہ کی فوج بھیج دیگا،
وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ...

اہل کتاب کو غداری کی سزا مل گئی اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے تمام رہنے والوں کے درمیان ایک معاہدہ کروادیا جس میں خود آپ ﷺ بھی مہاجرین وانصار کے ساتھ شریک تھے اور یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو بھی شریک فرمالیا تھا۔اس معاہدے میں جو باتیں لکھی گئی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ آپس میں جنگ نہ کریں گے اور یہ کہ مدینہ منورہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو سب مل کر دفاع کریں گے،ان میں سے بنی قینقاع نے غزوہ بدر کے بعد ہی اس عہد کو توڑ دیا تھا جس کی سزا انہیں مل گئی۔ان کے بعد قبیلہ بنی نضیر نے عہد توڑا جنہیں ۴ھ میں مدینہ منورہ سے جلاوطن کردیا گیا اور وہ خیبر میں جاکر آباد ہوگئے اور وہاں بس جانے کے بعد قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جس کے نتیجے میں غزوہ احزاب پیش آیا، اب صرف قبیلہ بنوقریظہ مدینہ منورہ میں باقی رہ گیا تھا جو اپنے عہد پر قائم تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بنی نضیر کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کردیا گیا تو انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش مکہ اور بنی غطفان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ابھارا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا اور یہ عزم لے کر چلے کہ مسلمانوں کو بالکل ختم ہی کردینا ہے۔جن یہودیوں نے قریش مکہ اور بنوغطفان وغیرہم کو اس کے لیے آمادہ کیا تھا ان میں حی بن اخطب بھی تھا جو بنی نضیر کا سردار تھا، جب یہ دشمنان اسلام کی جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور خندق کے باہر پڑاؤ ڈالنا پڑا تو وہ موقع پا کر بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اسے عہد شکنی پر آمادہ کرنے

کی کوشش کی، کعب بن اسد نے اول تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور ابن اخطب کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر عہد شکنی سے انکار کردیا کہ محمد ﷺ سے میرا معاہدہ ہے میں نے ان کی طرف سے وفائے عہد اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا لہٰذا میں عہد شکنی نہیں کروں گا، لیکن ابن اخطب برابر اصرار کرتا رہا اور باتیں بناتا رہا، کعب بن اسد نے کہا کہ اچھا اگر قریش مکہ اور بنی غطفان نامراد ہو کر واپس ہو گئے اور محمد ﷺ صحیح سالم مدینہ منورہ میں رہ گئے تو تیرا اور ہمارا کیا معاملہ بنے گا؟ ابن اخطب نے کہا کہ میں تیرے ساتھ تیرے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا پھر جو تیرا حال بنے گا میں بھی اسی میں تیرا ساتھی رہوں گا، یہ بات سن کر کعب بن اسد نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے بری ہو گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیرؓ کو بھیجا کہ جاؤ تحقیق حال کرو، یہ حضرات بنو قریظہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ واقعی عہد توڑ چکے ہیں، ان حضرات نے واپس ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اصل صورت حال سے مطلع کردیا، اس کے بعد جب قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم ناکام واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمالیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم نے تو ہتھیار نہیں رکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں میں بھی ان کی طرف جا رہا ہوں میں ان کے قلعوں میں زلزلہ لاؤں گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کے پاس خبر بھیج دی کہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہیں جا کر عصر کی نماز پڑھیں، حضرات صحابہ کرامؓ روانہ ہوئے بعض نے یہ سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی کہ وقت ختم ہو رہا ہے، انہوں نے آپ کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ نماز پڑھ لی جائے تاکہ نماز قضاء نہ ہو اور بعض حضرات نے نماز قضاء کردی اور وہیں جا کر پڑھی، ان حضرات نے ظاہر حکم کو دیکھا اور اپنی طرف سے اس کا کوئی مفہوم تجویز نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ مجتہدین کرام کا اختلاف (جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں) منکر نہیں ہے، ہر مجتہد کو اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

بنی قریظہ کا قبیلہ مدینہ منورہ سے باہر تین چار میل کے فاصلے پر رہتا تھا، رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ] ان کے علاقوں میں پہنچ گئے اور وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، آپ ﷺ نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ یہ محاصرہ ان کے لیے مصیبت بن گیا ان سے کعب بن اسد نے کہا کہ دیکھو میں تم پر تین باتیں پیش کرتا ہوں جس کو چاہو قبول کرلو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرلیں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم پر یہ بات کھل چکی ہے کہ یہ واقعی نبی ہیں اور رسول ہیں اور ان کی شخصیت وہی ہے جن کا تم اپنی کتاب یعنی تورات شریف میں ذکر پاتے ہو، اگر ایسا کرلو گے تو تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے اموال سب محفوظ ہو جائیں گے، یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ کعب بن اسد نے کہا کہ اگر تم اس رائے کو قبول نہیں کرتے تو دوسری رائے یہ ہے کہ ہم سب

اپنے بیوی بچوں کو قتل کردیں اور محمد ﷺ اوران کے اصحاب کی طرف ننگی تلواریں لے کر نکل جائیں، پھر اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ ہوجائے گا اگر ہم سب ہلاک ہوگئے تو بال بچوں کی طرف سے کوئی فکر نہ رہے گی، اور اگر ہم نے غلبہ پالیا تو اور عورتیں مل جائیں گی اور اولاد بھی پیدا ہوجائے گی، یہ بات سن کر اس کی قوم کے لوگ بولے کہ ان مسکینوں کو اگر ہم قتل کردیں تو ان کے بعد زندگی کا کیا مزہ ہے؟ کعب بن اسد نے کہا تیسری صورت یہ ہے کہ آج لیلۃ السبت ہے یعنی سنیچر کی رات ہے، قلعوں سے اتر کر ہم محمد ﷺ اوران کے اصحاب پر چپکے سے حملہ کردیں، ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہمارے حملہ سے غافل ہوں کہ آج لیلۃ السبت ہے ہم ان پر حملہ نہ کریں گے، کعب بن اسد کی یہ رائے بھی ان کی قوم نے قبول نہیں کی اور کہنے لگے کہ ہم سنیچر کے دن کو کیوں خراب کریں۔

اس کے بعد بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ابولبابہ ؓ کو بھیج دیجیے، یہ انصاری صحابی تھے، ان کا قبیلہ زمانہ جاہلیت میں بنوقریظہ کا حلیف تھا، یہود بنوقریظہ نے انہیں مشورہ لینے کے لیے طلب کیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا، جب یہود کی ان پر نظر پڑی تو ان کی عورتیں اور بچے ابولبابہ کے سامنے رونے لگے، یہودیوں نے ان سے مشورہ لیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ پر قلعے سے نیچے اتر آئیں؟ حضرت ابولبابہ ؓ نے رائے تو دے دی کہ ہاں اتر آؤ اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کردیا یعنی یہ بتادیا کہ تم ذبح کردیئے جاؤ گے، اشارہ تو کردیا لیکن اسی وقت دل میں یہ بات آگئی کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے، یہ سوچا اور سیدھے مسجد نبی میں حاضر ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور کہنے لگے کہ میں اس جگہ سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت: (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) کا سبب نزول حضرت ابولبابہ ؓ ہی کا واقعہ ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے میں دیر ہوئی اور آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے اللہ سے استغفار کردیتا، اب اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا ہے تو اب میں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ چھ دن تک وہ ستون سے بندھے رہے، ہر نماز کے وقت ان کی بیوی آتی تھی اور نماز کے لیے کھول دیتی تھی، نماز سے فارغ ہوکر وہ پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی توبہ کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیت (وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) جب ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہوگیا (جو سحر کے وقت ہوا تھا) تو لوگ انہیں کھولنے کے لیے دوڑے، انہوں نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھوں سے نہیں کھلوں گا رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے تو میں کھلنا منظور کروں گا پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے باہر تشریف لائے تو ان کو کھول دیا۔

بنوقریظہ طول محاصرہ سے بلبلا اٹھے اور انہوں نے یقین کرلیا کہ اب مقابلہ کا کوئی راستہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہوگئے یعنی یہ کہلوا بھیجا کہ آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں ہمیں منظور ہے۔

جب وہ لوگ آپ کے فیصلے پر راضی ہوگئے تو قبیلہ اوس کے اشخاص آگے بڑھے (جو انصار میں سے تھے) انہوں نے

عرض کیا کہ یہ ہمارے حلیف تھے ان کا معاملہ ہمارے سپرد فرما دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ تم میں سے ایک شخص کے سپرد نہ کردوں؟ کہنے لگے کہ جی ٹھیک ہے، آپ نے فرمایا میں ان کا فیصلہ سعد بن معاذؓ کے سپرد کرتا ہوں۔ (حضرت سعد بن معاذؓ قبیلہ بنی اوس کے سردار تھے۔)

پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے مقابل اپنے صحابہؓ کے ساتھ جبل سلع کے قریب قیام پذیر تھے اور مقابلہ تقریباً ایک ماہ تک تھا اس وقت حضرت سعد بن معاذؓ کی ایک رگ میں (جسے عربی میں اکحل کہتے ہیں) ایک تیر آ کر لگا جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگئی انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ زخم جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کا انجام دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں رفیدہ نامی ایک عورت کے خیمہ میں ٹھہرا دیا تھا جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کا فیصلہ سپرد فرما دیا تو انہیں بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ان کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ اپنے سید کے لیے کھڑے ہو جاؤ (چونکہ وہ مریض تھے اور انہیں سواری سے اتارنے کی ضرورت تھی اس لیے آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کا اور ان کی مدد کرنے کا حکم فرمایا) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہود بنی قریظہ تمہارے فیصلہ پر راضی ہوگئے ہیں (راضی تو ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر، پھر جب انصار کے قبیلہ بنی اوس نے کہا کہ ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دیجیے تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذؓ کے سپرد فرما دیا، اس سے یہود بھی خوش ہوئے کیونکہ یہ ان کے حلفاء میں سے تھے اور خود ان کے اپنے قبیلہ کے لوگ بھی خوش ہوئے اور ان سے کہتے رہے کہ اپنے حلفاء کے بارے میں اچھا فیصلہ کرنا) حضرت سعد بن معاذؓ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے لائق ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے، جب انہوں نے اپنا یہ فیصلہ دے دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں، بنو قریظہ کی جماعتیں وہاں پہنچائی جاتی رہیں اور ان کی گردنیں ماری جاتی رہیں، ان مقتولین میں حیی بن اخطب بھی تھا اور کعب بن اسد بھی، جو بنو قریظہ کا سردار تھا جس نے بنو قریظہ پر تین باتیں پیش کی تھیں ان کی پیشکش پر قوم مسلمان نہ ہوئی تو اس نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ یاد رہے کہ حیی ابن اخطب وہی شخص ہے جو اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا تھا اور قریش مکہ اور بنو غطفان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اسی نے کعب بن اسد کو نقض عہد پر آمادہ کیا تھا اور آخر میں یوں کہا تھا کہ اگر ان جماعتوں کو شکست ہوئی، جو باہر سے آئی ہیں تو میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا اور جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچے گی میں بھی اس میں شریک رہوں گا، اسی عہد کی وجہ سے وہ واپس خیبر نہیں گیا جہاں بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی قریظہ کے ساتھ یہ بھی مقتول ہوا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ طاہرہ حضرت صفیہؓ کا والد بھی تھا جنہیں ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر قید کر کے لایا گیا تھا۔

بنی قریظہ میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا اور باقی جو مقتولین تھے حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق سب مرد تھے، جس عورت کو قتل کیا گیا اس نے حضرت خلاد بن سویدؓ پر چکی کا پاٹ گرا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ شہید ہوگئے تھے، بنی قریظہ میں سے حضرت عطیہ قرظی کو بھی قتل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس وقت تک بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے تھے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ جس کے زیر ناف بال نکل آئے ہوں اسے بالغ سمجھا جائے اور قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہ نکلے ہوں اسے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عطیہ قرظیؓ نے بتایا کہ میرے بال اگنے کی جگہ پر نظر ڈالی گئی تو دیکھا کہ میرے بال نہیں نکلے ہیں لہٰذا مجھے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا یہ بات انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بتائی تھی۔ بنی قریظہ کے کتنے افراد قتل کیے گئے؟ اس میں تین قول ہیں (۱) چھ سو (۲) سات سو (۳) آٹھ اور نو سو کے درمیان۔

یہود میں سے چند ایسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو نہ بنی قریظہ میں سے تھے اور نہ بنی نضیر میں سے تھے، جس رات بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اعلان کیا اسی وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے، ان کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن عبید، یہ لوگ بنی بحدل میں سے تھے۔

بنی قریظہ کے مردوں کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرما دیا اور ان کے مال اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت بنا کر مجاہدین میں تقسیم فرما دیا اور ان کے اموال سے خمس یعنی ۵/۱ نکال دیا جیسا کہ مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ ہے۔ بنی قریظہ میں سے جن بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا تھا ان میں سے بعض کو نجد کی طرف بھیج دیا، حضرت سعد بن زید انصاریؓ آپ ﷺ کے حکم سے انہیں لے گئے اور انہیں بیچ کر گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے تاکہ جہاد میں مسلمانوں کے کام آئیں۔

جب بنی قریظہ کا معاملہ ختم ہوا یعنی انہیں قتل کر دیا گیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کا زخم جاری ہو گیا اور خون بہتا رہا جو ان کی موت کا ظاہری سبب بن گیا، چونکہ یہ زخم انہیں جہاد کے موقع پر تیر لگنے کی وجہ سے آ گیا تھا اس لیے ان کی یہ موت شہادت کی موت ہوئی۔ حضرت سعدؓ کا بدن بھاری تھا جب ان کا جنازہ اٹھا کر لے جانے لگے تو ہلکا محسوس ہوا، بعض لوگوں نے کہا کہ اس شخص کا بدن تو بھاری تھا جنازہ اتنا ہلکا کیوں ہے؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا جنازہ کو اٹھانے والی تمہارے علاوہ دوسری مخلوق بھی تھی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے فرشتوں کو سعدؓ کی روح پہنچنے پر خوشی ہوئی اور ان کے لیے عرش بھی متحرک ہو گیا۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ہم سعد بن معاذؓ کی وفات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر جب انہیں دفن کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے دیر تک تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی، اس پر ہم نے بھی تکبیر پڑھی اور عرض کیا کہ آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی (میں برابر تسبیح پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل دور فرما دی) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے عرش متحرک ہوا اور آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے، قبر میں اس کو کچھ دبایا گیا پھر تکلیف دور کر دی گئی۔ (جب حضرت سعد بن معاذؓ کو زمین نے دبایا جو شہید ہو گئے تھے تو دوسرے لوگ اپنے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور گناہوں میں لت پت ہیں۔)

غزوۂ بنی قریظہ کا مفصل قصہ بیان کر دیا گیا ہے جو سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے، ان میں سے بعض چیزیں کتب حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ تفصیل کے ساتھ پورا واقعہ پڑھنے کے بعد آیت بالا کے ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ اشکال ہو کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر رکھا تھا اسے انہوں نے توڑ دیا

تھا جس کی سزا پائی لیکن ابوسفیان نے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ قریش وغیرہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا بنوقریظہ اس عہد کو توڑ چکے ہیں حالانکہ (مِنْ فَوْقِکُمْ) کی تفسیر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اوپر کی جانب سے بنی قریظہ آگئے تھے اور ان لوگوں کو حی بن اخطب نے اپنے ساتھ ملانے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوقریظہ قریش کے ساتھ تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ بنی قریظہ نے قریش مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ تو کرلیا تھا لیکن نعیم بن مسعودؓ کی ایک تدبیر سے بنوقریظہ مشرکین مکہ اور ان کے ساتھیوں کی امداد سے بھی پھر گئے تھے، ہوا یہ کہ نعیم بن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے لیکن میری قوم کو اس کا پتہ نہیں ہے آپ مجھے جو کچھ حکم فرمائیں میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ایسی صورت نکالو جس سے یہ جماعتیں ایک دوسرے کی مدد سے منحرف ہوجائیں۔ حضرت نعیم بن مسعودؓ بنی قریظہ کے پاس گئے جاہلیت میں تو ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا تھا ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے میری تمہاری کیسی دوستی ہے اور کیسے خصوصی تعلقات ہیں؟ بنوقریظہ نے جواب میں کہا کہ واقعی تم ہمارے دوست ہو ہم اس بات کو مانتے ہیں اس پر ان سے فرمایا کہ دیکھو قریش اور بنی غطفان تمہاری طرح سے نہیں ہیں تم شہر مدینہ میں رہتے ہو اس میں تمہارے اموال ہیں، بچے ہیں، عورتیں ہیں، اس شہر کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جاسکتے، رہے قریش اور بنی غطفان سو وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم ان کی مدد کررہے ہو، اب دیکھو بات یہ ہے کہ انہیں اگر موقع مل گیا تو غلبہ پالیں گے اور اگر شکست ہوگئی تو اپنے شہروں کو چلے جائیں گے، اس کے بعد تم بے یارومددگار رہ جاؤ گے، اور محمد رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم قریش مکہ سے یوں کہو کہ تم لوگ اپنے سرداروں کو بطور رہن ہمارے پاس چھوڑ دو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں گے انہیں اپنے آدمیوں کی فکر لاحق ہوگی، یہ بات سن کر بنوقریظہ نے کہا واقعی تمہاری رائے تو ٹھیک ہے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعودؓ قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہودی اس بات پر پچھتا رہے ہیں کہ انہوں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیوں کرلیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ تھا وہ توڑ دیا، اب انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجی ہے کہ آپ ہم سے اس بات پر راضی ہوجائیں کہ ہم قریش اور بنی غطفان کے سرداروں پر قبضہ کرکے آپ کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کی گردنیں مار دیں اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں کو بالکل ہی ختم کردیں گے، اور ساتھ ہی قریش اور بنی غطفان سے یہ بھی کہا کہ دیکھو اگر یہودی تم سے یہ مطالبہ کریں کہ بطور رہن ہمیں اپنے آدمی دے دو تو تم بات مت ماننا اور انہیں اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا پھر حضرت نعیم بن مسعودؓ بنی غطفان کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی کہا کہ دیکھو تمہارے سرداروں میں سے یہودی بطور رہن کچھ افراد طلب کریں گے تم اپنا ایک شخص بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

اس کے بعد ابوسفیان نے اور بنی غطفان کے چودھریوں نے بنی قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابی جہل کو قریش و غطفان کے چند افراد کے ساتھ پیغام دے کر بھیجا انہوں نے یہود سے کہا کہ دیکھو ہمارے ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا، ہمارے پاس جو اونٹ اور گھوڑے تھے وہ ہلاک ہوچکے ہیں، آؤ صبح صبح سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ کردیں اور معاملہ کو نمٹا دیں، یہودیوں نے

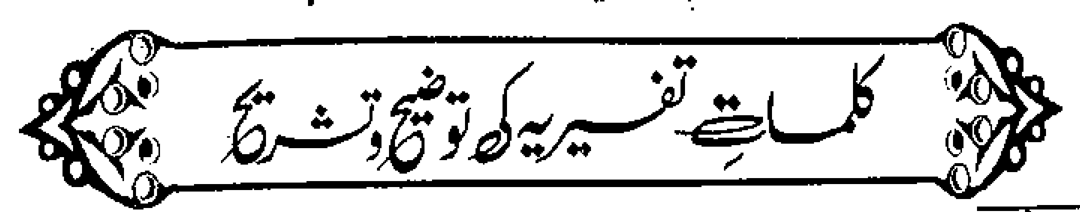
جواب میں کہا کہ ہم اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطور رہن ہمیں نہ دے دو، جب تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے تو ہمیں بھروسہ رہے گا، ہمیں ڈر ہے کہ تم لوگ لڑائی میں شکست کھا گئے تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے، جب یہ لوگ بنی قریظہ کا جواب لے کر قریش اور بنی غطفان کے پاس واپس پہنچے تو کہنے لگے کہ واقعی نعیم بن مسعودؓ نے سچ کہا تھا کہ بنوقریظہ تم سے بطور رہن آدمی طلب کریں گے، اس پر قریش اور بنی غطفان نے بنی قریظہ کو ٹکا سا جواب بھجوا دیا کہ ہم اپنا ایک شخص بھی تمہیں نہیں دیں گے، لہٰذا بنوقریظہ نے جواب دے دیا کہ ہم اس کے بغیر محمد ﷺ سے جنگ نہیں کر سکتے لہٰذا اب صورت حال یہ پیدا ہوگئی کہ بنوقریظہ نے وہ معاہدہ بھی توڑ دیا جو رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا اور قریش و بنی غطفان کی مدد سے بھی دستبردار ہوگئے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی زد سے بھی نہ بچ سکے۔ نعیم بن مسعودؓ کی یہ تدبیر ابن ہشامؒ نے لکھی ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی "البدایہ والنہایہ" میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (قوله تعالیٰ: **مِنْ صَيَاصِيهِمْ** ای من حصونهم جمع صيصية وهى كل ما يمتنع به ويقال لقرن الثور والظباء ولشوكة الديك التى فى رجله كالقرن الصغير، وتطلق الصياصى على الشوك الذى للنساجين ويتخذ من حديد) (روح المعانی)

(اللہ تعالیٰ کا قول مِنْ صَيَاصِيهِمْ یعنی ان کے قلعوں سے یہ صیصیۃ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو رکاوٹ بنے اور بیل کے سینگ، مرغ کے ناخن کو بھی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ چھوٹا سینگ ہے اور صیاصی کا لفظ لوہے کے اس کانٹے پر بھی بولا جاتا ہے جو کپڑا بننے والوں کے پاس ہوتا ہے۔)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَهُنَّ تِسْعٌ وَطَلَبْنَ مِنْهُ مِنْ زِيْنَةِ الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْدَهُ **اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ** اَىْ مُتْعَةَ الطَّلَاقِ **وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا** ﴿۲۸﴾ اُطَلِّقُكُنَّ مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ** اَىِ الْجَنَّةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ** بِاِرَادَةِ الْاٰخِرَةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۲۹﴾ اَىِ الْجَنَّةَ فَاخْتَرْنَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اَىْ بُيِّنَتْ اَوْ هِىَ بَيِّنَةٌ **يُّضٰعَفْ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ يُضَعَّفْ بِالتَّشْدِيْدِ وَفِىْ اُخْرٰى نُضَعِّفْ بِالنُّوْنِ مَعَهُ وَنَصْبِ الْعَذَابِ **لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ** ط ضِعْفَىْ عَذَابِ غَيْرِهِنَّ اَىْ مِثْلَيْهِ **وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** ﴿۳۰﴾

ترجمہ: (اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے) نو بیویاں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایسی آرائشی چیزوں کا مطالبہ کیا تھا جو آپ کے پاس نہیں تھیں (کہ اگر تم دنیاوی سجاوٹ اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر) متعہ طلاق (خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں) بغیر نقصان پہونچائے طلاق دیدوں (اور اگر اللہ اور رسول اور آخرت) جنت (کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کیلئے) جو طلب گار آخرت ہوں (اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے) یعنی چنانچہ ازواج

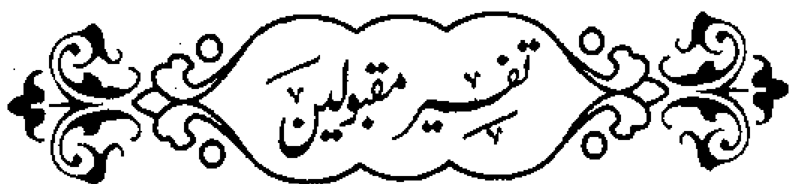
مطہرات نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی (اے نبی کی بیویو! تم میں اگر کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی) لفظ مُبَيِّنَة یا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے یعنی بینت کی تاویل میں یا بینة کی تاویل میں ہوگی (تو) ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں نضعف نون کے ساتھ اور لفظ عذاب منصوب ہے (اس کی دوہری سزا دی جائے گی) دوسری عورتوں کے مقابلہ میں دوگنی یعنی اوروں سے دو چند (اور یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے)



قوله: مِنْكُنَّ: یہ من بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں کیونکہ تمام امہات محسنات تھیں۔

قوله: بِفَاحِشَةٍ: بڑا گناہ۔

قوله: أَوْ هِيَ: یعنی مبینہ، بینہ کے معنی میں ہے۔ (واضح)



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ....

امہات المؤمنینؓ سے پرسش! دین یا دنیا؟

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کی قبولیت کا اختیار دے دیں۔ اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر مائل ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی رسول ﷺ کی رضامندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر وسہار سے میرے ساتھ زندگی گذارو۔ اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ آپ کی تمام بیویوں سے جو ہماری مائیں ہیں خوش رہے۔ سب نے اللہ کو اس کے رسول ﷺ کو اور دار آخرت کو ہی پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور پھر آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی ﷺ میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں تم جواب میں جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کرنے کا مشورہ دیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس میں ماں باپ سے مشورہ کرنے کی کونسی بات ہے۔ مجھے اللہ پسند ہے اس کے رسول ﷺ پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کیے کوئی فیصلہ نہ کر لینا پھر جب حضور ﷺ نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے، پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں

میں تشریف لے گئے ان سے پہلے ہی فرمادیتے تھے کہ عائشہؓ نے تو یہ جواب دیا ہے وہ کہتی تھیں یہی جواب ہمارا بھی ہے۔ فرماتی ہیں کہ اس اختیار کے بعد جب ہم نے آپ کو اختیار کیا تو اختیار طلاق میں شمار نہیں ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اندر تشریف فرما تھے اجازت ملی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمر بھی آ گئے اجازت چاہی لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی تھوڑی دیر میں دونوں کو یاد فرمایا گیا۔ گئے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور آپ خاموش ہیں۔ حضرت عمر نے کہا دیکھو میں اللہ کے پیغمبر کو ہنسا دیتا ہوں۔ پھر کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ کاش کہ آپ دیکھتے میری بیوی نے آج مجھ سے روپیہ پیسہ مانگا میرے پاس تھا نہیں جب زیادہ ضد کرنے لگیں تو میں نے اٹھ کر گردن ناپی۔ یہ سنتے ہی حضور ﷺ ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہاں بھی یہی قصہ ہے دیکھو یہ سب بیٹھی ہوئی مجھ سے مال طلب کر رہی ہیں؟ ابوبکر حضرت عائشہ کی طرف لپکے اور عمر حضرت حفصہ کی طرف اور فرمانے لگے افسوس تم رسول اللہ ﷺ سے وہ مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔ وہ تو کہیے خیر گذری جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک لیا ورنہ عجب نہیں دونوں بزرگ اپنی اپنی صاحبزادیوں کو مارتے۔ اب تو سب بیویاں کہنے لگیں کہ اچھا قصور ہوا اب سے ہم حضور ﷺ کو ہرگز اس طرح تنگ نہ کریں گی۔ اب یہ آیتیں اتریں اور دنیا اور آخرت کی پسندیدگی میں اختیار دیا گیا۔ سب سے پہلے آپ حضرت صدیقہ کے پاس گئے انہوں نے آخرت کو پسند کیا جیسے کہ تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ یارسول اللہ آپ اپنی کسی بیوی سے یہ نہ فرمائیے گا کہ میں نے آپ کو اختیار کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے چھپانے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں مجھ سے تو جو دریافت کرے گی میں صاف صاف بتادوں گا۔ حضرت علی کا فرمان ہے کہ طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا تھا بلکہ دنیا یا آخرت کی ترجیح کا اختیار دیا تھا لیکن اس کی سند میں بھی انقطاع ہے اور یہ آیت کے ظاہری لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آیت کے آخر میں صاف موجود ہے کہ آؤ میں تمہارے حقوق ادا کردوں اور تمہیں رہائی دے دوں اس میں علماء کرام کا گو اختلاف ہے کہ اگر آپ طلاق دے دیں تو پھر کسی کو ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے وہ نتیجہ ملے یعنی دنیا طلبی اور دنیا کی زینت و رونق وہ انہیں حاصل ہو سکے واللہ اعلم۔ جب یہ آیت اتری اور جب اس کا حکم حضور ﷺ نے ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن کو سنایا اس وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔ پانچ تو قریش سے تعلق رکھتی تھیں عائشہ، حفصہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حی قبیلہ نضر سے تھیں، میمونہ بنت حارث ہلالیہ تھیں، زینب بنت جحش اسدیہ تھیں اور جویریہ بنت حارث جو مصطلقیہ تھیں رضی اللہ عنہن وارضاھن اجمعین۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ ....

دوہرے عذاب وثواب کا استحقاق

تخییر کا مضمون بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الآیۃ) (اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو عورت واضح طور پر کسی معصیت کا ارتکاب کرے گی تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے

آسان ہے) ''واضح طور پر معصیت'' یہ لفظ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کا ترجمہ ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اس کا ترجمہ کھلی ہوئی بیہودگی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں۔ صاحب المعالم التنزیل نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہی مطلب نقل کیا ہے، (فقال المراد بالفاحشة النشور وسوء الخلق) صاحب روح المعانی نے بھی بعض حضرات سے یہی تفسیر نقل کی ہے، (فقال وقیل: ذلک طلبهن ما یشق علیه علیه الصلوٰة والسلام او مایضیق به ذرعه ویغتم ﷺ لا جله) (یعنی بِفَاحِشَةٍ سے یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزیں طلب کی جائیں جس سے آپ تنگ دل ہوں اور آپ کو گھٹن محسوس ہو۔ اور بعض حضرات نے بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کا ترجمہ (مَعْصِيَةٍ ظَاهِرَةٍ) کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ علی السبیل الفرض ہے کمافی قولہ تعالیٰ: (لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ)

یہ دوہرا عذاب دیئے جانے کی وعید اس لیے ہے کہ جن کے مرتبہ بلند ہوتے ہیں ان کا مواخذہ زیادہ ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بعض ان چیزوں پر عتاب ہوا جن پر دوسرے مؤمنین پر عتاب نہیں ہوتا۔ ایک جاہل شخص ایک عمل کرے اور کوئی عالم شخص اس عمل کو کرے تو اس عالم کا مواخذہ جاہل کے مواخذہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؒ سے کہہ دیا کہ آپ تو اہل بیت کے فرد ہیں جو بخشے بخشائے ہیں، اس پر وہ غصہ ہونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ہم اپنے کو اسی کا مستحق سمجھتے ہیں ہم میں سے جو محسن ہیں ان کے لیے دوہرے اجر کی امید رکھتے ہیں اور ہم میں سے جو شخص کوئی گناہ کرے اس کے لیے دوہرے عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں، اس کے بعد انہوں نے آیت کریمہ: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ اور اس کے بعد والی آیت وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ تلاوت فرمائی۔ (روح المعانی جلد ۲۱: ص ۱۸۴)

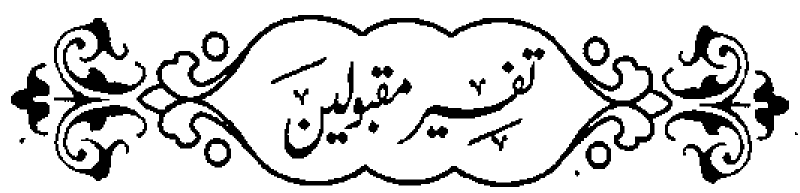
وَمَنْ يَّقْنُتْ يطِعْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ اَیْ مِثْلَیْ ثَوَابِ غَيْرِهِنَّ
مِنْ نِسَاءٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فِیْ تَعْمَلْ وَنُؤْتِهَا وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ فِی الْجَنَّةِ زِيَادَةً يٰنِسَآءَ
النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ كَجَمَاعَةٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ اللّٰهَ فَاِنْ كُنَّ اَعْظَمُ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ
لِلرِّجَالِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ نِفَاقٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ مِنْ غَيْرِ خُضُوْعٍ وَقَرْنَ بِكَسْرِ
الْقَافِ وَفَتْحِهَا فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنَ الْقَرَارِ وَاَصْلُهٗ قَرِرْنَ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا مِنْ اقْرَرْنَ بِفَتْحِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا
نُقِلَتْ حَرَكَةُ الرَّاءِ اِلَی الْقَافِ وَحُذِفَتْ مَعَ هَمْزَةِ الْوَصْلِ وَلَا تَبَرَّجْنَ بِتَرْكِ اِحْدَی التَّائَيْنِ مِنْ اَصْلِهٖ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی اَیْ مَا قَبْلَ الْاِسْلَامِ مِنْ اِظْهَارِ النِّسَاءِ مَحَاسِنَهُنَّ لِلرِّجَالِ وَالْاِظْهَارُ بَعْدَ
الْاِسْلَامِ مَذْكُوْرٌ فِیْ اٰيَةٍ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الْاِثْمَ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَیْ نِسَاءَ النَّبِیِّ وَيُطَهِّرَكُمْ مِنْهُ
تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ السنة اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا
بِاَوْلِيَائِهٖ خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ بِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی اللہ اور اس کے رسولوں کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کریگی تو ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے دوسری عورتوں کی بہ نسبت دوہرا اجر۔ اور ایک قراءت میں تَعْمَلْ وَنُؤْتِهَا میں یا تحتانیہ کے ساتھ ہے اور ہم نے اس کے لیے جنت میں مزید براں بہترین روزی تیار رکھی ہے اور اے نبی کی بیویو! تم عورتوں کی طرح معمولی نہیں ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ تم بڑے درجوں والی ہو، تم مردوں سے گفتگو میں نرم لہجہ مت اختیار کرو، کہ جس کے دل میں مرض نفاق ہو وہ طمع کرنے لگے اور تم نرمی اور نزاکت کے بغیر قاعدہ کے مطابق کلام کرو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ قرن میں کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، قرار سے مشتق ہے اسکی اصل اقررن ہے راء کے فتحہ اور کسرہ سے مشتق ہے راء کی حرکت کاف کی طرف منتقل ہوگئی اور مع ہمزہ وصل حذف ہوگئی اور قدیم زمانہ جہالت کے دستور کے مطابق تم اپنی زینت کا اظہار مت کرو یعنی اسلام کی آمد سے پہلے عورتوں کو مردوں کے لیے اظہار محاسن کے مانند اور زمانہ اسلام کے بعد کا اظہار اور وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں مذکور ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور روزہ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتی رہو، اے اہل بیت یعنی نبی کی بیویو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے گناہ کی آلودگی دور کرے اور تم کو خوب پاک صاف رکھے اور تم ان فرمان قرآنی اور حکمت سنت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں تذکرہ رہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ

اپنے اولیاء پر لطف کرنے والا اور اپنی تمام مخلوق سے باخبر ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: تَعْمَلْ: یہ لفظ کی وجہ سے صیغہ اس طرح لایا گیا۔
قوله: نُؤْتِهَا: اس میں ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف راجع ہے۔
قوله: كَجَمَاعَةٍ: احد کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا کہ احد میں نفی عام ہے، جس میں ایک اور زیادہ اور مذکر و مؤنث سب برابر ہیں۔
قوله: فَلَا تَخْضَعْنَ: یعنی تم نرم جواب مت دو جیسے مشکوک عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔
قوله: مَرَضٌ: فجور و شہوت کا مرض۔
قوله: قَرْنَ: وقر یقر وقار سے ہے یا قرّ یقرّ سے۔
قوله: وَلَا تَبَرَّجْنَ: ناز و انداز سے مت چلو۔
قوله: مَا قَبْلَ الْإِسْلَامِ: یعنی جاہلیت کفر اور دوسری جاہلیت مسلمان ہو کر فسق و فجور اختیار کرلے۔
قوله: يَا أَهْلَ الْبَيْتِ: یہ مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ ندا کی وجہ سے منصوب ہے۔



وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ....

ان آیات کریمات سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ اتمام حجت کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اعمال کا صلہ و بدلہ ان حالات کے اعتبار سے ملے گا جن میں ان کو انجام دیا گیا ہوگا۔ ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت اور ان کی رفاقت و معیت کا جو شرف حاصل تھا وہ بلاشبہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شرف واعزاز تھا، اور رسول اتمام حجت کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اس لیے جہاں ازواج مطہرات کا شرف ومرتبہ سب سے بڑا اور بلند تھا وہاں ان کی مسؤلیت اور ذمہ داری بھی سب سے بڑی تھی، اور اسی اعتبار سے ان کے مواخذے کی شدت بھی دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگئی اور رسول کی رفاقت کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کرنا، اور اس عظیم الشان رشتہ وتعلق کو پوری طرح نبھانا، کوئی سہل اور آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے اس کا صلہ و بدلہ اور اجر و ثواب بھی دوگنا رکھا گیا۔ اعمال کے صلہ و بدلہ اور جرموں پر گرفت و مواخذہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اسکا دستور یہی رہا ہے اور یہ عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور مبنی بر عدل و حکمت ہے، اس لیے یہاں پر پیغمبر کے ذریعے اور آپ ﷺ کے واسطے سے ازواج

مطہرات کو کہلوایا گیا کہ اگر بالفرض ان سے کوئی جرم وقصور صادر و سرزد ہو گیا، تو ان کو دوسروں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور اسکے برعکس جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور نیک عمل کرتی رہیں گی۔ انکو اجر وثواب بھی دوہرا اور دوگنا دیا جائے گا۔ اور ان کو رزق کریم سے بھی نوازا جائے گا۔ رزق کے بارے میں حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد دراصل اس کا فضل وکرم اور انعام واحسان ہوتا ہے، اور اس کی صفت کریم لاکر اس فضل وکرم اور انعام واحسان کا درجہ ومرتبہ اور بلند کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ فضل و کرم بطور صدقہ وخیرات نہیں ملے گا۔ بلکہ یہ اس واہب مطلق جَلَّ جَلَالُہ، کی طرف سے بطور حق اور ہمیشہ کیلئے ملے گا اور ان کو یہ کسی قید وشرط کے بغیر اور بدوں کسی اندیشہ حساب ومواخذہ کے ملے گا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس کی شان کرم کے، جس سے حضرت حق جَلَّ مَجْدُہ، کی طرف سے اسکے بندوں کو نوازا جاتا ہے، سواس واہب مطلق جل وعلا کی طرف سے نوازنا ہی نوازنا ہے، اور ہمیشہ اور ہر طرح سے نوازنا، پس بندے کی طرف سے اپنے اس خالق ومالک کے ساتھ تعلق ورابطہ صحیح ہونا چاہیئے، کہ اس پر ایمان ویقین بھی پکا سچا ہو، اس پر بھروسہ واعتماد بھی کامل ہو، اور وہ دل وجان سے رجوع بھی ہمیشہ اسی کی طرف رہے، اور مدد بھی اسی سے مانگے، اسی کی یاد دلشاد سے سرشار رہے، اور سب کچھ اسی سے ہونے کا یقین رکھے، کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے،

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ...

ازواج مطہرات رض کو خاص ہدایات:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ، سابقہ آیات میں ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ سے ایسے مطالبات کرنے سے روکا گیا ہے جن کا پورا کرنا آپ کے لیے دشوار ہو یا جو آپ کی شان کے مناسب نہ ہوں۔ اور جب انہوں نے اس کو اختیار کر لیا تو ان کا درجہ عام عورتوں سے بڑھا دیا گیا کہ ان کے ایک عمل کو دو کے قائم مقام بنا دیا۔ آگے ان کو اصلاح عمل اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت وزوجیت کے مناسب بنانے کے لیے چند ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ سب ہدایات اگرچہ ازواج مطہرات کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام ہی مسلمان عورتیں ان کی مامور ہیں، مگر یہاں ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب کر کے اس پر متوجہ کیا ہے کہ یہ اعمال واحکام جو سب مسلمان عورتوں کے لیے لازم وواجب ہیں آپ کو ان کا اہتمام دوسروں سے زیادہ کرنا چاہئے اور: لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ سے یہی خصوصیت مراد ہے۔

کیا ازواج مطہرات رض سارے عالم کی عورتوں سے افضل ہیں؟

آیت کے ان الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔ مگر قرآن کریم کی آیت حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ ہے: ان اللہ اصطفك وطهرك واصطفك على نساء العلمين، اس سے حضرت مریم کا سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ترمذی میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافی ہیں تم کو ساری عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (ام المؤمنین) اور

فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون۔ اس حدیث میں حضرت مریم کے ساتھ اور تین عورتوں کو نساء عالمین سے افضل فرمایا ہے۔

اس لیے اس آیت میں جو ازواج مطہرات کی افضلیت اور فوقیت بیان کی گئی ہے، وہ ایک خاص حیثیت یعنی ازواج النبی اور نساء النبی ہونے کی ہے، جس میں تمام عالم کی عورتوں سے بلاشبہ افضل ہیں۔ اس سے عام فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جو دوسری نصوص کے خلاف ہو۔ (مظہری)

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے بعد اِنِ اتَّقَيْتُنَّ یہ شرط اس فضیلت کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نساء نبی ہونے کی وجہ سے بخشی ہے۔ مقصود اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ فقط اس نسبت و تعلق پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہم ازواج رسول ہیں، بلکہ تقویٰ اور اطاعت احکام آلہیہ پر فضیلت کی شرط ہے۔ (قرطبی ومظہری)

اس کے بعد چند ہدایات ازواج مطہرات کو دی گئیں۔

پہلی ہدایت عورتوں کے پردہ سے متعلق آواز اور کلام پر پابندی ہے۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یعنی کسی غیر محرم سے پس پردہ بات کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو کلام میں اس نزاکت اور لطافت کے لہجہ سے بتکلف پرہیز کیا جائے جو فطرتاً عورتوں کی آواز میں ہوتی ہے۔ مطلب اس نرمی اور نزاکت سے وہ نرمی ہے جو مخاطب کے دل میں میلان پیدا کرے جیسا کہ اس کے بعد فرمایا ہے: فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ، یعنی ایسی نرم گفتگو نہ کرو جس سے ایسے آدمی کو طمع اور میلان پیدا ہونے لگے جس کے دل میں مرض ہو، مرض سے مراد نفاق ہے یا اس کا کوئی شعبہ ہو۔ اصلی منافق سے تو ایسی طمع سرزد ہونا ظاہر ہی ہے، لیکن جو آدمی مؤمن مخلص ہونے کے باوجود کسی حرام کی طرف مائل ہوتا ہے وہ منافق نہ سہی مگر ضعیف الایمان ضرور ہی ہے۔ اور یہ ضعف ایمان جو حرام کی طرف مائل کرتا ہے درحقیقت ایک شعبہ نفاق ہی کا ہے۔ ایمان خالص جس میں شائبہ نفاق کا نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے کوئی حرام کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ (مظہری)

خلاصہ اس پہلی ہدایت کا عورتوں کے لیے اجنبی مردوں سے اجتناب اور پردہ کا وہ اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ جس سے کسی اجنبی ضعیف الایمان کے دل میں کوئی طمع یا میلان پیدا ہو سکے اس کے پاس بھی نہ جائیں۔ پردۂ نسواں کی مفصل بحث اسی سورۃ میں آگے آنے والی آیات کے تحت میں بیان ہوگی۔ یہاں ازواج مطہرات کے لیے خصوصی ہدایات کے ضمن میں جو کچھ آیا ہے صرف اس کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ کلام کے متعلق جو ہدایت دی گئی ہے اس کو سننے کے بعد بعض امہات المؤمنین ؓ اس آیت کے نزول کے بعد اگر غیر مرد سے کلام کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے۔ اس لیے حضرت عمرو بن عاص کی ایک حدیث میں ہے: ((ان النبی ﷺ نھی ان تکلم النساء الا باذن ازواجھن))

(رواہ الطبرانی بسند حسن مظہری)

مسئلہ: اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا تو ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگا دی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں۔ امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی

پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں جس سے امام متنبہ ہو جائے زبان سے کچھ نہ کہیں۔

دوسری ہدایت:

مکمل پردہ کرنے کی ہے: وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى "یعنی بیٹھواپنے گھروں میں اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو" یہاں جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کے بعد دوسری بھی کوئی جاہلیت آنے والی ہے، جس میں اس طرح کی بے حیائی و بے پردگی پھیل جائے گی، وہ شاید اس زمانہ کی جاہلیت ہے، جس کا اب مشاہدہ ہر جگہ ہو رہا ہے۔

اس آیت میں پردہ کے متعلق اصلی حکم یہی ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں (یعنی بلا ضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں) اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی عورتیں علانیہ بے پردہ پھرتی تھیں ایسے نہ پھرو۔ لفظ تبرج کے اصلی معنی ظہور کے ہیں اور اس جگہ مراد اس سے اپنی زینت کا اظہار ہے غیر مردوں پر، جیسا کہ دوسری آیت میں غیر متبرجت بزینۃ آیا ہے۔

عورتوں کے پردہ کی پوری بحث اور مفصل احکام آگے اسی سورت میں آئیں گے۔ یہاں صرف آیت مذکورہ کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ اس آیت سے پردہ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ اصل مطلوب عند اللہ عورتوں کے لیے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لیے ہوئی ہے ان میں مشغول رہیں، اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ حجاب بالبیوت ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر بضرورت کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ نہ نکلے، بلکہ برقع یا جلباب جس میں پورا بدن ڈھک جائے وہ پہن کر نکلے۔ (تفسیر معارف القرآن، مفتی شفیع)

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ....

قرار بیوت سے مواقع ضرورت مستثنیٰ نہیں:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ میں عورتوں پر قرار فی البیوت واجب کیا گیا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ مگر اول تو خود اسی آیت وَ لَا تَبَرَّجْنَ سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ مطلقاً خروج بضرورت ممنوع نہیں بلکہ وہ خروج ممنوع ہے جس میں زینت کا اظہار ہو۔ دوسرے سورۃ احزاب کی آیت جو آگے آ رہی ہے، اس میں خود: یدنین علیهن من جلابیبهن کا حکم یہ بتلا رہا ہے کہ کسی درجہ میں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت بھی ہے بشرطیکہ برقع وغیرہ کے پردہ کے ساتھ نکلیں۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ نے مواضع ضرورت کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا ایک حدیث میں واضح فرمادیا۔ جس میں ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا: ((قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن)) رواہ مسلم، یعنی تمہارے لیے اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت کے لیے گھر سے نکلو، پھر رسول اللہ ﷺ کا عمل آیت حجاب نازل ہونے کے بعد اس پر شاہد

ہے کہ ضرورت کے مواقع میں عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حج وعمرہ کے لیے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات کا جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح بہت سے غزوات میں ساتھ جانا ثابت ہے۔ اور بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ازواج مطہرات اپنے والدین وغیرہ سے ملاقات کے لیے اپنے گھروں سے نکلتی تھیں اور عزیزوں کی بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ میں شرکت کرتی تھیں اور عہد نبوی میں ان کو مساجد میں جانے کی بھی اجازت تھی۔

اور صرف یہی نہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ یا آپ کے زمانے ہی میں ایسا ہوا ہو، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی حضرت سودہ اور زینب بنت جحش وغیرہ کے علاوہ سب ازواج مطہرات کا حج وعمرہ کے لیے جانا ثابت ہے۔ جس پر صحابہ کرام میں سے کسی نے نکیر نہیں کیا بلکہ فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کو خود اپنے اہتمام سے حج کے لیے بھیجا۔ اور حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمن بن عوف کو ان کے ساتھ نگرانی وانتظام کے لیے بھیجا۔ اور ام المؤمنین حضرت سودہ اور حضرت زینب بنت جحش کا بعد وفات نبی کریم ﷺ حج وعمرہ کے لیے نہ جانا اس آیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک حدیث کی بنا پر تھا۔ وہ یہ کہ حجۃ الوداع میں جب ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ساتھ حج کرا دیا تو واپسی کے وقت فرمایا: هذه ثم لزوم الحصر، ہٰذہ کا اشارہ اس حج کی طرف ہے اور حصر حصیر کی جمع ہے، جس کے معنی بوریا کے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ تمہارا نکلنا صرف اس کے لیے ہو چکا اس کے بعد اپنے گھروں کے بوریوں کو لازم پکڑو، ان سے نہ نکلو۔ حضرت سودہ بنت زمعہ اور زینب بنت جحش نے اس حدیث کا یہ مفہوم قرار دیا کہ تمہارا خروج صرف اسی حجۃ الوداع کے لیے جائز تھا، آگے جائز نہیں۔ باقی اور ازواج مطہرات جن میں صدیقہ عائشہ جیسی فقیہہ بھی داخل تھیں سب نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا کہ جس طرح کا یہ سفر تھا کہ ایک شرعی عبادت کی ادائیگی کے لیے ہو بس اسی طرح کا خروج جائز ہے، ورنہ اپنے گھروں میں رہنا لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے مفہوم سے باشارات قرآن اور بعمل نبی کریم ﷺ اور باجماع صحابہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں، جن میں عبادات حج وعمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریات طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عیادت وغیرہ بھی۔ اسی طرح اگر کسی کے نفقہ اور ضروریات زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردہ کے ساتھ محنت مزدوری کے لیے نکلنا بھی، البتہ مواقع ضرورت میں خروج کے لیے شرط یہ ہے کہ اظہار زینت کے ساتھ نہ نکلیں، بلکہ برقع یا جلباب (بڑی چادر) کے ساتھ نکلیں۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ کا سفر بصرہ اور جنگ جمل کے واقعہ پر روافض کے ہفوات:

اوپر یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ آیت مذکورہ میں وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کا مفہوم خود قرآنی اشارات بلکہ تصریحات میں نیز نبی کریم ﷺ کے عمل سے اور آپ کے بعد صحابہ کرام کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں جن میں حج وعمرہ وغیرہ دینی ضروریات شامل ہیں۔ صدیقہ عائشہ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہؓ یہ سب حج کے لیے تشریف لے گئیں تھیں۔ وہاں حضرت عثمان غنی کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں اور

مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کیے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلان عثمان ان کے بھی قتل کے درپے تھے۔ یہ حضرات اہل بغاوت کے ساتھ شریک نہ تھے، بلکہ ان کو ایسے فعل سے روکتے تھے۔ حضرت عثمان غنی کے قتل کے بعد وہ ان کے بھی درپے تھے، اس لیے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کیا۔ حضرت صدیقہ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے گرد جمع ہیں اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، جب تک امیر المؤمنین انتظام پر قابو نہ پالیں اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المؤمنین کے گرد سے متفرق ہو جائیں اور امیر المؤمنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا۔ کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے۔ ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو ام المؤمنین سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلان عثمان اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علی کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ "حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا۔ اس پر حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں، اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں، ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت صدیقہ کو ایک طرف حضرت علی کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المؤمنین علی کی طرف سے مجبوری دیکھی جا رہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمان، امیر المؤمنین کی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ جو لوگ حضرت امیر المؤمنین کی مجبوری سے واقف نہ تھے، ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہو رہی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے۔ اس لیے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المؤمنین کو قوت پہنچا کر نظم مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ و شکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کر لیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ ان کے ساتھ تھے۔ اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المؤمنین نے حضرت قعقاع کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المؤمنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کے لیے اگر ام المؤمنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرما لیا تو اس کو جو شیعہ

اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المؤمنین نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کر دی اس کا خیال بھی صدیقہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اس آیت کی تفسیر کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ آگے واقعہ جنگ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لیے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت وتجربہ غافل نہیں ہو سکتا۔ یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لیے بصرہ جا رہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں۔ حضرت حسن وحسین وعبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس؄ جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہو جائے، مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ وبغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے۔

جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاع کو ام المؤمنین کے پاس دریافت حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا؟ تو صدیقہ نے فرمایا: ای بنی الاصلاح بین الناس، "یعنی میرے پیارے بیٹے! میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں" پھر حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی قعقاع کی مجلس میں بلا لیا۔ قعقاع نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ قاتلان عثمان پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے۔ حضرت قعقاع نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے، اس لیے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا۔ حضرت قعقاع نے جا کر امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہو گئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کر لیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المؤمنین کی ملاقات حضرت طلحہ وزبیر کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل وغارت گری شروع کردو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علی کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المؤمنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ

رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی)

غرض مفسدین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا اور جب فتنہ فرد ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے۔ حضرت صدیقہ عائشہ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا۔ فتنہ فرد ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتی وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابن المنذر وابن ابی شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لیے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا، اس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے)

ازواج مطہرات کو قرآن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں ہدایت:

وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ "یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" دو ہدایتیں تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہیں، یعنی غیر مردوں سے کلام میں نرمی و نزاکت سے اجتناب اور گھروں سے بلا ضرورت نہ نکلنا۔ تین ہدایتیں اس میں آ گئیں۔ یہ کل پانچ ہدایات ہیں جو عورتوں کے لیے مہمات دین میں سے ہیں۔

یہ پانچوں ہدایات سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں:

مذکورہ ہدایات میں آخری ہدایات میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہوں، نماز، زکوٰۃ اور اللہ و رسول کی اطاعت سے کون سا مسلمان مرد و عورت مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ باقی پہلی دو ہدایتیں جو عورتوں کے پردہ سے متعلق ہیں ذرا غور کرنے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لیے یہی حکم ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ ان ہدایات کے ذکر سے پہلے قرآن نے یہ فرمایا ہے: لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ یعنی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں اگر وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اس سے بظاہر تخصیص معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ تخصیص احکام کی نہیں بلکہ ان پر عمل کے اہتمام کی ہے۔ یعنی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں، بلکہ ان کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے، اس لیے جو احکام تمام مسلمان عورتوں پر فرض ہیں ان کا اہتمام ان کو سب سے زیادہ کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۝ آیات سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگر چہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری امت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لیے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں۔ اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہل بیت رسول کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

لفظ رجس قرآن میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ رجس بتوں کے معنی میں آیا ہے: فاجتنبوا الرجس من الاوثان اور کبھی لفظ رجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابل نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے۔ اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

آیت میں اہل بیت سے کیا مراد ہے؟

اوپر کی آیات میں نساء النبی ﷺ کو خطاب تھا، اس لیے بصیغہ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل البیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں، اس لیے بصیغہ مذکر فرمایا: عنکم، يُطَهِّرَكُمْ اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا۔ اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر) اور سابقہ آیات میں يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیر نے اس جگہ نقل کیا ہے اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت فاطمہ اور علی اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ جیسے صحیح مسلم کی حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اس وقت آپ ایک سیاہ رُومی چادر اوڑھے ہوئے تھے، حسن بن علی آ گئے تو ان کو اس چادر میں لے لیا، پھر حسین آ گئے، ان کو بھی اسی چادر کے اندر داخل فرما لیا، اس کے بعد حضرت فاطمہ پھر حضرت علی مرتضیٰ آ گئے، ان کو بھی چادر میں داخل فرما لیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۝ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آیت پڑھنے کے بعد فرمایا: اللھم ھو لاء اھل بیتی۔ (رواہ ابن جریر)

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر

سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہی مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں، اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں۔ اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسینؓ بھی ارشاد نبویؐ کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ کے عنوان سے خطاب اور ان کے لیے صیغے مونث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ سابقہ آیات میں: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے آخر تک سب صیغے مونث کے استعمال ہوئے ہیں اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے۔ اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عَنْكُمُ اور يُطَهِّرَكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ: لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کردے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، جو تکوینی تطہیر کا خاصہ ہے۔ اہل تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہل بیت کا صرف اولاد وعصبات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوسری آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا۔ اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۃ احزاب میں لکھی ہے، اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کردیا ہے، اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنت رسول ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے حکمت کی تفسیر اس جگہ سنت کی ہے۔ اور لفظ اذْكُرْنَ کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جس کا نتیجہ ان پر عمل کرنا ہے، دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن ان کے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہوا یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

فائدہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ امت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیات قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ وتعلیم امت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول ﷺ کی تبلیغ وتعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت معاذ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لیے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لیکن جب ان کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنادی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لیے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ صحیح بخاری میں ان کے الفاظ یہ ہیں: فاخبربه معاذ عند مرته تاثما "یعنی حضرت معاذ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لیے سنادی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیث رسول امت کو نہیں پہنچائی"۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل سب صحابہ کرام واجب وضروری سمجھتے تھے اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات کا نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات کا نکالنا ہے۔ واللہ اعلم

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ....

آخر میں فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ آیات اللہ سے قرآن حکیم اور حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنتیں مراد ہیں، جیسا کہ مفسرین نے تفسیر کی ہے، اور واذکرن کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جن پر عمل کرنا ہے، دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن ان کے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہوا یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

جس طرح قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس لازم ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی تحدیث اور تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے مجمل احکام کی رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے تشریح اور توضیح ہوتی ہے۔ اگر احادیث شریفہ کو سامنے نہ رکھا جائے تو پانچوں نمازوں کے اوقات اور زکوتوں کی مقادیر اور نصاب معلوم نہیں ہو سکتے اور حدیث نبوی پر عمل کیے بغیر قرآن کریم پر عمل نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی کثرت میں جہاں دوسری حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضرت ازواج مطہرات وارضاھن رضی اللہ عنھن کے ذریعہ ان احکام شرعیہ کی تبلیغ ہوئی جو گھر میں رہتے ہوئے صادر ہوتے تھے اور خاص کر وہ احکام جن کا تعلق ازدواجی امور سے تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ مہربان ہے تمہیں یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی زوجیت کا شرف اور ان گھروں میں تمہیں قیام نصیب فرمایا جن میں اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی ہے تم جو خیر کے کام کرو گی اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور وہ اجر وثواب سے نوازے گا۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ الْمُطِيعَاتِ وَالصّٰدِقِينَ
وَالصّٰدِقٰتِ فِي الْإِيمَانِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْخٰشِعِينَ الْمُتَوَاضِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ
الْمُتَوَاضِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِينَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ
عَنِ الْحَرَامِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً لِلْمَعَاصِي وَّأَجْرًا عَظِيمًا ۝
عَلَى الطَّاعَاتِ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ الْإِخْتِيَارُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط خِلَافَ أَمْرِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ وَأُخْتِهٖ
زَيْنَبَ خَطَبَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنَى لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فَكَرِهَا ذٰلِكَ حِيْنَ عَلِمَاهُ لِظَنِّهِمَا قَبْلُ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا لِنَفْسِهٖ ثُمَّ رَضِيَا لِلْآيَةِ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا
مُّبِينًا ۝ بَيِّنًا فَزَوَّجَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ ثُمَّ وَقَعَ بَصَرُهٗ عَلَيْهَا بَعْدَ حِيْنٍ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهٖ
حُبُّهَا وَفِي نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهَتُهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ فِرَاقَهَا فَقَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَإِذْ مَنْصُوبٌ بِاذْكُرْ تَقُولُ لِلَّذِيْٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِالْإِسْلَامِ وَأَنْعَمْتَ
عَلَيْهِ بِالْإِعْتَاقِ وَهُوَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ كَانَ مِنْ سَبْيِ الْجَاهِلِيَّةِ اِشْتَرَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَبْلَ الْبِعْثَةِ وَاعْتَقَهٗ وَتَبَنَّاهُ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ فِي أَمْرِ طَلَاقِهَا وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ
مُبْدِيهِ مُظْهِرُهٗ مِنْ مُحَبَّتِهَا وَأَنْ لَّوْ فَارَقَهَا زَيْدٌ تَزَوَّجْتُهَا وَتَخْشَى النَّاسَ ج أَنْ يَّقُولُوا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ
زَوْجَةَ ابْنِهٖ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ ط فِي كُلِّ شَيْءٍ وَتَزَوَّجُكَهَا وَلَا عَلَيْكَ مِنْ قَوْلِ النَّاسِ ثُمَّ طَلَّقَهَا زَيْدٌ
وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ ط حَاجَةً زَوَّجْنٰكَهَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَأَشْبَعَ الْمُسْلِمِينَ خُبْزًا وَلَحْمًا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ
أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَقْضِيُّهٗ مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ
فِيمَا فَرَضَ أَحَلَّ اللّٰهُ لَهٗ ط سُنَّةَ اللّٰهِ أَيْ كَسُنَّةِ اللّٰهِ فَنُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط

متلبسین بالیمین وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ فعله قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۝ۙ
من الانبیاء ان لا حرج علیهم فی ذلك توسعة لهم فی النكاح
الَّذِيْنَ نعت للذین قبله يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ فلا
یخشون مقالة الناس فیما احل الله لهم وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ حافظا لاعمال خلقه ومحاسبهم مَا
كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ فلیس ابا زید ای والده فلا یحرم علیه التزوج بزوجته زینب وَ
لٰكِنْ كان رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ فلا یكون له ابن رجل بعده یكون نبیا وفی قراءة بفتح التاء
كاٰلة الختم ای به ختموا وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ۧ منه بان لا نبی بعده واذا نزل السید عیسی ع
یحكم بشریعته

ترجمہ: بیشک مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں اور فرماں بردار مردوں اور فرمان بردار عورتوں اور ایمان سے راست باز مردوں اور راست باز عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں اور ڈرنے والے مردوں اور ڈرنے والی عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنیوالی عورتوں اور روزہ رکھنے والے مردوں اور روزہ رکھنے والی عورت اور حرام سے اپنے شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مردوں اور حرام سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی عورتوں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مردوں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والی عورتوں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت اور فرماں برداری پر بڑا اجر اختیار کر رکھا ہے اور دیکھو کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ورزی کرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا یکون میں تاء اور یاء کے ہے ساتھ یہ آیت عبداللہ بن جحش اور ان کی بہن زینب کے بارے میں نازل ہوئی نبی کریم ﷺ نے زینب کو زید بن حارثہ کے لیے پیغام نکاح دیا جب دونوں بہن بھائی کو اس کی حقیقت معلوم ہوئی تو پیغام کو ناپسند کیا کیوں کہ وہ پہلے یہ سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے پیغام نکاح دیا ہے اس کے بعد آیت مذکورہ کے نازل ہونے کی وجہ سے دونوں رضامند ہو گئے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا چنانچہ زینب کا نکاح حضرت زیدؓ سے کر دیا پھر کچھ مدت کے بعد آپؐ کی نظر زینب پر پڑی۔ تو آپ کے دل میں زینب کی محبت جاں گزیں ہو گئی اور زید کے دل میں زینب کی نفرت۔ پھر زید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب اذ کی وجہ سے محل نصب میں ہے آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعہ انعام فرمایا اور آزاد کر کے آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا وہ زید بن حارثہ ہیں یہ زمانہ جاہلیت کے قیدیوں میں سے تھے جن کو رسول اللہ نے بعثت سے پہلے خرید اتھا اور آزاد کر کے متبنّیٰ بنا لیا تھا اپنی بیوی کو روک لے اور اس کو طلاق دینے کے معاملہ میں اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات

چھپائے ہوتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور وہ زینب کی محبت تھی اور یہ کہ اگر زید اس کو طلاق دیدیں تو میں اس سے نکاح کرلوں اور آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اور ڈرنا تو آپ کے لیے ہر چیز میں خدا ہی سے سزاوار ہے اور وہ آپ کا اس سے نکاح کرے گا اور آپ کو لوگوں کی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے بعدازاں زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی گزر گئی اور اللہ نے فرمایا پس جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی اور ہم نے اس سے آپ کا نکاح کردیا تو آپ زینب کے پاس بلا اجازت تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو گوشت اور روٹی پیٹ بھر کر کھلائی تاکہ مومنوں کے لیے ان کے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کے بارے میں تنگی نہ ہو جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں اور اللہ کا امر فیصلہ کردہ حکم تو ہونے ہی والا تھا جو چیز اللہ نے نبی کے لیے فرض یعنی حلال کردی اس میں نبی پر کوئی حرج ہیں پہلے انبیاء کا امر کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طریقہ رکھا تھا یہ کہ ان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسے نکاح میں سہولت پیدا کرنے کے لیے سنۃ بربناء ''نزع خافض'' منصوب ہے اللہ کا حکم یعنی اس کا فعل مقرر کیا ہوا ہوتا ہے الذین، پہلے آنے والے الذین کی صفت ہے یہ سب ایسے تھے کہ جو اللہ کے احکام کو پہونچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں میں کہ جو اللہ نے ان کے لیے حلال کردیئے لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق کے اعمال کی محافظت اور حساب لینے کے لیے کافی ہے محمد تم میں سے مردوں کے کسی کے باپ نہیں لہٰذا زید کے باپ یعنی ان کے والد نہیں ہیں، اسلیے زید کی بیوی سے نکاح کرنا ان کے لیے حرام نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں لہٰذا آپ کا کوئی بیٹا ایسا بالغ مرد نہیں کہ جو آپ کے بعد نبی ہو اور ایک قراءت میں تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی مہر کے معنی میں مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ انبیاء کے سلسلہ پر خاتمیت کی مہر لگائی گئی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے اور انہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو آپ ہی کی شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَلْمُسْلِمِيْنَ: جو اسلام میں داخل اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اختیار کرنے والے ہیں۔

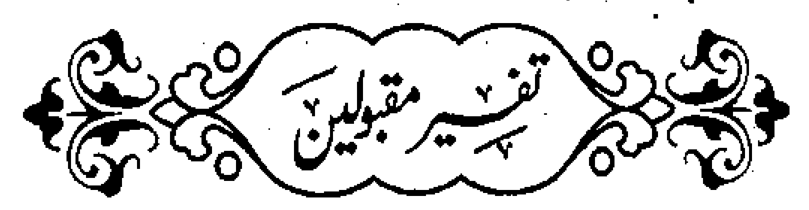
قوله: اَلْمُؤْمِنِيْنَ: یہاں صدقہ کرنے والے مراد ہیں۔

قوله: اَلْمُتَوَاضِعِيْنَ: اعضاء قلوب سے تواضع اختیار کرنے والے ہیں۔

قوله: اَلْمُتَصَدِّقٰتِ: جو ان پر لازم ہیں زکوٰۃ وغیرہ۔

قوله: اَلصّٰٓئِمٰتِ: فرض روزہ انجام دینے والیاں۔

والیاں ہیں۔
قولہ: الذّٰكِرٰتِ: اپنی زبانوں اور دلوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والیاں ہیں۔
قولہ: مَا كَانَ: یہ ماصح کے معنی میں ہے (درست نہیں)۔
قولہ: اِذَا قَضَى اللّٰهُ: فیصلہ تو آپؐ نے فرمایا، آپ ﷺ کے فیصلہ کو عظمت بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔
قولہ: لَهُمُ الْخِيَرَةُ: جمع کی ضمیر مؤمن و مؤمنہ کے عموم کی وجہ سے ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ سیاق نفی میں ہے۔
قولہ: خِلَافَ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے اختیار کو آپ ﷺ کے اختیار کے تابع بنائیں۔
قولہ: لِظَنِّهِمَا قَبْلُ: یعنی معلوم ہونے سے پہلے انہوں نے گمان کیا کہ آپ ﷺ نے زید کا قصد فرمایا ہے۔
قولہ: وَاللّٰهُ: یہ حال ہے۔
قولہ: مَفْعُوْلًا: یعنی لامحالہ یہ ہو کر رہے گا۔
قولہ: فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ: جو اللہ تعالیٰ نے مقدر و تسلیم کر دیا۔
قولہ: قَدَرًا مَّقْدُوْرًا: طے شدہ فیصلہ کن حکم۔ یہ ظل ظلیل کے محاورہ سے ہے۔
قولہ: وَالِدُهٗ: اب سے مراد والد حقیقی ہیں، نہ کہ مطلق باپ کیونکہ انبیاءؑ امت پر شفقت کی وجہ سے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں وہ اس میں شامل نہیں، آپؐ کے بیٹے بلوغت تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے۔
قولہ: كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ: کان کو مقدر مان کر بتایا کہ رسول کا نصب کان محذوف کی خبریت کی وجہ سے ہے۔
قولہ: خَاتَمَ: ان کے آخری نس نے ان کے سلسلہ کو مکمل کیا۔
قولہ: كَاٰلَةِ الْخَتْمِ: مہر انگوٹھی۔
قولہ: مِنْهُ: اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔
قولہ: اِذَا نَزَلَ: عیسیٰؑ کی آمد آپؐ کی خاتمیت میں عیب نہ بنے گی۔



اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ....

شانِ نزول: ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن میں آتا رہتا ہے لیکن عورتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنے سر کے بال سلجھا رہی تھی جب میں نے حضور ﷺ کی آواز منبر پر سنی میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپ کی

باتیں سننے لگی تو آپ اس وقت یہی آیت تلاوت فرمارہے تھے۔ نسائی وغیرہ۔ اور بہت سی روایتیں آپ سے مختصراً مروی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ چند عورتوں نے حضور ﷺ سے یہ کہا تھا اور روایت میں ہے کہ عورتوں نے ازواج مطہرات سے یہ کہا تھا۔ اسلام وایمان کو الگ الگ بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے مخصوص وممتاز ہے (قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا) (الحجرات:14) والی آیت اور بخاری ومسلم کی حدیث کہ زانی زنا کے وقت مؤمن نہیں ہوتا پھر اس پر اجماع کہ زنا سے کفر لازم نہیں آتا۔ یہ اس پر دلیل ہے اور ہم شرح بخاری کی ابتداء میں اسے ثابت کر چکے ہیں۔ (یہ یاد رہے کہ ان میں فرق اس وقت ہے جب اسلام حقیقی نہ ہو جیسے کہ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں بدلائل کثیرہ ثابت کیا ہے، واللہ اعلم، مترجم) قنوت سے مراد سکون کے ساتھ اطاعت گذاری ہے جیسے: (اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ) (الزمر:9) میں ہے اور فرمان ہے: (وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ) (الروم:26) یعنی آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے اور فرماتا ہے: (يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ) (آل عمران:43)، اور فرماتا ہے: (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) (البقرۃ:238) یعنی اللہ کے سامنے باادب فرماں برداری کی صورت میں کھڑے ہوا کرو۔ پس اسلام کے اوپر کا مرتبہ ایمان ہے اور ان کے اجتماع سے انسان میں فرماں برداری اور اطاعت گذاری پیدا ہو جاتی ہے۔ باتوں کی سچائی اللہ کو بہت ہی محبوب ہے اور یہ عادت ہر طرح محمود ہے۔ صحابہ کبار میں تو وہ بزرگ بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا، سچائی ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے۔ سچا نجات پاتا ہے۔ سچ ہی بولا کرو۔ سچائی نیکی کی طرف رہبری کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور فسق وفجور انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان سچ بولتے بولتے اور سچائی کا قصد کرتے کرتے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے اور جھوٹ کا قصد کرتے ہوئے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صبر ثابت قدمی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں پر صبر ہوتا ہے اس علم پر کہ تقدیر کا لکھا ٹلتا نہیں۔ سب سے زیادہ سخت صبر صدمے کے ابتدائی وقت پر ہے اور اسی کا اجر زیادہ ہے۔ پھر تو جوں جوں زمانہ گذرتا ہے خواہ مخواہ ہی صبر آجاتا ہے۔ خشوع سے مراد تسکین دلجمعی تواضع فروتنی اور عاجزی ہے۔ یہ انسان میں اس وقت آتی ہے جبکہ دل میں اللہ کا خوف اور رب کو ہر وقت حاضر ناظر جانتا ہو اور اس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہو جیسے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس درجے پر وہ ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ صدقے سے مراد محتاج ضعیفوں کو جن کی کوئی کمائی نہ ہو نہ جن کا کوئی کمانے والا ہو انہیں اپنا فالتو مال دینا اس نیت سے کہ اللہ کی اطاعت ہو اور اس کی مخلوق کا کام بنے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں ایک وہ بھی ہے جو صدقہ دیتا ہے لیکن اسطرح پوشیدہ طور پر کہ داہنے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہیں لگتی اور حدیث میں ہے صدقہ خطاؤں کو اسطرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ روزے کی بابت حدیث میں ہے کہ یہ بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی اسے پاک صاف کر دیتا ہے اور طبی طور پر بھی ردی اخلاط کو مٹا دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں رمضان کے روزے رکھ کر

جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیے وہ (وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا) (الاحزاب: ۳۵) میں داخل ہو گیا۔ روزہ شہوت کو بھی جھکا دینے والا ہے۔ حدیث میں ہے اے نوجوانو تم میں سے جسے طاقت ہو وہ تو اپنا نکاح کرلے تاکہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں اور پاک دامنی حاصل ہو جائے اور جسے اپنے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے، یہی اس کے لیے گویا خصی ہونا ہے۔ اسی لیے روزوں کے ذکر کے بعد ہی بدکاری سے بچنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایسے مسلمان مرد وعورت حرام سے اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں۔ اپنی اس خاص قوت کو جائز جگہ صرف کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن کو روکے رہتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں اس کے سوا جو اور کچھ طلب کرے وہ حد سے گذر جانے والا ہے۔ ذکر اللہ کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ جب میاں اپنی بیوی کو رات کے وقت جگا کر دو رکعت نماز دونوں پڑھ لیں تو وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لیے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ) حضرت ابوسعید خدریؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے درجے والا بندہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون ہے؟ آپ نے فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ کے مجاہد سے بھی؟ آپ نے فرمایا اگر چہ وہ کافروں پر تلوار چلائے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والا اس سے افضل ہی رہے گا۔ (مسند احمد) مسند ہی میں ہے کہ حضور ﷺ مکے کے راستے میں جا رہے تھے جمدان پر پہنچ کر فرمایا یہ جمدان ہے مفرد بن کر چلو۔ آگے بڑھنے والوں نے پوچھا مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے۔ پھر فرمایا اے اللہ حج وعمرے میں اپنا سر منڈوانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے کہا بال کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا یا اللہ سر منڈوانے والوں کو بخش۔ لوگوں نے پھر کتروانے الوں کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کتروانے والے بھی۔ آپ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذابوں سے نجات دینے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑا نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا میں تمہیں سب سے بہتر سب سے پاک اور سب سے بلند درجے کا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے حق میں سونا چاندی اللہ کی راہ میں لٹانے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی افضل ہو جب تم کل دشمن سے ملوگے اور ان کی گردنیں مارو گے اور وہ تمہاری گردنیں ماریں گے۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ ضرور بتلائیے فرمایا اللہ عزوجل کا ذکر۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا مجاہد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ اس نے پھر روزے دار کی نسبت پوچھا یہی جواب ملا پھر نماز، زکوٰۃ، حج صدقہ، سب کی بابت پوچھا اور حضور ﷺ نے سب کا یہی جواب دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا پھر اللہ کا ذکر کرنے والے تو بہت ہی بڑھ گئے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کثرت ذکر اللہ کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اسی سورت کی آیت: (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا) (الاحزاب: ۴۱) کی تفسیر میں ہم ان احادیث کو بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا یہ نیک صفتیں جن میں ہوں ہم نے ان کے لیے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اجر عظیم یعنی جنت

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ....

عرب میں یہ دستور تھا کہ دوسروں کی اولاد کو بیٹا بنالیا کرتے تھے اور جو شخص بیٹا بناتا تھا اسی کی طرف نسبت کرکے اِبْنُ فُلَانٍ کہتے تھے، اور ایک رواج یہ بھی تھا کہ لوگ چلتے پھرتے کسی بچہ کو لے کر کسی شہر میں لے جاتے جہاں کوئی پہچانتا نہ ہوتا وہاں اسے اپنا غلام بنا کر بیچ دیتے تھے۔

زید بن حارثہؓ کا تعارف

زید بن حارثہؓ اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جارہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ان پر قبضہ کرلیا جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی، پھر انہیں مکہ معظمہ لے آئے اور سوق بنی عکاظ میں (جو مکہ معظمہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا) میں اپنا غلام بتا کر فروخت کردیا، حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا، جب حضرت خدیجہؓ نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا اور انہیں زید بن محمد ﷺ کے نام سے بلایا جانے لگا۔ حضرت زید بن حارثہ کے والد کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے کو فلاں قوم کے لوگوں نے مکہ معظمہ میں لے جاکر بیچ دیا ہے اور وہ وہاں موجود ہے تو وہ حضرت زیدؓ کو چھڑانے کے لیے مکہ معظمہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس کے عوض اتنا اتنا مال لے لیں اور اسے چھوڑ دیں تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا گوارہ کرے تو مفت میں ہی لے جاؤ ہمیں کوئی پیسہ دینے کی ضرورت نہیں، زید کے والد نے کہا: (لقد زدتنا علی النصفة) یہ بات تو آپ نے انصاف سے بھی آگے بڑھ کر فرمادی، آپ ﷺ کو رواج کے مطابق نہ چھوڑنے کا بھی حق تھا اور پیسے لے کر چھوڑ دینا آپ کا کرم تھا لیکن جب آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ مفت میں ہی لے جاؤ تو یہ تو کرم بالائے کرم اور احسان پر احسان ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں، آپ نے فرمایا تم مجھے بھی جانتے ہو اور انہیں بھی پہچانتے ہو، میری صحبت میں اٹھ چکے ہو اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو میرے پاس رہو چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ، اس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے ساتھ جانا گوارا نہ کیا، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ، حسن سلوک اور شفقت و محبت کے سامنے انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانا اور کنبہ و قبیلہ میں رہنا منظور نہ کیا اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے باپ اور چچا کی جگہ ہیں، باپ اور چچا نے کہا اے زید! افسوس کی بات ہے کہ تم نے آزادی کے مقابلہ میں غلامی کو پسند کیا اور اپنے باپ اور چچا اور سب گھر والوں پر کسی دوسرے شخص کو ترجیح دیتے ہو، حضرت زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں ایسی صفات دیکھی ہیں کہ ان کو جانتے ہوئے کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

یہ پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے نبوت سے سرفراز کیے جانے سے پہلے کا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی تو جن حضرات نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی ان میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی تھے، ایک اور قول کے مطابق مردوں میں سے وہ سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی برکہ حبشیہ سے ان کا نکاح کردیا تھا جن کی کنیت ام ایمن تھی، یہ آپ ﷺ کو اپنے والد ماجد کی میراث میں (اور ایک قول کے مطابق والدہ کی میراث میں) ملی تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ

کی وفات کے بعد مقام ابواء سے آپ کو چھوٹی سی عمر میں مکہ معظمہ لے کر آئی تھیں، حضرت ام ایمنؓ سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے جنہیں (حب رسول اللہ) (رسول اللہ ﷺ کا پیارا) کہا جاتا تھا۔

ایک عرصہ تک حضرت زیدؓ کو زید بن محمد ﷺ ہی کہا جاتا رہا پھر جب قرآن مجید کی آیت: (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ) نازل ہوئی (جو کہ اسی سورت کے پہلے رکوع کی آیات میں سے ہے) تو زید بن حارثہ کہا جانے لگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو منہ بولے بیٹے ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو۔

زید بن حارثہؓ سے زینب بنت جحشؓ کا نکاح اور طلاق:

پھر آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحشؓ کے ساتھ کر دیا تھا، حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کے فرمانے پر اس نکاح کو قبول تو کر لیا تھا لیکن باہمی مزاج میں موافقت نہ ہوئی، حضرت زیدؓ چاہتے تھے کہ ان کو طلاق دے دیں لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں اس سے باز رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھو لیکن انہوں نے طلاق دے ہی دی، جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے بنت جحشؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ یہاں اسی کو فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (جب زید نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا) جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ بلا اذن و اجازت حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اس سے پہلے بھی (زید کی طلاق کی عدت گزرنے کے بعد) آپ نے حضرت زیدؓ ہی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا لیکن حضرت زینبؓ نے جواب میں یوں کہہ دیا تھا کہ میں استخارہ کر کے جواب دوں گی۔ اللہ نے آپ ﷺ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا، اس پر وہ بھی فخر کیا کرتی تھیں اور دوسری ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کیے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا۔

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر آیات بالا کی تفسیر سمجھئے، آیت کریمہ (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ) کا ترجمہ دیکھ لیجیے جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے عرض کیا کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انکار نہ کرو ان سے نکاح کر لو، کہنے لگیں کہ اچھا میں پھر اپنے نفس سے مشورہ کر لوں یعنی مجھے سوچ وبچار کا موقع دیا جائے، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ) (آخر تک) نازل فرما دی، اور حضرت زینبؓ نے عرض کر دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کروں گی میں نے زید سے اپنا نکاح کر دیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ سبب نزول لکھا ہے (جلد ۳ ص ۴۸۹) اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے زینب بنت جحشؓ کو زید بن حارثہ کے لیے پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ زید میرے میل کے نہیں میں مرتبہ کے اعتبار سے ان سے بہتر ہوں، اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش بھی یہی بات کہنے لگے (یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ حضرت

زیدؓ پر غلامی کا دھبہ لگ گیا تھا اور قریشی بھی نہ تھے) پھر جب آیت کریمہ نازل ہوگئی تو دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔

(جلد ۲۲: ص ۲۳)

آیت شریفہ کا سبب نزول گو خاص ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے جیسا کہ دیگر آیات کے اسباب نزول کے بارے میں مفسرین بھی فرماتے ہیں۔ آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ کسی بھی مؤمن مرد اور عورت کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آ جائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے، جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے، اسلام سراپا فرمانبرداری کا نام ہے، یہ جو آج کل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمانی کے دعویدار بھی ہیں لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں، یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں، جب قرآن حدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آج کل اس پر عمل نہیں ہوسکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصداً و ارادۃً قرآن حدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا) فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور سنن و نوافل کی ادائیگی کی بھی حرص کرنا چاہیے، جس کا فرمانبرداری کا مزاج نہیں ہوتا تو وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوڑنے لگتا ہے پھر فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شیطان وسوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملا ہے دل و جان سے قبول کرے، نیم دروں نیم بروں، مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی، یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ....

زینب بنت جحشؓ کا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنا

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ (اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اس شخص سے (بطور فہمائش اور مشورہ) فرما رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ تم اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو) حضرت زید بن حارثہؓ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں اپنے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچایا، غلامی سے چھڑایا اور اسلام کی توفیق دی، اور آپ ﷺ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ اپنے پاس رکھا، دین سکھایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا۔

تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ (اور آپ اپنے جی میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا) وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (اور آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے اور اللہ سے ڈرنا ہی آپ کو زیادہ سزاوار ہے) وہ کیا چیز تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ بعض لوگوں نے تو اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ ﷺ ظاہر میں تو یہ فرما رہے تھے اور اندر سے دل میں یہ بات تھی کہ زید طلاق دیدے تو میں ان سے نکاح کرلوں گا۔ تفسیر جلالین میں بھی یہی بات لکھی ہے، لیکن یہ بات شان نبوت کے خلاف ہے۔ (قال القشیری هذا اقدام عظیم من قائله

وتفریط بحق النبی وبفضله) (ذکرہ فی حاشیۃ الجلالین) (امام قشیریؒ فرماتے ہیں یہ بات کہنے والے کی بہت بڑی جرأت ہے اور حضور ﷺ کے حق میں اور شان میں کوتاہی ہے۔)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتادیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے تو ہم زینب سے آپ کا نکاح کردیں گے، یہ بات آپ ﷺ کے ذہن میں تھی آپ اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور زید سے فرمارہے تھے کہ تم اپنی بیوی زوجیت میں رکھو، یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ زید ضرور طلاق دے دیں گے اور زینب میرے نکاح میں آتی ہی ہے پھر بھی یہ مشورہ دینا کہ روکے رکھو، اس پر اللہ تعالیٰ نے ہلکا سا عتاب فرمایا، آپ نے تو اپنے نکاح میں آنے والی بات کو چھپایا لیکن اللہ تعالیٰ نے (زَوَّجْنٰکَهَا) نازل فرما کر زینب کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔ (قال صاحب الروح ج ۲۲: ص ۲۴) والمراد بالموصول علیٰ ما اخرج الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن حسین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما ما اوحی اللّٰہ تعالیٰ بہ الیہ ان زینب سیطلّقھا زید ویتزوجھا بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، الی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن العلاء والقشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم) (تفسیر روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ یہاں حکیم ترمذیؒ وغیرہ نے حضرت علی بن حسینؒ سے جو روایت کی ہے کہ یہاں اسم موصول سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی فرمائی تھی کہ عنقریب حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے اور اس کے بعد ان سے آپ ﷺ کا نکاح ہوگا۔ محقق مفسرین اسی کی طرف گئے ہیں جیسا کہ زہری، بکر بن العلا، قشیری اور قاضی ابوبکر بن العربی وغیرہ۔)

متبنیٰ کی سابقہ بیوی سے نکاح کرنے کا جواز:

مفسرین نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ اہل عرب جسے بیٹا بنالیتے تھے اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو (جبکہ وہ مر جائے یا طلاق دیدے) ایسے ہی حرام سمجھتے تھے جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہورہا تھا کہ اگر میں نے زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا تو عرب کے جاہل اعتراض کریں گے اور یوں کہیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے (وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ) فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی بیٹا قرار نہیں دیا تو اب زید کی مطلقہ بیوی زینب سے نکاح کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا تو جاہلوں کے اعتراض کا خیال کرنا اور ان کے طعن وتشنیع سے ڈرنا آپ ﷺ کے مقام رفیع کے خلاف تھا، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اسے خوب واضح طریقہ پر حلال بتانا چاہیے، عملاً بھی اور قولاً بھی تاکہ حکم شرعی پوری طرح واضح ہوجائے اور اہل ایمان کے دلوں میں اس کے حلال ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہ اور کوئی کسک باقی نہ رہے آپ کے دل میں جو لوگوں کے اعتراض کا خیال آیا اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب فرمایا اور رشاد فرمایا: وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں)

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا)
حاجت پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زینب کی طرف سے بالکل ہی دل بھر گیا اور انہیں نکاح میں رکھنے کی ذرا سی بھی خواہش نہیں رہی
اور علیحدگی کے تقاضے پر عمل کر ہی لیا اور طلاق دے دی۔ (قال صاحب الروح فکانہ قیل فلما قضی زید حاجتہ من
نکاحہا فطلقہا وانقضت عدتہا فلم یکن فی قلبہ میل الیہا ولا وحشۃ من فراقہا)

لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیوی کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں) یعنی طلاق دے دیں اور عدت گزر جائے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح جائز ہو جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ظاہر ہو جائے اور آپ کی امت کے افراد اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ذرا بھی دل میں تنگی محسوس نہ کریں، اگر مذکورہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت ہو اور کوئی دوسرا مانع شرعی نہ ہو تو بلا تکلف ان سے نکاح کر لیا کریں۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا ہی تھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ طے فرما دیا تھا کہ زینب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ضرور ہی آنا ہے چنانچہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا وہ پورا ہو کر ہی رہا اور اس میں جو تشریعی حکم تھا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس کے جواز کا فیصلہ کرا دیا۔

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا کچھ بھی حصہ چھپا سکتے تو آیت کریمہ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (آخر تک) کو ضرور چھپا لیتے (جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مخاطب فرما کر وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فرمایا ہے)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے جو مقدر فرما دیا اور حلال قرار دے دیا اس کے بارے میں نبی پر کوئی الزام و مواخذہ نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی الزام نہیں تو مخلوق کو اعتراض کرنے کا اور طعن و تشنیع کا کوئی حق نہیں۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ (جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہی طریقہ رکھا ہے) یعنی سابقین انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ان کے لیے بہت سی چیزوں کو حلال قرار دیا ان پر انہوں نے بے تکلف عمل کیا اور مخلوق کے طعن و تشنیع کا بالکل خیال نہ کیا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر عمل کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھی اسے اپنے نکاح میں لے لیا (قال صاحب الروح: سنۃ اللّٰہ ای سن اللّٰہ تعالیٰ ذٰلک سنۃ فھو مصدر منصوب بفعل مقدر من لفظہ والجملۃ مؤکدۃ لما قبلہا من نفی الحرج فی الذین من قبل، ای من قبلک من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام من حیث لم یحرج جل شانہ علیہم فی الاقدام علی ما حل لہم ووسع لہم فی باب النکاح وغیرہ) (جلد ٢٢ ص ٢٧)

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۝ (اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے) یہ مضمون سابق کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی بات طے کر دی ہے کہ ایسا ہونا ہی ہوتا ہے اور فلاں حکم دینا ہے اور اس پر عمل کرانا ہے تو اس کا وجود بھی ضروری

ہے اور شرعی اصول کے مطابق اس کی حلت اور جواز کو بھی ظاہر کرنا ہے پس ایسی صورت میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اِلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ (جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں) وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) یہ (اَلَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ) کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم مقدور اور مقرر فرما دیا ہے اس پر بغیر کسی جھجک کے عمل کر لیا یہ حضرات انبیاء کا طریقہ رہا ہے، ان حضرات کی شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، مخلوق کی کسی قسم کی کوئی ملامت انہیں تبلیغ حق سے نہیں روکتی تھی وہ قول سے بھی تبلیغ کرتے تھے اور عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ (وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا) (اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا) جو لوگ آپ پر طعن کر رہے ہیں آپ ان کے طعن و تشنیع سے مغموم نہ ہوں اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال و اقوال کا علم ہے اور وہ حساب لینے کے لیے کافی ہے وہ جب حساب لے گا تو انہیں ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

فوائد ضروریہ:

1: شریعت اسلامیہ میں کفاءت کی بھی رعایت رکھی گئی ہے جس کا معنی برابری کا ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں جب ان کا وقت آ جائے تو ان میں تاخیر نہ کی جائے (۱) جب نماز کا وقت ہو جائے۔ (۲) جب جنازہ حاضر ہو جائے۔ (۳) جب تم بے نکاحی عورت کے لیے اس کے برابر کا آدمی پالو۔ (رواہ الترمذی ص ۵۷) مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرو، اور جب جنازہ حاضر ہو جائے تو نماز جنازہ ادا کر کے اسے فوراً دفن کر دو اور جب کوئی عورت بے شوہر کی ہو (خواہ کنواری ہو خواہ مطلقہ ہو خواہ اس کا شوہر مر گیا ہو) جب اس کے میل کا آدمی مل جائے تو اس مرد سے اس کا نکاح کر دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی برابری اور باہمی میل کا دیکھنا بھی دینی اور شرعی بات ہے۔ یہ میل اور برابری نسبوں میں اور آزاد ہونے میں اور مسلمان ہونے میں اور دیندار ہونے میں اور پیشوں میں اور مال میں دیکھی جائے گی۔ کفاءت کا لحاظ اس لیے رکھا گیا ہے کہ عورت اور اس کے اولیاء کے لوگ عار نہ دلائیں کہ گھٹیا آدمی سے اس کا نکاح ہو گیا، تفصیلات فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے کے بارے میں یہ عذر پیش کر دیا کہ زیدؓ زینبؓ کے میل کے نہیں ہیں کیونکہ وہ قریشی بھی نہیں ہیں اور ان پر غلامی کا بٹہ بھی لگا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر کیوں قبول نہیں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ شرعاً کفاءت کا اعتبار تو ہے لیکن بعض مرتبہ دوسری مصالح ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کفاءت کا خیال چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں مصلحت مضمر تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ زیدؓ سے زینبؓ کا نکاح ہو جانے کے بعد طلاق ہو پھر رسول اللہ ﷺ کا زینبؓ سے نکاح ہو جس سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے قول سے بلکہ عمل سے یہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس کی طلاق اور عدت کے بعد نکاح کیا جا سکتا ہے۔ عملی تعلیم و تبلیغ کے پیش نظر کفاءت کی مصلحت کو چھوڑ

دیا گیا اور آپ ﷺ نے زینب اور ان کے بھائی کو حکم دیا کہ زید کا زینبؓ سے نکاح ہو جانے میں کوئی حجت نہ کریں اور آپ نے جو پیغام دیا اسے قبول کرلیں۔ چونکہ آپ کا یہ حکم تھا بطور مشورہ ایک رائے نہیں تھی اس لیے آیت کریمہ میں اس سے انحراف کرنے کو عصیان سے تعبیر فرمایا (وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا) پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ اولیاء سے بلکہ ہر مؤمن کے اپنے نفس سے بھی زیادہ ہے جسے (اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ) میں بتادیا ہے، اس صورت میں آپ ﷺ کے حکم کا ماننا ہی لازم تھا، اگر امیر المؤمنین یا کوئی بھی بادشاہ یا حاکم یا ماں باپ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف حکم دے یا خود کسی عورت و مرد کا نفس آپ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنا چاہے تو آپ کے حکم کی جو خلاف ورزی جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے جو حکم دے دیا یا جو درجہ وجوب میں ہو اس پر عمل کرنا ہی چاہیے تو آپ کا کوئی حکم عام مسلمانوں کے لیے درجہ استحباب میں ہو اور آپ کسی مسلمان کو اس کے بارے میں بطور وجوب حکم دے دیں تو اس مسلمان کو اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا (وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ) اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر نظر رکھنا لازم ہے۔ لوگ کیا کہیں گے اس کو نہ دیکھیں قرآن وحدیث میں جو حکم ہو اس پر نظر رکھیں۔ جو لوگ علماء اور مبلغ اور داعی ہوں خصوصیت کے ساتھ اس کا خیال رکھیں۔ آج کل لوگوں کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ شرعی احکام کو اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، وضع قطع میں اور لباس میں اور بیاہ شادی اور مرنے جینے کی رسموں میں عوام ہی کو خوش کرنے کے کام کرتے ہیں اور صریحاً شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کر جاتے ہیں، اچھے اچھے نام نہاد نیک اور نمازی بیاہ شادی میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں جب توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں جی! دور ہی ایسا ہے، مخلوق کو بھی راضی رکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی باتوں کا خیال کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا دعوائے ایمان کے سراسر منافی ہے، رسول اللہ ﷺ نے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی لیکن لوگوں کے طعن وتشنیع کا خیال آ گیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے عتاب فرمایا کیونکہ ایسا خیال کرنا بھی آپ کی شان اقدس کے خلاف تھا۔

ہاں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کے کرنے سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور اس کی وجہ سے ان کے دین وایمان میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ سو اگر وہ عمل فی نفسہٖ محمود ہو لیکن شرعاً مامور بہ نہ ہو تو اسے ترک کرنا درست ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم (قریش) نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ شریف کو پھر سے تعمیر کر دیتا اور حطیم کو تعمیر کے اندر چھت والے حصہ میں شامل کر دیتا اور کعبہ شریف کے دو دروازے بنا دیتا۔ لیکن آپ نے اس کو اچھا عمل جانتے ہوئے بھی انجام نہیں دیا تاکہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ دیکھو یہ کیسا نبی ہے کہ کعبہ شریف کو گرا دیا۔ چونکہ آپ کو تعمیر جدید کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس میں تکوینی طور پر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں کو کعبہ شریف کے اندر داخلہ میسر نہ ہو وہ حطیم میں داخل ہو جائیں اس میں داخل ہونا بھی دخول کعبہ ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حطیم بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے۔

حضرت زید بن حارثہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا اسم گرامی قرآن مجید میں وارد ہوا ہے آپ کے علاوہ کسی صحابی کا

نام قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ حکم قرآنی: (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ) کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے وہ ایک بہت بڑے اعزاز سے محروم ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں دوسری طرح نواز دیا کہ ان کا نام قرآن مجید میں نازل فرمادیا۔ جب آیت قرآنیہ کی تلاوت کی جائے گی جس میں لفظ زَیْدٌ واقع ہوا ہے تو قرآن حکیم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے وعدہ کے مطابق اس لفظ کے پڑھنے پر تیس نیکیاں مل جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس طرح بھی دلداری فرمائی کہ انہیں جس کسی لشکر میں بھیجتے تھے تو انہیں اس لشکر کا امیر بنا دیتے تھے۔ ۸ ہجری میں پچپن سال کی عمر میں غزوہ موتہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ اس وقت بھی وہ لشکر کے امیر تھے۔ حضور ﷺ نے بعض مرتبہ انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امیر بھی بنایا اور اپنی آخری عمر میں ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنا دیا تھا پھر اس لشکر کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روانہ فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ .....

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں:

آیت مذکورہ میں ان لوگوں کے خیال کا رد ہے جو اپنی رسم جاہلیت کے مطابق زید بن حارثہ کو رسول اللہ ﷺ کا بیٹا کہتے تھے، اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینب سے آنحضرت ﷺ کے نکاح پر طعن کرتے تھے، کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس کے رد کے لیے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ رسول اللہ ﷺ زید کے باپ نہیں بلکہ زید کے باپ حارثہ ہیں، مگر اس میں مبالغہ اور تاکید کیلئے ارشاد فرمایا: ما كان محمد ابا احد من رجالكم، یعنی محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ بھی نہیں، تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو یہ طعن دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور اس کی مطلقہ بیوی آپ کے بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ پر حرام ہے۔

اس مضمون کے بیان کے لیے مختصر الفاظ یہ تھے کہ (اَبَآ اَحَدٍ مِّنْكُمْ) کہا جاتا، اس کے بجائے قرآن حکیم نے لفظ رجال کا اضافہ کر کے اس شبہ کو دور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ تو چار فرزندوں کے والد ہیں، تین فرزند حضرت خدیجہ سے قاسم، طیب، طاہر ہیں اور ایک حضرت ماریہ قبطیہ سے ابراہیم، کیونکہ یہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی رجال کی حد میں داخل نہیں ہوا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ قاسم، طیب، اور طاہر کی وفات ہو گئی تھی اور ابراہیم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

مخالفین کے اعتراض اور طعن کا جواب اسی جملہ سے ہو گیا تھا، مگر آگے دوسرے شبہات کے ازالہ کے لیے فرمایا ولکن رسول اللہ حرف لکن عربی زبان میں اس کام کے لیے آتا ہے کہ پچھلے کلام میں جو کوئی شبہ ہو سکتا تھا اس کو دور کیا جائے۔ یہاں جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ آپ امت کے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ ہر نبی و رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے، اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ امت کے سبھی مردوں کے بلکہ ہر مرد وعورت کے باپ ہیں آپ سے ابوت کی نفی گویا نبوت کی نفی ہے۔

اس کا جواب لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ کے لفظ سے یہ دیا گیا کہ حقیقی اور نسبی باپ ہونا اور چیز ہے جس پر نکاح کے حلال وحرام کے احکام عائد ہوتے ہیں اور بحیثیت نبوت امت کا روحانی باپ ہونا دوسری چیز ہے جس سے یہ احکام متعلق نہیں ہوتے، تو گویا مطلب اس پورے جملے کا یہ ہوگیا کہ آپ امت کے مردوں میں سے کسی کے بھی نسبی باپ نہیں، لیکن روحانی باپ سب کے ہیں۔

اس میں ایک دوسرے طعن کا جواب بھی ہوگیا، جو بعض مشرکین نے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ ابتر (یعنی مقطوع النسل) ہیں۔ یعنی کوئی نرینہ اولاد آپ کی نہیں ہے، جس سے نسب چلے، اور آپ کا یہ پیغام آگے بڑھے، چند روز کے بعد ان کا قصہ ہی ختم ہوجائے گا۔ الفاظ مذکور نے یہ واضح کردیا کہ اگرچہ نسبی اولاد نرینہ آپ کی نہیں لیکن آپ کی رسالت ونبوت کے پیغام کو پھیلانے اور قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے نسبی اولاد کی ضرورت نہیں، اس کے لیے روحانی اولاد کام کیا کرتی ہے۔ اور چونکہ آپ رسول اللہ ہیں، اور رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے، اس لیے آپ پوری امت کے روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے تم سب سے زیادہ کثیر الاولاد ہیں۔

یہاں جبکہ آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کا ذکر آیا، اور اس منصب نبوت میں آپ تمام دوسرے انبیاء سے خاص امتیازی فضیلت رکھتے ہیں تو آگے آپ کی مخصوص شان اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کا فائق ہونا اس لفظ سے واضح ہوگیا، خاتم النّبیین، لفظ خاتم میں دو قراءتیں ہیں، امام حسن اور عاصم کی قرات خاتم بفتح تاء ہے اور دوسرے ائمہ قرات خاتم بکسر تاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں، اور مہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں کیونکہ مہر کسی چیز پر بند کرنے کے لیے آخر ہی میں کی جاتی ہے۔ لفظ خاتم بالکسر والفتح دونوں کے معنی لغت عربی میں تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ قاموس، صحاح، لسان العرب، تاج العروس وغیرہ اسی لیے تفسیر روح المعانی میں خاتم بمعنی مہر کا حاصل بھی وہی معنی آخر کے بتلائے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: والخاتم اسم آلة لما يختم به كالطابع لما يطبع به فمعنى خاتم النّبيين الذى ختم النبيون به و ماله اخر النّبيين۔ یہی مضمون تفسیر بیضاوی اور احمدی میں بھی مذکور ہے اور امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا: وخاتم النبوة الاية ختم النبوة اى تممها بمجيئه، یعنی آپ کو خاتم نبوت اس لیے کہا گیا کہ آپ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کردیا ہے۔

اور محکم ابن سیدہ میں ہے وخاتم کل شئی وخاتمتہ عاقبتہ واخرہ یعنی ہر چیز کا خاتم اور خاتمہ اس کے انجام اور آخر کو کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قراءت خواہ بفتح تاء کی لی جائے یا بکسر تاء کی، معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپ ختم کرنے والے ہیں انبیاء کے، یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت ورسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے اور انتہا پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کردیا ہے: اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى،

کر دی ہے۔
یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔
انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفوی کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لیے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔
اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں کیوں کہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔
صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت ﷺ کی شفقت اپنی اولاد روحانی یعنی پوری امت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء ﷺ کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک امت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے۔ اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((انی ترکتکم علی شریعة بیضاء لیلها ونهارها سواء)) "یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں"
اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت ﷺ کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لیے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے "خاتم الرسل" یا "خاتم المرسلین" کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے "خاتم النبیین" کا لفظ اختیار فرمایا۔
وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ نبی تو ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاح خلق کے لیے مخاطب فرمائیں، اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لیے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھے۔
اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لیے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو۔ اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہوسکتی ہیں

وہ سب آپ پر ختم ہوگئیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لیے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں، جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں"

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لیے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کیے ہیں، مذکور الصدر تقریر سے الحمد للہ ان سب کا جواب ہوجاتا ہے۔

مسئلہ ختم نبوت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب وکافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع واتفاق رہا ہے۔ اس لیے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے بڑا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب "ختم نبوت" میں لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال وآثار سلف وخلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے اور قادیانی دجل کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

آپ کا خاتم النبیین ہونا آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منافی نہیں:

چونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں تشریف لائیں گے، اور دجال اعظم کو قتل کریں گے اور اس وقت ہر گمراہی کو ختم کریں گے، جس کی تفصیل احقر کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" میں مذکور ہے۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن وسنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص عہدہ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جس کو نبوت عطا ہو چکی ہے ان کی نبوت سلب ہوجائے گی، یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی امت میں اصلاح وتبلیغ کے لیے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا

کہ احادیث صحیفہ میں تصریح ہے۔
امام ابن کثیر نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا۔
"یعنی رسول اللہ ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی ﷺ سے پہلے مل چکی تھی"

نبوت کے مفہوم کی تحریف ظلی اور بروزی نبوت کی ایجاد:

اس مدعی نبوت نے دعویٰ نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ایک نئی چال یہ چلی کہ نبوت کی ایک نئی قسم ایجاد کی، جس کا قرآن وسنت میں کوئی وجود وثبوت نہیں اور پھر کہا کہ یہ قسم نبوت کی حکم قرآنی ختم نبوت کے منافی نہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس نے نبوت کے مفہوم میں وہ راستہ اختیار کیا جو ہندوؤں اور دوسری قوموں میں معروف ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے جنم میں دوسرے کے روپ میں آسکتا ہے، اور پھر یہ کہا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے مکمل اتباع کی وجہ سے آپ کا ہم رنگ ہو گیا ہو اس کا آنا گویا خود آپ کا ہی آنا ہے، وہ درحقیقت آپ ہی کا ظل اور بروز ہوتا ہے، اس لیے اس کے دعوے سے عقیدہ ختم نبوت متاثر نہیں ہوتا۔

مگر اول تو خود یہ نو ایجاد نبوت اسلام میں کہاں سے آئی، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے علاوہ مسئلہ ختم نبوت چونکہ عقائد اسلامیہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو مختلف عنوانات سے مختلف اوقات میں ایسا واضح کر دیا ہے کہ کسی تحریف کرنے والے کی تحریف چل نہیں سکتی۔ اس جواب کی پوری تفصیل تو احقر کی کتاب ختم نبوت ہی میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں چند چیزیں بقدر ضرورت پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لیے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "(قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا"

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے، جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آنحضرت محمد ﷺ سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی،

آنحضرت ﷺ نے اس جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرمادی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے"۔

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟ اس کے متعلق فرمایا کہ آپ کے بعد امت کی تعلیم وہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا، جو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مرفوع ہے:

"یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے"

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہ اور ام کرز کعبیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہیں؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے"

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت ﷺ کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی" وقال هذا الحديث صحيح

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دو سو سے زیادہ رسالہ "ختم نبوت" میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لیے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اسی لیے صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا جو دعوے کرے وہ کاذب، منکر قرآن اور کافر ہے۔ اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفہ اول صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال وتصریحات بھی اس معاملہ میں رسالہ "ختم نبوت" کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کیے جاتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث متواترہ میں خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ کے بعد جو شخص اس مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب، مفتری، دجال، گمراہ، گمراہ کرنے والا ہے، اگر چہ وہ کتنی ہی شعبدہ بازی کرے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے کہ سب کے سب محال اور گمراہی میں عقل والوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر یمن میں اور مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر یمامہ میں اس طرح کے حالات فاسدہ اور بے ہودہ اقوال ظاہر کرائے، جن کو دیکھ کر سن کر ہر عقل وفہم والے نے سمجھ لیا کہ یہ دونوں کاذب اور گمراہ ہیں، اللہ ان پر لعنت فرمائے، اسی طرح جو شخص بھی قیامت تک نبوت کا دعویٰ کرے وہ کاذب وکافر ہے، یہاں تک کہ مدعیان نبوت کا یہ سلسلہ مسیح دجال پر ختم ہوگا"

امام غزالی نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور عقیدہ ختم نبوت کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

"بیشک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لا نبی بعدی) سے اور قرائن احوال سے باجماع یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد ابد تک نہ کوئی نبی ہوگا، اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل چل سکتی ہے نہ تخصیص"

اور قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنیوالے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنیوالا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

"امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لیے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، (جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں) بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے"

رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں ائمہ دین اور ہر طبقے کے اکابر علماء کے بہت سے اقوال جمع کر دیئے گئے ہیں اور جو یہاں نقل کیے گئے ہیں ایک مسلمان کے لیے وہ بھی کافی ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهُ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ اَيْ يَرْحَمُكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ اَيْ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَكُمْ لِيُخْرِجَكُمْ لِيُدِيْمَ اِخْرَاجَهٗ اِيَّاكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اَيِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ اَيِ الْاِيْمَانِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ مِنْهُ تَعَالٰى يَوْمَ

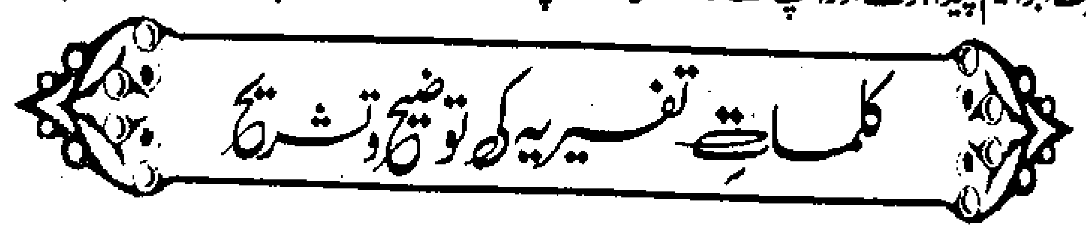
يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ بِلِسَانِ الْمَلٰئِكَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
شَاهِدًا عَلٰى مَنْ اُرْسِلْتَ اِلَيْهِمْ وَّ مُبَشِّرًا مَنْ صَدَّقَكَ بِالْجَنَّةِ وَّ نَذِيْرًا ۝ مُنْذِرًا مَنْ كَذَّبَكَ بِالنَّارِ وَّ
دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اِلٰى طَاعَتِهٖ بِاِذْنِهٖ بِاَمْرِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ اَىْ مِثْلَهٗ فِى الْاِهْتِدَاءِ بِهٖ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ
بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ فِيْمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ وَ
دَعْ اُتْرُكْ اَذٰىهُمْ لَا تُجَازِهِمْ عَلَيْهِ اِلٰى اَنْ تُؤْمَرَ فِيْهِمْ بِاَمْرٍ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ فَهُوَ كَافِيْكَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ۝ مُفَوَّضًا اِلَيْهِ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَمَسُّوْهُنَّ فِىْ قِرَاءَةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اَىْ تُجَامِعُوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ تُحْصُوْنَهَا
بِالْاَقْرَاءِ اَوْ غَيْرِهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ اَعْطُوْهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ اَىْ اِنْ لَّمْ يُسَمِّ لَهُنَّ اَصْدِقَةً وَاِلَّا فَلَهُنَّ نِصْفُ
الْمُسَمّٰى فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ خَلُّوْا سَبِيْلَهُنَّ مِنْ
غَيْرِ اِضْرَارٍ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِىْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ
مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مِنَ الْكُفَّارِ بِالسَّبْيِ كَصَفِيَّةَ وَّ جُوَيْرِيَةَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ
بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِىْ هَاجَرْنَ مَعَكَ بِخِلَافِ مَنْ لَّمْ يُهَاجِرْنَ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ
اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ يَطْلُبُ نِكَاحَهَا بِغَيْرِ صَدَاقٍ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ
اَلنِّكَاحُ بِلَفْظِ الْهِبَةِ مِنْ غَيْرِ صَدَاقٍ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْٓ اَزْوَاجِهِمْ مِنَ الْاَحْكَامِ
بِاَنْ لَا يَزِيْدُوْا عَلٰى اَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَلَا يَتَزَوَّجُوْا اِلَّا بِوَلِيٍّ وَّ شُهُوْدٍ وَّ مَهْرٍ وَفِىْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مِنَ الْاِمَاءِ
بِشِرَاءٍ اَوْ غَيْرِهٖ بِاَنْ تَكُوْنَ الْاَمَةُ مِمَّنْ تَحِلُّ لِمَالِكِهَا كَالْكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ الْمَجُوْسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ وَاَنْ تُسْتَبْرَأَ
قَبْلَ الْوَطْىِ لِكَيْلَا مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَ ذٰلِكَ يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ ضِيْقٌ فِى النِّكَاحِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا فِيْمَا
يَعْسُرُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ رَّحِيْمًا ۝ بِالتَّوْسِعَةِ فِىْ ذٰلِكَ تُرْجِىْ بِالْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ بَدْلَهٗ تُؤَخِّرُ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ اَىْ
اَزْوَاجِكَ عَنْ نَّوْبَتِهَا وَ تُـْٔوِيْٓ تَضُمُّ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۗ مِنْهُنَّ فَتَاْتِيْهَا وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ طَلَبْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

مِنَ الْقِسْمَةِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ فِيْ طَلَبِهَا وَ ضَمِّهَا اِلَيْكَ خُيِّرَ فِيْ ذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ كَانَ الْقَسْمُ وَاجِبًا عَلَيْهِ
ذٰلِكَ التَّخْيِيْرُ اَدْنٰٓى اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ مَا ذُكِرَ الْمُخَيَّرُ فِيْهِ
كُلُّهُنَّ ؕ تَاكِيْدٌ لِلْفَاعِلِ فِيْ يَرْضَيْنَ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ مِنْ اَمْرِ النِّسَاءِ وَالْمَيْلِ اِلٰى بَعْضِهِنَّ
وَاِنَّمَا خَيَّرْنَاكَ فِيْهِنَّ تَيْسِيْرًا عَلَيْكَ فِيْ كُلِّ مَا اَرَدْتَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَلِيْمًا ۝ عَنْ عِقَابِهِمْ لَا
يَحِلُّ بالتاء والياء لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ التِّسْعِ اللَّاتِيْ اخْتَرْنَكَ وَ لَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِتَرْكِ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي
الْاَصْلِ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ بِاَنْ تُطَلِّقَهُنَّ اَوْ بَعْضَهُنَّ وَتَنْكِحَ بَدَلَ مَنْ طَلَّقْتَ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا
مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ مِنَ الْاِمَاءِ فَتَحِلُّ لَكَ وَقَدْ مَلَكَ بَعْدَهُنَّ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ وَوَلَدَتْ لَهٗ اِبْرَاهِيْمَ وَمَاتَ فِيْ
ع ۲ حَيٰوتِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ حَفِيْظًا

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح وشام دن کے شروع میں اور آخر میں اس کی تسبیح کرتے رہا کرو وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں تاکہ تم کو نکالتا رہے ہمیشہ اس کی طرف سے تمہیں نکالنا جاری رہے کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے ان کو دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس روز اللہ تعالیٰ سے ملیں گے سلام ہوگا فرشتوں کی زبانی اور اس نے ان کے لیے بہترین صلہ جنت تیار کر رکھی ہے اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو امت پر گواہ بنا کر اور آپ کے جاننے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے نہ ماننے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور آپ کو ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا یعنی راہ کھانے میں چراغ کی طرح ہیں اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے جنت کا اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانیے اپنی شریعت کی مخالفت میں اور نظر انداز کیجئے چھوڑئے ان کی ایذء رسانی کو ان سے بدلہ نہ لیجئے تاوقتیکہ آپ کو اس بارے میں حکم نہ دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے وہی آپ کو کافی ہے اور اللہ ہی کارسازی کے لیے بس ہے سب کچھ اس کے حوالہ ہے اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو! ایک قراءت میں تماسوھن ہے یعنی تمہارے ہم بستر ہونے سے پہلے تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرنے لگو حیض کے ذریعہ یا طہر کے تو کچھ متعہ کا سامان دیدو یعنی اتنا سامان دیدو کہ وہ اپنا کچھ کام چلالیں اگر ان کا مہر مقرر نہیں ہوا اور نہ انہیں مقررہ مہر کا صرف آدھا حصہ دیا جائے حضرت ابن عباس ؓ کا قول یہی ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک بھی اور خوبی کے ساتھ انہیں رخصت کردو بغیر نقصان پہونچائے انہیں جانے دو۔ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی یہ بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی

ملک ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیا ہے کافروں کو قید کر کے جیسے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے خالاؤں کو بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو برخلاف ان قرابتدار عورتوں کے جنہوں نے ہجرت نہیں اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض خود کو نبی کے حوالہ کر دے بشرطیکہ پیغمبر اسے نکاح میں لانا چاہیں بلا مہر اس سے نکاح کے خواہشمند ہوں یہ آپ کے لیے مخصوص ہے نہ اور مومنین کے لیے بلا مہر ہبہ کے لفظ سے نکاح کا ہو جانا ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں یعنی یہ احکام کہ چار بیویوں سے زیادہ نہ کریں اور بغیر ولی، گواہ اور مہر کے نکاح نہ کریں اور ان کی باندیوں کے بارے میں خواہ وہ خریدی ہوئی ہوں یا کسی اور طرح سے آئی ہوں وہ باندی ایسی ہونی چاہئے جو اپنے آقا کے لیے حلال ہو جیسے کتابیہ باندی برخلاف مجوسی اور بت پرست باندی کے اور یہ حکم کہ آپ ہم بستر ہونے سے پہلے استبراء رحم کرلیں اس لیے ہے تاکہ اس کا تعلق ماقبل سے ہے آپ کے لیے کسی قسم کی تنگی نہ رہے یعنی نکاح کی دشواری اور اللہ جن باتوں سے بچنے میں دشواری ہو انہیں بخشنے والا انہیں آسان بنا کر رحمت کرنے والا ہے دور رکھ سکتے ہیں لفظ ''ترجی'' ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ یاء کے ساتھ مؤخر کر سکتے ہیں ان میں سے جن کو آپ چاہیں یعنی بیویوں کی باری کو قریب رکھ سکتے ہیں اپنے پاس آپ جس کو چاہیں خواہشمند ہوں اور ان میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا باری سے تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے ان کو طلب کرنے اور اپنے پاس رکھنے میں یہ اختیار آپ کو بعد میں ملا ہے پہلے آپ پر بیویوں کی باری مقرر کرنا ضروری تھا اس اختیار دینے میں زیادہ توقع امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ انہیں عنایت کردیں گے مذکورہ اختیارات میں سے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔

لفظ "کلھن یرضین" کے فاعل کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی سب باتیں جانتا ہے اور ان ہی میں سے ہے عورتوں کا حال اور ان میں سے بعض کی طرف آپ کا میلان اور آپ کو یہ اختیار دینے کا مقصد آپ کی خواہش کے مطابق سہولت دینا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے متعلق سب کچھ جاننے والا اور انکو سزا دینے میں بردباری سے کام لینے والا ہے حلال نہیں ہیں تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے آپ کے لیے ان کے علاوہ وہ عورتیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دے لی ہے اور نہ یہ درست ہے کہ آپ تبدیل کرلیں تبدل اصل میں تتبدل تھا ایک تا حذف کر دی گئی ہے ان بیویوں کی دوسری ان سب کو یا بعض کو طلاق دیدیں اور مطلقہ کے بدلہ دوسری سے نکاح کرلیں چاہے آپ کو حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہوں باندیاں اور بھی حلال ہیں چنانہ ماریہ قبطیہ اس کے بعد آپ کے حرم میں داخل ہوئیں جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کے سامنے ہی وفات پا گئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگراں اور محافظ ہے۔



قوله: بُكْرَةً وَّ اَصِيلًا: اس وقت کی تخصیص ان دونوں اوقات کی فضیلت کے پیشِ نظر ہے۔

قوله : تَحِيَّتُهُمْ مِنْهُ تَعَالى :اس میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت کی گئی ہے۔

قوله : شَاهِدًا : حال مقدر معلوم ہے۔

قوله : فَضْلًا كَبِيْرًا : یعنی تمام امتوں پر بہت بڑی فضیلت ہے۔ شاہد ومبشر کا عطف محذوف پر ہے۔

قوله : تُحْصُوْنَهَا : اس میں مردوں کی طرف اسناد اس لیے ہے کہ عدت خاوندوں کا حق ہے۔

قوله : اِمْرَاَةً : یہ اس فعل سے منصوب ہے جس کی تفسیر ماقبل والا فعل کر رہا ہے ای یحل امراۃ۔

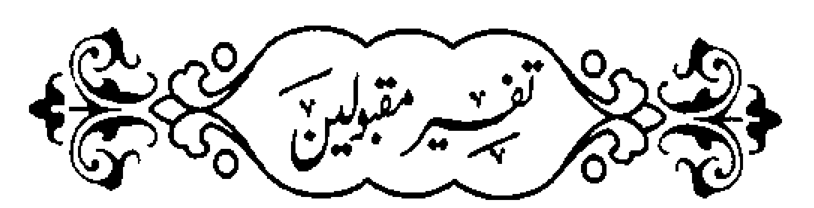
قوله : خَالِصَةً : یہ مصدر موکد ہے۔ یعنی مذکور قیود کے مطابق اس کا حلال ہونا تیرے لیے خالص ہوا۔

قوله : وَالْیَاءِ بَدْلُهٗ : اور معنی ایک ہے۔

قوله : تُؤَخِّرْ : یعنی اس کی مضاجعت چھوڑ دی جائے۔

قوله : بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ : یہ اٰتَيْتَهُنَّ کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله : حُسْنُهُنَّ : تبدیل کی ہوئی عورتوں کا حسن اور تبدل کے فاعل سے حال ہے مفعول نہیں اور وہ الزواج ہے اور من زائدہ ہے۔



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝

اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ ہمیں اس کا بکثرت ذکر کرنا چاہئے اور اس پر بھی ہمیں نعمتوں اور بڑے اجر وثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے فرمایا کیا میں تمھارے بہتر عمل اور بہت ہی زیادہ پاکیزہ کام اور سب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کو راہ اللہ میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی افضل کام نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ عزوجل کا ذکر (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) یہ حدیث پہلے والذاکرین کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول ﷺ سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ دعا یہ ہے (اللھم اجعلنی اعظم شکر ک واتبع نصیحتک واکثر ذکر ک واحفظ وصیتک) یعنی اے اللہ تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار، فرماں بردار، بکثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ (ترمذی وغیرہ) دو اعرابی رسول مقبول ﷺ کے پاس آئے۔ ایک نے پوچھا سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو لمبی عمر پائے، اور نیک اعمال کرے۔ دوسرے نے پوچھا حضور ﷺ احکام اسلام تو بہت سارے ہیں مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتا دیجئے کہ اس میں چمٹ جاؤں آپ نے فرمایا ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ (ترمذی) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر میں ہر وقت مشغول رہو یہاں تک کہ لوگ تمھیں مجنوں کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو یہاں تک کہ منافق تمھیں ریاکار

کہنے لگیں۔ (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت افسوس کا باعث بنے گی۔ (مسند) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر فرض کام کی کوئی حد ہے۔ پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے بیٹھے لیٹے رات کو دن کو خشکی میں تری میں سفر میں حضر میں غنا میں فقر میں صحت میں بیماری پوشیدگی میں ظاہر میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔ صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔ تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمھارے لیے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث وآثار ہیں۔ اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ بزرگوں نے ذکر اللہ اور وظائف کی بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے امام نسائی امام معمری وغیرہ۔ ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ جیسے فرمایا (فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ) (الروم:17) اللہ کے لیے پاکی ہے۔ جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو، اسی کے لیے حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت، پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لیے فرماتا ہے وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے۔ یعنی جب وہ تمھاری یاد رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ تم اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا: (كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۵۱) جس طرح ہم نے تم میں خود تمھی میں سے رسول بھیجا جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جسے تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو میں تمھاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ صلوۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اور ایک قول میں ہے مراد اس کی رحمت ہے۔ اور دونوں قولوں کا انجام ایک ہی ہے۔ فرشتوں کی صلوۃ ان کی دعا اور استغفار ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝) (غافر:۷) عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس والے اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومن بندوں کے لیے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو رحمت و علم سے گھیر لیا ہے۔ اے اللہ تو انہیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں۔ انہیں عذاب جہنم سے بھی نجات دے۔ انہیں ان جنتوں میں لے جا جن کا تو ان سے وعدہ کر چکا ہے۔ اور انہیں بھی ان کے ساتھ پہنچا جو ان کے باپ دادوں بیویوں اور اولادوں میں سے نیک ہیں، انہیں برائیوں سے بچا لے۔ وہ اللہ اپنی رحمت کو تم پر نازل فرما کر اپنے فرشتوں کی دعا کو تمھارے حق میں قبول فرما کر تمھیں جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے نکال کر ہدایت ویقین کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مومنوں پر رحیم وکریم ہے۔ دنیا میں حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور روزیاں عطا فرماتا ہے

اور آخرت میں گھبراہٹ اور ڈر خوف سے بچالے گا۔ فرشتے آ کرانہیں بشارت دیں گے کہ تم جہنم سے آزاد ہو اور جنتی ہو۔ کیونکہ ان فرشتوں کے دل مؤمنوں کی محبت والفت سے پُر ہیں۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ راستے میں تھا اس کی ماں نے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا تو میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور بچے کو گود میں لے کر ایک طرف ہٹ گئی۔ ماں کی اس محبت کو دیکھ کر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خیال تو فرمایئے کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ حضور ﷺ ان کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے قسم اللہ کی! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ (مسند احمد) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ اس نے اپنے بچے کو دیکھتے ہی اٹھالیا اور اپنے کلیجے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی آپ نے فرمایا بتاؤ تو اگر اس کے اختیار میں ہو تو کیا یہ اپنی خوشی سے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے کہا ہرگز نہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے، اللہ کی طرف سے ان کا ثمرہ جس دن یہ اس سے ملیں گے سلام ہوگا۔ جیسے فرمایا: (سلام قولا من رب رحیم) قتادہ فرماتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اس کی تائید بھی آیت: دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۰) سے ہوتی ہے۔ اللہ نے ان کے لیے اجر کریم یعنی جنت مع اس کی تمام نعمتوں کے تیار کر رکھی ہے۔ جن میں سے ہر نعمت کھانا پینا پہننا اوڑھنا عورتیں لذتیں منظر وغیرہ ایسی ہیں کہ آج تو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ چہ جائیکہ دیکھنے میں یا سننے میں آئیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

رسول اللہ ﷺ کی خاص صفات:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ یہ پھر عود ہے رسول اللہ ﷺ کی خاص صفات کمال اور مناقب کی طرف، اس میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ قیامت کے روز امت کے لیے شہادت دیں گے جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری سے ایک طویل حدیث روایت ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز نوح علیہ السلام پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرے گی کہ ان کو اللہ کا کوئی پیغام نہیں پہنچا ہے۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر کوئی آپ کا شاہد بھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ کو پیش کریں گے، یہ امت ان کے حق میں گواہی دے گی، تو امت نوح علیہ السلام ان پر یہ جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ہمارے زمانے سے بہت طویل زمانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس جرح کا

جواب امت محمد یہ سے پوچھا جائے گا، وہ یہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود نہیں تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، جس پر ہمارا ایمان واعتقاد ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لیے شہادت لی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق وتوثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے۔ اور یہ شہادت اس بنا پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اس لیے قیامت کے روز آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواہ ابن المبارک عن سعید بن المسیب، مظہری)

اور مبشر کے معنی بشارت دینے والا، مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے نیک باشرع لوگوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں۔ اور نذیر کے معنی ڈرانے والا، مراد یہ ہے کہ آپ امت کے لوگوں کو درصورت خلاف ورزی ونافرمانی کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔

داعی الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ آپ امت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ داعیاً الی اللہ کو باذنہ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید وشرط کا اضافہ اس اشارہ کے لیے ہے کہ تبلیغ ودعوت کی خدمت سخت دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آسکتی۔

سراج کے معنی چراغ اور منیر کے معنی روشن کرنے والا۔ آنحضرت محمد ﷺ کی پانچویں صفت اس میں یہ بیان فرمائی گئی کہ آپ روشن کرنے والے چراغ ہیں اور بعض حضرات نے سراج منیر سے مراد قرآن لیا ہے، مگر نسق کلام سے قریب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کی صفت ہے۔

بیہقی دقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مؤمنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اس لیے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل واعلیٰ قرار پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم ﷺ سے بلاواسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ درواسطہ ہوکر پہنچا (انتہی کلامہ) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تمام انبیاء خصوصاً رسول کریم ﷺ اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق وممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہر حال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضۂ نور کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے، آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مؤمنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں۔ وجہ اس تشبیہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ کا اختیار ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے۔ اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی متعذر ہے اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات جیسے قرآن میں آئی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو عاص سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں وہ مجھے بتلایئے۔ انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا:

"اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ و حفاظت امین یعنی عرب کی آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے نہ آپ تند خو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے، اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اس وقت تک نہیں واپس لائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعہ ٹیڑھی امت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں، آپ کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ....

ربط: پچھلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کی چند صفات کمال اور آپ کی مخصوص شان کا ذکر تھا آگے بھی آپ کی ان خصوصیات کا ذکر آنے والا ہے، جو نکاح و طلاق کے معاملات میں آپ کے ساتھ ایک گونہ خصوصیت رکھتی ہیں اور عام امت کی نسبت سے آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے۔ اس سے پہلے بطور تمہید کے ایک عام حکم متعلقہ طلاق ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کیے گئے ہیں:

پہلا حکم: یہ کہ کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے، تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ آیت مذکورہ میں ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی یا حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اور صحبت حکمی خلوت صحیحہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا حکم: یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے، کچھ سامان دے کر

رخصت دینا ہر مطلقہ کے لیے مستحب و مسنون ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر میں گزر چکی ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت: لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن کے تحت میں گزر چکی ہے، اور ان الفاظ قرآنی میں لفظ متاع اختیار فرمانا شاید اس حکمت سے ہو کہ یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، ہر اس چیز کے لیے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں کہ اگر اب تک مہر نہ دیا گیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دیں، اور غیر واجب حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر رخصت کرنا یہ بھی داخل ہے جو ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے (کذافی المبسوط والمحیط، روح) اس لحاظ سے متعوہن کا صیغہ امر عام ترغیب کے لیے ہے، جس میں واجب اور غیر واجب دونوں قسمیں شامل ہیں۔ (روح)

امام حدیث عبد بن حمید نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ متعہ یعنی متاع و سامان دینا ہر مطلقہ کے لیے ہے خواہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس کا مہر مقرر ہو یا نہ ہو۔

طلاق کے وقت متعہ یعنی لباس کی تفصیل:

بدائع میں ہے کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور ہی استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتا، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے۔ اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (کذا قال الخصاف فی النفقات)

اسلام میں حسن معاشرت کی بے نظیر تعلیم:

دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں تک اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق حسن معاشرت کا سارا زور صرف یہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے مخالف اور دشمن کے بھی حقوق پہچاننا اس کے لیے قوانین وضع کرنا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے۔ اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کے لیے دنیا میں بہت سے مستقل ادارے قائم کیے گئے ہیں، اور اس کے لیے کچھ ضابطے قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لیے اقوام عالم سے لاکھوں روپے کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، مگر اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں۔ جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی بے غرض اور ہر جگہ نہیں، بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اور بالفرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی زیادہ سے زیادہ اس وقت پہنچ ہو سکتی ہے جب کسی خطہ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان، وبائی امراض وغیرہ کا پیش آ جائے۔ افراد و احاد کی مصیبت و تکلیف کو کس کی خبر ہوتی ہے، کون مدد کو پہنچ سکتا ہے؟ شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھئے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت غصے اور ناراضی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی یگانگت اور محبت و الفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نقیض بن کر نفرت،

دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات نے عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہی ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ نفس کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس عورت نے ہمیں ستایا اذیت دی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبوری ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے اور جو انتقام اس سے لیا جاسکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر قرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لیے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت کو شوہر کے مکان میں گزارنے کی لگادی۔ طلاق دینے والے پر یہ فرض کردیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے، اور اس کو بھی پابند کردیا کہ ایام عدت میں اس گھر سے نہ نکلے۔ دوسرے شوہر پر فرض کردیا کہ طلاق دے دینے کے باوجود اس زمانہ عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے۔ تیسرے شوہر کے لیے مستحب کیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو رخصت کرے تو متاع یعنی لباس دے کر عزت کے ساتھ رخصت کرے۔ صرف وہ عورتیں جن کے ساتھ صرف نکاح کا بول پڑھا گیا ہے رخصتی اور خلوت وصحبت کی نوبت نہیں آئی وہ عدت سے مستثنیٰ قرار دی گئیں، لیکن ان کے متاع کی تاکید بہ نسبت دوسری عورتوں کے زیادہ کردی گئی۔ اسی کے ساتھ

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ: سرحوھن سراحا جمیلا، یعنی ان کو رخصت کردخوبی کے ساتھ، جس میں یہ پابندی لگادی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں۔

مخالفت کے وقت مخالف کے حقوق کی رعایت وہی کرسکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے، اسلام کی ساری تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ....

آیات مذکورہ میں نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلق ان سات احکامات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہیں۔ اور یہ خصوصیات آنحضرت محمد ﷺ کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہیں، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح اور جلی ہے اور بعض ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں مگر ان میں کچھ قیدیں شرطیں رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہیں، اب ان کی تفصیل دیکھیے۔

پہلا حکم: اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ "یعنی ہم نے حلال کردیا۔ آپ کے لیے آپ کی سب موجودہ ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کردیئے ہیں۔" یہ حکم بظاہر سبھی مسلمانوں کے لیے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں اور عام مسلمانوں کے لیے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں، تو یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لیے حلال کردیا گیا۔

اور اس آیت میں جو الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ فرمایا ہے یہ کوئی قید احترازی یا شرط حلت نہیں بلکہ واقعہ کا اظہار ہے کہ جتنی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں آپ نے سب کا مہر نقد ادا کردیا ادھار نہیں رکھا۔ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ

جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ عائد ہوتا اس کو فوراً ادے کر سبکدوش ہو جاتے تھے، بلاضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے۔ اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

دوسرا حکم: وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ "یعنی آپ کے لیے حلال کر دیا ان عورتوں کو جو آپ کی ملک میں ہوں، اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مالک بنا دیا ہے اس آیت میں لفظ أَفَآءَ. فیئ سے مشتق ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ مال جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظ فئی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اس کا ذکر کسی شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لیے صرف وہ کنیز حلال ہوگی جو مال فئی یا غنیمت میں سے آپ کے حصہ میں آتی ہو، بلکہ جس کو آپ نے قیمت دے کر خریدا ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہے۔

لیکن اس حکم میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کا کوئی اختصاص و امتیاز نہیں، پوری امت کے لیے یہ حکم ہے، جو کنیز مال غنیمت سے حصہ میں آئے یا جس کی قیمت دے کر خریدیں وہ ان کے لیے حلال ہے، اور بظاہر سیاق ان تمام آیات کا یہ چاہتا ہے کہ ان میں جو احکام آئے ہیں وہ کچھ نہ کچھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں۔ اسی لیے روح المعانی میں کنیزوں کی حلت سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی سے حلال نہیں۔

اسی طرح جو کنیز آپ کے لیے حلال کی گئی ہے آپ کے بعد وہ کسی کے لیے حلال نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ ہیں جن کو مقوقس بادشاہ روم نے آپ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ تو جس طرح آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کا نکاح کسی سے جائز نہیں تھا ان کا بھی نکاح کسی سے جائز نہیں رکھا گیا۔ اس لحاظ سے: مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ کے حلال ہونے میں بھی آپ کی ایک خصوصیت ثابت ہوگئی۔

اور سیدی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ، نے اور دو خصوصیتیں بیان القرآن میں بیان فرمائی ہیں جو مذکورہ خصوصیت سے زیادہ واضح ہیں:

اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے آپ اس میں سے کسی چیز کا اپنے لیے انتخاب فرمالیں تو وہ آپ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صفی النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا تو ملک یمین کے مسئلہ میں یہ صرف آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دار الحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لیے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو یہ آپ ہی کی ملک قرار پائیں۔ واللہ اعلم۔

تیسرا حکم: بنت عمك وبنت عمتك ال آیۃ، اس آیت میں عم اور خال کو مفرد اور عمات اور خالات کو جمع لانے کی توجیہات

علماء نے بہت لکھی ہیں، تفسیر روح المعانی نے ابوحیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا ہے کہ محاورہ عرب کا اسی طرح ہی اشعار عرب اس پر شاہد ہیں کہ عم کی جمع استعمال نہیں کرتے مفرد ہی استعمال ہوتا ہے۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ کے لیے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، چچا پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں، اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔ لیکن ان میں یہ قید کہ انہوں نے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عام امت کے لیے تو باپ اور ماں کے خاندان کی یہ لڑکیاں بغیر کسی شرط کے حلال ہیں، خواہ انہوں نے ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر رسول اللہ ﷺ کے لیے ان میں سے صرف وہ حلال ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سفر میں آپ کی معیت رہی ہو یا ایک ہی وقت میں ہجرت کی ہو، بلکہ مراد نفس ہجرت میں معیت وموافقت ہے۔ ان میں سے جس نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا، جیسا کہ آپ کے چچا ابو طالب کی بیٹی ام ہانی نے فرمایا کہ مجھ سے آپ کا نکاح اس لیے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا۔ طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا نہ غلام بنایا۔ (روح وجصاص)

اور رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے لیے مہاجرات کی شرط صرف اپنی ماں باپ کے خاندان کی لڑکیوں میں تھی، عام امت کی عورتوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔ اور خاندان کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط لگانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ عموماً خاندان کی لڑکیوں کو اپنے خاندان کا ایک ناز اور فخر ہوتا ہے، اور رسول کی زوجیت کے لیے یہ شایان شان نہیں، اس کا علاج ہجرت کی شرط سے کیا گیا۔ کیونکہ ہجرت صرف وہی عورت کرے گی جو اللہ ورسول کی محبت کو اپنے سارے خاندان اور وطن وجائیداد کی محبت سے غالب رکھے۔ نیز ہجرت کے وقت انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں، اور اللہ کی راہ میں جو تکلیف ومشقت اٹھائی جائے اس کو اصلاح اعمال میں خاص دخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماں اور باپ کے خاندان کی لڑکیوں سے نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لیے ایک خصوصی شرط یہ ہے کہ انہوں نے مکہ سے ہجرت کرنے میں آپ کا ساتھ دیا ہو۔

چوتھا حکم: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴾ "یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لیے ہبہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے، اگر آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لیے بلا مہر کے بھی نکاح حلال ہے، اور یہ خاص حکم آپ کے لیے ہے دوسرے مؤمنین کے لیے نہیں"

اس معاملہ کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح ہے کیونکہ عام لوگوں کے لیے نکاح میں مہر شرط لازم ہے، یہاں تک کہ اگر بوقت نکاح کسی مہر کا ذکر نہ ہی یا نفی کے ساتھ آیا کہ عورت نے کہا کہ مہر نہیں لوں گی، یا مرد نے کہا کہ نکاح اس شرط پر کرتے ہیں کہ مہر نہیں دیں گے، دونوں صورتوں میں ان کا کہنا اور شرط شرعی حیثیت سے لغو ہوگی، اور شرعاً مہر مثل

واجب ہوگا۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت سے نکاح بلامہر حلال کیا گیا ہے جبکہ عورت بلامہر نکاح کرنے کی خواہش مند ہو۔

فائدہ: یہ حکم کہ جو عورت آپ کے لیے اپنے آپ کو ہبہ کرے۔ یعنی بلامہر کے نکاح کرنا چاہے وہ آپ کے لیے حلال ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش بھی آیا یا نہیں؟ بعض نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح کرنا ثابت نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے کسی ہبہ کرنے والی عورت سے نکاح نہیں کیا، اور بعض حضرات نے بعض ایسی عورتوں سے نکاح ہونا ثابت کیا ہے۔ (روح المعانی)

اس حکم کے ساتھ جو جملہ خَالِصَةً لَّكَ کا آیا ہے، اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چہارم کے ساتھ مخصوص کہا ہے اور زمخشری وغیرہ مفسرین نے اس جملے کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں، کہ یہ سب خصوصیات نبی کریم ﷺ کی ہیں۔ اس کے آخر میں فرمایا: لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ، یعنی یہ خصوصی احکام آپ کے لیے اس لیے دیئے گئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ جو احکام مخصوصہ اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں پہلا حکم یعنی چار سے زائد بیبیاں آپ کے لیے حلال کر دی گئیں اور حکم چہارم کے بغیر مہر کے نکاح حلال کر دیا گیا، ان میں تو تنگی کا رفع کرنا اور مزید سہولت دیا جانا ظاہر ہے، مگر باقی تین حکم یعنی دوم وسوم اور پنجم ان میں تو بظاہر آپ پر کچھ مزید قیدیں لگا دی گئیں جن سے تنگی اور بڑھنی چاہیے۔ مگر اس میں اشارہ فرما دیا کہ اگرچہ ظاہر میں یہ قیدیں ایک تنگی بڑھاتی ہیں، مگر ان میں آپ کی ایسی مصلحتوں کی رعایت ہے کہ یہ قیدیں نہ ہوتیں تو آپ کو بڑی تکلیف پیش آتی جو ضیق قلب کا سبب بنتیں، اس لیے قید زائد میں بھی آپ کی تنگی رفع کرنا ہی مقصود ہے۔

پانچواں حکم: جو آیات مذکورہ میں مؤمنہ کی قید سے مستفاد ہوتا ہے یہ کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے لیے یہود ونصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بنص قرآن حلال ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے لیے عورت کا مؤمن ہونا شرط ہے، کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

ان پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجمالاً ذکر فرمایا ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ، یعنی احکام مذکورہ آپ کے لیے مخصوص ہیں، باقی مسلمانوں کے نکاح کے لیے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوسکتا اور کتابیات سے ان کا نکاح ہوسکتا ہے، اسی طرح سابقہ احکام میں جو قیدیں شرطیں آپ کے نکاح کے لیے ضروری قرار دی گئی ہیں وہ اوروں کے لیے نہیں ہیں۔

آخر میں فرمایا: لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ، یعنی نکاح کے معاملے میں آپ کے لیے یہ خصوصی احکام اس لیے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور جو قیدیں شرطیں آپ پر بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے زائد لگائی گئی ہیں اگرچہ بظاہر وہ ایک قسم کی تنگی ہے مگر جن مصالح اور حکمتوں کے پیش نظر آپ کے لیے یہ شرطیں لگائی ہیں ان میں غور کریں تو وہ بھی آپ کی روحانی پریشانی اور تنگ دلی کو دور کرنے ہی کے لیے ہیں۔

یہاں تک نکاح کے متعلق پانچ احکام آئے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی نہ کوئی خصوصیت رکھتے ہیں۔ آگے دو حکم انہی پانچ احکام سے متعلق بیان فرمائے ہیں،

چھٹا حکم: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ، تُرْجِيْ، ارجاء سے مشتق ہے، جس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں، اور تو ی، ایواء سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں مؤخر کردیں جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حکم ہے، عام امت کے لوگوں کے لیے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ برابری سے مراد نفقہ کی برابری اور شب باشی میں برابری ہے کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں اتنی دوسری اور تیسری کے ساتھ گزارنا چاہئے، کمی بیشی ناجائز ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ کو اس معاملے میں مکمل اختیار دے دیا کہ جس بی بی سے ایک مرتبہ اجتناب کا ارادہ کرلیا پھر اگر چاہیں تو اس کو پھر قریب کرسکتے ہیں۔ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ، کا یہی مطلب ہے۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ اعزاز بخشا کہ ازواج مطہرات میں برابری کرنے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس استثناء واجازت کے باوجود اپنے عمل میں ہمیشہ برابری کا التزام ہی فرمایا۔ امام ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ حدیث کی روایت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد بھی ازواج مطہرات میں برابری کی رعایت ہمیشہ رکھتے تھے، پھر اپنی اسناد کے ساتھ حضرت صدیقہ عائشہ سے یہ حدیث نقل کی جو مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں بھی موجود ہے:

"رسول اللہ ﷺ سب ازواج میں برابری فرماتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے اس میں تو میں نے برابر کرلی، (یعنی نفقہ اور شب باشی وغیرہ میں) مگر جس میں میرا اختیار نہیں اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ فرمائیں اور مراد دل کی محبت ہے، کسی سے زیادہ کسی سے کم"

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے، جب کہ یہ آیت نازل ہوچکی تھی، وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ.... (جس میں بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کردیا گیا)۔

یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے، کہ مرض وفات میں جب آپ کو ازواج مطہرات کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہوگیا تو آپ نے سب سے اجازت حاصل کرکے حضرت صدیقہ عائشہ کے بیت میں بیماری کے دن گزارنا اختیار فرمایا تھا۔

انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جن کاموں میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رخصت آپ کی آسانی کے لیے دی جاتی تھی تو اس کی شکر گزاری کے طور پر آپ عموماً عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت کو صرف ضرورت کے وقت استعمال کرتے تھے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ .... یہ حکم ششم یعنی نبی کریم ﷺ سے ازواج مطہرات میں برابری کی فرضیت کا اٹھادینا اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دے دینا، اس کی علت وحکمت کا بیان ہے۔ آپ کو یہ عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ اپنے حصہ پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشاء کے خلاف اور ان کے رنج کا سبب ہوسکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا گیا؟ اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں اوپر آچکا ہے کہ دراصل ناراضی کا اصل سبب اپنا استحقاق ہوتا ہے، جس شخص کے متعلق انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا فلاں حق اس کے ذمہ واجب ہے، اگر وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو رنج وغم پیش آتا ہے۔ اور جس شخص پر ہمارا کوئی حق واجب نہ ہو پھر وہ جو کچھ بھی مہربانی کرے وہ خوشی ہی خوشی ہوتی ہے، یہاں بھی جب یہ بتلادیا گیا کہ ازواج میں برابری کرنا آپ پر واجب نہیں، بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بی بی کو جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے گا، وہ اس کو ایک احسان وتبرع سمجھ کر خوش ہوگی۔

آخر میں فرمایا: اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور وہ بڑے علم والا بڑے حلم والا ہے۔ آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو دربارہ نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی طرح کی خصوصیت رکھتے ہیں، آگے بھی ایسے ہی بعض احکام کا بیان آرہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ تمارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیم وحلیم ہے، بظاہر ماقبل اور مابعد سے کوئی جوڑ نہیں رکھتا۔ روح المعانی میں فرمایا کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے چار سے زیادہ ازواج کی اجازت اور بلا مہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہوسکتے تھے، اس لیے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دے دی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس پر ایمان کو پختہ کریں کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو بہت سی حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہیں، نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گزر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج کا مسئلہ:

اعداء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج کو اسلام کی مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف وسوسہ پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ جس سے ثابت ہے کہ آپ نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا۔ یہ پچاس سالہ دور عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا۔ چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کے ستانے اور آپ پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل

سکا، جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے۔
پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضرت سودہ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔
ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہوجانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہ کی رخصتی آنحضرت ﷺ کے گھر میں ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا۔ یہ حضرت زینب چند ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔ ۴ ہجری میں حضرت ام سلمہ جو صاحب اولاد بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش سے بحکم خداوندی نکاح ہوا، جس کا ذکر سورۃ احزاب کے شروع میں آچکا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال تھی۔ آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں۔ ان نو ازواج مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ سے دو ہزار دو سو دس احادیث اور حضرت ام سلمہ سے تین سو اڑسٹھ احادیث کی روایت معتبر کتب حدیث میں جمع ہیں۔ حضرت ام سلمہ نے جو احکام و فتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ اگر ان کو جمع کرلیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے، دو سو سے زیادہ حضرات صحابہ حضرت صدیقہ عائشہ کے شاگرد ہیں، جنہوں نے حدیث اور فقہ وفتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

اور بہت سی ازواج کو حرم نبوی میں داخل کرنے میں ان کے خاندان کو اسلام کی طرف لانے کی حکمت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اس اجمالی نقشہ کو سامنے رکھیں تو کیا کسی کو یہ کہنے کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ یہ تعدد اور کثرت ازواج معاذ اللہ کسی نفسانی اور جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ہوا تھا، اگر یہ ہوتا تو ساری عمر تجرد یا ایک بیوہ کے ساتھ گزارنے کے بعد عمر کے آخری حصہ کو اس کام کے لیے کیوں منتخب کیا جاتا۔ یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ، نیز اصل مسئلہ تعدد ازواج پر شرعی اور عقلی، فطری اور اقتصادی حیثیت سے مکمل بحث معارف القرآن جلد دوم سورۃ نساء کی تیسری آیت کے تحت میں آچکی ہے وہاں دیکھا جائے۔ (معارف جلد دوم، ص ۲۸۲ تا ۲۹۲)۔

ساتواں حکم: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ. "یعنی اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں، اور یہ بھی حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں"

اس آیت میں لفظ مِنْ بَعْدُ کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ مِنْ بَعْدُ سے مراد یہ ہو کہ بعد ان نو عورتوں کے جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں، اور کسی سے آپ کا نکاح حلال نہیں، بعض صحابہ اور ائمہ تفسیر سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لیے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی وفراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات

گرامی کو بھی انہی نو ازواج کے لیے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا۔ (رواہ البیہقی فی سننہ کذا فی الروح)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ کے لیے مخصوص فرما دیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ کو بھی ان کے لیے مخصوص فرما دیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے۔ حضرت عکرمہ سے بھی ایک روایت میں یہ تفسیر منقول ہے۔

اور حضرت عکرمہ، ابن عباس اور مجاہد ائمہ تفسیر سے ایک روایت میں لفظ من بعد کی یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ من بعد الاصناف المذکورۃ، یعنی شروع آیت میں آپ کے لیے جتنی اقسام عورتوں کی حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔ مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے میں آپ کی موافقت کی تھی، خاندان کی عورتوں میں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح مؤمنہ کی قید لگا کر آپ کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار دے دیا گیا۔ تو آیت کے جملہ من بعد کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لیے حلال کر دی گئی ہیں صرف انہی میں سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے، عام عورتوں میں تو مسلمان ہونا ہی شرط ہے اور خاندان کی عورتوں میں مسلمان ہونے کے ساتھ مہاجرہ ہونا بھی شرط ہے۔ جن میں یہ دو شرطیں موجود نہ ہوں، ان سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ جملہ کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ پہلے ہی حکم کی تاکید و توضیح ہے، جو شروع آیت میں بیان ہوا ہے۔ اور اس آیت کی وجہ سے نو کے بعد کسی اور عورت سے نکاح حرام نہیں کیا گیا، بلکہ غیر مؤمنہ اور خاندان کی غیر مہاجرہ سے نکاح ممنوع ہوا ہے، جو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، باقی عورتوں سے مزید نکاح آپ کے اختیار میں رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت سے بھی اس دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے، کہ آپ کیلئے مزید نکاح کرنے کی اجازت رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ آیت مذکورہ کی اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے تو اس جملے کا مطلب واضح ہے کہ اگرچہ آپ کو موجودہ ازواج کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح بشرائط مذکورہ جائز ہے، مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں یعنی خالص تبدیلی کی نیت سے کوئی نکاح جائز نہیں، بغیر لحاظ و نیت تبدیلی کے جتنے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔

اور اگر آیت مذکورہ کی پہلی تفسیر مراد لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ آئندہ نہ کسی عورت کا اضافہ موجودہ ازواج میں آپ کر سکتے ہیں، اور نہ کسی کی تبدیلی کر سکتے ہیں، کہ اسے طلاق دے کر اس کے قائم مقام کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُوْلِ بِالدُّعَاءِ اِلٰى طَعَامٍ فَتَدْخُلُوْا غَيْرَ نٰظِرِيْنَ مُنْتَظِرِيْنَ اِنٰىهُ نَضْجَهُ مَصْدَرُ اَنٰى يَاْنِيْ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ

فَانْتَشِرُوْا وَلَا تمکثوا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ مِنْ بَعْضِكُمْ بِبَعْضٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ الْمُكْثُ كَانَ يُؤْذِي
النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ اَنْ يُخْرِجَكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ اَنْ يُخْرِجَكُمْ اَىْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ وَقُرِئَ
يَسْتَحِي بِيَاءٍ وَاحِدَةٍ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ اَىْ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ستر
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِيْبَةِ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِشَيْءٍ وَ
لَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ ذَنْبًا عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ
تُخْفُوْهُ مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ
اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ اَىْ
الْمُؤْمِنَاتِ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ مِنَ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوْهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ وَ
اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ فِيْمَا اُمِرْتُنَّ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ اِنَّ اللّٰهَ وَ
مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ مُحَمَّدٌ (ﷺ) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اَىْ
قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَهُمُ الْكُفَّارُ يَصِفُوْنَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ
مُنَزَّهٌ عَنْهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيْكِ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَبْعَدَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ ذَا اِهَانَةٍ وَهُوَ النَّارُ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا
يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا تَحَمَّلُوْا كِذْبًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ بَيِّنًا ع

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جس وقت تم کو اجازت دی جائے داخل ہونے کی کھانے کے لیے تو داخل ہو سکتے ہو ایسے طور پر کہ انتظار میں نہ رہو منتظر ہو کر بیٹھنا پڑے اس کی تیاری کے پکنے کے انا مصدر ہے انی یانی کا البتہ جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو ٹھہرے مت رہا کرو جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو باتیں کرنے کے لیے آپس میں اس بات ٹھہرنے سے پیغمبر کو ناگواری ہوئی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اٹھ جانے کے لیے نہیں کہتے لیکن اللہ صاف صاف باتیں کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا کہ باہر ہو جاؤ یعنی اس کے بیان کرنے سے نہیں چوکتا اور ایک قراءت میں یستحی ایک یاء کے ساتھ ہے اور جب تم ازواج سے مانگو کوئی چیز تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے وساوس اور شبہات سے اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو کسی طرح بھی کسی چیز کی تکلیف

پہونچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آنحضور کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ اللہ پاک کے نزدیک بڑی بھاری بات گناہ ہے اگر تم کسی چیز کو ظاہر کروگے اور یا اسے دل میں پوشیدہ رکھوگے ازواج سے نکاح کے سلسلہ میں آنحضور کے بعد تو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے لہٰذا وہ اس پر سزا دے گا پیغمبروں کی بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور نہ اور مسلمان عورتوں اور اپنی باندیوں کے بارے میں یعنی باندی غلام آپ کی بیویوں کو دیکھ بھی سکتے ہیں اور بلا پردہ گفتگو بھی کرنے کی بھی اجازت ہے اور مذکورہ احکام کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے حاضر ناظر ہے کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آنحضرت ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ اللہم صلی علی محمد وسلم پڑھا کرو بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے رہتے ہیں اور وہ کفار ہیں جو اللہ کے لیے تو بیٹے اور شریک جیسے اوصاف مانتے ہیں جن سے اللہ پاک ہے اور اس کے رسول کو جھٹلاتے رہتے ہیں اللہ ان پر لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں ان کو اپنے سے دور کر دیا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب اہانت آمیز آگ تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں، ایمان والی عورتوں کو ستاتے رہتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو بے قصور ان پر تہمت طرازی کرتے رہتے ہیں تو وہ لوگ بہتان (جھوٹ) اور کھلا ہوا صریح گناہ اٹھاتے ہیں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِالدُّعَاءِ: اِلٰی طَعَامٍ کا تعلق یُؤْذَنَ سے ہے کیونکہ وہ یدعٰی کے معنٰی کو متضمن ہے۔ اس لیے کہ بن بلائے دعوت میں شریک ہونا اچھا نہیں۔

قوله: غَیْرَ نٰظِرِیْنَ: یہ تَدْخُلُوْا کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: اِنٰىهُ: یہ اَنٰی کا مصدر ہے جب کہ وہ پک کر تیار ہو جائے۔

قوله: فَانْتَشِرُوْا: منتشر ہو جاؤ۔

قوله: تمکثوا: وہ مُسْتَاْنِسِیْنَ کا فعل مقدر ہے اور تمکثوا ہے۔

قوله: لَا یَتْرُکُ بیانَهٗ: اس میں اشارہ کیا کہ استحیاء سے مراد ترک لازم ہے۔

قوله: بِیَاءٍ وَاحِدَةٍ: پہلی یاء حذف کر کے اس کی حرکت ھا کو دے دی۔

قوله: اَنْ یَّرَوْھُنَّ: بعض نے کہا یہ لونڈیوں کے ساتھ خاص ہے۔

قوله: وَھُمُ الْکُفَّارُ: کفار ایسے معاصی کرتے ہیں جو پسندیدہ نہیں ہیں، یہ اطلاق مسبب علی السبب کی قسم سے ہے۔

قوله: بُھْتَانًا: جنہوں نے جھوٹ کو باندھا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ.....

نزول آیت حجاب کا واقعہ:

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب رسول خدا نے حضرت زینبؓ (بنت جحش) سے نکاح کیا (اور ولیمہ کھانے کے لیے آپ ﷺ کے دولت کدہ پر) لوگ حاضر ہوئے تو طعام ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہ گئے، حضور اقدس ﷺ نے (چاہا کہ وہ لوگ اٹھ جائیں لہٰذا آپ نے) ایسا طرز اختیار فرمایا کہ آپ اٹھ رہے ہیں (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مزاج میں وسعت اخلاق کے باعث لحاظ بہت تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے صاف طور سے یہ نہ فرمایا کہ چلے جاؤ) وہ آپ ﷺ کو اٹھتے دیکھ کر بھی نہ اٹھے، جب آپ ﷺ نے یہ حال دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے، آپ ﷺ کے اٹھ جانے پر کچھ آدمی تو چلے گئے اور کچھ رہ گئے، حضور اقدس ﷺ (حضرت عائشہؓ کے دروازے تک جا کر یہ سمجھتے ہوئے) واپس ہوئے کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے۔ جب تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں (لہٰذا آپ ﷺ پھر واپس ہو گئے) اس کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور چلے گئے، میں نے ان کے چلے جانے کی خبر آپ ﷺ کو دی، آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ ﷺ نے (مجھ کو روک دیا اور) میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ (آخر تک) نازل ہوئی۔

یہ قصہ بخاری شریف میں کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً کئی جگہ مروی ہے۔ حضرت انسؓ بچپن سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت حضرت انسؓ کی عمر دس سال تھی اور آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ۵ ہجری میں نکاح فرمایا لہٰذا اس حساب سے اس واقعہ کے وقت حضرت انسؓ کی عمر پندرہ سال ہوئی۔ چونکہ وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اسی وجہ سے جب آنحضرت ﷺ لوگوں کے چلے جانے کے بعد گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت انسؓ نے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اندر جانے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس اثناء میں پردہ کا حکم آ چکا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو گھر کے اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت انسؓ چونکہ شروع واقعہ سے آخر تک موجود تھے اس لیے فرمایا کرتے تھے (انا اعلم الناس بھذہ) (یعنی میں پردہ کی آیت کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔)

اس آیت میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو، ہاں اگر تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو کہ جلدی پہنچ جاؤ اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔ دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے منتشر ہو جاؤ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہو اور باتوں میں جی لگائے رہو کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں صاف بتاتا ہے اور صاف حکم دیتا ہے کہ تم کھانا کھا کر چلے جاؤ

نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو، اس میں پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم فرمادیا کہ مردوں کو کوئی چیز طلب کرنا ہو تو وہ بھی پردے کے پیچھے سے طلب کریں اور عورتیں بھی سامنے نہ آئیں، کوئی چیز دینا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے دیں۔ پردہ کے اس اہتمام پر مزید زور دیتے ہوئے فرمایا ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ، یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ایذا مت پہنچاؤ جو لوگ گھر میں بیٹھے رہ گئے تھے ان سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچی تھی، وہ ایک وقتی اور خاص قسم کی ایذا تھی اس کے بعد عمومی حکم فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی کسی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ۔

پانچواں حکم فرمایا کہ نبی کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح مت کرنا، اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا کہ (وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ) کہ آپ ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں اور یہاں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ حکم ان پاک بیبیوں کے اکرام واحترام کی وجہ سے ہے، مزید فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ (بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے) یعنی بہت بڑی معصیت ہے، نہ گناہ کا ارادہ کرو نہ گناہ کرو۔ اسی کو فرمایا (اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ) اگر تم ظاہراً کوئی گناہ کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے تو دونوں گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوں گے وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی (فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾) (وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔)

واضح رہے کہ جو احکام اوپر مذکور ہوئے ہیں ان میں صرف ایک حکم ایسا ہے جو آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی کسی بیوی سے کسی کا بھی نکاح جائز نہیں، باقی احکام سب کے لیے برابر ہیں، نہ تو کسی کے یہاں بغیر بلائے دعوت میں جائے اور نہ بلائے جانے کی صورت میں کھانا پکنے کے انتظار میں اس کے گھر میں جا کر بیٹھا رہے اور نہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے بلکہ کھانا کھا کر وہاں سے چلا جائے، اگر کسی نامحرم عورت سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کریں، نہ عورت سامنے آئے نہ مرد عورت کو دیکھیں۔ آج کل کے بعض جاہل جو پردہ کے دشمن ہیں انہوں نے جاہلانہ نکتہ نکالا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنے کا حکم صرف آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کے لیے ہے، غور کرنے کی بات ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کے بارے میں امت کے افراد کو یہ حکم ہے کہ پردہ کے پیچھے سے سوال کریں حالانکہ ان کو مسلمانوں کی مائیں بتایا گیا ہے تو دوسری عورتوں سے بغیر پردہ کے سامنے ہو کر بات چیت یا کوئی چیز طلب کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے خصوصاً اس زمانے میں جو فساد اور فتنوں کا دور ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ ....

حکم پردہ کے بارے میں رعایت کا ذکر:

اس ارشاد سے ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جن کیلئے پردے کے بارے میں رعایت ہے۔روایات میں وارد ہے کہ جب پردے کا حکم نازل ہوا تو باپوں اور بیٹوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم پر بھی یہ پابندی ہے؟ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو پردے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں۔(جامع، منوہ، مراغی وغیرہ)۔اور چچا اور ماموں کے بارے میں کہا گیا کہ چونکہ وہ باپ کے حکم میں ہیں اس لیے ان کو الگ بیان نہیں فرمایا گیا۔ لانهما بمنزلة الابوين فلا حاجة لذكرهما۔(جامع البیان: ج 2 ص 173)۔بہر کیف اس ارشاد ربانی میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جن کیلئے پردے کے حکم اور اس کی پابندیوں کے سلسلے میں خاص رعایت ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اس میں حرج ہے جو کہ دین حنیف کی شان یسر کے خلاف ہے۔

وَلَا نِسَآئِهِنَّ سے مراد ایماندار اور شریف عورتیں ہیں نہ کہ کافر عورتیں۔کیونکہ وہ فساد کا باعث بنتی ہیں۔اور وہ مسلمان عورتوں کی صفات اور ان کے احوال اپنے خاندوں وغیرہ کفار کو پہنچاتی ہیں۔اور اسی حکم میں وہ عورتیں بھی اشتراک علت کی وجہ سے داخل اور شامل ہو جائیں گی جو نام کی تو مسلمان ہوں مگر ان کا اخلاقی بگاڑ غیر مسلموں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہو۔ جیسا کہ دور حاضر میں پایا جاتا ہے-والعیاذ باللہ العظیم-بہر کیف اوپر والے ارشاد ربانی میں پیغمبر کے گھروں میں دوسروں کے داخلے سے متعلق جو پابندیاں عائد فرمائی گئی تھیں، ان پابندیوں سے جو لوگ مستثنیٰ ہیں یہاں ان کی تفصیل بیان فرمادی گئی۔ اور ان خاص رشتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اس استثناء کا سبب ہیں جس سے یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ جو رشتہ دار انکے حکم میں ہیں وہ سب اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔ان کے اوپر صرف وہی پابندیاں ہیں جو سورۃ نور میں مذکور ہوئی ہیں۔آخر میں ازواج مطہرات کو بھی اسی طرح تقویٰ و پرہیزگاری کی تنبیہ و تلقین فرمادی گئی جس طرح کی تنبیہ و تلقین دوسروں کیلئے فرمائی گئی ہے۔اور یہ کہ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔اس سے انسان کسی بھی جگہ اور کسی بھی طرح چھپ نہیں سکتا۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ...

اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو:

اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے۔اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود وسلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمالیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

آیت شریفہ میں لفظ (يُصَلُّوْنَ) وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ بلا شبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ لفظ (يُصَلُّوْنَ) صلوٰۃ سے ماخوذ ہے، مفسرین ومحدثین نے فرمایا ہے کہ لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رحمت، دعا، مدح وثناء پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثنا، تعظیم اور رحمت وشفقت مراد لیں گے، جیسا کہا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو محبت باپ کو بیٹے سے ہے بیٹے کو باپ سے اس طرح کی محبت نہیں ہے۔ نیز بھائی بھائی کی محبت اور باپ بیٹے کی محبت جدا ہوتی ہے لیکن محبت سب کو ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ کو سمجھ لو کہ اللہ جل شانہٗ نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور فرشتے بھی اور عام مؤمنین بھی، مگر سب کے صلوٰۃ کے معنی ایک ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی شان کے مناسب صلوٰۃ کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار ہے اور مؤمنوں کی صلوٰۃ دعائے رحمت ہے ہر ایک میں مدح وثناء اور تعظیم وتوقیر کے معنی ملحوظ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کا ذکر بلند فرمایا اور آپ کے دین کو غالب کیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھا اور آخرت میں آپ ﷺ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کو شفاعت کبریٰ نصیب فرمائی اور مقام محمود عطا فرمایا اور تمام مقربین اور اولین وآخرین پر آپ کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے اور مراد اس سے نقائص وعیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے، سلام معنی ثناء کو متضمن ہے اس لیے حرف علی کے ساتھ (عَلَيْكَ یا عَلَيْكُمْ) کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے تو مراد السلام علیک سے یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور رعایت کا متولی اور کفیل ہے۔ (از روح المعانی)

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے مؤمنوں کو حکم دیا کہ سرور عالم ﷺ پر درود بھیجا کریں علمائے امت کا ارشاد ہے کہ اس صیغہ امر (صَلُّوْا) کی وجہ سے عمر بھر میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے، اور اگر ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کرے یا سنے تو ذکر کرنے اور سننے والے پر حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے اور آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت کا ثبوت دے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

اس آیت میں لفظ صلوٰۃ وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی کے معنی یہ ہیں کہ شفقت ورحمت کے ساتھ نبی ﷺ کی ثناء کی جائے، پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء تعظیم اور رحمت وشفقت مراد لیں گے۔

درود شریف کے فضائل:

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا بہت بڑی فضیلت والا عمل ہے، قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے (جیسا کہ آیت بالا میں نظروں کے سامنے) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱: ص ۱۶۶ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہٗ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

سنن نسائی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کے دس گناہ (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور مجھ کو میری امت کا سلام پہنچا دیتے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچ جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

(یہ سب روایات مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۶ ''باب صلوٰۃ علی النبی وفضلہا'' سے لی گئی ہیں)

''گھروں کو قبریں مت بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قبریں عبادت سے خالی ہوتی ہیں اسی طرح گھروں کو عبادت سے خالی مت رکھو بلکہ نفل نمازیں ادا کرتے رہو ''میری قبر کو عید مت بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید کے روز زیب و زینت کے ساتھ خصوصی اجتماع ہوتا ہے میری قبر کی اس طرح زیارت نہ کرو بلکہ توقیر و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاضری دو، آپ ﷺ کا دربار کوئی معمولی دربار نہیں ہے کہ وہاں ہنستے ہوئے جاؤ بلکہ وہ تو شاہ دو جہاں سید الانبیاء ﷺ کا در اطہر ہے، اس کی توقیر و عظمت دل میں لے کر حاضر ہونا چاہیے۔

عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس شخص پر ستر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک ایک درود کے بدلے میں ستر رحمتیں نازل فرمانا) غالباً جمعہ کے روز کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بعض اوقات اعمال کا ثواب وقت کی فضیلت و عظمت کی وجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے، لہٰذا جمعہ کے روز دس رحمتوں کی بجائے ستر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے دنوں میں سب دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی روز آدم پیدا کیے گئے اور اسی روز انہوں نے وفات پائی، جمعہ کے روز ہی صور پھونکا جائے گا۔ اور جمعہ ہی کے روز صور کی آواز سن کر مخلوق بے ہوش ہوگی، چونکہ جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اس لیے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(ابوداؤد جلد ۱: ص ۱۵۰)

ارشاد فرمایا رسول خدا نے کہ جو بھی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اب اختیار ہے کہ کوئی بندہ مجھ پر زیادہ درود بھیجے یا کم۔ (ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ کثرت سے درود بھیجا کرو جیسا کہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اچھا ہے آگے اختیار ہے کوئی کم کرے یا زیادہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول خدا موجود تھے آپ کے ساتھ ابوبکر و عمرؓ بھی تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھا تو اللہ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا، بعد میں اپنے لیے دعا کی، یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مانگ جو مانگے گا ملے گا۔ (ترمذی)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر اس نے دعا شروع کر دی اور کہا ''اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تو نے دعا کرنے میں جلدی کی، آئندہ کے لیے یاد رکھ کہ جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کر جیسی اس کی ذات کے لائق ہے پھر مجھ پر درود بھیج پھر اللہ سے دعا کر۔

فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک اور شخص نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے دعا کر تیری دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر اللہ سے دعا کرے، دعا کے قبول ہونے میں درود شریف کو بڑا دخل ہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے دعا آسمان و زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۸)

اہل معرفت نے فرمایا کہ درود شریف کے علاوہ جو دوسرے اذکار و عبادات ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا ثواب نہ دیا جائے لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہی ہوتا ہے، جب دعا کرے تو دعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھے اور دعا کے اخیر میں بھی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے جب دونوں درودوں کو قبول فرمائے گا تو درمیان میں جو دعا واقع ہوگی اسے بھی قبول فرمائے گا۔

(ذکرہ فی الحصن)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی۔ اب اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی مغفرت فرما دے۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے اور درود شریف سے خالی نہ رہ جائے۔

جب کسی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے خواہ خود ذکر کرے یا دوسرے شخص سے سنے تو درود شریف ضرور پڑھے۔ گو کسی مجلس میں آپ کا اسم گرامی سن کر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن اکمل اور افضل یہی ہے کہ جب بھی آپ کا اسم گرامی سنے ہر بار درود شریف پڑھے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا بخیل نہ بتادوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور ضرور ارشاد فرمائیں، فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔ (ترغیب)

حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ چنانچہ ہم حاضر ہو گئے (اور آپ منبر پر چڑھنے لگے) جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین" پھر جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا "آمین" جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا "آمین" جب آپ منبر سے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے نہ سنتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سبب اس کا یہ ہوا کہ جبریل میرے سامنے آئے اور جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین، پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے دونوں والدین یا ان میں سے ایک بوڑھا ہو جائے اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ (الترغیب والترہیب)

ضروری مسئلہ: جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خود کرے یا کسی سے سنے تو درود شریف پڑھے، اسی طرح جب کوئی مضمون یا تحریر لکھنے لگے تو اس وقت بھی درود شریف کے الفاظ لکھنا واجب ہے، کم از کم ﷺ تو ضرور لکھ دے، بعض لوگ اختصار کے طور پر "صلعم" لکھ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں پورا ﷺ لکھیں یا علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھ دیں، صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی بھیجنا چاہیے دونوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے چہرہ انور پر بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل آئے تھے، انہوں نے کہا کہ بے شک آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ اے محمد! کیا یہ بات آپ کو خوش کرنے والی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گا اور آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ (رواہ النسائی)

مسئلہ: صلوٰۃ وسلام دونوں ہی ایک ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اگر ایک پر اکتفا کرے تو بعض حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی بتایا ہے، درود شریف کے بہت سے صیغے احادیث شریف میں وارد ہوئے ہیں اور بہت سے صیغے اکابر سے منقول ہیں، جو صیغے سنت سے ثابت ہیں ان کے مطابق عمل کرنا افضل ہے اور دوسرے صیغوں کے ذریعہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کس طرح

درود بھیجیں، آپ پر سلام بھیجنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا (یعنی نماز میں جو تشہد پڑھتے ہیں اس میں (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) بتا دیا۔ آپ نے فرمایا درود اس طرح پڑھو (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ * اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ) اے اللہ درود بھیج محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحب مجد ہیں۔ (رواہ البخاری ج ۱: ص ۴۷۷) یہ درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں، آپ نے فرمایا کہ یوں کہو: (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ) (اے اللہ درود بھیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیمؑ اور ان کی آل پر، بے شک آپ ہی مستحق حمد ہیں، بزرگی والے ہیں۔ اے برکت نازل فرما محمدؐ پر اور ان کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی آل ابراہیم پر اور اے اللہ برکت بھیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ برکت بھیجی آپ نے آل ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے یہ خوشی ہو کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیج کر بھرپور طریقے پر ناپ تول کر ثواب لے تو وہ یوں کہے: (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ) (اے اللہ درود بھیج محمد پر جو نبی امی ہیں اور آپ کے ازواج پر جو امہات المؤمنین ہیں اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے اہل بیت پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں)۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۴۱)

حضرت رویفعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور پھر یوں دعا کی (اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ) (اے اللہ ان کو (یعنی حضور اقدس ﷺ کو) قیامت کے روز اپنے قریب مقام میں نازل کیجیے) تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

فائدہ: بعض بزرگوں نے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے لیے یہ مختصر درود شریف تجویز کیا ہے، (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ عَدَدَ مَا فِیْ عِلْمِہٖ)

درود شریف پڑھنے کی حکمتیں:

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ''نشر الطیب'' میں درود شریف کی مشروعیت کی حکمتیں درج فرمائی ہیں جن میں بعض حضرت ممدوح نے مواہب سے نقل فرمائی ہیں اور بعض ان مواہب خداوندیہ سے ہیں جو حضرت

ممدوح کو عطا کی گئی تھیں۔

(۱) امت مرحومہ پر آنحضرت ﷺ کے احسانات بے شمار ہیں کہ آپ نے صرف علم خداوندی پورا کر دینے کے طور پر تبلیغ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصلاح امت کے لیے تدبیریں سوچیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے لیے دعائیں کیں اور ان کے احتمال مضرت سے رنجیدہ ہوئے لہٰذا آپ محسن بھی ہیں اور احسانات خداوندی کا واسطہ بھی ہیں، اور فطرت سلیمہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس محسن اور واسطہ احسان کے لیے رحمت کاملہ کی دعا کرے بالخصوص جبکہ احسانات کے بدلہ سے قاصر اور عاجز بھی ہے لہٰذا شریعت مطہرہ نے اسی فطرت سلیمہ کے مطابق کہیں وجوباً اور کہیں استحباباً درود شریف کا حکم دیا۔

(۲) آنحضرت ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور محبوب کے لیے محب سے کسی چیز کی درخواست کرنا اس درخواست کرنے والے کو اس محب کا محبوب بنا دیتا ہے، اگرچہ خداوند قدس خود اپنے محبوب پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور خدا کی رحمت ملنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو ہماری دعائے رحمت کی حاجت نہیں ہے مگر خدا کی جناب میں آپ کے لیے رحمت کی دعا کر کے خود ہم کو خدا کا قرب اور اس کی رضا میسر ہوتی ہے۔

(۳) آپ کے لیے دعائے رحمت کرنے میں آپ کے کمال عبدیت کے شرف خاص کا اظہار ہے کہ آپ کو بھی رحمت خداوندی کی حاجت ہے، نیز اس سے ان لوگوں کے ظن فاسد کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات دیکھ کر امور تکوینی میں آپ کا دخل سمجھتے ہیں یا احکام شرعیہ کو آپ کے اختیار میں جانتے ہیں۔

(٤) آنحضرت ﷺ بھی انسان ہیں اور بشریت میں امت کے ساتھ شریک ہیں کہ امت کی طرح کھانے پینے اور دیگر حوائج زندگی کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی تھی بلکہ بعض امور میں امت کے افراد آنجناب ﷺ سے بڑھے ہوئے ہیں، مثلاً کثرۃ المال وغیرہ تو اس وجہ سے ممکن تھا کہ بعض افراد امت آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر بلکہ بعض امور میں کم دیکھ کر آپ کے اتباع سے گریز کرتے، لہٰذا شریعت مطہرہ نے اس کا علاج کیا اور آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا تاکہ بشری اشتراک اور اپنا مالی امتیاز دیکھ کر کوئی دھوکہ نہ کھائے بلکہ آنحضرت ﷺ پر جو خدا کی رحمت خاص ہے اس کا استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ مال و دولت رحمت خداوندی کے سامنے کچھ بھی نہیں بالخصوص جبکہ آپ کے اسم گرامی سے قبل لفظ سیدنا و مولینا بڑھائے اور تبلیغ دین کی جد و جہد کے بعض احوال آپ کی صفات میں ذکر کرے تو خود کو آپ کا احسان مند ہی پائے گا اور بجائے اپنے نفس کو بڑا سمجھنے کے اپنی ذات کو آنحضرت ﷺ کا محتاج سمجھے گا اور آپ کے واسطہ سے قرب خداوندی حاصل کرے گا۔

(٥) بعض طبائع میں مذاق توحید کا غلبہ ہوتا ہے اس غلبہ کی وجہ سے واسطوں سے زیادہ متعلق نہیں ہوتیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہیں، گو اس اعتقاد و انقیاد کے بعد جو شرعاً واجب ہے یہ عدم زیادت مضر فی الایمان نہیں ہے لیکن کمال یہی ہے کہ جس واسطہ کی طرف التفات کو واحد حقیقی نے اپنا رضا کا ذریعہ بنایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً اور طبعاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے، جیسا کہ محبوب کے قاصد کا اکرام اور اس کی خدمت و مدارت جس قدر عاشق کی جانب سے زیادہ تر ہو گی اسی قدر محبوب عاشق سے خوش ہوگا اور عاشق بیش از بیش قاصد کی مدارت کرے گا اور اس خدمت کو یہ نہ سمجھے گا کہ محبوب کے لیے میری محنت نہیں ہو رہی ہے بلکہ جس قدر محبوب کی خوشی دیکھے گا اسی قدر ت قاصد کی زیادہ خدمت

کرے گا۔

پس شریعت مطہرہ نے ذوقی نقص کے دفع کرنے کے لیے درود شریف مشروع فرمایا اور (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) کا حکم دے کر یہ بتایا کہ خدا تک پہنچانے والے واسطہ کی طرف جس قدر بھی احترام کے ساتھ توجہ کرو گے اللہ جل شانہٗ کی رضا نصیب ہوگی لہٰذا واسطہ کی جانب توجہ کرنے کو خلاف مقصود نہ سمجھو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ....

اللہ کو ایذا پہنچانے کا جرم اور اس کی سنگینی:

ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کو۔ اس وحدہ لاشریک کے ساتھ کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے۔ اور اس کی طرف اولاد کی نسبت کر کے، جیسا کہ یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا وغیرہ۔ (ابن کثیر، مراغی، صفوہ وغیرہ)۔ اور صحیحین یعنی صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانے میں جو کچھ ہوتا ہے وہ میرے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی شان اقدس و اعلیٰ میں وہ باتیں کہنا جو اس کے خلاف ہیں وہ بھی سب اسی میں داخل ہیں، جیسا کہ یہود بے بہبود نے کہا کہ اللہ فقیر اور محتاج ہے اور ہم غنی و مالدار۔ یا یہ کہ اللہ کے ہاتھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اسی طرح اللہ کے رسول کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو اور اللہ کے ولیوں کو ایذا پہنچانا بھی اسی میں داخل ہے۔ سو یہ سب ہی صورتیں اللہ پاک کو ایذا پہنچانے کی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (روح، قرطبی، مدارک، معارف اور جامع وغیرہ)۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی جناب اقدس و اعلیٰ میں ایذا رسانی کا جرم سب سے بڑا اور نہایت سنگین جرم ہے جس پر ایسے مجرموں کے لیے نہایت سنگین سزا ہے کہ ان کے لیے اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ....

اہل ایمان کی ایذا رسانی حرام:

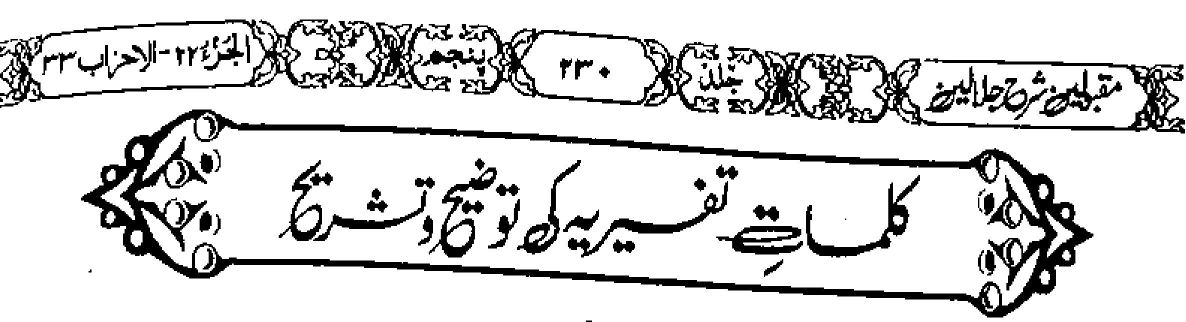
اس سے اہل ایمان کی ایذا رسانی کے جرم اور اس کی سنگینی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو بغیر کسی جرم و قصور کے ایذا پہنچاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے ایک بہت بڑے بہتان کا بوجھ اٹھایا اور کھلے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا۔ اہل ایمان کی ایذا رسانی کا جرم نہایت سنگین جرم ہے اور اس کا انجام بڑا ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی ان کی طرف کوئی ایسا جرم اور گناہ منسوب کرنا جو انہوں نے کیا نہ ہو۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف مسلمان کو ایذا اور تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ اور اس کی حرمت کتنی بڑی اور کس قدر سنگین جرم ہے اس کا اندازہ آپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے کر سکتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے اور کعبہ کو خطاب کر کے

یوں فرمارہے تھے۔ کعبہ تو کس قدر پاکیزہ ہے۔ تیری ہوا کتنی پاکیزہ ہے۔ تو کتنا بڑا ہے اور تیری عظمت کتنی بڑی ہے۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ مؤمن کی عزت وحرمت اللہ تعالیٰ کے یہاں تیری عظمت وحرمت سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کا مال بھی حرام اور خون بھی حرام۔ (ابن ماجہ وغیرہ، الترغیب والترہیب: ج3 ص294)۔ سبحان اللہ!۔ کیا کہنے مؤمن صادق کی شان عالی کے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج دنیا ساری میں مسلمان کا خون ہی سب سے زیادہ ارزاں ہے۔ جگہ جگہ بہایا جارہا ہے اور طرح طرح سے۔ اور پوری شقاوت و بیدردی سے بہایا جارہا ہے۔ خواہ وہ بوسنیا و ہرزگوینا ہو یا کشمیر و فلسطین۔ البانیہ و الجزائر ہو یا کوسووا اور افغانستان وغیرہ وغیرہ۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ بہرکیف اوپر اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی اور اس کی سنگینی کا ذکر و بیان تھا اور اب اس کے بعد عام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے جرم کی سنگینی اور اس کی ہولناکی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ ایمان باللہ کی دولت سے سرفرازی کے بعد انسان کی شان بہت بڑی ہو جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ جَمْعُ
جِلْبَابٍ وَهِيَ الْمَلَاءَةُ الَّتِيْ تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْاَةُ اَيْ يُرْخِيْنَ بَعْضَهَا عَلَى الْوُجُوْهِ اِذَا خَرَجْنَ لِحَاجَتِهِنَّ اِلَّا
عَيْنًا وَاحِدَةً ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ بِاَنَّهُنَّ حَرَائِرُ فَلَا يُؤْذَيْنَ بِالتَّعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ الْاِمَاءِ
فَلَا يُغَطِّيْنَ وُجُوْهَهُنَّ وَكَانَ الْمُنَافِقُوْنَ يَتَعَرَّضُوْنَ لَهُنَّ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْكِ
السَّتْرِ رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ بِهِنَّ اِذَا سَتَرَهُنَّ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ عَنْ نِفَاقِهِمْ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ بِالزِّنَا وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِقَوْلِهِمْ قَدْ اَتَاكُمُ الْعَدُوُّ وَ سَرَايَاكُمْ قُتِلُوْا اَوْ هُزِمُوْا
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ لَنُسَلِّطَنَّكَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ يُسَاكِنُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ ثُمَّ يُخْرَجُوْنَ
مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ مُبْعَدِيْنَ عَنِ الرَّحْمَةِ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا وُجِدُوْا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ اَيِ الْحُكْمُ فِيْهِمْ
هٰذَا عَلٰى جِهَةِ الْاَمْرِ بِهِ سُنَّةَ اللّٰهِ اَيْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ فِيْ
مُنَافِقِيْهِمُ الْمُرْجِفِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ مِنْهُ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ عَنِ
السَّاعَةِ ؕ مَتٰى تَكُوْنُ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ بِهَا اَيْ اَنْتَ لَا تَعْلَمُهَا لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُوْنُ تُوْجَدُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ اَبْعَدَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ نَارًا شَدِيْدَةً
يَدْخُلُوْنَهَا خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا يَحْفَظُهُمْ عَنْهَا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

يَدْفَعُهَا عَنْهُمْ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ لِلتَّنْبِيْهِ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۞۶۶ وَ
قَالُوْا اَيِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ سَادَاتِنَا جَمْعُ الْجَمْعِ وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا
السَّبِيْلَا ۞۶۷ طَرِيْقَ الْهُدٰى رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اَيْ مِثْلَيْ عَذَابِنَا وَالْعَنْهُمْ عَذِّبْهُمْ لَعْنًا
كَبِيْرًا ۞۶۸ عَدَدُهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْمُوَحَّدَةِ اَيْ عَظِيْمًا ع ۸ ۱۰ ۵

ترجمہ: اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں جلابیب، جلباب کی جمع ہے، چادر یا برقعہ جس کو عورت اپنے اوپر لپیٹ لے یعنی جب کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اس کے بعض حصے سے منہ ڈھک لیا کریں البتہ ایک آنکھ کھلی رکھنے کی اجازت ہے اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی کہ وہ آزاد ہیں تو اس طرح پھر ستایا نہیں جایا کریں گی ان سے چھیڑ چھاڑ کر البتہ باندیاں اپنے چہروں کو نہ چھپائیں کیونکہ منافقین آزاد عورتوں ہی کو ستایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ تو بڑی مغفرت والا ہے جواب تک انہوں نے پردہ نہیں کیا تھا رحم کرنے والا ہے جب وہ پردہ کریں گی اگر لام قسمیہ ہے یہ منافقین اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں زنا کا روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں ایمان والوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ دشمن حملہ آور ہو گیا ہے اور مسلمانوں کا لشکر مارا گیا یا ہار گیا ہے باز نہ آئے تو ہم خود ضرور آپ کو ان پر مسلط غالب کردیں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس نہیں رہنے پائیں گے ٹھہر نہ سکیں گے مدینہ میں مگر بہت ہی کم پھر نکال دئے جائیں گی وہ بھی پھٹکارے ہوئے رحمت سے دور جہاں ملیں گے پائے جائیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی یعنی ان کے متعلق امر کے طریقہ پر یہ حکم ہے اللہ کا یہی دستور رہا ہے یعنی اس نے یہی دستور مقرر کیا ہے ان لوگوں میں بھی جو پہلے گزرے ہوئے ہیں گذشتہ امتوں میں منافقین مسلمانوں کو ڈرایا کرتے تھے اور آپ اللہ کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے یہ لوگ اہل مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اسکی کیا خبر یعنی آپ نہیں جانتے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے ان کو دور کردیا ہے اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے نہایت تیز جس میں یہ جھونکے جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے تجویز ہو چکا ہے نہ کوئی یار پائیں گے جو ان کی حفاظت کر سکے اور نہ کوئی مددگار جو انہیں بچا سکے جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کردئے جائیں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش تنبیہ کیلئے ہے ہم نے اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور یوں کہیں گے جو ان کے چیلے تھے اے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کا کہنا مانا ایک قراءت میں ساداتنا جمع الجمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور اپنے بڑوں کا سو انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے پروردگار انہیں دوہرا عذاب ہم سے دوگنی سزا دیجئے اور ان پر لعنت کیجئے انہیں عذاب دیجئے بہت زیادہ تعداد میں ایک قراءت میں باء کے ساتھ ہے یعنی بہت بڑا۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: هي الملحفة. الملائة: بڑی چادر جس سے تمام جسم چھپ جائے۔

قوله: تَشْتَمِلُ: وہ اسے لپیٹ لیں۔

قوله: يُرْخِيْنَ بَعْضَهَا: اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ، جَلَابِيْبِهِنَّ میں تبعیضیہ ہے۔

قوله: اَنْ يُّعْرَفْنَ: یعنی لونڈیوں سے ان کا امتیاز ہو سکے۔

قوله: وَّالْمُرْجِفُوْنَ: افواہیں اڑانے والے۔ اصل میں رجف زلزلے کو کہتے ہیں۔

قوله: يُسَاكِنُوْنَكَ: وہ تمہارے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے، کیونکہ تم ان کو جلاوطن کرنے پر مجبور ہو گے۔

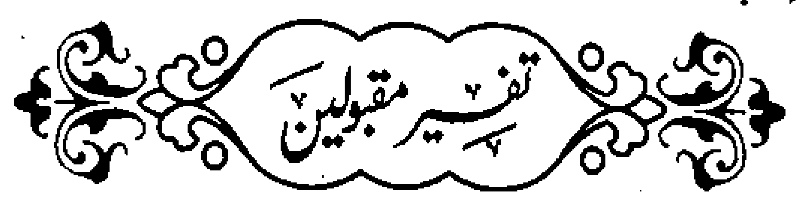
قوله: سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ: سنة یہ مصدر مؤکد ہے۔

قوله: يَسْـَٔلُكَ: بطور امتحان اور ضد بازی کے۔

قوله: تُوْجَد: اس سے اشارہ کیا کہ ان تَكُوْنُ یہ افعال تامہ سے ہے۔

قوله: تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ: جیسے گوشت کو آگ پر بھونا جاتا ہے۔

قوله: سادات: کثرت پر دلالت کے لیے جمع الجمع لائے۔



تفسیر مقبولین

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ ....

ازواج مطہرات اور بنات طاہرات اور عام مؤمنات کو پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم، اور منافقین کیلئے وعید:

مفسرین نے لکھا ہے کہ رات بے وقت (جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے) عورتیں قضائے حاجت کے لیے کھجور کے باغوں میں نشیبی علاقوں میں جایا کرتی تھیں ان میں حرائر (آزاد) عورتیں اور اماء (باندیاں) دونوں ہوتی تھیں۔ منافقین اور بدنفس لوگ راستوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتوں کو چھیڑتے تھے یعنی اشارے بازی کرتے تھے، ان کا دھیان باندیوں کی طرف ہوتا تھا اگر کبھی کسی آزاد عورت کو چھیڑتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید وہ باندی ہے۔ نیز دشمنان اسلام (جن میں مدینے کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی) یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور شکست کی خبریں اڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے یوں کہتے تھے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

آیات بالا میں اول تو یہ حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی بڑی بڑی چادریں جو اتنی چوڑی چکلی ہوں جس میں عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو لپیٹ سکے، اپنی ان چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں) یعنی سر بھی ڈھکے رہیں اور چہرے بھی اور سینے بھی، جب پردہ کا یہ اہتمام ہو گیا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی جا سکیں گی کیونکہ کام کاج کے لیے نکلنے کی وجہ سے باندیوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے (یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے جس سے چلنے پھرنے اور دیکھنے بھالنے کی ضرورت پوری ہو جائے اور پورا پردہ کرنے کی وجہ سے آزاد عورتوں اور باندیوں میں امتیاز ہو جائے تاکہ بدنفس چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں، گو باندیوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرنا ممنوع تھا لیکن آزاد عورتوں کو پورے پردہ کا حکم دینے سے ان بدنفسوں کا یہ بہانا ختم ہو گیا کہ ہم نے باندی سمجھ کر آوازہ کسا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۲: ص ۸۹)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنے اوپر چوڑی چکلی چادریں ڈالے رہا کریں۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جس سے واضح طور پر روافض کی بات کی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ تھیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کو پردہ کرنے کا حکم تھا اسی طرح دیگر مؤمنین کی بیبیوں کو بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ بعض فیشن ایبل جاہل جو عورتوں کو بے پردہ بازاروں اور پارکوں میں گھمانے کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواج مطہراتؓ کے لیے تھا عام عورتوں کے لیے نہیں ہے آیت کریمہ سے ان لوگوں کی ان جاہلانہ باتوں کی تردید ہو رہی ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ جو حرکت تھی کہ وہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کریں، اس کے بارے میں فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ... اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ایمان کا ضعف ہے ٹھیک طرح سے مسلمان نہیں ہوئے، اور وہ مدینہ منورہ میں خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو آمادہ اور برانگیختہ کریں گے کہ آپ ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو دشمن کے ساتھ ہوتا ہے، جب آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں تھوڑے ہی وقت تک رہ سکیں گے۔ اس میں خطاب تو ہے رسول اللہ ﷺ کو لیکن تنبیہ ہے ان لوگوں کو جو بری حرکتیں کرتے ہیں اگر انہوں نے اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں تو ہم اپنے نبی کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

مَّلْعُوْنِیْنَ جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے جائیں تو حالت لعنت میں پھرتے رہیں گے ان پر اللہ کی پھٹکار ہو گی۔
اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ پھر جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے۔
یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ....

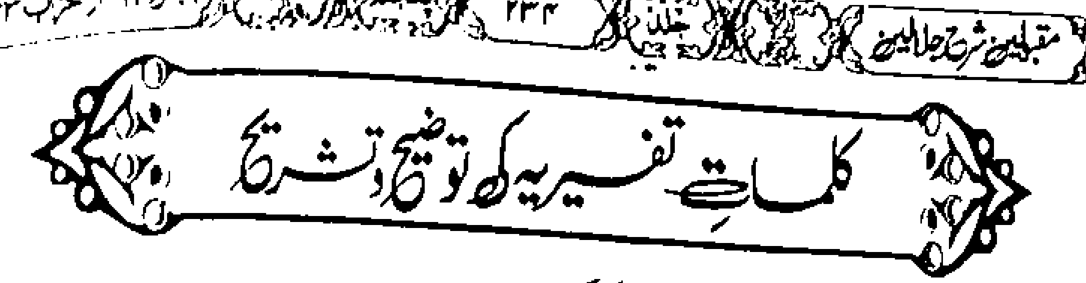
(ربط) گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تہدید تھی آپ ﷺ جب بھی منکرین حق کو آئندہ آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ بطور تمسخر یہ سوال کرتے کہ قیامت کب ہوگی اور اس قسم کے معاندانہ سوال سے محض آپ ﷺ کو تنگ کرنا اور ایذا دینا مقصود ہوتا تھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ قیامت کا اصل وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن سمجھ لو کہ شاید وہ قریب ہی نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور دو انگلیاں ملا کر دکھلایا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت کبری اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ جب ان لوگوں پر کوئی ناگہانی عذاب آئے گا تو اس وقت پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا کچھ فائدہ مند ہوگا۔

یا یوں کہو: کہ گزشتہ آیت میں منافقین اور مرجفین کی دنیاوی ذلت اور لعنت کو بیان کیا اور اس آیت میں ان کی اخروی ذلت کو بیان کرتے ہیں (شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۷۶ ج ۴) چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ جو منافقین اور معاندین کے بارہ میں اللہ کی سنت سے غافل ہیں وہ آپ ﷺ سے معاندانہ طور پر سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ نے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو جب سارے نبی گذر چکے اور نبی آخر الزمان ﷺ بھی آچکے تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہی ہے اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو تم سارے جہان کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پر نہ کھڑی ہو بے شک اللہ نے دور پھینک دیا ہے کافروں کو اپنی رحمت سے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں اور دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لیے تیار کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے یعنی سوختہ کباب کی طرح بنا دیے جائیں گے کباب کے گوشت کی طرح بار بار ان کو آگ پر رکھا جائے گا اور وہ اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے پھر جن کافروں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کی شکایت کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا اے ہمارے پروردگار ان کو ہم سے دو چند عذاب دے اور ان پر بہت ہی بڑی لعنت کیجئے خود بھی گمراہ رہے اور ہم کو بھی گمراہ کیا ان پر دو چند عذاب نازل کیجئے اور سخت لعنت کیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا مَعَ نَبِيِّكُمْ **كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ** بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ **فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا** بِأَنْ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ لِيَغْتَسِلَ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِهِ حَتَّى وَقَفَ بَيْنَ مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَأَدْرَكَهُ مُوسَى فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَاسْتَتَرَ بِهِ فَرَأَوْهُ لَا أُدْرَةَ بِهِ وَهِيَ نَفْخَةٌ فِي الْخُصْيَةِ **وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا** ﴿٦٩﴾ ذَا جَاهٍ وَمِمَّا أُوذِيَ بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَسَمَ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ هَذِهِ قِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ

بِاَکْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ صَوَابًا یُّصْلِحْ
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یَتَقَبَّلُهَا وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ نَالَ
غَایَةَ مَطْلُوْبِهٖ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الصَّلٰوَاتِ وَ غَیْرَهَا مِمَّا فِیْ فِعْلِهَا مِنَ الثَّوَابِ وَ تَرْكِهَا مِنَ الْعِقَابِ عَلَى
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ بِاَنْ خَلَقَ فِیْهَا فَهْمًا وَ نُطْقًا فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ خِفْنَ مِنْهَا وَ
حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اٰدَمُ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَیْهِ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا لِنَفْسِهٖ بِمَا حَمَلَهٗ جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ بِهٖ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ
اللَّامُ مُتَعَلِّقَةٌ بِعَرَضْنَا الْمُتَرَتَّبُ عَلَیْهِ حَمْلُ اٰدَمَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ
الْمُضَیِّعِیْنَ الْاَمَانَةَ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُؤَدِّیْنَ الْاَمَانَةَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
لِلْمُؤْمِنِیْنَ رَّحِیْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے پیغمبر کے متعلق ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو ایذاء دی تھی مثلاً یہ کہا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ مل کر اسلیے غسل نہیں کرتے کہ انہیں فتق کا عارضہ ہے سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ان کے الزام سے اس طرح کہ انہوں نے ایک دفعہ نہانے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے تو پتھر انہیں لے کر چلتا بنا حتی کہ بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے سامنے جا کر ٹھہر گیا جسے حضرت موسیٰ نے پکڑ کر اپنے کپڑے چھین لیے اور فوراً ستر کو چھپا لیا غرض لوگوں نے دیکھ لیا کہ انہیں فتق یعنی خصیتین پھولنے کی بیماری نہیں ہے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے ذی وجاہت چنانچہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو بھی لوگوں نے جن باتوں میں ستایا ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا ایک شخص بولا کہ اس تقسیم میں نیک نیتی نہیں تھی اس پر آپؐ نہایت خفاء ہوئے اور فرمایا کہ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا مگر انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی سچائی کی بات کہو اللہ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہونچے گا اپنے مطلوب کی انتہا کو پالے گا ہم نے یہ امانت پیش کی پانچوں وقت کی نمازیں وغیرہ ثواب کے کام کہ جن کو چھوڑنے سے عذاب ہوگا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے انہیں سمجھ اور بولنے کی صلاحیت دیدی سو ان سب نے انکار کر دیا اس کی ذمہ داری سے اور وہ اس سے ڈرے خائف ہوئے اور انسان نے اپنے ذمے لے لیا حضرت آدم نے جب کہ انہیں پیشکش کی گئی جس پر انسان کا ذمہداری قبول کرنا مرتب ہوا ہے منافق مردوں اور عورتوں اور ایمان والیوں پر جو امانت کو ادا کرنے والے ہیں توجہ فرمائے گا اور اللہ مؤمنین کی بڑی مغفرت کرنے والا اُن پر رحم کرنے والا ہے۔



قوله: اَنَّهٗ اٰدَرَ: یہ ادرۃ سے ہے خصیہ میں ہوا بھرنے کو کہتے ہیں۔

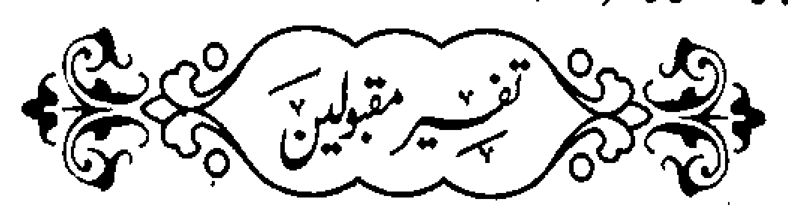
قوله: قَسمًا: کچھ تقسیم کی، یہ مفعول مطلق ہے۔

قوله: نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهٖ: وہ آخرت میں سعید اور دنیا میں حمید ہوگا۔

قوله: لِنَفْسِهٖ: وہ اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ہے، اس سے ایسی چیز اٹھوئی جو اس پر گراں ہے۔

قوله: مُتَعَلِّقَةٌ بِعَرَضْنَا: یہ اٹھانے کی علت ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس کے نتیجہ کی طرح ہے۔ جیسے تادیب ضرب کے لیے۔

قوله: وَیَتُوْبَ اللّٰهُ: توبہ کا تذکرہ وعدہ میں فرمایا، اس بات کو بتلانے کے لیے کہ اس کا ظلوم جہول ہونا ان کی فطرت میں ہے گویا ان کوتاہیوں سے اس کی فطرت خالی نہ ہوگی۔



یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا....

ایمان والوں کو خطاب کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی:

صحیح بخاری ص ۴۲، ص ۴۸۳ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام شرمیلے آدمی تھے اور پردہ کرنے کا خوب زیادہ اہتمام کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان کے جسم کی کھال بھی نظر آ جاتی تو اس سے بھی شرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل ننگے نہاتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی اور یوں کہا کہ یہ شخص اس قدر پردہ کرتا ہے ہو نہ ہو اس کی کھال میں کوئی عیب ہے یا جسم میں برص کے داغ ہیں یا اس کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا کوئی اور تکلیف کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی بات سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا اور قصہ یہ پیش آیا کہ ایک دن انہوں نے تنہائی میں پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیئے پھر غسل فرمانے لگے، غسل کر کے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کا ارادہ کیا ابھی کپڑے لینے نہ پائے تھے کہ جس پتھر پر کپڑے تھے وہ کپڑوں کو لے کر تیزی سے چلا گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے چل دیئے اور فرمانے لگے کہ اے پتھر میرے کپڑے دیدے، اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے کیونکہ کپڑے

پہنے ہوئے نہیں تھے اس لیے آپ کو انہوں نے برہنہ دیکھ لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے جسم پر کوئی بھی عیب نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی اچھی حالت میں پیدا فرمایا ہے، جب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور مان لیا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے تو پتھر کھڑا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے مارنے سے پتھر میں تین یا چار یا پانچ یا چھ سات نشانات پڑ گئے تھے۔

قرآن مجید میں جو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا فرمایا ہے اس میں اسی قصے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں ان کی باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجاہت تھے۔

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو لوگوں نے کیا تکلیفیں دی تھیں؟ اس کے بارے میں بھی صحیح بخاری جلد نمبر ۱: ص ٤٤٦ اور ص ٤٨٣ میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر عرب کے بعض سرداروں میں مال تقسیم فرمایا تھا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دے دیا۔ وہیں حاضرین میں سے کسی نے یوں کہہ دیا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف نہیں کیا گیا یا یوں کہہ دیا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں کی یہ بات نقل کر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرے گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔

بات یہ ہے کہ جو مال آنحضرت ﷺ نے تقسیم فرمایا وہ کسی کی ملکیت نہیں تھا وہ اموال فئے تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی صوابدید سے تقسیم فرمالیں، کسی کا حق روک کر مال تقسیم نہیں فرمایا تھا اور یہ بات نہ تھی کہ ایک کا حق دوسرے کو دے دیا، پھر اس کو انصاف کے خلاف کہنا ہی ظلم ہے۔ حدیث کی شرح لکھنے والے حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنا کفر ہے جس کی سزا قتل ہے لیکن آپ نے مذکورہ بالا بات کہنے والے شخص کو مصلحتاً قتل نہیں کیا کیونکہ تالیف قلب کی ضرورت تھی۔ اہل عرب میں یہ شہرت ہو جاتی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اس شہرت کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ اسلام جو پھیل رہا تھا اس میں رکاوٹ ہو جاتی۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اتنی بڑی تکلیف دینے والی بات کو برداشت کر لیا اور فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی اور انہوں نے صبر کیا، یہ تو ایک تکلیف تھی اس کے علاوہ منافقین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں آپ درگزر فرماتے تھے، جب بھی کوئی شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اسے تکلیفیں پہنچتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے برداشت کر کے بتادیا اور قول سے سمجھا دیا کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی'' مسلمانوں کو مزید خطاب فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو، ٹھیک بات میں سب کچھ آ گیا سچی بات بھی اور صحیح بات بھی اور عدل و انصاف کی بات بھی اور ہر

دینی بات بھی۔ اسی لیے حضرت عکرمہؒ نے فرمایا (کمافی معالم التنزیل) کہ قَوْلًا سَدِيْدًا سے لا الہ الا اللہ کہنا مراد ہے۔

ترتیب میں اولاً تقویٰ کا ذکر کیا پھر قول سدید کہنے کا حکم فرمایا، اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ تقویٰ ہوگا تو بندہ اعمال صالحہ اختیار کرے گا اگر تقویٰ نہ ہو تو اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہ سے بچنے کی بندہ کو ہمت نہیں ہوتی، اللہ سے ڈرے اور آخرت کی فکر کرے تب قول اور فعل ٹھیک ہوتا ہے۔

پھر تقویٰ اختیار کرنے اور ٹھیک بات کہنے کا انعام بتایا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادے گا۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں کامیابی ہے:

اس کے بعد فرمایا: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے تو وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگا۔)

لوگوں میں کامیابی کے بہت سے معیار معروف ہیں، کوئی شخص مال زیادہ ہونے کو کامیابی سمجھتا ہے اور کوئی شخص بادشاہ بن جانے کو، کوئی شخص وزارت مل جانے کو اور کوئی شخص جائیداد بنا لینے کو اور کوئی شخص زیادہ پیسوں والی ملازمت مل جانے کو کامیابی سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا معیار بتادیا کہ کامیاب وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خطبہ نکاح میں رسول اللہ ﷺ شہادتین کے بعد آیت کریمہ (يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ)(الآیۃ) اور آیت کریمہ: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ) (الآیۃ) اور آیت کریمہ (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا) پڑھا کرتے تھے، (پورا خطبہ حصن حصین میں مذکور ہے) آپ ﷺ نے خطبہ نکاح میں جو تین آیات اختیار فرمائیں ان میں چار جگہ تقویٰ کا حکم ہے اس سے تقویٰ کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوگئی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....

اس پوری سورۃ میں تعظیم و تکریم رسول اور ان کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے، آخر سورۃ میں اس اطاعت کا مقام بلند اور اس کا درجہ بتلایا گیا ہے، اس میں اللہ و رسول کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی وجہ آگے آجائے گی۔

امانت سے کیا مراد ہے:

اس جگہ لفظ امانت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین وغیرہم کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ فرائض شرعیہ، حفاظت عفت، امانات اموال، غسل جنابت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ، اسی لیے جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ دین کے تمام وظائف و اعمال اس میں داخل ہیں۔ (قرطبی)

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ شریعت کی تمام تکلیفات امر و نہی کا مجموعہ امانت ہے، ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا:

"یعنی ہر وہ چیز جس میں انسان پر اعتماد کیا جاتا ہے یعنی امر ونہی اور ہر حال جس کا دین یا دنیا سے تعلق ہو اور شریعت پوری کی پوری امانت ہے یہی جمہور کا قول ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف و مامور ہونا ہے، جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی یا کوتاہی پر جہنم کا عذاب موعود ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانت سے مراد احکام الہیہ کا بار اٹھانے کی صلاحیت واستعداد ہے جو عقل وشعور کے خاص درجہ پر موقوف ہے، اور ترقی اور استحقاق خلافت الہیہ اسی خاص استعداد پر موقوف ہے جن میں اجناس مخلوقات میں یہ استعداد نہیں ہے وہ اپنی جگہ کتنا ہی اونچا اور اعلیٰ مقام رکھتے ہوں مگر وہ اس مقام سے ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے آسمان زمین وغیرہ میں یہاں تک کہ فرشتوں میں بھی ترقی نہیں جس کا جو مقام قرب ہے بس وہی ہے، ان کا حال یہ ہے: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ "یعنی ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کا ایک معین مقام ہے"۔

امانت کے اس مفہوم میں تمام روایات حدیث جو امانت کے متعلق آئی ہیں مربوط و مطابق ہو جاتی ہیں، جمہور مفسرین کے اقوال بھی اس میں تقریباً متفق ہو جاتے ہیں۔

صحیحین بخاری ومسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں سے ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔

اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں) آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سلب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر ونشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جز نہیں (الیٰ قولہ) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (دیانتدار آدمی کا ایسا قحط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی دیانتدار ہے۔

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت واستعداد رکھتا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہیں حاصل ہو جائیں تو دنیا کی اور کوئی چیز تمہیں حاصل نہ ہو تو کوئی افسوس کی بات نہیں، (وہ چار چیزیں یہ ہیں)

امانت کی حفاظت، بات کی سچائی، حسن خلق اور لقمہ حلال۔ (از ابن کثیر)

عرض امانت کی تحقیق:

آیت مذکورہ میں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کا بوجھ

اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، کہ ہم اس کا حق ادا کر سکیں گے، اور انسان نے یہ بوجھ اٹھالیا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آسمان، زمین، پہاڑ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم وشعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دے دیا جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل کے فرمایا (آیت) لو انزلنا هذا القرآن علىٰ جبل لرايتهٔ خاشعاً متصدعاً من خشية الله. یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اللہ کے خوف سے" کہ اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقتاً پہاڑ پر اتارا ہو۔ ان حضرات نے آیت اِنَّا عَرَضْنَا کو بھی اسی طرح کی تمثیل ومجاز قرار دے دیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہے وہاں تو قرآن کریم نے حرف لو کے ساتھ بیان کر کے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کر دیا ہے، اور آیت انا عرضنا میں ایک واقعہ کا اثبات ہے، جس کو مجاز و تمثیل پر حمل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔ اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس و بے شعور ہیں ان سے جواب سوال نہیں ہوسکتا، تو یہ قرآن کی دوسری تصریحات سے مردود ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ "یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد وتسبیح نہ پڑھتی ہو" اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اور اس کو خالق ومالک اور سب سے اعلیٰ وبرتر جان کر اس کی تسبیح کرنا بغیر ادراک وشعور کے ممکن نہیں۔ اس لیے اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک و شعور تمام مخلوقات میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے، اسی ادراک وشعور کی بنا پر ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں جواب کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، الفاظ وحروف کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اور اس میں عقلی امتناع نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان جمادات، آسمان، زمین اور پہاڑوں کو نطق وگویائی عطا فرما دیں۔ اس لیے جمہور امت کے نزدیک آسمان، زمین اور پہاڑوں پر عرض امانت حقیقی طور پر کیا گیا اور انہوں نے حقیقی طور پر ہی اپنا اس بار سے عاجز ہونا ظاہر کیا، اس میں کوئی تمثیل یا مجاز نہیں۔

عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:

رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے آسمان زمین وغیرہ پر اس امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کی مجال انکار کیسے ہوئی، حکم الٰہی سے روگردانی کی تھی تو ان کو نیست ونابود ہو جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ آسمان وزمین کا مطیع ہونا اور تابع فرمان ہونا قرآن کریم کی آیت: اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۞ سے بھی ثابت ہے یعنی جب حق تعالیٰ نے آسمان وزمین کو حکم دیا کہ (ہمارے حکم کی تعمیل کے لیے) آجاؤ خواہ اپنی خوشی سے یا زبردستی سے، تو دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہم تعمیل حکم کے لیے خوشی سے حاضر ہیں۔

جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ان کو ایک حاکمانہ پابندی کا حکم دے دیا گیا تھا، جس میں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ تم اس حکم پر دل سے راضی ہو یا نہ ہو بہر حال یہ حکم ماننا پڑے گا بخلاف اس آیت عرض امانت کے کہ اس میں امانت کو پیش کر کے ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں۔

ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ و تابعین ابن عباس، حسن بصری، مجاہد وغیرہ سے عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر اختیاری صورت میں یہ پیش کیا۔ کہ ہماری امانت (یعنی اطاعت احکام) کا بار اٹھالو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لیے مقرر ہے۔ ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے تو بتلایا گیا کہ امانت (یعنی اطاعت احکام) تم نے پوری طرح کی تو تمہیں جزاء و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا اور اگر تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب و سزا ملے گی۔ ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں، لیکن (جب ہمیں اختیار دیا گیا تو) ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں نہ ہی عذاب کے متحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (آسمان، زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے، تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے۔ آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی۔ آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھا لیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا واقعہ کس زمانے میں ہوا؟

ابھی جو روایت حضرت ابن عباس کی اوپر گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرض امانت آسمان، زمین وغیرہ پر تخلیق آدم سے پہلے ہوا تھا، پھر جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو ان کے سامنے یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ آپ سے پہلے آسمان زمین پر بھی یہ امانت پیش کی جا چکی ہے، جس کی ان کو طاقت نہ تھی، اس لیے عذر کر دیا۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ میثاق اول یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے کیونکہ عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔

خلافت ارضی کے لیے بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ضروری تھی:

حق تعالیٰ نے تقدیر ازلی میں آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا طے فرمایا تھا اور یہ خلافت اسی کو سپرد کی جا سکتی تھی، جو احکام الٰہیہ کی اطاعت کا بار اٹھائے، کیونکہ اس خلافت کا حاصل ہی یہ ہے کہ زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرے، خلق خدا کو احکام الٰہیہ کی اطاعت پر آمادہ کرے۔ اس لیے تکوینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام اس امانت کے اٹھانے کے لیے آمادہ ہو گئے، حالانکہ دوسری بڑی بڑی مخلوقات کا اس سے عاجز ہونا بھی معلوم ہو چکا تھا۔ (مظہری و بیان القرآن)

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ ظلوم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، اور جہول سے مراد انجام سے ناواقف۔ اس جملے سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً انسان کی مذمت میں آیا ہے کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اٹھا لیا جو اس کی طاقت سے باہر تھا مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں، کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا پوری نوع انسانی، ان میں آدم علیہ السلام تو نبی معصوم ہیں، انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر ادا کر دیا۔ اسی کے نتیجہ میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا، ان کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا، اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند وبالا ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء علیہم السلام ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ امانت الٰہیہ کے اہل اور مستحق تھے۔ انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بنا پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ، اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم علیہ السلام قابل مذمت ہیں نہ پوری نوع انسانی، اسی لیے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لیے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلوم وجہول ثابت ہوئی، جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا، اور خسارہ میں پڑی، اور چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا، اس لیے اس کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ آیت میں ظلوم وجہول خاص ان افراد انسانی کو کہا گیا ہے جو احکام شرعیہ کی اطاعت میں پورے نہ اترے اور امانت کا حق ادا نہ کیا، یعنی امت کے کفار و منافقین اور فساق و فجار اور گناہ گار مسلمان۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس، ابن جبیر، حسن بصری وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ ظلوم وجہول اس جگہ بھولے بھالے کے معنی ہیں بطور محبانہ خطاب کے ہے کہ اس نے اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے مقام قرب کی جستجو میں اور کسی انجام کو نہیں سوچا۔ اسی طرح یہ لفظ پوری بنی نوع کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے صوفیائے کرام سے اسی طرح کا مضمون منقول ہے۔

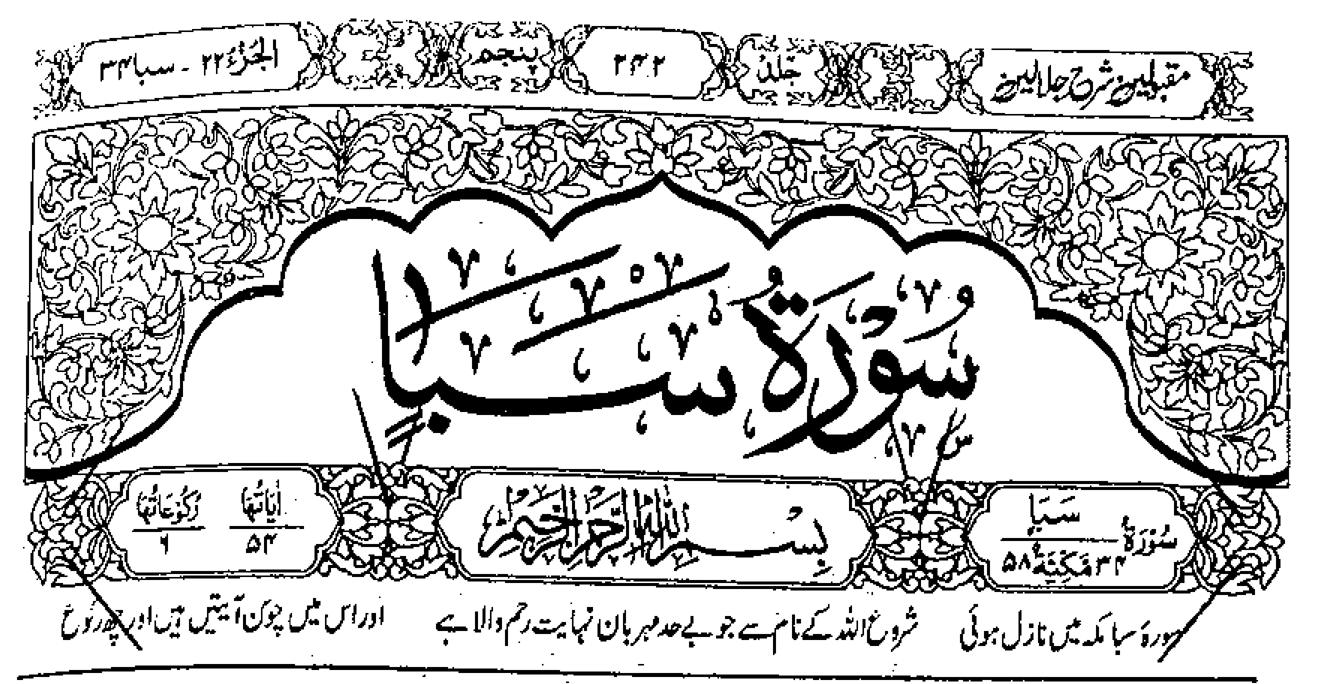
(معارف القرآن، مفتی شفیع)

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ....

تحمل امانت کے نتیجہ وانجام کا ذکر و بیان:

لِيُعَذِّبَ کا لام لام تعلیل نہیں لام عاقبت ہے۔ جیسا کہ سورۃ قصص کی اس آیت کریمہ میں ہے: فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) یعنی آل فرعون کے اس عمل واختیار کا انجام اور نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ وہ بچہ بالآخر ان کا دشمن اور ان کیلئے غم کا باعث بن جائے۔ جیسا کہ بعد میں امر واقع سے ثابت ہو گیا۔ سو ایسے ہی یہاں پر ہے کہ حمل امانت کے اس عمل واختیار کا نتیجہ یہی ہونا ہے اور یہی ہوگا کہ جو لوگ سچے ایمان اور اس کے نتیجے میں صدق عمل کی دولت سے سرشار ہوں گے وہ اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- کی خاص توجہ اور عنایت سے مشرف ہوں گے۔ اور ابدی فوز وفلاح اور حقیقی ودائمی

کامیابی سے بہرہ ور و سرفراز ہوں گے۔ اور جنہوں نے اس کے مقابلے میں کفر و عناد اور بغاوت و سرکشی سے کام لیا ہوگا اور منافقت برتی ہوگی وہ دائمی خسارے میں پڑیں گے اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اس امانت اور اس کے تحمل کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا اور یہی ہوگا کہ ایک دن ایسا آئے جس میں اس کے بارے میں پوچھ ہو۔ اور یہ ظاہر ہو کہ کس نے اسکا حق ادا کیا۔ تا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس بارے منافقت کا رویہ اپنایا ہوگا یا جو شرک کے مرتکب ہوئے ہوں گے ان کو اپنے اس جرم کی سزا ملے اور وہ اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اور جنہوں نے دولت ایمان سے مشرف ہو کر اس کا حق ادا کیا ہوگا وہ اپنے رب کی رحمتوں اور عنایتوں سے مشرف و سرفراز ہوں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ تا کہ ہر حقدار کو اس کے کیے کرائے کا پورا پورا حق ملے۔ اور اس طرح اس عدل و حکمت کے تقاضے پورے ہوں جو حکمتوں بھری اس کائنات کے وجود اور اس کی تخلیق کا مقتضیٰ ہے۔



سورہ سبا مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس میں چون آیتیں ہیں اور چھ رکوع

اَلْحَمْدُ حَمِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ الْمُرَادُ بِهِ الثَّنَاءُ بِمَضْمُوْنِهٖ مِنْ ثُبُوْتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ
لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ كَالدُّنْيَا
يَحْمَدُهٗ اَوْلِيَاؤُهٗ اِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ وَهُوَ الْحَكِيْمُ فِيْ فِعْلِهٖ الْخَبِيْرُ ۝۱ بِخَلْقِهٖ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ يَدْخُلُ فِي
الْاَرْضِ كَمَاءٍ وَّغَيْرِهٖ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كَنَبَاتٍ وَّغَيْرِهٖ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ رِزْقٍ وَّغَيْرِهٖ وَمَا
يَعْرُجُ يَصْعَدُ فِيْهَا ۭ مِنْ عَمَلٍ وَّغَيْرِهٖ وَهُوَ الرَّحِيْمُ بِاَوْلِيَائِهٖ الْغَفُوْرُ ۝۲ لَهُمْ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا
تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ الْقِيَامَةُ قُلْ لَهُمْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَّالرَّفْعُ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ
وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَلَّامِ بِالْجَرِّ لَا يَعْزُبُ يَغِيْبُ عَنْهُ مِثْقَالُ وَزْنُ ذَرَّةٍ اَصْغَرُ نَمْلَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَ
لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِّيَجْزِيَ فِيْهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ
اِبْطَالِ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ مُعٰجِزِيْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ هُنَا وَفِيْمَا يَاْتِيْ مُعَاجِزِيْنَ اَيْ مُقَدِّرِيْنَ عِجْزَنَا اَوْ مُسَابِقِيْنَ لَنَا
فَيَفُوْتُوْنَنَا لِظَنِّهِمْ اَنْ لَا بَعْثَ وَلَا عِقَابَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ سَيِّءِ الْعَذَابِ اَلِيْمٌ ۝۵ مُؤْلِمٌ
بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةٌ لِرِجْزٍ اَوْ عَذَابٍ وَيَرَى يَعْلَمُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتٰبِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ
سَلَامٍ وَّاَصْحَابِهٖ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَيِ الْقُرْاٰنَ هُوَ فَصْلُ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ طَرِيْقِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶ اَيِ اللّٰهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُوْدَةِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى جِهَةِ

التَّعَجُّبِ لِبَعْضٍ هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ هُوَ مُحَمَّدٌ يُّنَبِّئُكُمْ يُخْبِرُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ قُطِّعْتُمْ كُلَّ

مُمَزَّقٍ ۙ بِمَعْنٰى تَمْزِيْقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتَغْنٰى بِهَا عَنْ

هَمْزَةِ الْوَصْلِ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فی ذلک اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ جُنُوْنٌ تَخَيَّلَ بِهٖ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى بَلِ الَّذِيْنَ لَا

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَى الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ فِي الْعَذَابِ فِيْهَا وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ مِنَ الْحَقِّ

فِي الدُّنْيَا اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى يَنْظُرُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مَا فَوْقَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَ

الْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا بِسُكُوْنِ السِّيْنِ وَ فَتْحِهَا قِطْعَةً مِّنَ

السَّمَاۗءِ ۭ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ بِالْيَاءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَرْئِيِّ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ رَاجِعٍ اِلٰى ع ۹

رَبِّهٖ تَدُلُّ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الْبَعْثِ وَمَا يَشَاءُ

ترجمہ: سب خوبی اس کے ذریعہ اللہ نے اپنی تعریف فرمائی اس سے مراد اس کے مضمون یعنی حمد کے ثبوت کی ثناء ہے اور حمد اچھی خوبیاں بیان کرنے کو کہتے ہیں اللہ کی ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے مملوک، مخلوق اور بندے ہیں اور اسی کو حمد سزاوار ہے آخرت میں دنیا کی طرح اس کے اولیاء جنت میں داخلہ کے وقت اس کی حمد کریں گے اور وہی اپنے کام میں بڑی حکمت والا اپنی مخلوق کی بڑی خبر رکھنے والا ہے وہی جانتا ہے جو کچھ گھستا ہے داخل ہوتا ہے زمین میں جیسے پانی وغیرہ اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے جیسے گھاس وغیرہ اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے جیسے رزق وغیرہ اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے جیسے عمل وغیرہ اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا رحم کرنے والا ان کی بڑی مغفرت کرنے والا ہے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی آپ ان سے کہہ دیجئے کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی کہ وہ ضرور تم پر آئیگی عالم الغیب جر کے ساتھ صفت ہے اور رفع کے ساتھ مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرات میں علام جر کے ساتھ ہے اور نہ اوجھل غائب ہے اس سے کوئی ذرہ برابر وزن بھی چھوٹی چیونٹی نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز ہے اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی ہے مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہے جو واضح ہے یعنی لوح محفوظ تاکہ ان لوگوں کو اس میں صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور نیک کام کئے تھے ایسے لوگوں کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے جو عمدہ ہے جنت میں اور جو لوگ ہمارے قرآن کی آیتوں کے باطل کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لیے اور ایک قرآت میں یہاں اور آگے معاجزین ہے یعنی ہمارا عجز فرض کرتے ہوئے یا ہم سے آگے بڑھنے کے لیے تاکہ وہ ہم سے چھوٹ جائیں کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ عذاب ایسے لوگوں کے لیے سختی کا بدترین عذاب ہوگا دردناک تکلیف دہ یہ لفظ جر اور رفع کے ساتھ رجز یا عذاب کی صفت ہے اور سمجھتے جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے مومنین اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی

وہ اس کی کتاب کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے قرآن هو فصل ہے حق ہے اور وہ راستہ راہ دکھاتا ہے غلبہ والے قابل حمد کا یعنی اللہ بہترین عزت والے کا اور یہ کافر کہتے ہیں آپس میں بطور تعجب کے کیا ہم تمہیں ایسے شخص محمد کا پتہ بتلائیں جو تم کو یہ اطلاع خبر دیتا ہے کہ تم جب ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے بالکل برادہ ممزق تمزلق کے معنی میں ہے تم ضرور ایک نئے جنم میں آ جاؤ گے اس نے جھوٹ بہتان باندھا ہے ہمزہ استفہامیہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اسی لیے ہمزہ وصل کی حاجت نہیں رہی اللہ پر اس سلسلہ میں یا اسے کسی طرح کا جنون ہے جس کی وجہ سے اسے یہ خیالات آ رہے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں جو بعث وحساب پر مشتمل ہے وہی آخرت کے عذاب میں ہوں گے اور دنیا میں یہ دور کی گمراہی میں تھے حق سے تو کیا انھوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے اوپر نیچے نہیں دیکھا نظر نہیں کی آسمان وزمین کی طرف اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر ٹکڑے برسا دیں کسفا، سین کے سکون اور فتحہ کے ساتھ ہے آسمان سے اور ایک قراءت میں تینوں افعال یاء کے ساتھ ہیں اس میں جو دکھائی دیتا ہے پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندے کے لیے جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہے اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے قیامت کے بارے میں اور جو کچھ چاہے اس پر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَالدُّنْيَا: اس سے اشارہ کیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اس سے دنیا کی حمد مراد ہے۔ میں اس کا عطف وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ پر عطف مقید علی المطلق کی قسم سے نہیں۔

قوله: وَغَيْرِهٖ كالمطر: جیسے بارش یا جیسے فرشتے۔

قوله: بِالْجَرِّ صِفَةٌ: یہ ربی المجرور کی صفت ہے۔ تقدیر اس کی واؤ قسمیہ کے ساتھ ہے۔

قوله: عَلَّام: یہ مبالغہ ہے۔

قوله: وَلَآ اَصْغَرُ: یہ ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اسی طرح وَلَآ اَكْبَرُ۔

قوله: لِيَجْزِيَ: یہ لَتَاْتِيَنَّكُمْ کی علت ہے۔

قوله: مِنْ رَّبِّكَ: جن حضرات نے اَلْحَقَّ کو مرفوع پڑھا تو هو ضمیر کو مبتداء اور الحق کو اس کی خبر قرار دیا ہے اور دوسرا جملہ یری کے دو مفعولوں کی جگہ ہے۔ جملہ مرفوعہ مستانفہ تاکہ علم والوں سے جہلا کے خلاف گواہی طلب کرنے کے لیے ہے۔

قوله: مُمَزَّقٍ: یہ مصدر میمی ہے۔

قوله: بِالْيَاءِ: تینوں افعال نشاء، نخسف، نسقط میں یا کی قراءت بھی ہے۔

تفسیر مقبولین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ...

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پانچ سورتوں کو الحمد سے شروع فرمایا۔ (۱) سورۃ فاتحہ۔ (۲) سورۃ الانعام۔ (۳) سورۃ کہف۔ (٤) چوتھی سورت یہ سورۃ سبا ہے۔ (٥) پانچویں سورت جو اس کے بعد آنے والی ہے یعنی سورۃ فاطر۔ جسے سورۃ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن بظاہر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعمت ایجاد اور ایک نعمت بقا ایجاد کے معنی معدوم کو موجود کرنے کے ہیں اور بقا کے معنی موجود کو باقی اور زندہ رکھنے کے اور زندہ رہنے کے سامان عطا کرنے کے ہیں اور پھر ایجاد اور بقا کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی اور ایک اخروی اور ایک روحانی اور ایک جسمانی پس ان پانچ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے کہیں ایجاد کی نعمتیں اور کہیں بقا کی نعمتیں ذکر کیں اور کہیں دنیاوی اور جسمانی نعمتوں اور کہیں اخروی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا جس سے ہر جگہ شکر کی ترغیب دینا مقصود ہے اس سورت کے شروع میں اول عالم دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد عالم آخرت کی نعمت مغفرت اور ان کے رزق کریم کا اور دیگر معنوی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی مذمت کی جو اخروی نعمتوں کے منکر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اسی خدائے برحق کے لیے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد و ثنا ہے غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد و ثنا کا مستحق اور سزاوار ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی واسطہ ہے آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں ایک فرق یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت ہے اور اختیاری ہے اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت و فرحت ہے اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے وہ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ اور وہ بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ...

(ربط) اوپر تحمید اور توحید کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں منکرین حشر کی ایک بیہودہ بات کا ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں اور بیہودگی پر تہدید بھی فرماتے ہیں۔ (شیخ زادہ ص ۷۹ ج ٤)

اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور جو لوگ قیامت کے ساتھ استہزا کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی ضرور سزا ملے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور کافر اور مشرک جو امانت کے ثواب اور خیانت کے عقاب کے منکر ہیں اور حیات دنیاوی پر

بھروسہ کیے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ہمیں کسی عذاب اور حساب کا ڈر نہیں اے پیغمبر ﷺ آپ ان منکرین قیامت سے کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ قیامت کے لانے پر قادر ہے کیونکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں مگر وہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے ہڈیاں اگرچہ ریزہ ریزہ ہوگئیں مگر سب اس کے علم اور قدرت سے غائب نہیں پہلی مرتبہ کی طرح پھر دوبارہ سب کو جمع کر کے زندہ کرے گا تا کہ ثواب عطا فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے سو ایسے لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور بہشت میں عزت کی روزی ہے بلا رنج ومحنت ان کو روزی ملے گی۔ مغفرت تو بوجہ ایمان کے ہے اور عزت کی روزی عمل صالح کی وجہ سے ہے گویا کہ رزق کریم اطاعت کا انعام ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴، ج ۷)

وَالَّذِينَ سَعَوْ فِيٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ....

اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور ان کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے۔ امانت میں خیانت کی سزا ان کے سامنے آجائے گی اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام یا علماء اہل کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا کہ وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا یا یہ معنی ہیں کہ اہل علم اور اہل ایمان قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں بطور مضحکہ اور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا شخص بتلادیں کہ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پراگندہ ہو جاؤ گے تو تم پھر از سر نو پیدا ہو گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے یہ شخص تو ایک ناممکن اور محال کی خبر دیتا ہے کیا اس شخص نے خدا پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ جو کہتا ہے اس کو سمجھتا نہیں بلا قصد اس سے ایسی باتیں نکل رہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور بہکی ہوئی باتیں کرتے ہیں اور حقیقت کو سمجھتے نہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں امکان حشر کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہے اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے ہم تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسادیں یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں بے شک اس میں یعنی آسمان وزمین میں عبرت ہے ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ جو خداوند قدیر آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو۔ اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان وزمین میں محصور ہے اور محبوس ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرہ سے باہر نکل سکے عجیب

بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں اسی کی قدرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَ كِتَابًا وَقُلْنَا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ رَجِّعِيْ مَعَهٗ بِالتَّسْبِيْحِ وَ الطَّيْرَ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْجِبَالِ اَيْ وَدَعَوْنَاهَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهٗ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ كَالْعَجِيْنِ وَ قُلْنَا اَنِ اعْمَلْ مِنْهُ سٰبِغٰتٍ وَّ دُرُوْعًا كَوَامِلَ يَجُرُّهَا لَا بِسُهَا عَلَى الْاَرْضِ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ اَيْ بِنَسْجِ الدُّرُوْعِ قِيْلَ لِصَانِعِهَا سَرَّادٌ اَيْ اِجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حَلْقُهٗ وَاعْمَلُوْا اَيْ اٰلَ دَاوٗدَ مَعَهٗ صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَاُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَ سَخَّرْنَا لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ وَفِيْ قِرَائَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ تَسَخَّرَ غُدُوُّهَا سَيْرُهَا مِنَ الْغُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ اِلَى الزَّوَالِ شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا سَيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ شَهْرٌ اَيْ مَسِيْرَتُهٗ وَ اَسَلْنَا اَذَبْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ اَيِ النُّحَاسِ فَاُجْرِيَتْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ بِلَيَالِيْهِنَّ كَجَرْيِ الْمَاءِ وَعَمَلُ النَّاسِ اِلَى الْيَوْمِ مِمَّا اُعْطِيَ سُلَيْمَانُ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ بِاَمْرِ رَبِّهٖ وَ مَنْ يَّزِغْ يَعْدِلْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا لَهٗ بِطَاعَتِهٖ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ النَّارِ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِي الدُّنْيَا بِاَنْ يَّضْرِبَهٗ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهٗ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ اَبْنِيَةٍ مُرْتَفِعَةٍ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِدَرَجٍ وَ تَمَاثِيْلَ جَمْعُ تِمْثَالٍ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ مَثَّلْتَهٗ بِشَيْءٍ اَيْ صُوَرٍ مِنْ نُحَاسٍ وَزُجَاجٍ وَرُخَامٍ وَلَمْ تَكُنْ اِتِّخَاذُ الصُّوَرِ حَرَامًا فِيْ شَرِيْعَتِهٖ وَ جِفَانٍ جَمْعُ جَفْنَةٍ كَالْجَوَابِ جَمْعُ جَابِيَةٍ وَ هِيَ حَوْضٌ كَبِيْرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفْنَةِ اَلْفُ رَجُلٍ يَاْكُلُوْنَ مِنْهَا وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ثَابِتَاتٍ لَهَا قَوَائِمُ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ اَمَاكِنِهَا تُتَّخَذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وَقُلْنَا اِعْمَلُوْٓا يَا اٰلَ دَاوٗدَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ شُكْرًا لَهٗ عَلٰى مَا اٰتَاكُمْ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ اَلْعَامِلُ بِطَاعَتِيْ شُكْرًا لِنِعْمَتِيْ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ عَلٰى سُلَيْمَانَ الْمَوْتَ اَيْ مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلٰى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا وَالْجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الْاَعْمَالَ الشَّاقَّةَ عَلٰى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهٖ حَتّٰى اَكَلَتِ الْاَرَضَةُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ مَصْدَرُ اُرِضَتِ الْخَشَبَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَكَلَتْهَا الْاَرَضَةُ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ بِالْهَمْزَةِ

وَتَرْكِهِ بِالْفِ عَصَاهُ لِاَنَّهَا يَنْسَأُ يُطْرَدُ وَيُزْجَرُ بِهَا فَلَمَّا خَرَّ مَيْتًا تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اِنْكَشَفَ لَهُمْ اَنْ مُخَفَّفَةٌ
اَيْ اَنَّهُمْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ وَمِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾
الْعَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهُ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الْغَيْبِ وَعُلِمَ كَوْنُهُ سَنَةً بِحِسَابِ مَا اَكَلَتْهُ الْاَرَضَةُ
مِنَ الْعَصَا بَعْدَ مَوْتِهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً مَثَلًا لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ بِالصَّرْفِ وَعَدَمِهِ قَبِيْلَةٌ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهُمْ مِنَ
الْعَرَبِ فِيْ مَسْكَنِهِمْ بِالْيَمَنِ اٰيَةٌ ۚ دَالَّةٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ جَنَّتٰنِ بَدَلٌ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ عَنْ يَمِيْنِ
وَادِيْهِمْ وَشِمَالِهِ وَقِيْلَ لَهُمْ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ عَلٰى مَا رَزَقَكُمْ مِنَ النِّعْمَةِ فِيْ اَرْضِ سَبَا
بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ لَيْسَ بِهَا سِبَاخٌ وَلَا بَعُوْضَةٌ وَلَا ذُبَابَةٌ وَلَا بُرْغُوْثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمُرُّ الْغَرِيْبُ بِهَا وَ
فِيْ ثِيَابِهِ قُمَّلٌ فَيَمُوْتُ لِطِيْبِ هَوَائِهَا وَّ اللّٰهُ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا عَنْ شُكْرِهِ وَكَفَرُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
سَيْلَ الْعَرِمِ جَمْعُ عَرِمَةٍ وَهُوَ مَا يُمْسِكُ الْمَاءَ مِنْ بِنَاءٍ وَغَيْرِهِ اِلٰى وَقْتِ حَاجَتِهِ اَيْ سَيْلَ وَادِيْهِمُ
الْمَمْسُوْكِ بِمَا ذُكِرَ فَاَغْرَقَ جَنَّتَيْهِمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ تَثْنِيَةُ ذَوَاتٍ مُفْرَدٍ
عَلَى الْاَصْلِ اُكُلٍ خَمْطٍ مُرٍّ بَشِعٍ بِاِضَافَةِ اُكُلٍ بِمَعْنٰى مَاْكُوْلٍ وَتَرْكِهَا وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ
سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ التَّبْدِيْلُ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ بِكُفْرِهِمْ وَهَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ
مَعَ كَسْرِ الزَّايِ وَنَصْبِ الْكَفُوْرِ اَيْ مَا يُنَاقِشُ اِلَّا هُوَ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ بَيْنَ سَبَا وَهُمْ بِالْيَمَنِ وَبَيْنَ الْقُرَى
الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ وَهِيَ قُرَى الشَّامِ الَّتِيْ يَسِيْرُوْنَ اِلَيْهَا لِلتِّجَارَةِ قُرًى ظَاهِرَةً مُتَوَاصِلَةً
مِنَ الْيَمَنِ اِلَى الشَّامِ وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ بِحَيْثُ يَقِيْلُوْنَ فِيْ وَاحِدَةٍ وَيَبِيْتُوْنَ فِيْ اُخْرٰى اِلَى انْتِهَاءِ
سَفَرِهِمْ وَلَا يَحْتَاجُوْنَ فِيْهِ اِلٰى حَمْلِ زَادٍ وَمَاءٍ وَقُلْنَا سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ لَا تَخَافُوْنَ فِيْ
لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا اِلَى الشَّامِ اجْعَلْهَا مَفَاوِزَ لِيَتَطَاوَلُوْا عَلَى
الْفُقَرَاءِ بِرُكُوْبِ الرَّوَاحِلِ وَحَمْلِ الزَّادِ وَالْمَاءِ فَبَطِرُوا النِّعْمَةَ وَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ فَجَعَلْنٰهُمْ
اَحَادِيْثَ اَحَادِيْثَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ فَرَّقْنَاهُمْ بِالْبِلَادِ كُلَّ التَّفْرِيْقِ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ عِبَرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنِ الْمَعَاصِيْ شَكُوْرٍ ⑲ عَلَى النِّعَمِ وَلَقَدْ صَدَّقَ بِالتَّخْفِيْفِ

وَالتَّشْدِيْدِ عَلَيْهِمْ اَيِ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ سَبَا اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ اَنَّهُمْ بِاِغْوَائِهٖ يَتَّبِعُوْنَهٗ فَاتَّبَعُوْهُ فَصَدَقَ بِالتَّخْفِيْفِ

فِيْ ظَنِّهٖ اَوْ صَدَّقَ بِالتَّشْدِيْدِ ظَنَّهٗ اَيْ وَجَدَهٗ صَادِقًا اِلَّا بِمَعْنٰى لٰكِنْ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑳ لِلْبَيَانِ اَيْ

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَمْ يَتَّبِعُوْهُ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ تَسْلِيْطٍ مِنَّا اِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُوْرٍ مَنْ يُّؤْمِنُ

بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ فَنُجَازِيْ كُلًّا مِّنْهُمَا وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ㉑ رَقِيْبٌ ع ۱۲/۸

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی دی نبوت اور کتاب اور ہم نے کہا کہ اے پہاڑ! تسبیح کرتے رہو ان کے ساتھ تسبیح میں شریک رہو اور پرندوں کو بھی حکم دیا الطیر نصب کے ساتھ محل جبال پر عطف کرتے ہوئے یعنی داؤد کے ساتھ انہیں بھی تسبیح میں شامل ہونے کا حکم دیا اور ہم نے داؤد کے لیے لوہے کو نرم کر دیا چنانچہ لوہا ان کے ہاتھ میں جا کر آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور ہم نے حکم دیا کہ تم اس سے مکمل زرہیں بناؤ پوری زرہیں کہ پہننے والے پر زمین تک لٹکتی رہیں اور جوڑنے میں مناسب اندازہ رکھو یعنی زرہ کی بناوٹ میں زرہ بنانے والے کو سراد کہا جاتا ہے یعنی اس طرح اس کو بناؤ کہ اس کی کڑیاں مناسب رہیں اور تم سب نیک کام کرتے رہو داؤد کے خاندان والو میں تمہارے سب اعمال خوب دیکھ رہا ہوں لہٰذا ان کا تمہیں بدلہ ملے گا اور ہم نے مسخر کر دیا سلیمان کے لیے ہوا کو اور ایک قراءت میں الریح رفع کے ساتھ ہے تقدیری عبارت تسخر ہوگی کہ ان کی صبح کی منزل اس کی رفتار صبح سے لے کر زوال تک مہینہ بھر کی ہوئی اور شام کی منزل اس کی رفتار زوال سے غروب تک مہینہ بھر کی ہوئی یعنی مہینہ کی مسافت کے برابر اور ہم نے بہا دیا پگھلا دیا ان کے لیے تانبے کا چشمہ کے معنی تانبے ہیں چنانچہ تین دن رات پانی کی طرح تانبہ کا چشمہ بہتا رہا اور لوگ آج تک اسی کو کام لا رہے ہیں جو سلیمانؑ کو عطا ہوا تھا اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے پروردگار کے حکم سے کام کرتے رہتے اور ان میں سے جو کوئی سرتابی حکم عدولی کرے ہمارے حکم سے جو اس کی اطاعت کے بارے میں ہو تو ہم اسے دوزخ کا مزہ چکھادیں گے آخرت کی آگ کا اور بعض نے دنیا میں آگ مراد لی ہے کہ فرشتہ آگ کا کوڑا مارتا ہے جس سے وہ جنات بھسم ہو جاتے ہیں سلیمان کے لیے وہ سب کچھ بنا دیتے جو وہ چاہتے تھے بڑی بڑی عمارتیں بلند عمارتیں کہ جن کی طرف زینوں کے ذریعہ چڑھا جاتا ہے اور مجسمے بنانا حرام نہ تھی اور بڑے بڑے لگن حوض جیسے یعنی ایسے بڑے پرتھال جن تمثال کی جمع ہے ایک قسم کی مورتی یعنی تانبہ اور شیشہ اور خاص قسم کے پتھر سنگ مرمر کی مورتیاں بناتے ان کی شریعت میں مورت وصورت میں ہزار ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے اور جمی ہوئی دیگیں گڑھی ہوئیں جن کے پائے بھی تھے اپنی جگہ سے ہلتی نہیں تھیں یعنی پہاڑوں سے تراشی گئی تھیں یمن میں ان پر سیڑھیاں لگا کر چڑھا جاتا تھا اور ہم نے حکم دیا کہ اے داؤد کے خاندان والو! تم سب اللہ کی اطاعت کے کام کرتے ہو شکر گزاری میں تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں ان کے شکریہ میں اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں جو شکر نعمت کے طور پر میری فرمانبرداری کرتے ہوں پھر جب ہم نے ان سلمانؑ پر موت کا حکم جاری کر دیا یعنی ان کی وفات ہوگئی اور سال بھر تک عصا

کے سہارے ان کی نعش کھڑی رہی اور جنات معمول کے مطابق دشوار کام انجام دیتے رہے انہیں اس وقت تک ان کی وفات کا پتہ نہ چل سکا جب تک لکڑی کو گھن کے کیڑے نے نہ کھالیا اور ان کی نعش گر پڑی تو کسی چیز نے انکی موت کا پتہ نہ دیا بجز گھن کے کیڑے کے ارض مقدر ہے ارضت الخشبة بصیغہ مجہول بولتے ہیں کہ زمینی کیڑے نے لکڑی کو کھالیا کہ سلیمان کے عصا کو کھاتا رہا منساۃ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بجائے الف کے ساتھ ہاتھ کی لکڑی کو کہتے ہیں کیونکہ آلہ دفاع ہوتی ہے سو جب وہ گر پڑے مردہ ہو کر تب جنات پر حقیقت ظاہر منکشف ہوئی کہ اگر وہ ان مخففہ ہے یعنی اگر وہ غیب داں ہوتے منجملہ اس کے سلیمان کی موت ان سے غائب رہی تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے دشوار گذار کاموں میں انہیں زندہ سمجھ کر لگے رہے حالانکہ علم غیب ان کے گمان کے برخلاف نکلا اور ایک سال مدت اس حساب سے معلوم ہوئی کہ مثلاً ایک دن رات میں کیڑے نے کتنا عصا کھایا سبا والوں کے لیے لفظ سبا منصرف غیر منصرف دونوں طرح ہے عرب کا ایک قبیلہ ہے کہ جس کا نام دادا کے نام پر پڑا تھا ان کے وطن یمن میں نشان موجود تھا اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والا دو قطاریں باغ کی تھیں یہ بدل واقع ہے دائیں اور بائیں وادی کے دائیں بائیں مراد ہے انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ کہ سبا کی سرزمین میں تمھیں نعمتوں کی روزی دی شہر پاکیزہ جس میں مچھر مکھی پسو بچھو سانپ تک کا نشان نہیں تھا کوئی پردیسی اگر وہاں سے گذرتا تو وہاں کی ہوا کے اثر سے اس کے کپڑوں کی جوئیں مرجاتیں اور اللہ رب ہے گناہ بخشنے والا انھوں نے سرتابی کی اللہ کا شکر بجالانے سے اور کفر کیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا عرم عرمة کی جمع ہے پانی روکنے کا ڈیم اور بند وغیرہ کے ذریعہ ضرورت کی خاطر یعنی ان کی وادی کا مذکورہ طریقہ پر رکا ہوا پانی جس کے نتیجہ میں ان کے باغات اور مال برباد ہو گئے اور ہم نے ان کے دور یہ باغوں کے عوض دو باغ اور دیدیے جو ذواتی تثنیہ ہے ذوات مفرد کا اصل کے اعتبار سے بدمزہ پھل کڑوا بدذائقہ اکل مضاف ہے بمعنی ماکول اور ترک اضافت کے ساتھ اگلا جملہ اس پر عطف ہو رہا ہے اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے یہ تبدیلی ہم نے ان کی ناسپاسی ناشکری کے سبب سزا دی تھی اور ہم ایسی سزا بڑے ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں یجازی یا اور نون کے ساتھ اور زاء پر کسرہ کے ساتھ اور کفور منصوب ہے یعنی یہ سرزنش صرف کفران نعمت کرنے والے کو دی جاتی ہے اور ہم نے ان کو یمن میں سبا والوں کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی پانی اور درختوں کی وجہ سے اور یہ شام کی آبادیاں تھیں جن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو دکھائی دیتے تھے شام سے یمن تک مسلسل تھے اور ہم نے ان دیہات کے درمیان سفر کا ایک خاص انداز مقرر کر دیا تھا اس طرح کہ اگر ایک بستی میں دوپہر کا آرام کرتے تھے تو دوسری بستی میں شب گذاری کر لیتے تھے سفر ختم ہونے تک یہی سلسلہ رہتا اور انھیں زادراہ اٹھا کر چلنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہم نے حکم دیا کہ دن رات بے کھٹکے سفر کرتے رہو نہ رات میں کوئی خطرہ تھا اور نہ دن میں پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار درازی کر دے اور ایک قراءت میں باعد ہے ہمارے سفروں میں شام کی جانب انھیں جنگلوں میں تبدیل کر دے تاکہ انھیں فقراء کے مقابلہ میں سواریوں پر سوار ہو کر نکلنے اور ناشتے ساتھ لے جانے کی وجہ سے گھمنڈ دکھانے کا موقع مل سکے چنانچہ انھوں نے نعمت پر اترانا شروع کر دیا اور اپنی جانوں پر انھوں نے کفر کر کے ستم ڈھایا سو ہم نے اسے افسانہ بنا دیا بعد والوں کے لیے اس بارے میں اور ان کو بالکل تتر بتر کر کے

رکھدیا شہروں میں ایک لخت پھیلا کر رکھدیا اس مذکورہ واقعہ میں بڑی بڑی نشانیاں عبرتیں ہیں ہر ایک گناہوں سے بچنے والے اور نعمتوں پر شکر گذاری کرنے والے کے لیے اور واقعی سچ کر دکھلایا تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ ان لوگوں کے بارے میں یعنی کفار کے متعلق جن میں سبا کے باشندے بھی ہیں ابلیس نے اپنا گمان کہ وہ اس کے بہکانے میں آ کر اس کی پیروی کر بیٹھیں گے چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لیے صدق تخفیف کی صورت میں اگر ہے تو ترجمہ ہوگا کہ اس کا گمان سچ ثابت ہوا اور تشدید کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھلایا بجز الا لکن کے معنی میں ہے ایمان والوں کے گروہ کے من بیانیہ ہے یعنی اہل ایمان نے اس کی پیروی نہیں کی اور ابلیس کا تسلط ہماری جانب سے ان لوگوں پر بجز اس کے کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہم کھلے بندوں جاننا چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اس کیطرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اسلیے ہم ان میں سے ہر ایک کو اس کا بدلہ دیں گے اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا محافظ نگہبان ہے۔



قوله: فَضْلًا: یعنی تمام لوگوں پر فضیلت دی۔

قوله: وَدَعَوْنَاهَا: یعنی ہم نے ان کو داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کے لیے بلایا۔

قوله: كَوَامِلَ: مکمل قمیص۔

قوله: حلقه: جمع حلق: کڑیاں۔

قوله: بتقدير تُسَخَّرُ: یعنی الریح سے پہلے مضارع مقدر تُسَخَّرُ ہے۔

قوله: مَنْ يَّعْمَلُ: اس کا عطف الریح پر ہے اور مِنَ الْجِنِّ یہ حال مقدم ہے۔

قوله: جَفْنَة: جمع جِفَانٍ بڑا پیالہ، بڑھا تھال، لگن۔

قوله: لَا تَتَحَرَّكُ: یعنی بڑے ہونے کی وجہ سے ہلائے نہ جاسکتے تھے۔ بِالسَّلَالِمِ سیڑھیاں۔

قوله: الْأَرَضَةُ: دیمک کا کیڑا۔

قوله: بالف: دل سے چاہنا۔

قوله: لانها ینسا: یہ نسات البعیر سے ہے جب تم اس کو ہانک دو، بھگا دینا، لاٹھی کو مِنْسَاَتَهٗ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بھگایا جاتا ہے۔

قوله: بَعْدَ مَوْتِهٖ يَوْمًا وَلَيْلَةً: جب انہوں نے سلیمانؑ کی موت کا وقت جاننا چاہا تو دیمک کو لیکر ایک دن رات لکڑی پر رکھا تو اس نے جتنا کھایا اس سے حساب لگایا تو وہ ایک سال کا عرصہ بنا۔

قوله: بِالصَّرْفِ: قوم کی تاویل سے سبأ۔ یہ منصرف ہے اور قبیلہ کا نام مانیں تو غیر منصرف ہے۔

قوله: جَنَّتَيْن: [illegible]

قوله: وقیل لہم: ان لوگوں سے [illegible]

قوله: [illegible]: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ مستانفہ ہے۔

قوله: ذواتی: یہ مفرد کا اصل ہے۔ [illegible] مستعمل ذات ہے، ذَوَاتَیْ یہ تثنیہ ہے۔

قوله: مزق: [illegible]

قوله: وینصف عنہ: اس کا عطف اُکُلٍ پر ہے خَمْطٍ پر نہیں۔

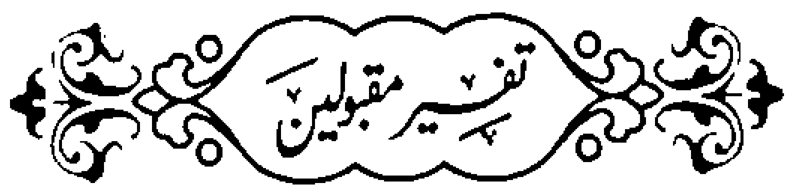
قوله: الامر: جزاء مراد ہے، یہاں حساب کی پڑتال ہے۔

قوله: لیتطاولوا: تاکہ وہ تکبر اختیار کریں۔

قوله: فبطروا: کثرت انعامات کی وجہ سے ان میں سرکشی آگئی۔

قوله: إِبْلِيسُ: ابلیس اپنے گمان میں سچا نکلا۔ ظَنَّهٗ یہ منصوب بنزع خافض ہے۔

قوله: مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ: من بیانیہ ہے۔



وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ....

حضرت داؤد پر انعامات الٰہی:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دنیوی اور اخروی رحمت نازل فرمائی۔ نبوت بھی دی بادشاہت بھی دی لاؤ لشکر بھی دیئے طاقت وقوت بھی دی۔ پھر ایک پاکیزہ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمہ داؤدی ہوا میں گونجا، ادھر پہاڑوں اور پرندوں کو بھی وجد آ گیا۔ پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد وثنا شروع کی پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی قسم قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابوموسیٰ اشعری قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول ﷺ ٹھہر گئے دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے۔ ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ اوبی کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو۔ لیکن ہمارے نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے لغت عرب میں یہ لفظ ترجیع کے معنی میں موجود ہے۔ پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت داؤد کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملالیا کریں۔ تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے سری کے معنی رات کو چلنے کے ہیں لیکن یہ معنی بھی یہاں کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتا یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤد کی تسبیح کی آواز میں

تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔ اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کیلئے لوہا نرم کر دیا گیا نہ انہیں لوہے کی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے، اب اس لوہے سے بفرمان اللہ آپ زرہیں بناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپ ہی نے ایجاد کی ہے۔ ہر روز صرف ایک زرہ بناتے اس کی قیمت چھ ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ ابن عساکر میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤد کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے ان سے بھی سوال کیا انہوں نے کہا کہ داؤد ہے تو اچھا آدمی اگر ایک کمی اس میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنی اہل وعیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھادے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتادے جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کیلئے بالکل نرم کر دیا۔ سب سے پہلے زرہیں آپ نے ہی بنائی ہیں۔ ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کیلئے ایک صدقے کیلئے ایک رکھ چھوڑنے کیلئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤد کو جو نغمہ دیا گیا تھا وہ تو محض بے نظیر تھا اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھتے۔ آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر وسکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ سارے باجے شیاطین نے نغمہ داؤدی سے نکالے ہیں۔ آپ کی بے مثل خوش آوازی کی یہ چڑاؤنی جیسی نقلیں ہیں۔ اپنی نعمتوں کو بیان فرما کر حکم دیتا ہے کہ اب تمہیں بھی چاہئے کہ نیک اعمال کرتے رہو۔ میرے فرمان کے خلاف نہ کرو۔ یہ بہت بری بات ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں۔ اس کی فرمانبرداری ترک کر دی جائے۔ میں تمہارے اعمال کا نگران ہوں۔ تمہارا کوئی عمل چھوٹا بڑا نیک بد مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ ...

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل وانعامات کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر فرمادیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جس پر وہ مع اپنے اہل دربار کے بڑی تعداد میں سوار ہوتے تھے، ہوا ان کے حکم

کے تابع جہاں وہ چاہتے لے جاتی تھی۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضاء ہوگئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے، اسی سبب غفلت کو ختم کرنے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملک میں تھے، اس لیے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ ص میں آئے گی، چونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرما دی۔ (قرطبی)

(آیت) غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ. غدو کے معنی صبح کو چلنے اور رواح کے معنی شام کو چلنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ صبح سے دوپہر تک یہ تخت سلیمانی ہوا کے کاندھوں پر ایک مہینہ کی مسافت طے کر لیتا تھا، اور پھر شام سے رات تک ایک مہینہ کی، اس طرح دو مہینے کی مسافت ایک دن میں طے کرتا تھا۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو بیت المقدس سے روانہ ہوتے تو دوپہر کو اصطخر میں جا کر قیام فرماتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے تھے، پھر یہاں سے بعد ظہر واپس چلتے تو کابل میں جا کر رات ہوتی تھی، اور بیت المقدس اور اصطخر کے درمیان اتنی مسافت ہے جو تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے، اسی طرح اصطخر سے کابل تک کی مسافت بھی تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے۔ (ابن کثیر)

وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ یعنی بہا دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے چشمہ تانبے کا، یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے پانی کی طرح بہنے والا سیال بنا دیا، جو پانی کے چشمہ کی طرح جاری تھا اور گرم بھی نہ تھا، تاکہ آسانی کے ساتھ اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے، اور یہ ارض یمن میں تھا۔ اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن سے شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کے چشمہ کی طرح جاری رہا، خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

(قرطبی)

وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ، یہ جملہ بھی سخرنا محذوف سے متعلق ہے معنی یہ ہیں کہ مسخر کر دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات میں سے ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام انجام دیں اپنے رب کے حکم کے موافق، بین یدیہ "یعنی ان کے سامنے" کے الفاظ بڑھانے سے شاید یہ بتلانا ہو کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ کو انسان کے لیے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن میں آیا ہے، بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مفوضہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیر جنات کا مسئلہ:

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابوہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابوایوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہؓ کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے۔ مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" لکھی ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے۔ اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں۔ ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیے اور جو عہد و میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لیے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنیوالے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں، اور اسی لیے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں۔ البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعے سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص 100)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لیے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدرالدین نے "آکام المرجان" میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز

لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء آلہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو، تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لیے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ "یعنی ہم نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت واطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا" اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمان علیہ السلام کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشیں کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی) اور اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں، آگ ان پر کیا اثر کرے گی۔ کیونکہ جنات کے آگ سے بننے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بننے کا مطلب ہے، یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے، مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ....

اس آیت میں ان کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔ محاریب محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف واعلیٰ حصہ کے لیے بولا جاتا ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لیے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔ اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں، اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔

مساجد میں محراب کے لیے مستقل مکان بنانے کا حکم:

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرون اولیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لیے دیا اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے۔ نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار قبلہ میں گہری کر کے بنا دی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہو سکیں، چونکہ یہ طریقہ قرون اولیٰ میں نہ تھا اس لیے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے اس

مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الارانیب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے۔ اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائیں جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنالیا جائے اس کے خلاف کرنیوالے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہوسکتا ہے۔

مسئلہ: جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہوسکے، ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو، اور سب مقتدی دوسرے مکان میں۔ بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصری صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہوجانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ قاموس میں ہے کہ تمثال فتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ۔ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لیے عام تھیں۔ دوسرے تاریخی روایات میں تخت سلیمان پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔

شرح اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت:

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جان داروں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا، مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لیے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہوجائے گی مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنالیا، اور بت پرستی شروع ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں، شریعت اسلام کے لیے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے، اس لیے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کردیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھادیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کردیا گیا۔ ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا

اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید، فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کردی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کردیا گیا زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کردیا گیا۔ شریعت اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

حرمت تصویر پر ایک عام شبہ اور اس کا جواب:

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے عہد مبارک میں تصاویر کو جس حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بت پرستی بن سکتی تھی، لیکن آج کل تصویر سے جس طرح کے کام لیے جاتے ہیں، ملزموں کی شناخت، تجارتوں کے خاص مارک، دوستوں عزیزوں سے ملاقات، واقعات وحالات کی تحقیق میں امداد وغیرہ جس کی وجہ سے وہ ضروریات زندگی میں داخل کرلی گئی ہیں اس میں بت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور دور نہیں، تو یہ ممانعت جو بت پرستی کے خطرہ سے کی گئی تھی اب مرتفع ہوجانی چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ اولاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آج کل تصویر ذریعہ بت پرستی نہیں رہی، آج بھی کتنے فرقے اور گروہ ہیں جو اپنے پیرووں کی تصویر کو پوجا پاٹ کرتے ہیں اور جو حکم کسی علت پر دائر ہو، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے۔ اس کے علاوہ تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ وہ بت پرستی کا ذریعہ ہے، بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی دوسری وجوہ بھی مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے، مصور حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری درحقیقت اسی کے لیے سزاوار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد ہوتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، انسان ہی کو لے لو تو مرد کی صورت اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز، پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوئے۔ ایسے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور وفکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہوجاتا ہے۔ یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے، جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کرسکتا ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل کرکے دکھلاؤ، اگر تمہارے بس میں ہو کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے۔ اگر تمہیں اس تخلیق کا دعویٰ ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح بھی ڈال کر دکھلاؤ۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی

ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت واطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے۔اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ" خانہ خالی راد یومی گیرد" یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اوران کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کرلیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

صحیح و بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعود یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اشد الناس عذاباًیوم القیمة المصورون، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے،اور صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کل مصور فی النار)) الحدیث، یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے:

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے، جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے۔جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائدار نہ بنالیا جائے، جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا، اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنادیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی، جس کی حرمت وممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔فوٹو کی مفصل بحث بھی رسالہ مذکور التصویر میں لکھ دی گئی ہے۔

جفان، جفنہ کی جمع ہے، جو پانی کے بڑے برتن جیسے تسلہ یا ٹب وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔کالجواب، جابیہ کی جمع ہے، چھوٹے حوض کو جابیہ کہتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے برتن ایسے بناتے ہیں جس میں چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا ہے۔قدور قدر بکسر القاف کی جمع ہے، ہنڈیا کو کہا جاتا ہے۔

راسیات، اپنی جگہ ٹھہری ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اتنی وزنی اور بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ہلیں، اور ممکن ہے کہ یہ دیگیں پتھر سے تراش کر پتھر ہی کے چولہوں پر لگی ہوئی بناتے ہوں جو ناقابل حمل و نقل ہوں۔ امام تفسیر ضحاک نے قدور راسیات کی یہی تفسیر کی ہے۔

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ۞ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے نوازا اور مخصوص انعامات عطا فرمائے، ان کا بیان فرمانے کے بعد ان کو مع ان کے اہل و عیال کے شکر گزاری کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔

شکر کی حقیقت اور اس کے احکام:

قرطبی نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت فلاں منعم نے دی ہے اور پھر اس کو اس کی اطاعت و مرضی کے مطابق استعمال کرے، اور کسی کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ناشکری اور کفران نعمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر ہوتا ہے، اور عملی شکر اس نعمت کا منعم کی اطاعت و مرضی کے مطابق استعمال ہے اور ابو عبدالرحمٰن اسلمی نے فرمایا کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے اور ہر نیک کام شکر ہے، اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ شکر تقویٰ اور عمل صالح کا نام ہے۔ (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے حکم شکر کے لیے مختصر لفظ اشکرونی کے بجائے اعملوا شکراً استعمال فرما کر شاید اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ آل داؤد سے مطلوب شکر عملی ہے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور ان کے خاندان نے قول و عمل دونوں سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں نہ لگا ہوا ہو۔ افراد خاندان پر اوقات تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا مصلی کسی وقت نماز پڑھنے والے سے خالی نہ رہتا تھا۔ (ابن کثیر)

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤد علیہ السلام کی ہے، وہ نصف رات سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد علیہ السلام ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(ابن کثیر)

حضرت فضیل سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الان شکرتنی یا داؤد، یعنی اے داؤد اب آپ نے شکر ادا کر دیا، کیونکہ حق شکر ادا کرنے میں اپنے عجز و قصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کر لیا۔

حکیم ترمذی اور امام ابوبکر جصاص نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ

دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آل داؤد کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا، اور غنا اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا، اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔ (قرطبی احکام القرآن جصاص)

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ شکر کے حکم اور تاکید کے بعد اس واقعہ کا بھی اظہار فرمادیا کہ میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوں گے۔ اس میں بھی مؤمن کے لیے تنبیہ اور تحریض ہے شکر پر۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ....

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ:

اس واقعہ میں بہت سی ہدایات ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو ایسی بے مثل حکومت و سلطنت حاصل تھی کہ صرف ساری دنیا پر ہی نہیں بلکہ جنات اور طیور اور ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی، مگر ان سب سامانوں کے باوجود موت سے ان کو بھی نجات نہ تھی۔ اور یہ کہ موت تو مقررہ وقت پر آنی تھی، بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی، اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا، اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے، ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں، اور تعمیر رہ جائے۔ اس کا انتظام حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنے محراب میں داخل ہو گئے، جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں، اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے۔ سلیمان علیہ السلام کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے ایسے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے، یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا، اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیوک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم نے اس کو دابۃ الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصاء کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصاء کا سہارا ختم ہوا تو سلیمان علیہ السلام گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے دور دراز کی مسافت چند لمحوں میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات و واقعات سے واقف ہوتے تھے، جن کو انسان نہیں جانتے، جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے، خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہو تو بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی۔ خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ

ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے۔ اور یہ سال بھر کی محنت و مشقت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ آیت کے آخری جملے میں اسی کا بیان ہے۔ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ اس میں عذاب مہین سے مراد وہ محنت مشقت کا کام ہے جس پر تعمیر بیت المقدس کی تکمیل کے لیے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے لگا دیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کی موت کا یہ عجیب واقعہ تو خود قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے، باقی تفصیل حضرت ابن عباس وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے جو ابن کثیر وغیرہ سب تفاسیر میں نقل کی گئی ہے۔

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کا چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمان علیہ السلام کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرالیا۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب و آلات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظور حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آلات واسباب جواب دے دیتے ہیں، جیسے یہاں عصا کا سہارا دیمک کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔ اور یہ بھی کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے وغیرہ کے اعمال عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کر دیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہوگئی۔

تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام نے موت کے وقت اس خاص طریقہ کو دو وجہ سے اختیار کیا تھا، اول یہ کہ تعمیر بیت المقدس کا باقی ماندہ کام پورا ہو جائے، دوسرے یہ کہ ان لوگوں پر جنات کی بے خبری اور بے بسی واضح ہو جائے تاکہ ان کی عبادت کا خطرہ نہ رہے۔ (قرطبی)

امام نسائی نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں، جو مقبول ہوئیں۔ ان میں ایک دعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوت عام دی اور اس دن کی خوشی منائی، اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے، جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالئے۔ اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لیے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں۔ ایک یہ کہ جو گناہگار توبہ کرنے کے لیے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔ دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف و خطرہ سے بچنے کے لیے

اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں، اور خطرات سے نجات عطا فرما دیں۔ تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرما دیں۔ چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کر دیں۔ پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظر عنایت ورحمت اس پر رکھیں۔ بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات میں مکمل ہو چکا تھا، مگر جو واقعہ اوپر مذکور ہوا ہے وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ اصل تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تعمیرات میں کچھ کام رہا کرتے ہیں وہ باقی ہوں ان کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ تدبیر اختیار کی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ موت کے بعد عصا کے سہارے حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال کھڑے رہے۔ (قرطبی) اور بعض روایات میں ہے کہ جب جنات کو یہ معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی موت کو عرصہ ہو گیا ہم بے خبر رہے تو مدت موت معلوم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک لکڑی پر دیمک چھوڑ دی، ایک دن رات میں جتنی لکڑی دیمک نے کھائی اس سے حساب لگا لیا کہ عصائے سلیمانی پر ایک سال اس طرح گزرا ہے۔

فائدہ: بغوی نے علماء تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر کل ترپن سال کی ہوئی، اور ان کی سلطنت وحکومت چالیس سال رہی، تیرہ سال کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا، اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی۔ (مظہری، قرطبی)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ ....

قوم سباء پر اللہ تعالیٰ کے انعامات، پھر ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا مسلوب ہونا:

سبا ایک قوم تھی جو اپنے جد اعلیٰ سبا بن یشجب کی طرف منسوب تھی، یہ لوگ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے اور یمن میں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو بہت نوازا تھا، دائیں بائیں باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں، انہیں میں رہتے سہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے تھے، ان کے علاقہ کا نام مارب تھا جو شہر صنعاء سے (جو اب بھی موجود ہے) تین دن کی مسافت پر تھا، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے رب کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر بھی کیا کرو۔ روح المعانی میں مجمع البیان سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تیرہ بستیاں تھیں اور ہر ہر بستی میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو انہیں اس بات کی ترغیب دیتا تھا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ (کہ یہ جگہ جہاں تم بستے ہو عمدہ جگہ ہے) جس کی آب وہوا بھی اچھی ہے اور سرزمین بھی کاشت وغیرہ کے اعتبار سے بہترین ہے نہ اس میں جوئیں ہیں نہ کھٹمل نہ دوسرے کیڑے مکوڑے۔ (من روح المعانی)

وَرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ اور تمہارا رب بخشنے والا ہے۔ اس کی عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہو، کوئی قصور اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگ لو وہ بخش دے گا۔

یہ لوگ ان نعمتوں میں مست تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اسے خود اپنے ہوش گوش کے ساتھ اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے لیکن ان لوگوں نے توجہ دلانے پر بھی شکر ادا نہ کیا، جسے فَاَعْرَضُوْا سے تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ناشکری کی سزا دے دی اور ان پر عذاب بھیج دیا، یہ عذاب کیا تھا ایک سیلاب تھا اور یہ سیلاب بھی سخت تھا، جو بند بنا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا اور سیلاب نے ان کے گھر کو، مکانوں کو، باغوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ وہ جو باغوں کی قطاریں تھیں سب برباد ہوگئیں اور ان کی جگہ ایسے باغ نکل آئے جن کے پھل کڑوے تھے اور کچھ جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے، اب تو افسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے رہ گئے لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب سب کچھ بہا کر لے گیا سیلاب۔'' سیلاب کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا: وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۞ (اور ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکرے ہی کو) لفظ الْكَفُوْرَ ۞ میں سب سے بڑی ناشکری یعنی کفر بھی داخل ہے اور مدعیان اسلام کی قولی و عملی ناشکری بھی، ناشکرا آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ میری نعمتیں چھینی بھی جاسکتی ہیں، اپنی نعمتوں میں مست رہتا ہے انہیں گناہوں میں خرچ کر کے ناشکری میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، پھر سزا میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

سورۃ النحل میں فرمایا ہے: (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ) (اور اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکات کے سبب انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔)

اس کے بعد ان لوگوں کے انعامات کا اور ان کی ناشکریوں کا کچھ مزید تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا (وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً) (اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو ظاہر تھے) یہ گاؤں برلب سڑک تھے، جب ایک بستی سے دوسری تک گزرنا ہوتا تھا تو یہ گاؤں نظر آتے تھے، اگر کوئی ٹھہرنا چاہتا تو ان میں ٹھہر سکتا تھا اور یوں بھی بار بار آبادی نظر آنے سے سفر کی وحشت اور دہشت کم ہوجاتی ہے، آبادیوں کا برابر مسلسل اور متصل ہونا یہ بھی اہل سباء پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے ملک شام کی بستیاں مراد ہیں، جب یہ لوگ اپنے علاقہ سے ملک شام جاتے تھے تو راستہ میں قریب قریب بہت سی بستیاں آتی تھیں جن کے قریب سے گزرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ برکت والی بستیوں سے خود اہل سبا ہی کی بستیاں مراد ہیں، جو بڑی بڑی بستیاں تھیں، اور قُرًى ظَاهِرَةً سے چھوٹی بستیاں مراد ہیں جو بڑی بستیوں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں اور سفر کرنے والے کو عموماً نظر آتی تھیں۔

وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ (اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا) یعنی ان بستیوں کے درمیان جو مسافت تھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقدار معین کے ساتھ رکھی تھی، مثلاً کوئی شخص صبح کو روانہ ہوتا تو دوپہر ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا اور ظہر کے بعد چلتا تو غروب آفتاب تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا تھا۔ کھانہ دانہ ساتھ لینے کی ضرورت

نہ ہوتی تھی اور دشمن کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔ بعض مفسرین نے بطور مثال مناسب اندازہ کے رفتار کا مطلب بتاتے ہوئے یہ بات کہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بستی سے لے کر دوسری بستی تک ایک میل کی مسافت تھی۔

سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۞ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ تم ان بستیوں کے درمیان راتوں کو اور دن کو یعنی جب چاہو امن و امان کے ساتھ سفر کرو) تمہارے راتوں کے سفر بھی پر امن ہیں جبکہ ان میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے اور دن کے اسفار بھی پر امن ہیں، بغیر کسی خوف کے جب تک اور جہاں تک چاہو سفر کرو۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ....

"یعنی ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کہ سفر کی تکلیف ہی نہ رہے ناقدری اور ناشکری کر کے خود یہ دعا مانگی کہ ہمارے سفر میں بُعد پیدا کر دے، قریب قریب کے گاؤں نہ رہیں، جنگل بیابان آئے، جس میں کچھ محنت مشقت بھی اٹھانی پڑے۔ ان کی مثال وہی ہے جو بنی اسرائیل کی تھی کہ بے محنت بہترین رزق من و سلویٰ ان کو ملتا تھا، اس سے اُکتا کر اللہ سے یہ مانگا کہ اس کے بجائے ہمیں سبزی ترکاری دے دیجئے، حق تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور نعمت کی بے قدری پر وہ سزا جاری فرمائی جو اوپر سیل عرم کے عنوان سے مذکور ہوئی ہے۔ اسی کا آخری نتیجہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ دنیا میں ان کی عیش و عشرت اور دولت و نعمت کے قصے ہی رہ گئے، اور یہ لوگ افسانہ بن گئے۔

مزقنھم، تمزیق سے مشتق ہے، جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس مقام شہر مآب کے بسنے والے کچھ ہلاک ہو گئے، کچھ ایسے منتشر ہو گئے کہ ان کے ٹکڑے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ عرب میں قوم سبا کی تباہی اور منتشر ہونا ایک ضرب المثل بن گیا، ایسے مواقع میں عرب کا محاورہ ہے تفرقوا ایادی سباء، یعنی یہ لوگ ایسے منتشر ہوئے جیسے قوم سبا کے نعمت پروردہ لوگ منتشر ہو گئے تھے۔

ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے اس جگہ طویل قصہ ایک کاہن کا نقل کیا ہے، کہ سیلاب کا عذاب آنے سے کچھ پہلے اس کاہن کو اس کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک عجیب تدبیر کے ذریعہ پہلے تو اپنی زمین جائیداد مکان وغیرہ سب فروخت کر دیا، جب رقم اس کے ہاتھ آ گئی تو اس نے اپنی قوم کو آنے والے سیلاب و عذاب سے باخبر کیا اور کہا کہ جس کو اپنی جان سلامت رکھنا ہے وہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ اس نے لوگوں کو یہ بھی بتلایا کہ تم میں جو لوگ سفر بعید اختیار کر کے محفوظ مقام کا ارادہ کریں، وہ عمان چلے جائیں اور جو لوگ شراب اور خمیری روٹی اور پھل وغیرہ چاہیں وہ ملک شام کے مقام بصریٰ میں چلے جائیں، اور جو لوگ ایسی سواریاں چاہیں جو کیچڑ میں ثابت قدم رہیں، اور قحط کے زمانے میں کام آئیں اور جلدی سفر کی ضرورت کے وقت ساتھ دیں تو وہ یثرب (مدینہ منورہ) چلے جائیں جس میں کھجور کثرت سے ہے۔ اس کی قوم نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ قبیلہ ازد عمان کی طرف چلے گئے اور غسان بصریٰ ملک شام کی طرف اور اوس و خزرج اور بنو عثمان یثرب ذات النخل کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ بطن مر کے مقام پر پہنچ کر بنو عثمان نے تو اسی جگہ کو پسند کر لیا اور یہیں رہ پڑے، اور اسی انقطاع کی وجہ سے بنو عثمان کا لقب خزاعہ ہو گیا۔ یہ بطن مرہ میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہی رہ پڑے اور اوس و خزرج یثرب پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ ابن کثیر میں طویل قصہ کے بعد لوگوں کے متفرق مقامات میں منتشر ہو جانے کی یہی تفصیل بسند سعید عن قتادہ عن الشعبی نقل کر کے

فرمایا کہ اس طرح یہ قوم سبا ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، جس کا ذکر مزقناھم کل ممزق میں آیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ یعنی قوم سبا کے عروج ونزول اور ان کے احوال کے انقلاب میں بڑی نشانی اور عبرت ہے، اس شخص کے لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہو۔ یعنی کوئی مصیبت وتکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور کوئی نعمت وراحت حاصل ہو تو اس پر اللہ کا شکر کرے، اس طرح وہ زندگی کے ہر حال میں نفع ہی نفع کماتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم نافذ فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے، کہ اگر اس کو کوئی نعمت راحت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کے لیے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف ومصیبت پیش آجائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر وثواب ملتا ہے، اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لیے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

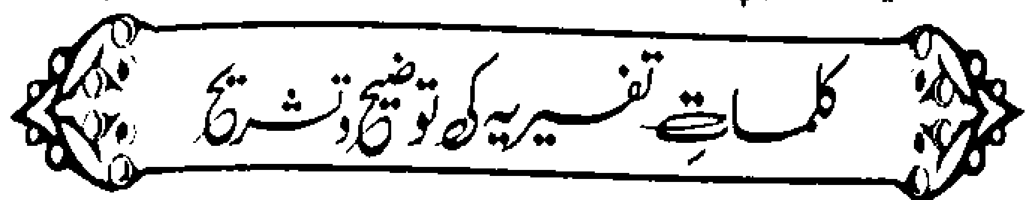
اور بعض حضرات مفسرین نے لفظ صبار کو صبر کے عام معنی میں لیا ہے، جس میں طاعات پر ثابت قدم رہنا اور معاصی سے پرہیز کرنا بھی داخل ہے، اس تفسیر پر مؤمن ہر حال میں صبر وشکر کا جامع رہتا ہے اور ہر صبر شکر ہے اور ہر شکر صبر بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَیْ زَعَمْتُمُوْهُمْ اٰلِهَةً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ اَیْ غَیْرِهٖ لِیَنْفَعُوْكُمْ بِزَعْمِكُمْ قَالَ تَعَالٰی فِیْهِمْ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ وَزْنَ ذَرَّةٍ مِنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ شَرِكَةٍ وَّمَا لَهٗ تَعَالٰی مِنْهُمْ مِنَ الْاٰلِهَةِ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾ مُعِیْنٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ تَعَالٰی رَدًّا لِقَوْلِهِمْ اَنَّ اٰلِهَتَهُمْ تُشَفِّعُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا لَهٗ ۭ فِیْهَا حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ عَنْ قُلُوْبِهِمْ كُشِفَ عَنْهَا الْفَزَعُ بِالْاِذْنِ فِیْهَا قَالُوْا قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِسْتِبْشَارًا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ فِیْهَا قَالُوا الْقَوْلَ الْحَقَّ ۚ اَیْ قَدْ اَذِنَ فِیْهَا وَهُوَ الْعَلِیُّ فَوْقَ خَلْقِهٖ بِالْقَهْرِ الْكَبِیْرُ ﴿۲۳﴾ الْعَظِیْمُ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ الْمَطَرَ وَالْاَرْضِ ۭ النَّبَاتَ قُلِ اللّٰهُ ۙ اِنْ لَمْ یَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَیْرُهٗ وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاكُمْ اَیْ اَحَدَ الْفَرِیْقَیْنِ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ بَیِّنٍ فِی الْاِبْهَامِ تَلَطُّفٌ بِهِمْ دَاعٍ اِلَی الْاِیْمَانِ اِذَا وُفِّقُوْا قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اَذْنَبْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِاَنَّا بَرِیْئُوْنَ مِنْكُمْ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ یَفْتَحُ یَحْكُمُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ

فَيُدْخِلُ الْمُحِقِّيْنَ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلِيْنَ النَّارَ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْحَاكِمُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ بِمَا يَحْكُمُ بِهٖ قُلْ اَرُوْنِيَ
اَعْلِمُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ فِي الْعِبَادَةِ كَلَّا رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ اِعْتِقَادِ شَرِيْكٍ لَهٗ بَلْ هُوَ اللّٰهُ
الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ فِيْ تَدْبِيْرِهٖ لِخَلْقِهٖ فَلَا يَكُوْنُ لَهٗ شَرِيْكٌ فِيْ مُلْكِهٖ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا كَآفَّةً حَالٌ مِنَ النَّاسِ قُدِّمَ لِلْاِهْتِمَامِ بِهٖ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا مُبَشِّرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِالْجَنَّةِ وَّنَذِيْرًا مُنْذِرًا
لِلْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ ذٰلِكَ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
بِالْعَذَابِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ فيه قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا
تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع عَلَيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے محمد ﷺ کفار مکہ سے پکاروان کو جن کو گمان کرتے ہو کہ وہ معبود ہیں اللہ کے سوا اللہ کے علاوہ کوتا کہ تمہارے گمان کے مطابق تمہیں نفع پہونچادیں ان کے بارے میں حق تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں وہ ذرۃ برابر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا شرکت ہے اور نہ ہی اللہ کا ان معبودوں میں سے کوئی مددگار معاون ہے اور نہ اس کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے ان کے اس قول کی تردید ہے کہ ان کے معبود اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے مگر ہاں اس کے حق میں اجازت دیدے اذن فتحہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ اللہ جس کو سفارش کی یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے یہ لفظ معروف ہے اور مجہول دونوں ان کے دلوں سے ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے شفاعت کی اجازت سے تو وہ پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے خوشخبری سننے کے لیے تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ کہتے ہیں حق بات کا حکم فرمایا یعنی سفارش کی اجازت دیدی ہے اور وہ عالیشان اپنی مخلوق پر غالب ہے سب سے بڑا زبردست ہے آپ پوچھیے تم کو آسمان میں بارش اور زمین میں پیداوار کون دیتا ہے آپ کہئے کہ اللہ اگر یہ لوگ خود جواب نہ دیں کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے ہی نہیں اور بلاشبہ ہم یا تم دونوں فریقوں میں سے ایک راہ راست پر ہیں اور یا صریح گمراہی پر جو کھلی ہوئی ہو اور مبہم بیان کرنے میں ان کو دعوت ایمان دینے کے لیے نرمی کا پہلو اختیار کرنا ہے اگر انھیں توفیق ایمان ہو آپ کہہ دیجئے ہمارے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا اس لیے کہ ہم تم سے بری ہیں اور نہ ہی ہم تمہارے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا پروردگار قیامت میں ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک فیصلہ حکم فرمائے گا چنانچہ حق پرست جنت میں اور باطل پرست جہنم میں داخل کردئے جائیں گے اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا حاکم بڑا جاننے والا فیصلہ کا ہے آپ کہئے کہ ذرا تو دکھلا دو بتلا دو مجھے جن کو تم نے خدا کے ساتھ عبادت میں شریک کر رکھا ہے ہرگز نہیں شرکیہ اعتقاد پر انھیں ڈانٹ ڈپٹ ہے بلکہ وہی اللہ زبردست ہے اپنے کام پر غالب حکمت والا ہے مخلوق کی تدبیر کرنے میں لہٰذا اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی یہ کافۃ الناس

سے حال واقع ہے اہتمام کے لیے مقدم کر دیا گیا ہے انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری دینے والے مومنین کو جنت کی بشارت سنانے والے ڈرانے والے کفار کو عذاب سے ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ کفار مکہ نہیں سمجھتے ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عذاب کب پورا ہوگا اگر تم اس بارے میں سچے ہو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ نہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو وہ قیامت کا دن ہے۔



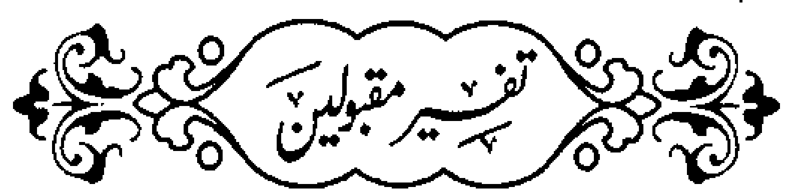
قوله : زَعَمْتُمُوْهُ: زعم کا اول مفعول حذف کر دیا اور دوسرے کے قائم مقام صفت آ گئی۔

قوله : كُشِفَ عَنْهَا: اس سے اشارہ کیا تفضیل کا صیغہ یہاں سلب وازالہ کے لیے ہے۔

قوله : بِالْإِذْنِ فِيْهَا: شفاعت میں۔

قوله : دَاعٍ اِلَى الْاِيْمَانِ: یہ تلطف کے انداز میں بات کہی گئی ہے۔

قوله : اِلَّا كَآفَّةً: تمام سب۔



قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ ....

بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے، واحد ہے، احد ہے، فرد ہے، صمد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بے نظیر، لاشریک اور بے مثیل ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساتھی نہیں، مشیر نہیں، وزیر نہیں، مددگار و پشتی بان نہیں۔ پھر ضد کرنے والا اور خلاف کہنے والا کہاں؟ جن جن کو پکارا کرتے ہو پکار کر دیکھ لو معلوم ہو جائے گا کہ ایک ذرے کے بھی مختار نہیں۔ محض بے بس اور بالکل محتاج و عاجز ہیں، نہ زمینوں میں ان کی کچھ چلے نہ آسمانوں میں جیسے اور آیت میں ہے کہ وہ ایک کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں اور یہی نہیں کہ انہیں خود اختیاری حکومت نہ ہو نہ سہی شرکت کے طور پر ہی ہو نہیں شرکت کے طور پر بھی نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لیتا ہے۔ بلکہ یہ سب کے سب فقیر محتاج ہیں اس کے در کے غلام اور اس کے بندے ہیں اس کی عظمت و کبریائی عزت و بڑائی ایسی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے اور آیت میں ہے (وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى) (النجم:26)، یعنی آسمانوں کے کل فرشتے بھی اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لیے لب نہیں سکتے مگر جس کے لیے اللہ اپنی رضامندی سے اجازت دے دے۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: (وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ) (الانبیاء) وہ لوگ صرف ان کی شفاعت کر سکتے ہیں جن کے لیے اللہ کی رضامندی

ہو وہ تو خود ہی اس کے خوف سے تھرا رہے ہیں۔ تمام اولاد آدم کے سردار سب سے بڑے شفیع اور سفارشی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب قیامت کے دن مقام محمود میں شفاعت کے لیے تشریف لے آئیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئے اور مخلوق کے فیصلے کرے اس وقت کی نسبت آپ فرماتے ہیں میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا اللہ جانتا ہے کہ کب تک سجدے میں پڑا رہوں گا اس سجدے میں اس قدر اپنے رب کی تعریفیں بیان کروں گا کہ اس وقت تو وہ الفاظ بھی مجھے معلوم نہیں۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھایئے آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی آپ مانگئے آپ کو دیا جائے گا۔ آپ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ رب کی عظمت کا ایک اور مقام بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی وحی میں کلام کرتا ہے اور آسمانوں کے مقرب فرشتے اسے سنتے ہیں تو ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور غشی والے کی طرح ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ ہٹ جاتی ہے۔ فزع کی دوسری قرأت فرغ بھی آئی ہے مطلب دونوں کا ایک ہے۔ تو اب آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت رب کا کیا حکم نازل ہوا؟ پس اہل عرش اپنے پاس والوں کو وہ اپنے پاس والوں کو یونہی درجہ بدرجہ حکم پہنچا دیتے ہیں بلاکم وکاست ٹھیک اسی طرح پہنچا دیتے ہیں۔ ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سکرات کا وقت آتا ہے۔ اس وقت مشرک یہ کہتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن بھی جب اپنی غفلت سے چونکیں گے اور ہوش وحواس قائم ہو جائیں گے اس وقت یہ کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب ملے گا کہ حق فرمایا، حق فرمایا اور جس چیز سے دنیا میں بے فکر تھے آج اس کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ تو دلوں سے گھبراہٹ دور کیے جانے کے یہ معنی ہوئے کہ جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اس وقت سب شک وتکذیب الگ ہو جائیں گے۔ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے اس وقت رب کے وعدوں کی حقانیت تسلیم کریں گے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے قائل ہوں گے۔ پس نہ تو موت کے وقت کا اقرار نفع دے نہ قیامت کے میدان کا اقرار فائدہ پہنچائے۔ لیکن امام ابن جریر کے نزدیک پہلی تفسیر ہی راجح ہے یعنی مراد اس سے فرشتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے اور اس کی تائید احادیث وآثار سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ آسمان میں کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں اور رب کا کلام ایسا واقع ہوتا ہے جیسے اس زنجیر کی آواز جو پتھر پر بجائی جاتی ہو جب ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اس وقت کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو فرمایا حق ہے اور وہ اعلیٰ وکبیر ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کی غرض سے گئے ہوئے ہیں اور جو تہ بہ تہ ایک دوسروں کے اوپر ہیں وہ کوئی کلمہ سن لیتے ہیں اوپر والا نیچے والے کو وہ اپنے سے نیچے والے کو سنا دیتا ہے اور وہ کاہنوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے فوراً ان کے جلانے کو آگ کا شعلہ لپکتا ہے لیکن کبھی کبھی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہنچا دیتا ہے اور کبھی پہنچانے سے پہلے ہی جلا دیا جاتا ہے۔ کاہن اس ایک کلمے کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے لوگ اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ دیکھو یہ بات اس کے کہنے کے مطابق ہی ہوئی مسند میں ہے حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور زبردست روشنی ہوگئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہم اس موقعہ پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت

بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ زہری سے سوال ہوا کہ کیا جاہلیت کے زمانے میں بھی ستارے جھڑتے تھے؟ کہا ہاں لیکن کم۔ آپ کی بعثت کے زمانے سے ان میں بہت زیادتی ہوگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا سنو انہیں کسی کی موت وحیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارا رب تبارک وتعالیٰ کسی امر کا آسمانوں میں فیصلہ کرتا ہے تو حاملان عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں پھر ساتویں آسمان والے پھر چھٹے آسمان والے یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر عرش کے آس پاس کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں پھر ہر نیچے والا اوپر والے سے دریافت کرتا ہے اور وہ اسے بتاتا ہے یہاں تک کہ آسمان اول والوں کو خبر پہنچتی ہے۔ کبھی اچک لے جانے والے جنات اسے سن لیتے ہیں تو ان پر یہ ستارے جھڑتے ہیں تاہم جو بات اللہ کو پہچانی منظور ہوتی ہے اسے وہ لے اڑتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت کچھ باطل اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شہرت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی امر کی وحی کرتا ہے تو آسمان مارے خوف کے کپکپا اٹھتے ہیں اور فرشتے ہیبت زدہ ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں اور اللہ کا فرمان سنتے ہیں پھر ان کی زبانی اور فرشتے سنتے ہیں اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا وہ بلندی اور بڑائی والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا امین فرشتہ جس کی طرف ہوا سے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے نہ ہونے کے زمانے میں بند رہ کر پھر ابتداء ختم المرسلین ﷺ پر نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے بھی اس آیت کے تحت میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن آیت اس کو اور سب کو شامل ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .....

بحث ومناظرہ میں مخاطب کے نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ یہ مشرکین وکفار کے ساتھ خطاب ہے۔ دلائل واضحہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق ومالک ہونا اور قادر ومطلق ہونا واضح کر دیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کرا دیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو۔ مگر قرآن حکیم نے اس جگہ جو حکیمانہ عنوان اختیار فرمایا وہ دعوت وتبلیغ اور مخالفین اسلام اور اہل باطل سے بحث ومناظرہ کرنے والوں کے لیے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر گمراہ کہنے کی بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھدار آدمی کہہ نہیں سکتا کہ توحید وشرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور مشرک دونوں حق پرست ہیں، بلکہ یقینی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک حق پر دوسرا گمراہی پر ہے۔ اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کرلو کہ ہم حق پر ہیں یا تم۔ مخاطب کو خود کافر گمراہ کہنے سے اس کو اشتعال ہوتا، اس سے گریز کیا گیا، اور ایسا مشفقانہ عنوان اختیار کیا کہ سنگدل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ (از قرطبی وبیان القرآن)

یہ پیغمبرانہ دعوت وموعظت اور مجادلہ بالتی ھی احسن کا طریقہ جو علماء کو وقت پیش نظر رکھنا چاہئے، اس کے نظر انداز ہونے

ہی سے دعوت وتبلیغ اور بحث ومناظرہ بے اثر بلکہ مضر ہو کر رہ جاتا ہے۔ مخالفین ضد پر آ جاتے ہیں ان کی گمراہی اور پختہ ہو جاتی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ....

رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا اعلان:

اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے، چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لیے ہر فرد وبشر کے لیے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں، آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو، جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے، سورۃ اعراف میں فرمایا: (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ) (آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! بلا شبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے لیے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر، اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ وہ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۱) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

(۲) پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہوتی ہے، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدث اصغر اور حدث اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

(۳) میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے۔

(٤) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ) جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لیے ہوگی۔

(٥) اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃً تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

(رواہ البخاری جلد ۱: ص ٤٨)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: (والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا

نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب لنار) (رواہ مسلم ج۱:ص۸۶) (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ میں جو دین دے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ میں سے ہوگا۔)

سورۂ آل عمران میں فرمایا: (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) (بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور فرمایا: (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا۔)

جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی، نصرانی، فرقہ صابئین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لیے معیار نجات صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اي تقدمه كالتوراة والانجيل الدالين على البعث لانكارهم له قال تعالى فيهم وَلَوْ تَرٰۤى يا محمد اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الكافرون مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا الاتباع لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا الرؤساء لَوْلَاۤ اَنْتُمْ صددتمونا عن الايمان لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ بالنبي قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ لا بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ في انفسكم وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اي مكر فيهما منكم بنا اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ شركاء وَاَسَرُّوا اي الفريقان النَّدَامَةَ على ترك الايمان لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ اي اخفاها كل عن رفيقه مخافة التعيير وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ في النار هَلْ ما يُجْزَوْنَ اِلَّا جزاء مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ في الدنيا وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ رؤساءها المتنعمون اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ ممن امن وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يوسعه لِمَنْ يَّشَآءُ امتحانا وَيَقْدِرُ يضيقه لمن يشاء ابتلاء وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اي كفار مكة لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع ذلك وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى قربى اي

تَقْرِيْبًا إِلَّا لٰكِنْ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ اَیْ جَزَاءُ الْعَمَلِ
الْحَسَنَةِ مَثَلًا بِعَشْرٍ فَاَكْثَرَ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ مِنَ الْجَنَّةِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ مِنَ الْمَوْتِ وَغَيْرِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ الْغُرْفَةُ
وَهِیَ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِالْاِبْطَالِ مُعٰجِزِيْنَ لَنَا مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا وَاَنَّهُمْ
يَفُوْتُوْنَنَا اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لَهٗ بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فِی الْخَيْرِ فَهُوَ
يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ اَیْ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ وَاذْكُرْ يَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الْاُوْلٰى
يَاءً وَاِسْقَاطِهَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الشَّرِيْكِ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ اَیْ
لَا مُوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جِهَتِنَا بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ الشَّيَاطِيْنَ اَیْ يُطِيْعُوْنَهُمْ فِیْ
عِبَادَتِهِمْ اِيَّانَا اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ مُصَدِّقُوْنَ فِيْمَا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ قَالَ تَعَالٰى فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
بَعْضُكُمْ اَیْ بَعْضُ الْمَعْبُوْدِيْنَ لِبَعْضِ الْعَابِدِيْنَ لِبَعْضٍ شَفَاعَةً نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ تَعْذِيْبًا وَنَقُوْلُ
لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا كَفَرُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِنَ
الْقُرْاٰنِ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ بِلِسَانِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ
يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اَیِ الْقُرْاٰنِ اِلَّآ اِفْكٌ كِذْبٌ مُّفْتَرًى عَلَى اللّٰهِ ۭ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ بَيِّنٌ قَالَ تَعَالٰى وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ
مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ فَمِنْ اَيْنَ كَذَّبُوْكَ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا اَیْ هٰؤُلَاءِ مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِنَ الْقُوَّةِ وَطُوْلِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ
ع ۵ ۹ ۱۱ اِلَيْهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ اِنْكَارِیْ عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِهْلَاكِ اَیْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ

تَرْجَمَہ: اور کہنے لگے منکر کفار مکہ ہم ہرگز نہ مانیں گے اس قرآن کو اور نہ اس سے اگلے کو جو مقدم ہیں جیسے تورات انجیل کہ جو بعث بعد الموت پر دلالت کرنے والی ہیں ان کفار کے اس سے کفار کے منکر ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے اور کاش آپ اے محمد! اس وقت کی حالت دیکھیں جب یہ ظالم کافر اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر بات ٹال رہا ہو گا دنیٰ درجہ کے لوگ ماتحت بڑے درجے کے لوگوں آقاؤں سے کہہ رہے ہوں گے اگر تم نہ ہوتے اگر تم ہمیں ایمان سے باز نہ رکھتے تو ہم ضرور پیغمبر پر ایمان لے آئے ہوتے یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہیں پہونچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم ہی اپنے نزدیک قصوروار رہے ہو اور کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے پھر کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں یعنی ہمارے بارے میں تمہاری شب روز کی سازشوں نے روکا تھا جب تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر اختیار کریں اور اس کے ساجھی شریک تجویز کریں اور وہ لوگ دونوں فریق اپنی ایمان نہ لانے کی شرمندگی کو چھپائیں گے جبکہ عذاب دیکھ لیں گے یعنی ہر ایک دوسرے سے عار دلانے کے خوف سے چھپائے گا اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جہنم کے اندر جیسا کہ کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں عیش پسند امراء نے یہی کہا کہ ہم تو ان کے احکام کے منکر ہیں جن کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم تو مال والاد میں ایمانداروں سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا اور کہیے کہ میرا پروردگار کشادہ زیادہ روزی دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے آزمائش کے طور پر اور کم دیتا ہے تنگی کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے آزمائش کے لیے لیکن اکثر کفار مکہ واقف نہیں اس سے تمہارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنادے نزدیک کردے مگر ہاں الا، لکن کے معنی میں ہے جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا کہیں بڑھا ہوا صلہ یعنی نیکی کا بدلہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ اور یہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے موت وغیرہ کے خطرے سے ایک قراءت میں غرفۃ ہے بمعنی جمع اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق قرآن کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہرانے کے لیے ہمیں ہمارا عاجز ہونا فرض کر کے اور یہ کہ ہم سے بچ نکلیں گے ایسے ہی لوگ عذاب میں جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے فراخ کشادہ روزی دیتا ہے آزمائش کی خاطر اور کم تنگ کر دیتا ہے اس کے لیے کشائش کے بعد جن کے لیے چاہے آزمائش کے لیے اور جو کچھ بھی تم نیک کام میں خرچ کرو گے سو وہ اس کا بدلہ عطا کرے گا اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اور بولا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے عیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق میں سے اور یاد کیجئے جب اللہ ان سب مشرکین کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور پہلی ہمزہ کو یاء سے بدل کر پھر یا کو حذف کر کے عبادت کرتے رہے ہیں وہ عرض کریں گے پاک ہے تو شریک سے تیرے لیے پاکی ہے ہمارا تعلق صرف آپ سے ہے نہ کہ ان سے یعنی ہمارے اور انکے درمیان ہماری طرف سے کوئی وابستگی نہیں ہے اصل یہ ہے بل انتقال کے لیے ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے شیاطین کی یعنی ہماری پرستش کرنے میں ان کا کہنا مانتے تھے ان میں سے اکثر انہیں کے معتقد بھی تھے جو وہ کہتے تھے یہ اس کو مان لیتے تھے۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے سو آج تم میں سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ایک دوسرے کو یعنی بعض معبود بعض عابدوں کو نہ نفع پہونچانے شفاعت کرنے کا اور نہ نقصان پہنچانے عذاب دینے کا اور ہم ظالموں کافروں سے کہیں گے کہ اب چکھو مزہ دوزخ کی آگ کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور

جب ان کے سامنے ہماری قرآن کریم کی آیتیں صاف صاف پیغمبر کی زبانی کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن بتوں کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں اور کہتے ہیں یہ قرآن محض اللہ پر ایک تراشا ہوا افتراء جھوٹ ہے اور کافر حق قرآن کے بارے میں جب وہ ان کے پاس پہنچا کہتے ہیں کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ہم نے انھیں نہ کتابیں دی تھیں جنھیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا تھا پھر کیسے آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ کافر تو دسویں حصے کو بھی نہیں پہونچے جو کچھ ہم نے ان پہلوں کو دیا تھا قوت طول زندگانی مال کی بہتات غرض انھوں نے میرے پیغمبروں کی جو ان کے پاس بھیجے گئے تھے تکذیب کی سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ ان پر سزا اور تباہی یعنی ٹھیک موقع سے ہوئی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَكْرُ فِيهِمَا: یعنی دن رات کی تدابیر ذکر کی، اضافت ظرف کی طرف بطور وسعت ہے۔

قوله: تُقَرِّبُكُمْ: اس میں التی ۔الذی کی بجائے لائے، دراصل یہ خصلہ وغیرہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قوله: جَزَاءُ الضِّعْفِ: اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی جارہی ہے۔

قوله: مُقَدَّرِيْنَ: یعنی وہ ہماری عاجزی کا گمان رکھتے ہیں۔

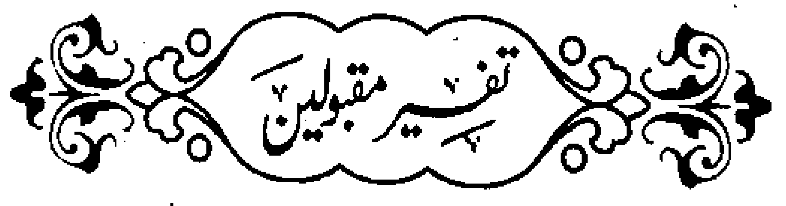
قوله: يَضِيقُهُ: یہاں ایک شخص کے لحاظ سے فرمایا۔ اور گزشتہ آیات میں دو شخصوں کے لحاظ سے ہے۔ پس تکرار چہ معنی؟

قوله: يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ: اس میں اشارہ ہے، کہ رزق میں اس کی خبریت ثابت ہے۔

قوله: اَلْمُشْرِكِيْنَ: یعنی متکبر اور کمزور۔

قوله: بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ: اول ضمیر انسانوں یا مشرکین کیلئے اور اگر یہ کل کے معنی میں ہے اور ثانی ضمیر جنات کیلئے ہے۔

قوله: مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا: جن میں شرک کی درستگی کا ثبوت ہو۔



وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ....

کافروں کی سرکشی:

کافروں کی سرکشی اور باطل کی ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ قرآن کی حقانیت کی ہزار ہا دلیلیں

بھی دیکھ لیں لیکن نہیں مانیں گے۔ بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔انہیں اپنے اس قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے چھوٹے بڑوں کو، بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے۔ ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوئے ہوتے، ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی تم جانتے تھے کہ یہ سب بے دلیل ہے دوسری جانب سے دلیلیوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی پھر تم نے اس کی پیروی چھوڑ کر ہماری کیوں مان لی؟ یہ تو تمہاری اپنی بے عقلی تھی، تم خود شہوت پرست تھے، تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے، رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گذرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہی ہے ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟ اپنے بزرگوں کی مان لینے والے یہ بے دلیل انہیں پھر جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی دھوکے بازیاں، جعل سازیاں، فریب کاریاں ہمیں اطمینان دلاتیں کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں، ہم سے بار بار شرک وکفر کے نہ چھوڑنے، پرانے دین کے نہ بدلنے باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا، ہماری کمر تھپکنا۔ ہمارے ایمان سے رک جانے کا یہی سبب ہوا۔ تم ہی آ آ کر ہمیں عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے روگرداں کرتے تھے۔ دونوں الزام بھی دیں گے۔ براءت بھی کریں گے۔ لیکن دل میں اپنے کیے پر پچھتا رہے ہوں گے۔ ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق وزنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ اب ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آ پڑے گا۔ (ابن ابی حاتم) حسن بن یحییٰ خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے، ہر غار، ہر زنجیر، ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے جب حضرت سلیمان دارانی کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے ہائے ہائے پھر کیا حال ہوگا اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں، گردن میں طوق ہوں پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ اللہ تو بچانا پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا.....

گمراہ پیشواؤں کی اپنے پیروؤں کو مزید ڈانٹ:

ارشاد فرمایا گیا کہ وہ گمراہ پیشوا اپنے پیروؤں سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ اصل مجرم تم لوگ خود تھے۔ پس اصل قصوروار تم خود تھے۔ بلکہ ہمیں خراب وگمراہ کرنے میں بھی تمہارا ہی ہاتھ تھا کہ اگر تم لوگ ہمیں آسمان پر نہ چڑھاتے تو ہمارے دماغ اتنے خراب نہ ہوتے کہ ہم اپنی خدائی کے زعم میں مبتلا ہو جاتے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے- پیراں نہ می پرند مریداں می پرانند- پیر خود نہیں اڑتے مریدان کو اڑاتے ہیں ورنہ تم لوگ اگر حق وہدایت کو اپناتے اور اس کے نور مبین کو قبول کرتے جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچ چکا تھا تو تمہیں اس سے کون روک سکتا تھا۔ پس حق سے منہ موڑ کر اور باطل کو اپنا کر تم نے خود ہی جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ سو اب اپنے کیے کا مزہ تم خود چکھو- سو حضرت حق- جل مجدہ- نے اس جہاں میں معبودان باطلہ اور ان کے گمراہ پیروکاروں

کے درمیان ہونے والے اس جھگڑے اور ان کی اس تو تکار کو اپنی کتاب حکیم کے ذریعے اس دنیا میں ہی اس صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے تا کہ لوگ اس انجام بد اور اس ذلت و رسوائی اور ہمیشہ کی ہلاکت وتباہی سے بچنے کا سامان کر سکیں۔ لیکن افسوس کہ اس سب کے باوجود آج دنیا میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو قرآن حکیم کی ان تعلیمات مقدسہ سے منہ موڑے ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کی اسی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور اس بارے وہ سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔ سو نور حق و ہدایت سے محرومی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے کہ ایسا شخص اندھیروں میں مستغرق رہتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا....

پیروؤں کی طرف سے پیشواؤں کے قول کی تردید:

اس آیت سے پیروؤں کی طرف سے پیشواؤں کی مکاریوں اور چالبازیوں کو ذمہ دار بنانے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ پیشواؤں کے اس جواب کی تردید میں ان کے پیرو اور چیلے ان سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ یہ تمہاری دن رات کی مکاری تھی جس نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔ تمہاری مکاری یعنی مکر کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ اس کو حذف کر کے ظرف کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ سو تقدیر عبارت یوں ہوگی مَكْرُكُمْ بِنَا بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ (ابوالسعود: ج 7 ص 23) اَیْ مَكْرُكُمْ فِيْهِمَا وَاغْرَاؤُكُمْ - (محاسن التاویل: ج 14 ص 28)۔ مطلب یہ ہے کہ چیلے اپنے گروؤں سے اور دم چھلے بنے رہنے والے چھوٹے اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے دن رات مکر و فریب کا جو جال بچھا رکھا تھا، طرح طرح کے جو ہتھکنڈے تم لوگوں نے اپنی دکانوں کو سجانے اور اپنے کاروبار کو چمکانے کے لیے اپنا رکھے تھے۔ چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور کروفر کے جو نظر فریب مظاہر تم نے قائم کر رکھے تھے انہی کی وجہ سے تو ہم گمراہ ہوئے اور تمہارے کہنے میں آئے۔ ورنہ ہم تمہارے جال میں کبھی نہ پھنستے۔ پس تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہمارے بہکانے میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ ایسی آیتیں صرف کفار کے لیے ہیں تا کہ اس طرح ان کے کاروبار شرک و بدعت پر زد نہ پڑے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب قرآن پاک میں خود الَّذِيْنَ کے کلمات عامہ استعمال فرمائے گئے تو پھر تم لوگ ان کو کافروں کے ساتھ خاص کس طرح قرار دیتے ہو؟ پس صحیح اور حق یہ ہے کہ یہ کلمات اپنے ظاہر اور عموم پر ہیں۔ اور ہر اس شخص کو شامل ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرے اور ان کو راہ حق و ہدایت سے پھیرے خواہ وہ کوئی کھلم کھلا کافر و منافق شخص ہو یا کوئی بدعتی پیر یا گمراہ ملاں وغیرہ۔ اسی لیے جمہور مفسرین کرام نے ان کلمات کی تفسیر و تشریح: اتباع وَ مُتبُوْعِيْن کے کلمات عامہ سے فرمائی ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔ هُمُ الْاَتْبَاعُ وَسَادَتُهُمْ وَقَادَتُهُمْ - (محاسن التاویل: ج 14 ص 27)۔ اَیْ يَقُوْلُ الْاَتْبَاعُ لِسَادَتِهِمْ - (المراغی: ج 22 ص 85)۔ يَقُوْلُ الْاَتْبَاعُ لِلرُّؤَسَاءِ - (صفوۃ التفاسیر: ج 2 ص 555)۔ الْاَتْبَاعُ وَالْمَتْبُوْعِيْنَ - (جامع البیان: ج 2 ص 181)۔ اب ان اہل بدعت سے کوئی پوچھے کہ حضرات مفسرین کرام تو ان کلمات کو اپنے عموم پر رکھ رہے ہیں کہ حق کے خلاف جو بھی کوئی کسی کی پیروی کرے گا اور کرائے گا وہ اس میں داخل ہے۔ خواہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ تو پھر تم لوگ ان کو کفار کے ساتھ خاص کس طرح قرار دیتے ہو؟ اور تمہارے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟ بہر کیف۔ [يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ] - کے اس ارشاد سے ان گمراہ لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کی اس تو تکار کا

نقشہ پیش فرما دیا گیا جو آخرت کے اس جہان غیب میں ان کے درمیان پیش آئیں گی۔ مطلب یہ کہ آج تو یہ گمراہ لیڈر اور ان کے یہ اندھے پیرو حق اور اہل حق کے خلاف ایک جٹ بنے ہوئے ہیں اور لیڈر اپنے پیروؤں کو طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے یہ باور کرا رہے ہیں کہ ان ہی کی پالیسی ٹھیک ہے۔ لہٰذا وہ انہی پر اعتماد کریں اور خیر وشر کی ذمہ داری انہی پر ہے اور عوام کالانعام آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں کہ کوئی خطرہ پیش آیا تو ہمارے یہ لیڈر ہمیں اس سے بچالیں گے لیکن کل جب یہ کشف حقائق اور ظہور نتائج کے اس جہان غیب میں پہنچیں گے جہاں ہر چیز اپنی اصلی شکل اور حقیقی رنگ میں سامنے آئے گی۔ تو اس وقت ان کو سب پتہ لگ جائے گا اور اس وقت ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنی گمراہی کا باعث اور ذمہ دار قرار دے گا اور اس پر تو تکار کے تیر برسائے گا۔

پیروؤں کا اپنے گروؤں پر مزید حملہ اور الزام:

سو وہ ان سے کہیں گے کہ جب تم لوگ دنیا میں ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ دوسرے طرح طرح کے شریک اور ہمسر ٹھہرائیں۔ یعنی جب تم ہمیں ایمان و توحید کی راہ سے ہٹا کر کفر وشرک کی راہ پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور اپنے قول و فعل سے ہمیں یہ بتایا کرتے تھے کہ اللہ پاک کے ساتھ فلاں فلاں بتوں، پتھروں اور ہستیوں اور آستانوں وغیرہ کو بھی مشکل کشا و حاجت روا سمجھو کہ یہ بھی خدا کی خدائی میں شریک اور حصے دار ہیں۔ اور یہ کہ خدائے پاک نے ان کو بھی اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ اور یہ ہمارے ذریعے، وسیلے اور یہ اس کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ {هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ} - فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى - بہر کیف اس سے واضح ہوا کہ وہ پیرو اپنے لیڈروں اور پیشواؤں سے کہیں گے کہ یہ تم لوگوں کی دن رات کی سازشیں اور تمہاری پراپیگنڈہ مہم تھی کہ ہم لوگ حق کی پیروی سے محروم رہے اور تم لوگ ہمیں سکھاتے سمجھاتے رہے تھے کہ ہم حق و ہدایت کی پیروی سے منہ موڑ کر برابر کفر وشرک پر جمے رہیں۔ سو ان کے اس جواب سے یہ بات نکلتی ہے کہ حق ان کے سامنے واضح ہو گیا تھا لیکن وہ اس وجہ سے اس کی پیروی نہ کر سکے کہ ان کے لیڈروں کی دن رات کی سازشوں اور ان کی پروپیگنڈا مہم نے ان کا راستہ روک رکھا تھا اور ان کا یہ پروپیگنڈا اتنا سخت تھا کہ اس نے ان کو راہ حق سے محروم کر دیا تھا - والعیاذ باللہ العظیم۔

باطل پرستوں کے گلوں کے طوقوں کا ذکر و بیان:

اس سے واضح فرما دیا گیا کہ باطل پرستوں اور منکرین و مشرکین کے گلوں میں محرومی و بدبختی کے طوق پڑے ہیں۔ اللہ پاک کی اس سنت اور دستور کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ڈال دیئے طوق انکے گلوں میں ڈال دیئے ہیں ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جس سے ایک طرف تو اس کے تحقق وقوع یعنی قطعی اور یقینی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اس سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ جو لوگ حق کے انکار میں پوری ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہیں ان کے گلوں میں یہ طوق دراصل آج اور ابھی سے پڑے ہوتے ہیں مگر وہ اس وقت نظر نہیں آ رہے۔ کل قیامت کے روز جب حقائق بے نقاب ہو جائیں گے تو ان کو انہی طوقوں کے ذریعے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا ان لوگوں نے اپنی عقلوں اور اپنے ضمیروں کو

معطل کر کے جو دوسروں کی غلامی اور ان کی اندھی تقلید کے طوق اپنے گلوں میں ڈال رکھے تھے کشف حقائق اور ظہور نتائج کے اس جہان میں وہ سب اپنی اصل اور حقیقی شکل میں سامنے آ جائیں گے۔ اور دوزخ کے داروغے انکو انہی سے پکڑ کر اور گھسیٹ کر انکے منہ کے بل دوزخ میں ڈالیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾ (القمر:47)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ ....

دنیا کی دولت وعزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنے کا قدیم شیطانی فریب:

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش وعشرت کے نشہ میں مخمور ہونے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء وصلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، الا ماشاء اللہ، اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر مگن اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے تھے کہ اگر ہمارے اعمال وعادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت، عزت حکومت کیوں دیتے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں مختلف عنوانات سے دیا ہے۔ آیات مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے، پھر ان میں سے ایک یہ جگہ چھوڑ کر کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت ورسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا؟ اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا۔ صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں۔ ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ مکرمہ آیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے ان کا پتہ بتلاؤ، جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ساحلی ساتھی کچھ کتب قدیمہ تورات وانجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے اپنی دعوت اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، دعوت اسلام کو آپ کی زبان مبارک سے سنتے ہی اس نے کہا اشہد انک رسول اللہ، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ (آپ کی دعوت کا حق ہونا تو عقل سے سمجھا اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ) جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب وفقیر دنیا میں کم حیثیت لوگ ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی (آیت) ما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا (ابن کثیر ومظہری) مترف، ترف سے مشتق ہے، جس کے معنی ناز ونعمت کی فراوانی کے آتے ہیں۔ مترفین سے مراد اغنیاء اور مالدار اور قوم کے رؤساء ہیں۔ قرآن کریم نے مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جب کبھی ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو مال ودولت کے نشہ اور ناز ونعمت میں پلے ہوئے لوگوں نے اس کا مقابلہ کفر وانکار ہی سے کیا ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ....

کافروں کا عناد اور انکار اور عذاب وانجام کار:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع فرمائے گا ان میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بھی ہوں گے، ان میں وہ لوگ بھی موجود ہوں گے جو دنیا میں فرشتوں کی عبادت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال فرمائیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ یہ سوال مشرکین کی سرزنش کرنے اور ان کی گمراہی ظاہر کرنے کے لیے ہوگا فرشتے عرض کریں گے کہ سُبْحٰنَكَ آپ پاک ہیں (آپ کا کوئی شریک نہیں) اَنْتَ وَلِيُّنَا آپ ہمارے ولی ہیں مِنْ دُوْنِهِمْ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں (نہ ہم نے انہیں شرک پر ڈالا نہ ہم ان کے اس عمل سے راضی ہیں) بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے) شیاطین جو ڈراونی صورتیں بنا بنا کر ان کے سامنے آتے تھے ان کی شکلوں کی مورتیاں بنا کر پوجا کرتے تھے اور دوسروں کی عبادت بھی اسی لیے کرتے تھے کہ شیاطین انہیں اس کا حکم دیتے تھے، فرمانبرداری کے اعتبار سے یہ بھی شیاطین کی عبادت ہوئی، شیاطین ہی کی بات مانتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کیے اور ان کی عبادت کی اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ (ان میں اکثر شیاطین پر ہی ایمان لائے) یعنی ان ہی کے معتقد تھے، ان ہی کی بات مانتے تھے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ....

پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان:

پیغمبر کی تسکین وتسلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا - حق اور حقیقت کو - پس آج کے ان منکروں کی تکذیب کوئی نئی چیز نہیں - پس اس پر نہ تو تعجب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ملول خاطر اور دل برداشتہ ہونے کی کہ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں جس سے صرف آپ ﷺ ہی کو واسطہ پڑا ہو اے پیغمبر! بلکہ ایسا اس سے پہلے بھی ہوتا آیا ہے۔ پہلے کی باغی اور سرکش قوموں نے بھی اسی طرح حق اور دعاۃ حق کو جھٹلایا۔ پس آپ ﷺ بھی اے پیغمبر اسی طرح صبر وبرداشت اور استقلال سے کام لیں جس طرح کہ گزشتہ انبیائے کرام نے لیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا { فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ } (الاحقاف: 35) نیز اس میں رسول کی تکذیب کرنے والے منکرین ومعاندین کیلئے بھی درس عبرت ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نذیر کی تکذیب کا لازمی نتیجہ اور آخری انجام بہر حال ہلاکت وتباہی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس میں پیغمبر کے لیے اور پیغمبر کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعی حق کے لیے صبر وبرداشت اور استقلال واستقامت کا درس ہے -

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

تکذیب رسل کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی:

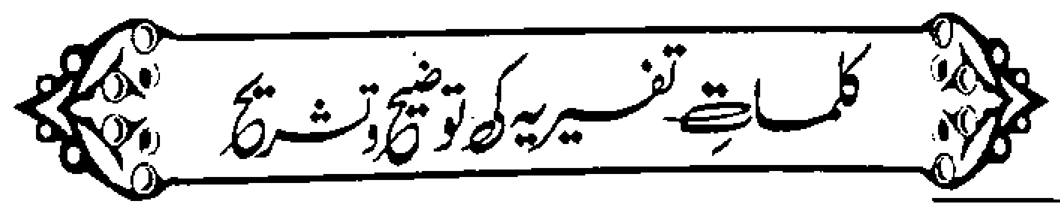
ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو پھر دیکھو کیسا تھا میرا عذاب؟ - یعنی ان لوگوں کو جس قدر مال ودولت، قد وقامت اور قوت وطاقت وغیرہ سے نوازا گیا تھا آج کے یہ منکرین حق اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے - تو جب

لوگ حق کی تکذیب ومخالفت کی وجہ سے ہماری گرفت اور پکڑ سے نہیں بچ سکے تو یہ پھر یہ کس باغ کی مولی اور کس برتے کے مالک ہیں کہ اپنے کیے کرائے کے انجام بد سے بچ سکیں؟ اور ان کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہے۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربا؟ پس ان کو چاہیئے کہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور حق کی تکذیب ومخالفت سے بچیں اور اپنی اس روش سے باز آجائیں کہ یہ ہلاکت اور تباہی کی روش اور ابدی خسارے کا راستہ ہے۔ سو تکذیب رسل کا جرم ایسا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا آخری نتیجہ وانجام بہر حال دائمی ہلاکت وتباہی ہے۔ پس ایسے لوگوں کو ملنے والی مہلت سے کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ هِیَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ اَیْ لِاَجْلِهٖ مَثْنٰی اَیْ اِثْنَیْنِ اِثْنَیْنِ وَ فُرَادٰی اَیْ وَاحِدًا
وَاحِدًا ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ فَتَعْلَمُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مُحَمَّدٍ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ جُنُوْنٍ اِنْ مَا هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ
یَدَیْ اَیْ قَبْلَ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾ فِی الْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَیْتُمُوْهُ قُلْ لَهُمْ مَا سَاَلْتُكُمْ عَلَی الْاِنْذَارِ وَالتَّبْلِیْغِ
مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اَیْ لَا اَسْاَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ مَا ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ
شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ مُطَّلِعٌ یَعْلَمُ صِدْقِیْ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ یُلْقِیْهِ اِلٰی اَنْبِیَائِهٖ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ مَا غَابَ
عَنْ خَلْقِهٖ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ الْاِسْلَامُ وَ مَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ الْكُفْرُ وَ مَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ اَیْ
لَمْ یَبْقَ لَهٗ اَثَرٌ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ عَنِ الْحَقِّ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ اَیْ اِثْمُ ضَلَالِیْ عَلَیْهَا وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ
فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ لِّلدُّعَاءِ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ تَرٰٓی یَا مُحَمَّدُ اِذْ فَزِعُوْا
عِنْدَ الْبَعْثِ لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا فَلَا فَوْتَ لَهُمْ مِنَّا اَیْ لَا یَفُوْتُوْنَنَا وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾ اَیْ
الْقُبُوْرِ وَّ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ اَیْ بِمُحَمَّدٍ اَوِ الْقُرْاٰنِ وَ اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدْلَهَا اَیْ تَنَاوُلَ
الْاِیْمَانِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ عَنْ مَحَلِّهٖ اِذْ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَحَلُّهُ الدُّنْیَا وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ فِی
الدُّنْیَا وَ یَقْذِفُوْنَ یَرْمُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ اَیْ بِمَا غَابَ عِلْمُهٗ عَنْهُمْ غَیْبَةً بَعِیْدَةً حَیْثُ قَالُوْا
فِی النَّبِیِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاهِنٌ وَفِی الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ شِعْرٌ كَهَانَةٌ وَ حِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ مِنَ
الْاِیْمَانِ اَیْ قَبُوْلَهٗ كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ اَشْبَاهِهِمْ فِی الْكُفْرِ مِّنْ قَبْلُ ؕ اَیْ قَبْلَهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ
ع ۶ ۹ ۱۲ مُّرِیْبٍ ﴿۵۴﴾ مُوْقِعِ الرِّیْبَةِ لَهُمْ فِیْمَا اٰمَنُوْا بِهِ الْاٰنَ وَلَمْ یَعْتَدُّوْا بِدَلَائِلِهٖ فِی الدُّنْیَا۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ یعنی اس کی وجہ

سے دو دو مثنیٰ اثنین اثنین اور ایک ایک فرادی واحد واحد کے معنی میں ہے پھر سوچو تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارے ان صاحب محمد کو جنون دیوانگی نہیں ہے یہ تو تم کو بس ایک ڈرانیوالے ہیں پہلے سے عذاب شدید کے متعلق جو آخرت میں ہوگا اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے ڈرانے اور تبلیغ کرنے پر معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا یعنی میں تم سے بدلہ کا طلبگار نہیں ہوں میرا معاوضہ ثواب تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے میری سچائی کو خوب جانتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار حق کو نازل کرتا ہے اپنے نبیوں کو القاء کرتا ہے جو غیب کو جاننے والا ہے آسمان و زمین میں جو کچھ چھپا ہے آپ کہہ دیجئے کہ حق اسلام آ گیا اور باطل کفر نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا یعنی اس کا کچھ بھی نشان نہ رہا آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں حق سے گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا یعنی میری گمراہی کا گناہ خود مجھ پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو قرآن و حکمت میرا پروردگار مجھ پر نازل کرتا رہتا ہے بلاشبہ وہ دعا کا بہت سننے والا بہت نزدیک ہے اور کاش آپ اے محمد! اس وقت کو دیکھتے جب یہ گھبرائے پھریں گے قیامت کے روز تو بڑا ہولناک منظر آپ کو نظر آئے گا پھر بھاگ نہ سکیں گے یعنی ہم سے چھوٹ کر بچ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس قبروں سے ہی پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے محمد پر یا قرآن پر اور انکے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے تناوش واؤ کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ بجائے واو کے ہے یعنی ایمان کا ہاتھ لگنا اتنی دور جگہ ایمان کے موقع سے کیونکہ یہ لوگ تو آخرت میں ہوں گے اور ایمان لانے کا محل دنیا ہے حالانکہ یہ لوگ پہلے سے دنیا میں اس کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور دور ہی سے ہانکا بکا کرتے تھے یعنی ان کا علم ان سے بہت دور ہے چنانچہ نبی کے بارے میں شاعر کاہن کہتے ہیں اور قرآن کے متعلق سحر اور شعر اور کہانت کہتے ہیں ایک آڑ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیز کے درمیان جس کی وجہ سے خواہش کریں گے یعنی ایمان کے قبول کرنے کے درمیان جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جائے گا جو کفر میں ان کے شریک ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں یہ سب بڑے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا جس بات پر اب ایمان لانا چاہتے ہیں اس کے دلائل کو دنیا میں کسی قطار و شمار میں نہیں لاتے تھے۔



قوله: بِوَاحِدَةٍ: یعنی ایک خصلت۔

قوله: قَبْلَ: کیونکہ آپ کی بعثت طاعت کی ابتداء میں ہوئی۔

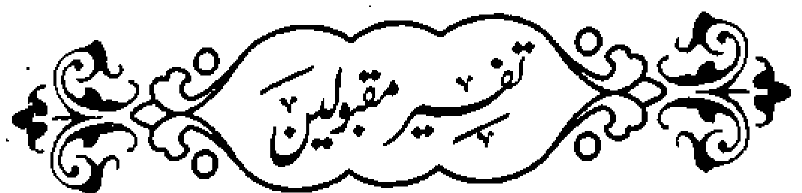
قوله: لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ: یہ زندہ کی ہلاکت سے لیا گیا ہے، جب وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کی ابتداء و اعادہ باقی نہیں رہتا۔

قوله: قَرِيبٌ: یعنی زمین کے ظاہر سے باطن کی بنسبت زیادہ قریب ہے۔

قوله: عَنْ مَحِلِّهِ: جب ایمان فوت ہو گیا تو اپنے ان کے اس حالت میں چھوٹنے کو تمثیل سے ذکر کیا اور اس آدمی کی حالت سے بعید قرار دیا گیا جو کسی چیز کو ایک گز کے فاصلہ سے لینا چاہتا ہو جبکہ اس کا لینا ناممکنات سے ہو۔

قوله :یَرْمُوْنَ :اور وہ گمان سے وہ کرتے ہیں جو ان کو رسول میں ظاہر نہیں ہوتیں۔

قوله :اَشْبَاهِهِمْ فِی الْکُفْرِ :اس میں آپ کی عداوت کا پختہ ہونا اور اتباع شہوات میں اپنے ساتھیوں کو دعوت دینے کی غرض بھی ظاہر ہوتی ہے۔



تفسیر مقبولین

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ ....

کفار مکہ کو دعوت:

اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کو تحقیق حق کا ایک مختصر راستہ بتلایا گیا ہے کہ صرف ایک کام کرلو کہ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، دو دو اور ایک ایک، اللہ کے لیے کھڑے ہونے سے مراد حسی کھڑا ہونا نہیں کہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو جائے، بلکہ اس سے مراد محاورہ کے مطابق کام کا پورا اہتمام کرنا ہے۔اور یہاں قیام کے ساتھ لفظ للہ بڑھا کر یہ بتلانا منظور ہے کہ خالص اللہ کے راضی کرنے کے لیے پچھلے خیالات وعقائد سے خالی الذہن ہو کر حق کی تلاش میں لگو تا کہ پچھلے خیالات اور اعمال قبول حق کی راہ میں حائل نہ ہوں۔اور دو دو یا ایک ایک میں کوئی عدد خاص مقصود نہیں، مطلب یہ ہے کہ غور کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک خلوت وتنہائی میں خود غور کرنا، دوسرا اپنے احباب واکابر سے مشورہ اور باہم بحث وتمحیص کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا۔ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اس کو اختیار کرو۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ اس جملہ کا عطف ان تقوموا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے کہ سب خیالات سے خالی الذہن ہو کر خالص اللہ کے لیے اس کام کے واسطے تیار ہو جاؤ کہ محمد ﷺ کی دعوت میں غور وفکر سے کام لو کہ حق ہے یا نہیں خواہ یہ غور وفکر تنہا تنہا کر و یا دوسروں کے ساتھ مشورہ اور بحث وتمحیص کے ساتھ۔

آگے اس غور وفکر کی ایک واضح راہ بتلائی گئی۔وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال ودولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو صدیوں سے ان میں راسخ ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں، ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنوں ودیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

اب تم خالی الذہن ہو کر اس میں غور کرو کہ ان دونوں باتوں میں کون سی بات واقع میں ہے۔اس طریقے سے غور کرو گے تو تمہیں اس یقین کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا کہ یہ دیوانے اور مجنوں نہیں ہو سکتے، ان کی عقل ودانش اور کردار وعمل سے سارا مکہ اور سب قریش واقف ہیں۔ان کی عمر کے چالیس سال اپنی قوم کے درمیان گزرے، بچپن سے جوانی تک کے سارے حالات ان کے سامنے ہیں، کبھی کسی نے ان کے کسی قول وفعل کو عقل ودانش اور سنجیدگی وشرافت کے خلاف نہیں پایا، اور صرف

ایک کلمہ لا الہ الا اللہ جس کی یہ دعوت دیتے ہیں اس کے سوا آج بھی کسی کو ان کے کسی قول و فعل پر یہ گمان نہیں ہو سکتا، کہ یہ عقل و دانش کے خلاف ہے۔ ان حالات میں یہ تو ظاہر ہو گیا کہ یہ مجنوں نہیں ہو سکتے، اسی کا اظہار آیت کے اگلے جملے میں اس طرح فرمایا: مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اس میں لفظ بِصَاحِبِكُمْ سے اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی اجنبی مسافر باہر سے آ جائے جس کے حالات معلوم نہ ہوں، اس کی کوئی بات پوری قوم کے خلاف سنیں تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیوانہ ہے، جن کی کوئی حالت و کیفیت تم سے مخفی نہیں، اور تم نے بھی کبھی اس سے پہلے ان پر اس طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا۔

اور جب پہلی صورت کا نہ ہونا واضح ہو گیا تو دوسری صورت متعین ہو گئی، جس کا ذکر آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے، اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ یعنی آپ کا حال اس کے سوا نہیں کہ وہ لوگوں کو قیامت کے آنے والے عذاب شدید سے بچانے کے لیے اس سے ڈرانے والے ہیں۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝

باطل ایک بے بنیاد اور بے ثبات چیز ہے:

ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔ یعنی مٹ گیا اور ختم ہو گیا۔ کیونکہ زندگی اور بقاء کی نشانی و علامت یہ ہے کہ یا تو وہ ابتدئً کوئی فعل کرے یا اسے دوہرائے۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی بات بھی باقی نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ختم ہو گیا۔ محاورے کی زبان میں کسی چیز کے زوال کو اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے۔ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ نہ وہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا اسی لیے بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ والی آیت کریمہ اور یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے اپنی تلوار کے اشارے سے خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کو گراتے جا رہے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ سو اس ارشاد سے باطل کی بے ثباتی کو آشکارا فرمایا گیا ہے کہ کائنات کے اس کارخانہ ہست و بود کا آغاز اس کے خالق نے حق کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کی انتہا بھی حق ہی پر ہو۔ جب باطل کا کوئی عمل دخل اس کے ابدا میں نہیں تو اس کے اعادہ میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ پس جن لوگوں نے اپنے فرضی دیوتاؤں، دیویوں اور خود ساختہ و من گھڑت سرکاروں پر کر رکھا ہے ان پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ انکے ان دیوتاؤں وغیرہ کے اختیار میں نہ کسی چیز کا ابداء ہے نہ اعادہ۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ وحدہ لاشریک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے جو کہ ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے خالق و مالک ہے۔ نہ اس کے ابداء میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی اس کے اعادہ میں۔ وہ ہر لحاظ سے وحدہ لا شریک ہے۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ ....

منکرین و مشرکین کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑنے والی تنبیہ:

یعنی حق کی پوری طرح وضاحت کے بعد بھی جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی سے ہی کام لیں ان کو یہ آخری اعلان سنا دیں کہ اگر بالفرض میں گمراہی پر ہوں تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہوگا۔ تم سے اس کی کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں جیسا

کہ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے میں ہوں، تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے میری طرف کی جاتی ہے۔ اور اس صورت میں حق کا انکار کرنے پر جو انجام تمہارا ہو سکتا ہے اور ہوگا اسے تم خود سوچ اور سمجھ لو اور اپنی فکر خود کر لو۔ اور اس حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھو کہ وحی خداوندی کی تکذیب اور اس کے انکار کا نتیجہ وانجام بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔ بہر کیف اس میں منکرین ومشرکین کے قلوب وضمائر کو جھنجوڑنے والی تنبیہ ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اگر بالفرض میں گمراہ ہوں۔ جیسا کہ تم لوگوں کا کہنا ہے۔ تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہوگا تم لوگوں سے اس بارے کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ پوچھ تو بہر حال مجرموں ہی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میں حق وہدایت پر ہوں جیسا کہ حقیقت اور واقعے کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ ہدایت مجھے اس وحی کی بنا پر نصیب ہوئی ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھے فرمائی گئی ہے۔ تو اس صورت میں میری تکذیب کوئی معمولی نوعیت کا جرم نہیں۔ بلکہ یہ نہایت ہی سنگین اور انتہائی ہولناک جرم ہے۔ جس کا نتیجہ وانجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہوگا۔ پس تم لوگ اپنے جرم تکذیب وانکار کے ان ہولناک عواقب ونتائج کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا....

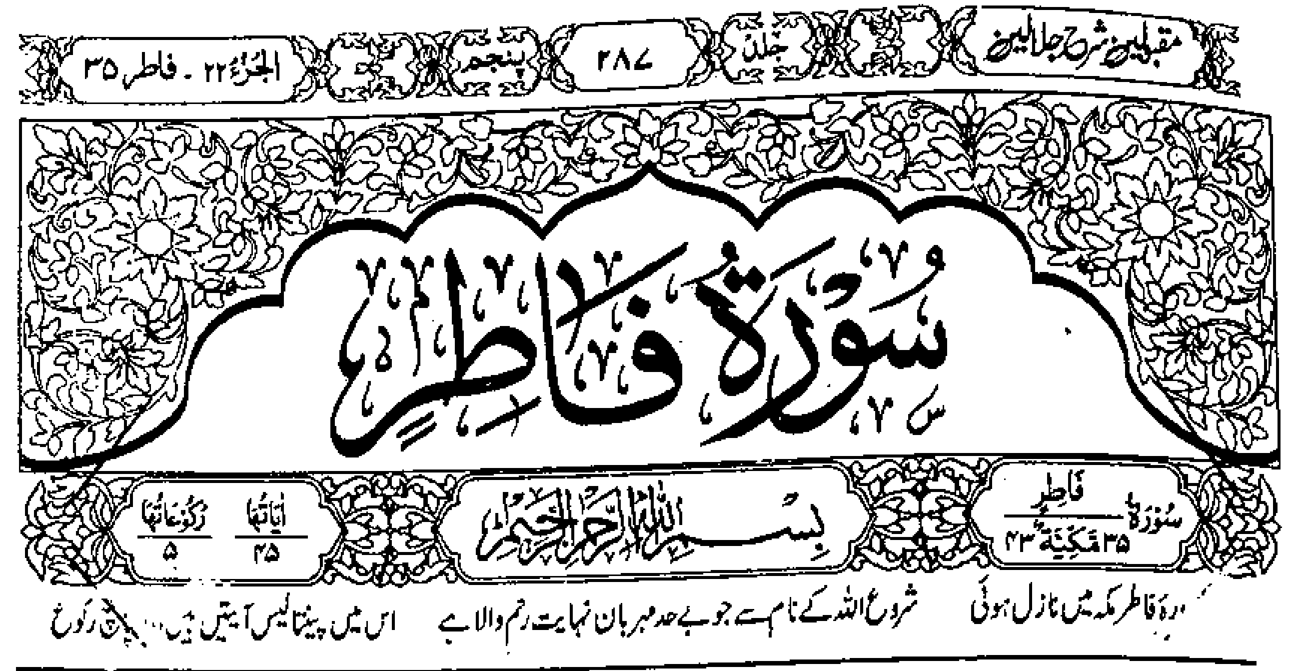
عذاب کے وقت منکروں کی بے بسی اور لاچاری کا منظر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت یہ نہایت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔ ان کے لیے بھاگ نکلنے کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ ہی سے فورا پکڑ لیا جائے گا۔ یعنی منکروں کیلئے اس وقت نہ تو اس طرح کہیں بھاگ کر بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہوگی جس طرح کہ دنیا میں مجرم لوگ بسا اوقات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور نہ ہی اس روز ان کے پکڑنے کے لیے کسی بڑی بھاگ دوڑ اور خاص اہتمام وانتظام کی ضرورت ہوگی، جس طرح کہ دنیا میں پولیس اور حکومتوں وغیرہ کو کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں گے وہیں سے دھر لیے جائیں گے اور بہت آسانی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ سو یہ دراصل ان کے پکڑنے میں سہولت اور آسانی سے کنایہ ہے۔ ھو کنایۃ عن سھولۃ الامر۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اللہ پاک کا عذاب جب ایسے منکروں پر آئے گا۔ والعیاذ باللہ۔ تو ان کیلئے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اس کا عذاب انکے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے سر کے اوپر سے کہیں سے بھی آجائے گا۔ انکو پوری طرح اپنے قابو میں لے لیگا اور ان کیلئے اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ ممکن نہ ہوگی۔ اور اس موقع پر ان متکبر لوگوں کے کبر وغرور کی سب ہوا نکل جائے گی اور ان کی بے بسی اور لاچاری کا ایک ایسا منظر سامنے آئیگا جس کے اظہار وبیاں کا الفاظ وکلمات احاطہ نہیں کر سکتے۔ اسی تہویل اور ہولناکی کے اظہار کے لیے۔ وَ لَوْ تَرٰۤى کے کلمہ شرط کی جزا کو ذکر نہیں فرمایا گیا کہ وہ اتنی ہولناک اور اس قدر سخت ہے کہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔ سو اس وقت ان لوگوں کو اپنے جرم انکار وتکذیب کی سنگینی کا پتہ لگ جائے گا۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ....

یعنی جب فیصلہ کن عذاب نمودار ہو جائے گا تو ان کے اور ان کی تمام خواہشوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی یہ چیخ

چیخ کر ایمان لائیں گے مگر ان کا وہ ایمان بے سود و لاحاصل وہ قبول نہیں ہوگا۔ یہ مہلت کی درخواست کریں گے لیکن اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، یہ اپنے خود ساختہ اور من گھڑت شریکوں اور سفارشیوں کو پکاریں گے کہ وہ اس مشکل وقت میں ان کی کوئی مدد کر سکیں۔ مگر ان کی طرف سے بھی ان کی کوئی فریاد رسی ممکن نہ ہوگی۔ سو آس و امید کے تمام دروازے ان پر بند ہو جائیں گے اور یہ ابدی مایوسی کے حوالے ہو جائیں گے، اور ان کو اسی صورت حال سے دو چار ہونا پڑیگا جس سے ان کے پیشرو ہم مشربوں کو ہونا پڑا تھا، جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و قوم فرعون وغیرہ۔ ان سب کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسولوں اور ان کی دعوت کو جھٹلایا۔ اور ان کے انذار کی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ وہ بھی انہی کی طرح الجھن انگیز شک میں پڑے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آ پہنچی، اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلاء رہے۔ سو انہوں نے اگر ان کے انجام سے سبق نہ لیا۔ اور اپنی اصلاح نہ کی تو انہوں نے بھی آخر کار اس ہولناک انجام سے دو چار ہو کر رہنا ہے۔ جس سے کل کے وہ منکر دو چار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہے۔ شک مریب یعنی الجھن انگیز شک کے الفاظ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تکذیب و انکار حق کے نتیجے میں انسان سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔

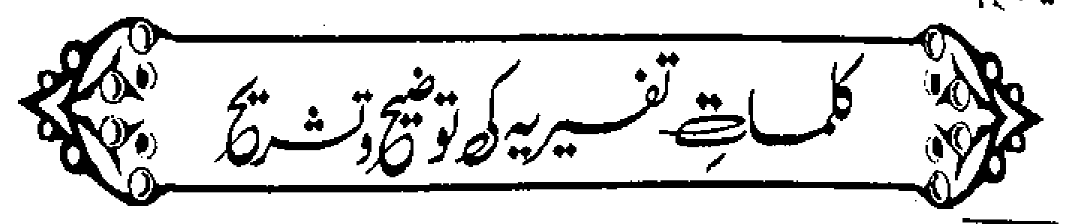


سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اس میں پینتالیس آیتیں ہیں، پانچ رکوع

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ كَمَا بُيِّنَ فِيْ اَوَّلِ سَبَا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَالِقُهُمَا عَلٰى غَيْرِ
مِثَالٍ سَبَقَ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اِلَى الْاَنْبِيَاءِ اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ فِي
الْمَلٰئِكَةِ وَغَيْرِهَا مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (١) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ كَرِزْقٍ
وَمَطَرٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَيْ بَعْدَ اِمْسَاكِهٖ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ الْحَكِيْمُ (٢) فِيْ فِعْلِهٖ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ
بِاِسْكَانِكُمُ الْحَرَمَ وَمَنْعِ الْغَارَاتِ عَنْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ مِنْ زَائِدَةٌ وَخَالِقٌ مُبْتَدَاٌ غَيْرُ اللّٰهِ بِالرَّفْعِ
وَالْجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَحَلًّا وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ الْمَطَرَ وَمِنَ الْاَرْضِ ۭ النَّبَاتَ
وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَيْ لَا خَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (٣) مِنْ اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ عَنْ
تَوْحِيْدِهٖ مَعَ اِقْرَارِكُمْ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ يَا مُحَمَّدُ فِيْ مَجِيْئِكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَالْبَعْثِ
وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ فِيْ ذٰلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ (٤) فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِي الْمُكَذِّبِيْنَ وَيَنْصُرُ الْمُرْسَلِيْنَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ
وَغَيْرِهٖ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ عَنِ الْاِيْمَانِ بِذٰلِكَ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فِيْ حِلْمِهٖ وَاِمْهَالِهٖ
الْغَرُوْرُ (٥) الشَّيْطَانُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا تُطِيْعُوْهُ اِنَّمَا يَدْعُوْا
حِزْبَهٗ اَتْبَاعَهٗ فِي الْكُفْرِ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (٦) النَّارِ الشَّدِيْدَةِ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

عٌ شَدِيْدٌ ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ فَهٰذَا بَيَانُ مَا لِمُوَافِقِي ١٣
الشَّيْطَانِ وَمَا لِمُخَالِفِيْهِ وَنَزَلَ فِيْ أَبِيْ جَهْلٍ وَغَيْرِهِ.

ترجمہ: ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی جیسا کہ سورہ سبا میں ہے جو آسانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے فرشتوں کو پیغمبروں کے لیے پیغام رساں بنانے والا ہے جو دو دو تین تین چار چار اور بازو رکھتے ہیں وہ فرشتوں وغیرہ کی پیدائش میں جو چاہے زیادہ کرسکتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ جو رحمت جیسے رزق بارش لوگوں کے لیے کھول دے سواس کو اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا اور جو کچھ اللہ روک دے اس میں سے اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے اس روک دینے کے بعد اور وہی اپنے معاملہ میں غلبہ والا اپنے کام میں حکمت والا ہے کہ کے لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر یاد کرو تمہیں حرم شریف میں سکونت بخش کر اور لوٹ مار سے مامون کر کے کیا کوئی خالق ہے من زائدہ ہے اور خالق مبتدا کے ہے اللہ کے سوا لفظ غیر رفع اور جر کے ساتھ لفظ کے لحاظ سے اور محل کے لحاظ سے خالق کی صفت ہے اور مبتدا کی خبر آگے ہے جو تمہیں آسمان سے بارش کی صورت میں اور زمین سے پیداوار کی صورت کی صورت میں روزی پہونچاتا ہو اس میں استفہام تقریر کے لیے ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی خالق رازق نہیں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کہاں الٹے چلے جارہے ہو اس کی توحید سے کیسے پھرے جارہے ہو جب کہ تمہیں اس کے خالق رازق ہونے کا اقرار ہے اور یہ لوگ اگر جھٹلا رہے ہیں اے محمد آپ کے پیغام توحید بعث حساب عذاب کے بارے میں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جاچکے ہیں انھیں باتوں کی نسبت لہٰذا آپ بھی انہیں کی طرح صبر کیجئے اور یہ سب معاملات اللہ ہی کے سامنے پیش کئے جائیں گے قیامت میں چنانچہ جھٹلانے والوں کو سزا ہوگی اور پیغمبروں کی کامیابی۔ لوگوں! اللہ کا وعدہ قیامت وغیرہ کے بارے میں سچا ہے ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں ان پر ایمان کے سلسلہ میں دھوکہ میں ڈال دے اور نہ تم کو اللہ کے حلم اور مہلت دینے سے وہ بڑا فریب کار شیطان دھوکہ میں ڈال دے بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے سواس کو دشمن ہی سمجھتے رہو اللہ کی اطاعت کرو اس کی پیروی نہ کرو وہ تو کفر کی طرف اپنے پیروکاروں کو اسلئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخی بن جائیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے یہ شیطان کے موافقین اور مخالفین کے انجام کا بیان ہے آنے والی آیت ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی

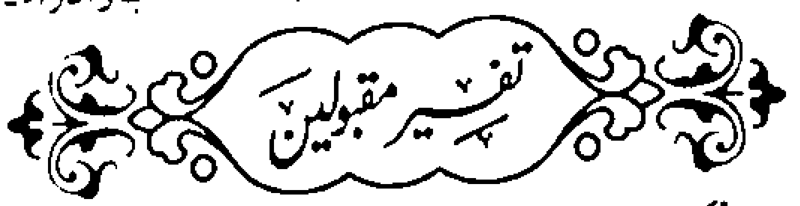


قوله: اَلْحَمْدُ: الف لام استغراق کا ہے۔

قوله: فَاطِرِ: یہ خالق کے معنی میں ہے۔

قوله: مَثْنٰى: میں عدل معنوی طور پر پایا جاتا ہے۔

قوله: تُؤْفَكُوْنَ: اسے افک سے لیا جائے، پھیرنا معنی ہوگا اور اگر افک سے کذب و افتراء۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....

تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید و تذکیر نعم و تحذیر از نقم:

(ربط) گذشتہ سورت کے اخیر میں کفار و مشرکین کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ہلاک اور برباد ہوئے اور کافروں کی ہلاکت اور بربادی اللہ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ: فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العلمین۔

اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ کی حمد وثنا سے کیا گیا (روح المعانی ص ۱۰۸ ج ۲۲) اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کر کے شکر پر متنبہ کیا اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا۔

اس سورت کا زیادہ حصہ اثبات توحید اور ابطال شرک اور منکرین توحید اور منکرین قیامت کی تہدید اور توبیخ میں ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کو کفار کی تکذیب سے رنج وغم ہوتا تھا اور بعض آیات میں جزاء اور سزا اور ایمان اور عمل صالح کی عزت اور کفر اور اعمال سیئہ کی ذلت اور خواری کا بیان ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے حمد اور شکر سے شروع فرمایا اول اپنے آثار نعمت اور دلائل قدرت کو ذکر فرمایا تاکہ توحید ثابت ہو۔ بعدہ مسئلہ رسالت بیان فرمایا۔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ اس کے بعد معاد کا مضمون بیان فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

چنانچہ فرماتے ہیں تمام تر حمد وثناء اسی خدائے پاک کے لیے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے چیر کر آسمان اور زمین کو نکالا اور وجود کا لباس ان کو پہنایا تاکہ دنیا اس کی قدرت کا جلوہ دیکھے اس لیے کہ یہ دونوں اس کی عجیب وغریب رحمتوں اور نعمتوں کے معدن اور مخزن ہیں جن کو دیکھ کر دنیا کے عقلا حیران اور سرگرداں ہیں کہ سارا جہان زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچہ پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ: وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

پس تمام خوبی اللہ کے لیے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس خدا کے لیے ہے جو فرشتوں کا پیدا کرنے والا ہے اپنے نبیوں کی طرف ان کو اپنا قاصد اور ایلچی بنانے والا ہے کہ آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جلد آسمان سے اتریں اور پیغمبروں کو پہنچائیں تاکہ زمین سے گمراہی کی گندگی دور ہو اور وحی اور الہام اور رؤیائے صالحہ سے شیاطین کے وسوسوں کی ظلمت دور ہو پھر یہ فرشتے جو اللہ کا پیغام لے کر آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے پروں والا اور بازو والا بنایا ہے تاکہ ان پروں کے ذریعے عالم بالا کی پرواز کر سکیں اور اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں۔ غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار اور یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرہ محسوسات میں صرف اتنا بتا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا اور یہ فلسفی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دو پیروں سے چلتا ہے مگر اپنے دیکھنے اور چلنے کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر اور عاجز ہے اور اگر اس فلسفی کی چار آنکھیں اور چار پیر ہوتے تو کیسے دیکھتا اور کیسے چلتا یا دو زبانیں ہوتیں تو کیسے بولتا یہاں فلسفی دم بخود ہے فلسفی خدا تعالیٰ کے متعلق تو خوب زبان چلاتا ہے ذرا اپنے متعلق بھی تو کچھ زبان چلائے اور ہلائے جو خدا دو پیر اور دو آنکھیں دینے پر قادر ہے وہی خدا چار آنکھیں اور چار پیر دینے پر بھی قادر ہے اور وہی خدا دونوں آنکھیں پھوڑ دینے اور دونوں ٹانگیں توڑ دینے پر بھی قادر ہے۔ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے۔ اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کمیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا فرشتوں کے تین چار بازو سن کر تعجب نہ کرنا چاہئے اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے جس طرح چاہے بنائے اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادتی کر دی کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چہل پایہ (کنکھجورا) بنایا مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشاف جدیدہ سے یہ معلوم ہو کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے حواس خمسہ کم وبیش اور مختلف ہیں کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ اور کوئی کم سنتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے۔ کسی کو بے بال و پر بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا کسی کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

زجاج رحمہ اللہ اور فراء رحمہ اللہ اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ہر خلقت وصنعت اور قد وقامت اور حواس ظاہرہ اور باطنہ سب کو شامل ہے جس میں حسن صورت اور حسن سیرت اور آنکھوں کی ملاحت اور زبان کی حلاوت اور خوش آوازی اور نغمۂ دلکش اور جسامت اور جسمانی

قوت اور عقل کی جودت اور متانت وغیرہ وغیرہ سب یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ میں داخل ہے کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے کسی کو دو پر عطا کیے۔ اور کسی کو تین اور کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کمی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم وحکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت وحکمت تک پرواز کر سکے۔ جسم انسانی کی طرح روح انسانی کی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نکتہ: طیور یعنی پرندے جسم خاکی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو خلا میں پرواز کرنے کے لیے پر عطا کیے۔ فرشتے جسم نورانی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی پرواز کے لیے نورانی پر عطا کیے جن کی دلفریبی کی کوئی حد نہیں جسم طیور چونکہ خاکی ہے اس لیے بالطبع مائل بہ سفل (پستی) ہے اور ملائکہ نورانی ہیں اس لیے بالطبع مائل بہ علو (بلندی) ہیں۔ اور چونکہ فرشتے تدابیر عالم پر مامور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نورانی اور لطیف بال و پر عطا کیے تا کہ عالم علوی اور عالم سفلی کے ہبوط اور صعود میں ان کو مدد دیں۔ (ماخوذ از تفسیر عزیزی ص ۲۳۴)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جس جسمانی یا روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے جیسے بارش اور روزی اور نعمت وصحت اور امن وعافیت اور علم وحکمت اور ایمان اور ہدایت۔ اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا تمام خزائن رحمت اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اے لوگو جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کرو۔ اور اپنے منعم اور محسن کا شکر کرو کہ اس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور بے شمار نعمتیں تم کو عطا کیں اور اس نے تم کو رزق اور سامان بقا دیا ہوشیار ہو جاؤ مطلب یہ ہے کہ نعمت کو یاد کر کے منعم کو پہچانو کہ کس نے تم کو یہ نعمت دی۔ بھلا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے کہ آسمان سے بارش برسائے اور زمین سے نباتات اگائے؟ کوئی نہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب اللہ کی حجت تم پر قائم ہو گئی تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک میں اوندھے گرے جا رہے ہو۔ اب توحید کے بعد آپ ﷺ کی رسالت کو ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اگر یہ لوگ در بارہ توحید و رسالت وقیامت آپ کو جھٹلائیں تو آپ ﷺ غم نہ کریں آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجئے اور اگر دنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام

اموراسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ وہاں آپ ﷺ کو صبر کی جزاء اور ان کو تکذیب کی سزا دے گا آپ ﷺ نے نصیحت کر کے دنیا میں ان پر حجت قائم کر دی۔ اے لوگو تحقیق دار آخرت اور قیامت اور جزا اور سزا کے متعلق اللہ کا وعدہ بالکل حق اور درست ہے پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت اور آرائش اور اس کی عیش وعشرت اور آسائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ دنیا فانی ہے دائمی نہیں اور ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکہ باز تم کو دھوکہ دے دے اور پیغمبروں کی پیروی سے تم کو روک دے اور آخرت سے تم کو بے فکر کر دے۔ تحقیق یہ شیطان تمہارے باپ کی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ تمہاری تاک میں ہے۔ پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھے رکھو کسی بات میں اس کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھنا۔ ہوشیار ہو اس کے کہنے سے اللہ کی معصیت نہ کرنا معصیت تو معصیت طاعت میں بھی اس سے ہوشیار رہو کہیں ریا اس میں داخل نہ کر دے۔ جز ایں نیست کہ یہ مکار اپنے گروہ کو دنیا کی دعوت دیتا ہے تاکہ انجام کار وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں اور اس کے یاروں اور مصاحبوں میں سے ہو جائیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ انبیاء کی دعوت اور شیطان کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں اور اس کا قبول کرنا تمہارے اختیار میں ہے لہٰذا جو لوگ کافر ہوئے اور شیطان کے کہنے پر چلے ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جن لوگوں نے باوجود حق تعالیٰ کی تنبیہ اور نصیحت کے شیطان کا اتباع کیا وہ اہل شقاوت ہیں جن کا انجام دائمی عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہ لوگ اہل سعادت ہیں۔ جن کو وہم وگمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی پس کیا وہ شخص جس کو اس کے برے اعمال مزین اور آراستہ کر کے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے ہرگز نہیں پس خوب سمجھ لو کہ یہ حق اور باطل کی تمیز من جانب اللہ ہے تحقیق اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس آپ کا نفس ان گمراہوں پر حسرتیں نہ کرے بلکہ خداوند علیم وخبیر پر چھوڑ دے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے لہٰذا آپ ﷺ ان کی گمراہی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ بھلے اور برے کا فرق ان پر واضح ہو چکا تھا۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم تھا۔

لطائف معارف

ذکر اقوال مختلفہ در بارہ حقیقت ملائکہ علیہم السلام

(۱) اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور لطیف ہیں اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں صورت اور شکل ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہے کھانے اور پینے اور توالد اور تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال قویہ پر قدرت دی ہے۔ اور یہ باتیں قرآن کریم کی بے شمار آیات اور بے شمار احادیث سے اور صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب سماویہ توریت اور انجیل اور زبور سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارہ میں متفق ہیں لہٰذا فرشتوں کا انکار اور فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے اس لیے کہ یہ باتیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

(۲) قدیم فلاسفہ کے نزدیک ملائکہ ارواح مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق کا نام ملائکہ ہے جو بذات خود قائم ہوں اور لوازم مادہ سے بالکلیہ پاک اور بری ہوں اور وہ نفوس ناطقہ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے جو صاحب ادراک وشعور ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا مذہب ہے۔

(۳) اور فلاسفہ عصر سرے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں۔

(٤) اور نصاریٰ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ ان نفوس ناطقہ کا نام ہے جو انسانی جسموں سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہوں تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر بد ہوں تو شیاطین ہیں۔

(٥) بعض بت پرستوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح کواکب کا نام ملائکہ ہے جو سعادت اور نحوست کا اثر دنیا پر ڈالتے ہیں۔

(٦) اور مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم کی اصل دو چیزیں ہیں۔ نور اور ظلمت۔ نور ہمیشہ اخیار اور پسندیدہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے یہ گروہ ملائکہ کا گروہ ہے۔ اور ظلمت خبیث اور شریر لوگوں کو پیدا کرتی ہے ان کا نام شیاطین ہے۔

(۷) نیچریوں کے نزدیک جو ہر چیز کو نیچر کا اثر مانتے ہیں۔ ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام نہیں بلکہ ان قوائے فطریہ کا نام ملائکہ ہے جو نیکی کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور جو قوتیں برائی کی طرف کھینچتی ہیں ان کا نام شیاطین ہے یہ زمانہ حال کے نیچریوں کا مذہب ہے جو سرسید علی گڑھی کے پیرو ہیں اور سرسید نے جس بے باکی سے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کیا ہے اور آیات اور احادیث میں جو تحریف کی ہے یہود اور نصاریٰ میں بھی اس تحریف کی نظیر نہیں۔

نیچریوں کا یہ عقیدہ صریح الحاد اور زندقہ ہے اور صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے سرسید کے نزدیک فرشتہ ایک قوت کا نام ہے جو دکھائی دینے کے قابل نہیں اور قرآن اور حدیث سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جس کا دکھائی دینا ممکن ہے اور انبیاء کرام نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور قیامت کے دن کافر بھی فرشتوں کو دیکھیں گے۔ یوم یرون الملئکۃ اور حدیث میں ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر اذان دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔

غرض یہ کہ نیچریوں کا یہ عقیدہ کہ ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے۔ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے ازروئے اسلام ملائکہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق کا نام ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں اس کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے اور عالم مادی کی صفات اور کیفیات سے مبرا ہے۔

اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جو اس خیال خام کے قلع قمع کے لیے کافی ہیں۔

(۱) جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنی وثلث وربع۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوائے فطریہ کے کچھ پر اور بازو لگا رکھے ہیں۔

(۲) وتری الملئکۃ حافین من حول العرش۔

یعنی فرشتے عرش عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

(۳) ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمنیة۔

قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا عرش عظیم کو گھیرے میں لینے والے اور اس کو اٹھانے والے یہ قوائے فطریہ ہیں۔

(٤) فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین والملئکة بعد ذلک ظھیر۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ اور مؤمنین صالحین نبی کے دوست اور معین اور مددگار ہیں۔

(٥) والملئکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور اہل جنت کو سلام کریں گے۔

(٦) ونادوا یمالک لیقض علینا ربک۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل دوزخ قوائے فطریہ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ خدا تعالیٰ سے ہماری موت کا قطعی فیصلہ کرا دیجئے۔

(۷) ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کے الفاظ اور حروف کی نگرانی کرتے ہیں۔

(۸) ویرسل علیکم حفظة۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ نے قوائے فطریہ کو مقرر کیا ہے۔

(۹) وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون۔

کیا ان نیا چرہ کے نزدیک قوائے فطریہ ان کے اعمال کی کتابت کرتے ہیں۔

(۱۰) اللہ یصطفی من الملئکة رسلا۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوائے فطریہ کو اپنا ایلچی اور سفیر بنا رکھا ہے۔

(۱۱) بل عباد مکرمون۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

(۱۲) یوم یقوم الروح والملئکة صفا۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن قوائے فطریہ خدا کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

(۱۳) ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم پڑھتے رہتے ہیں۔

(١٤) وانا لنحن الصفون وانا لنحن المسبحون۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے سامنے صف بستہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

(۱۵) وہم من خشیة ربہم مشفقون۔
کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ مثلاً کشش ثقل اور قوت اتصال خوف خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں۔
(۱۶) تتنزل علیہم الملئکة۔
کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ موت کے وقت اہل ایمان پر قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے ہر انسان کے قوائے فطریہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔
(۱۷) تنزل الملئکة والروح۔
کیا شب قدر میں قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے۔
(۱۸) قل یتوفکم ملک الموت۔ (۱۹) توفته رسلنا۔
کیا ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔
(۲۰) یضربون وجوههم وادبارہم۔
کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ جب کفار کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کے منہ اور دبر (سرین) پر کوڑے مارتے ہیں۔
(۲۱) علیہا تسعة عشر۔
کیا جہنم پر انیس قوائے فطریہ کا پہرہ ہے۔
(۲۲) زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کے جمال بے مثال کو دیکھ کر یہ کہا: ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔ یہ تو بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے تو کیا زنان مصر کے نزدیک یوسف علیہ السلام کسی قوت فطریہ کا نام تھا اور کسی آدمی کا نام نہ تھا۔
الغرض اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو اس جنون اور بکواس کو رد کرتی ہیں کہ ”ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے“۔ صرف قصہ پیدائش آدم علیہ السلام کو لے لیجئے جس میں ملائکہ کا سوال وجواب مذکور ہے کیا یہ سوال قوائے فطریہ کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے انکار اور ان کی دشمنی اور عداوت کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ من کان عدو الله وملئکته ورسله وجبریل ومیکئل فان الله عدو للکفرین۔
کیا اس آیت میں قوائے فطریہ کی دشمنی کو کفر کہا گیا ہے۔ ہم نے آج تک کسی بے وقوف کو بھی نہیں سنا کہ وہ اپنے قوائے فطریہ یعنی قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت غاذیہ اور قوت دافعہ اور قوت مفکرہ کو اپنا دشمن سمجھتا ہو۔
ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ کیا کراما کاتبین اور ملائکۃ الموت اور منکر نکیر اور جنت وجہنم کے فرشتے۔ کیا ان سب سے قوائے فطریہ مراد ہیں۔

احادیث صحیحہ وصریحہ:

اور جن احادیث صحیحہ وصریحہ میں ملائکہ اور ان کے اقوال اور افعال اور احوال کا ذکر آیا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور اس

قدر صریح اور واضح ہیں کہ نہ مجال انکار کی ہے اور نہ گنجائش تاویل کی ہے۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام جو ایک معروف و مشہور ہے جس میں حضور ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے جبریل امین علیہ السلام کا آنا اور آنحضرت ﷺ سے ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت کے متعلق سوال کرنا۔ اور آنحضرت ﷺ کا جواب دینا مذکور ہے کیا یہ سب سوالات قوائے فطریہ کی طرف سے تھے جو لباس جبرئیلی میں نمودار ہوتے تھے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا۔

اطلاع: جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شدومد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے۔ سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ۲۰ تا ص ۶۰ ملاحظہ کریں۔

واللہ الھادی الی سواء الطریق۔

وجود ملائکہ پر فلاسفہء حال کے شبہات اور ان کے جوابات:

فلاسفہء حال چونکہ سرے سے وجود ملائکہ کے قائل نہیں اس لیے ہم ان کے چند شبہات مع جوابات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلا شبہ: منکرین ملائکہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ (فرشتے) اللہ کی کوئی مخلوق ہے اور موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی۔

جوابات: (۱) یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے ایک شیشہ میں صاف وشفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی تو کیا اس وجہ سے کوئی فلسفی ہوا کے انکار کر سکتا ہے۔

(۲) فلاسفہ حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا ہوا ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔

(۳) نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ آلات کے ذریعہ سے تو محسوس ہوتے ہیں بغیر آلات کے محسوس نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ ہم کسی چیز کو آلات نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں اگر چہ وہ چیز فی الواقع موجود ہے۔

کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوت باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوت شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر فوراً پہچان سکتا ہے۔ اور نیولا تو اسے دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو عطا نہیں فرمایا اور دوسری کمتر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک اور احساس حضرات انبیاء کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے۔ شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوت

حافظ انسان کو نہیں دی گئی۔ چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے یہ اس کی قوت شامہ ہے بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں ہزاروں میل کی آواز سننے کے لیے اس آلہ کا ہونا شرط ہے لہٰذا جس کے پاس ریڈیو نہ ہو وہ ہزاروں میل کی آواز نہیں سن سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کے لیے کوئی خاص بینائی شرط ہو جو انبیا کو عطا کی گئی ہو۔ پس جس طرح ریڈیو کا انکار معتبر نہیں اسی طرح فرشتوں کا انکار بھی معتبر نہیں۔

دوسرا شبہ: یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے جیسے کسی فرشتہ یا جن کا طرفۃ العین میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب: یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شے کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجیے۔ جس کی دیگر عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں سوائے لطافت اور کثافت کے اور کیا فرق ہے بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مر جانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔ بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اس میں اتنی قوت آ جاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صدہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے اور بجلی کی قوت سے جرثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر لٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔

تیسرا شبہ: فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے لیکن عقلا شیء واحد کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت ہے مادہ ایثریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلم ہے،

قال اللہ تعالی: إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اے بنی آدم یہ شیطان تمہارے وجود سے پہلے ہی تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھنا دوست نہ بنانا۔

وکان الفضیل بن عیاض یقول یا کذاب یا مفتری اتق اللہ و لا تسب الشیطان فی العلانیة و انت صدیقه فی السر (تفسیر قرطبی ص ۳۲۳ ج ۱٤)

جو شخص شیطان کو برا بھلا کہتا) تو فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ اس سے یہ کہتے کہ اے کذاب اور اے مفتری اللہ سے ڈر اور اعلانیہ طور پر شیطان کو برا مت کہہ۔ حالانکہ اندرونی طور پر تو شیطان کا سچا اور پکا دوست ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ بِالتَّمْوِيْهِ فَرَاٰهُ حَسَنًا ط مِنْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لَا دَلَّ عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﷺ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُزَيَّنِ لَهُمْ حَسَرٰتٍ

بِاغْتِمَامِكَ اَنْ لَا يُؤْمِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ

وَفِيْ قِرَاءَةٍ الرِّيْحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا اَلْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ اَيْ تُزْعِجُهٗ فَسُقْنٰهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ

الْغَيْبَةِ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ لَا نَبَاتَ بِهَا فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ مِنَ الْبَلَدِ بَعْدَ مَوْتِهَا

يُبْسِهَا اَيْ اَنْبَتْنَا بِهِ الزَّرْعَ وَالْكَلَاءَ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ اَيِ الْبَعْثُ وَالْاِحْيَاءُ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ

الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط اَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا تُنَالُ مِنْهُ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ فَلْيُطِعْهُ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

يَعْلَمُهٗ وَهُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَحْوُهَا وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط يَقْبَلُهٗ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ الْمَكَرَاتِ السَّيِّاٰتِ

بِالنَّبِيِّ فِيْ دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيْدِهٖ اَوْ قَتْلِهٖ اَوْ اِخْرَاجِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِي الْاَنْفَالِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَمَكْرُ

اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ يَهْلِكُ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ اَيْ مَنِيٍّ بِخَلْقِ

ذُرِّيَّتِهٖ مِنْهَا ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ط ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط حَالٌ اَيْ

مَعْلُوْمَةٌ لَهٗ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ اَيْ مَا يُزَادُ فِيْ عُمُرِ طَوِيْلِ الْعُمُرِ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اَيْ مِنْ ذٰلِكَ

الْمُعَمَّرِ اَوْ مُعَمَّرٍ اٰخَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ط هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ هَيِّنٌ وَمَا

يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ق هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شَدِيْدُ الْعُذُوْبَةِ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ شُرْبُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ط شَدِيْدُ

الْمُلُوْحَةِ وَ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا هُوَ السَّمَكُ وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ مِنَ الْمِلْحِ وَقِيْلَ مِنْهُمَا

حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج هِيَ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَ تَرَى تُبْصِرُ الْفُلْكَ السُّفُنَ فِيْهِ فِيْ كُلٍّ مِنْهُمَا مَوَاخِرَ

تَمْخُرُ الْمَاءَ اَيْ تَشُقُّهٗ بِجَرْيِهَا فِيْهِ مُقْبِلَةً وَ مُدْبِرَةً بِرِيْحٍ وَاحِدَةٍ لِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تَعَالٰى

بِالتِّجَارَةِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ يُوْلِجُ يُدْخِلُ اللّٰهُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ فَيَزِيْدُ وَيُوْلِجُ

النَّهَارَ يُدْخِلُهٗ فِي الَّيْلِ فَيَزِيْدُ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ﷺ كُلٌّ مِنْهُمَا يَجْرِيْ فِيْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ

مُسَمًّى ط يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِهٖ وَهُمُ
الْاَصْنَامُ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ ط لِفَافَةِ النَّوَاةِ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ج وَلَوْ سَمِعُوْا مَا
فَرْضًا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ط مَا اَجَابُوْكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ط بِاِشْرَاكِكُمْ اِيَّاهُمْ مَعَ اللّٰهِ اَيْ
يَتَبَرَّءُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ اِيَّاهُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ بِاَحْوَالِ الدَّارَيْنِ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ عَالِمٍ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى ع ۲ ۱۴

ترجمہ: سو کیا ایسا شخص ہے جسے اس کا عمل بد ملمع کر کے خوشنما بنا کر رکھا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا من مبتدا ہے اسکی خبر
کمن حذاہ اللہ ہے یعنی اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے ہرگز نہیں جیسا کہ اگلی عبارت اس پر دلالت کر
رہی ہے سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس طرح کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے ان
دھوکہ کھانے والے لوگوں پر افسوس کر کے آپ کے اس غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے اللہ تعالیٰ کو ان کی سب
کرتوتوں کی خبر ہے لہٰذا وہ ان کو اس کا بدلہ دے گا اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے ایک قرآءت میں ریح ہے پھر وہ
بادلوں کو اٹھاتی ہے لفظ تثیر مضارع ہے حال ماضیہ کی حکایت کے لیے یعنی ہوا بادلوں کو ہنکاتی ہے پھر ہم کھینچ لے جاتے ہیں
بادلوں کو اس میں صیغہ غائب سے متکلم کی طرف حکایت ہے خشک زمین کی طرف لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے جس زمین
میں سبزہ نہ ہو پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کے خشک قطعہ کو ہرا بھرا کر دیتے ہیں اس کے ناکارہ ہو جانے کے بعد سوکھ
جانے پر یعنی اس میں سبزی گھاس اگا دیتے ہیں اسی طرح جی اٹھنا ہوگا قبروں سے زندہ ہو جانا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے
تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لیے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سو وہ اس کی اطاعت ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے اس لیے
اسے اللہ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے اچھی باتیں اسی تک پہونچتی ہیں لا الٰہ الا اللہ جیسے کلمات کو وہی جانتا ہے اور نیک کام ان
باتوں کو اونچا کر دیتا ہے مقبول بنا دیتا ہے اور جو لوگ بری تدبیریں مکاریاں کر رہے ہیں پیغمبر کے متعلق دار الندوہ میں آپ کو
گرفتار کرنے قتل کرنے جلا وطن کر ڈالنے کی نسبت جیسا کہ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے انھیں سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ
مکر نیست و نابود ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی انسانی نسل کے باپ آدم کو مٹی سے بنایا ہے پھر
نطفہ سے یعنی ان کی اولاد کو ان کی منی سے پیدا کیا ہے پھر اسی نے تمہیں نر و مادہ کے جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل
رہتا ہے نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے یہ حال ہے یعنی اس کو معلوم رہتا ہے اور کسی کی عمر نہ زیادہ کی جاتی ہے
یعنی کسی کی عمر کو لمبی عمر نہیں کیا جاتا اور نہ کم کی جاتی ہے پہلے ہی شخص کی عمر سے یا دوسرے شخص کی عمر سے نہ زیادہ کی جاتی ہے مگر
یہ سب کتاب لوح میں ہوتا ہے یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے اور دونوں دریا یا برابر نہیں ہیں ایک تو شیریں نہایت خوش
ذائقہ پیاس بجھانے والا ہے اس کا پینا دوسرا اور شور و تلخ ہے نہایت کھاری اور تم ان دونوں پانیوں میں سے ہر ایک سے تازہ
گوشت مچھلی کھاتے ہو اور تو دیکھتا ہو اور برآمد کرتے ہو شور سمندر سے یا بعض نے کہا کہ شور و شیریں دونوں سمندروں سے زیور
جس کو تم پہنتے ہو وہ موتی ہے اور مرجان ہیں اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو اس میں دونوں سمندروں میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں پانی

کو پھاڑ دیتی ہیں یعنی آتے جاتے کشتی کے چلنے کی وجہ سے پانی پھٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا سے تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کرسکو تجارت کے ذریعہ اور تاکہ تم شکر گذار ہوسکو اللہ کی ان نعمتوں پر وہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں جس سے وہ زیادہ ہو جاتی ہے اور اس نے سورج چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے مدار میں ایک مقررہ مدت قیامت تک چلتے رہیں گے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور جن کو تم پکارتے ہو بندگی کرتے ہو اس کے سوا اللہ کے علاوہ بتوں کی وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جھلی کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری نہیں سنیں گے اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کرسکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی کے منکر ہوں گے کہ تم نے انھیں اللہ کے ساتھ شریک کیا تھا یعنی تم نے ان کی جو پرستش کی تھی اس کا انکار کر دیں گے اور تجھ کو دونوں جہانوں کا حال کوئی نہیں بتاسکتا خبیر کے برابر یعنی جاننے والے کے برابر اور وہ اللہ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ: تو آپ ﷺ اپنے آپ کو ان کے پیچھے ہلاک مت کریں جن کے لیے شیطان نے بدعملی کو مزین کر دیا ہو۔ تینوں فا ا۔ فَمَنْ زُيِّنَ ۲۔ فَإِنَّ اللهَ ۳۔ فَلَا تَذْهَبْ یہ سببیت کے لیے ہے، البتہ پہلی دو جگہ فا سبب پر داخل ہے اور تیسری مسبب پر اور عَلَيْهِمْ یہ حَسَرٰتٍ کا صلہ ہرگز نہیں کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہوتا بلکہ یہ تَذْهَبْ کا صلہ ہے۔

قوله: اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ: کیونکہ تکلم اختصاص میں داخل ہوتا اور بادلوں کے چلانے اور زمین کو زندہ کرنے میں مزید صفت کا مظاہرہ ہے۔

قوله: فَلْيُطِعْهُ: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ دلیل پر استغناء اختیار کیا گیا ہے، اس کے مدلول فَلْيُطِعْهُ سے اعراض کر کے۔

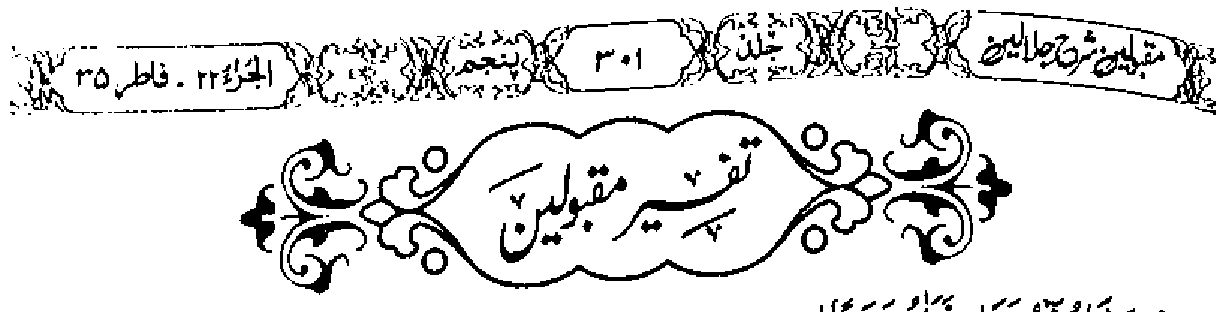
قوله: يَرْفَعُهٗ: متکلم کے لیے اس میں یہ بات جاگزین ہے عمل توحید سے مقبول بنتا ہے۔

قوله: يَهْلِكُ: یہ یبور کی تفسیر ہے یعنی جو چل نہ سکے۔

قوله: مُعَمَّرٍ اٰخَرَ: پس ضمیر کا دوسرے مُعَمَّرٍ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگرچہ مذکور نہیں کیونکہ تقابل کی دلالت موجود ہے۔

قوله: وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ: یہ میٹھے اور کھاری کی مثال ہے، مؤمن و کافر کی مثال ہے۔ فرات: پیاس بجھانے والا۔ سَآئِغٌ آسانی سے گلے سے نگل جائے۔ اُجَاجٌ کڑوا۔

قوله: لَعَلَّكُمْ: اس میں ظاہر مقتضی حال کے مطابق ہے۔



تفسیر مقبولین

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ....

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔کیا وہ شخص اس کے برابر ہوسکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔جب دونوں برابر نہیں ہوسکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہوسکتا ہے۔اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔بہر حال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہوسکتی ہے؟ جب نہیں ہوسکتی اور سلسلہ ہدایت وضلالت کا سب اللہ کی مشیت وحکمت کا تابع ہے۔تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں، اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔اللہ ان کی سب کرتوت جانتا ہے۔وہ خود ان کا بھگتان کردے گا۔آپ دلگیر و غمگین نہ ہوں۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ ....

کائنات کی عظیم الشان درسگاہ میں غور وفکر کی دعوت:

یہ کائنات ایک عظیم الشان درسگاہ ہے جس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔سو جس طرح ویران پڑی ہوئی وہ زمین جس میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے اور اس میں کسی چارے سبزے کا کوئی نام ونشان تک نہیں ہوتا، باران رحمت کے چھینٹے پڑتے ہی وہ لہلہا اٹھتی ہے۔ہر طرف ہریالی اور سرسبزی ہی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔اسی طرح مر مٹنے کے بعد یہ سب مخلوق ربّ قدیر کے حکم وارشاد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی۔یہاں مر کر جی اٹھنے کو انگوری اور پیداوار کے اگنے پر قیاس فرمایا گیا ہے۔سو اس سے قیاس شرعی کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔سو آسمان وزمین کی یہ عظیم الشان کائنات ایک ایسی عظیم الشان درسگاہ ہے جس میں اللہ پاک کی قدرت اور اس کی حکمت وعنایت کے دلائل و براہین ہر طرف پھیلے بکھرے ہوئے ہیں۔سبحانہ وتعالیٰ۔بہر کیف باران رحمت سے زمین کے دوبارہ زندہ ہو جانے اور از سر نو لہلہا اٹھنے کے ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا: كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ یعنی اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا از سر نو جی اٹھنا ہوگا۔سو اللہ پاک تو تم لوگوں کو مرنے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا مشاہدہ اپنی اس دنیا میں بھی کرا رہا ہے اور برابر کرا رہا ہے تو پھر تم لوگ قیامت کو آخر ناممکن کیوں سمجھتے ہو؟ سو اللہ پاک کی تخلیق فرمودہ یہ کائنات ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین اور بے مثال درسگاہ ہے جنکی تعلیم قرآن حکیم دے رہا ہے۔اگر انسان صحیح طور سے غور وفکر سے کام لے تو اس کو قرآن کے ہر دعوے کی دلیل اپنے دائیں بائیں ہر طرف ملے گی۔مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان غور وفکر سے کام لیتا ہی

نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ....

عزت سے سرفرازی کے صحیح طریقے کی تعلیم وتلقین:

عزت سے سرفرازی کے لیے صحیح طریقے کی تعلیم وتلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی عزت چاہتا ہو تو وہ جان لے کہ عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے ہے۔ پس تم سب لوگ اسی سے عزت مانگو کہ وہ اسی کی عطا وبخشش سے مل سکے گی۔ یہاں دراصل ایک بیماری کی نشاندہی فرمائی گئی اور اس کا علاج بھی ارشاد فرما دیا گیا ہے۔ یہ بیماری جو کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور جس نے کل بھی بہت لوگوں کو حق سے محروم رکھا اور وہ آج بھی بہتوں کو حق سے محروم کر رہی ہے۔ اور یہ طلب عزت اور ہوس جاہ کی بیماری ہے۔ مشرکین عرب نے اسی عزت کے پانے کے خیال سے وہ جھوٹے اور بے بنیاد معبود گھڑ رکھے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ قرآن کہتا ہے: {وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا} (مریم: 81) انہوں نے اللہ کے سوا طرح طرح کے معبود گھڑ لیے تا کہ وہ ان کے لیے عزت کا باعث بنیں اور اسی بنا پر مشرکین عرب دین حق کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے اور آج کل کے قبر پرست کلمہ گوؤں نے جو طرح طرح کے ناموں سے شرک و بدعت کے اڈے جا بجا قائم کر رکھے ہیں اس کا ایک بڑا سبب اور اہم داعیہ بھی یہی چیز ہے۔ حالانکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں عزت کا سامان نہیں، دھوکے کے اسباب ہیں۔ ان سے عزت نہیں ملتی ذلت وادبار ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ قرآن کہتا ہے ہرگز نہیں، یہ لوگ جن کی پوجا کر رہے ہیں وہ کل قیامت کے روز ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ {كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا} (مریم: آیت نمبر 82)۔ سو قرآن حکیم نے طلب عز وجاہ کے اس مہلک مرض کی تشخیص اور نشاندہی بھی فرما دی۔ اور اس کے علاج کیلئے نسخہ کیمیا بھی بتا دیا کہ عزت سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ پس تم لوگ صحیح معنیٰ میں اللہ والے بن جاؤ۔ سچی اور حقیقی عزت سے سرشار ہو جاؤ گے اور اس کے ساتھ ہی اس کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیا گیا جسکی تفصیل اگلے حاشیے میں آ رہی ہے۔

حقیقی عزت سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ایمان اور عمل صالح:

اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ عزت اور۔ حقیقی عزت۔ سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ایمان صادق اور عمل صالح ہے۔ سو یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعے اللہ پاک کے یہاں سے عزت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس میں دو چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اور دو ہی چیزیں دراصل ضرورت ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر آپ رائفل سے فائر کر کے گولی ایک خاص نشانے تک پہنچانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو دو چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ایک یہ کہ اس کارتوس اور گولی میں مواد صحیح ہو جو آپ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو رائفل میں خاص طریقے سے ڈال کر چلائیں تب تو اس سے شیر بھی ہلاک ہو جائے گا ورنہ اس سے ایک بلی بھی نہیں مر سکتی۔ پس اللہ پاک کے یہاں جو چیز پہنچنے کے قابل ہے وہ ہے: الْكَلِمُ الطَّيِّبُ - پاکیزہ کلمات جس کا سب سے اہم فرد کلمہ توحید ہے۔ اور ابن عباس ؓ نے الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے کلمہ ایمان ہی مراد لیا ہے۔ اور اس کے

ساتھ قرآن وسنت کے وہ تمام کلمات طیبات بھی جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادہ فرمودہ ہیں۔ اور یہی کلمہ طیب اساس و بنیاد ہے نور ایمان ویقین کی۔ اور اس پاکیزہ کلام الکلم الطیب کو اوپر اٹھانے والی اور اللہ پاک کے حضور پہنچانے والی چیز نیک عمل ہے جس میں سب سے پہلے ایمان ویقین ہے۔ اور اس کے بعد تمام اعمال وعبادات۔ پس پاکیزہ کلام اور عمل صالح یعنی ایمان ویقین اور عمل وکردار میں جو کوئی جتنا بھی بڑھتا جائے گا اتنا ہی اللہ پاک کے یہاں اجر وثواب اور عزت ومقام حاصل کرتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک کی وہ تمام محبوب ومقدس ہستیاں جنہوں نے اس نسخے کو اپنایا وہ ایسی انمٹ عزت وعظمت سے مشرف وسرفراز ہوئیں کہ سینکڑوں ہزاروں برس گزر جانے پر بھی آج تک ان کا نام عزت وعظمت اور عقیدت ومحبت سے لیا جاتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس مقام سے متعلق مزید تفصیل ان شاءاللہ اپنی مکمل اور مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر اللہ پاک کی طرف سے توفیق وعنایت شامل حال رہی۔ بہرکیف سچی اور حقیقی عزت سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ایمان اور عمل صالح ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ....

اس آیت کا مفہوم جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی سب لوح محفوظ میں پہلے ہی درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول اور نقص فرد واحد کے متعلق مراد نہیں، بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کسی فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے کسی کو اس سے کم یہ تفسیر حضرت عباس سے ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ جصاص نے حسن بصری اور ضحاک کا یہی قول نقل کیا ہے، اسی لیے ابن جریر، ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ عام تفاسیر میں اسی کو جمہور کی تفسیر قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اگر عمر کی کمی زیادتی کو ایک ہی شخص کے متعلق کہا جائے تو عمر میں کمی کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کی جو عمر اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے وہ یقینی ہے اور جو دن گذرتا ہے اس مقررہ مدت عمر میں سے ایک دن کی کمی کر دیتا ہے، دو دن گذرتے ہیں تو دو کم ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہر دن بلکہ ہر سن اس کی عمر کو گھٹاتا رہتا ہے۔ یہ تفسیر شعبی، ابن جبیر، ابو مالک، ابن عطیہ اور سدی سے منقول ہے (روح) اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

"یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے تو جب بھی ایک سانس گذرتا ہے تیری عمر کا ایک جز گھٹ جاتا ہے۔"

امام نسائی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ((من سره ان يبسط له في رزقه وينساء في اثره فليصل رحمه)) بخاری، مسلم، ابوداؤد نے بھی یہ حدیث یونس بن یزید ایلی کی روایت سے نقل کی ہے۔ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی اپنی ذی رحم رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی سے عمر بڑھ جاتی ہے، مگر اس کا مطلب ایک دوسری حدیث نے خود واضح کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو الدردا سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون کا ذکر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا کہ (عمر تو اللہ کے نزدیک ایک ہی مقرر اور مقدر ہے جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے

تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ بلکہ زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرما دیتا ہے وہ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ شخص نہیں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی دعائیں اس کو قبر میں ملتی رہتی ہیں (یعنی مرنے کے بعد بھی ان کو وہ فائدہ پہنچتا رہتا ہے، جو خود زندہ رہنے سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔ یہ دونوں روایتیں ابن کثیر نے نقل کی ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بعض اعمال کے متعلق یہ آیا ہے کہ ان سے عمر بڑھ جاتی ہے، اس سے مراد عمر میں برکت کا بڑھ جانا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ ....

سمندر کے سفر کے فوائد اور چاند سورج کی تسخیر کا بیان:

سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بعض سمندر میٹھے پانی کے ہیں ان کا پانی پیئو تو خوب میٹھا اور شیریں ہوتا ہے جو پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کا پانی بھی آسانی کے ساتھ گلے میں اتر جاتا ہے اور بعض سمندر ایسے ہیں کہ ان کا پانی بہت زیادہ نمکین اور شور ہے وہ پیا ہی نہیں جا سکتا نہ گلے سے اترتا ہے نہ اس سے پیاس بجھتی ہے۔ بعض دریاؤں میں شیرینی اور مٹھاس اور بعض میں یہ نمکینی اور کڑوا پن سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، دونوں سمندر برابر نہیں اور میٹھے سمندر کا میٹھا پن اور کڑوے سمندر کا کڑوا پن محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، ان سمندروں سے انسانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے تازہ تازہ گوشت کھاتے ہیں یعنی مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں پھر انہیں پکا کر اور تل کر کھاتے ہیں۔ بعض حضرات نے مچھلی کے ساتھ پرندوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

دریاؤں کا ایک نفع یہ بتایا کہ تم ان میں سے زیور نکالتے ہو اور ان کو پہنتے ہو، اس سے موتی اور سیپی وغیرہ مراد ہے، ان کے پہننے اور استعمال کے طریقے مختلف علاقوں میں مختلف پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں جو پانی کو پھاڑتی ہوئی جاتی ہیں، ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے، ان کے ذریعہ دور دراز ملکوں کے سفر ہوتے ہیں، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک مال پہنچایا جاتا ہے اور طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں، جو اموال اور اثقال باہر سے کشتیوں سے لائے جاتے ہیں اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں، اسی کو فرمایا کہ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تا کہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ اور جب اس کی نعمتیں استعمال کرو تو اس کا شکر بھی ادا کرو آخر میں اسی کی یاد دہانی فرمائی وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ ....

رات دن کے ادلنے بدلنے میں دعوت غور وفکر:

فرمایا وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں۔ جس سے کبھی رات بڑی کبھی دن اور کبھی اس کے برعکس۔ یہ اس کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے جسے تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ہمیشہ دیکھتے ہو۔ لیکن سوچتے

اور غور نہیں کرتے کہ یہ کس کی قدرت بے پایاں اور حکمت بے نہایت کا کرشمہ ہے۔ نیز دن رات کی اس آمد ورفت اور ادل لئے بدلنے میں یہ عظیم الشان اور انقلاب آفریں درس بھی ہے کہ وہ خالق و مالک ہر لحظہ اپنی مخلوق اور اپنی اس عظیم الشان کائنات کی تدبیر فرماتا اور اس کی نگرانی میں لگا ہے۔ مگر تم لوگ پھر بھی اس سے سبق نہیں لیتے۔ نیز اس میں تمہارے لیے یہ درس عظیم بھی ہے کہ دن رات کی ان دونوں ضدوں کا اس طرح تمہارے کام میں لگا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات میں ایک ہی ارادہ کارفرما ہے۔ ورنہ ان اضداد کا اس طرح پر حکمت طریقے سے تمہارے کام میں لگے رہنا ممکن نہ تھا۔ سو وہی ہے اللہ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور بلا شرکت غیرے اس میں حاکم و متصرف ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو رات اور دن کے یہ دونوں ہی سلسلے جو تمہاری معیشت و معاشرت اور تمہارے سکون و راحت کے لیے از بس ضروری ہیں اسی قادر مطلق کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ اور رحمت و عنایت شاملہ کا نتیجہ و ثمرہ ہیں۔ اور سورج و چاند کے یہ دونوں عظیم الشان کرے تمہارے خادم ہیں۔ سو کس قدر بہکے بھٹکے اور عقل کے دشمن اور مت کے مارے ہیں وہ لوگ جو اپنے خالق و مالک حقیقی سے منہ موڑ کر سورج، چاند جیسے اپنے ان ہی خادموں کی پوجا کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین۔

تسخیر شمس وقمر کا مطلب اور اس کا تقاضا:

فرمایا اور اسی نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند۔ کے ان عظیم الشان کروں۔ کو۔ جو نہایت پابندی کے ساتھ آتے جاتے اور تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی خراب ہوں نہ کام سے رکیں نہ اصلاح و مرمت کی کبھی ضرورت پڑے۔ اور یہی مطلب ہے ان کی تسخیر کا کہ اللہ پاک نے اپنے ارادہ و قدرت اور حکمت و عنایت سے ان کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ وہ مطلب نہیں جو آج کا بے ضرر غلط انسان لیتا ہے کہ ہم نے چاند کو مسخر کرلیا کہ اس پر آدمی اتار دیا۔ کیونکہ تسخیر کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کسی چیز کو کسی کے ارادے کے تابع کر دیا جائے۔ تو کیا یہ انسان ضعیف البنیان اس کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ چاند اس کے ارادے کے تابع ہوگیا ہے؟ کیا یہ چاند کی رفتار اور اس کے نظام میں کوئی تبدیلی کرسکتا ہے؟ اس مسکین کی حیثیت تو اس مکھی و مچھر کی سی ہے جو کسی ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھ کر کہے کہ میں نے اس کو مسخر کرلیا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت تو اس سے بھی کمزور اور گئی گزری ہے کہ وہ تو ہاتھی کی پیٹھ پر جب چاہے آسانی سے بیٹھ سکتا ہے اور بغیر کسی خارجی چیز کی ضرورت اور مدد کے۔ اور جب چاہے، جیسے چاہے، جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ اکیلا بیٹھے یا اپنی برادری کے کسی گروہ اور لشکر کے ساتھ بیٹھے۔ جبکہ انسان ان میں سے کسی چیز پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔ تو پھر یہ قاصر الفہم اور کوتاہ دست انسان کس طرح اور کس منہ سے یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ہم نے چاند کو مسخر کرلیا؟ سو سورج اور چاند کے یہ عظیم الشان کرے دراصل تمہارے خادم ہیں اے لوگو جنکو تمہارے خالق و مالک نے اس قدر پر حکمت طریقے سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جس کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ اس کے حق شکر میں اپنے اس خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک جھک جاتے اور اسی وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی سے سرشار ہو جاتے۔ مگر تم ہو کہ غفلت میں پڑے ہو۔ اور کتنے ہی عقل کے اوندھے اور مت کے مارے ایسے ہیں جو الٹا اپنے انہی خادموں کی پوجا کرتے اور ذلت پر ذلت اٹھاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں

ہلاکت وتباہی کے انتہائی ہولناک گڑھے میں ڈال رہے ہیں اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں کہ یہ کس ہاویے میں گرتے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ .....

رب کی معرفت اس کی کائنات میں غور وفکر کے ذریعے:

اس سے واضح فرمادیا گیا کہ رب کی معرفت سے سرشاری کا ایک اہم طریقہ اس کی کائنات میں غور وفکر ہے۔ اور غور وفکر بھی صحیح طریقے سے اور صحیح خطوط پر۔ اوپر کے دلائل اور ساری بحث کا خلاصہ اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہے اللہ، رب تم سب کا۔ اے دنیا جہاں کے انسانو!۔ یعنی جس کی یہ اور یہ صفات ہیں وہی اللہ خالق و مالک برحق ہے۔ تو پھر تم لوگ اس کے سوا اوروں کو کیوں پوجتے پکارتے ہو؟ کیا ان میں سے کسی میں بھی ایسی کوئی صفت تم دکھا سکتے ہو؟ جب نہیں اور یقیناً و ہرگز نہیں تو پھر ان کو معبود بنانے کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے؟ سو معبود برحق وہی وحدہ لاشریک ہے اور بس۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس ارشاد ربانی سے یہ واضح فرمادیا گیا کہ رب کی معرفت سے سرشاری وسرفرازی کا اصل اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کی اس عظیم الشان کائنات اور گوناگوں مخلوق میں غور وفکر سے کام لیکر اس کو پہچانا جائے۔ اور یہی مقصود ہوتا ہے کائنات میں غور وفکر سے کام لینے کا کہ اس سے انسان اس کائنات کے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے۔ تاکہ اس طرح اس کی زندگی صحیح راہ پر آسکے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ ہے اللہ رب تم سب کا اے لوگو یعنی جس کی شانوں، حکمتوں اور قدرتوں کے یہ عظیم الشان نمونے اور مظاہر تم لوگ اس کائنات میں ہر طرف پھیلے بکھرے دیکھتے ہو۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو مخلوق میں غور وفکر سے خالق کی معرفت سے سرفرازی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن یہاں پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ یہ معرفت خداوندی کا پہلا مرحلہ ہے۔ یعنی یہ کہ خدا وہ ہے جس نے ایسی اور ایسی حکمتوں بھری کائنات پیدا فرمائی لیکن اس سے آگے بڑھ کر دوسرا مرحلہ اس کا یہ ہے کہ وہ خدا کیسا ہے؟۔ اس کی صفات کیا ہیں؟ اور اس کے حقوق واختیارات کیا ہیں؟ وہ راضی کس سے ہوتا ہے اور ناراض کس سے؟۔ اس کی عبادت اور اس کے حقوق بندگی کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسے تمام سوالات کا جواب وحی خداوندی ہی سے مل سکتا ہے کہ یہ مرحلہ عقل وفہم سے بالا ہے۔ سو اس کو ویسے ہی مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ بِكُلِّ حَالٍ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ الْمَحْمُوْدُ فِيْ صُنْعِهِ بِهِمْ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ بَدَلَكُمْ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ شَدِيْدٍ وَ لَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ اٰثِمَةٌ اَيْ لَا تَحْمِلُ وِّزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى ۗ وَاِنْ تَدْعُ نَفْسٌ مُّثْقَلَةٌ بِالْوِزْرِ اِلٰى حِمْلِهَا مِنْهُ اَحَدًا لِيَحْمِلَ بَعْضَهُ لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ الْمَدْعُوُّ ذَا قُرْبٰى ۗ قَرَابَةٍ كَالْاَبِ وَالْاِبْنِ وَعَدَمِ

الْحَمْلِ فِي الشِّقَّيْنِ حُكْمٌ مِنَ اللهِ ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ﴾ اَيْ يَخَافُوْنَهٗ وَمَا رَاَوْهُ
لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِالْاِنْذَارِ ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ اَدَامُوْهَا ﴿وَمَن تَزَكَّىٰ﴾ تَطَهَّرَ مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهٖ ﴿فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ
لِنَفْسِهِ﴾ فَصَلَاحُهٗ مُخْتَصٌّ بِهٖ ﴿وَإِلَى اللهِ الْمَصِيرُ ۝١٨﴾ اَلْمَرْجِعُ فَيُجْزِيْ بِالْعَمَلِ فِي الْاٰخِرَةِ ﴿وَمَا
يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝١٩﴾ اَلْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ ﴿وَلَا الظُّلُمَاتُ﴾ اَلْكُفْرُ ﴿وَلَا النُّورُ ۝٢٠﴾ اَلْاِيْمَانُ ﴿وَلَا الظِّلُّ
وَلَا الْحَرُورُ ۝٢١﴾ اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ وَزِيَادَةُ لَا فِي
الثَّلٰثَةِ تَاكِيْدٌ ﴿إِنَّ اللهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ﴾ هِدَايَتَهٗ فَيُجِيْبُهٗ بِالْاِيْمَانِ ﴿وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۝٢٢﴾
اَيِ الْكُفَّارِ شَبَّهَهُمْ بِالْمَوْتٰى فَلَا يُجِيْبُوْنَ ﴿إِنْ﴾ مَا ﴿أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝٢٣﴾ مُنْذِرٌ لَهُمْ ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ﴾
بِالْهُدٰى ﴿بَشِيرًا﴾ مَنْ اَجَابَ اِلَيْهِ ﴿وَنَذِيرًا﴾ مَنْ لَمْ يُجِبْ اِلَيْهِ ﴿وَإِن﴾ مَا ﴿مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا﴾ سَلَفَ ﴿فِيهَا
نَذِيرٌ ۝٢٤﴾ نَبِيٌّ يُنْذِرُهَا ﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ﴾ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ ﴿فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ﴾ الْمُعْجِزَاتِ ﴿وَبِالزُّبُرِ﴾ صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ ﴿وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝٢٥﴾ هُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ
ع ٣ ١٢ ١٥ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا ﴿ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝٢٦﴾ اِنْكَارِيْ عَلَيْهِمْ
بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِهْلَاكِ اَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقَعَهٗ

ترجمہ: اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو ہر حال میں اور اللہ بے نیاز ہے اپنی مخلوق سے ستودہ صفات ہے لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں سزاوار حمد ہے وہ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق کو پیدا کر دے تمہاری جگہ اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں کوئی بھی گنہگار شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا اور اگر کوئی گراں بار بلائے گا دوسرے کو اپنا کچھ بوجھ اٹھانے کے لیے تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائیگا خواہ جس شخص کو بلایا گیا ہے رشتہ دار ہی کیوں نہ جیسا کہ باپ اور بیٹا دونوں صورتوں میں عدم حمل اللہ کا حکم ہے آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہوں یعنی بن دیکھے اس سے ڈرتے ہوں کیوں کہ یہی لوگ ڈرانے سے نفع اٹھانے والے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص شرک، وغیرہ سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے لیے پاک ہوتا ہے لہٰذا اس کی اچھائی اسی کے ساتھ خاص رہی گی اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے سو آخرت میں عمل کا بدلہ دیا جائے گا اور بینا اور نابینا یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکے اور (تاریکیاں بھی (کفر) اور روشنی یعنی ایمان اور نہ چھاؤں اور دھوکا یعنی جنت و دوزخ اور نہ زندہ اور مردے یعنی مومن اور کافر تینوں جگہوں میں لا زیادتی تاکید کے لیے ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی ہدایت سنا دیتا ہے تو وہ ایمان پر لبیک کہہ دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے

جو قبروں میں ہیں یعنی کافروں کو کفار کو مردوں سے اسلیے تشبیہ دی ہے کہ وہ جواب نہیں دیتے اور آپ تو صرف انھیں ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو اور اگر اہل مکہ آپ کی تکذیب کریں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے اور انکے پاس تھے ان کے رسول معجزے اور صحیفے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور روشن کتابیں تورات اور انجیل لے کر آتے تھے سو آپ بھی انکی طرح صبر کیجئے پھر میں نے ان کافروں کو ان کے جھٹلانے کی وجہ سے پکڑ لیا سو کیسا رہا میرا انکا ذات کا انکار کرنا ان پر سزا اور ہلاک کرنے کے ذریعہ یعنی وہ برمحل واقع ہوا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

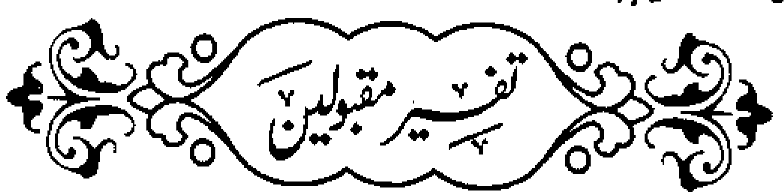
قوله: بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ: یعنی تمہارے بدلے اور مخلوق لائے جو تم سے بڑھ کر تابعدار ہو۔

قوله: نَفْسٍ اُخْرٰى: یہاں تو دوسرے کا بوجھ اٹھانے کی نفی ہے اور آیت و اثقالا مع اثقالهم اس سے مراد ان کا گمراہ کرنا ہے بمع اپنی گمراہی کے بوجھ کے یہ ان کا اپنی ہی بوجھ ہوا۔

قوله: لِيَحْمِلَ بَعْضَهٗ: سے اشارہ کیا کہ وہ اس کا گناہ نہ اٹھائے گا، جیسے دوسرے کا گناہ اس پر نہ ڈالا جائے گا۔

قوله: اَلْمَدْعُوُّ: اس کو مضمر مانا گیا کیونکہ تدع کی دلالت اس پر موجود ہے۔

قوله: اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ: یہ پہلے سے زیادہ بلیغ تمثیل ہے۔



تفسیر مقبولین

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

سب اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں:

اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پرواہ ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اس کے سامنے ہر کوئی ذلیل ہے اور وہ عزیز ہے کسی قسم کی حرکت وسکون پر کوئی قادر نہیں سانس تک لینا کسی کے بس میں نہیں۔ مخلوق بالکل ہی بے بس ہے۔ غنی بے پرواہ اور بے نیاز صرف اللہ ہی ہے تمام باتوں پر قادر وہی ہے۔ وہ جو کرتا ہے اس میں قابل تعریف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت وتعریف سے خالی نہیں۔ اپنے قول میں اپنے فعل میں اپنی شرع میں تقدیروں کے مقرر کرنے میں غرض ہر طرح سے وہ بزرگ اور لائق حمد وثناء ہے۔ لوگو اللہ کی قدرت ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو غارت وبرباد کردے اور تمہارے عوض دوسرے لوگوں کو لائے، رب پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ....

قیامت کے دن کوئی دوسرے کے گناہ اپنے اوپر نہ لے گا۔ اگر کوئی گنہگار اپنے بعض یا سب گناہ دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ چاہت بھی اس کی پوری نہ ہوگی۔ کوئی نہ ملے گا کہ اس کا بوجھ بٹائے عزیز واقارب بھی منہ موڑ لیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے۔ گو ماں باپ اور اولاد ہو۔ ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا اللہ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟ کافر مؤمن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کیے تھے وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں مؤمن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے ایک دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے وہ کہے گا ابا آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرمارہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے بھی ہے میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بیوی کے پاس جائے گا اس سے کہے گا میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کیے ہیں؟ وہ کہے گی بہت ہی اچھے یہ کہے گا آج میں تیرا محتاج ہوں مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کرسکتی۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ) (لقمان: ۳۳) یعنی آج نہ باپ بیٹے کے کام آئے نہ بیٹا باپ کے کام آئے اور فرمان ہے: (يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ) (عبس: ۳۴) آج انسان اپنے بھائی سے، ماں سے، باپ سے، بیوی سے اور اولاد سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنے حال میں مست و بے خود ہوگا۔ ہر ایک دوسرے سے غافل ہوگا، تیرے وعظ و نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقلمند اور صاحب فراست ہوں جو اپنے رب سے قدم قدم پر خوف کرتے والے اور اطاعت اللہ کرتے ہوئے نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔ نیک اعمال خود تم ہی کو نفع دیں گے جو پاکیزگیاں تم کرو ان کا نفع تم ہی کو پہنچے گا۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے، اس کے سامنے پیش ہونا ہے، حساب کتاب اس کے سامنے ہونا ہے، اعمال کا بدلہ وہ خود دینے والا ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ....

پیغام حق سے فیضیابی کے لیے چند بنیادی شرائط وخصال کا ذکر و بیان:

ان کلمات سے پیغمبر کے انذار و تبلیغ سے فیضیاب ہونے والوں کی صفات وخصال اور اس امر سے متعلق چند ضروری شرائط کو ذکر اور بیان فرما دیا گیا۔ پس پیغمبر کے انذار اور آپ کی دعوت و تبلیغ سے مستفید و فیضیاب وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر یہ اور یہ صفات پائی جائینگی کہ وہ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی عقل و فکر، سمع و بصر اور قلب و نظر کی صلاحیتوں سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں اور پیغام حق و ہدایت کو قبول کر کے اپنے باطن کو نور ایمان و یقین سے منور و معمور کرتے ہیں۔ ورنہ لوگ ایسے اندھے، بہرے اور اوندھے ہو کر رہ جاتے ہیں کہ حق کی بات کو سمجھنے

اور قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ اوندھے منہ جا کر ہاویہ میں گرتے ہیں تو ان کے لیے پیغام حق سے کوئی فائدہ نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد ربانی میں پیغمبر کیلئے اور آپ ﷺ کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر داعی حق کیلئے سامان تسکین و تسلیہ ہے کہ اگر ایسے اوندھے اور اندھے لوگ حق بات کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے تو اس میں قصور آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا نہیں، بلکہ ان لوگوں کے اپنے زیغ طبع اور کجی فطرت کا ہے۔ پس اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ ﷺ نہ تو ان کیلئے پریشان ہوں اور نہ ہی زیادہ انکے پیچھے پڑیں۔ انکو انکے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنا بھگتان خود بھگت لیں گے اور پوری طرح بھگتیں گے۔ آپ کا کام تو پیغام حق پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس کے بعد آپ فارغ الذمہ۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾

ایک موازنہ:

ارشاد ہوتا ہے کہ مؤمن و کفار برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا۔ اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ، زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ جس طرح ان چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح ایمان دار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مؤمن آنکھوں والے اجالے، سائے اور زندہ کی مانند ہے۔ برخلاف اس کے کافر اندھے اندھیرے اور بھرپور لو والی گرمی کی مانند ہے۔ جیسے فرمایا: (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) (الانعام: ۱۲۲) یعنی جو مردہ تھا پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا جسے لیے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہیں سکتا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آیت میں ہے: (مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ) (ھود: ۲۴) یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والوں کی سی ہے۔ مؤمن تو آنکھوں اور کانوں والا اجالے اور نور والا ہے پھر راہ مستقیم پر ہے۔ جو صحیح طور پر سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا اور اس کے برعکس کافر اندھا بہرا اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکے گا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا۔ جو تند و تیز حرارت اور گرمی والی آگ کا مخزن ہے۔ اللہ جسے چاہے سنا دے یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ دل سن کر قبول بھی کرتا جائے۔ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے۔ اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت و دعوت ان کے لیے بیکار ہے۔ اسی طرح ان مشرکوں پر بدبختی چھا گئی ہے اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو انہیں کسی طرح ہدایت پر نہیں لا سکتا تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے۔ ہدایت و ضلالت من جانب اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں رسول ﷺ آتا رہا۔ تاکہ ان کا عذر باقی نہ رہ جائے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) (الرعد: ۷) اور جیسے فرمان ہے: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) (النحل: ۳۶) وغیرہ، ان کا تجھے جھوٹا کہنا کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے۔ جو بڑے بڑے معجزات، کھلی کھلی دلیلیں، صاف صاف آیتیں لے کر

آئے تھے اور نورانی صحیفے ان کے ہاتھوں میں تھے، آخر ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں عذاب و سزا میں گرفتار کرلیا۔ دیکھ لے کہ میرے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد ہوئے؟ واللہ اعلم

اَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ كَالْاَخْضَرِ وَالْاَحْمَرِ وَالْاَصْفَرِ وَغَيْرِهَا وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ جَمْعُ جُدَّةٍ طَرِيْقٍ فِي الْجَبَلِ وَغَيْرِهٖ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ وَصُفْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ بِالشِّدَّةِ وَالضُّعْفِ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ عَطْفٌ عَلٰى جُدَدٌ اَيْ صُخُوْرٌ شَدِيْدَةُ السَّوَادِ يُقَالُ كَثِيْرًا اَسْوَدُ غِرْبِيْبٌ وَ قَلِيْلًا غِرْبِيْبٌ اَسْوَدُ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ كَاخْتِلَافِ الثِّمَارِ وَالْجِبَالِ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ بِخِلَافِ الْجُهَّالِ كَكُفَّارِ مَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهٖ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ لِذُنُوْبِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اَدَامُوْهَا وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً زَكٰوةً وَغَيْرَهَا يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ تَهْلِكَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ ثَوَابَ اَعْمَالِهِمُ الْمَذْكُوْرَةِ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ لِذُنُوْبِهِمْ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ لِطَاعَتِهِمْ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الْكُتُبِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ عَالِمٌ بِالْبَوَاطِنِ وَالظَّوَاهِرِ ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعْطَيْنَا الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَهُمْ اُمَّتُكَ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ بِالتَّقْصِيْرِ فِي الْعَمَلِ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ يَعْمَلُ بِهٖ فِيْ اَغْلَبِ الْاَوْقَاتِ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ يَضُمُّ اِلَى الْعَمَلِ بِهِ التَّعْلِيْمَ وَالْاِرْشَادَ اِلَى الْعَمَلِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ بِاِرَادَتِهٖ ذٰلِكَ اَيْ اِيْرَاثُهُمُ الْكِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اَيِ الثَّلَاثَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ خَبَرُ جَنَّاتٍ الْمُبْتَدَاِ يُحَلَّوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ فِيْهَا مِنْ بَعْضِ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا مُرَصَّعٌ بِالذَّهَبِ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ جَمِيْعَهٗ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ لِلذُّنُوْبِ شَكُوْرٌ ﴿۳۴﴾ لِلطَّاعَاتِ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ اَيِ الْاِقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ اِعْيَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِيْفِ فِيْهَا وَ ذِكْرُ الثَّانِي التَّابِعُ لِلْاَوَّلِ

لِلتَّصرِيحِ بِنَفْيِه وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ بالموت فَيَمُوْتُوْا يَسْتَرِيْحُوْا وَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ طَرْفَةَ عَيْنٍ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُمْ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ كَافِرٍ بِالْيَاءِ
وَالنُّوْنِ الْمَفْتُوْحَةِ مَعَ كَسْرِ الزَّاءِ وَنَصْبِ كُلَّ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ يَسْتَغِيْثُوْنَ بِشِدَّةٍ وَعَوِيْلٍ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ فَيُقَالُ لَهُمْ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا وَقْتًا
يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ الرَّسُوْلُ فَمَا اَجَبْتُمْ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ مِنْ
نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾ يَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنْهُمْ ع ۱۱ ۱۲

ترجمہ: کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی تو نہیں جانتا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے نکالے اس میں صیغہ غائب سے التفات ہے اسکے ذریعے مختلف رنگوں کے پھل جیسے سبز سرخ زرد وغیرہ اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں جدد، جدۃ کی جمع ہے پہاڑی وغیرہ کے درے کوئی سفید اور کوئی سرخ اور کوئی زرد ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں کچھ تیز کچھ ہلکی اور کوئی بہت گہرے سیاہ اس کا عطف جدد پر ہے یعنی نہایت کالے پھر چنانچہ کہا جاتا ہے کثیرا اسود غربیب اور قلیلا اسود اور اس طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپائیوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں پھلوں اور پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرح اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں برخلاف جاہلوں کے جیسے کفار مکہ بیشک اپنے ملک میں زبردست ہے اپنے گنہگار مومن بندوں کی بڑی مغفرت کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں زکوۃ وغیرہ کی صورت میں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند مندی نہ پڑے گی تاکہ ان کو انکا پورا پورا صلہ ان کے ان اعمال کا بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور بھی بڑھادے بیشک وہ ان کے گناہوں کو بڑا بخشنے والا ان کی اطاعتوں کی قدر دانی کرنے والا ہے اور جو کتاب قرآن ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے پہلے کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے پوشیدہ اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے پھر ہم نے یہ کتاب قرآن ان لوگوں م کے ہاتھوں میں بھی پہونچائی عطا کی جن کو اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا اور وہ آپ کے امتی ہیں پھر ان میں سے بعض تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں عمل میں کوتاہی کر کے اور بعض ان میں سے متوسط درجے کے ہیں اکثر اوقات عمل کرتے رہتے ہیں اور کچھ ان میں وہ بھی ہیں جو نیکیوں مین ترقی کئے چلے جاتے ہیں اعمال کے ساتھ دوسروں کو بھی تعلیم اور دعوت عمل دیتے رہتے ہیں اللہ کی توفیق و مشیت سے یہ کتاب ان کو پہونچانا بہت ہی بڑا فضل ہے وہ باغات میں ہمیشہ رہیں سہیں گے "جنت عدن" کے معنی ہمیشہ ہمیشہ ٹھہرنے کے باغات جن میں لوگ داخل ہوں گے تینوں الفاظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہیں اور "جنات" مبتدا کی خبر ہے اس میں انھیں پہنائے جائیں گے یہ خبر

ثانی ہے سونے کے کنگن من تبعیضیہ ہے اور موتی جو سونے سے جڑاؤ کیے ہوں گے اور انکی پوشاک ریشم کی ہوگی اور یہ لوگ کہیں گے اللہ کا شکر بے نہایت ہے کہ جس نے ہم سے سارا غم دور کیا بیشک ہمارا پروردگار گناہوں کا بڑا بخشنے والا طاعات کا بڑا قدردان جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف نہ دقت ہوگی اور نہ ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی مشقت کی وجہ سے کسی قسم کا اضمحلال نہ ہوگا کیونکہ جنت تکلیف کا مقام نہیں ہے اس میں جملہ ثانی جو جملہ اولی کے تابع ہے صراحتہ نفی کے لیے لایا گیا ہے اور جولوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو مر کر ان کی موت آئے گی کہ مر ہی جائیں آرام میں ہوجائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب تھوڑے وقفہ کے لیے بھی ہلکا ہوگا ایسے ہی جیسے ہم نے ان کو سزا دی ہم کافر کو سزا دیا کرتے ہیں۔ کفور، کافر کے معنی میں ہے۔ نجزی اور نون مفتوحہ کے ساتھ اور زاء کے کسرہ اور لفظ کل کے نصب کے ساتھ اور یہ اس میں چلائیں گے شدت وسختی کی فریاد کریں گے یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے اب ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے سے کرتے رہے ہیں مگر ان کو جواب دے جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہونچا تھا یعنی مگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا سو مزہ چکھو کہ ظالموں کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے جو انھیں عذاب سے بچا سکے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: جُدَدٌ: یعنی ذو کو مقدر ماننا تاکہ اس کا ماقبل سے تعلق قائم ہوجائے۔ پہاڑی رستے کو کہتے ہیں۔

قوله: عَطْفٌ عَلٰی جُدَدٌ: گویا اس طرح کہا بعض پہاڑ سفید، مختلف رنگ کے راستوں والے ہیں، بعض صرف سیاہ رنگ۔

قوله: غَرَابِيبُ سُودٌ: غرابیب یہ سود کی تاکید ہے۔

قوله: الْعُلَمٰٓؤُا: خشیت اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب جس ذات سے ڈرا جائے اس کی صفات وافعال کا زیادہ علم ہو۔

قوله: يَرْجُونَ تِجَارَةً: یعنی اطاعت کے ذریعہ ثواب کے حاصل ہونے کی امید کرتے ہیں۔

قوله: لَنْ تَبُورَ: یہ تجارت کی صفت ہے، یعنی جس میں نقصان نہ ہو۔

قوله: لِيُوَفِّيَهُمْ: یہ مدلول کی علت ہے، وہ اس تجارت سے نقصان کو دور کرتا ہے تاکہ ان کو پورا بدلہ دے۔

قوله: ثُمَّ اور ثنا: پھر ہم نے اس کی وراثت کے تم سے پانے کا فیصلہ کیا حکم دیا۔

قوله: الثَّلاثَةُ: يَدْخُلُونَهَا میں مرفوع ضمیر ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔

قوله: خَبَرُ جَنّٰتِ: يَدْخُلُونَ یہ جَنّٰتِ مبتداء کی خبر ہے۔

قوله: مُرَصَّعٌ: اس کا عطف اَسَاوِرَ کے محل پر ہے۔

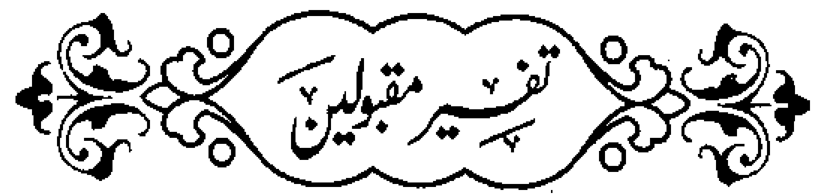
قوله: جَمِيْعَهُ: اس سے مراد انجام کا خطرہ، معاش کی فکر اور مصائب اور وساوس ابلیس۔

قوله: لِلتَّصْرِيْحِ بِنَفْيِهِ: یعنی بطور مبالغہ۔

قوله: فَيَمُوْتُوْا: ان مصدریہ کے مضمر ہونے کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔

قوله: يَصْطَرِخُوْنَ: وہ استغاثہ کرتے ہوئے چلائیں گے۔

قوله: وَعَوِيْلٍ يَقُوْلُوْنَ: زور سے رونا۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ....

بارش کے منافع، نیک بندوں کی صفات اوران کا اجر وثواب:

یہ متعدد آیات ہیں، پہلی دو آیتوں میں بعض علوی اور بعض سفلی انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں۔

اول تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، اس پانی کے جہاں بہت سے فائدے ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے درخت نکال دیئے، پھر ان درختوں پر پھل لگا دیئے، ان پھلوں کے اقسام بھی بہت ہیں اور الوان یعنی رنگ بھی، مزے بھی مختلف ہیں اور ہر قسم میں مختلف قسمیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ بتائی کہ پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، ان کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سفید ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں پہاڑوں سے بنی آدم کو مختلف قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے جُدَدٌ کی تفسیر معلوم کی گئی تو فرمایا کہ اس سے پہاڑوں کے راستے مراد ہیں، بنی آدم پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، ان کے راستوں میں سفر کرتے ہیں، منافع حاصل کرتے ہیں۔غرابیب جمع ہے غربیب کی، جو بہت زیادہ سیاہ ہو عربی میں اسے (غِرْبِيْب) کہا جاتا ہے، اور (سُوْدٌ)، (اَسْوَدُ) کی جمع ہے جو سیاہ کے معنی میں آتا ہے، دونوں لفظوں کو ملا کر مبالغہ کا معنی پیدا ہوجاتا ہے، اسی لیے اوپر گہرے سیاہ رنگ والے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔(قال صاحب الرّوح و کثر فی کلامهم اتباع للاسود علی انه صفة له او تاکید لفظی فقالا اسود غربیب کما قالوا بیض یفق واصفر فاقع واحمر قانٍ) (تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عرب کے کلام میں الاسود کے ساتھ غربیب کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس طرح کہ غربیب اسود کی صفت بنتا ہے یا تاکید لفظی چنانچہ کہتے ہیں اسود غربیب جیسا کہ کہا جاتا ہے: "بیض یفق" بہت ہی سفید اور "اصفر فاقع" زرد خالص اور "احمر قان" بہت ہی سرخ۔)

بارش اور پھلوں اور پہاڑوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں بھی مختلف

اقسام کی چیزیں ہیں، ان کی اقسام بھی مختلف ہیں اور انواع بھی اور رنگتیں بھی، اس سب میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مظاہرہ بھی ہے اور انسانوں پر انعامات بھی ہیں، انسان جانوروں سے اور جانور انسانوں سے مستفید اور متمتع ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ....

اس جگہ لفظ کَذٰلِكَ پر جمہور کے نزدیک وقف ہے، جو اس کی علامت ہے کہ یہ لفظ پچھلے مضمون کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی مخلوقات کو مختلف انواع و اقسام اور مختلف الوان پر بڑی حکمت کے ساتھ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی خاص نشانی ہے۔

اور بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس لفظ کا تعلق اگلے جملے سے ہے۔ یعنی جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور انسان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں، اسی طرح خشیت اللہ میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، کسی کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے، کسی کو کم، اور مدار اس کا علم پر ہے جس درجہ کا علم ہے اسی درجہ کی خشیت بھی ہے۔ (روح)

سابقہ آیات میں ارشاد فرمایا تھا: اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ جس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے فرمایا تھا کہ آپ کے انداز و تبلیغ کا فائدہ تو صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ تعالیٰ سے خوف و خشیت رکھتے ہیں، اس کی مناسبت سے آیت: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے۔ اور جیسا پہلے کفار و منکرین کا اور ان کے احوال کا ذکر آیا ہے، اس میں خاص اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ لفظ انما عربی زبان میں حصر بیان کرنے کے لیے آتا ہے، اس لیے اس جملے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ حرف انما جیسے حصر کے لیے آتا ہے ایسے ہی کسی کی خصوصیت کے بیان کرنے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے کہ خشیۃ اللہ علماء کا وصف خاص اور لازم ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ غیر عالم میں خشیۃ نہ ہو۔

(بحر محیط، ابوحیان)

اور آیت میں لفظ علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی ذات و صفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں، اور مخلوقات عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات و انعامات پر نظر رکھتے ہیں۔ صرف عربی زبان یا اس کے صرف و نحو اور فنون بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا۔

"یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو"۔

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے۔ اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرت روایت اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جا سکتا بلکہ اس کو کتاب و سنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں
(مظہری) اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن انس نے فرمایا:
"یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں"

اور مجاہد نے فرمایا:
"یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے"۔

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو فرمایا: اتقاہم لربہ "یعنی جو اپنے رب سے زیادہ ڈرانے والا ہو"

اور حضرت علی مرتضیٰ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی:
"فقیہ مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے، اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قرات میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو"

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف وخشیت نہیں۔ کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں۔ البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی یہ خشیت حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں ہو جاتی ہے جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے۔ خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کے لیے ضروری ہے دوسرا درجہ افضل واعلیٰ ہے ضروری نہیں۔
(از بیان القرآن)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ....

ان آیات سے پہلی آیت میں علماء حق جو عارف باللہ ہوں ان کی ایک ایسی صفت کا ذکر تھا جن کا تعلق قلب سے ہے، یعنی خشیۃ اللہ۔ مذکور الصدر پہلی آیت میں انہی اولیاء اللہ کی چند ایسی صفات کا ذکر ہے جو اعضاء وجوارح سے ادا ہوتی ہیں۔ ان میں پہلی صفت تلاوت قرآن ہے، اور مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو تلاوت کتاب اللہ پر مداومت کرتے ہیں۔ يَتْلُونَ بصیغہ مضارع اس کی طرف مشیر ہے۔ اور بعض حضرات نے اس جگہ يَتْلُونَ کو اس کے لغوی معنے میں لیا ہے یعنی وہ عمل میں اتباع کرتے ہیں قرآن کا، مگر پہلی تفسیر راجح ہے۔ اگرچہ سیاق وسباق سے یہ بھی متعین ہے کہ تلاوت وہی معتبر ہے جس کے ساتھ قرآن پر عمل بھی ہو۔ مگر لفظ تلاوت اپنے معروف معنی میں ہے۔ اسی طرح حضرت مطرف بن عبداللہ ابن شخیر نے فرمایا: ھذہ آیۃ القراء یعنی یہ آیت قراء کے لیے ہے جو تلاوت قرآن کو اپنا مشغلہ زندگی بناتے ہیں۔

ان کی دوسری صفت اقامت صلوٰۃ اور تیسری اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ خرچ کرنے کے ساتھ سراً وعلانیۃ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اکثر عبادات میں ریاء سے بچنے کے لیے خفیہ کرنا بہتر ہوتا ہے، مگر بعض اوقات مصالح دینیہ اس کو بھی متقضی ہوتی ہیں کہ اعلان کے ساتھ کیا جائے، جیسے نماز جماعت کہ میناروں پر اذان دے کر اور زیادہ سے زیادہ اجتماع کے ساتھ علانیہ طور پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح بعض اوقات اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اظہار بھی دوسروں کی ترغیب کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ حضرات فقہاء نے نماز اور انفاق فی سبیل اللہ دونوں میں یہ تفصیل فرمائی ہے کہ فرض وواجب یا سنت موکدہ ہے اس کو تو علانیہ کرنا بہتر ہے اس کے سوانفلی نماز کا خفیہ ادا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح جہاں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے، جیسے زکوٰۃ فرض یا صدقۃ الفطر یا قربانی ان میں علانیہ خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے، باقی صدقات نافلہ کو خفیہ خرچ کرنا افضل ہے۔

جو لوگ ان تینوں صفات کے حامل ہوں یعنی تلاوت قرآن پر مداومت اور اقامت صلوٰۃ اور اللہ کی راہ میں خوش دلی کے ساتھ مال خرچ کرنا کہ صرف فرض وواجب ہی کی حد تک نہ رہے بلکہ نفلی صدقات بھی کریں۔ آگے ان کی ایک صفت یہ بتلائی کہ یَرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ بوار سے مشتق ہے، جس کے معنی ضائع ہوجانے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ صفات مذکورہ کے پابند مؤمنین ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا۔ امیدوار ہونے کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کو دنیا میں اپنے کسی بھی نیک عمل پر یقین کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کہ یہ ہمیں ضرور بخشوادے گا اور اس کا اجر ثواب ہمیں یقینی ملے گا۔ کیونکہ مکمل مغفرت اور بخشش تو کسی انسان کی بھی صرف اس کے عمل سے نہیں ہوسکتی، کیونکہ انسان کتنا بھی عمل صالح کرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وعبادت کے حق کو پورا نہیں کرسکتا۔ اس لیے مغفرت سب کی اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہوگی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس مضمون کی تصریح آئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر نیک عمل کے ساتھ آدمی کو اس خطرہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے کہ بہت سے نیک اعمال میں کوئی مخفی کید شیطانی یا نفسانی شامل ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ مقبول نہیں ہوتا، یا بعض اوقات ایک نیک عمل کے ساتھ کوئی برا عمل ایسا ہوجاتا ہے جو نیک عمل کی مقبولیت سے بھی مانع ہوجاتا ہے۔ اس لیے آیت میں لفظ یَرْجُوْنَ لا کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ سارے اعمال صالحہ کی پابندی کے بعد بھی کسی کو اپنی نجات اور درجات عالیہ کا یقین کرلینے کا حق نہیں، بس زیادہ سے زیادہ امید ہی کرسکتے ہیں۔ (روح)

اعمال صالحہ کی مثال تجارت سے:

اس آیت میں ان اعمال صالحہ مذکورہ کو بطور تشبیہ ومثال ایک تجارت سے تعبیر کیا گیا، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو تجارت سے تعبیر فرمایا ہے: ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم، تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم. تجارت کی مثال اس وصف میں ہے کہ تاجر اپنا سرمایہ اور وقت کسی کام میں اس وقت لگاتا ہے کہ اس سے اس کا سرمایہ بڑھ جائے گا، اور نفع پہنچے گا۔ لیکن دنیا کی ہر تجارت میں نفع کے ساتھ نقصان وخسارہ کا بھی احتمال لگا رہتا ہے۔ آیت مذکورہ میں تجارت کے ساتھ لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ کا لفظ بڑھا کر اشارہ کردیا کہ

اس تجارت آخرت میں نقصان وخسارہ کا کوئی احتمال نہیں۔ اور اللہ کے نیک بندے جو اعمال صالحہ میں مشقت ومحنت اٹھاتے ہیں وہ عام تجارتوں کی طرح تجارت نہیں کرتے، بلکہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی امیدواری کا ذکر کرنا اشارہ خفی اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم الکرما ہیں، وہ امیدواروں کی امید کو قطع نہیں کریں گے بلکہ پورا کریں گے، بلکہ اگلے جملے میں یہ بھی فرمادیا کہ ان کی امید تو صرف اپنے عمل کا پورا بدلہ ملنے تک محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی امیدوں سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ لفظ لِيُوَفِّيَهُمْ کا تعلق لَّن تَبُورَ سے ہے۔ یعنی ان کی تجارت خسارے کی متحمل نہیں بلکہ ان کے اجر وثواب ان کو پورے پورے ملیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے مظنونہ اجر وثواب سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائیں گے۔

اس فضل وزیادتی میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی شامل ہے کہ مؤمن کے عمل کا اجر حق تعالیٰ چند در چند کر کے عطا فرماتے ہیں جس کی ادنیٰ مقدار عمل کا دس گنا اور زیادہ سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، اور دوسرے گناہگاروں کے حق میں ان کی سفارش قبول کرنا اس فضل میں شامل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے اس فضل کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ ان لوگوں پر دنیا میں جس نے احسان کیا تھا یہ لوگ اس کی سفارش کریں گے تو باوجود سزائے جہنم کے مستحق ہونے کے ان کی سفارش سے ان کو نجات ہوجائے گی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم) (اور یہ ظاہر ہے کہ شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہوسکے گی، کافر کی شفاعت کی کسی کو اجازت نہ ہوگی) اسی طرح جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس فضل کا جزء اعظم ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ....

حرف ثُمَّ عطف کے لیے آتا ہے، اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حرف سے پہلے اور بعد کی دونوں چیزیں اصل وصف میں مشترک ہونے کے باوجود تقدیم وتاخیر رکھتی ہیں۔ پہلی چیز مقدم اور بعد کی چیز مؤخر ہوتی ہے، پھر یہ تقدیم وتاخیر کبھی زمانے کے اعتبار سے ہوتی ہے، کبھی رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے۔ اس آیت میں حرف ثُمَّ عطف ہے اس سے پہلی آیت کے لفظ أَوْحَيْنَا پر، معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی ہے، اور تمام پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے پہلے بطور وحی آپ کے پاس بھیجی، اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنادیا جن کو ہم نے منتخب اور پسند کرلیا ہے اپنے بندوں میں سے۔ یہ اول وآخر اور مقدم ومؤخر ہونا رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ کے پاس بھیجنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے اور امت محمدیہ کو عطا فرمانا اس سے مؤخر ہے۔ اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا مطلب یہ لیا جائے کہ آپ نے اپنے بعد کے لیے امت کے واسطے زر وزمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے کہ انبیاء درہم ودینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں اور ایک دوسری حدیث میں علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے، تو اس لحاظ سے یہ تقدیم وتاخیر زمانی بھی ہوسکتی ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عنایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس کو امت کے لیے بطور وارث چھوڑا۔ وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اس عطا کو بلفظ میراث تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ بغیر اس

بے کسی عمل اور کوشش کے مل جاتا ہے، قرآن کریم کی یہ دولت بھی ان منتخب بندوں کو اسی طرح بغیر کسی محنت ومشقت کے دے دی گئی ہے۔

امت محمدیہ خصوصاً اس کے علماء کی ایک اہم فضیلت وخصوصیت:

الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، یعنی جن کو ہم نے منتخب اور پسندیدہ قرار دے دیا اپنے بندوں میں سے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد امت محمدیہ ہے، اس کے علماء بلاواسطہ اور دوسرے لوگ بواسطہ علماء، علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا سے مراد امت محمدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اس کتاب کا وارث بنایا ہے جو اس نے اتاری ہے، (یعنی قرآن سب کتب سابقہ کی تصدیق وحفاظت کرنے والی کتاب ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی کتابوں کے مضامین کی جامع ہے، اس کا وارث بننا گویا سب آسمانی کتابوں کا وارث بننا ہے) پھر فرمایا: فظالمهم يغفر له و مقتصدهم يحاسب حسابا يسيرًا وسابقهم يدخل الجنة بغير حساب، یعنی اس امت کا ظالم بھی بخشا جائے گا اور میانہ روی کرنے والے سے آسان حساب لیا جائے گا، اور سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں لفظ اصْطَفَيْنَا سے امت محمدیہ کی سب سے بڑی عظیم فضیلت ظاہر ہوئی۔ کیونکہ لفظ اصطفاء قرآن کریم میں اکثر انبیاء علیہم السلام کے لیے آیا ہے، الله يصطفى من الملئكة رسلًا ومن الناس، اور ایک آیت میں ہے: ان الله اصطفى آدم و نوحاً وآل ابراهيم وآل عمران على العلمين، آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اصْطَفَيْنَا یعنی انتخاب میں انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ شریک فرما دیا، اگرچہ اصطفاء کے درجات مختلف ہیں، انبیاء وملائکہ کا اصطفاء اعلیٰ درجہ میں اور امت محمدیہ کا بعد کے درجہ میں ہے۔

امت محمدیہ کی تین قسمیں:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ، یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر وتوضیح ہے۔ یعنی ہم نے اپنے بندوں کو منتخب اور پسند فرما کر ان کو قرآن کا وارث بنایا ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ظالم، مقتصد، سابق۔

ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض محرمات کو بھی ارتکاب کر لیتا ہے اور مقتصد (یعنی درمیانی چال چلنے والا) وہ شخص ہے جو تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے بچتا ہے، مگر بعض اوقات بعض مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات اور مستحبات کو ادا کرتا ہے، اور تمام محرمات ومکروہات سے بچتا ہے، اور بعض مباحات کو اشتغال عبادت یا شبہ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔

یہ ابن کثیر کا بیان ہے۔ دوسرے مفسرین نے ان تین قسموں کی تفسیر میں بہت مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ روح المعانی میں بحوالہ تحریر تینتالیس اقوال کا ذکر کیا ہے، مگر غور کیا جائے تو ان میں سے اکثر کا حاصل وہی ہے جو اوپر ابن کثیر کے حوالے

سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک شبہ اور جواب:

مذکورہ تفسیر سے یہ ثابت ہوا کہ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا سے مراد امت محمدیہ ہے اور اس کی یہ تین قسمیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی پہلی قسم یعنی ظالم بھی الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا یعنی اللہ کے منتخب بندوں میں شامل ہیں، اس کو بظاہر مستبعد سمجھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ یہ امت محمدیہ اور اصْطَفَیْنَا سے خارج ہے۔ مگر بہت سی احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ کی ہیں اور اصْطَفَیْنَا کے وصف سے خارج نہیں۔ یہ امت محمدیہ کے مؤمن بندوں کی انتہائی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ ان میں جو عملی طور پر ناقص بھی ہیں وہ بھی اس شرف میں داخل ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس جگہ وہ سب روایات حدیث جمع کر دی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ سب ایک ہی مرتبے میں ہیں اور سب جنت میں ہیں۔ (رواہ احمد، ابن کثیر) ایک مرتبہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب کی مغفرت ہو جائے گی اور سب جنت میں جائیں گے، یہ مطلب نہیں کہ درجات کے اعتبار سے ان میں تفاضل نہ ہوگا۔

اور حضرت ابوالدرداء سے باسانید متعددہ ایک حدیث منقول ہے، ابن کثیر نے ان سب کو نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن جریر نے ابو ثابت سے نقل کی ہے کہ وہ ایک روز مسجد میں گئے تو وہاں ابوالدرداء پہلے سے بیٹھے تھے۔ ابو ثابت ان کے برابر جا کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے: اللھم انس وحشتی وارحم غربتی ویسرلی جلیسًا صالحًا "یعنی یا اللہ میری قلبی وحشت و پریشانی کو دور فرما اور میری حالت مسافرت پر رحم فرما، اور مجھے کوئی جلیس (ہم نشین) صالح نصیب فرما دے" (یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف صالحین میں جلیس صالح کی طلب و تلاش کا درجہ کیا تھا کہ اس کو اہم مقصد اور سب پریشانیوں کا علاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے تھے) ابوالدرداء نے یہ دعا سنی تو فرمایا کہ اگر آپ اپنی اس دعا و طلب میں سچے ہیں تو میں اس معاملہ میں آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوں (مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آپ جیسا جلیس صالح بے مانگے دے دیا) اور فرمایا کہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، مگر جب سے میں نے اس کو سنا ہے اب تک کسی سے بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کا ذکر فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ..... پھر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ ہیں وہ تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور جو مُّقْتَصِدٌ یعنی درمیانے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور ظَالِمٌ یعنی جو اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں، ان کو اس مقام میں سخت رنج و غم طاری ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا حکم ہو جائے گا، اور سب رنج و غم دور ہو جائیں گے۔ اسی کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے: وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ "یعنی وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا"

اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((و کلھم من ھذہ

الامة)) یعنی یہ تینوں قسمیں اسی امت محمدیہ میں سے ہوں گی۔

اور ابوداؤد طیالسی نے عقبہ ابن صہبان بنائی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا، بیٹا یہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ ان میں سے سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں گزر گئے، جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دے دی اور مُّقْتَصِدٌ وہ لوگ ہیں جو ان کے نشان قدم پر چلے، اور سابقین کی اقتداء پر قائم رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے، باقی رہے ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ تو ہم تم جیسے لوگ ہیں۔

یہ صدیقہ عائشہ کی تواضع تھی کہ اپنے آپ کو بھی انہوں نے تیسرے درجہ میں یعنی ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ میں شمار کیا حالانکہ وہ احادیث صحیحہ کی تصریحات کے مطابق سابقین اولین میں سے ہیں۔

اور ابن جریر نے حضرت محمد بن حنفیہ سے نقل کیا، فرمایا کہ یہ امت امت مرحومہ ہے اس کا ظالم بھی مغفور ہے اور مُّقْتَصِدٌ یعنی میانہ رو جنت میں ہے، اور سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ اللہ کے نزدیک درجات عالیہ میں ہے۔

اور حضرت محمد بن علی باقرؒ نے ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کی تفسیر میں فرمایا: الذین خلط عملاً صالحًا واخر سیئًا، یعنی وہ شخص جس نے نیک و بد دونوں طرح کے اعمال میں خلط ملط کیا ہو۔

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جو ہمارے بندوں میں منتخب اور برگزیدہ ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ اور علوم نبوت کے بلاواسطہ وارث حضرات علماء ہیں، جیسا کہ حدیث میں بھی ارشاد ہے: العلماء ورثة الانبیاء، حاصل اس کا یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے علوم کا مشغلہ اخلاص کے ساتھ نصیب فرمایا یہ اس کی علامت ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ اولیاء ہیں، جیسا کہ حضرت ثعلب بن الحکم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز علماء امت سے خطاب فرما کر کہیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم وحکمت صرف اسی لیے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کردوں عمل تمہارے کیسے بھی ہوں (یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جس شخص میں خشیت اور خوف خدا نہیں وہ علماء کی فہرست ہی سے خارج ہے۔ اس لیے یہ خطاب انہی لوگوں کو ہوگا جو خشیۃ اللہ میں رنگے ہوئے ہوں ان سے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ بے فکری سے گناہوں میں ملوث رہیں، ہاں طبیعت بشریہ کے تقاضوں سے کبھی کبھی لغزش ان سے بھی ہوتی ہے۔ اسی کو اسی حدیث میں فرمایا کہ عمل تمہارے کیسے بھی ہوں تمہارے لیے مغفرت مقدر ہے۔

یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں، اور آخری حدیث میں جو حضرت ثعلبہ سے روایت کی گئی ہے اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، جس کی سند کے سب رجال ثقات ہیں۔ (تفسیر مظہری) اور تفسیر مظہری میں بحوالہ ابن عساکر حدیث مذکور کا یہی مضمون ابوعمر صنعانی سے بھی روایت کیا ہے، اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ محشر میں اللہ اپنے سب بندوں کو جمع فرمادیں گے پھران میں سے علماء کو ایک ممتاز مقام پر جمع کر کے فرمادیں گے:

"یعنی میں نے اپنا علم تمہارے قلوب میں اسی لیے رکھا تھا کہ میں تم سے واقف تھا (کہ تم اس امانت علم کا حق ادا کرو گے) میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں جاؤ میں نے تمہاری مغفرت کر دی"۔

(مظہری)

فائدہ: اس آیت میں سب سے پہلے ظالم کو پھر مقتصد کو آخر میں سابق بالخیرات کو ذکر فرمایا ہے۔ اس ترتیب کا سبب شاید یہ ہو کہ تعداد کے اعتبار سے ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سب سے زیادہ ہیں ان سے کم مُّقْتَصِدٌ اور ان سے کم سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ ہیں، جن کی تعداو زیادہ تھی ان کو مقدم کیا گیا۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ....

یعنی جب جہنم میں یہ فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں اس عذاب سے نکال دیجئے اب ہم نیک عمل کریں گے اور پچھلی بداعمالیوں کو چھوڑ دیں گے۔ اس وقت یہ جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر کی مہلت نہیں دی تھی جس میں غور کرنے والا غور کر کے صحیح راستہ پر آ جائے۔ حضرت علی ابن حسین زین العابدین نے فرمایا کہ اس سے مراد سترہ سال کی عمر ہے۔ اور حضرت قتادہ نے اٹھارہ سال کی عمر بتلائی اور مراد اس سے عمر بلوغ ہے، اور سترہ اٹھارہ کا فرق بلوغ میں ہو سکتا ہے کہ کوئی سترہ سال میں بالغ ہو کوئی اٹھارہ سال میں۔ عمر بلوغ شریعت میں پہلی حد ہے، جس میں داخل ہو کر انسان کو منجانب اللہ اتنی عقل دے دی جاتی ہے کہ اپنے بھلے برے کو سمجھنے لگے۔ اس لیے یہ خطاب عام کفار سے ہوگا، خواہ طویل العمر ہوں یا قصیر العمر۔ البتہ جس کو عمر طویل ملی اور پھر بھی اس نے ہوش نہ سنبھالا، اور دلائل قدرت کو دیکھ کر اور انبیاء کی باتیں سن کر حق کو نہ پہچانا وہ زیادہ مستحق ملامت ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو صرف عمر بلوغ ملی اس کو بھی قدرت نے اتنا سامان دے دیا تھا کہ حق و باطل میں امتیاز کر سکے، جب نہ کیا تو وہ بھی مستحق ملامت وعذاب کا ہے، لیکن جس کو زیادہ عمر طویل ملی اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور زیادہ پوری ہوگئی وہ اگر اپنے کفر و معصیت سے باز نہ آیا وہ زیادہ مستحق عذاب و ملامت ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا وہ عمر جس پر اللہ تعالیٰ نے گناہگار بندوں کو عار دلائی ساٹھ سال ہے۔ اور حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں چالیس اور دوسری میں ساٹھ سال کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ وہ عمر ہے جس میں انسان پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انسان کو کوئی عذر کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کی اس دوسری حدیث کو ترجیح دی ہے۔

تقریر مذکور سے واضح ہو چکا ہے کہ سترہ اٹھارہ سال کی روایات اور ساٹھ سال کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگرچہ انسان سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں اس قابل ہوتا ہے کہ غور وفکر کر کے حق و باطل میں تمیز کرے، اسی لیے اسی عمر بلوغ سے اس کو احکام شرعیہ کا مکلف قرار دیا گیا ہے، مگر ساٹھ سال ایسی عمر طویل ہے کہ اگر اس میں بھی کسی نے حق کو نہ پہچانا تو اسے کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی، اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری تمام ہو چکی۔ اسی لیے امت مرحومہ کی عام عمریں ساٹھ سال سے ستر سال تک

مقدر ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے:

"یعنی میری امت کے عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوں گی، کم لوگ ہوں گے جو اس سے تجاوز کریں گے"

آخر آیت میں فرمایا: وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ. اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو عمر بلوغ کے وقت سے اتنی عقل و تمیز منجانب اللہ عطا ہو جاتی ہے کہ کم از کم اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ اتنے کام کے لیے خود انسانی عقل بھی کافی تھی، مگر اللہ جل شانہ، نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس عقل کی امداد کے لیے نذیر بھی بھیجے، نذیر کے معنی اردو میں ڈرانے والے کے کیے جاتے ہیں، در حقیقت نذیر وہ شخص ہے جو اپنی رحمت و شفقت کے سبب اپنے لوگوں کو ایسی چیزوں سے بچنے کی ہدایت کرے جو اس کو ہلاکت یا مضرت میں ڈالنے والی ہیں، اور ان چیزوں سے لوگوں کو ڈرائے۔ مراد اس سے معروف معنی کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب علماء ہیں۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ ہم نے حق و باطل کو پہچاننے کے لیے عقل بھی دی، اس کے ساتھ اپنے پیغمبر بھی بھیجے جو حق کی طرف ہدایت کریں باطل سے بچائیں۔

اور حضرت ابن عباس، عکرمہ اور امام جعفر باقر سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں، کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ قول بھی پہلے قول سے متعارض نہیں کہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں اور انبیاء و علماء بھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بالغ ہونے کے بعد سے جتنے حالات پیش آتے ہیں اس کے اپنے وجود اور گرد و پیش میں جو تغیرات و انقلابات آتے ہیں، وہ سب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر اور انسان کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ معارف مفتی شفیع

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ فَعِلْمُهٗ بِغَیْرِهٖ اَوْلٰی بِالنَّظَرِ اِلٰی حَالِ النَّاسِ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ جَمْعُ خَلِیْفَةٍ اَیْ یَخْلُفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَمَنْ كَفَرَ مِنْكُمْ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ اَیْ وَبَالُ كُفْرِهٖ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ غَضَبًا وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ لِلْاٰخِرَةِ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَیْ غَیْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَرُوْنِیْ اَخْبِرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ شِرْكَةٌ مَعَ اللّٰهِ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ حجة مِّنْهُ ۚ بِاَنَّ لَهُمْ مَعِیْ شِرْكَةً لَا شَیْءَ مِنْ ذٰلِكَ بَلْ اِنْ مَا یَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ الْكَافِرُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ بَاطِلًا بِقَوْلِهِمُ الْاَصْنَامُ تَشْفَعُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ اَیْ یَمْنَعُهُمَا مِنَ الزَّوَالِ وَلَئِنْ لام قسم زَالَتَآ اِنْ مَا اَمْسَكَهُمَا یُمْسِكُهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ

بَعْدِهٖ ؕ اَیْ سِوَاہُ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ فِیْ تَاخِیْرِ عِقَابِ الْكُفَّارِ وَ اَقْسَمُوْا اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اَیْ غَایَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِیْهَا لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ رَسُوْلٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى
الْاُمَمِ ۚ اَلْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَیْرِهِمَا اَیْ اَیَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا لَمَّا رَاَوْا مِنْ تَكْذِیْبِ بَعْضِهَا بَعْضًا اِذْ قَالَتِ
الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَیْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصَارٰى لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَّا زَادَهُمْ مَجِیْئُهٗ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ تَبَاعُدًا عَنِ الْهُدٰى اِسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ
عَنِ الْاِیْمَانِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَ مَكْرَ السَّیِّئِ ؕ الْعَمَلَ السَّیِّئَ مِنَ الشِّرْكِ وَغَیْرِهٖ وَ لَا یَحِیْقُ یُحِیْطُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا
بِاَهْلِهٖ ؕ وَهُوَ الْمَاكِرُ وَوَصْفُ الْمَكْرِ بِالسَّیِّئِ اَصْلٌ وَاِضَافَتُهٗ اِلَیْهِ قَبْلَ اِسْتِعْمَالٍ اٰخَرَ قُدِّرَ فِیْهِ مُضَافٌ
حَذَرًا مِنَ الْاِضَافَةِ اِلَى الصِّفَةِ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ سُنَّةَ اللّٰهِ فِیْهِمْ مِنْ
تَعْذِیْبِهِمْ بِتَكْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَیْ
لَا یُبَدَّلُ بِالْعَذَابِ غَیْرُهٗ وَلَا یُحَوَّلُ اِلٰى غَیْرِ مُسْتَحِقِّهٖ اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ فَاَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ بِتَكْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ وَ مَا كَانَ
اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ یَسْبِقُهٗ وَیَفُوْتُهٗ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِالْاَشْیَاءِ كُلِّهَا عَلِیْمًا
قَدِیْرًا ﴿۴۴﴾ عَلَیْهَا وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مِنَ الْمَعَاصِیْ مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا اَیِ الْاَرْضِ
مِنْ دَآبَّةٍ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَیْهَا وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اَیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
ع ۵ ۸ ۱۷ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ﴿۴۵﴾ فَیُجَازِیْهِمْ عَلٰى اَعْمَالِهِمْ بِاِثَابَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعِقَابِ الْكَافِرِیْنَ

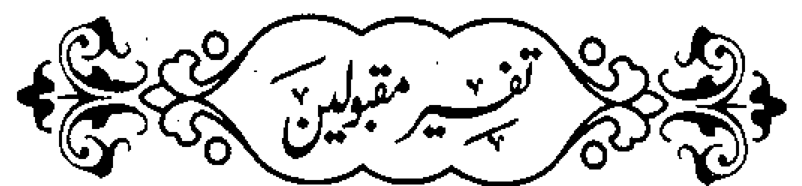
محمد بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین پوشیدہ چیزوں کے جاننے والا ہے بیشک وہی دلوں کے بھید جاننے والا ہے دل کی باتیں پس دل کے علاوہ اور باتیں لوگوں کی نظر کے لحاظ سے بدرجہ اولیٰ جاننے والا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا ہے خلائف خلیفۃ کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض کے بعد بعض آتا رہتا ہے پھر جو کوئی تم میں سے ناشکری کرے تو اس پر ناشکری کا وبال پڑیگا اور کافروں کے لیے ان کفران کے پروردگار کے سامنے ناراضگی غصہ ہی بڑھائے گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر آخرت میں خسارہ ہی کا باعث بنے گا آپ کہیے ذرا دیکھو تو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کو جنہیں تم اپنے گمان میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے مجھے دکھلاؤ و بتلاؤ تو کہ انھوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا

کیا ہے یا ان کا کچھ ساجھا ہے اللہ کے ساتھ شرکت ہے آسمانوں کے بنانے میں یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اسکی دلیل پر قائم ہوں اس دلیل پر کہ میں نے ان سے کوئی ساجھا کر رکھا ہے ان میں سے کوئی سی شق بھی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ ظالم کافر ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں بے بنیاد بات کہ بت ان کے لیے سفارشی ہوں گے یقینی بات ہے کہ اللہ ہی آسمان اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ ٹل نہ جائیں یعنی موجودہ حالت کو نہ چھوڑ بیٹھیں اور اگر لام قسمیہ ہے وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا کوئی انھیں سنبھال بھی نہ سکے وہ تحمل والا بخشش کرنے والا ہے کفار کی سزا میں دیر کر کے اور مکہ کے کافروں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی تھیں پوری تاکید کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر آیا تو وہ ہر امت سے بڑھ چڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کوئی بھی امت ہو سب سے بڑھ کر رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ سے کہا کرتے تھے کہ تم کچھ نہیں ہو اور نصاریٰ جواب دیتے کہ تم کچھ نہیں ہو مگر جب ان کے پاس پیغمبر ڈرانے والے محمد ﷺ آ پہونچے تو آپ کی تشریف آوری سے ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی ہدایت سے دوری بڑھی اپنے کو دنیا میں بالا سمجھنے کی وجہ سے ایمان سے استکبارًا مفعول لہ ہے اور انکے برے داؤ پیچ کی وجہ سے شرک وغیرہ کر کے اور بری تدبیروں کا وبال بری تدبیریں کرنے والے پر ہی پڑتا ہے یعنی مکار پر اور مکر کی صفت لفظ السیٔ اپنی اصل پر ہے البتہ اس سے پہلے لفظ مکر السیٔ ایک دوسرے استعمال پر آیا ہے کہ اس میں مضاف مقدر مانا گیا ہے صفت کی طرف اضافت سے بچنے کے لیے سو کیا یہ لوگ صرف خدائی اسی دستور کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور وہ دستور ان کو اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے مبتلائے عذاب کرنا ہے، سو آپ خدا کے دستور کو کبھی بدلا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ خدا کے دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے یعنی نہ عذاب کو کسی اور چیز سے بدلا جا سکتا ہے اور نہ اس کو غیر مجرم کی طرف پھیرا جائے گا کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا بنا حالانکہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے مگر اللہ نے ان کو اپنے پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر ڈالا اور اللہ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے ہرا دے کہ اس سے آگے بڑھ جائے اور اس کو عاجز کر دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ تمام باتوں کا بڑا جاننے والا ان پر بڑی قدرت والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی پکڑ پر آ جاتا ان کی کرتوتوں گناہوں کی وجہ سے تو روئے زمین پر ایک بھی متنفس جو زمین پر رینگ کر چلتا ہو کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ انھیں ایک معین مدت قیامت تک ڈھیل دے رہا ہے سو جب وہ میعاد آ پہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا لہٰذا وہ لوگوں کو ان کے لیے کا ضرور بدلہ دے گا مومنین کو ثواب اور کافروں کو عذاب۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِالنَّظَرِ اِلٰی حَالِ: البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نسبت کے لحاظ سے تو اولویت نہیں۔
قوله: خَلَٰئِفَ: یہ خلیفہ کی جمع ہے جس کا معنی نائب ہے۔ اور خلفاء یہ خلیف کی جمع ہے۔
قوله: اِلَّا مَقْتًا: سخت غصہ۔

قوله :لِلْاٰخِرَۃِ: اس سے خسارہ آخرت مراد ہے۔
قوله :زَعَمْتُمْ: ان کی طرف شرکاء کی اضافت اس لیے کی کیونکہ انہوں نے یہ شرکاء خود تجویز کیے تھے۔
قوله : اَرُوْنِیْ: یہ اَرَءَیْتُمْ سے بدل ہے۔ یہ اخبرونی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے بدل الاشتمال ہے۔
قوله :مِنَ الزَّوَالِ: اَنْ تَزُوْلَا یہ مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے جو حرف جار ہٹانے کی وجہ سے ہے۔
قوله :مَفْعُوْلٌ لَهٗ : ہے۔ معنی یہ ہوگا: مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا اَوِ اسْتِكْبَارًا ۔ اس چیز نے ان کی نفرت و تکبر میں اضافہ کیا ہے۔
قوله :قَبْلَ: یعنی اس سے پہلے اور وہ یہ ارشاد ہے مَكْرُ السَّیِّئِ ۔
قوله :قُدِّرَ فِیْهِ مُضَافٌ: یعنی اس میں مضاف کو مقدر مانا کہ صفت کی طرف اضافت سے بچ جائیں۔
قوله :سُنَّةَ اللّٰهِ فِیْهِمْ: اس میں اشارہ کر دیا کہ سنت کی اولین کی طرف اضافت یہ مصدر کی مفعول کی طرف اضافت کی قسم سے ہے۔
قوله: كَیْفَ كَانَ: یہ جملہ حالیہ ہے۔



اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں۔ کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کریں گے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آ سکتے۔ ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے: (وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ) (الانعام:۲۸)
هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ....

اللہ تعالیٰ کا قانون عدل و انصاف سب کے لیے یکساں:

خَلٰٓئِفَ، خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی نائب اور جانشین کے ہیں۔ اور یہ دونوں ہی معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک نے تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ بنا دیا تاکہ تم لوگ اس کی زمین میں اس کے احکام نافذ کرو۔ پس تم آزاد اور خود مختار نہیں ہو کہ جو مرضی کرو۔ بلکہ تم اپنے اس خالق و مالک کے احکامات و ارشادات کے پابند ہو کہ خلیفہ اپنے احکام نہیں چلایا کرتا۔ بلکہ وہ اس ہستی کے حکم و ارشاد کا پابند ہوتا ہے جس نے اس کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہوتا ہے۔ نیز تم خلیفہ اور جانشین ہو ان اقوام کے جو تم سے پہلے اس زمین پر گزر چکی ہیں۔ پس تم ان کے حالات اور انجام سے سبق سیکھو اور عبرت حاصل کرو تاکہ

تم اس برے انجام سے بچ سکو اور محفوظ رہ سکو جس سے پہلے کی وہ قومیں دوچار ہو چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون عدل وانصاف سب کیلئے ایک اور یکساں ہے- سبحانہ وتعالیٰ وبہ العیاذ جل وعلا۔

کافروں کے لیے خسارہ ہی خسارہ:

کافروں کیلئے انکا کفر انکے خسارے ہی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ کہ وہ اپنے کفروانکار کے باعث عمر عزیز کی متاع گرانمایہ کو راہ حق میں صرف کرنے کی بجائے اللہ پاک کے غضب اور اس کی ناراضگی میں کھپا کر دائمی عذاب کے مستحق بن گئے- والعیاذ باللہ العظیم- سو کافر کے کفر کا وبال خود اسی پر ہے۔ اور کافر جس قدر اپنے کفر میں بڑھتا جائے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب میں اضافہ کرتا جائے گا۔ اور اس طرح وہ اپنے خسارے میں اضافہ کرتا جائے گا- سو کافر لوگ اپنے کفر وانکار سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اس طرح وہ خود اپنے ہی خسارے پر خسارے کے ردے چڑھائے جاتے ہیں اور اپنے ہی نقصان میں اضافہ کرتے جاتے ہیں جس کا خمیازہ ان کو خود ہی بھگتنا ہوگا اور بڑی ہی ہولناک شکل میں بھگتنا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ....

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ کی قوت قاہرہ ایک اور طریقہ پر بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے، ان کی جو جگہ مقرر ہے وہاں سے نہیں ٹل سکتے (اپنے محور ہی میں رہتے ہیں) اور اگر بالفرض اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ دیں تو اس کے علاوہ کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، آسمان وزمین اسی کی مخلوق ہیں، اسی نے ان کی جگہ مقرر فرمائی ہے، کسی کو ان میں ذرا سے تصرف کا بھی اختیار نہیں ہے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے ہی ان کا مالک ہے، ان میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا بھی خالق ومالک ہے پھر اس کے علاوہ دوسرا کوئی مستحق عبادت کیسے ہو سکتا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (بے شک وہ حلیم ہے (عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا) غفور بھی ہے) سب کچھ معاف کرنے والا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ....

قسمیں کھا کر مکر کرنے والے ظالم:

قریش نے اور عرب نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی سخت قسمیں کھا رکھی تھیں کہ اگر اللہ کا کوئی رسول ﷺ ہم میں آئے تو ہم تمام دنیا سے زیادہ اس کی تابعداری کریں گے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے: اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ (الانعام:۱۵۶) یعنی اس لیے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے کی جماعتوں پر تو البتہ کتابیں اتریں۔ لیکن ہم تو ان سے بے خبر ہی رہے۔ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہو جاتے۔ تو لو اب تو خود تمہارے پاس تمہارے رب کی بھیجی ہوئی دلیل آ پہنچی ہدایت ورحمت خود تمہارے ہاتھوں میں دی جا چکی اب بتاؤ کہ رب کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان سے منہ موڑنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور آیتوں میں ہے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے اپنے پاس اگلے لوگوں کے عبرتناک واقعات ہوتے تو ہم تو اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اس کے ان کے پاس آچکنے کے بعد کفر کیا اب انہیں عنقریب اس کا انجام

معلوم ہو جائے گا۔ ان کے پاس اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ اور رب کی آخری اور افضل تر کتاب آ چکی لیکن یہ کفر میں اور بڑھ گئے، انہوں نے اللہ کی باتیں ماننے سے تکبر کیا خود نہ مان کر پھر اپنی مکاریوں سے اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ لیکن انہیں باور کر لینا چاہئے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ یہ اللہ کا نہیں البتہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مکاریوں سے پرہیز کرو مکر کا بوجھ مکار پر ہی پڑتا ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تین کاموں کا کرنے والا نجات نہیں پا سکتا، ان کاموں کا وبال ان پر یقیناً آئے گا، مکر، بغاوت اور وعدوں کو توڑ دینا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی، انہیں صرف اسی کا انتظار ہے جو ان جیسے ان پہلے گزرنے والوں کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آ گئے۔ پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے اور تو غور کر۔ رب کی عادت بدلتی نہیں نہ پلٹتی ہے۔ جس قوم پر عذاب کا ارادہ ہو چکا پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ ان پر سے عذاب ہٹیں نہ وہ ان سے بچیں۔ نہ کوئی انہیں گھما سکے۔ واللہ اعلم۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ .....

اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی: سو ارشاد فرمایا گیا اور کلمہ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تم اللہ کے دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ یعنی نہ تو یہ ہو سکے گا کہ مجرم سزا سے بچ جائے اور نہ یہ کہ جرم کسی کا ہو اور سزا کسی اور کو ملے۔ یعنی کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر کسی کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق اس کے کیے کرائے کی جزا و سزا ملے گی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق اور بھرپور طور پر ملے گی۔ سو دور حاضر کے یہ منکر اگر حق کی اسقدر وضاحت اور توضیح کے باوجود کبر و غرور اور اپنی سرکشی و سازش کی اسی روش پر اڑے ہوئے ہیں جس پر انکے پیش رو اڑے رہے تھے تو اس کے معنیٰ یہی ہیں کہ یہ لوگ اب اسی ہولناک انجام کے منتظر ہیں جس سے ان کی پیش رو منکر د مستکبر قومیں دوچار ہو چکی ہیں کہ جس طرح وہ گزشتہ قومیں ہلاکت و تباہی کے گھاٹ پر اتر چکی ہیں وہی حشر انکا بھی ہو۔ کیونکہ حق کی وضاحت میں اب کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔ سو اگر یہی بات ہے تو یہ لوگ اپنے اس آخری انجام کا انتظار کریں کہ اللہ کا دستور اور اس کی سنت سب کیلئے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ سو اللہ کی وہ سنت جب انکے حق میں ظاہر ہوگی تو اس کو ٹالنا یا بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا - والعیاذ باللہ - یہاں پر سنت اللہ یعنی دستور خداوندی کے بارے میں تبدیل اور تحویل کے دو لفظ وارد ہوئے ہیں۔ یعنی اللہ کی سنت نہ بدلتی ہے نہ ٹلتی ہے۔ سو اس کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے اللہ کا دستور ایک ہی ہے اور وہ سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو رویہ ایک قوم کے لیے باعث ہلاکت ہو وہی رویہ دوسری قوم اختیار کرنے پر اس انجام بد سے بچ جائے اور اللہ کی اس سنت کے نہ ٹلنے سے مراد و مقصود یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آ جائے گا تو وہ لازماً ظاہر ہو کر رہیگی۔ پھر اس کو ٹالنا یا اس کے رخ کو پھیر اور بدل دینا کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ بے راہ روی کی ہر شکل سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - آمین۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ.....

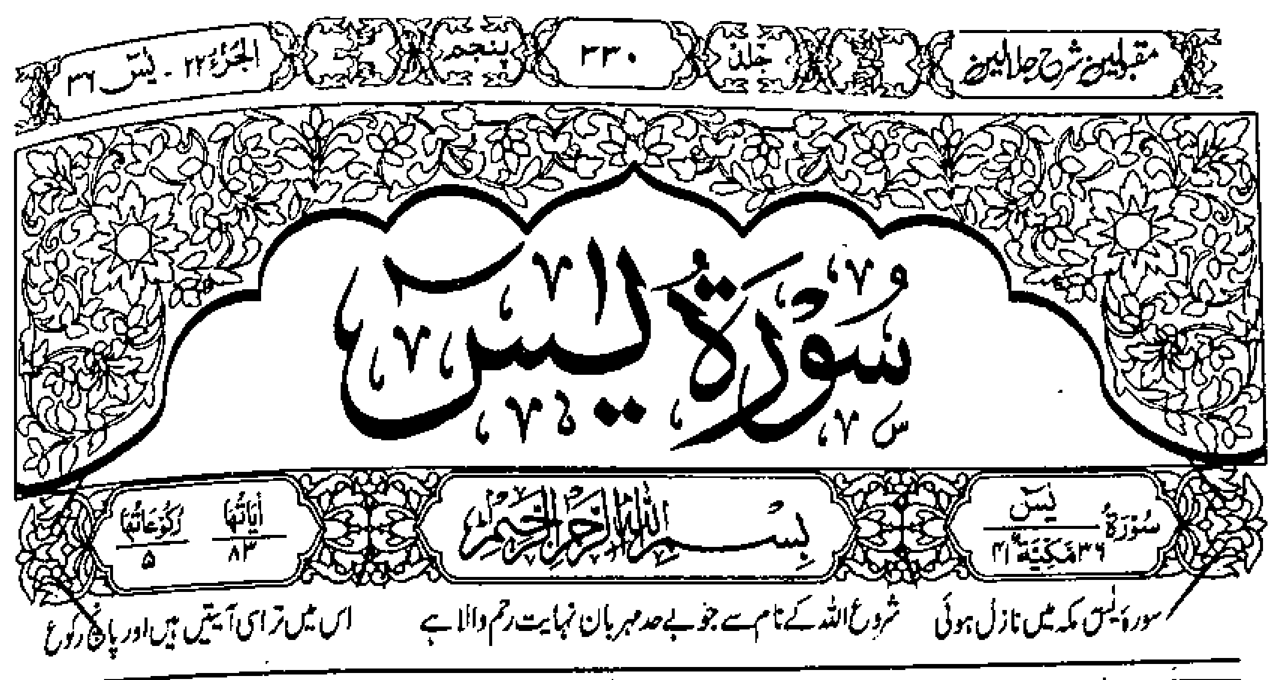
سورت کے ختم پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا، دنیا میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے کفر کی وجہ

ہے بربادی کے مستحق ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے، لیکن اس کے یہاں تاخیر ہے اور ڈھیل ہے اس نے جو اجل اور میعاد مقرر فرما رکھی ہے جب وہ آئے گی تو عذاب آ جائے گا۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کتنے کافر گزر گئے اور کتنوں نے بدعملی کر لی ان سب کی فہرست کہاں ہے اور ہر ایک کا مواخذہ کیسے ہوگا، جو شخص ایسا خیال کرتا ہے یہ اس کی جہالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے ہر ہر بندہ کو دیکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے، جب مقررہ میعاد آ جائے گی تو اپنے علم کے مطابق سزا دے دے گا۔ اسی کو فرمایا: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿﴾ (سو جب ان کی اجل آ جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔)

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ زمین کے باشندوں میں سب کی ہلاکت ہوگی تو اہل ایمان کو بھی شامل ہوگی، وہ ہلاکت میں کیوں شریک کیے جائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی قانون کے مطابق ہلاک تو سبھی ہوں گے لیکن قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے، اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو بھی لوگ وہاں موجود ہوں ان سب کو عذاب پہنچ جاتا ہے پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۵۲)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے آئے گا جب وہ میدان میں ہوں گے تو اول سے آخر تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اول سے آخر تک سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو خرید و فروخت کے لیے نکلے ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو ان میں شامل نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ دھنسائے تو جائیں گے سب ہی پھر اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج۱: ص ۲۸٤)



سورۂ یٰس مکہ میں نازل ہوئی　　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　　اس میں تراسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

يٰسٓ ۝۱ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اَلْمُحْكَمِ بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبَدِيْعِ الْمَعَانِيْ اِنَّكَ
يَا مُحَمَّدُ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳ عَلٰى مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَهٗ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴ اَيْ طَرِيْقِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ التَّوْحِيْدِ
وَالْهُدٰى وَالتَّاكِيْدُ بِالْقَسَمِ وَغَيْرِهٖ رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ فِيْ مُلْكِهٖ الرَّحِيْمِ ۝۵
بِخَلْقِهٖ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْقُرْاٰنُ لِتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا مُتَعَلِّقٌ بِتَنْزِيْلٍ مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ اَيْ لَمْ يُنْذَرُوْا فِيْ
زَمَنِ الْفَتْرَةِ فَهُمْ اَيِ الْقَوْمُ غٰفِلُوْنَ ۝۶ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالرُّشْدِ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ وَجَبَ عَلٰى عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اَيِ الْاَكْثَرُ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا بِاَنْ تُضَمَّ اِلَيْهَا الْاَيْدِيْ لِاَنَّ الْغُلَّ يَجْمَعُ
الْيَدَ اِلَى الْعُنُقِ فَهِيَ اَيِ الْاَيْدِيْ اِلَى الْاَذْقَانِ مَجْمُوْعَةٌ جَمْعُ ذَقَنٍ وَهُوَ مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ فَهُمْ
مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ رَافِعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَفْضَهَا وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ وَالْمُرَادُ اَنَّهُمْ لَا يُذْعِنُوْنَ لِلْاِيْمَانِ وَلَا
يَخْفِضُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَهٗ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي
الْمَوْضِعَيْنِ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹ تَمْثِيْلٌ اَيْضًا لِسَدِّ طُرُقِ الْاِيْمَانِ عَلَيْهِمْ وَسَوَآءٌ
عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ
وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ الْقُرْاٰنَ وَ
خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱ هُوَ الْجَنَّةُ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى
لِلْبَعْثِ وَنَكْتُبُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَا قَدَّمُوْا فِيْ حَيٰوتِهِمْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ وَاٰثَارَهُمْ مَا (وقف غفران)

الشنۃ بہ بعدھم وَ كُلَّ شَيْءٍ نصبہ بفعل یفسرہ اَحْصَيْنٰهُ ضبطناہ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ کتاب بین ھو اللوح المحفوظ ع ۱۲ ۱۸

ترجمہ: یٰسٓ ۝ اللہ ہی اس کی مراد سے زیادہ واقف ہے قسم ہے قرآن حکیم کی جو پکا اور عجیب نظم اور بہتری معانی والا ہے بلاشبہ آپ اے محمد پیغمبروں میں سے ہیں سیدھے راستہ پر ہیں لفظ علی کا تعلق ماقبل سے ہے وہ راستہ جو آپ سے پہلے انبیاء کا راستہ توحید وہدایت ہے اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید لانے میں کفار کے قول لست مرسلاً کی تردید مقصود ہے یہ قرآن نازل کیا گیا ہے خدا کی طرف سے جو اپنے ملک میں زبردست ہے اپنی مخلوق پر مہربان ہے یہ مبتدائے محذوف یعنی قرآن کی خبر ہے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں لِتُنْذِرَ ، تَنْزِيْلَ کے متعلق ہے جن کے کبھی باپ دادا نہیں ڈرائے گئے یعنی زمانہ فترت میں انھیں نہیں ڈرایا گیا اس لیے یہ بے خبر رہے ایمان وہدایت سے ان میں سے بہت سوں پر بات محقق ثابت ہو چکی سو اسی لیے اکثر ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کو گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں اسی طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیتے ہیں کیونکہ غل کے معنی ہاتھوں کو گردن کی طرف اکٹھا کر دینے کے ہیں اس طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیتے ہیں پھر وہ گردن پر بندھے ہوئے ہاتھ ٹھوڑیوں تک جا پہنچے ہیں اذقان ، ذقن کی جمع ہے وہ جگہ جہاں دونوں طرف کے جبڑے جا کر ملتے ہیں جس سے ان کے سر اٹھ گئے اوپر کو کھنچ گئے کہ اب نیچے کو نہیں ہو سکتے یہ تو ایک مثال ہے اور کر دی ایک آڑ اُن کے سامنے کر دیا اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی لفظ سد دونوں جگہ فتح سین اور ضمہ سین کے ساتھ ہے جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے یہ بھی کفار پر ایمان کی راہ بند کر دینے کی ایک تمثیل ہے ان کے لیے برابر ہے آپ کا ڈرانا ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرتے ہوئے اور بغیر الف کو بڑھاتے ہوئے یا نہ ڈرانا یہ ایمان نہیں لائیں گے آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں یعنی آپ کا ڈرانا مفید ہو سکتا ہے جو قرآن کی نصیحت پر چلے اور بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو اللہ کو دیکھا نہیں پھر بھی ڈرتا ہے سو آپ اس کو مغفرت اور بہترین صلہ جنت کو خوشخبری سنا دیجئے ۔ بیشک ہم مردوں کو جلائیں گے قیامت کے لیے اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے ان کے اعمال کو جو وہ پہلے کر چکے اپنی زندگی میں نیکی اور بدی تاکہ ان کو بدلہ دیا جائے اور ان کے پیچھے چھوٹنے والے اعمال بھی جن کو بعد کے لوگ اپنا اسوہ بنائیں گے اور ہر چیز کو کل شیٔ اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی بعد والا فعل تفسیر کر رہا ہے محفوظ منضبط کر دیا ہے ایک واضح کتاب میں کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ ۔

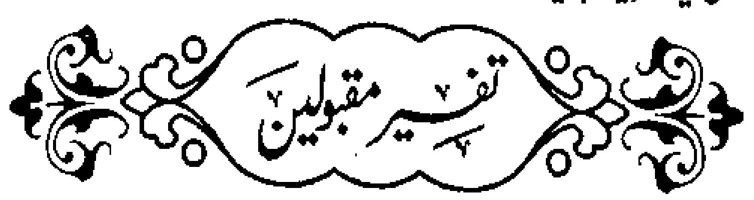
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بِمَا قَبْلَهٗ: وہ اَلْمُرْسَلِيْنَ کا لفظ ہے۔ معنی یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن کو صراط مستقیم پر بھیجا گیا ہے۔

قولہ: مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ: وہ التنزیل کا لفظ ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قولہ: مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ: یعنی ان کی آنکھوں کو بند کر دیا کہ وہ اپنے آگے پیچھے نہ دیکھتے تھے۔

قولہ: مَا اسْتُنَّ بِهٖ: عمل کیا۔ طریقہ اپنایا۔



یٰسٓ ۱

یہ سورت مکی ہے اس میں تراسی (۸۳) آیات اور پانچ (۵) رکوع ہیں۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن کا قلب (دل) فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے جس کے اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید اور رسالت اور قیامت۔ اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل اور جان ہیں نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جڑ حشر ونشر کا اقرار اور آخرت کی فکر اور تیاری ہے جو اس سورت میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل اور مکمل اور مفصل جواب دیا گیا ہے اور ایمانی حیات کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا سے ڈرتا ہو اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور اس کی فکر اور تیاری میں ہو اور ظاہر ہے کہ خوف خدا اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر ہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگانی کا دارومدار ہے جس دل کو آخرت کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ۔

دین کے اصول تین ہیں توحید اور رسالت اور قیامت۔ سورت کا آغاز رسالت کے مضمون سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید کو بیان کیا پھر اخیر میں حشر ونشر اور معاد جسمانی پر مفصل اور مدلل کلام کیا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

(ربط سورت) گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت کا مضمون تھا اور اخیر سورت میں مستکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید تھی اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ اب اس سورت کو اثبات رسالت اور مستکبرین کی تہدید سے شروع فرماتے ہیں اور حسب سابق آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان مستکبرین کے انکار اور استکبار سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ اور پھر ان مستکبرین اور مستہزئین کی تہدید اور عبرت اور نصیحت کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا پھر اخیر سورت تک اثبات توحید اور اثبات حشر ونشر کا مضمون چلا گیا جس پر دل اور روح کی زندگی کا دارومدار ہے۔

(ربط دیگر) گزشتہ سورت میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا: وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ اب اس سورت میں قسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کو بیان کیا اور لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ سے یہ بتلایا کہ کفار جس انذار کے انتظار میں تھے تو ان کے حسب انتظار ان کے انذار کے لیے یہ نبی

آ گیا ہے اب چاہئے کہ حسب وعدہ اس منذر برحق پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور منذر برحق کی تکذیب سے انذار اور تخویف کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا تا کہ اس کو منذر برحق سمجھ کر آخرت کا راستہ معلوم کریں۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

آنحضرت ﷺ کی نبوت پر قرآن حکیم سے استدلال:

دوسری آیت میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں۔ ہم اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جس لفظ پر واوٴ قسمیہ داخل ہوتی ہے، اسے قسم کہتے ہیں اور اس کے بعد کا آنے والا جملہ جوابِ قسم یا دعویٰ کہلاتا ہے۔ اور یہ قسم اپنے جوابِ قسم یا دعویٰ کے لیے دلیل ہوتی ہے۔ یہاں قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کے رسول ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ صرف قرآن کو دلیل یا گواہ کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ قرآن حکیم کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے رسول ہونے پر ایک محکم دلیل یہ ہے کہ آپ اُمّیِ محض ہیں۔ آپ کا خاندان، آپ کی قوم اور آپ کا گردوپیش از اول تا آخر اُمّی ہے۔ یعنی نہ آپ نے کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پائی اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ اور نہ آپ کی قوم میں تعلیم وتعلّم کا رواج رہا، اور نہ آپ کے ماحول میں سیکھنے سکھانے کا چلن رہا، جس سے یہ شبہ کیا جاسکتا کہ آپ جو علم و دانش اور حکمت کی باتیں قرآن کریم کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور نظام زندگی پیش کر رہے ہیں اس کا ایک فلسفہ ہے، اس میں نظم وضبط ہے، اس میں انفرادی ضرورتوں کا حل بھی ہے اور اجتماعی ضرورتوں کا بھی۔ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں مکمل ہدایات موجود ہیں۔ اور کوئی شعبہ دوسرے شعبے سے متصادم نہیں۔ اور پھر اس نظام میں آئین اور قانون بھی ہے، مکارمِ اخلاق بھی ہیں، معاشرت کے اصول بھی ہیں، معیشت کی بنیادیں بھی ہیں، سیاست کے آداب بھی ہیں، بین الاقوامی روابط بھی ہیں، عدالت کا باقاعدہ ایک ضابطہ ہے۔ غرضیکہ زندگی رواں دواں شکل میں کسی تصادم کے بغیر ہر ضرورت کو پورا کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایسی حکیمانہ تعلیم کے لیے جس طرح کے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے، جیسے اس کی ترکیب آرائی کی گئی ہے، اس میں جو فصاحت وبلاغت کارفرما دکھائی دیتی ہے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ یہ اِنَّ کی دوسری خبر ہے اور اس کا بغیر حرفِ عطف کے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم جس طرح آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے اسی طرح آپ کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی بھی گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس راہ پر عقل وفطرت کا سایہ ہے۔ اس میں کہیں اینچ پینچ نہیں۔ اس کا ہر سنگ میل واضح اور اس کی منزل متعین ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کی حکمت و دانش اور جس کی فصاحت وبلاغت کا یہ عالم ہے اور وہ ایک اُمّی شخص کی زبان سے ادا ہو رہی ہے تو ایسے اُمّی شخص کو اگر اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے بڑھ کر عقل اور فطرت کا کوڑھ اور کیا ہوگا۔ اور کج فکری اور کج روی کی اور دلیل کیا ہوگی۔

یہ بات یاد رہے کہ یہاں نہایت مؤکد انداز میں جس طرح آپ کے رسول ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز

نہیں کہ آپ کو خود اپنی رسالت سے متعلق کوئی شک تھا۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مکی زندگی میں قدم قدم پر مخالفین آپ کی نبوت اور رسالت کو چیلنج کرتے تھے۔ اور بار بار آپ کو ان کے اعتراضات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایسی صورتحال میں لازمی بات تھی کہ سورۃ یٰسٓ جیسی اہم سورۃ کے نزول کے وقت جس میں نہایت پرزور انداز میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر کیا جارہا ہے آپ کی رسالت کا اثبات کیا جاتا۔ اور وہ بھی خارجی دلائل سے نہیں بلکہ خود قرآن کریم سے، تاکہ بیک وقت ان دو بنیادی صداقتوں کو ثابت کرنے کا ذریعہ بن جاتا۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝

یہ حکمتوں بھرا کلام اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جو کہ انتہائی مہربان ہے۔ پس اس کی بے پایاں رحمتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے قرآن حکیم جیسی ابدی صداقتوں والی یہ بے مثال ولازوال کتاب اتارے۔ بھلا جس نے ہماری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے طرح طرح کی اور لاتعداد نعمتوں کو پیدا فرمایا ہے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری روحانی ضرورتوں کا کوئی انتظام نہ فرمائے جو کہ اصل بھی ہیں۔ اور جسمانی ضرورتوں سے کہیں زیادہ اہم بھی۔ سو اس خدائے عزیز ورحیم -سبحانہ وتعالیٰ- نے اسی لیے قرآن حکیم کی صورت میں اپنی یہ آخری اور کامل کتاب نازل فرمائی۔ پس اس سے منہ موڑنا اپنے آپ کو گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈالنا ہے -والعیاذ باللہ- بہر کیف حضرت حق -جل مجدہ- کی صفت رحیم کے یہاں پر ذکر فرمانے سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمادیا گیا ہے کہ تنزیل قرآن رحمت خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ومقتضیٰ ہے۔ اور یہی رحمت خداوندی سے سرفرازی کا سب سے بڑا اور واحد ذریعہ ووسیلہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہوشیار وبیدار کریں۔ جن کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا۔ وہ جاہل وغافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ منتہاء پر، نہ نیک وبد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی مدت جہالت وغفلت کی اندھیروں سے نکال کر رشد وہدایت کی صاف سڑک پر لاکھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ پوری قوت اور زور شور کے ساتھ ان کو اس غفلت وجہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح وبہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔ لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ اسی لیے ان پر شیطان پوری طرح مسلط ہوجاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کرکے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے۔ آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہوکر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات (لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ) (ص:83-82) (مخلصین کے سوا

میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہوجاتا ہے۔ باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور لاپروائی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہوسکتی ہے پس آپ کو سلسلہ انداز و اصلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کیے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کردیں۔ تقریر بالا کو سمجھنے کے لیے یہ آیات پیش نظر رکھیے۔ (۱) (وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ. وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ) (الزخرف: 37-36) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار شیطان مسلط ہوجائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کردیا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ: (فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ) (الصف: 5) (وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ) (الانعام: ۱۱۰) (ب) (وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ) (فصلت: ۲۵) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ حق علیہم القول ہے (ج) (وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ) (الاحقاف: ۱۷، ۱۸) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ حق القول ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کرلیتے ہیں۔ کیسے ہی معقول دلائل سنائیے اور کھلے کھلے نشان دکھلائیے، سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں، بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ محض ہوا و ہوس کو اپنا معبود ٹھہرالیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کردیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا نہ پینے کی قسم کھالے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہوجائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنادیتا اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے کفر و ایمان اور جنت و دوزخ کے دونوں راستے انسان کے سامنے کردیئے، اور ایمان کی دعوت کے لیے انبیاء اور کتابیں بھی بھیج دیں، پھر انسان کو اتنا اختیار بھی دے دیا کہ وہ اپنے بھلے برے کو پہچان کر کوئی رستہ اختیار کرے۔ جو بدنصیب نہ غور و فکر سے کام لے نہ دلائل قدرت میں غور کرے، نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے نہ اللہ کی

کتاب میں غور وتدبر کرے تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو حق تعالیٰ.... اسی کے سامان اس کے لیے جمع فرما دیتے ہیں، جو کفر میں لگ گیا پھر اس کے واسطے کفر بڑھانے ہی کے سامان ہوتے رہتے ہیں، یعنی ان میں سے بیشتر لوگوں پر تو ان کے سوء اختیار کی بنا پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

آگے ان کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی ہے، کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ جس کی گردن میں ایسے طوق ڈال دیئے گئے ہوں گے کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، نیچے راستہ کی طرف دیکھ ہی نہ سکے۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کھڈ میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔

دوسری مثال یہ دی کہ جیسے کسی شخص کے چاروں طرف دیوار حائل کر دی گئی ہو وہ اس چار دیواری میں محصور ہو کر باہر کی چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے، ان کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور اس پر عناد وہٹ دھرمی نے محاصرہ کر لیا ہے کہ باہر کی حق باتیں ان تک گویا پہنچتی ہی نہیں۔

امام رازی نے فرمایا کہ نظر سے مانع دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مانع تو ایسا ہوتا ہے کہ خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھ سکے، دوسرا یہ کہ اپنے گرد وپیش کو نہ دیکھ سکے۔ ان کفار کے لیے حق بینی سے دونوں قسم کے مانع موجود تھے، اسلیے پہلی مثال پہلے مانع کی ہے کہ جس کی گردن نیچے کو جھک نہ سکے وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ سکتا اور دوسری مثال دوسرے مانع کی ہے کہ گرد وپیش کو نہیں دیکھ سکتا۔ (روح)

جمہور مفسرین نے آیت مذکورہ کو ان کے کفر وعناد کی تمثیل ہی قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس کو بعض روایات کی بنا پر ایک واقعہ کا بیان قرار دیا ہے، کہ ابوجہل اور بعض دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے کا پختہ عزم کر کے آپ کی طرف بڑھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، عاجز ہو کر واپس آ گئے۔ اسی طرح کے متعدد واقعات کتب تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی، مظہری وغیرہ میں منقول ہیں، مگر وہ بیشتر روایات ضعیفہ ہیں اس پر مدار آیت کی تفسیر کا نہیں رکھا جا سکتا۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی....

بلاشبہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے آثار کو یعنی اچھے اور برے اعمال کو لکھ رہے ہیں جو وہ آگے بھیج رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو واضح کتاب یعنی لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے۔

لفظ وَاٰثَارَھُمْ اچھے برے تمام اعمال کو شامل ہے، اور اعمال کی بجائے وَاٰثَارَھُمْ کا لفظ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا (اچھا ہو یا برا) جس کا اتباع بعد کے آنے والے لوگ کرتے ہیں اور جس سے نفع حاصل کرتے رہے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو جائے، جو اپنی نماز خود پڑھی یا قرآن مجید کی تلاوت کی اس کا ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر کسی کو نماز سکھا دی، قرآن مجید پڑھا دیا، نماز پڑھنے والوں کے لیے مسجد بنا دی، کوئی دینی کتاب لکھ دی، تو یہ سب آثار میں شامل ہے جب تک فیض جاری رہے گا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یہی حال معصیتوں، بدعتوں اور بری رسوم کے جاری کرنے کا ہے، جس کسی نے یہ چیزیں جاری کر دیں بعد میں عمل کرنے والے کے گناہوں میں ان کا جاری کرنے والا بھی شریک رہے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک ان چیزوں میں جو مؤمن کو موت کے بعد پہنچتی ہیں یعنی اس کا عمل اور اس کی نیکیاں، ان میں ایک تو علم ہے جسے اس نے حاصل کیا اور پھیلایا اور اولاد صالحہ ہے جسے چھوڑ گیا یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا یا مسافر خانہ تعمیر کر گیا یا نہر جاری کر گیا یا اپنے مال سے زندگی میں اور تندرستی کے زمانے میں ایسا صدقہ نکال گیا جو مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۲۲)

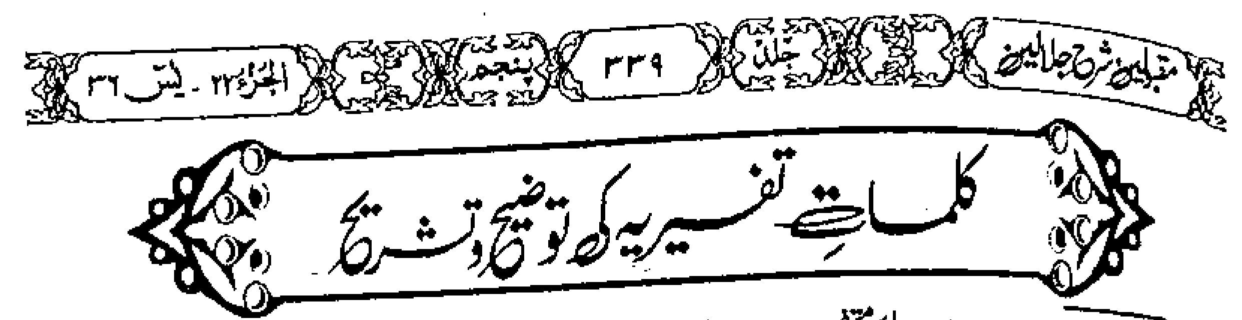
رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کسی نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے اسے ان کے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا اسے اس کا گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے عمل کا گناہ بھی اسے ملے گا اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ (رواہ مسلم)

بعض حضرات نے (وَاٰثَارَهُمْ) کے عموم میں مساجد کو جانے آنے کے نشان ہائے قدم کو بھی شمار کیا ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے آس پاس جگہیں خالی ہوگئیں تو قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے دور والے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی کے قریب آباد ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو ارشاد فرمایا کہ اے بنی سلمہ تم اپنے گھروں ہی میں ٹھہرے رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸ از مسلم)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ مَّثَلًا مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ اَصْحٰبَ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ الْقَرْيَةِ م اِنْطَاكِيَةَ اِذْ جَآءَهَا اِلٰى اٰخِرِهٖ
بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ اَصْحَابِ الْقَرْيَةِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَیْ رُسُلُ عِيْسٰى اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ وقف لازم
فَكَذَّبُوْهُمَا اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلٌ مِنْ اِذِ الْاُوْلٰى الخ فَعَزَّزْنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ قَوَّيْنَا الْاِثْنَيْنِ بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا
اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ جَارٍ مَجْرَى الْقَسَمِ وَزِيْدَ التَّاكِيْدُ بِهٖ وَبِاللَّامِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ لِزِيَادَةِ الْاِنْكَارِ
فِیْ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ اَلتَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ الْوَاضِحَةِ
وَهِیَ اِبْرَاءُ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَالْمَرِيْضِ وَاِحْيَاءُ الْمَيِّتِ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا تَشَاءَمْنَا بِكُمْ ۚ لِانْقِطَاعِ
الْمَطَرِ عَنَّا بِسَبَبِكُمْ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ بِالْحِجَارَةِ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ مُؤْلِمٌ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ هَمْزَةُ اِسْتِفْهَامٍ دَخَلَتْ عَلٰى اِنِ الشَّرْطِيَّةِ وَفِیْ
هَمْزَتِهَا التَّحْقِيْقُ وَالتَّسْهِيْلُ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُخْرٰى ذُكِّرْتُمْ ۭ وُعِظْتُمْ وَخُوِّفْتُمْ

وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَیْ تَطَیَّرْتُمْ وَکَفَرْتُمْ وَھُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْھَامِ وَالْمُرَادُ بِہٖ التَّوْبِیْخُ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِشِرْکِکُمْ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ ھُوَ حَبِیْبُ النَّجَّارِ کَانَ قَدْ اٰمَنَ بِالرُّسُلِ وَمَنْزِلُہٗ بِاَقْصَی الْبَلَدِ یَّسْعٰی یَشْتَدُّ عَدْوًا لِمَا سَمِعَ بِتَکْذِیْبِ الْقَوْمِ الرُّسُلَ قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا تَاکِیْدٌ لِلْاَوَّلِ مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ عَلٰی رِسَالَتِہٖ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور آپ بیان کیجئے ان لوگوں سے ایک قصہ مفعول اول ہے اور ایک شہر انطاکیہ والوں کا یہ مفعول ثانی ہے جب کہ یہ عبارت اصحاب القریہ سے بدل اشتمال واقع ہے آئے وہاں پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے قاصد جس وقت ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا یہ پہلے اذ سے بدل واقع ہے پھر ہم نے ان دونوں کی تیسرے شخص کے ذریعہ تائید کی لفظ فَعَزَّزْنَا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے یعنی ہم نے ان دونوں پیغمبر کو تیسرے پیامبر سے مضبوط کر دیا سو وہ پیامبر بولے کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں بستی والوں نے جواب دیا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور ''رحمٰن'' نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم ہی بس جھوٹ بول رہے ہو پیامبر بولے ہمارے پروردگار کو علم ہے یہ جملہ قسم کے قائمقام ہے ماقبل کے مقابلہ میں اس جملہ میں قسم اور لام کے ذریعہ زیادتی تاکید زیادتی انکار کی وجہ سے ہے بلاشبہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو بس واضح طور پر پہونچا دینا تھا تبلیغ کا کھلا ہوا ہونا دلائل واضح کی وجہ سے ہے اور وہ کوڑھیوں، جذامیوں، بیماروں کا علاج اور مردہ کو زندہ کر دینا ہے بستی والے کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس بد بخت سمجھتے ہیں کیونکہ تمہاری وجہ سے بارش ہی ختم ہوگئی ہے تم اگر باز نہ آئے لام برائے قسم ہے تو ہم تم پر پتھراؤ کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے اذیت ناک عذاب ہوگا پیامبروں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست بدبختی تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا تمہیں اگر ان شرطیہ پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور اس ہمزہ میں تحقیق و تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں پھر ان دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل کر کے نصیحت کی جائے وعظ کہا جائے ڈرایا جائے جواب شرط محذوف ہے یعنی تم پھر بھی منحوس سمجھتے ہو اور کفر پر اتر آتے تو جواب شرط محل استفہام ہے مراد اس سے توبیخ ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو شرک کر کے حد سے بڑھ جانے والے ہو اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور دراز مقام سے آیا یعنی حبیب نجار جو ان پیامبروں پر یقین رکھتا تھا اور اسکا مکان شہر کے کنارے پر تھا دوڑتا ہوا تیز بھاگا ہوا آیا جب اس کو معلوم ہوا کہ قوم ان پیامبروں کو جھٹلا رہی ہے تو بولا اے میری قوم ان پیامبروں کی راہ پر چلو اتَّبِعُوْا اول کی تاکید کے لیے ہے جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے پیغام رسانی پر اور وہ خود راہ ہدایت پر بھی ہیں تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو ان کے دین پر ہے تو اس نے جواب دیا۔



قوله: وَاضْرِبْ: یہ جعل کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ انہی کے قول میں سے ان اشیاء کو ان کے لیے بطور مثال کے ایک انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔

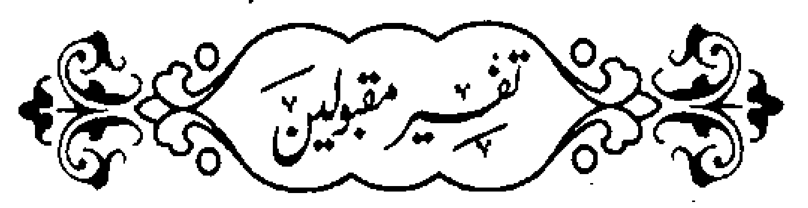
قوله: مَفْعُوْلٌ ثَانٍ: حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی اجعل مثل اصحاب القریۃ مثال۔ اصحاب قریہ کی طرح ان کے لیے بیان کرو۔

قوله: رُسُلُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام: یہ عیسیٰؑ کے فرستادہ تھے۔ ارسلنا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے فعل رسول کو اپنا فعل قرار دیا۔

قوله: اثْنَیْنِ: ان کے اسماء یحییٰؑ اور یونسؑ تھے۔

قوله: بِثَالِثٍ: یہ شمعونؑ تھا۔

قوله: شُؤْمُکُمْ: یعنی تمہارے عقیدے کی نحوست تو تمہارے ساتھ ہی ہے۔



وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ....

ایک بستی میں پیامبروں کا پہنچنا اور بستی والوں کا معاندانہ طریقہ پر گفتگو کرنا:

ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ایک بستی (جس کا نام مفسرین نے انطاکیہ بتایا ہے) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرستادہ گئے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں نبی نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے آدمی تھے جو انہوں نے اپنے حوارین میں سے بھیجے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول نے انہیں بھیجا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی اور اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حضرات مستقل نبی تھے، پہلے دو حضرات تشریف لے گئے اور انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ہماری بات سنو دین اسلام قبول کرو اور توحید پر آؤ، یہ بات سن کر بستی والوں نے انہیں جھٹلا دیا اور کہا کہ نہیں تم لوگ اللہ کے رسول نہیں ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے آدمی کو بھیجا جس کے ذریعہ پہلے دو آدمیوں کی تائید کرنا مقصود تھا، اب ان تینوں نے مل کر وہی بات کہی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ایمان لاؤ توحید کو قبول کرو، بستی والوں نے کہا کہ تم کو کیسے اللہ کا فرستادہ مانیں تم تو ہمارے ہی جیسے ہو تم میں ایسی کونسی فضیلت کی بات ہے جس کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنائے گئے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے ہم اسے نہیں مانتے، ہمارے نزدیک تو رحمٰن نے تم پر کچھ بھی

نازل نہیں فرمایا تم جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

ان تینوں حضرات نے کہا کہ تم مانو یا نہ مانو ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تمہارے نہ ماننے سے ہمارے کام پر کچھ اثر نہیں پڑتا، ہم نتیجہ کے مکلف نہیں ہیں ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان کریں ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے، بستی والے کہنے لگے کہ تمہارا آنا تو ہمارے لیے منحوس ہوگیا، ایک تو تمہارے آنے سے ہمارے اندر دو فرقے ہوگئے کوئی تمہارا مخالف اور منکر ہے اور کوئی تمہارا موافق ہے (اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں کے انکار کی وجہ سے بطور عذاب بعض چیزوں کا وقوع ہوگیا تھا اس کو انہوں نے نحوست بتایا) گاؤں والوں نے مزید کہا کہ تم اپنی باتیں بس کرو اگر باز نہ آئے تو تمہاری خیر نہیں اگر تم نے اپنی باتیں نہ چھوڑیں تو ہم پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیں گے اور اس کے علاوہ بھی ہم تمہیں سخت تکلیف پہنچائیں گے۔

ان تینوں حضرات نے کہا کہ تم نحوست کو ہماری طرف منسوب کر رہے ہو، تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے نہ تم کفر پر جمے رہتے نہ پھوٹ پڑتی نہ کوئی اور تکلیف آتی کرتوت تمہارے ہیں اور ان کا نتیجہ ہمارے ذمہ لگا رہے ہو، ہم نے تو اتنا ہی کیا ہے کہ تمہیں توحید کی دعوت دی ہے اور ایمان قبول کرنے کو کہا ہے اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے نحوست کا سبب بنالیا جائے۔ (قال صاحب الروح ائن ذکرتم و وعظتم مافیه سعادتکم تطیرون او تتوعدون او نحو ذلک ویقدر مضارع وان شئت قدرت ماضیا کتطیرتم) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کیا اس لیے کہ تمہیں اس چیز کی وعظ و نصیحت کی گئی ہے جس میں تمہاری کامیابی ہے تم نحوست کی فال لیتے ہو یا یہ کہ تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو یا اس جیسی کوئی اور عبارت محذوف ہوسکتی ہے۔ اور فعل محذوف مضارع بھی مانا جاسکتا ہے اور اگر چاہو تو ماضی مان لو جیسے تطیرون کی جگہ تطیرتم)

ان تینوں حضرات نے آخر میں فرمایا: بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے ہو تمہارا حد سے آگے بڑھنا یعنی کفر پر جمے رہنا ان چیزوں کا سبب ہے جنہیں ہماری آمد کی نحوست بتا رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلام میں نحوست کوئی چیز نہیں ہے، تینوں حضرات نے جو یہ فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، یہ ان کے جواب میں (علی سبیل المشاکله) فرمایا، کفر کی وجہ سے جو ان لوگوں کی کچھ گرفت ہوئی تھی اسے انہوں نے نحوست بتا دیا، تینوں حضرات نے ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الطیرة شرك) یعنی بدشگونی شرک ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۹)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝

مذکورہ بستی کے باشندوں میں سے ایک شخص کا پیامبروں کی تصدیق کرنا اور بستی والوں کو توحید کی تلقین کرنا:

تینوں حضرات بستی والوں کو ہدایات دے رہے تھے اور وہ لوگ ان حضرات سے الجھ رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ تمہارا آنا ہمارے لیے نحوست کا سبب ہے، یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک شخص اس بستی کی ایک جانب سے جو بہت دور تھی

دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا اس نے تینوں حضرات کی تائید کی اور بستی والوں سے کہا کہ اے میری قوم یہ حضرات ٹھیک فرما رہے ہیں، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تم ان کی بات مان لو اور ان کا اتباع کرو، یہ حضرات ایک تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں دوسرے تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتے تیسرے یہ خود ہدایت پر ہیں، ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہے۔ (لہٰذا ان کا اتباع تم پر لازم ہے۔)

چونکہ اس بستی کے لوگ مشرک تھے اس لیے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس شخص نے مزید کہا: (ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً) (الآیتین) (کیا میں اپنے پیدا کرنے والے کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کرلوں) یہ جو تم نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں وہ تو بالکل ہی بے حقیقت ہیں اگر رحمٰن تبارک وتعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اس کی بارگاہ میں سفارش کرکے میری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور نہ خود مجھے اس ضرر سے چھڑا سکتے ہیں، یعنی نہ تو یہ شفاعت کے اہل ہیں اور نہ خود ان میں کوئی قوت اور طاقت ہے، اگر رحمان جل مجدہٗ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں تو میں کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔ (یہ سب باتیں اس دور سے آنے والے آدمی نے اپنے اوپر رکھ کر کہیں اور انہیں بتادیا کہ تم لوگ مشرک ہو، کھلی گمراہی میں ہو اور خالق جل مجدہٗ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے۔)

وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ خلقنی ای لا مانع لی من عبادته الموجود مقتضیها وانتم کذلك
وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ بعد الموت فیجازیکم بکفرکم ءَاَتَّخِذُ فی الهمزتین منه ماتقدم فی ء
انذرتهم وهو استفهام بمعنی النفی مِنۡ دُوۡنِهٖۤ ای غیره اٰلِهَةً اصناما اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا
تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ التی زعمتموها شَیۡئًا وَّ لَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ صفة اٰلهة اِنِّیۡۤ اِذًا ان عبدت
غیر الله لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ بین اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾ ای اسمعوا قولی فرجموه فمات
قِیۡلَ له عند موته ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ وقیل دخلها حیا قَالَ یٰلَیۡتَ حرف تنبیه قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا
غَفَرَ بغفرانه لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ نافیة اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ ای حبیب مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بعد
موته مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ ای ملائکة لاهلاکهم وَ مَا کُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۸﴾ ملائکة لاهلاك احد اِنۡ ما
کَانَتۡ عقوبتهم اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً صاح بهم جبریل فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ ساکتون میتون یٰحَسۡرَةً
عَلَی الۡعِبَادِ ۚ هؤلاء ونحوهم ممن کذبوا الرسل فاهلکوا وهی شدة التألم ونداؤها مجاز ای هذا
اوانك فاحضری مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾ مسوق لبیان سببها لاشتماله
علی استهزائهم المؤدی الی اهلاکهم المسبب عنه الحسرة اَلَمۡ یَرَوۡا ای اهل مکة القائلون للنبی
لست مرسلا والاستفهام للتقریر ای علموا کَمۡ خبریة بمعنی کثیر معمولة لما بعدها معلقة لما
قبلها عن العمل والمعنی انا اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ کثیرا مِّنَ الۡقُرُوۡنِ الامم اَنَّهُمۡ ای المهلکین اِلَیۡهِمۡ ای
المکیین لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ افلا یعتبرون بهم وانهم الی اٰخره بدل مما قبله برعایة المعنی المذکور وَ
اِنۡ نافیة او مخففة کُلٌّ ای کل الخلائق مبتدأ لَّمَّا بالتشدید بمعنی الا وبالتخفیف فاللام فارقة وما
ع مزیدة جَمِیۡعٌ خبر المبتدأ ای مجموعون لَّدَیۡنَا عندنا فی الموقف بعد بعثهم مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۲﴾ للحساب
خبر ثان

ترجمہ: اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں، اس کی جس نے مجھے بنایا، پیدا کیا، یعنی اس کی بندگی کرنے سے میرے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جس کی عبادت کا مقتضی بھی موجود ہے، اور تمہارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے، اور تم سب کو اسی کی طرف

لوٹ کر جاتا ہے، مرنے کے بعد، لہٰذا وہ تم کو بدلہ دے گا ایسے ہی جیسے دوسروں کو، ءَ تخذ دونوں ہمزاؤں میں وہی قراءتیں ہیں جو ءَ اَنذرتھم میں گذر چکی ہیں اور استفہام نفی کے معنی میں ہے کیا میں خدا کو چھوڑ کر اس کے غیر یعنی بتوں کو معبود بناؤں اگر خدا میرے حق میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہ دے جس کو تم توقع رکھتے ہو اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں یہ اٰلِهَةً کی صفت ہے اگر میں ایسا کروں یعنی اگر میں غیر اللہ کی بندگی کرنے لگوں، تو بلاشبہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا، سو میری طرف دھیان دو یعنی میری بات سنو، تو ان لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا تو وہ مر گیا انتقال کے وقت اس کو حکم دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زندہ ہی جنت میں داخل ہو گیا تو اس نے کہا کاش میری قوم کو میرے پروردگار کی طرف سے میری مغفرت کا اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کرنے کا علم ہو جاتا، اور ہم نے اس حبیب نجار کی قوم پر آسمان سے اس کے مرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم کو کسی کے ہلاک کرنے کے لیے ملائکہ کو اتارنے کی ضرورت تھی۔ ما نافیہ ہے، ان کی سزا تو صرف ایک چیخ تھی، جو ان پر جبرئیل نے ماری سو وہ اچانک بجھ کر رہ گئے یعنی خاموش مردہ ہو کر رہ گئے، ان کافر بندوں پر اور ان جیسے ان لوگوں پر افسوس ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی وہ ہلاک کر دیئے گئے اور یہ حسرت شدت تالم کی وجہ سے ہے اور ندائے حسرت مجازی ہے یعنی اے حسرت یہ تیرے آنے کا وقت ہے لہٰذا تو حاضر ہو جا ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا کہ اس کا مذاق نہ اڑایا ہو، کلام حسرت کے سبب کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کلام کے استہزاء پر دلالت کرنے کی وجہ سے جو ان کی ہلاکت تک پہنچانے والا ہے جو حسرت کا مسبب عنہ یعنی سبب ہے، کیا ان اہل مکہ کو جو نبی کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور وہ ہلاک ہونے والے ان کے اہل مکہ کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے، کیا یہ لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہاں استفہام تقریری ہے یعنی ان کو معلوم ہے کم خبریہ ہے کہ کثیراً کے معنی میں ہے اور اپنے مابعد کی رعایت کے ساتھ ماقبل سے بدل واقع ہے اور اَنَّا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ قَبْلَهُمْ كَثِيرًا کے معنی میں ہے اور سب کے سب محشر میں زندہ کرنے کے بعد ہمارے روبرو حساب کے لیے حاضر کئے جائیں گے ان نافیہ ہے یا مخففہ ہے کل یعنی تمام مخلوق مبتدا واقع ہے لما تشدید کے ساتھ الا کے معنی میں ہے یا تخفیف کے ساتھ اور لام فارقہ ہے اور ما زائدہ، جمیع مبتداء کی خبر ہے اور مجموعون کے معنی میں ہے مُحْضَرُوْنَ ۝ لِلْحِسَابِ خبر ثانی ہے۔

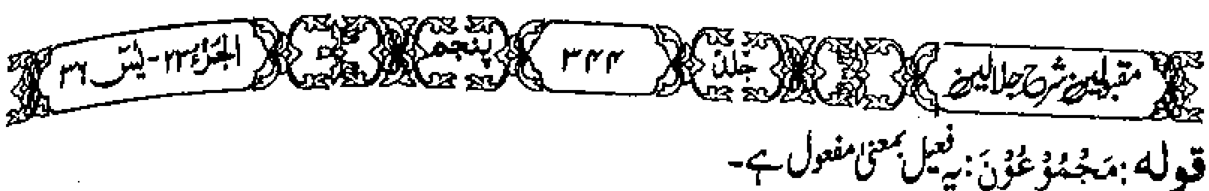
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَا يُنْقَذُوْنِ: چھٹکارا دلانا۔

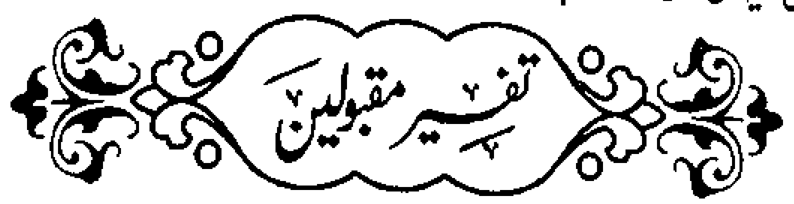
قوله: يٰلَيْتَ: اس نے اپنی قوم کے متعلق جاننے کی تاکہ وہ ان کو توبہ و ایمان کی طرف مائل کرلے۔

قوله: مَلٰٓئِكَةِ: ان کو ہلاک کرنے کے لیے جب بدر و خندق میں اترے، یہ آپ کی تکریم و تشریف کے لیے اتارے۔

قوله: لِمَا بَعْدَهَا مُعَلَّقَةٌ: تعلیق افعال قلوب کی خصوصیات سے ہے، ان کا لفظاً عمل باطل ہو جاتا ہے۔



قولہ: مَجْمُوْعُوْنَ: یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔



وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس کے بعد اس شخص نے ان لوگوں کو عبادت خداوندی کی دعوت دی اور اپنے اوپر بات رکھ کر کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات پاک کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ جس نے پیدا کیا وہی عبادت کا مستحق ہے، جب پیدا فرمانا استحقاق عبودیت کی دلیل ہوا تو ضروری ہے کہ تم بھی اللہ ہی کی عبادت کرو میں بھی اسی کی عبادت کروں، اسی لیے آخر میں (وَالیہ ارجع) (اور میں اسی کی طرف لوٹایا جاؤں گا) نہیں کہا بلکہ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ (اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) کہا۔ جب اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس نے پیدا کیا تو اس کی عبادت چھوڑنا یا دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرنا یہ تو بالکل ہی حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنے دین توحید کا کھل کر اعلان کر دیا کہ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ (بلاشک وشبہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے اس اعلان کو سن لو) اس اعلان میں (بِرَبِّیْ) نہیں کہا بلکہ (بِرَبِّكُمْ) کہا جس میں انہیں تنبیہ کردی اور یہ بتا دیا کہ جو تمہارا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے، دوسرے یہ بتایا کہ تم اسی کی طرف واپس جاؤ گے، تیسرے یہ بتایا کہ تم نے جو اس کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں بے حقیقت ہیں، چوتھے یہ بتایا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو، اور پانچویں یہ بتا دیا کہ میں نے یہی دین اختیار کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کروں تم بھی یہ دین اختیار کرلو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے یہ باتیں کہیں تو وہ لوگ یکبارگی اس پر پل پڑے اور اسے قتل کر دیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اسے پاؤں سے اتنا روندا کہ اس کی آنتیں نکل پڑیں۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ

اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان اور دعوت توحید اور شہادت کا انعام دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا۔

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ جنت میں داخل ہو کر اس شخص نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ میری قوم کو اس کا پتہ چل جاتا جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور جو مجھے معزز بندوں میں شامل فرمایا (یہ بات اس نے آرزو کے طور پر کہی کہ میری قوم کو اللہ کے انعام کا پتہ چل جاتا تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے۔)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بستی والوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا جو بستی کے آخر والے حصہ سے آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کے ہلاک کرنے کا حکم دیا انہوں نے وہاں زور سے ایک چیخ ماری جس کی وجہ سے وہ سب لقمہ اجل بن گئے، ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ (اور ہم نے اس شخص کی قوم پر اس کے

بعد آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور ہم لشکر نازل کرنے والے نہ تھے وہ تو صرف ایک چیخ تھی سو اچانک وہ بجھ کر رہ گئے)
یعنی مذکورہ بستی والے جو ہلاک کردیئے گئے۔ ان کی ہلاکت کے لیے ہمیں کوئی لشکر اور جماعت کبیرہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی بس ایک چیخ ہی کے ذریعے ہلاک کردیئے گئے۔ اس میں عبرت ہے دوسرے منکرین و مکذبین کے لیے، کوئی فرد یا جماعت یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا اگر وہ انتقام لینا چاہے گا تو العیاذ باللہ اسے دشواری نہ ہوگی نہ اسے کوئی لشکر بھیجنا پڑے گا۔ وہ تو قادر مطلق ہے، اس کے صرف کن کے خطاب سے سب کچھ ہوجاتا ہے جو چیخ بھیجی اس کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں ایک چیخ کے ذریعے ہلاک کردیا جائے، ایک چیخ آئی اور یہ لوگ بجھے ہوئے رہ گئے، بڑے غرور اور طمطراق میں بھرے ہوئے تھے نہ خود رہے نہ جماعت رہی نہ غرور رہا، بالکل ایسے ہوگئے جیسے آگ کسی لکڑی کو بجھا کر راکھ بنادے۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ جو فرمایا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے اس شخص کو انہیں میں شامل فرمادیا اور اسے مزید یہ فضیلت دی کہ وقوع قیامت کا انتظار نہیں کرایا گیا ابھی سے جنت میں داخل کردیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (کما قال النبی ﷺ لقد رأیت رجلاً یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذی الناس) (رواہ مسلم ص ۳۲۸) (جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایک آدمی کو آزادی سے پھرتے دیکھا جس نے راستہ سے لوگوں کو تکلیف دینے والا درخت کاٹا۔)
اور بعض حضرات نے (و) کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے محض بشارت دینا مقصود ہے اور جنت کا داخلہ قیامت کے دن اپنے وقت پر ہوگا، اگر یہ قول مراد لیا جائے تو (قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ) کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ موت کے بعد ہی برزخ میں جو حسن سلوک ہوا اسی سے متاثر ہو کر اس نے یہ بات کہی۔ (وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ)
اور (مَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ) کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بستی کے ہلاک کرنے کے لیے ہم فرشتوں کو اتارنے والے نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ تعذیب اور ہلاکت کے لیے فرشتے نہیں آتے، اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اتار دیتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر میں فرشتے نازل کیے گئے اور کبھی نہیں اتارتے مختلف طریقوں سے ہلاک کیا گیا۔

(قال صاحب روح (ج ۲۳: ص ۲) والظاهر ان المراد بهذا الجند جند الملئكة ای ما انزلنا لاهلاكهم ملاۗئكة مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا منزلين وما صح فی حكمتنا ان ننزل الجند لاهلاكهم لما انا قدرنا لكل شیء سبباً حیث اهلكنا بعض من اهلكنا من الأمم بالحاصب وبعضهم بالصيحة وبعضهم بالخسف و بعضهم بالاغراق وجعلنا انزال الجند من خصائصك فی الانتصار لك من قومك وكفينا امر هؤلاء بصيحة ملك صاح بهم فهلكوا۔ یعنی ان ذلك الرجل خوطب بذلك) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس لشکر سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتارتے اور نہ ہی ہم فرشتے اتارنے والے تھے کہ ہماری حکمت میں ان کی ہلاکت کے لیے فرشتوں کا اتارنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے ہر چیز کے لیے سبب مقرر کیا ہے جیسا کہ بعض قوموں کو ہم نے پتھر برسا کر ہلاک کیا بعض کو چیخ سے بعض کو زمین میں دھنسا کر

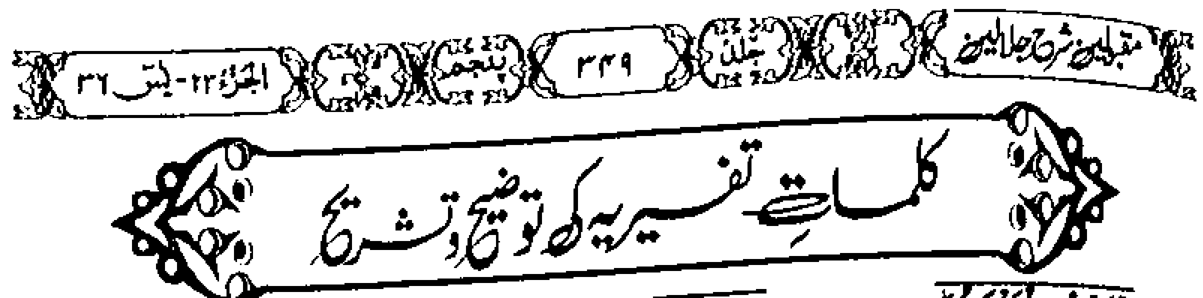
بعض کو پانی میں غرق کر کے ہلاک کیا فرشتے نہیں اتارے، لیکن اب یہ تیری قوم میں تیری مدد کے لیے فرشتوں کا اترنا تیری خصوصیات میں سے ہے۔ اور ہم نے ان کے لیے ایک فرشتہ کی چیخ کو کافی کر دیا فرشتے نے چیخ ماری اور یہ سب ہلاک ہو گئے۔ یعنی اس آدمی سے خطاب کر کے یہ کہا گیا۔)

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ عَلَى الْبَعْثِ خَبَرٌ مُقَدَّمٌ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَحْيَيْنٰهَا بِالْمَاءِ مُبْتَدَأٌ وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا كَالْحِنْطَةِ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ اَیْ بَعْضَهَا لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ بِفَتْحَتَيْنِ وَ بِضَمَّتَيْنِ اَیْ ثَمَرِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ النَّخِيْلِ وَغَيْرِهٖ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَیْ لَمْ تَعْمَلِ الثَّمَرَ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ اَنْعُمَهٗ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الْاَصْنَافَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنَ الْحُبُوْبِ وَغَيْرِهَا وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ مِنَ الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْغَرِيْبَةِ الْعَجِيْبَةِ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ عَلَى الْقُدْرَةِ الْعَظِيْمَةِ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ نَفْصِلُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ دَاخِلُوْنَ فِی الظَّلَامِ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ اَلَخْ مِنْ جُمْلَةِ الْاٰيَةِ لَهُمْ اَوْ اٰيَةٌ اُخْرٰى وَالْقَمَرُ كَذٰلِكَ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ اَیْ اِلَيْهِ لَا يَتَجَاوَزُهٗ ذٰلِكَ جَرْيُهَا تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ فِیْ مُلْكِهٖ الْعَلِيْمِ ۝ بِخَلْقِهٖ وَ الْقَمَرَ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ مَا بَعْدَهٗ قَدَّرْنٰهُ مِنْ حَيْثُ سَيْرُهٗ مَنَازِلَ ثَمَانِيَةً وَ عِشْرِيْنَ مَنْزِلًا فِیْ ثَمَانٍ وَ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَ يَسْتَتِرُ لَيْلَتَيْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا وَلَيْلَةً اِنْ كَانَ تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا حَتّٰى عَادَ فِیْ اٰخِرِ مَنَازِلِهٖ فِیْ رَأْیِ الْعَيْنِ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ اَیْ كَعُوْدِ الشَّمَارِيْخِ اِذَا عَتَقَ فَاِنَّهٗ يَدِقُّ وَيَتَقَوَّسُ وَيَصْفَرُّ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِیْ يَسْهُلُ وَيَصِحُّ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فَتَجْتَمِعُ مَعَهٗ فِی اللَّيْلِ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ فَلَا يَاْتِیْ قَبْلَ انْقِضَائِهٖ وَ كُلٌّ تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ فِیْ فَلَكٍ مُسْتَدِيْرٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ يَسِيْرُوْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ عَلٰى قُدْرَتِنَا اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ ذُرِّيَّاتِهِمْ اَیْ اٰبَاءَهُمُ الْاُصُوْلَ فِی الْفُلْكِ اَیْ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ الْمَشْحُوْنِ ۝ الْمَمْلُوْءِ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ اَیْ مِثْلِ فُلْكِ نُوْحٍ وَهُوَ مَا عَمِلُوْهُ عَلٰى شَكْلِهٖ مِنَ السُّفُنِ الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ بِتَعْلِيْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا

يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْهِ وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ مَعَ اِيْجَادِ السُّفُنِ فَلَا صَرِيْخَ مُغِيْثَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾
يُنْجَوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ اَیْ لَا يُنْجِيْهِمْ اِلَّا رَحْمَةً مِنَّا لَهُمْ وَ تَمْتِيْعُنَا اِيَّاهُمْ بِلَذَّاتِهِمْ
اِلٰى اِنْقِضَاءِ اٰجَالِهِمْ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا كَغَيْرِكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ
مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَعْرَضُوْا وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَ اِذَا قِيْلَ اَیْ قَالَ فُقَرَاءُ الصَّحَابَةِ لَهُمْ اَنْفِقُوْا عَلَيْنَا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ مِنَ الْاَمْوَالِ قَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ فِیْ مُعْتَقَدِكُمْ هٰذَا اِنْ مَا
اَنْتُمْ فِیْ قَوْلِكُمْ لَنَا ذٰلِكَ مَعَ مُعْتَقَدِكُمْ هٰذَا اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾ بَيِّنٍ وَ التَّصْرِيْحُ بِكُفْرِهِمْ مَوْقِعٌ
عَظِيْمٌ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بِالْبَعْثِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ فِيْهِ قَالَ تَعَالٰى مَا يَنْظُرُوْنَ يَنْتَظِرُوْنَ
اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً وَهِیَ نَفْخَةُ اِسْرَافِيْلَ الْاُوْلٰى تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ بِالتَّشْدِيْدِ اَصْلُهٗ
يَخْتَصِمُوْنَ نُقِلَتْ حَرَكَةُ التَّاءِ اِلَى الْخَاءِ وَاُدْغِمَتْ فِی الصَّادِ اَیْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ عَنْهَا بِتَخَاصُمٍ وَ تَبَايُعٍ
وَاَكْلٍ وَ شُرْبٍ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ يَخْصِمُوْنَ كَيَضْرِبُوْنَ اَیْ يَخْصِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً اَیْ بِاَنْ يُّوْصُوْا وَّ لَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾ مِنْ اَسْوَاقِهِمْ وَاَشْغَالِهِمْ بَلْ ع ۳ ۱۸ ۲
يَمُوْتُوْنَ فِيْهَا

ترجمہ: اور ایک نشانی ان لوگوں کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر یہ خبر مقدم ہے۔ مردہ زمین ہے لفظ المیتۃ اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے ہم نے اس کو زندہ کیا پانی سے یہ مبتداء ہے اور ہم اس سے غلے نکالے گیہوں سو ان میں سے کچھ لوگ کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ چمن نکالے اور اس میں ہم نے بعض چشمے بہائے تا کہ باغوں کے پھلوں میں سے کھائیں ثمر ثا اور میم دونوں کے فتحہ، دونوں کے ضمہ کے ساتھ یعنی کھجور وغیرہ، مذکورہ پھل اور ان کے ہاتھوں نے نہیں اگایا یعنی پھلوں کو نہیں بنایا تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے خدا تعالیٰ نے ان پر جو نعمتیں فرمائی ہیں پاک ہے وہ ذات نے طرح طرح کے قسموں کے کل پھل پیدا کئے زمین کی نباتات سے بھی غلے وغیرہ اور آدمیوں میں سے بھی مرد وعورت اور ان چیزوں میں سے جن کو لوگ نہیں جانتے، عجیب وغریب مخلوقات اور ایک نشانی لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت عظیم پر رات ہے کہ اس پر سے دن کو اتار لیتے الگ کر لیتے ہیں سو یکایک لوگ اندھیر میں رہ جاتے ہیں تاریکی میں چلے جاتے ہیں اور سورج گردش کرتا رہتا ہے یہ بھی لوگوں کے لیے منجملہ نشانیوں کے ہے یا مستقل نشانی ہے اور یہی حال چاند کا ہے اپنے محور کی جانب اس سے

منحرف نہیں ہوسکتا یہ رفتار نشانہ مقرر کیا ہوا ہے ایک زبردست طاقتور زمین پر واقف کار کا مخلوق سے اور چاند کے لیے رفع نصب کے ساتھ یہ بعد میں آنے والے اس فعل سے منصوب ہے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے مقرر کی ہیں منزلیں اس کی چال کے حساب سے ۲۸ درجے ہر ماہ کی ۲۸ راتیں اور مہینہ اگر تیس ۳۰ کا ہو تو دو روز تک اور انتیس ۲۹ کا ہو تو ایک دن رات نظر نہیں آئے گا یہاں تک کہ رہ جاتا ہے اخیر درجوں میں دکھائی پڑتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی کھجور کی شاخ جب پرانی ہو کر سوکھ جائے وہ کمان کی طرح پتلی بھی ہو جاتی ہے اور زرد بھی پڑ جاتی ہے نہ سورج کی یہ مجال ہے آسان اور لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور رات میں دونوں اکٹھے جائیں اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے تاوقتیکہ دن ختم ہو رات نہیں آتی، اور دونوں میں سے ہر ایک تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی سورج چاند ستارے اپنے اپنے مدار دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں رواں دواں رہتے ہیں الفاظ میں ان کو ذوالعقول کے درجے میں لیا گیا ہے اور ایک نشانی ہماری قدرت کی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو سوار کیا ایک قراءت میں ذریاتھم ہے یعنی ان کے آباؤ اجداد اصول کشتی نوح میں جو لدی بھری ہوئی تھی اور ہم نے ان کے لیے کشتی ہی جیسی اور چیزیں پیدا کیں کشتی نوح کی طرح معنی اس کے ہم شکل چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز اللہ کی تعلیم سے انھوں نے بنائے جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں باوجود کشتیاں ایجاد کرنے کے تو ان کو ڈبو دیں پھر نہ تو کوئی فریاد رس ہو ان کے لیے اور نہ یہ خلاصی رہائی دیئے جائیں مگر یہ ہماری مہربانی ہے اور ان کو ایک مقررہ وقت تک نفع پہنچانا ہے یعنی کشتیوں سے پار نہیں لگ سکتے ہیں بجز ہماری رحمت کے البتہ ہم ان کی عمریں پوری ہونے تک انھیں لذت اندوز ہونے کا موقع دے رہے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو دنیا میں تمہارے اور اوروں کے سامنے ہے اور تمہارے بعد آخرت میں ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے تو وہ بے رخی اختیار کر لیتے ہے اور ان کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسا نہیں آتی جس سے یہ روگردانی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے فقراء صحابہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ تم کو مال دیا ہے اس میں سے ہم پر خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے پھبتیاں کستے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اللہ اگر چاہے تو کھانا دے سکتا ہے تمہارے عقیدہ کے مطابق تم لوگ اسی عقیدہ کے ساتھ اس طرح کی باتیں کہنے میں کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور ان کے کفر کی صراحت میں موقع عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو اس وعدہ کے بارے میں ارشاد ہے یہ لوگ منتظر ہیں بس ایک چیخ کے اسرافیل علیہ السلام کا پہلا صور پھونکنا مراد ہے جو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تشدید کے ساتھ، یہ اصل میں یختصمون تھا تاء کی حرکت منتقل کر دی گئی اور صاد میں ادغام کر دیا گیا یعنی وہ قیامت کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لڑائی جھگڑے، خرید و فروخت اور کھانے پینے وغیرہ کی صورت میں، اور ایک قراءت میں یخصمون بوزن یضربون ہے۔ یعنی باہم دست و گریباں ہوں گے سو نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی کہ ایک دوسرے کو کہیں اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے۔ بازاروں اور کام دھندے سے واپسی نہیں ہوگی بلکہ وہیں دم توڑ رہے ہوں گے۔



قوله: اَلْاَرْضُ الْمَيْتَةُ: یہ مبتداء ہے اور اَحْيَيْنٰهَا یہ جملہ اس کی صفت۔ اَلْاَرْضُ سے کوئی مخصوص زمین مراد نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکماً نکرہ ہے۔

قوله: مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ: نَخِيْلٍ مذکر ہے۔ یہ اَعْنَابٍ کے مطابق ہے ان کے منافع کثیر ہیں۔

قوله: يَتَجَاوَزُهُ: چاند کو مسافر کے ٹھکانے سے تشبیہ دی جب وہ سفر کر کے وہاں پہنچ جائے۔

قوله: كَعُوْدِ الشَّمَارِيْخِ: جمع شمراخ۔ کھجور کی شاخ اور انگور کا خوشہ۔

قوله: وَالنُّجُوْمِ: سورج، چاند کے تذکرہ سے خود سمجھ آ رہا ہے۔

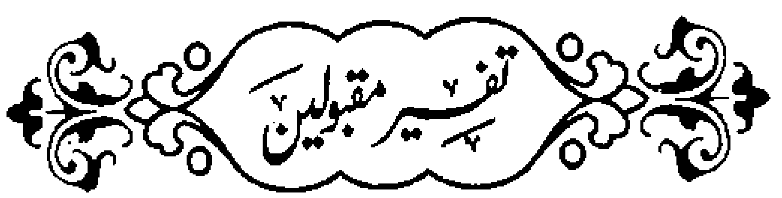
قوله: الْاُصُوْلَ: پہلے لوگ۔

قوله: سَفِيْنَةَ نُوْحٍ عَلَیْہِ السَّلَام: اللہ تعالیٰ نے اس کشتی میں ان کے آباء کو بٹھایا، جب یہ ان کی صلب میں تھے۔

قوله: نائمين: یعنی اپنے گمان میں سوتے ہوئے خیال کرتے تھے۔

قوله: اعرضوا: اس میں اشارہ ہے کہ اذا کا جواب مَا تَاْتِيْهِمْ محذوف ہے۔ انہوں نے عادت کی وجہ سے اعراض کیا۔

قوله: صَيْحَةً وَّاحِدَةً: اس سے پہلا نفخہ مراد ہے۔



وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ....

(ربط) گذشتہ آیات میں ان سرکشوں کا حال بیان کیا جو توحید کے بھی منکر تھے اور نبوت و رسالت کے بھی منکر تھے اور حشر و نشر کے بھی منکر تھے اب آگے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے توحید ثابت ہو اور شرک کا ابطال ہو اور حشر و نشر کا امکان ثابت ہو۔

(نیز) گذشتہ مضمون کے ختم پر یہ فرمایا: وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ جس سے ان کفار کو تنبیہ تھی جو معاد کے منکر اور اس سے غافل تھے اب آگے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ حشر و نشر کا اقرار کریں اور آخرت کی کچھ فکر کریں اور ان دلائل قدرت کے ضمن میں اپنی نعمتوں کو بھی شمار کیا تاکہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور کفر اور کفران سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی توحید کے قائل ہوں اور منعم حقیقی کے مرسلین یعنی خدا کے فرستادوں کی دعوت و تبلیغ کی طرف کان لگائیں تاکہ راہ راست پر چل سکیں اور منعم حقیقی کو راضی کر سکیں بعد ازاں حق تعالیٰ نے کفار نا ہنجار کی طعن آمیز باتوں کو نقل کر کے ان کا جواب دیا اور جس شبہ کی بنا پر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ محال سمجھتے تھے اس شبہ کا مفصل اور مدلل جواب دیا اور اس مضمون پر سورت کو

ختم کیا کہ خدائے وحدہ لاشریک لہ قادر مطلق ہے وہ بلاشبہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے شبہ اور وسوسہ میں نہ پڑ واور اس مقام پر جس قدر دلائل قدرت ذکر کئے ان میں سے ہر دلیل کے ضمن میں متعدد دلائل ہیں ہر دلیل متعدد دلائل کا مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول: یہ اس کی قدرت کی پہلی دلیل ہے کہ اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس کے حالات میں غور کرلو کہ ہم خشک زمین کو تروتازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سامان ہے تاکہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غلوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے وہ زمین سے مردوں کے نکالنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کافروں کے لئے خدا کی قدرت کی ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے جس کو بارش کے ذریعہ ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا یعنی غلہ اور اناج نکالا پس اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسی زمین میں ہم نے قسم قسم کے باغات بنائے کھجوروں کے اور انگوروں کے کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے مگر خرما پیدا نہیں ہوتا جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا جیسے مدینہ کی زمین یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کسی مادہ اور ایتھر کا تقاضہ نہیں اور زمین میں ہم نے چشمے جاری کئے جن سے اکثر کا پانی شیریں اور خوشگوار ہے جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے تاکہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا اور نہ ان کے معبودوں نے تخم ریزی اور آبپاشی کی بظاہر اگرچہ ان کے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلوں اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو خدا ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے پس کیا یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ کی عبادت نہیں کرتے کہ جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام متقابل اور متضاد انواع واقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اگاتی ہے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا کوئی شیریں اور کوئی تلخ اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو عرب اور کسی کو عجم اور کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔

اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند اور پرند اور حشرات الارض پیدا کئے پس جو ذات تنہا ان بے شمار مخلوقات کی خالق ہے اس کی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہ لاشریک مانیں مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے مگر خدا تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں کما قال تعالیٰ: **ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون** پس جس ذات کا کوئی جوڑ اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہ لاشریک لہ کی صفت ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ ....

دلیل دوم: یہ اس کی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل ونہار کو اور شمس وقمر کو پیدا کیا دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب و ماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل ونہار اور طلوع

وغروب میں کوئی تغیر کر سکے۔

گزشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگان عالم کا مکان ہے اب آئندہ آیت میں لیل ونہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لئے زمان ہے اور مکان اور زمان میں مناسبت ظاہر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں سلخ کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں زمانہ اور وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے اور آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے اور آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے یعنی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے پس جب اللہ تعالیٰ اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے تو لوگ اسی دم تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پر رات آجاتی ہے دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی جب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہوگئی جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح جب خلا اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہو گیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو گئے پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان تقلبات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

غرض یہ کہ آیت ہذا یعنی نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ میں جو لفظ نَسْلَخُ بطور استعارہ استعمال کیا گیا بقدر ضرورت حضرات مدرسین کے لئے اس کی تشریح کر دی گئی حضرات اہل علم اس کی تفصیل کے لئے روح المعانی اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی دیکھیں۔

اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرارگاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے یہ اندازہ ہے جو مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں یہ سب خداوند عزیز وعلیم کی تسخیر ہے آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کر سکے خدا تعالیٰ نے جو اس کی چال مقرر کر دی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا خدا کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرما دی ہے اسی طرح اس کی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرما دی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کا حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔

"لِمُسْتَقَرٍّ" کے معنی قرارگاہ یعنی منتہائے سیر کے ہیں جہاں پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہو جاتا ہے اس آیت میں لفظ لِمُسْتَقَرٍّ سے یا تو روزانہ کا منتہائے سیر مراد ہے یا سال بھر کا منتہائے سیر مراد ہے یعنی منازل بروج مراد ہے جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے آفتاب برابر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورہ بروج ختم ہو جاتا ہے یا مستقر سے دائرہ نصف النہار مراد ہے جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہو جاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

غروب ہوجاتا ہے۔ یا مستقر سے منتہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر وحرکت کا منتہی ہے قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہوجائے گا اس وقت آفتاب کو قرار حاصل ہوجائے گا جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اس کی حرکت باقی نہ رہے گی اور روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرارگاہ اور منتہائے سیر سے عرش الٰہی مراد ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لئے اذن مانگتا ہے تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے الیٰ آخر الحدیث معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیر عرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے جیسا کہ روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لئے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے یعنی مستقر سے مطلق قرارگاہ اور ٹھکانا مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منتہائے عمر دنیا کے اعتبار سے ہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لئے جو نقطہ اور حد متعین کردی ہے آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذن خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا یہ سب عزیز وعلیم کی تقدیر اور تسخیر ہے کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر وتبدل نہیں کرسکتا البتہ جب خدا تعالیٰ خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کردیں گے طلوع وغروب کا یہ نظام خدا تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جریان اور استقرار کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چاند کی سیر اور رفتار کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے منازل قمر اٹھائیس ہیں ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے ابتداء میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہوجاتا ہے پھر اس میں کمی شروع ہوجاتی ہے یہاں تک کہ اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہوجاتا ہے ہر ماہ کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہوجاتا ہے اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہوجاتا ہے تو دو راتوں کے لئے پوشیدہ ہوجاتا ہے پھر شروع مہینہ میں بشکل ہلال ہو کر ظاہر ہوتا ہے چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے غرض یہ کہ شمس اور قمر دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر ایک کی سیر اور رفتار کے لئے اور طلوع اور غروب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کردی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتے لہٰذا نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اس کی منزل میں نزول کر جائے اور اس کی حد میں داخل ہوجائے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے حالانکہ ماہتاب تیز رفتار ہے اور آفتاب سست رفتار ہے سورج سال بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک کا دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع وغروب کا جو نظام مقرر کردیا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں رد وبدل کرسکے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ

دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آجائے دن ہو یا رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آسکتا۔

چاند اور سورج سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے اور گھومتے اور چلتے رہتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جائے سب ستارے آفتاب و ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند اور سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخے اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہوسکتا ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے کہ گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہے۔

لطائف و معارف:

(۱) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا الخ سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج حرکت کرتے رہتے ہیں اور آسمان اور زمین ساکن ہیں۔

(۲) شمس اور قمر اور ہر سیارہ کی خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جو ان کو معلوم ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتے ہیں اور بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم اور جمادات اور نباتات میں ایک قسم کا شعور اور ادراک ہے یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہیں اور اس کو سجدہ کرتی ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمدہ۔

سجود الشمس:

(۳) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آفتاب غروب کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے طلوع کی اجازت مانگتا ہے سو اس کو مل جاتی ہے مگر قیامت کے قریب جب وہ زیر عرش سجدہ کرے گا اور چلنے کی اجازت چاہے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی اور یہ کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا اور وہیں سے طلوع کر چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا۔

(٤) انسان کی طرح کائنات عالم کے لئے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود ثابت ہے مگر ہر نوع کا رکوع اور سجود اس کے جسم اور وجود کے لائق اور مناسب ہے۔

مثلاً انسان کے سجدہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے لیکن شمس اور قمر اور شجر و حجر کا سجدہ انکی شان کے لائق ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے انسان کی تسبیح اور تحمید کے معنی یہ ہیں کہ وہ زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے مگر شجر اور حجر اور پہاڑوں کی تسبیح اور تحمید کے یہ معنی نہیں کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ۔

بہر حال سجود شمس حق ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سجدہ روحانی ہے یا جسمانی ہے آنی ہے یا زمانی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حدیث مطرب و می گو و راز دہر کمتر۔ جو کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝

دلیل سوم: یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن پر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو اگر وہ غرق کر دے تو کون ہے جو تمہاری فریاد رسی کر سکے یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا یہ گراں بار کشتیاں اس کی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اس کی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں اللہ کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے ہوا اور اس کے علاوہ ہم نے ان کے لئے کشتی کی مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کر سکیں جیسے اونٹ اور گھوڑے اور خچر وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو کشتی اول کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی ص ۳۰ ج ۱۵) بہر حال لوگوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے بر اور بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کر دیا اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو دریا میں غرق کر دیں پس کوئی نہ ان کے لئے فریاد رس ہو جو ان کو غرق سے بچا لے اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچا دیں ان کو ایک وقت مقرر تک دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو نہیں ڈبوتے یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ ....

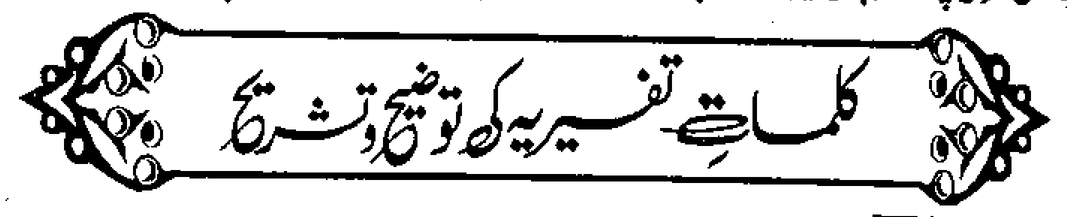
یعنی اور احکام الٰہی تو کیا مانتے، فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہی مسلم بات جب پیغمبر اور مؤمنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اس کی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر و محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔ خیال کر و اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانہ ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وسائط سے دلانا بھی اس کی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اس کا امتحان ہے کہ اغنیا کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہیے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں۔ اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ هُوَ قَرْنُ النَّفْخَةِ الثَّانِيَةِ لِلْبَعْثِ وَبَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً فَاِذَا هُمْ الْمَقْبُوْرُوْنَ مِّنَ

الْاَجْدَاثِ الْقُبُوْرِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ يَخْرُجُوْنَ بِسُرْعَةٍ قَالُوْا اَيِ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ يٰوَيْلَنَا لِلتَّنْبِيْهِ
هِلَاكُنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَا فِعْلَ لَهُ مِنْ لَفْظِهِ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ نَائِمِيْنَ لَمْ
يُعَذَّبُوْا هٰذَا اَيِ الْبَعْثُ مَا اَيِ الَّذِيْ وَعَدَ بِهِ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ فِيْهِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَقَرُّوْا حِيْنَ لَا يَنْفَعُهُمُ
الْاِقْرَارُ وَ قِيْلَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ اِنْ مَا كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا عِنْدَنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ بِسُكُوْنِ الْغَيْنِ وَضَمِّهَا عَمَّا فِيْهِ اَهْلُ النَّارِ مِمَّا يَلْتَذُّوْنَ بِهِ كَافْتِضَاضِ الْاَبْكَارِ
لَا شُغُلٌ يَتْعَبُوْنَ فِيْهِ لِاَنَّ الْجَنَّةَ لَا نَصَبَ فِيْهَا فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ نَاعِمُوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّ وَالْاَوَّلُ فِيْ شُغُلٍ هُمْ
مُبْتَدَأٌ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ جَمْعُ ظُلَّةٍ اَوْ ظِلٍّ خَبَرٌ اَيْ لَا تُصِيْبُهُمُ الشَّمْسُ عَلَى الْاَرَآئِكِ جَمْعُ اَرِيْكَةٍ وَّ
هِيَ السَّرِيْرُ فِي الْحَجْلَةِ اَوِ الْفُرُشِ فِيْهَا مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ خَبَرٌ ثَانٍ مُتَعَلِّقٌ عَلٰى لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ فِيْهَا
مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ يَتَمَنَّوْنَ سَلٰمٌ مُبْتَدَأٌ قَوْلًا اَيْ بِالْقَوْلِ خَبَرُهُ مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ بِهِمْ اَيْ يَقُوْلُ لَهُمْ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَ يَقُوْلُ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَيِ انْفَرِدُوْا عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ عِنْدَ اخْتِلَاطِهِمْ
بِهِمْ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ اٰمُرْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ عَلٰى لِسَانِ رُسُلِيْ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ لَا تُطِيْعُوْهُ اِنَّهٗ
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ وَحِّدُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ طَرِيْقٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا خَلْقًا جَمْعُ جَبِيْلٍ كَقَدِيْمٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْبَاءِ كَثِيْرًا اَفَلَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ عَدَاوَتَهٗ وَاِضْلَالَهٗ اَوْ مَا حَلَّ بِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ فَتُؤْمِنُوْنَ وَيُقَالُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هٰذِهٖ
جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ بِهَا اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى
اَفْوَاهِهِمْ اَيِ الْكُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ وَ
غَيْرُهَا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ فَكُلُّ عُضْوٍ يَنْطِقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ
لَاَعْمَيْنَاهَا طَمْسًا فَاسْتَبَقُوا ابْتَدَرُوا الصِّرَاطَ الطَّرِيْقَ ذَاهِبِيْنَ كَعَادَتِهِمْ فَاَنّٰى فَكَيْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

حِیْنَئِذٍ اَیْ لَا یُبْصِرُوْنَ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنٰهُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِیْرَ اَوْ حِجَارَةً عَلٰی مَكَانَتِهِمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ مَكَانَا
تِهِمْ جَمْعُ مَكَانَةٍ بِمَعْنٰی مَكَانٍ اَیْ فِیْ مَنَازِلِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَیْ لَمْ یَقْدِرُوْا
عَلٰی ذِهَابٍ وَّلَا مَجِیْءٍ

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہمیں کس نے ہماری لیٹنے کی جگہ سے اٹھادیا، یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی۔ بس وہ ایک چیخ ہوگی سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کردیئے جائیں گے۔ سو اس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔ بلاشبہ آج جنت والے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے، مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا۔ مہربان رب کی طرف سے ان پر سلام ہوگا۔ اور اے مجرمو! آج علیحدہ ہوجاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کردیا۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اس میں داخل ہوجاؤ اپنے کفر کی وجہ سے۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹادیتے سو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کی جگہ پر مسخ کردیتے اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہی رہ جاتے جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔



قوله: صَیْحَةً وَّاحِدَةً: اس سے مراد نفخہ ثانیہ مراد ہے۔

قوله: وَّلَا تُجْزَوْنَ: یہ اس وقت کا منظر ہے جو ان کے سامنے ہوگا اس کی حکایت ہے۔

قوله: نَصَبٌ: یہ مشقت کا معنی دیتا ہے۔

قوله: ظِلٰلٍ: یہ ظُلَّةٌ کی جمع ہے۔ جس کا سایہ لیا جائے۔

قوله: مَّا یَدَّعُوْنَ: یعنی جو خود مانگیں گے۔

قوله: بِالْقَوْلِ: اس سے مراد قول سے سلام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سلام ملے گا۔

قوله: عِنْدَ اِخْتِلَاطِهِمْ: میل جول کے وقت یہ بات ان سے کہی جائے گی۔

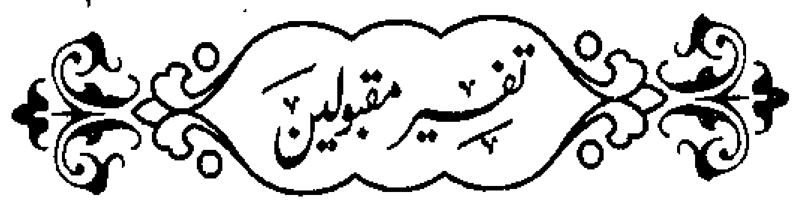
قوله: وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ: اس کا عطف اَنْ لَّا تَعْبُدُوا پر ہے۔

قوله: لِقَوْلِهِمْ: یہاں انکار مراد ہے۔

قوله: عَلٰی مَكَانَتِهِمْ: انہی کی جگہوں میں کہ وہ پتھر بن جائیں۔

قوله: مُضِیًّا: جانا۔

قوله: لَمْ یَقْدِرُوْا: مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کے باعث ایسے سلوک کے مستحق ہیں خواہ ہم رحمت کی وجہ سے نہ کریں۔



وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ۝

ان آیتوں میں دوسرے نفخہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے مردے جی اٹھیں گے۔ چنانچہ جب صور میں پھونک ماردی جائے گی تو سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ یَنْسِلُوْنَ ۝ ، نسلان سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ دوڑنے اور تیز چلنے کے ہیں۔ (ابن جریر، ابن کثیر، جامع، صفوۃ، مراغی وغیرہ)۔ سو اس روز ایک جھڑکی ملتے ہی یہ منکرین و مکذبین بغیر کسی ٹال مٹول اور حیل و حجت کے اپنے خالق و مالک کے حضور حاضری کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ } (المعارج:43) اور ان کی وہ تمام اکڑفوں اور استکبار یکسر ختم ہو جائے گا جس سے یہ بد بخت اور منحوس لوگ آج کام لے رہے ہیں۔ اور اس روز یہ اپنی زبان سے اس کی تسبیح کرتے اور اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہوئے اس کے حضور حاضر ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا: { یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا } (بنی اسرائیل: 52) سو قیامت کے برپا کرنے کیلئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ صرف حضرت قادر مطلق کے حکم و ارشاد کی ضرورت ہوگی۔ اور جونہی حکم ہوگا یہ سب آموجود ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ وہ تو بس ایک جھڑکی ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب میدان میں آموجود ہوں گے۔ سو قیامت تو چشم زدن میں برپا ہو جائے گی اور تمہیں جو فرصت ملی ہوئی ہے وہ صرف تمہاری بہتری کیلئے ہے کہ تم اس کیلئے تیاری کر سکو اور ہمیشہ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔۔۔۔

مذاق اڑانے والوں کا حال قیامت کے روز:

اس ارشاد سے مذاق اڑانے والے کفار و منکرین کا حشر کے روز انتہائی یاس و حسرت کے اظہار و اعلان کو ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ انتہائی یاس و حسرت کے عالم میں کہیں گے ہائے ہماری کم بختی۔ یہ کس نے اٹھا دیا ہمیں ہماری قبروں سے؟ جواب ملے گا یہی ہے وہ کچھ جس کا وعدہ فرمایا تھا خدائے رحمٰن نے اور سچی ثابت ہوئی بات پیغمبروں کی۔ یہ جواب ان کو فرشتوں کی طرف

سے دیا جائے گا یا اہل ایمان کی طرف سے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو اس طرح جواب دیں۔ ابن جریر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ الفاظ میں بہرکیف ان سب ہی احتمالات کی گنجائش وموجود ہے۔ سو اس روز یہ لوگ بڑے ہی حسرت بھرے انداز میں ایسے کہیں گے کہ خدائے رحمٰن نے بھی سچ فرمایا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں نے بھی سچ کہا تھا۔ اور اس موقع پر یہ لوگ اپنے ایمان ویقین کا اظہار واعلان کریں گے۔ لیکن کہاں اور کیسے؟ اس کا وقت تو گزر چکا ہوگا: {وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ} سو یہ اہل کفر وباطل کی حسرت اور ان کی انتہائی ملامت کا اظہار ہوگا۔ مگر بے وقت کی اس ندامت کا ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا۔ سو اس روز مذاق اڑانے والے ان منکروں کا حال بہت برا ہوگا۔ ان کو نہایت ہی سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ان کی تذلیل وتخجیل کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے فیصلے کا وہ دن جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی - {هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ} (الصافات:21) سو یہی ہے فیصلے کا وہ دن جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ سو اب سر پیٹو اپنی بدبختی پر۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۞

جس طرح دنیاوی عذاب ان لوگوں پر کسی بھی صورت میں، اور کسی بھی وقت میں آسکتا ہے، اسی طرح آخرت کا وہ یوم حساب جس میں سب کو ان کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا وہ بھی صور میں پھونک مار دینے کے نتیجے میں اس طرح فوری طور پر واقع ہو جائیگا کہ نفخ صور کی آواز سنتے ہی سب کے سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ رہے ہونگے، اور سراسیمگی اور گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہے ہونگے کہ کس نے ہمیں اٹھا دیا ہماری قبروں سے؟ جواب ملے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمان نے وعدہ فرمایا تھا، اور اسکے رسولوں نے اسکے اس سچے وعدے کو تم لوگوں تک پہنچا دیا تھا مگر تم نے نہیں مانا تھا، تو اس یوم حساب کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ محض ایک جھڑکی اور ڈانٹ ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب ایک ساتھ ہمارے یہاں موجود ہونگے یعنی سب چھوٹے بڑے امیر ومامور، اور عابد ومعبود وہاں سب کے سب ہمارے یہاں حاضر ہونگے۔ جہاں انہوں نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ تا کہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجہ تمام وکمال پورے ہوں، سو اس یوم عظیم کا قیام ووقوع تقاضاء عقل ونقل اور وجود کائنات کا طبعی مقتضیٰ ہے، اسلئے اس کا انکار نہایت ہی ہولناک خسارے کا سودا ہے،

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۞

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ، وہ اپنی بیویوں کے ساتھ سایوں میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے

ان آیات میں اہل جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: (والمراد به ما هم فيه من النعيم الذي شغلهم عن كل ما يخطر بالبال) یعنی شغل سے وہاں کی نعمتوں میں مشغول رہنا مراد ہے، وہاں کی نعمتیں ہر اس چیز کے تصور سے بے پرواہ کر دیں گی جن کا تصور آسکتا ہو۔ فٰكِهُوْنَ ۞ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی وہ اپنی نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ

اس سے تمتع اور تلذذ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس میوے موجود ہوں گے جن میں سے کھایا کریں گے۔

(روح المعانی)

پھر فرمایا کہ اہل جنت اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے جہاں ناگوار گرمی ذرا نہ ہوگی الْاَرَآئِكِ یعنی مسہریوں پر ہوں گے، یہ (اَرِیْکَۃٌ) کی جمع ہے، (اریکہ) مسہری کو کہتے ہیں۔

مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا: (عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ) (وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔)

مزید فرمایا: لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ (اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا) اس میں یہ بتادیا کہ اہل جنت کی جن نعمتوں کا صریح طور پر تذکرہ کر دیا گیا ہے صرف انہی نعمتوں میں انحصار نہیں ہے، وہ لوگ وہاں جو کچھ بھی طلب کریں گے سب کچھ حاضر کر دیا جائے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا: (وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ) (اور اس میں وہ چیزیں ملیں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی۔)

اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا جسے سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ فرما کر بتایا ہے، کیا کہنے ان بندوں کے لیے کہ ان کے رب کا سلام آئے۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے درمیان کہ اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ایک نور کی چمک ہوگی اوپر کو اپنے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ رب جل شانہٗ نے ان پر توجہ فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا: (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ) (مشکوۃ المصابیح ص ۵۰۲ از ابن ماجہ)

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝

مجرمین سے خطاب اور ان کے عذاب کا تذکرہ:

اہل جنت کا اکرام اور انعام بیان فرمانے کے بعد اہل دوزخ کی تباہی اور بربادی کو بیان فرمایا جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے خطاب ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ، دنیا میں تم اہل ایمان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور قبروں سے نکل کر بھی میدان حشر میں اکٹھے جمع ہوئے ہو اب تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ان کو جنت میں جانا ہے اور تم کو دوزخ میں جانا ہے۔ (یہ آیت بہت زیادہ فکرمند بنانے والی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ پوری رات نفل نماز میں کھڑے رہے اور اسی آیت مبارکہ کو پڑھتے رہے) اس میں فکر کی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ حکم ہوگا اس وقت میں کن لوگوں میں ہوں گا مجرمین میں ہوں گا یا مؤمنین میں۔

کافروں سے یہ خطاب بھی ہوگا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ (الآیۃ) اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا یعنی اس کی فرمانبرداری مت کرنا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا

دشمن ہے اور تمہیں تاکید کی تھی کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (تم اس سیدھے راستہ سے ہٹ گئے) وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ (الآیۃ) اور یہ بات واقعی ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ (اب اس گمراہی کا بدلہ ملے گا۔) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾

یعنی تمام بنی آدم کو (بلکہ جنات کو بھی) مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو یہ ہدایت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار عموماً شیطان کی تو عبادت نہ کرتے بتوں کو یا دوسری چیزوں کو پوجتے تھے، اس لئے ان پر عبادت شیطان کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام ہر حال میں اس کا کہنا مانے اسی کا نام عبادت ہے چونکہ ان لوگوں نے ہمیشہ شیطانی تعلیم ہی کی پیروی کی، اس لئے ان کو عابد شیطان کہا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں اس شخص کو جو مال یا بیوی کی محبت میں آ کر ہر وہ کام کرنے لگے جس سے مال بڑھے یا بیوی راضی ہو اگرچہ خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہو ایسے شخص کو حدیث میں عبدالدرہم اور عبدالزوجہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی:

جب مجرم لوگ اپنے اعمال کا انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو یہ جرم کیے ہی نہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ وہ کہیں گے کہ اس پر کوئی گواہ ہی نہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ تو اس پر ان کے مونہوں پر مہر کر دی جائے گی جس سے ان کی بولتی بند ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں خود گواہی دینے لگیں ان سب کاموں کی جو یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ مَكْرُوْهٍ۔ بہر کیف فصل و تمیز کے اس دن میں ان لوگوں کے مونہوں پر مہر کر دی جائے گی جس سے ان کی بولتی بند ہو کر رہ جائے گی اور اس کے بعد یہ نہ کوئی بہانہ بازی کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی حجت پیش کر سکیں گے۔ اور انکے ہاتھ پاؤں خود انکے کیے کرائے کی گواہی دیں گے جس سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اور یہ حجت تمام حجتوں پر بھاری ہوگی۔ سو زبان چونکہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے، عذر بھی تراش سکتی ہے، لیکن ہاتھ پاؤں وہی کچھ بیان کریں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ اس لیے ان کی زبانیں بند کر دی جائیں گی۔ اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں سے ان کے خلاف گواہی دلوائی جائے گی۔ اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے انکے سب کیے کرائے کی۔ سو اس کے بعد ان کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور ان کو ماننے اور تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ کیونکہ یہ ان کے سامنے اوروں کے خلاف ایسی کھلی اور ٹھوس گواہی ہوگی جس سے بڑھ کر قطعی اور یقینی گواہی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس طرح ہاتھ پاؤں کی اس گواہی کے بعد ان لوگوں پر سب سے ٹھوس اور قطعی حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں مجرموں کا جرم اس قدر قطعی اور واضح طور پر ثابت ہو جائے گا کہ اس کے لیے مزید کسی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرما دی گئی کہ کسی انسان یا جن سے کچھ پوچھنے کی کوئی

ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ﴾ (الرحمٰن:39)۔ اور اس وقت مجرم لوگ اپنے ان اعضاء وجوارح سے برہم ہو کر کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف اس طرح گواہی کیوں دی؟ تو وہ جواب میں اس سے کہیں گے کہ ہمیں تو اسی اللہ نے گویائی بخشی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے۔ (حم السجدۃ:21)

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿۶۶﴾

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ .... اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں سو ان کو کہاں نظر آئے۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ .... اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیں تو انہیں نہ گزرنے کی طاقت رہے نہ واپس ہو سکیں۔

ان دو آیتوں میں یہ بتایا کہ ہم دنیا میں بھی سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان سزاؤں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں یعنی چہرہ کو سپاٹ بنا دیں آنکھیں باقی ہی نہ رہیں، آگے بڑھنا چاہیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے، اسی طرح ہم ان ہی کی جگہ رکھتے ہوئے انہیں مسخ بھی کر سکتے ہیں یعنی ان کی صورتیں بدل سکتے ہیں جیسے گزشتہ امتوں میں سے بعض لوگ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے، جب جانور ہی بن جائیں تو جہاں تھے وہیں رہ جائیں نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں، جو مقاصد دنیاویہ لے کر نکلے تھے ان کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

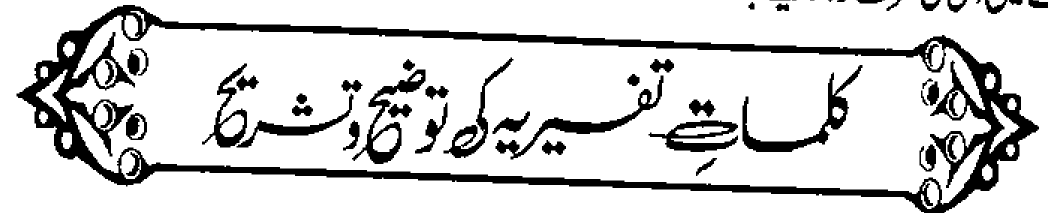
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ بِاِطَالَةِ اَجَلِهٖ نُنَكِّسْهُ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّشْدِيْدِ مِنَ التَّنْكِيْسِ فِى الْخَلْقِ ط اَىْ خَلْقِهٖ فَيَكُوْنُ بَعْدَ قُوَّتِهٖ وَشَبَابِهٖ ضَعِيْفًا وَّهَرِمًا اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ الْمَعْلُوْمِ عِنْدَهُمْ قَادِرٌ عَلَى الْبَعْثِ فَيُؤْمِنُوْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَمَا عَلَّمْنٰهُ اَىِ النَّبِىَّ الشِّعْرَ رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّ مَا اَتٰى بِهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ شِعْرٌ وَمَا يَنْۢبَغِىْ يَتَسَهَّلُ لَهٗ ط الشِّعْرُ اِنْ هُوَ لَيْسَ الَّذِىْ اَتٰى بِهٖ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لا مُظْهِرٌ لِلْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا لِّيُنْذِرَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ بِهٖ مَنْ كَانَ حَيًّا يَعْقِلُ مَا يُخَاطَبُ بِهٖ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَيَحِقَّ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَهُمْ كَالْمَيِّتِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ مَا يُخَاطَبُوْنَ بِهٖ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَالْوَاوُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ فِىْ جُمْلَةِ النَّاسِ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَىْ عَمِلْنَاهُ بِلَا شَرِيْكٍ وَّلَا مُعِيْنٍ اَنْعَامًا هِىَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ ضَابِطُوْنَ وَذَلَّلْنٰهَا سَخَّرْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ مَرْكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَاَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا وَمَشَارِبُ ط مِنْ لَبَنِهَا جَمْعُ مَشْرَبٍ بِمَعْنٰى شُرْبٍ اَوْ مَوْضِعِهٖ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ الْمُنْعِمَ عَلَيْهِمْ بِهَا

فَيُؤْمِنُوْنَ اَیْ مَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ اٰلِهَةً اَصْنَامًا يَعْبُدُوْنَهَا لَعَلَّهُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ بِشَفَاعَةِ اٰلِهَتِهِمْ بِزَعْمِهِمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَیْ اٰلِهَتُهُمْ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ
الْعُقَلَاءِ نَصْرَهُمْ وَ هُمْ اَیْ اٰلِهَتُهُمْ مِنَ الْاَصْنَامِ لَهُمْ جُنْدٌ بِزَعْمِهِمْ نَصْرَهُمْ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فِی النَّارِ
مَعَهُمْ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ لَكَ لَسْتَ مُرْسَلًا وَغَيْرَ ذٰلِكَ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ مِنْ
ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ فَنُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ يَعْلَمُ وَهُوَ الْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ
اِلٰی اَنْ صَيَّرْنَاهُ شَدِيْدًا قَوِيًّا فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ لَنَا مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ بَيِّنُهَا فِیْ نَفْيِ الْبَعْثِ وَ
ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا فِیْ ذٰلِكَ وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ مِنَ الْمَنِيِّ وَهُوَ اَغْرَبُ مِنْ مَّثَلِهٖ قَالَ مَنْ يُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ
رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ اَیْ بَالِيَةٌ وَلَمْ يَقُلْ بِالتَّاءِ لِاَنَّهٗ اِسْمٌ لَا صِفَةٌ رُوِیَ اَنَّهٗ اَخَذَ عَظْمًا رَمِيْمًا فَفَتَّتَهٗ وَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرٰی يُحْيِی اللّٰهُ هٰذَا بَعْدَ مَا بَلِیَ وَرَمَّ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَيُدْخِلُكَ النَّارَ قُلْ
يُحْيِيْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ اَیْ مَخْلُوْقٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا قَبْلَ خَلْقِهٖ
وَبَعْدَ خَلْقِهٖ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ فِیْ جُمْلَةِ النَّاسِ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ الْمَرْخِ وَالْعَفَارِ اَوْ كُلِّ شَجَرٍ اِلَّا
الْعُنَابِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ تَقْدَحُوْنَ وَ هٰذَا دَالٌّ عَلَی الْقُدْرَةِ عَلَی الْبَعْثِ فَاِنَّهٗ جَمَعَ فِيْهِ
بَيْنَ الْمَاءِ وَالنَّارِ وَالْخَشَبِ فَلَا الْمَاءُ يُطْفِئُ النَّارَ وَلَا النَّارُ يُحْرِقُ الْخَشَبَ اَوَ لَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ مَعَ عِظَمِهِمَا بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اَیِ الْاَنَاسِیَّ فِی الصِّغَرِ بَلٰی اَیْ هُوَ قَادِرٌ عَلٰی
ذٰلِكَ اَجَابَ نَفْسَهٗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْكَثِيْرُ الْخَلْقِ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ بِكُلِّ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ شَانُهٗ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَیْ
خَلْقَ شَیْءٍ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی يَقُوْلُ فَسُبْحٰنَ
ع الَّذِیْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ مِلْكُ زِيْدَتِ الْوَاوُ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَیِ الْقُدْرَةُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
تُرَدُّوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ

تَرْجَمَہ: اور ہم جس کو درازی عمر دیتے ہیں اس کی عمر لمبی کرکے تو اس کو لوٹا دیتے ہیں کہ ایک قراءت میں لفظ ننکسہ تشدید

کے ساتھ تنکیس سے ماخوذ ہے طبعی حالت میں یعنی اس کی خلقت الٹ جاتی ہے طاقت وجوانی کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جو ذات ان کی اس معلوم چیز پر قدرت رکھتی ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے لہٰذا ان کو ایمان لے آنا چاہئے ایک قراءت میں تعقلون تا کے ساتھ ہے اور ہم نے آپ یعنی نبی کو شاعری نہیں سکھائی کفار کی اس بات کی تردید ہے کہ آپ ﷺ کو جو قرآن دیا گیا ہے شعر ہے اور آپ ﷺ کے شایان بھی نہیں ہے۔ یعنی شعر وہ تو جو کلام پیش کر رہے ہیں محض نصیحت اور واضح آسمانی کتاب ہے۔ جس میں احکام وغیرہ کا بیان ہے تاکہ اس کے ذریعہ ڈرائیں یا اور تا کے ساتھ ہے زندہ محض کو جو اس کلام کو سمجھتا ہو یعنی اہل ایمان کو اور ثابت ہو الزام یعنی عذاب کافروں پر ثابت ہو جن کی مثال مردوں جیسی ہے جو کلام سمجھتے ہی نہیں کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی یعنی نہیں جانتے استفہام تقریری ہے اور واؤ عاطفہ ہے کہ ہم نے ان کے لیے منجملہ اور لوگوں کے پیدا کئے، اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے جنھیں ہم ہی نے بلا کسی شریک اور مددگار پیدا کیا، مویشی اونٹ، گائے، بکری پھر یہ لوگ ان کے مالک قابض بن رہے ہیں اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا بیگاری تابع محض بنا دیا ہے سو ان میں سے بعض تو ان کی سورایاں رکوب مرکوب کے معنی میں ہے اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں مویشیوں میں لوگوں کے منافع اون، رواں بال بھی ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں یعنی ان کا دودھ مشارب، مشرب کی جمع ہے پینے، یا پینے کی جگہ کے معنی میں ہے سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ان انعامات کا کہ ایمان لے آتے یعنی انھوں نے ایسا نہیں کیا اور انھوں نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے یعنی بت پرستی کرتے ہیں اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی، انکا خیال یہ ہے کہ بتوں کی سفارش سے انہیں عذاب الٰہی سے خلاص مل جائے گی، وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے یعنی ان کے معبود جن کو کلام میں عقلاء کے درجہ میں فرض کر لیا گیا ہے اور وہ یعنی ان کے معبودیت ان لوگوں کے حق میں ان کی مدد کے گمان پر فریق بن جائے گے جو ان کے ساتھ جہنم میں حاضر کئے جائیں گے، سو ان کی باتیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں آپ کے لیے باعث آزردگی نہیں ہونی چاہئیں۔ بلاشبہ ہم سب کچھ جانتے ہیں جو یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، بالخصوص اس بارے میں اور دوسری چیزوں کے متعلق لہٰذا ہم ان کو اس پر سزا دیں گے۔ کیا آدمی کو یہ بات معلوم نہیں، یعنی عاص بن وائل نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے منی سے یہاں تک ہم نے اسے مضبوط طاقتور بنا دیا، پھر لگا وہ جھگڑنے زبردست جھگڑا کرنے والا ہم سے کھلم کھلا قیامت کے انکار میں اور ہماری شان میں اس کے متعلق ایک عجیب مضمون اس نے بیان کر ڈالا اور اپنی پیدائش بھول گیا جو منی کے قطرہ سے ہوئی ہے حالانکہ وہ اس کی مثال سے بھی بڑھ کر غریب ہے کہنے لگا کون ہے جو زندہ کردے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں یعنی بودی اور لفظ رمیم تا کے ساتھ نہیں لایا گیا، کیوں کہ یہ اسم ہے صفت نہیں ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ عاص بن وائل نے ایک پرانی ہڈی اٹھائی اور اسے چورا چورا کر کے حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا، کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اسے اتنی پرانی ہونے کے باوجود بھی زندہ کردے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک! اور تجھے جہنم رسید کرے گا، آپ ﷺ جواب میں فرما دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو بنایا اور سب خلقت مخلوق کو جانتا ہے، اجمالاً بھی تفصیلاً بھی پیدا کرنے سے پہلے بھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لیے منجملہ عام لوگوں کے پیدا کردی ہرے بھرے درخت سے مرخ اور عفار نامی درختوں سے یا عام درختوں سے عناب کے درخت کے علاوہ آگ

پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو جلا لیتے ہو یہ قدرت علی البعث کی دلیل ہے کیوں کہ درخت میں پانی کی آگ اور لکڑی جمع کر دی ہے پس نہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے کیا جس نے آسمان وزمین بڑے بڑے پیدا کیے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں معمولی انسانوں کو پیدا کر دے؟ ضرور ہے یعنی انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے یہ اللہ نے خود جواب ارشاد فرمایا ہے اور وہی بڑا پیدا کرنے والا بہت سی مخلوق کو خوب جاننے والا ہے، ہر شئی کا بس اس کی معمولی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم ڈالتا ہے کہ ہو جا بس ہو جاتی ہے یعنی بن جاتی ہے اور ایک قراءت میں فیکون نصب کے ساتھ یقول پر عطف کرتے ہوئے سو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے ملکوت اصل میں ملک ہے جس میں واؤ اور تا مبالغہ پیدا کرنے کے لیے زیادہ کر دیئے گئے۔ مراد قدرت ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے آخرت میں اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔



قوله: نُنَكِّسْهُ: ہم اس کو اس میں اوندھا کر دیتے ہیں۔

قوله: عملنا: اس میں ہاتھوں کا تذکرہ استعارۃ کے طور پر ہے۔ جس سے مبالغہ واختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

قوله: هِيَ الْإِبِلُ: اس کا خصوصی تذکرہ فطری عجائب اور کثرت منافع کی وجہ سے ہے۔

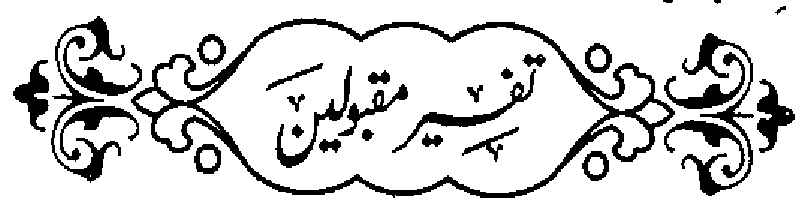
قوله: مَشَارِبُ: جمع مَشْرَب مصدر میمی ہے۔

قوله: مثلا: عجیب بات۔

قوله: اَلْمَرْخِ وَالْعَفَارِ: یہ دونوں درخت ہیں جن کی باریک ٹہنیوں کے آپس میں رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

قوله: فَلَا الْمَاءُ: یہ تو جب لفی مانیں پانی سے آگ بجھتی ہے۔

قوله: قِرَائَةٍ بِالنَّصَبِ: اب ھو مقدر کی ضرورت نہیں۔



وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝

نعمر، تعمیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں عمر دراز دینے کے، اور ننکسہ، تنکیس سے مشتق ہے جس کے معنی الٹا اوندھا الٹا کر دینے کے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ایک اور مظہر کا بیان فرمایا ہے کہ ہر انسان وحیوان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہے، قدرت کا عمل اس میں مسلسل جاری ہے، ایک گندے اور بے جان قطرے سے اس کا وجود شروع ہوا، بطن مادر کے تین اندھیریوں میں اس خلاصہ کائنات اور عالم اصغر کی تخلیق ہوئی، کیسی کیسی نازک مشینیں اس

کے وجود میں پیوست کی گئیں پھر روح ڈال کر زندہ کیا گیا، نو مہینے بطن مادر کے اندر اس کی تربیت اور نشوونما ہو کر ایک مکمل انسان بنا اور اس دنیا میں آیا۔ تو مکمل ہونے کے باوجود اس کی ہر چیز ضعیف و کمزور ہے۔ قدرت نے اس کے مزاج کے مناسب غذا ماں کی چھاتیوں میں پیدا کر دی جس سے اس کو تدریجی توانائی ملی، اور اس وقت سے جوانی تک کتنے مراحل سے گزر کر اس کے سب قوی مضبوط ہوئے، قوت و شوکت کے دعوے ہونے لگے، ہر مقابل کو شکست دینے کے حوصلے پیدا ہوئے۔

پھر جب خالق و مالک کو منظور ہوا تو اب ان سب طاقتوں قوتوں میں کمی شروع ہوئی، کمی بھی بے شمار مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر بڑھاپے کی آخری عمر تک پہنچی۔ جہاں پہنچ کر غور کیا جائے تو پھر وہ اس منزل میں پہنچ گیا جس سے بچپن میں گزر رہا تھا۔ ساری عادتیں خصلتیں بدلنے لگیں، جو چیزیں سب سے زیادہ محبوب تھیں وہ مبغوض نظر آنے لگیں، جن سے راحت ملتی تھی اب وہ موجب کلفت بن گئی ہیں۔ اسی کو قرآن کریم نے تنکیس یعنی اوندھا کر دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ ونعم قال:

من عاش اخلقت الایام حدته۔ وخانه ثقتاه السمع والبصر

"یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اس کی حدت و شدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا، اور اس کے سب سے بڑے دو ثقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی"۔

یعنی انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد اپنی آنکھ سے دیکھی یا کان سے سنی ہوئی چیز پر ہوتا ہے۔ بڑھاپے کے آخر عمر میں یہ بھی قابل اعتماد نہیں، گراں گوشی کے سبب بات پوری سمجھنا مشکل، ضعف بینائی کے سبب صحیح صحیح دیکھنا مشکل۔ متنبی نے اسی مضمون کو کہا ہے

ومن صحب الدنیا طویلا تقلبت۔ علیٰ عینه حتی یری صدقها کذبا

"یعنی جو شخص دنیا میں زیادہ زندہ رہے گا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جائے گی یہاں تک کہ جس چیز کو پہلے سچ جانتا تھا وہ جھوٹ معلوم ہونے لگے گی"

انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہ، کا عجیب و غریب مظہر تو ہے ہی، اس میں انسان پر ایک عظیم احسان بھی ہے، کہ خالق کائنات نے جتنی طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت فرمائی ہیں، وہ درحقیقت سرکاری مشینیں ہیں، جو اس کو دے دی گئی ہیں، اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ یہ تیری ملک نہیں اور دائمی بھی نہیں، بالآخر تجھ سے واپس لی جائیں گی۔ اس کا تقاضا ظاہری یہ تھا کہ جب وقت مقدر آ جاتا سب طاقتیں بیک وقت واپس لے لی جاتیں مگر مولائے کریم نے ان کی واپسی کی بھی بڑی طویل قسطیں کر دی ہیں اور تدریجی طور پر واپس لیا ہے تا کہ انسان متنبہ ہو کر سفر آخرت کا سامان کر لے۔ واللہ اعلم

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

شاعری رسول اللہ ﷺ کی شان کے لائق نہیں:

مشرکین عرب اور خاص کر اہل مکہ جب قرآن مجید سنتے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ نہ اس میں اشعار ہیں نہ شاعرانہ خیالی

مضامین ہیں پھر بھی قرآن مجید کے بارے میں یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شعر نہیں سکھایا) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے) سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے ہوتے ہیں، ان میں جب تک ان کہی نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا، پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآن کریم آپ پیش فرماتے ہیں یہ شعر نہیں ہے نہ اس میں خیالی مضامین ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں بلکہ لفظی اعتبار سے نہایت فصیح اور بلیغ اور محکم کلام ہے اور معنوی اعتبار سے اس کے مضامین اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور سراپا سچ ہیں لیکن دشمن جب اعتراض پر آ جائے تو اندھا بن جاتا ہے پھر اسے حق اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ (وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے) یعنی عقل رکھتا ہے اور اسے حق اور ناحق کی سوجھ بوجھ ہے، بے عقلی کی وجہ سے اموات کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ (اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے) یعنی جب قیامت کے دن کافروں کو عذاب ہونے لگے تو ان کے عذر پیش کرنے پر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول پہنچا اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی ایمان کی دعوت دی لیکن تم نے نہیں مانا اور خود ہی مستحق عذاب ہوئے، آج کوئی معذرت کام دینے والی نہیں۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

آیاتِ کونیہ میں غور و فکر کی دعوت:

ارشاد فرمایا کیا ان لوگوں نے کبھی ان چیزوں میں غور نہیں کیا جن کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ یعنی خاص حکمت کے ساتھ اور اہتمام سے بنایا ہے۔ جن سے یہ لوگ زندگی میں طرح طرح کے فائدے اٹھا رہے ہیں۔ سو جب یہ سب چیزیں ہم ہی نے پیدا کیں، کسی اور کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، تو پھر ہمارا کوئی شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور ہمارے ساتھ کسی اور کیلئے کسی بھی طرح کی عبادت و بندگی کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ سو اگر یہ لوگ ان چیزوں میں غور و فکر سے کام لیں تو انکے سامنے واضح ہو جائے کہ یہ سب کی سب اپنی زبان حال سے اپنے خالق و مالک کی عظمت شان، اس کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ، رحمت شاملہ اور اس کی وحدانیت مقدسہ کی گواہی دیتی ہیں، مگر مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ سوچتے ہی نہیں۔ سو اگر یہ لوگ صحیح طور سے غور و فکر سے کام لیں تو ان کو نظر آئے کہ یہ سب چیزیں اپنے وجود سے اور اپنی زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے وجود بخشا ہے۔ کسی اور کا ان میں کسی بھی طرح کا کوئی عمل دخل اور عمل و اشتراک نہیں۔ اور اللہ ہی سب کا خالق و مالک اور حاکم و متصرف ہے۔

اور ان چوپایوں میں بھی غور نہیں کیا جن کے یہ مالک بنے ہوئے ہیں۔ سو ان کی یہ لوگ ایسی ملکیت رکھتے ہیں کہ ان میں یہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں تصرف کرتے ہیں۔ تو کیا یہ سوچتے نہیں کہ انکو پیدا کس نے کیا اور کس طرح انکے وجود کو انسان کی طرح طرح کی ضروریات کیلئے ایسا سازگار بنایا کہ یہ سرتاپا اپنے اندر و باہر اور اپنے جسم کے ہر ہر حصے سے اس کیلئے مفید اور

سازگار ہیں۔ ان سے انسان تازہ بتازہ عمدہ اور لذیذ گوشت حاصل کرتا ہے جس سے آگے یہ طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے۔ ان کی خرید وفروخت کے ذریعے یہ اپنی روزی روٹی کماتا اور دوسرے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتا ہے۔ ان کی کھالوں، ان کی اونوں اور ان کے بالوں کے ذریعے قسما قسم کے فائدے اٹھاتا اور کاروبار کرتا ہے۔ تو کیا یہ انسان کبھی سوچتا اور غور نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ کس قادر مطلق کی قدرت، حکمت اور رحمت وعنایت کا نتیجہ ہے؟ سو وہی معبود برحق اور ہر عبادت کا حقدار ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

مشرکین کی بیوقوفی:

اور ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنالیے ہیں جن سے یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ (جن لوگوں سے مدد کی امید کر رکھی ہے وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے) وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝ (اور وہ ان کے لیے فریق مخالف ہو جائیں گے جو حاضر کر دیئے جائیں گے) یعنی اللہ کے سوا جنہیں معبود بنا کر ان سے مدد کی امید باندھے ہوئے ہیں وہ تو ان معبود بنانے والوں کے مخالف ہو جائیں گے اور میدان قیامت میں بالاضطرار حاضر کر دیئے جائیں گے اور وہاں حاضر ہو کر جنہوں نے انہیں معبود بنایا تھا ان کی مخالفت کر دیں گے۔ سورۃ مریم میں فرمایا: (وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا) (اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ ان کے لیے وہ باعث عزت ہوں، ہرگز نہیں وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے) وہاں جھوٹی آرزوؤں کی قلعی کھل جائے گی۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

انسان قیامت کا منکر ہے، وہ اپنی خلقت کو بھول گیا:

وقوع قیامت اور بعث اور حشر نشر کا جو لوگ انکار کیا کرتے تھے ان میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گلی سڑی ہڈی لے کر آیا، اور اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے چورا چورا کیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ جب میں اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے پھینک دوں تو کیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا پھر تجھے موت دے گا پھر تجھے زندہ فرمائے گا پھر تجھے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس پر اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ سے لے کر ختم سورۃ تک آیات نازل ہوئیں جس شخص سے یہ باتیں ہوئی تھیں اس کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں جو روح المعانی جلد ۲۳: ص ۵۳ میں مذکور ہیں۔

ارشاد فرمایا کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ منی سے پیدا کیا؟ اس کو تو وہ جانتا ہے مانتا ہے، جب نطفہ منی سے اسے پیدا کر سکتے ہیں تو بوسیدہ ہڈیوں کو مرکب کر کے ان میں جان کیوں نہیں ڈال سکتے؟ قیامت اور حشر نشر کی سچی خبر جو حضرات انبیائے کرامؑ نے دی اس کی تصدیق کرنے کی بجائے انسان بڑا جھگڑالو بن گیا اور ایسا جھگڑالو بنا کہ واضح طور پر وقوع

قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے لگا، جب اسے اپنے مبدءِ فطرت کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل پانی سے پیدا فرمایا ہے تو اسے جھگڑنے اور یہ بات کہنے کا کیا مقام ہے کہ میں بوسیدہ ہڈیوں سے کیسے پیدا کیا جاؤں گا۔

اسی کو فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور اس نے ہمارے بارے میں ایک مثل بیان کردی اور ایسی بات کہہ دی جو فی نفسہٖ عجیب ہے۔ وَنَسِيَ خَلْقَهٗ اور وہ یہ بھول گیا کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے، (قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ) کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوچکی ہوں گی۔ یہ ہے وہ عجیب مضمون جسے اس نے اللہ کی شان میں بیان کیا، بجائے یہ سمجھنے کے کہ میں جس طرح پیدا ہوا ہوں اسی طرح میرا خالق دوبارہ پیدا فرما دے گا ایسی بات کہنے لگا جس سے انکار بعث مقصود ہے۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ....

سبحان اللہ! جواب کتنا سادہ، کتنا جامع اور کس قدر موثر ہے جس سے انکار اور گریز و فرار کی کوئی صورت ممکن نہیں، فرمایا کہ ایسے خرد ماغوں کے اس سوال و اعتراض، اور ان کے اس اچنبھے اور استہزاء کے جواب میں ان سے کہو کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کریگا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا، اور وجود بخشا، یعنی جب ان کا کہیں کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا تو اس نے اپنی قدرت کاملہ حکمت بالغہ اور رحمت و عنایت شاملہ سے ان کو وجود بخشا، اور ان کو نیست سے ہست کیا، تو اسکے لئے آخر ان کو دوبارہ پیدا کرنا کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ جبکہ عام قاعدہ اور دستور کے مطابق اعادہ ابداء، یعنی اصل خلق کے مقابلے میں کہیں زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا: (وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ) (الروم: ۲۷) یعنی وہ اللہ وہی ہے جس نے اپنی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا، اور وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اسکے لئے کہیں زیادہ آسان ہے، اور یہ بھی دراصل عام لوگوں کی سمجھ اور ان کے فہم و تجربے کے اعتبار سے ہے، ورنہ اس قادر مطلق کے یہاں کا معاملہ تو اس سے یکسر مختلف ہے، کہ وہاں اسباب اور مسببات کے احتیاج کی بات سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ وہاں کا معاملہ تو کُنْ فَيَكُوْنُ کا معاملہ ہے جیسا کہ اس کے ایک ہی آیت بعد یعنی آیت نمبر ۸۲ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے، اور وہ بھی اِنَّمَا کے کلمہ حصر کے ساتھ، سو اسکی شان بالکل الگ اور بے مثال ہے، اس نے جب کسی کام کو کرنا ہوتا ہے تو اس کو فرماتا ہے: کُنْ یعنی ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے، اسی لئے قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: (فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ) (النازعات: ۱۳، ۱۴) یعنی وہ تو محض ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہوگی جسکے نتیجے میں یہ سب کے سب یکایک کھلے میدان میں موجود ہونگے، نیز ارشاد فرمایا گیا (وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ) (القمر: ۵۰) یعنی ہمارا معاملہ تو محض ایک ایک فرمان و ارشاد کا ہوتا ہے پلک جھپکنے کی طرح، سو اس وحدہ لاشریک کی صفت و شان سب سے الگ اور یکسر جدا ہے،

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ ......

یعنی جس ذات پاک نے ہرے درخت میں سے آگ نکالی حالانکہ درخت پانی کے اثر سے ہرا بھرا ہوتا ہے اور درخت کو نچوڑیں تو اس میں سے پانی نکلتا ہے اور آگ اور پانی آپس میں ضد ہیں، اس کے لیے جماد یعنی ایسی بے جان چیز میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے جس میں ظاہری اعتبار سے اس کے مخالف اور منافی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ ایک بار زندگی پا چکی ہے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مرخ اور عفار دو درخت ہوتے تھے اور سرسبز ہوتے تھے جن میں سے پانی ٹپکتا تھا اور

میں سے ایک ٹہنی لے کر دوسری کی ٹہنی پر مارتے تھے تو اس سے آگ نکلتی تھی پھر اس آگ سے اپنی ضرورت کے لیے آگ جلا لیتے تھے۔ ان دو درختوں میں سے ایک کا دوسرے پر مارا جانا چقماق کا کام دیتا تھا۔ اسی کو فرمایا: فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝ (سو اچانک تم اس میں سے آگ جلاتے ہو۔)

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔۔۔۔

مسلمات سے دلیل:

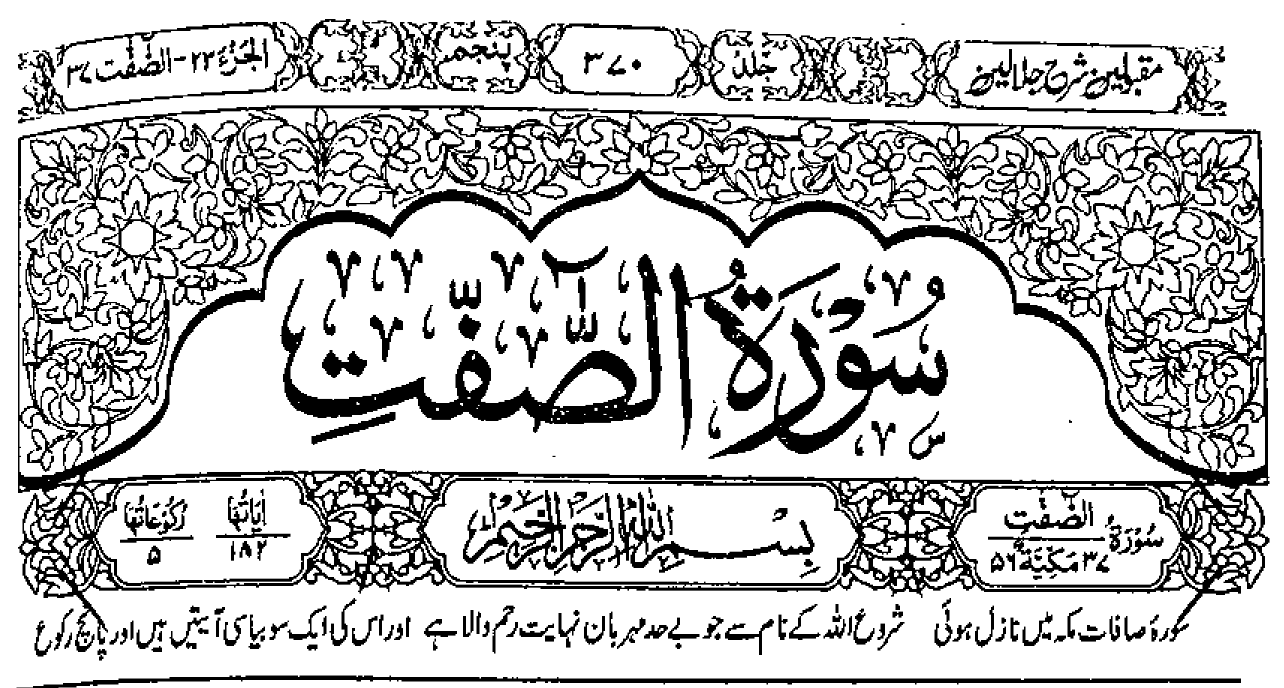
سابقہ آیت کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے سوالیہ انداز میں فرمایا اور اس سوال کی بنیاد مشرکین کے مزعومات اور مسلّمات پر رکھی۔ کیونکہ مشرکین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا بلکہ تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کائنات کی تخلیق کر سکے۔ چنانچہ ان کے اس اعتقاد کو سوال کی صورت دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ ذات جس کے بارے میں تمھیں اعتراف ہے کہ وہ زمین اور آسمانوں کا خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز اسی کی تخلیق سے وجود میں آئی ہے تو کیا وہ زمین اور آسمانوں اور کائنات کو بنانے کے بعد صفت تخلیق سے محروم ہو گیا یا وہ مسلسل تخلیق کے عمل سے تھک گیا اور تنگ آ گیا ہے جبکہ کائنات پر غور و فکر کرنے والے اس بات کے داعی ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید۔ کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اگر اس کی صفت تخلیق ویسے ہی تر و تازہ، شگفتہ اور شاداب ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ زمین و آسمان کو تباہ کرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کر سکے جبکہ کسی چیز کو پہلی دفعہ وجود دینا دوسری دفعہ کے وجود دینے سے مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک چیز کامیابی سے تخلیق کے مراحل سے گزر جاتی ہے تو پھر اس کا اعادہ کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن قیامت کے منکرین کا عجیب حال ہے کہ وہ کائنات کی ایک ایک چیز کا خالق اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں لیکن قیامت کی صورت میں تمام کائنات کی تباہی اور پھر از سر نو زندگی بپا ہونے کو مستبعد از عقل سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا عالم یہ ہے کہ وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ خلّاق ہے۔ نہ اس کی تخلیقی قوت میں پہلے کوئی کمی تھی اور نہ اب ہے، اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مخلوقات کی تباہی کے بعد وہ خوب جانتا ہے کہ کوئی شخص کس سرزمین میں مرا، اس کے اجزاء کہاں بکھر گئے، اور اس کے ذرات ہوا کے دوش پر کہاں کہاں پہنچے۔ کیونکہ وہ خلّاق ہونے کے ساتھ ساتھ علیم بھی ہے اور علیم میں بھی خلّاق کی طرح مبالغے کے ساتھ ساتھ استمرار اور دوام بھی پایا جاتا ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ۔۔۔۔

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ وہ عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے



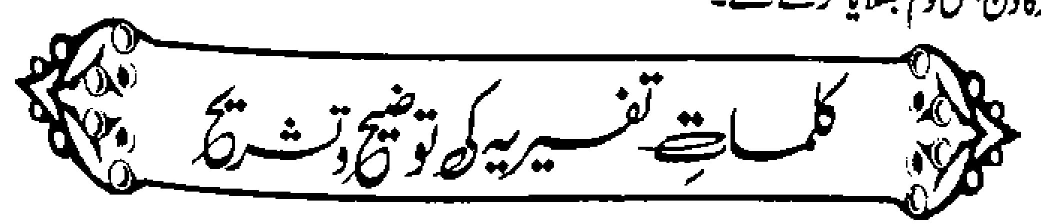
سورۂ صافات مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو بیاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿١﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَصِفُ نُفُوْسَهَا فِي الْعِبَادَةِ اَوْ اَجْنِحَتَهَا فِي الْهَوَاءِ تَنْتَظِرُ مَاتُؤْمَرُ بِهٖ
فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَزْجُرُ السَّحَابَ اَيْ تَسُوْقُهٗ فَالتّٰلِيٰتِ جَمَاعَةُ قُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ تَتْلُوْهُ ذِكْرًا ﴿٣﴾
مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنَى التَّالِيَاتِ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾
اَيْ وَالْمَغَارِبِ لِلشَّمْسِ لَهَا كُلَّ يَوْمٍ مَشْرِقٌ وَمَغْرِبٌ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ اَيْ
بِضَوْئِهَا اَوْ بِهَا وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ كَقِرَاءَةِ تَنْوِيْنِ زِيْنَةٍ الْمُبَيِّنَةِ بِالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ
اَيْ حَفِظْنَاهَا بِالشُّهُبِ مِنْ كُلِّ مُتَعَلِّقٌ بِالْمُقَدَّرِ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾ عَاتٍ خَارِجٍ عَنِ الطَّاعَةِ لَا
يَسَّمَّعُوْنَ اَيِ الشَّيَاطِيْنُ مُسْتَانَفٌ وَسِمَاعُهُمْ هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمَحْفُوْظِ عَنْهُ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى الْمَلَائِكَةِ
فِي السَّمَاءِ وَعَدَّى السِّمَاعَ بِاِلٰى لِتَضَمُّنِهٖ مَعْنَى الْاِصْغَاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْمِيْمِ وَالسِّيْنِ اَصْلُهٗ
يَتَسَمَّعُوْنَ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي السِّيْنِ وَيُقْذَفُوْنَ اَيِ الشَّيَاطِيْنُ بِالشُّهُبِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ مِنْ اٰفَاقِ
السَّمَاءِ دُحُوْرًا مَصْدَرُ دَحَرَهٗ اَيْ طَرَدَهٗ وَاَبْعَدَهٗ وَهُوَ مَفْعُوْلٌ لَهٗ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾ دَائِمٌ
اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ مَصْدَرٌ اَيِ الْمَرَّةَ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْمَعُوْنَ اَيْ لَا يَسْمَعُ اِلَّا الشَّيْطَانُ
الَّذِيْ سَمِعَ الْكَلِمَةَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَاَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ كَوْكَبٌ مُضِيْءٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ يَثْقُبُهٗ اَوْ
يُحْرِقُهٗ اَوْ يُخَبِّلُهٗ فَاسْتَفْتِهِمْ اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَقْرِيْرًا اَوْ تَوْبِيْخًا اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا مِنَ
الْمَلَائِكَةِ وَالسَّمٰوَاتِ وَالْاَرَضِيْنَ وَمَا فِيْهِمَا وَفِي الْاِتْيَانِ بِمَنْ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ اَيْ اَصْلَهُمْ

اٰدَمَ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ⑪ لَازِمٍ يَلۡصِقُ بِالۡيَدِ الۡمَعۡنٰى اَنَّ خَلۡقَهُمۡ ضَعِيۡفٌ فَلَا يَتَكَبَّرُوۡا بِاِنۡكَارِ النَّبِيِّ وَالۡقُرۡاٰنِ
الۡمُؤَدِّيۡ اِلٰى هَلَاكِهِمُ الۡيَسِيۡرِ بَلۡ لِلۡاِنۡتِقَالِ مِنۡ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ وَهُوَ الۡاِخۡبَارُ بِحَالِهٖ وَحَالِهِمۡ عَجِبۡتَ
بِفَتۡحِ التَّاءِ خِطَابًا لِلنَّبِيِّ اَيۡ مِنۡ تَكۡذِيۡبِهِمۡ اِيَّاكَ وَهُمۡ يَسۡخَرُوۡنَ ⑫ مِنۡ تَعَجُّبِكَ وَاِذَا ذُكِّرُوۡا وُعِظُوۡا
بِالۡقُرۡاٰنِ لَا يَذۡكُرُوۡنَ ⑬ لَا يَتَّعِظُوۡنَ وَاِذَا رَاَوۡا اٰيَةً كَانۡشِقَاقِ الۡقَمَرِ يَّسۡتَسۡخِرُوۡنَ ⑭ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ بِهَا وَ
قَالُوۡا فِيۡهَا اِنۡ مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ⑮ بَيِّنٌ وَقَالُوۡا مُنۡكِرِيۡنَ لِلۡبَعۡثِ ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ⑯ فِي الۡهَمۡزَتَيۡنِ فِي الۡمَوۡضِعَيۡنِ التَّحۡقِيۡقُ وَتَسۡهِيۡلُ الثَّانِيَةِ وَاِدۡخَالُ اَلِفٍ بَيۡنَهُمَا عَلَى
الۡوَجۡهَيۡنِ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ⑰ بِسُكُوۡنِ الۡوَاوِ عَطۡفًا بِاَوۡ وَبِفَتۡحِهَا وَالۡهَمۡزَةُ لِلۡاِسۡتِفۡهَامِ وَالۡعَطۡفُ
بِالۡوَاوِ وَالۡمَعۡطُوۡفُ عَلَيۡهِ مَحَلُّ اِنَّ وَاسۡمِهَا اَوِ الضَّمِيۡرِ فِيۡ لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ وَالۡفَاصِلُ هَمۡزَةُ الۡاِسۡتِفۡهَامِ قُلۡ
نَعَمۡ تُبۡعَثُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ دَاخِرُوۡنَ ⑱ صَاغِرُوۡنَ فَاِنَّمَا هِيَ ضَمِيۡرٌ مُبۡهَمٌ يُفَسِّرُهٗ مَا بَعۡدَهٗ زَجۡرَةٌ اَيۡ صَيۡحَةٌ
وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمۡ اَيِ الۡخَلَائِقُ اَحۡيَاءٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ⑲ مَا يُفۡعَلُ بِهِمۡ وَقَالُوۡا اَيِ الۡكُفَّارُ يٰوَيۡلَنَا لِلتَّنۡبِيۡهِ هَلَاكُنَا
وَهُوَ مَصۡدَرٌ لَا فِعۡلَ لَهٗ مِنۡ لَفۡظِهٖ وَتَقُوۡلُ لَهُمُ الۡمَلَائِكَةُ هٰذَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ⑳ اَيِ الۡحِسَابِ وَالۡجَزَاءِ هٰذَا
يَوۡمُ الۡفَصۡلِ بَيۡنَ الۡخَلَائِقِ الَّذِيۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ㉑ ع ۲۱ ۵

ترجمہ: قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر فرشتے مراد ہیں جو عبادت کے لیے صف بست کھڑے، یا فضاؤں میں پہرے جما کر حکم الٰہی کے منتظر ہوں پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کردہ فرشتے مراد ہیں جو بادلوں کو چلاتے ہوں پھر پڑھنے والوں کی یاد کہہ، قرآن کی تلاوت کرنے والے فرشتے مراد ہیں۔ ذکرا تالیات کا مصدر ہے معناً بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا اور پروردگار ہے مشرقی حصوں کا اور مغربی حصوں کا بھی روزانہ آفتاب کا طلوع وغروب الگ الگ ہوتا ہے اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ایک عجیب خوبصورتی سے ستاروں کی چمک دمک سے یا خود ستاروں ہی کے ذریعے، اضافت بیانیہ ہے جیسے زینۃ کی تنوین کواکب کے بیان کے لیے ہے اور حفظا فعل مقدر کے ذریعہ منصوب ہے یعنی آسمانوں کی حفاظت شہاب ستاروں کے ذریعہ کردی ہر شریر، سرکش باغی شیطان سے من کل فعل مقدر کے متعلق ہے وہ شیاطین کان بھی نہیں لگا سکتے، یعنی شیاطین یہ جملہ مستانفہ ہے اور شیاطین کا سننا دراصل محفوظ عنہ ہے عالم بالا کی طرف آسمانوں میں جو فرشتے ہیں لفظ سماع کو الٰی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے، معنی اصغاء کے ساتھ تضمین کر کے اور لفظ یسمعون ایک قراءت میں تشدید میم وتشدید سین کے ساتھ ہے اصل میں یتسمعون تھا تا کا ادغام سین میں کر دیا گیا

ہے اور مار بھگائے گئے ہیں یعنی شیاطین کو شہاب ستاروں سے مار بھگا دیا جاتا ہے ہر طرف آخرت کناروں سے مار بھگاتے گئے
ہیں دھکے دے کر دحور ادحرہ کا مصدر ہے بمعنی دور کر دینا یہ مفعول لہ ہے اور ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا مسلسل مگر جو
شیطان کچھ خبر ہی لے بھاگے الخطفۃ مصدر ہے یعنی ایک مرتبہ اچکنا اور استثناء یسمعون کی ضمیر سے یعنی آسمانی خبر کوئی نہیں
سن سکتا سوائے شیطان کے جو کوئی بات فرشتوں سے سن کر ایک دم اچک لے تو ایک چمکتا ہوا ستارہ دہکتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے
لگ لیتا ہے سو اس میں سوراخ کر ڈالتا ہے یا اس کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے یا اسے بدحواس بنا دیتا ہے تو آپ ان سے پوچھئے کفار مکہ
سے دریافت کیجئے بطور تقریر یا توبیخ کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری یہ پیدا کردہ چیزیں یعنی فرشتے، آسمان،
زمین اور ان کے درمیان کے مخلوق اور من لانے میں عقلاء کی تغلیب ہے ہم نے ان لوگوں یعنی ان کی اصل آدم کو پیدا کیا چکنی
مٹی سے جو ہاتھ کو چپک جاتی ہے یعنی ان کی بناوٹ کمزور ہے لہٰذا پیغمبر قرآن کا انکار کر کے تکبر نہ کریں جو جلد انھیں تباہی کی
طرف لے جائے بلکہ یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لیے ہے یعنی آپ کے اور ان کے حال کی خبر دینا ہے
آپ تو تعجب کرتے ہیں فتحہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے سے اور یہ لوگ مسخر کرتے ہیں
آپ کے تعجب پر اور جب ان کو سمجھا جاتا ہے قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ سمجھتے نہیں نصیحت حاصل لوگ تمسخر کرتے
ہیں آپ کے تعجب پر اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ سمجھتے نہیں نصیحت حاصل نہیں کرتے،
اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسے شق القمر تو اسکی ہنسی مذاق اڑاتے ہیں اور اسکے متعلق کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا واضح جادو ہے
اور منکرین قیامت کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مر گل گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے دونوں لفظوں کی
دونوں ہمزاؤں میں تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ، دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف
داخل کر کے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی لفظ اَو سکون واو کے ساتھ اَو کے ذریعہ عطف ہوگا اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے
دونوں صورتوں میں ہمزہ استفہامیہ ہوگا اور واؤ عاطفہ ہو سکتا ہے اور معطوف علیہ اَو اور اس کے اسم کا محل ہوگا، معطوف علیہ
لَمَبْعُوْثُوْنَ کی ضمیر ہے اور ہمزہ استفہام فاصل ہے آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم دوبارہ جلائے جاؤ گے اور ذلیل بھی ہوگے۔
گو قیامت تو بس ایک للکار چیخ ہی ہوگی هِیَ ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر آگے ہے، سو یکایک سب مخلوق زندہ ہو کر دیکھنے بھالنے
لگیں گے کہ ان کے ساتھ کیا کارروائی ہوتی ہے اور کفار کہیں گے ہائے ہماری کمبختی یاء تنبیہ کے لیے ہے ویل بمعنی ہلاکت
مصدر ہے ان لفظوں میں اس کا کوئی فعل نہیں ہے فرشتے کافروں سے کہیں گے یہ ہے روزِ جزاء حساب اور بدلہ کا دن یہی مخلوق
کے فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔



قوله: اِنَّ اِلٰهَكُمْ: یہ جواب قسم ہے۔

قوله: رَبُّ السَّمٰوٰتِ: یہ وَاحِدٌ سے بدل ہے۔

قوله: وَالْمَغَارِبِ: مراد تو یہ ہے کہ مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے مگر ایک جانب پر اکتفاء کیا۔

قوله: مُسْتَانَفٌ: یہ عمل شیطان کی صفت نہیں بلکہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہے، خواہ وہ سنیں یا نہ سنیں۔ جملہ مستانفہ ان کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا۔

قوله: الْمَحْفُوْظِ عَنْهُ: یعنی وہ آسمان جو شیاطین سے محفوظ کیا ہوا ہے۔

قوله: مَعْنَى الْاِصْغَاءِ: یہ سماع کی نفی میں مبالغہ کو ظاہر کرتا ہے۔

قوله: يُقْذَفُوْنَ: ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔

قوله: يَسَّمَّعُوْنَ: خوب طلب سے سننے کی کوشش کرنا۔

قوله: مِنْ اٰفَاقِ السَّمَاءِ: جب آفاق میں چڑھنے کی کوشش کریں۔

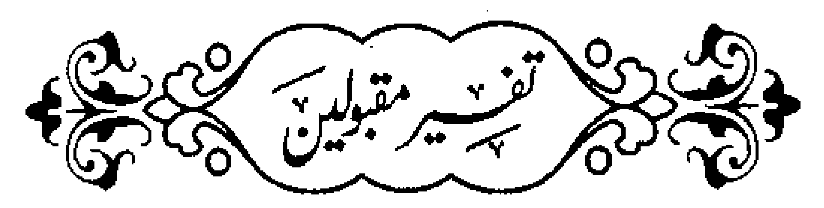
قوله: الْمَرَّةَ: اس میں تا وحدت کی ہے۔

قوله: فَاَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ: اس سے مراد ملائکہ کی گفتگو کو چھپ کر چرانا۔ خطفہ اسی کو کہا جاتا ہے۔

قوله: يُحْرِقُهٗ: وہ باز اس لیے نہیں رہتے کیونکہ شہاب ثاقب کبھی تو ان کو لگتا ہے اور کبھی نہیں لگتا۔

قوله: يَسْتَسْخِرُوْنَ: تمسخر میں مبالغہ کرنا۔

قوله: مَحَلُّ اِنَّ: ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے۔



وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ

سورت کے مضامین:

یہ سورت مکی ہے، اور دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہیں اور اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مشرکین کے عقائد کی تردید بھی ہے، اور آخرت میں جنت دوزخ کے حالات کی منظر کشی بھی۔ جو عقائد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شامل رہے ان کو مدلل کرنے اور کفار کے شبہات و اعتراض کو دور کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے ان عقائد کو تسلیم کیا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کیا رہا؟ اور جنہوں نے کفر و شرک کی راہ اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا؟ چنانچہ اس ضمن میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، اور ان کے صاحبزادگان، حضرت موسیٰ و ہارون حضرت الیاس، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، آخر میں اس عقیدے کی مفصل تردید کی گئی ہے۔ اور سورت کے

مجموعی طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرک کی اس خاص قسم (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے) کی تردید بطور خاص پیش نظر رہی ہے۔ اسی لئے سورت کو فرشتوں کی قسم کھا کر اور ان کے اوصاف بندگی کو ذکر کر کے شروع کیا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

پہلا مضمون توحید:

سورت کو عقیدہ توحید کے بیان سے شروع کیا گیا ہے۔ اور پہلی چار آیتوں کا اصل مقصد یہ بیان کرتا ہے کہ (آیت) اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ (بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے) لیکن اس بات کو بیان کرنے سے پہلے تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان قسموں کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ یہ ہے:

"قسم صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر قسم بندش کرنیوالوں کی، پھر قسم ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی"

یہ "صف باندھ کر کھڑے ہونیوالے"، "بندش کرنیوالے" اور "ذکر کی تلاوت کرنیوالے" کون ہیں؟ قرآن کریم کے الفاظ میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے اس کی تفسیر میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان سے مراد اللہ کے راستے میں جہاد کرنیوالے وہ غازی ہیں جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تا کہ باطل کی قوتوں پر "بندش" لگائیں اور صف آرا ہوتے وقت "ذکر" و تسبیح اور تلاوت قرآن میں بھی مشغول رہتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ ان سے مراد وہ نمازی ہیں جو مسجد میں صف باندھ کر شیطانی افکار و اعمال پر "بندش" عائد کرتے ہیں، اور اپنا پورا دھیان "ذکر و تلاوت" پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر و قرطبی) اور اس کے علاوہ بھی بعض تفسیریں بیان کی گئی ہیں، جو الفاظ قرآن کے ساتھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتیں۔

لیکن جمہور مفسرین کے یہاں جس تفسیر کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں، اور یہاں ان کی تین صفات بیان کی گئی ہیں:

پہلی صفت وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ ہے۔ یہ لفظ "صف" سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں "کسی جمعیت کو ایک خط پر استوار کرنا" (قرطبی) لہٰذا اس کے معنی ہوئے "صف باندھ کر کھڑے ہونے والے"۔

فرشتوں کی صف بندی کا ذکر اسی سورت میں آگے چل کر بھی آیا ہے۔ فرشتے خود اپنے بارے میں کہتے ہیں: وانا لنحن الصافون "(یعنی بلاشبہ ہم سب صف باندھے کھڑے رہتے ہیں") یہ صف بندی کب ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات مفسرین مثلاً حضرت ابن عباس، حسن بصری اور قتادہ نے یہ فرمایا کہ فرشتے ہمیشہ فضا میں صف باندھے اللہ کے حکم کے لئے گوش برآواز رہتے ہیں، اور جب کوئی حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ (مظہری) اور بعض حضرات نے اسے عبادت کے وقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، یعنی جب فرشتے عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں تو صف باندھ لیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

نظم و ضبط دین میں مطلوب ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم و ضبط اور ترتیب و سلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ظاہر

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کریں، لیکن اس بدنظمی کے بجائے انہیں صف بندی کی توفیق دی گئی، اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے۔

نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت:

چنانچہ انسانوں کو بھی عبادت کے دوران اس صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا: "تم (نماز میں) اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟" صحابہ نے پوچھا: "فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟" آپ نے جواب دیا: "وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)" (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ بن سکتا ہے۔ حضرت ابو مسعود بدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے: "سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔" (جمع الفوائد بحوالہ مسلم ونسائی ص۲۹ ج۱)

فرشتوں کی دوسری صفت فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا بیان کی گئی ہے۔ یہ لفظ "زجر" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں روکنا، ڈانٹنا، پھٹکارنا۔ حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ "بندش کرنیوالے" سے کیا ہے، جو لفظ کے ہر ممکن مفہوم کو جامع ہے۔ فرشتے کس چیز پر بندش عائد کرتے ہیں؟ قرآن کریم کے سیاق کے پیش نظر زیادہ تر مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں "بندش عائد کرنے سے" مراد فرشتوں کا وہ عمل ہے جس کے ذریعہ وہ شیاطین کو عالم بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اور جس کا تفصیلی ذکر خود قرآن کریم میں آگے آ رہا ہے۔

تیسری صفت فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ہے۔ یعنی یہ فرشتے "ذکر" کی تلاوت کرنیوالے ہیں "ذکر" کا مفہوم "نصیحت کی بات" بھی ہے اور "یاد خدا" بھی۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کے ذریعہ جو نصیحت کی باتیں نازل کی ہیں یہ ان کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ اور یہ تلاوت حصول برکت اور عبادت کے طور پر بھی ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وحی لانے والے فرشتے مراد ہوں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے سامنے ان کتب نصیحت کی تلاوت کر کے انہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں جبکہ "ذکر" سے مراد یاد خدا لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہر دم ان کلمات کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں، جو اللہ کی تسبیح و تقدیس پر دلالت کرتے ہیں۔

یہاں قرآن کریم نے فرشتوں کی یہ تین صفات ذکر کر کے بندگی کے تمام اوصاف کو جمع کر دیا ہے۔ یعنی عبادت کے لئے صف بستہ رہنا، طاغوتی طاقتوں کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا، اور اللہ کے احکام و مواعظ کو خود پڑھنا اور دوسروں کو پہنچانا۔ اور ظاہر ہے۔ بندگی کا کوئی عمل ان تین شعبوں سے خالی نہیں ہو سکتا، لہٰذا چاروں کا مفہوم یہ ہو گیا کہ "جو فرشتے تمام اوصاف بندگی کے حامل ہیں ان کی قسم، تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے۔"

فرشتوں کی قسم کیوں کھائی گئی؟

اس سورت میں خاص طور پر فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ اس سورت کا مرکزی موضوع شرک کی اس خاص قسم کی تردید ہے جس کے تحت اہل مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ سورت کی ابتداء ہی میں فرشتوں کی قسم کھا کر ان کے وہ اوصاف بیان کر دیئے گئے جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے ان اوصاف بندگی پر غور کرو گے تو وہ خود تمہارے سامنے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں، بلکہ بندہ و آقا کا ہے۔

حق تعالیٰ کا قسم کھانا اور اس کے متعلق احکام اور سوال و جواب:

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے ایمان و عقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کے لئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے، کبھی اپنی ذات کی، کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی۔ اس کے متعلق بہت سے سوالات ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن شریف کی تفسیر میں یہ ایک مستقل اصولی مسئلہ بن گیا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس پر ایک مستقل کتاب "التبیان فی اقسام القرآن" لکھی ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی اصول تفسیر کی کتاب "اتقان" میں مباحث کی سرسٹھویں نوع اس کو قرار دے کر مفصل کلام کیا ہے۔ یہاں کچھ ضروری اجزاء لکھے جاتے ہیں۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اغنی الاغنیاء ہیں، ان کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کو یقین دلانے کیلئے قسم کھائیں؟

اتقان میں ابوالقاسم قشیری سے اس سوال کے جواب میں یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی، مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کریں اور عذاب سے بچ جائیں۔
ایک اعرابی نے جب: **وفی السماء رزقکم وما توعدون، فورب السماء والارض انه لحق،** سنی تو کہنے لگا کہ اللہ جیسی عظیم الشان ہستی کو کس نے ناراض کیا ہے کہ اس کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شفقت علی الخلق اس کی داعی ہے کہ جس طرح دنیا کے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعوے پر شہادت پیش کی جائے شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے، اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کے اس مانوس طریقہ کو اختیار فرمایا ہے کہیں تو شہادت کے الفاظ سے مضمون کی تاکید فرمائی جیسے: **شهد الله انه لا اله الا هو**... اور کہیں قسم کے الفاظ سے جیسے **ای و ربی انه لحق** وغیرہ۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ قسم اپنے سے بہت بڑے کی کھائی جاتی ہے، حق تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی جو ہر حیثیت سے کمتر ہیں؟

جواب یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ سے بڑی کوئی ذات نہ ہو نہ ہو سکتی ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی قسم عام مخلوق کی قسم کی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے کہیں اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے جیسے (**ای و ربی**) اور اس طرح ذات حق

کی قسمیں قرآن میں سات جگہ آئی ہیں۔ اور کہیں اپنے افعال وصفات کی اور قرآن کی قسم کھائی ہے جیسے و السماء و ما بنٰھا والارض و ما طحٰھا و نفس و ما سوٰاھا وغیرہ، اور بیشتر قسمیں اپنے مفعول ومخلوق کی استعمال ہوئی ہیں، جو معرفت کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اسی کی ذات کی طرف راجع ہو جاتی ہیں۔ (کذا ذکرہ ابن قیم)

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس سے اس چیز کو عظمت وفضیلت کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی عمر کی قسم آئی ہے: لَعَمْرُكَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَكْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۞، ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ معزز اور مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی ورسول کی ذات کی قسم نہیں آئی، صرف رسول اللہ ﷺ کی عمر کی قسم آیت مذکورہ میں آئی ہے۔ اسی طرح (وَالطُّوْرِ۞ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ۞) کی قسم بھی طور اور کتاب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے آئی ہے۔

اور بعض اوقات کسی مخلوق کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ وہ کثیر المنافع ہے، جیسے: وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۞ اور بعض جگہ کسی مخلوق کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظہر اور معرفت صانع عالم کا اہم ذریعہ ہے۔ اور عموماً جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس کو اس مضمون کے ثبوت میں کچھ دخل ضرور ہوتا ہے، جس مضمون کے لئے قسم کھائی ہے، جو ہر جگہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ شریعت کا مشہور حکم عام انسانوں کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے خود مخلوقات کی قسم کھانا کیا اس کی دلیل نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی غیر اللہ کی قسم جائز ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھالے، مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ جل شانہ، پر قیاس کرنا غلط اور باطل ہے، جب شریعت الٰہیہ میں عام انسانوں کے لئے غیر اللہ کی قسم ممنوع کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے اپنے ذاتی فعل سے اس کے خلاف استدلال کرنا باطل ہے۔

اس کے بعد آیات مذکورہ کی تفسیر پر غور فرمائیے۔

پہلی چار آیتوں میں فرشتوں کی قسم کھا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک ہے۔ اگرچہ قسم کے دوران فرشتوں کی صفات بھی وہ ذکر کی گئی ہیں جن پر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے تو وہ عقیدہ توحید ہی کی دلیل معلوم ہوتی ہیں، لیکن آگے کی چھ آیات میں توحید کی دلیل مستقلاً بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۞ (وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جتنی مخلوقات ہیں ان کا اور پروردگار ہے مشرقوں کا) تو جو ذات اتنی عظیم مخلوقات کی خالق وپروردگار ہو، عبادت کی مستحق بھی وہی ہے، اور یہ ساری کائنات اس کے وجود اور وحدانیت کی دلیل ہے یہاں المشارق، مشرق کی جمع ہے، اور چونکہ سورج سال کے ہر

دن میں ایک نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، اس لئے اس کی مشرقیں بہت ساری ہیں، اسی بنا پر یہاں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ اس میں السَّمَآءَ الدُّنْيَا سے مراد نزدیک ترین آسمان ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس نزدیک والے آسمان کو ستاروں کے ذریعے زینت بخشی ہے، اب یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ ستارے ٹھیک آسمان کے اندر ہوں، بلکہ اگر اس سے جدا ہوں تب بھی زمین سے دیکھا جائے تو وہ آسمان پر ہی معلوم ہوتے ہیں، اور ان کی وجہ سے آسمان جگمگاتا نظر آتا ہے۔ بتلانا صرف اس قدر ہے کہ یہ تاروں بھرا آسمان اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ اسے پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے، اور جو ذات اتنی عظیم الشان چیزوں کو وجود میں لاسکتی ہے اسے کسی شریک اور ساجھی کی کیا ضرورت ہے؟ نیز جب یہ بات مشرکین کے نزدیک بھی طے شدہ ہے کہ ان تمام فلکی اجسام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ خالق و مالک تو وہ ہو اور عبادت کسی اور کی کی جائے؟

رہا یہ مسئلہ کہ ستارے قرآن کی رو سے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں یا اس سے الگ ہیں؟ نیز قرآن کریم کا علم ہیئت کے ساتھ کیا ربط ہے؟ اس موضوع پر مفصل بحث سورۃ حجر میں گزر چکی ہے۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ (الی قولہ تعالیٰ) فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ان آیات میں زینت و آرائش کے علاوہ ستاروں کا ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ شریر قسم کے شیاطین کو عالم بالا کی باتیں سننے سے روکا جاتا ہے۔ وہ غیبی خبروں کی سن گن لینے کے لئے آسمان کے قریب جاتے ہیں، لیکن انہیں فرشتوں کی باتیں سننے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ کوئی شیطان اگر کوئی آدھی تہائی بات سن بھاگتا ہے تو اسے ایک دہکتے ہوئے شعلہ کے ذریعے مار لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ دنیا میں پہنچ کر اپنے معتقد کاہنوں اور نجومیوں کو کچھ بتا نہ سکے، اسی دہکتے ہوئے شعلے کو "شہاب ثاقب" کہا گیا ہے۔

"شہاب ثاقب" کی کچھ تفصیل سورۃ حجر میں گزر چکی ہے، یہاں اتنی تنبیہ ضروری ہے کہ قدیم یونانی فلاسفہ اس بات کے قائل تھے کہ "شہاب ثاقب" دراصل کوئی زمینی مادہ ہوتا ہے جو بخارات کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے، اور کرہ نار کے قریب پہنچ کر جل اٹھتا ہے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ نہیں، بلکہ عالم بالا ہی میں پیدا ہونے والی کوئی چیز ہے۔ قدیم مفسرین اس موقع پر یہ کہتے آئے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کا یہ خیال کہ "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ ہے محض قیاس اور تخمینہ پر مبنی ہے، اس لئے اس سے قرآن پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اس کے علاوہ اگر کوئی زمینی مادہ اوپر جا کر مشتعل ہو جاتا ہو تو قرآن کریم سے اس کی بھی کوئی منافات نہیں۔

لیکن آج کی جدید سائنسی تحقیقات نے یہ سوال ہی ختم کر دیا ہے۔ موجودہ سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ "شہاب ثاقب" ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر، اور یہ ان گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں۔ انہی کا ایک مجموعہ "اسدیہ" کہلاتا ہے جو سورج کے گرد طلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک دورہ ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے۔ ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ٹکڑے 10 اگست اور 27 نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ اپریل، 28 نومبر، 18 اکتوبر، اور ۶، ۹، 13 دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (از تفسیر الجواہر للطنطاوی، ص ۵، ج ۸)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ "شہاب ثاقب" کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے:

"ہمارے آباء واجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانہ کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتایئے کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے، مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے؟ ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلے گی)۔ (جواہر ص ۴، ج ۸)

مقصد اصلی: یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ وتنہا اتنے زبردست آفاقی انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ دوسرے اسی دلیل میں ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی کردی گئی ہے جو شیطانوں کو دیوتا یا معبود قرار دیتے ہیں اور جتا دیا گیا ہے کہ یہ تو ایک مردود ومقہور مخلوق ہیں، ان کو خدائی سے کیا واسطہ؟

اس کے علاوہ اسی مضمون میں ان لوگوں کی بھی بھرپور تردید موجود ہے جو قرآن کریم کا آنحضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو کاہنوں کی کہانت سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ان آیتوں میں اشارہ کردیا گیا کہ قرآن کریم تو کاہنوں کی تردید کرتا ہے، لے دے کر ان کی معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ شیاطین ہیں، اور قرآن یہ کہتا ہے کہ شیاطین کی عالم بالا تک رسائی ممکن نہیں، وہ غیب کی سچی خبریں نہیں لاسکتے۔ جب کہانت کے بارے میں قرآن کریم کا بیان کیا ہوا عقیدہ یہ ہے تو وہ خود کہانت کیسے ہوسکتا ہے؟ اس طرح یہ آیتیں توحید اور رسالت دونوں مضامین کی طرف اشاروں پر مشتمل ہیں، اور آگے انہی آسمانی مخلوقات کے ذریعہ آخرت کے عقیدے کو ثابت کیا گیا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا۔۔۔۔

معجزات کا استہزاء کرنے والوں اور وقوع قیامت کے منکرین کی تردید:

عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے کے بعد ان آٹھ آیتوں میں عقیدۂ آخرت کا بیان ہے، اور اسی سے متعلق مشرکین کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ سب سے پہلی آیت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے امکان پر عقلی دلیل پیش کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کے جن عظیم اجسام کا ذکر پچھلی آیتوں میں کیا گیا ہے، انسان تو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور مخلوق ہے جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے، چاند، ستارے، سورج اور شہاب ثاقب جیسی مخلوقات اپنی قدرت سے پیدا فرمائی ہیں، تو اس کے لئے انسان جیسی کمزور مخلوق کو موت دے کر دوبارہ زندہ کردینا کیا مشکل ہے؟ جس طرح تمہیں ابتداء میں چپکتی ہوئی مٹی سے بنا کر تم میں روح پھونک دی تھی، اسی طرح جب تم مر کر دوبارہ خاک ہو جاؤ گے اس وقت پھر اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی

عطا کر دے گا۔

اور یہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے انہیں چپکتی مٹی سے پیدا کیا" اس سے مطلب یا تو یہ ہے کہ ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہر انسان ہو۔ اس لئے اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی اصل پانی ملی ہوئی مٹی ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، نطفہ خون سے بنتا ہے، خون غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا خواہ کسی شکل میں ہو اس کی اصل نباتات ہیں اور نباتات مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔

بہرصورت پہلی آیت عقیدہ آخرت کی عقلی دلیل پر مشتمل ہے، اور اسے خود انہی سے یہ سوال کر کے شروع کیا گیا ہے کہ تم زیادہ سخت مخلوق ہو یا جن مخلوقات کا ذکر ہم نے کیا ہے، وہ زیادہ سخت ہیں؟ جواب ظاہر تھا کہ وہی مخلوقات زیادہ سخت ہیں، اس لئے اس کی تصریح کرنے کی بجائے اس کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ "ہم نے تو انہیں چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے"

اس کے بعد کی پانچ آیتوں میں اس ردعمل کا بیان کیا گیا ہے جو آخرت کے دلائل سن کر مشرکین ظاہر کرتے ہیں۔ مشرکین کے سامنے عقیدہ آخرت کے جو دلائل بیان کئے جاتے تھے وہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو عقلی دلائل، جیسے پہلی آیت میں بیان کیا گیا، دوسرے نقلی دلائل یعنی ان کو معجزے دکھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا بیان کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، نبی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا، اس کے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں، جب آپ یہ خبر دے رہے ہیں کہ قیامت آئے گی، حشر ونشر ہوگا، انسانوں سے حساب و کتاب لیا جائے گا تو یہ خبر یقیناً سچی ہے، اسے مان لینا چاہئے جہاں تک عقلی دلائل پر مشرکین کے ردعمل کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ارشاد ہے:

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ یعنی آپ کو تو ان لوگوں پر یہ تعجب ہوتا ہے کہ کیسے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود یہ لوگ نہیں مان رہے، لیکن یہ الٹا آپ کے دلائل وعقائد کا مذاق اڑاتے ہیں، اور انہیں کتنا ہی سمجھا لو سمجھ کر نہیں دیتے، رہے نقلی دلائل، سو اس کے بارے میں ان کا ردعمل یہ ہے کہ:

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ یعنی جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو آپ کی نبوت اور بالآخر عقیدہ آخرت پر دلالت کرتا ہے، تو یہ اسے بھی ٹھٹھوں میں اڑا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اور اس سارے تمسخر واستہزاء کی ان کے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ یہ کہ: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷ یعنی یہ بات ہمارے تصور میں نہیں آتی کہ ہم یا ہمارے آباء واجداد خاک ہو جانے اور ہڈیاں بن جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس لئے ہم نہ کوئی عقلی دلیل مانتے ہیں اور نہ کسی معجزے وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے اس کے جواب میں صرف ایک جملہ آخر میں ارشاد فرمایا: قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝۱۸ "یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ ہو گے اور ذلیل وخوار ہو کر زندہ ہو گے"

دیکھنے میں تو یہ ایک حاکمانہ جواب ہے، جیسا ہٹ دھرمی کرنے والوں کو دیا جاتا ہے، لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ ایک پوری دلیل بھی ہے، جس کی تشریح امام رازی نے تفسیر کبیر میں کی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اوپر دوبارہ زندہ ہونے کی عقلی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسانوں کا مر کر پھر زندہ ہونا کوئی ناممکن بات نہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ جو بات عقلاً ممکن ہو اس کا واقعتا

وجود میں آ جانا کسی سچے خبر دینے والے کی خبر سے ثابت ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے تو اس کے بعد کسی سچے نبی کا صرف اتنا کہہ دینا کہ "ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ ہو گے" اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ واقعہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ثبوت:

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً الخ میں "اٰيَةً" کے لغوی معنی نشانی کے ہیں، اور اس سے یہاں مراد معجزہ ہے۔ لہٰذا یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی کچھ معجزات عطا فرمائے تھے، اور اس سے ان ملحدین کی تردید ہو جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات کو حسی اسباب کے تابع قرار دے کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک پر قرآن کریم کے سوا کوئی معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا۔

چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے: وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۞ (جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں) بعض منکرین معجزات کہتے ہیں کہ یہاں "اٰيَةً" سے مراد معجزہ نہیں بلکہ عقلی دلائل ہیں۔ لیکن یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اگلی آیت میں ہے: وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ "یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے"۔ ظاہر ہے کہ کسی دلیل کو کھلا جادو قرار دینے کا کوئی تک نہیں ہے، یہ بات وہ معجزہ دیکھ کر ہی کہہ سکتے ہیں۔

بعض منکرین معجزات یہ بھی کہتے ہیں کہ "آیۃ" سے مراد قرآن کریم کی آیات ہیں کہ یہ لوگ انہیں جادو قرار دیتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا لفظ "راوا" (دیکھتے ہیں) اس کی صاف تردید کر رہا ہے۔ آیات قرآنی کو دیکھا نہیں، سنا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیات قرآنی کا ذکر ہے وہاں اس کے ساتھ سننے کے الفاظ آئے ہیں دیکھنے کے نہیں، اور قرآن کریم میں جگہ جگہ "آیۃ" کا لفظ معجزہ کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کا مطالبہ نقل کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"ان كنت جئت باية فات بها ان كنت من الصادقين"

"اگر تم کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو لاؤ، اگر سچے ہو"

اسی کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو سانپ بنانے کا معجزہ دکھلایا تھا۔

رہیں قرآن کریم کی وہ آیات جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے معجزہ دکھانے کے مطالبہ کو نہیں مانا۔ سو درحقیقت وہاں بار بار معجزات دکھائے جا چکے تھے لیکن وہ ہر روز اپنی مرضی کا ایک نیا معجزہ طلب کرتے تھے، اس کے جواب میں معجزہ دکھانے سے انکار کیا گیا۔ اس لئے کہ اللہ کا نبی اللہ کے حکم سے معجزات دکھاتا ہے، اگر کوئی پھر بھی اس کی بات نہ مانے تو ہر روز ایک نیا معجزہ ظاہر کرنا نبی کے وقار کے بھی خلاف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بھی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ رہا ہے کہ جب کسی قوم کو اس کا مطلوبہ معجزہ عطا کر دیا گیا اور اس کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائی، تو عذاب عام کے ذریعہ اس کو ہلاک کیا گیا امت محمدیہ کو چونکہ باقی رکھنا اور عذاب عام سے بچانا پیش نظر تھا اس لئے اسے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا گیا۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۱۹

آخرت کے امکان وثبوت کے بعد باری تعالیٰ نے ان آیتوں میں حشر ونشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں، اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو جو حالات پیش آئیں گے ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

سب سے پہلی آیت میں مردوں کے زندہ ہونے کا طریق کار بیان فرمایا ہے کہ: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (یعنی قیامت تو بس ایک للکار ہوگی، زجرة کا لفظ زجر کا اسم مرہ ہے اور اس کے عربی زبان میں کئی معنی آتے ہیں۔ ان میں ایک معنی ہیں "مویشیوں کو چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایسی آوازیں نکالنا جنہیں سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوں" یہاں اس سے مراد وہ دوسرا صور ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے، اور اسے "زجرة" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح مویشیوں کو اٹھا کر چلانے کے لئے کچھ آوازیں نکالی جاتی ہیں اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے کے لئے یہ صور پھونکا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی)

اگرچہ باری تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ صور پھونکے بغیر مردوں کو زندہ کر دے، لیکن یہ صور حشر ونشر کے منظر کو پر ہیبت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا۔ (تفسیر کبیر) اس صور پھونکنے کا اثر کافروں پر یہ ہوگا کہ: فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۱۹ (پس اچانک وہ دیکھنے بھالنے لگیں گے) یعنی جس طرح دنیا میں وہ دیکھنے پر قادر تھے اسی طرح وہاں بھی دیکھ سکیں گے، اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔ (قرطبی)

وَ يُقَالُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ وَ اَزْوَاجَهُمْ قُرَنَاءَهُمْ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْثَانِ فَاهْدُوْهُمْ دُلُّوْهُمْ وَسُوْقُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ طَرِيْقِ النَّارِ وَ قِفُوْهُمْ اِحْبِسُوْهُمْ عِنْدَ الصِّرَاطِ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝۲۴ عَنْ جَمِيْعِ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَ يُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا لَا يَنْصُرُ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶ مُنْقَادُوْنَ اَذِلَّاءُ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۲۷ يَتَلَاوَمُوْنَ وَيَتَخَاصَمُوْنَ قَالُوْٓا اَيِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ لِلْمَتْبُوْعِيْنَ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝۲۸ عَنِ الْجِهَةِ الَّتِيْ كُنَّا نَاْمَنُكُمْ مِنْهَا بِحَلْفِكُمْ اَنَّكُمْ عَلَى الْحَقِّ فَصَدَّقْنَاكُمْ وَاتَّبَعْنَاكُمُ الْمَعْنٰى اَنَّكُمْ اَضْلَلْتُمُوْنَا قَالُوْا اَيِ الْمَتْبُوْعُوْنَ لَهُمْ بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۹ وَاِنَّمَا يَصْدُقُ الْاِضْلَالُ مِنَّا اَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَرَجَعْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اِلَيْنَا وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ قُوَّةٍ وَقُدْرَةٍ تَقْهَرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِنَا بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝۳۰ ضَالِّيْنَ مِثْلَنَا فَحَقَّ وَجَبَ عَلَيْنَا جَمِيْعًا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ بِالْعَذَابِ اَيْ قَوْلُهٗ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

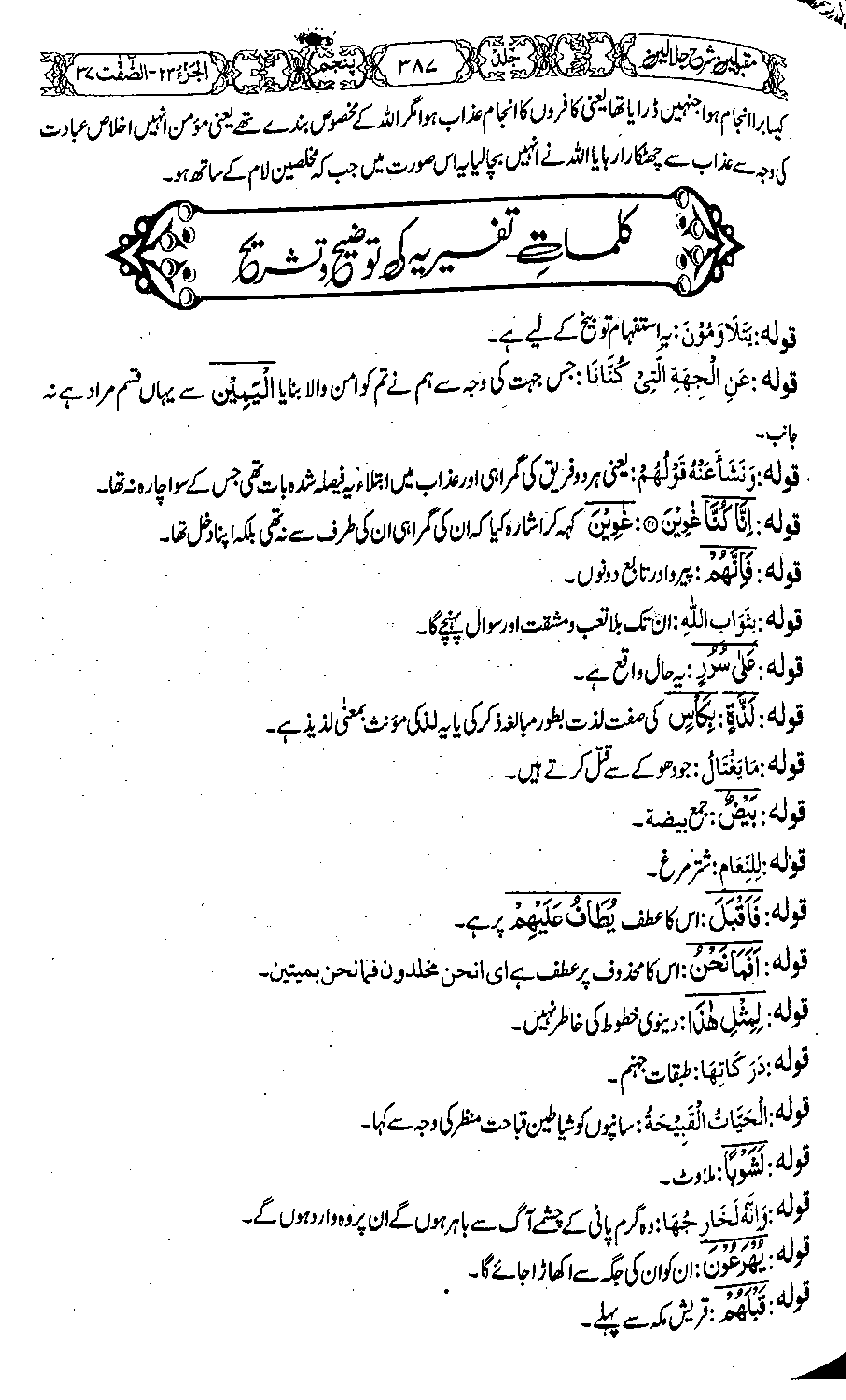
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اِنَّا جَمِيْعًا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ الْعَذَابَ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ وَنَشَأَ عَنْهُ قَوْلُهُمْ فَاَغْوَيْنٰكُمْ
الْمُعَلَّلُ بِقَوْلِهِمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ تَعَالٰى فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾
لِاِشْتِرَاكِهِمْ فِي الْغَوَايَةِ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا نَفْعَلُ بِهٰؤُلَاءِ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ غَيْرِ هٰؤُلَاءِ اَيْ نُعَذِّبُهُمْ
التَّابِعَ مِنْهُمْ وَالْمَتْبُوْعَ اِنَّهُمْ اَيْ هٰؤُلَاءِ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهٗ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا فِيْ هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ اَيْ لِاَجْلِ قَوْلِ
مُحَمَّدٍ قَالَ تَعَالٰى بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ الْجَائِيْنَ بِهٖ وَهُوَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّكُمْ فِيْهِ
اِلْتِفَاتٌ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَيْ ذُكِرَ جَزَاؤُهُمْ فِيْ قَوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا فَوَاكِهُ بَدَلٌ اَوْ بَيَانٌ لِلرِّزْقِ وَهِيَ مَا يُؤْكَلُ تَلَذُّذًا لَا لِحِفْظِ صِحَّةٍ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ
مُسْتَغْنُوْنَ عَنْ حِفْظِهَا بِخَلْقِ اَجْسَامِهِمْ لِلْاَبَدِ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ بِثَوَابِ اللّٰهِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ لَا يَرٰى بَعْضُهُمْ قَفَا بَعْضٍ يُطَافُ عَلَيْهِمْ عَلٰى كُلٍّ مِّنْهُمْ بِكَاْسٍ هُوَ الْاِنَاءُ بِشَرَابِهٖ مِّنْ
مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ مِنْ خَمْرٍ يَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ كَاَنْهَارِ الْمَاءِ بَيْضَآءَ اَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ لَذَّةٍ لَذِيْذَةٍ
لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ لَا فِيْهَا غَوْلٌ مَا يَغْتَالُ عُقُوْلَهُمْ وَّلَا هُمْ
عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ بِفَتْحِ الزَّاءِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَاَنْزَفَ اَيْ يُسْكَرُوْنَ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ الْاَعْيُنِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ لَا يَنْظُرْنَ اِلٰى غَيْرِهِمْ لِحُسْنِهِمْ عِنْدَهُنَّ
عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ ضِخَامُ الْاَعْيُنِ حِسَانُهَا كَاَنَّهُنَّ فِي اللَّوْنِ بَيْضٌ لِلنَّعَامِ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ مَسْتُوْرٌ بِرِيْشِهٖ لَا يَصِلُ
اِلَيْهِ غُبَارٌ وَلَوْنُهٗ وَهُوَ الْبَيَاضُ فِيْ صُفْرَةٍ اَحْسَنُ اَلْوَانِ النِّسَاءِ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ بَعْضُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَلٰى
بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ عَمَّا مَرَّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ صَاحِبٌ يُنْكِرُ
الْبَعْثَ يَّقُوْلُ لِيْ تَبْكِيْتًا اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ بِالْبَعْثِ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا فِيْ

الْهَمْزَتَيْنِ فِي ثَلٰثَةِ مَوَاضِعَ مَاتَقَدَّمَ لَمَدِيْنُوْنَ (٥٣) مَجْزِيُّوْنَ وَ مَحَاسَبُوْنَ اُنْكِرَ ذٰلِكَ اَيْضًا قَالَ ذٰلِكَ
الْقَائِلُ لِاِخْوَانِهٖ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ (٥٤) مَعِيَ اِلَى النَّارِ لِنَنْظُرَ حَالَهٗ فَيَقُوْلُوْنَ لَا فَاطَّلَعَ ذٰلِكَ الْقَائِلُ مِنْ
بَعْضِ كُوَى الْجَنَّةِ فَرَاٰهُ اَيْ رَاٰى قَرِيْنَهٗ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ (٥٥) اَيْ وَسْطِ النَّارِ قَالَ لَهٗ تَشْمِيْتًا تَاللّٰهِ اِنْ
مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ كِدْتَّ قَارَبْتَ لَتُرْدِيْنِ (٥٦) لَتُهْلِكُنِيْ بِاِغْوَائِكَ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ اَيْ اِنْعَامُهٗ عَلَيَّ
بِالْاِيْمَانِ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (٥٧) مَعَكَ فِي النَّارِ وَ يَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ (٥٨) اِلَّا
مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى اَيِ الَّتِيْ فِي الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (٥٩) هُوَ اسْتِفْهَامُ تَلَذُّذٍ وَّتَحَدُّثٍ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى
مِنْ تَابِيْدِ الْحَيٰوةِ وَ عَدَمِ التَّعْذِيْبِ اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ ذُكِرَ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (٦٠) لِمِثْلِ هٰذَا
فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (٦١) قِيْلَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ وَقِيْلَ هُمْ يَقُوْلُوْنَهٗ اَذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ لَهُمْ خَيْرٌ نُّزُلًا وَهُوَ مَا يُعَدُّ
لِلنَّازِلِ مِنْ ضَيْفٍ وَغَيْرِهٖ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (٦٢) الْمُعَدَّةُ لِاَهْلِ النَّارِ وَهِيَ مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتِهَامَةَ
يُنْبِتُهَا اللّٰهُ الْجَحِيْمَ كَمَا سَيَاْتِيْ اِنَّا جَعَلْنٰهَا بِذٰلِكَ فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (٦٣) اَيِ الْكَافِرِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اِذْ
قَالُوا النَّارُ تُحْرِقُ الشَّجَرَ فَكَيْفَ تُنْبِتُهٗ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (٦٤) قَعْرِ جَهَنَّمَ وَ اَغْصَانُهَا
تَرْتَفِعُ اِلٰى دَرَكَاتِهَا طَلْعُهَا الْمُشَبَّهُ بِطَلْعِ النَّخْلِ كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (٦٥) اَيِ الْحَيَّاتُ الْقَبِيْحَةُ الْمَنْظَرِ
فَاِنَّهُمْ اَيِ الْكُفَّارُ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا مَعَ قُبْحِهَا لِشِدَّةِ جُوْعِهِمْ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٦٦) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (٦٧) اَيْ مَاءٍ حَارٍّ يَشْرَبُوْنَهٗ فَيَخْتَلِطُ بِالْمَاْكُوْلِ مِنْهَا فَيَصِيْرُ شَوْبًا لَهٗ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (٦٨) يُفِيْدُ اَنَّهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا لِشُرْبِ الْحَمِيْمِ وَاَنَّهٗ لَخَارِجُهَا اِنَّهُمْ اَلْفَوْا
وَجَدُوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ (٦٩) فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (٧٠) يُزْعَجُوْنَ اِلٰى اِتِّبَاعِهِمْ فَيُسْرِعُوْنَ اِلَيْهِ وَ
لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (٧١) مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (٧٢) مِنَ الرُّسُلِ
مُخَوِّفِيْنَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (٧٣) الْكَافِرِيْنَ اَيْ عَاقِبَتُهُمُ الْعَذَابُ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
ع الْمُخْلَصِيْنَ (٧٤) اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنَّهُمْ نَجَوْا مِنَ الْعَذَابِ لِاِخْلَاصِهِمْ فِي الْعِبَادَةِ اَوْلِاَنَّ اللّٰهَ اَخْلَصَهُمْ لَهَا

قراءۃ فتح اللام

ترجمہ: اور فرشتوں سے کہا جائے ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان کے شیطانی رفیقوں کو اور ان کے معبودوں کو جس کی وہ خدا کے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے مراد بت ہیں جمع کرلو اور انکو جہنم کا راستہ دکھلا دو اور گھسیٹ کر لے جاؤ اور انکو پل صراط کے پاس ٹھہراؤ ان سے سوال کرنا ہے ان کے تمام اقوال وافعال کے بارے میں اور ان سے توبیخاً کہا جائیگا تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے جیسا کہ دنیا میں تمہارا طریقہ تھا اور ان سے کہا جائے گا بلکہ وہ آج سرنگوں ذلیل ہوں گے۔ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کریں گے یعنی الزام تراشی کریں گے ان میں سے تابعین متبوعین سے کہیں گے تم ہمارے پاس حلفیہ طریقہ سے آتے تھے، ہم تمہاری اس قسم کی وجہ سے کہ تم برحق ہو تمہارا یقین کر لیتے تھے اور تمہاری اتباع کر لیتے تھے مطلب یہ ہے کہ تم ہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا وہ متبوعین ان سے کہیں گے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم خود ہی مومن نہیں تھے ہماری طرف سے گمراہ کرنا اس وقت صادق آتا کہ تم مومن ہوتے پھر ایمان سے پھر جاتے اور ہمارا تم پر کوئی زور زبردستی تو تھا نہیں کہ تم کو اپنی اتباع پر مجبور کرتے بلکہ تم خود ہی ہمارے مانند گمراہ لوگ تھے تو ہم سب پر ہمارے عذاب کی وعید یعنی لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ثابت ہوگئی اب ہم سب کو اس وعید کے مطابق عذاب کا مزہ چکھنا ہے اور قول رب سے ان کا قول فَاَغْوَيْنٰكُمْ ثابت ہو گیا یعنی ہمارا تم کو گمراہ کرنا ثابت ہو گیا ہم نے تمہیں گمراہ بنایا یہ معلول ہے ان کے قول اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ کا اللہ تعالیٰ نے فرمائے گا کہ وہ سب تابعین اور متبوعین قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے ان کے گمراہی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ہم جیسا کہ ان کے ساتھ کر رہے ہیں ان کے علاوہ ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یعنی تابع اور متبوع کو عذاب دیا کرتے ہیں وہ یعنی یہی لوگ، مابعد کے قرینہ سے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلاء انا کے دونوں ہمزوں میں مذکورہ تمام قراءتیں ہیں۔ ہم ایک شاعر مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں یعنی محمد ﷺ کے کہنے سے بات ایسی نہیں بلکہ ارشاد ربانی ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور حق لانے والا رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور حق لا الٰہ الا اللہ ہے یقیناً تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے مگر اللہ کے مخلص بندے ہیں یعنی ایمان والے مستثنیٰ منقطع ہے ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ میں ذکر کی گئی ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کا رزق جو کہ میوے ہیں جنت میں وقت مقررہ پر صبح وشام ملے گا، لفظ فَوَاكِهُ رزق سے بدل واقع ہے یا عطف بیان ہے فَوَاكِهُ پھلوں اور میووں کو کہا جاتا ہے جو تلذذ کے طور پر کھائے جاتے ہیں نہ کہ بقائے صحت کے لیے اس لیے کہ جنتی بقاء صحت سے مستغنی ہوں گے اس لیے کہ ان کے اجسام کی تخلیق ابدالآباد کے لیے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمتوں والی جنت میں ان کا اکرام کیا جائے گا ورآنحالیکہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کی گدی کو نہ دیکھے گا اور ان میں سے ہر ایک پر بہتی ہوئی صاف شراب کے جام کا دور چلایا جائے گا۔ کاس اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو معین وہ شراب کہلاتی ہے جو سطح زمین پر پانی کے مانند جاری ہو تو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگی چاہنے والوں کے لیے نہایت لذیذ ہو

گی برخلاف دنیاوی شراب کے کہ وہ پینے میں بدمزہ ہوتی ہے نہ اس میں سردرد ہوگا کہ ان کی عقلوں میں فتور پیدا کردے اور نہ اس کی وجہ سے بدحواس ہوں گے یُنْزَفُوْنَ ؈ زا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یہ نزف الشراب انزف سے ماخوذ ہے یعنی بدمست نہ ہوں گے برخلاف دنیاوی شراب کے اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی یعنی وہ اپنی نظروں کو اپنے شوہروں تک محدود رکھنے والی عورتیں ہوں گی دوسروں کی طرف نظر نہ اٹھائیں گی کیونکہ ان کے شوہران کی نظر میں (زیادہ) حسین ہوں گے، بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ رنگ میں شترمرغ کے انڈے ہیں جو اس کے پروں میں ڈھکے ہوئے ہیں، ان تک گردوغبار کی رسائی نہیں ہوتی اور ان کا رنگ سفید زردی آمیز ہوگا جو کو عورتوں کا حسین ترین رنگ سمجھا جاتا ہے جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر دنیا کی آپ بیتی کے بارے میں باتیں کریں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا۔ جو بعث بعد الموت کا منکر تھا اور مجھ سے لاجواب کرنے کے لیے کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی بعث بعد الموت کا اعتقاد رکھنے والے ہوگیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے تو کیا ہم دونوں ہمزاؤں میں گذشتہ مواقع کی تفصیل جاری ہوگی تو کیا جزا سزا دیئے جائیں گے۔ حساب و کتاب ہوگا اسے اس کا بھی انکار ہوگا کہے گا کہنے والا اپنے دوستوں سے کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو میرے ساتھ جہنم کو وہ بولیں گے نہیں سو وہ خود جھانکے جنت کے کسی روشن دان سے سوا اپنے ساتھی کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا بولیگا دشمن کی بدحالی پر خوش ہوتے ہوئے بخدا تو تو ان مخففہ ہے مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا مجھے بہکا کر بربادی کے قریب کردیا تھا اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل و کرم نہ ہوتا کہ ایمان کی دولت دے کر مجھ پر انعام کیا تو میں بھی گرفتار ہوجاتا تیرے ساتھ جہنم میں اور جنتی بولیں گے کیا ہم دوبارہ نہیں مریں گے پہلی بار مرنے کے علاوہ جو دنیا میں ہو چکا ہے اور نہ ہمیں عذاب ہوگا یہ پوچھنا مزہ لینے کے لیے اور ابدی زندگی اور عذاب نہ ہونے کے انعام کو یاد رکھنے کے لیے ہوگا یہ بیشک جس کا ذکر جنتیوں کے لیے ہوا ہے بڑی کامیابی ہے ایسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے بعض کی رائے ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے کہی جائے گی اور بعض کے نزدیک وہ خود آپس میں کہیں گے، بھلا یہ اہل جنت کے بیان کردہ حالات دعوت بہتر ہے مہمان وغیرہ کی آمد پر جو کچھ پیش کیا جائے یا زقوم کا درخت جو جہنمیوں کے لیے تیار ہوگا یہ تہامہ کے بدترین کڑوے درختوں میں سے ہے اللہ انکے لیے دوزخ میں اگائے گا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے۔ مکہ کے کافروں کے لیے، جنہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کس طرح وہاں اُگے گا؟ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلے گا جس کی جڑیں قعر جہنم میں ہوگی اور شاخیں اس کے طبقات تک پھیلی ہوں گی۔ اس کے پھل جو کھجور کے گچھوں کے مشابہ ہوں گے ایسے ہی جیسے سانپوں کے پھن ہیبت ناک بڑا سانپ سچ بات یہ ہے کہ یہ کفار اسی کو کھائیں گے۔ خراب ہونے کے باوجود انتہائی بھوک کے مارے اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گرم پانی پلایا جائے گا جو کھانے کے ساتھ گھل مل جائے گا پھر انکا اخیر ٹھکانہ دوزخ کی طرف ہوگا لفظ مرجع سے یہ بات نکلتی ہے کہ گرم پانی کے لیے دوزخیوں کو باہر نکالا جائے گا اور گرم پانی دوزخ سے باہر ہوگا انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی انہی کے قدم بہ قدم تیزی سے چلتے رہے یعنی اس کی پیروی میں دوڑ دھوپ کرتے رہے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں سابقہ امتوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا



کیا برا انجام ہوا جنہیں ڈرایا تھا یعنی کافروں کا انجام عذاب ہوا مگر اللہ کے مخصوص بندے تھے یعنی مؤمن انہیں اخلاص عبادت کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا رہا یا اللہ نے انہیں بچالیا یہ اس صورت میں جب کہ مخلصین لام کے ساتھ ہو۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: یَتَلَاوَمُوْنَ: یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔

قوله: عَنِ الْجِهَةِ الَّتِیْ كُنَّا نَا: جس جہت کی وجہ سے ہم نے تم کو امن والا بنایا اَلْیَمِیْنِ سے یہاں قسم مراد ہے نہ جانب۔

قوله: وَنَشَأَ عَنْهُ قَوْلُهُمْ: یعنی ہر دو فریق کی گمراہی اور عذاب میں ابتلاء یہ فیصلہ شدہ بات تھی جس کے سوا چارہ نہ تھا۔

قوله: اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ۝: غٰوِیْنَ کہہ کر اشارہ کیا کہ ان کی گمراہی ان کی طرف سے نہ تھی بلکہ اپنا دخل تھا۔

قوله: فَاِنَّهُمْ: پیرو اور تابع دونوں۔

قوله: بثَوَابِ اللّٰهِ: ان تک بلا تعب و مشقت اور سوال پہنچے گا۔

قوله: عَلٰی سُرُرٍ: یہ حال واقع ہے۔

قوله: لَذَّةٍ: بِكَاْسٍ کی صفت لذت بطور مبالغہ ذکر کی یا یہ لذ کی مؤنث بمعنی لذیذ ہے۔

قوله: مَا يُغْتَالُ: جو دھوکے سے قتل کرتے ہیں۔

قوله: بَيْضٌ: جمع بیضة۔

قوله: لِلنَّعَام: شتر مرغ۔

قوله: فَاَقْبَلَ: اس کا عطف يُطَافُ عَلَيْهِمْ پر ہے۔

قوله: اَفَمَا نَحْنُ: اس کا محذوف پر عطف ہے ای انحن مخلدون فما نحن بمیتین۔

قوله: لِمِثْلِ هٰذَا: دینوی حظوظ کی خاطر نہیں۔

قوله: دَرَكَاتِهَا: طبقات جہنم۔

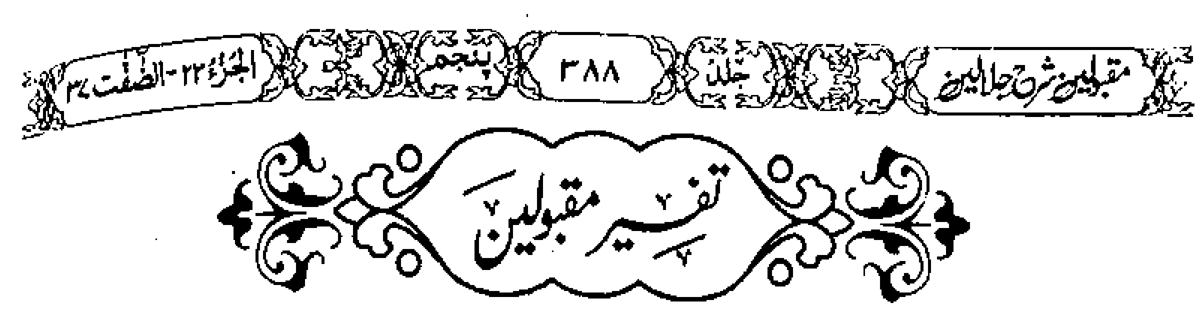
قوله: اَلْحَيَاتُ الْقَبِيحَةُ: سانپوں کو شیاطین قباحت منظر کی وجہ سے کہا۔

قوله: لَشَوْبًا: ملاوٹ۔

قوله: وَاِنَّهُ لَخَارِجُهَا: وہ گرم پانی کے چشمے آگ سے باہر ہوں گے ان پر وہ وارد ہوں گے۔

قوله: يُهْرَعُوْنَ: ان کو ان کی جگہ سے اکھاڑا جائے گا۔

قوله: قَبْلَهُمْ: قریش مکہ سے پہلے۔



تفسیر مقبولین

اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَ اَزۡوَاجَہُمۡ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۲﴾

(یعنی ان ظالموں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا اور ان کے ہم مشربوں کو جمع کرلو) یہاں ہم مشربوں کے لئے ازواج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں "جوڑ" اور یہ لفظ شوہر اور بیوی کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس سے مشرکین کی وہ بیویاں مراد ہیں جو خود بھی مشرک تھیں۔ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں "ازواج" سے مراد ہم مشرب ہی ہے، اور اس کی تائید حضرت عمر کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ امام بیہقی اور عبدالرزاق وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ یہاں اَزۡوَاجَہُمۡ سے مراد ہیں ان جیسے دوسرے لوگ، چنانچہ سود خور سود خوروں کے ساتھ، زنا کار دوسرے زانیوں کے ساتھ، اور شراب پینے والے دوسرے شراب پینے والوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ (روح المعانی ومظہری)

اس کے علاوہ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ کے الفاظ سے بتا دیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ ان کے وہ باطل معبود یعنی بت اور شیاطین بھی جمع کئے جائیں گے، جنہیں یہ لوگ دنیا میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، تاکہ اس وقت ان باطل معبودوں کی بے بسی کا اچھی طرح نظارہ کرایا جائے۔

قیامت کے دن مجرمین کا ایک دوسرے پر بات ڈالنا اور چھوٹوں کا بڑوں کو الزام دینا:

اول تو یہ فرمایا کہ دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد جب میدان حشر میں پہنچیں گے تو اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اختیار کیا اور اس کے داعی بنے انہیں اور ان کے ہم مشربوں یعنی ان کا اتباع کرنے والوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ان سب کو جمع کرو، ان کو ایک جگہ جمع کرکے دوزخ کا راستہ بتادو کہ جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ، اور وہاں ان کو ذرا ٹھہرالو، ان سے سوال کیا جائے گا، جب ان کو ٹھہرالیا جائے گا تو یہ سوال ہوگا کہ آج آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں تو بڑے یار بنے ہوئے تھے اور مدد کے وعدے بھی کرتے تھے۔ جو لوگ کفر کی دعوت دیتے تھے وہ تو یہاں تک کہہ دیتے تھے (اتَّبِعُوۡا سَبِیۡلَنَا وَ لۡنَحۡمِلۡ خَطٰیٰکُمۡ) (کہ تم ہماری راہ کا اتباع کرلو تمہاری خطاؤں کو ہم اٹھالیں گے) کیا بات ہے آج تم میں سے کوئی بھی کسی کا مددگار نہیں، وہاں تو ہر ایک خود ہی مبتلائے عذاب ہوگا دوسرے کی کچھ بھی مدد نہیں کرسکے گا اور سب شرم کے مارے سر جھکائے ہار مانے ہوئے کھڑے ہوں گے اور یہ مان لیں گے اور جان لیں گے کہ واقعی ہم مستحق عذاب ہیں۔

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص نے (دنیا میں) کسی بھی چیز کی طرف دعوت دی ہوگی تو یہ شخص قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا جس کو دعوت دی ہوگی وہ اسے پکڑا رہے گا اس سے جدا نہیں ہوگا، اگرچہ ایک ہی شخص نے ایک ہی شخص کو دعوت دی ہوگی، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ

مَسْئُوْلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ) (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الصفت)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے وہاں تو چھوٹے بڑوں کو الزام دیں گے اور بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تو ہمارا ناس کر دیا، دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ ہمارے پاس بڑے زوردار طریقے سے آتے تھے اور ہم پر خوب زور ڈال کر کفر و شرک کی راہ دکھاتے تھے اور اپنی چودھراہٹ اور سرداری کو استعمال کرتے تھے، آج جب ہم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں تو تمہاری طرف سے کچھ بھی مدد نہیں؟ ان کے بڑے سردار اور چودھری کہیں گے بات یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ اپنی جگہ ہے تمہاری گمراہی صرف ہمارے ہی گمراہ کرنے پر منحصر نہ تھی بلکہ تم خود ہی مؤمن نہیں تھے، ہم نے تم سے جو کچھ کہا اور تمہیں جو کچھ بتایا وہ بہت سے بہت ایسی بات تھی کہ تم کو کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے رہے، کافر تو تم خود ہی تھے اگر ہم تمہیں نہ بہکاتے اپنے کفر کی وجہ سے پھر بھی تم آج سزا پاتے، اور اس بات کا بھی تو خیال کرو کہ ہم نے تمہیں جو کچھ بتایا اور کفر پر ابھارا اس میں ہماری باتیں ہی باتیں تو تھیں تم پر ہمارا ایسا کوئی تسلط نہیں تھا کہ لٹھ مار کر اور تلوار دکھا کر کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے، بات یہ ہے کہ تم خود ہی سرکش تھے، تمہارے جذبات اور ہمارے جذبات میں یگانگت تھی لہٰذا تم نے ہماری بات مان لی: (قال صاحب الروح: بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَاغِيْنَ جواب اخر تسليمى على فرض اضلالهم بانهم لم يجبروهم عليه وانما دعوهم له فَاَجَابُوْا باختيارهم لموافقة ما دعوا له هواهم) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں (بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ) یہ ایک دوسرا جواب ہے جو اس طرح ہے کہ بالفرض ہم مان لیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا لیکن ہم نے تمہیں اس گمراہی کے ماننے پر مجبور نہیں کیا ہم نے تو فقط دعوت ہی دی اور انہوں نے اپنی مرضی و پسند سے اس دعوت کو قبول کر لیا۔)

مجرمین کا اقرار کہ ہم عذاب کے مستحق ہیں:

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ (سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہو گئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں)

یعنی ہمارے خالق اور مالک نے جو کافروں کے لیے جہنم کا داخلہ طے فرما دیا تھا اسی کے مطابق ہمیں اور تمہیں عذاب چکھنا ہوگا۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ (سو ہم نے تم کو بہکا دیا بیشک ہم بھی گمراہ تھے) تم بھی کافر تھے اور ہم بھی، اب عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہمیں الزام دے کر تمہارا بچاؤ نہیں ہو سکتا۔

یعنی خود تو ایمان نہ لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آ گئے اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آ گئے۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات (لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ) (ص: ۸۵) ثابت ہو کر رہی۔ آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بد معاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور اسے گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا، لیکن جس شخص نے اس کی دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا وہ بھی اپنے عمل سے بری نہیں ہوسکتا۔ وہ آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر و اکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کرلیا ہو تو ان شاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

استکبار خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ و بنیاد ہے:

فرمایا جب ان کو توحید کی دعوت دی جاتی تو یہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آکر بپھر جاتے۔ سو یہ ہے وہ اصل سبب جو ان کے اس انجام بد کا باعث بنا کہ عقیدۂ توحید قبول کرنا اور صرف ایک خدا کا ہو کر رہنا، اسی کی بندگی کرنا اور ہر حاجت میں صرف اسی کے آگے دست سوال دراز کرنا ان مشرکوں کو منظور نہیں تھا۔ کل کا کھلا مشرک بھی اسی مرض میں مبتلا تھا اور آج کے کلمہ گو مشرک کا بھی یہی حال ہے۔ توحید کا عقیدۂ صافیہ نہ اسے گوارا تھا نہ اسے برداشت ہے۔ اپنی سیادت و قیادت اور اپنی بڑائی اور کھڑپنچی کے زعم فاسد اور جھوٹے گھمنڈ میں حق کا وہ بھی منکر تھا اور یہی بات آج اس کو بھی قبول نہیں۔ فرق اگر ہے تو اسماء والفاظ، کلمات و محاورات اور انداز و اسالیب کا ہے۔ اس کے مختلف معبودوں کے نام اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ اس کے حاجت روا و مشکل کشا اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ اس کی صدا و پکار اور شرک و پوجا کے طریقے اور انداز اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ وہ توحید والوں کو صابی کہتا تھا اور یہ وہابی کہتا ہے وغیرہ وغیرہ {تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ} والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے۔

بندے کی عظمت اس کی شان بندگی اور اتباع حق میں ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝

عام اہل جنت کے بارے میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ انھیں رزق وہ عطا کیا جائے گا جن کی تفصیل مختلف صورتوں میں بیان کی گئی ہے اور ان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے رزق معلوم سے یہ مراد لیا ہے کہ اس کے اوقات متعین اور معلوم ہیں۔ یعنی وہ رزق صبح و شام پابندی کے ساتھ عطا کیا جائے گا۔ ان اوقات میں کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اور مزید یہ بات کہ دنیا میں ہر چیز کا ملنا ظن و گمان پر مبنی ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے۔ اس بات کا امکان ہر وقت رہتا ہے کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی آجائے۔ لیکن جنت میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ وہاں ہر چیز کا ملنا یقینی اور دائمی ہے۔ یہ کھٹکا دلوں میں کبھی داخل نہیں ہوگا کہ جو عیش آج میسر ہے ہوسکتا ہے کل نہ ہو۔

دوسری آیت میں رزق کی خود تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ رزق غذا کی صورت میں نہیں بلکہ فواکہ اور میووں کی شکل میں ہوگا۔ کیونکہ غذا کی ضرورت بھوک کو مٹانے کے لیے ہوتی ہے، صرف لذت حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ اور جنت میں چونکہ

چیز ابدی ہوگی کسی چیز کو زوال نہیں ہوگا اس لیے وہاں بھوک نہیں لگے گی۔ کیونکہ بھوک لگنے کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے جسم کے تحلیل ہونے کے بعد اب ضرورت ہے کہ کچھ کھا پی کر اس تحلیل کی کمی کو دور کیا جائے۔ وہاں کی زندگی بھی دائمی ہے اس لیے زندگی کی بقا کے لیے بھی وہاں غذا کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ انسان میں لطف ولذت کا احساس موجود ہوگا تو فواکہ پیش کر کے ان کے لطف ولذت کے احساس کو تسکین دی جائے گی۔

مزید فرمایا کہ اہل جنت کو نعمت والے باغوں میں نہایت عزت واحترام سے رکھا جائے گا کیونکہ اگر کسی مہمان کے لیے رنگا رنگ نعمتیں چن دی جائیں لیکن اسے احترام نہ دیا جائے تو نعمتیں انسان کے لیے کانٹوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ عزت واحترام سے معمولی ضیافت بھی مزہ دے جاتی ہے اور برے طریقے سے پیش کی جانے والی بیش بہا نعمتیں بھی حلق سے نیچے نہیں اترتیں۔ عزت کی جگہ اللہ کی جنت سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ان نعمت کے باغوں کا اہل جنت کے ٹھکانے کے طور پر خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا۔

مجلس طرازی دوست نوازی اور چار یاری انسان کی ایسی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر کوئی خوشی اور کوئی راحت مکمل نہیں ہوتی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ جنت میں مجلسیں بھی جمیں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان مجلسوں کے شرکاء صرف لذتوں کے حصول کے لیے جمع نہیں ہوں گے بلکہ ان کے دل بھی ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ اس لیے جب وہ مجلسوں میں بیٹھیں گے اگرچہ ان کی نشست تختوں پر ہوگی لیکن وہ آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ کسی کی پشت کسی کی طرف نہیں ہوگی اور کوئی پہلو بدل کر نہیں بیٹھے گا۔ ہر شخص دوسرے کی باتوں سے بھی محظوظ ہوگا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بھی راحت محسوس کریں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۝

ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی:

ابتدائی دس آیتوں میں اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، کہ وہ جنت کی مجلس میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا جو دنیا میں آخرت کا منکر تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے جہنم کے اندر جھانک کر اس سے باتیں کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اس شخص کا کچھ نام و پتہ نہیں بتایا گیا۔ اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون ہوگا؟ تاہم بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مؤمن شخص کا نام یہوداہ اور اس کے کافر ملاقاتی کا نام مطروس ہے۔ اور یہ وہی دو ساتھی ہیں جن کا ذکر سورۃ کہف کی آیت واضرب لھم مثلاً رجلین الخ میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور علامہ سیوطی نے متعدد تابعین سے اس شخص کی تعیین کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو آدمی کاروبار میں شریک تھے، ان کو آٹھ ہزار دینار کی آمدنی ہوئی، اور دونوں نے چار چار ہزار دینار آپس میں بانٹ لئے۔ ایک شریک نے اپنی رقم میں سے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک زمین خریدی۔ دوسرا ساتھی بہت نیک تھا، اس نے یہ دعا کی کہ "یا اللہ فلاں شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک زمین خریدی ہے، میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین خریدتا

ہوں"۔ اور ایک ہزار دینار کا صدقہ کر دیا۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک گھر بنوایا، تو اس شخص نے کہا" یا اللہ فلاں شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک گھر تعمیر کیا ہے، میں ایک ہزار دینار میں آپ سے جنت کا ایک گھر خریدتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے مزید ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ اس کے بعد اس کے ساتھی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے، تو اس نے کہا" یا اللہ فلاں نے ایک عورت سے شادی کر کے اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے ہیں اور میں جنت کی عورتوں میں سے کسی کو پیغام دیتا ہوں اور یہ ایک ہزار دینار نذر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک ہزار بھی صدقہ کر دیئے۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار میں کچھ غلام اور سامان خریدا تو اس نے پھر ایک ہزار صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے عوض جنت کے غلام اور جنت کا سامان طلب کیا۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مؤمن بندے کو کوئی شدید حاجت پیش آئی، اسے خیال ہوا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاؤں تو شاید وہ نیکی کا ارادہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھی سے اپنی ضرورت کا ذکر کیا، ساتھی نے پوچھا، تمہارا مال کیا ہوا؟ اس کے جواب میں اس نے پورا قصہ سنا دیا۔ اس پر اس نے حیران ہو کر کہا کہ "کیا واقعی تم اس بات کو سچا سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جاؤ، میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا" اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔ مذکورہ آیات میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا جہنمی ملاقاتی وہی شریک کاروبار ہے جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔

(تفسیر الدر المنثور بحوالہ ابن جریر وغیرہ، ص ۵۶۱ ج ۵)

بُری صحبت سے بچنے کی تعلیم:

بہر کیف، اس سے مراد خواہ کوئی ہو یہاں اس واقعہ کو ذکر کرنے سے قرآن کریم کا اصل منشاء لوگوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ اپنے حلقہ احباب کا پوری احتیاط کے ساتھ جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ اس میں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو انہیں کشاں کشاں دوزخ کے انجام کی طرف لے جا رہا ہو۔ بری صحبت سے جو تباہی آ سکتی ہے اس کا صحیح اندازہ آخرت ہی میں ہوگا، اور اس وقت اس تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، اس لئے دنیا ہی میں دوستیاں اور تعلقات بہت دیکھ بھال کر قائم کرنے چاہئیں۔ بسا اوقات کسی کافر یا نافرمان شخص سے تعلقات قائم کرنے کے بعد انسان غیر محسوس طریقے پر اس کے افکار و نظریات اور طرز زندگی سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے، اور یہ چیز آخرت کے انجام کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

موت کے خاتمہ پر تعجب:

یہاں جس شخص کا یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کافر ساتھی کو دیکھنے کے لئے جہنم میں جھانکے گا، اسی کے بارے میں آگے یہ مذکور ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں کو حاصل کر کے فرط مسرت سے یہ کہے گا "کیا اب ہم کبھی نہیں مریں گے"؟ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جنت کی جاودانی زندگی کا یقین نہیں ہوگا، بلکہ جس شخص کو مسرتوں کا انتہائی درجہ حاصل ہو جائے وہ بسا اوقات ایسی باتیں کرتا ہے، جیسے اسے یقین نہیں ہے کہ یہ مسرتیں اسے حاصل ہو گئی ہیں، یہ جملے بھی اسی نوعیت کے ہیں۔

آخر میں قرآن کریم اس واقعہ کے اصل سبق کی طرف متوجہ کر کے فرماتا ہے: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے)۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾

شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ کا تذکرہ جسے اہل جہنم کھائیں گے:

اوپر اہل جنت کی نعمتوں کا اور وہاں کی کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان آیتوں میں اہل دوزخ کے کھانے کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی زقوم کا تذکرہ فرمایا، اہل جنت کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ اور یہاں یوں فرمایا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ (کیا اہل جنت کا رزق بہتر ہے جو بطور مہمانی ان کو دیا جائے گا یا زقوم کا درخت بہتر ہے) زقوم کا درخت بہت ہی زیادہ بدمزہ اور کڑوا ہوگا جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلے گا، اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ اس میں درخت کی بدصورتی بیان فرمائی، مزہ بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگا اور صورت بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگی جس کے دیکھنے ہی سے ڈرنے لگے گا، یہ درخت گو بہت زیادہ کڑوا اور بدصورت ہوگا لیکن دوزخی بھوک کی وجہ سے اتنا کھائیں گے اتنا کھائیں گے کہ پیٹ بھر لیں گے۔

زقوم کی حقیقت:

زقوم نام کا ایک درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں "تھوہڑ" کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب کا ایک اور درخت ہندوستان میں "ناگ پھن" کے نام سے معروف ہے۔ بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اب حضرات مفسرین کی رائیں اس میں مختلف ہیں کہ جہنمیوں کو جو درخت کھلایا جائے گا وہ یہی دنیا کا زقوم ہے، یا کوئی اور درخت ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی دنیا کا زقوم مراد ہے، اور بعض نے کہا کہ دوزخ کا زقوم بالکل الگ چیز ہے، دنیا کے زقوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سانپ بچھو وغیرہ دنیا میں بھی ہوتے ہیں اسی طرح دوزخ میں بھی ہوتے ہیں، لیکن دوزخ کے سانپ بچھو یہاں کے سانپ بچھوؤں سے کہیں زیادہ خوفناک ہوں گے، اسی طرح دوزخ کا زقوم بھی اپنی جنس کے لحاظ سے تو دنیا ہی کے زقوم کی طرح ہوگا، لیکن یہاں کے زقوم سے کہیں زیادہ کریہہ المنظر اور کھانے میں کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم۔

سورۂ محمد میں فرمایا کہ ان کو سخت گرم پانی پلایا جائے گا۔ (وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ) (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔)

سورۂ واقعہ میں فرمایا: (ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ) (پھر اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو! تم زقوم کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے پیٹ بھر لو گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے

ہیں، قیامت کے روز اس طرح ان کی مہمانی ہوگی۔)
وہ کیا ہی برا منظر ہوگا جب دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور وہ بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ پیاسے اونٹوں کی طرح خوب زیادہ پئیں گے۔ (اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ من الزقوم والحمیم وسائر انواع عذاب الجحیم)

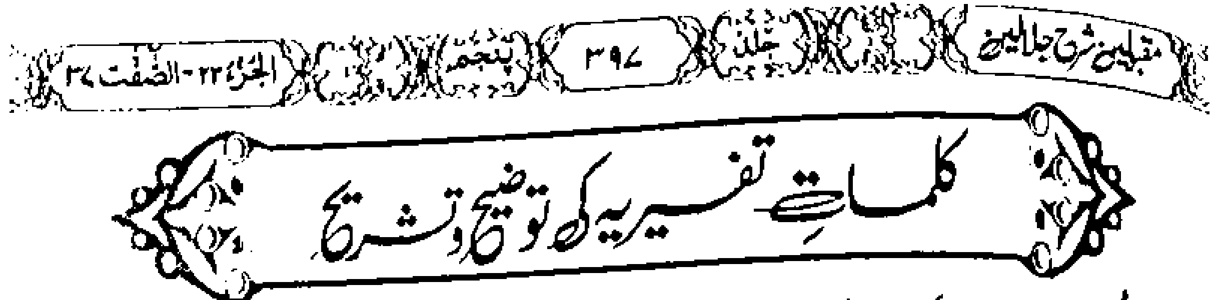
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو وہ یقیناً تمام دنیا والوں کی غذائیں بگاڑ ڈالے، اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔
(الترغیب والترہیب جلد ٤: ص: ٤٨٠ از ترمذی وابن ماجہ وابن حبان)

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ بِقَوْلِهٖ رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ لَهٗ نَحْنُ اَيْ دَعَانَا عَلٰى قَوْمِهٖ فَاَهْلَكْنَا هُمْ بِالْغَرَقِ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ اَيِ الْغَرَقِ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ لَهٗ ثَلٰثَةُ اَوْلَادٍ سَامٌ وَهُوَ اَبُو الْعَرَبِ وَفَارِسَ وَالرُّوْمِ وَحَامٌ وَهُوَ اَبُو السُّوْدَانِ وَيَافِثُ اَبُو التُّرْكِ وَالْخُزْرِ وَيَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَمَا هُنَالِكَ وَ تَرَكْنَا اَبْقَيْنَا عَلَيْهِ ثَنَاءً حَسَنًا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاُمَمِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ سَلٰمٌ مِنَّا عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ كُفَّارَ قَوْمِهٖ وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ اَيْ مِمَّنْ تَابَعَهٗ فِيْ اَصْلِ الدِّيْنِ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ وَاِنْ طَالَ الزَّمَانُ بَيْنَهُمَا وَهُوَ اَلْفَانِ وَسِتُّمِائَةٍ وَاَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَكَانَ بَيْنَهُمَا هُوْدٌ وَصَالِحٌ اِذْ جَآءَ اَيْ تَابَعَهٗ وَقْتَ مَجِيْئِهٖ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ مِنَ الشَّكِّ وَغَيْرِهٖ اِذْ قَالَ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ لَهٗ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مُوَبِّخًا مَا ذَا مَا الَّذِيْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا فِيْ هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِفْكًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَاٰلِهَةً مَفْعُوْلٌ بِهٖ لِتُرِيْدُوْنَ وَالْاِفْكُ اَسْوَءُ الْكِذْبِ اَيْ اَتَعْبُدُوْنَ غَيْرَ اللّٰهِ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ اِذْ عَبَدْتُّمْ غَيْرَهٗ اَنَّهٗ يَتْرُكُكُمْ بِلَا عِقَابٍ لَا وَكَانُوْا نَجَّامِيْنَ فَخَرَجُوْا اِلٰى عِيْدٍ لَهُمْ وَ تَرَكُوْا طَعَامَهُمْ عِنْدَ اَصْنَامِهِمْ زَعَمُوا التَّبَرُّكَ عَلَيْهِ فَاِذَا رَجَعُوْا اَكَلُوْهُ وَقَالُوْا لِلسَّيِّدِ اِبْرَاهِيْمَ اُخْرُجْ مَعَنَا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ اِيْهَامًا لَهُمْ اَنَّهٗ يَعْتَمِدُ عَلَيْهَا لِيَتَّبِعُوْهُ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ عَلِيْلٌ اَيْ سَاَسْقَمُ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ اِلٰى عِيْدِهِمْ

مُدۡبِرِيۡنَ (٩٠) فَرَاغَ مَالَ فِيۡ خُفۡيَةٍ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمۡ وَهِيَ الۡاَصۡنَامُ وَعِنۡدَهَا الطَّعَامُ فَقَالَ اِسۡتِهۡزَاءً اَلَا
تَاۡكُلُوۡنَ (٩١) فَلَمۡ يَنۡطِقُوۡا فَقَالَ مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ (٩٢) فَلَمۡ يُجِبۡ فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡيَمِيۡنِ (٩٣) بِالۡقُوَّةِ
يَكۡسِرُهَا فَبَلَغَ قَوۡمَهٗ مَنۡ رَاٰهُ فَاَقۡبَلُوۡٓا اِلَيۡهِ يَزِفُّوۡنَ (٩٤) اَيۡ يُسۡرِعُوۡنَ الۡمَشۡيَ فَقَالُوۡا نَحۡنُ نَعۡبُدُهَا وَاَنۡتَ
تَكۡسِرُهَا قَالَ لَهُمۡ مُوَبِّخًا اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ (٩٥) مِنَ الۡحِجَارَةِ وَغَيۡرِهَا اَصۡنَامًا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَ
مَا تَعۡمَلُوۡنَ (٩٦) مِنۡ نَحۡتِكُمۡ وَمَنۡحُوۡتِكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ وَحۡدَهٗ وَمَا مَصۡدَرِيَّةٌ وَقِيۡلَ مَوۡصُوۡلَةٌ وَقِيۡلَ مَوۡصُوۡفَةٌ
قَالُوۡا بَيۡنَهُمۡ ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَامۡلَئُوۡهُ حَطَبًا وَاَضۡرِمُوۡهُ بِالنَّارِ فَاِذَا الۡتَهَبَ فَاَلۡقُوۡهُ فِي الۡجَحِيۡمِ (٩٧) الشَّدِيۡدَةِ
فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا بِاِلۡقَائِهٖ فِي النَّارِ لِتُهۡلِكَهٗ فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ (٩٨) الۡمَقۡهُوۡرِيۡنَ فَخَرَجَ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَ
قَالَ اِنِّيۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيۡ مُهَاجِرًا اِلَيۡهِ مِنۡ دَارِ الۡكُفۡرِ سَيَهۡدِيۡنِ (٩٩) اِلٰى حَيۡثُ اَمَرَنِيۡ بِالۡمَصِيۡرِ اِلَيۡهِ وَهُوَ
الشَّامُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلَى الۡاَرۡضِ الۡمُقَدَّسَةِ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِيۡ وَلَدًا مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ (١٠٠) فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِيۡمٍ (١٠١) اَيۡ ذِيۡ حِلۡمٍ كَثِيۡرٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡيَ اَيۡ اَنۡ يَّسۡعٰى مَعَهٗ وَيُعِيۡنُهٗ قِيۡلَ بَلَغَ سَبۡعَ سِنِيۡنَ وَقِيۡلَ
ثَلَاثَةَ عَشَرَ سَنَةً قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيۡۤ اَرٰى اَيۡ رَاَيۡتُ فِي الۡمَنَامِ اَنِّيۡۤ اَذۡبَحُكَ وَرُؤۡيَا الۡاَنۡبِيَاءِ حَقٌّ وَاَفۡعَالُهُمۡ
بِاَمۡرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰى مِنَ الرَّاۡيِ شَاوَرَهٗ لِيَاۡنَسَ بِالذَّبۡحِ وَيَنۡقَادَ لِلۡاَمۡرِ بِهٖ قَالَ يٰۤاَبَتِ التَّاءُ
عِوَضٌ عَنۡ يَاءِ الۡاِضَافَةِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ بِهٖ سَتَجِدُنِيۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ (١٠٢) عَلٰى ذٰلِكَ فَلَمَّاۤ
اَسۡلَمَا خَضَعَا وَانۡقَادَا لِاَمۡرِ اللّٰهِ وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ (١٠٣) صَرَعَهٗ عَلَيۡهِ وَلِكُلِّ اِنۡسَانٍ جَبِيۡنَانِ بَيۡنَهُمَا الۡجَبۡهَةُ
وَكَانَ ذٰلِكَ بِمِنًى وَاَمَرَّ السِّكِّيۡنَ عَلٰى حَلۡقِهٖ فَلَمۡ تَعۡمَلۡ شَيۡئًا بِمَانِعٍ مِنَ الۡقُدۡرَةِ الۡاِلٰهِيَّةِ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ
يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ (١٠٤) قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا بِمَا اَتَيۡتَ بِهٖ مِمَّا اَمۡكَنَكَ مِنۡ اَمۡرِ الذَّبۡحِ اَيۡ يَكۡفِيۡكَ ذٰلِكَ فَجُمۡلَةُ
نَادَيۡنٰهُ جَوَابُ لَمَّا بِزِيَادَةِ الۡوَاوِ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيۡنَاكَ نَجۡزِي الۡمُحۡسِنِيۡنَ (١٠٥) لِاَنۡفُسِهِمۡ بِامۡتِثَالِ الۡاَمۡرِ
بِاِفۡرَاجِ الشِّدَّةِ عَنۡهُمۡ اِنَّ هٰذَا الذَّبۡحَ الۡمَاۡمُوۡرَ بِهٖ لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ (١٠٦) اَيِ الۡاِخۡتِبَارُ الظَّاهِرُ وَفَدَيۡنٰهُ
اَيِ الۡمَاۡمُوۡرَ بِذَبۡحِهٖ وَهُوَ اِسۡمٰعِيۡلُ اَوۡ اِسۡحٰقُ قَوۡلَانِ بِذِبۡحٍ بِكَبۡشٍ عَظِيۡمٍ (١٠٧) مِنَ الۡجَنَّةِ وَهُوَ الَّذِيۡ
قَرَّبَهٗ هَابِيۡلُ جَاءَ بِهٖ جِبۡرِيۡلُ عَلَيۡهِ السَّلَامُ فَذَبَحَهُ السَّيِّدُ اِبۡرَاهِيۡمُ مُكَبِّرًا وَتَرَكۡنَا اَبۡقَيۡنَا عَلَيۡهِ فِي الۡاٰخِرِيۡنَ (١٠٨)

ثَنَاءً حَسَنًا سَلٰمٌ مِّنَّا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ اُسْتُدِلَّ بِذٰلِكَ عَلٰى اَنَّ الذَّبِيْحَ غَيْرُهٗ نَبِيًّا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَىْ
يُوْجَدُ مُقَدَّرًا نُبُوَّتُهٗ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ بِتَكْثِيْرِ ذُرِّيَّتِهٖ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۚ وَلَدِهٖ بِجَعْلِنَا اَكْثَرَ
الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهٖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ مُؤْمِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ كَافِرٌ مُبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الْكُفْرِ

ترجمہ: اور یہ واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا سو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے۔ اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر والوں کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا۔ اور ہم نے ان کے لیے بعد کے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔ کہ نوح پر سلام ہے جہانوں میں۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے مؤمن بندوں میں ہیں۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔ اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو۔ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ پھر ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا۔ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ سو وہ ان بتوں کی طرف متوجہ ہوئے سو کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر ان پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک مکان بناؤ پھر اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا دیکھنے والا بنا دیا۔ اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتا دے گا۔ اے میرے رب مجھے نیک فرزند عطا فرما۔ سو ہم نے انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا اے میرے چھوٹے سے بیٹے بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں سو تو غور کر لے تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ سو جب دونوں نے حکم مان لیا اور ابراہیم (علیہ السلام) نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام)۔ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلا ہوا امتحان ہے۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور بعد کے آنے والوں میں ان کے لیے یہ بات رہنے دی۔ کہ سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں)۔ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اسحاق کی بشارت دی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکت دی، اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔



قوله: كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مروی ہے کہ آپ کے بیٹوں کے علاوہ باقی تمام صحابی فوت ہو گئے۔

قوله: ثَنَاءً حَسَنًا: ترکنا کا مفعول محذوف ہے۔ اور وہ ثَنَاءً ہے اور سلام علی نوح ﷺ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدائی کلام ہے۔

قوله: تَابَعَهُ: اس سے اصل دین میں ان کی پیروی والے مراد ہیں۔

قوله: إِذْ قَالَ: پہلے إِذْ قَالَ سے بدل ہے۔

قوله: لِتُرِيْدُوْنَ: عنایت کی وجہ سے مفعول کو مقدم کیا پھر مفعول لہ کو اور وہ افکا۔ اس لیے کہ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کا باطل وافتراء پر ہونا ثابت ہو جائے۔

قوله: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ: خفیہ طور پر ان کی طرف گئے۔

قوله: مُهَاجِرٌ اِلَيْهِ: یعنی جہاں میرا رب مجھے حکم دے گا۔

قوله: ذِيْ حِلْمٍ: بڑے حوصلے والے کہ قریب البلوغ ہونے کی حالت میں ذبح کی پیش کش کر ڈالی۔

قوله: أَنْ يَسْعٰى مَعَهُ: معه کا تعلق محذوف ہے، جس پر السعی دلالت کرتی ہے۔ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں آ سکتا۔

قوله: شَاوِرُهُ: اگر وہ قطعی ہو۔

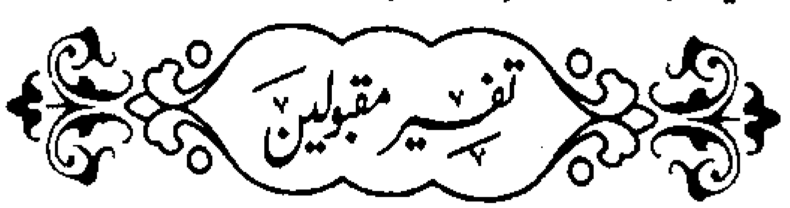
قوله: جَبِيْنَانِ: پیشانی کی دونوں جانبیں۔

قوله: بِذِبْحٍ: ذبیحہ جو اس کے بدلے بدلے میں ذبح کیا جائے۔

قوله: عَظِيْمٍ: عظیم جسم یا مرتبے والا۔

قوله: كَذٰلِكَ: اس سے انا ہٹا دیا کیونکہ واقعہ میں ایک مرتبہ آ چکا۔

قوله: كَافِرٌ: اس سے تنبیہ کر دی کہ ھدایت و گمراہی میں نسب کا کوئی اثر نہیں۔



وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

حضرت نوح علیہ السلام کا دعا کرنا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا اور ان کی ذریت کا نجات پانا:

حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو برس رہے، انہیں سمجھایا، توحید کی دعوت دی غیر اللہ کی پرستش چھوڑنے کی تلقین کی

لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بس تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔ اہل ایمان کی مختصر تعداد کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے وہ ضد پر اڑے رہے اور حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی مخالفت کرتے رہے، حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے تنگ آکر ان کے لیے بددعا کردی (لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا) (کہ اے رب زمین میں ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ کشتی بنالو، انہوں نے ایک کشتی بنالی، اللہ پاک کی طرف سے پہلے خبر دے دی گئی تھی کہ پانی کا طوفان آئے گا، طوفان آیا، حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام اللہ کے حکم سے اپنے گھر والوں اور دوسرے اہل ایمان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے، یہ حضرات غرق ہونے سے بچ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نجات دے دی اور اہل کفر سب غرق ہو گئے، ان غرق ہونے والوں میں حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کا ایک بیٹا بھی تھا اور ایک بیوی بھی تھی۔

ارشاد فرمایا: (وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾) (اور واقعی یہ بات ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا، سو ہم کیا ہی خوب دعا قبول کرنے والے ہیں) یعنی ان کی دعا قبول فرمائی (وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾) (ہم نے نوح کو ان کے گھر والوں کو بڑے غم سے یعنی ڈوبنے کی مصیبت سے نجات دے دی) (وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾) (اور ہم نے ان کی ذریت کو باقی رکھا) (وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾) (اور بعد کے آنے والوں میں ان کے لیے ہم نے یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو جہانوں میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر کئی طرح سے انعام فرمایا، اول تو انہیں اور ان کے اہل وعیال کو غرق ہونے سے بچالیا۔ دوسرے ان کی نسل کو دنیا میں باقی رکھا جو آج تک چل رہی ہے۔ اور تیسرے یہ انعام فرمایا کہ بعد کے آنے والوں میں ان کا ذکر جاری رکھا، ان کے بعد جو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام تشریف لائے اور ان کی امتیں وجود میں آئیں سب نے آپ پر سلام بھیجا، اور سلام میں بھی عموم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوح عَلَیْہِ السَّلَام جہاں بھی ہوں جس عالم میں بھی ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔

پھر فرمایا: (اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾) (ہم احسان والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) کسی کام کا اچھی طرح انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے۔ نیت کو درست کرنا، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا اس کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے ترجمہ میں (الْمُحْسِنِيْنَ ﴿﴾) کا ترجمہ (مخلصین) کیا گیا ہے۔

(اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾) (بلاشبہ وہ مومن بندوں میں سے تھے) ایمان ہی تو اصل چیز ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقبولیت نہیں، حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے پھر بھی ان کے ایمان کا تذکرہ فرمایا اور اس سے پہلے احسان کا تذکرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ احسان بھی ضروری ہے انہی سے اللہ کے نزدیک ترقیات ہوتی ہیں، لیکن نبوت وہبی چیز ہے کسبی چیز نہیں، اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر وہ بالکل ہی ختم ہو گئی۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ (پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا) یعنی حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام، آپ کے اہل وعیال اور اہل ایمان کو نجات دے دی اور ان کے علاوہ کو غرق کر دیا۔

کیا طوفان نوح سارے عالم کو محیط تھا؟

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ ان کے بعد دنیا میں جو آبادی ہوئی وہ سب ان ہی کی اولاد سے ہے قرآن مجید کی آیت (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ) سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حصر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ) کی تفسیر میں (حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے) یوں فرمایا کہ یہ حام اور سام اور یافث تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس کے بارے میں فرمایا: (هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) پھر حضرت سمرہؓ ہی سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ سام عرب کا جد اعلیٰ اور حام حبشیوں کا جد اعلیٰ اور یافث رومیوں کا جد اعلیٰ تھا۔ (سنن ترمذی تفسیر سورۃ الصفت)

اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ سام عرب اور فارس اور روم کا جد اعلیٰ تھا۔ اور حام سوڈان یعنی کالے لوگوں کا جد اعلیٰ تھا۔ اور یافث ترکوں کا اور یاجوج ماجوج کا اور جو ان کے قریب اقوام رہتی ہیں ان کا جد اعلیٰ تھا۔

اگر طوفان پورے عالم میں آیا ہو اور زمین پر جتنی بھی آبادیاں تھیں ان سب کو غرق کر دیا گیا ہو تو پھر یہی متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے دنیا آباد ہوئی، لیکن اس میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن اہل ایمان نے نجات پائی تھی کیا ان کی نسلیں نہیں چلیں؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے: و قدروی انہ مات کل من فی السفینة ولم یعقبوا عقبا باقیا غیر الثلث سام و حام و یافث وازواجھم فانھم بقوا متناسلین الی یوم القیمة (روایت ہے کہ کشتی میں جو تھے سب مر گئے سوائے حام، سام، یافث اور ان کی بیویوں کے اور کوئی نہیں بچا۔ قیامت تک انہیں تین کی نسل چلتی رہے گی) یعنی "حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ کشتی میں تھے وہ لوگ غرق ہونے سے نجات پا کر کشتی سے اتر کر اپنی اپنی اجل کے مطابق مر گئے اور ان میں سے کسی کی نسل نہیں چلی صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے سام، حام اور یافث اور ان کی بیویاں باقی رہیں جن کی قیامت تک نسل جاری رہے گی۔" صاحب روح المعانی نے لکھ تو دیا لیکن سند پیش نہیں کی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ کس کا قول ہے۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے آگے نسل چلی، اس کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ دوسری نسلیں بھی دنیا میں چلتی رہی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کا قول اس پر مبنی ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام عام نہیں تھا، ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تمام اقوام کے لیے عام نہیں تھی کیونکہ یہ صرف خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے، جب ان کی بعثت عام نہیں تھی تو جو لوگ ان کے مخاطب تھے انہوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور انہی کے لیے بددعا فرمائی اور وہی لوگ ہلاک ہوئے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے تو حصر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی ذریت کو باقی رکھا، اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حصر کشتی والوں سے متعلق ہے،

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نسل چلی، باقی دنیا جو اپنی جگہ آباد تھی اس میں بسنے والوں اور ان کی نسلوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔ (راجع روح المعانی ج ۲۳: ص ۹۸)

(وقد وقع فی قلبی بفضل اللہ تعالیٰ وکرمہ انہ یمکن ان یقال انّ الارض لم تکن معمورۃ ببنی ادم کانت اقطارھا کلھا یعیش فیھا الانسان وکان عمرانھا فی مناطق محدودۃ ولم تکن الا آمۃ واحدۃ لعدم الامتداد الطویل من عھد أدم علیہ السلام مکان جمیع الناس مخاطبین لہ فلما انکروا اُغرِقُوا وھذا لا ینافی کون بعثۃ النبی ﷺ عامۃ لانھا عمت لجمیع افراد البشر ولسائر الاقوام والجمیع الامکنۃ والازمنۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) (اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے میرے دل میں یہ بات آ گئی ہے کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت پوری زمین میں انسان آباد نہیں تھے فقط محدود علاقوں میں آبادی تھی۔ وہ محدود آبادی گویا بس ایک ہی امت تھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی لمبا عرصہ نہیں گذرا تھا، لہٰذا اس وقت کے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مخاطب تھے۔ جب انہوں نے انکار کیا تو سب غرق کیے گئے۔ اور یہ توجیہ حضور ﷺ کی عمومی بعثت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت تمام انسانی افراد، اقوام اور تمام ممالک وزمانوں کو عام ہے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا:

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے دو واقعے ذکر کیے ہیں، دونوں واقعے ایسے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اللہ کے واسطے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ جو مذکورہ آیات میں بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ ہے، اور اس کی تفصیلات سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہیں، یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔

اتباع کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کی شریعتوں میں اصول دین میں تو اتفاق تھا ہی احکام میں بھی اکثر اتفاق تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کے کام میں بہت محنت کی اور تکلیفیں برداشت کیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جم کر دعوت کا کام کیا اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، حتیٰ کہ آگ میں ڈالے گئے۔

واضح رہے کہ بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا وقفہ ہے، اور دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ (کشاف، ص ۱، ج ۱)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ (جبکہ وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے) سلیم سالم کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دل لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے کہ عقائد بالکل صحیح تھے، نیت خالص تھی، صفات قبیحہ مثلاً حسد، کھوٹ کپٹ

سے خالی تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو کا تذکرہ فرمایا جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ہوئی تھی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں، کما ذکر فی سورۃ الشعراء۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس کی عبادت بالکل ہی نہیں کرتے یا اس کی عبادت تو کرتے ہو لیکن ساتھ ہی بتوں کو بھی شریک بنا رکھا ہے یعنی ساتھ ہی ان کی بھی عبادت کرتے ہو۔

صاحب روح المعانی نے اس کا ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا وہ تمہاری اس جرأت پر عذاب نہ دے گا کہ تم نے جھوٹے معبود بنا لیے اور تمہیں کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور بت پرست اقوام کی طرح میلے لگتے تھے، ایک مرتبہ قوم اپنے بتوں کے سامنے کھانا رکھ کر میلے میں شریک ہونے کے لیے چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی چلو، چونکہ یہ لوگ ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پیچھا چھڑانے اور ان کے پیچھے ان کے بتوں کی توڑ پھوڑ کے لیے ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ میں تو بیمار ہونے والا ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاؤں، وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے آپ نے ان کے پیچھے بت خانہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر اول تو ان بتوں کا مذاق بنایا اور فرمایا کیا بات ہے کہ تم کھاتے نہیں ہو؟ (کھانے کی چیزیں وہاں پہلے سے رکھی ہوئی تھیں، مشرکین وہاں متبرک بنانے کے طور پر رکھ کر گئے تھے تاکہ واپس ہو کر کھائیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یہ بھی کہا کیا بات ہے تم بولتے نہیں؟ بت تو بت ہیں کیا جواب دیتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر کلہاڑا لے کر پل پڑے اور مار مار کر ان کا تیہ پانچہ کر دیا اور توڑ کر رکھ دیا۔ اس میں جو لفظ بالیمین وارد ہوا ہے اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں، اول یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے حملہ کیا اور دوسرے یہ کہ پوری قوت کے ساتھ مار بجائی۔

جب وہ لوگ میلہ سے واپس ہوئے اور بتوں کو اس حال میں پایا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں، تو اول تو آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ پھر کہنے لگے کہ ہاں وہ ایک نوجوان جسے ابراہیم کہا جاتا ہے وہ ایک دن کہہ رہا تھا کہ میں ایک دن ان کے بارے میں ایک تدبیر نکالوں گا، ہو نہ ہو ایسا کام کرنے والا ابراہیم ہی ہوگا، کہنے لگے اسے بلاؤ سب لوگوں کے سامنے بات ہوگی، اس مشورے کے بعد جلدی جلدی حضرت ابراہیم کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور آپ سے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ فرمایا یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں؟ کہنے لگے تم جانتے ہو یہ تو بولتے نہیں ہیں! فرمایا تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر، یہ سوال اور جواب سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔

یہاں سورۃ الصافات میں فرمایا ہے: (قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ) کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود ہی تراش کر اور کاٹ چھانٹ کر کے بنا لیتے ہو (وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ) اور حال یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔

[illegible]

مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا دلیل [illegible] تو آپس میں یہ طے کیا کہ ان کے لئے ایک مکان بناؤ یعنی ایک چار دیواری تیار کرو، پھر اس میں بہت زیادہ آگ جلاؤ اور اس شخص کو اس آگ میں ڈال دو۔

چنانچہ انہوں نے ایک بڑی جگہ بنائی اور اس میں [illegible] آگ جلائی پھر منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا، آگ کو اللہ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا ابراہیم کے لئے کوئی تکلیف نہ پہنچے، چنانچہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہ ہوا، اب تو دشمنوں نے [illegible] لی لگائی، سب حیران رہ گئے۔ اسی کو فرمایا: فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ (۹۸) (سو ان لوگوں نے ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کی تدبیر کی سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا کر دیا) وہ ذلیل ہوئے اور سب نے نیچا دیکھا۔

ستاروں پر نگاہ ڈالنے کا مقصد:

اس واقعے سے متعدد تفسیری اور فقہی مباحث متعلق ہیں، یہاں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ سب سے پہلی بحث تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دینے سے پہلے جو ستاروں پر نظر ڈالی، اس کا مقصد کیا تھا؟ بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ محض ایک اتفاقی عمل تھا، کسی اہم بات کو سوچتے ہوئے انسان بعض اوقات بے اختیار آسمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے، جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جشن میں شرکت کی دعوت دی گئی تو آپ اس سوچ میں پڑ گئے کہ اس دعوت کو کس طرح ٹلاؤں؟ اسی سوچ کے عالم میں آپ نے بے اختیار ستاروں کی طرف دیکھا اور اس کے بعد جواب دیا ستاروں پر نظر ڈالنے کی یہ تشریح بظاہر بے غبار معلوم ہوتی ہے، لیکن قرآن کریم کے اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے درست کہنا مشکل ہے۔ اول تو اس لئے کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ واقعات کے صرف اہم اور ضروری اجزاء کو بیان فرماتا ہے، اور غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے، خود اسی آیتوں میں واقعے کے کئی اجزاء محذوف ہیں، یہاں تک کہ اس کا پورا پس منظر بھی بیان نہیں کیا گیا، اس لئے یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ قرآن کریم نے واقعے کے پس منظر کو تو تطویل کے خیال سے چھوڑ دیا ہو اور ایک قطعی غیر اختیاری عمل جس کا واقعے سے دور دراز کا بھی تعلق نہ تھا اسے پوری ایک آیت میں بیان فرمایا ہو۔ دوسرے اگر ستاروں کو دیکھنے میں کوئی خاص حکمت پیش نظر تھی، بلکہ یہ ایک غیر اختیاری عمل تھا تو عربی زبان کے قواعد کی رو سے فنظر نظرۃ الی النجوم کہنا چاہئے تھا، فی النجوم نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ستاروں کو دیکھنے میں کوئی خاص مصلحت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیش نظر تھی، اسی لئے قرآن کریم نے اہمیت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اب وہ مصلحت کیا تھی؟ اس کے جواب میں اکثر مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم علم نجوم کی بڑی شیدائی تھی، اور ستاروں کو دیکھ دیکھ کر اپنے کاموں کا تعین کیا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر جو جواب دیا اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم والے یہ سمجھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیماری کے بارے میں جو کچھ فرما رہے ہیں وہ کوئی ہوائی بات نہیں ہے، بلکہ ستاروں کے چلن پر غور کر کے کہہ رہے ہیں، اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بذات خود علم نجوم کے قائل نہ ہوں، لیکن جشن کی شرکت سے اپنی گلوخلاصی کے لئے آپ نے طریقہ وہ اختیار فرمایا جو ان کی نظر میں زیادہ قابل اعتماد ہو اور چونکہ آپ نے زبان سے علم نجوم کا کوئی حوالہ نہیں دیا، نہ یہ بتایا کہ ستاروں کو دیکھنے سے میرا مقصد

علم نجوم سے مدد لینا ہے۔ بلکہ صرف نظر بھر کر ستاروں کو دیکھا، اس لئے اس میں جھوٹ کا بھی کوئی پہلو نہیں ہوا۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل سے ان کافروں کی ہمت افزائی ہوئی ہوگی جو نہ صرف علم نجوم کے قائل تھے، بلکہ ستاروں کو دنیا کے واقعات میں مؤثر حقیقی مانتے تھے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ہمت افزائی تو تب ہوتی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد میں انہیں صراحت کے ساتھ ان کی گمراہیوں پر متنبہ نہ فرماتے، یہاں تو یہ ساری تدبیر کی ہی اس لئے جا رہی تھی کہ انہیں توحید کی دعوت زیادہ سے زیادہ مؤثر بنا کر دی جائے، چنانچہ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کی ایک ایک گمراہی کو کھول کھول کر بیان فرما دیا، اس لئے محض اس مبہم عمل سے کافروں کی ہمت افزائی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں اصل مقصد جشن کی شرکت سے اپنی جان چھڑانا تھا، تاکہ دعوت حق کے لئے زیادہ مؤثر فضا پیدا کی جاسکے، اس مقصد کے لئے ایہام کا یہ طریقہ عین حکمت پر مبنی ہے، اور اس پر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

ستاروں کی طرف دیکھنے کی یہ تشریح اکثر مفسرین سے منقول ہے، اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت:

اس آیت کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علم نجوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہاں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کرسکتا ہے، مثلاً سورج کے قرب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں۔ ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کے لئے غموں اور ناکامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتے ہیں، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیئے ہیں، اس لئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے مرہون منت ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے "نوء" کہا جاتا تھا) بارش لے کر آتا ہے اور وہ بارش کے لئے مؤثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت محمد نے اس عقیدے

کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔
رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید۔ لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بنا پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

"جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور وخوض اور بحث ومباحثہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ اور جب میرے صحابہ کا (یعنی ان کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رک جاؤ"

اور حضرت فاروق اعظم کا ارشاد ہے:

"ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رک جاؤ"

اس ممانعت سے ستاروں کے خواص وآثار کا انکار لازم نہیں آتا لیکن ان خواص وآثار کے پیچھے پڑنے اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع ومذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے مؤثر حقیقی ہونے کا مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص وآثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشینگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے کہ:

"یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہو سکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں"۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسلمہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہئے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی

تحصیل میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس وتخمین سے آگے کچھ نہیں۔ایک مشہور منجم کوشیار دیلمی نے علم نجوم پر اپنی کتاب المجمل فی الاحکام میں لکھا ہے:

"علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے، اور اس میں انسان کے وسوسوں اور گمانوں کے لئے بڑی گنجائش ہے"۔

(روح المعانی ص ۱۱۱ ج ۲۳)

علامہ آلوسی نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بنا پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا جھوٹا پندار بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعووں تک پہنچا دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مترادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا۔اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری کا مطلب:

اس آیت سے متعلق تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی دعوت کے جواب میں جوانی سقیم (میں بیمار ہوں) فرمایا تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت واقعی بیمار تھے؟ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے، لیکن صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت ایسے بیمار نہیں تھے کہ قوم کے ساتھ نہ جا سکیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کیسے ارشاد فرمائی؟

اس کا جواب جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "توریہ" کیا تھا "توریہ" کا مطلب ہے" کوئی ایسی بات کہنا جو بظاہر واقعہ کے خلاف ہو، لیکن کہنے والے نے اس سے کوئی ایسے دور کے معنی مراد لئے ہوں جو واقعہ کے مطابق ہوں" یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا اس کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ "میں اس وقت بیمار ہوں" لیکن آپ کی اصل مراد یہ نہیں تھی۔اب اصل مراد کیا تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس سے آپ کا مقصد وہ طبعی انقباض تھا جو آپ کو اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات دیکھ دیکھ کر پیدا ہو رہا تھا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں "سَقِيْمٌ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو "مریض" کے مقابلہ میں بہت ہلکا لفظ ہے، اور اس کا مفہوم اردو میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ "میری طبیعت ناساز ہے" ظاہر ہے کہ اس جملہ میں طبعی انقباض کے مفہوم کی بھی پوری گنجائش پائی جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: "اِنِّیْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾" سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ "میں بیمار ہونے والا ہوں" اس

لئے کہ عربی زبان میں اسم فاعل کا صیغہ بکثرت زمانہ مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے: "انک میت وانھم میتون" اس کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ "تم بھی مردہ ہو اور وہ بھی مردہ ہیں۔" لیکن ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہ معنی ہیں کہ "تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں" اسی طرح "اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۝" کے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مراد لئے تھے کہ "میں بیمار ہونے والا ہوں۔" اور یہ اس لئے فرمایا کہ موت سے پہلے پہلے ہر انسان کا بیمار ہونا یقینی امر ہے۔ اگر کسی کو ظاہری بیماری نہ ہو تب بھی موت سے ذرا پہلے انسان کے مزاج میں خلل کا واقع ہونا ناگزیر ہے۔

اور اگر کسی کا دل ان تاویلات پر مطمئن نہ ہو تو سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت اس وقت واقعۃً تھوڑی بہت ناساز تھی، لیکن بیماری ایسی نہ تھی جو جشن میں شرکت سے مانع ہوتی، آپ نے اپنی معمولی ناسازی طبع کا ذکر ایسے ماحول میں کیا جس سے سننے والے یہ سمجھے کہ آپ کو کوئی بڑی بیماری لاحق ہے، جس کی وجہ سے آپ واقعی ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ معقول اور اطمینان بخش تھی۔

اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد "اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۝" کے لئے جو "کذبۃ" (جھوٹ) کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے مراد "توریہ" ہے جس کی ظاہری شکل جھوٹ ہوتی ہے، لیکن متکلم کی مراد کے لحاظ سے وہ جھوٹ نہیں ہوتا، خود اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

"ان میں سے کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے دین کی مدافعت اور حمایت میں نہ بولا گیا ہو"۔

ان الفاظ نے خود یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں "کذب" اپنے عام معنی سے جدا مفہوم رکھتا ہے، اس حدیث سے متعلق قدرے تفصیلی بحث سورۃ انبیاء میں آیت قال بل فعله کبیرھم کے تحت گزر چکی ہے۔

توریہ کا شرعی حکم: فیصل:

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر توریہ کرنا جائز ہے توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو، اور باطنی مراد مطابق واقعہ۔ اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو۔ اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔

ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار عالم ﷺ سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ہجرت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، اور مشرکین آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟" حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا: "ھو ھادٍ یھدینی" (یہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چل دیا، حالانکہ حضرت ابوبکر کا مقصد یہ تھا کہ آپ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے، تا کہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہوسکے (صحیح مسلم وغیرہ) یہ عملی توریہ اور ایہام تھا۔

مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت ﷺ سے توریہ ثابت ہے: شمائل ترمذی

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾

بیٹے کی قربانی کا واقعہ:

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک دوسرا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لئے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی پیش کی، واقعہ کے بنیادی اجزاء خلاصہ تفسیر سے واضح ہو جاتے ہیں، بعض تاریخی تفصیلات آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں آجائیں گی:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں) یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ آپ اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ "رب کی طرف چلے جانے" سے مراد یہ ہے کہ میں دار الکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کر سکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے۔ اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دعا فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما) چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی)

"حلیم المزاج" فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں ادھر فرعون مصر نے حضرت سارہ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاری کے لئے دے دی تھی، حضرت سارہ نے یہی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ (سو جب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا (قرطبی) اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لئے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دو۔ یوں یہ حکم براہ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لئے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا کہ انہیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انہیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کے ذبح کا اقدام کر گزرو۔ اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لئے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہو گئی اور خواب بھی سچا ہو گیا، یہ بات زبانی حکم کے ذریعہ آتی تو یا آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوت بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکام الٰہی کی اطاعت کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اطاعت کے لئے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لئے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لئے پہلے سے تیار ہو سکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہوا بھی تو اسے سمجھایا جا سکے گا۔ (روح المعانی و بیان القرآن) لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے خلیل کا بیٹا تھا اور اسے خود منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریئے)۔ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبہ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا

ذکر فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

وحی غیر متلو کا ثبوت:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وحی صرف وہ ہے جو آسمانی کتاب میں نازل ہو گئی، اس کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری قسم موجود نہیں ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم خواب کے ذریعہ دیا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے صریح الفاظ میں اسے اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کون سی آسمانی کتاب میں اترا تھا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ:

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے) اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے۔ ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔ دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ "آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے" لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ "آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے" جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر و تکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرما دیا۔ (روح المعانی) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر کتنا ہی اعتماد ہو لیکن اسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہوا، اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے، کہ ان میں اپنے بجائے اللہ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا (پس جب وہ دونوں جھک گئے) اسلم کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہو جانا، رام ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کر لیا، یہاں لما (جب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آ چکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدام فداکاری اس قدر عجیب و غریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، ہر بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ آج تک منیٰ کے تین جمرات پر اسی محبوب عمل کی یاد کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پر پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام

نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجئے، تا کہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچائیے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں، تو میرا ثواب گھٹ جائے، اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انہیں غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری کو بھی تیز کر لیجئے، اور اسے میرے حلق پر ذرا جلدی جلدی پھیریئے گا، تا کہ آسانی سے میرا دم نکل سکے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے گا، اور اگر آپ میری قمیص والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں، شاید اس سے انہیں کچھ تسلی ہو۔ اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ: "بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے میرے کتنے اچھے مددگار ہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پرنم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (مظہری) اور

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ (انہیں پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انہیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، (مظہری) لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے۔ اس لئے کہ جبین عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں، اور پیشانی کا درمیانی حصہ جبہتہ کہلاتا ہے۔ اسی لئے حکیم الامت حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے لیکن بعض دوسرے حضرات مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹا دیا۔ بہرصورت تاریخی روایات میں اس طرح لٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان: مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لئے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقت پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی۔ (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا) یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ (خواب میں بھی غالباً صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لئے چھری چلا رہے ہیں) اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لئے اب انہیں چھوڑ دو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ (ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ (اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا) روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے

...دی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ہابیل نے پیش کی تھی۔ واللہ اعلم۔

بہر حال یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اور انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔ اس ذبیحہ کو "عظیم" اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)

ذبیح حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق:

اوپر آیات کی تفسیر یہ تسلیم کرتے ہوئے کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، لیکن درحقیقت اس معاملہ میں مفسرین اور مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عباس، حضرت ابن عباس، کعب الاحبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ، عطاء، مقاتل، زہری اور سدی سے منقول ہے کہ وہ صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، اس کے برخلاف حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو الطفیل، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، مجاہد، حضرت عمر بن عبدالعزیز، شعبی، محمد بن کعب قرظی، اور دوسرے بہت سے تابعین سے منقول ہے کہ وہ صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

بعد کے مفسرین میں سے حافظ ابن جریر طبری نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے دوسرے قول کو اختیار کر کے پہلے قول کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ یہاں فریقین کے دلائل پر مکمل تبصرہ ممکن نہیں، تاہم قرآن کریم کے اسلوب بیان اور روایات کی قوت کے لحاظ سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن صاحبزادے کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم نے بیٹے کی قربانی کا پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی کہ نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے) اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور تھے، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت ان کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی۔

(۲) حضرت اسحاق علیہ السلام کی اسی بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نبی ہوں گے، اس کے علاوہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے، کہ حضرت اسحاق کی پیدائش کے ساتھ یہ بشارت بھی دے دی گئی تھی کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے، (فبشرناها باسحق ومن وراء اسحق يعقوب) اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ بڑی عمر تک زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ صاحب اولاد ہوں گے، پھر انہی کو بچپن میں ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جا سکتا تھا، اور اگر انہی کو بچپن میں نبوت سے قبل ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے کہ انہیں تو ابھی نبوت کے منصب پر فائز ہونا ہے اور ان کی صلب سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش مقدر ہے، اس لئے ذبح کرنے سے انہیں موت نہیں آ سکتی۔ ظاہر ہے کہ اس

صورت میں نہ یہ کوئی بڑا امتحان ہوتا، اور نہ حضرت ابراہیم اس کی انجام دہی میں کسی تعریف کے مستحق ہوتے، امتحان تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہوجائے گا اور اس کے بعد وہ ذبح کرنے کا اقدام کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ رہنے اور نبی بننے کی کوئی پیشینگوئی نہیں فرمائی تھی۔

(۳) قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعا کی تھی، اسی دعا کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور پھر اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سارا سلسلہ واقعات بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم کا پہلا بیٹا تھا، ادھر یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

(٤) یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا ہے، اس لئے اہل عرب میں برابر حج کے دوران قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا اس کے سینگ سالہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ: "میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں۔" (ابن کثیر، ص ۸۱ ج ٤) اور حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ "اس مینڈھے کے سینگ مسلسل کعبہ میں لٹکتے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانہ میں) کعبۃ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے" (ایضاً، ص ۷۱ ج ۲) اب ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف فرما رہے ہیں، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے۔

رہیں وہ روایات جن میں مختلف صحابہ و تابعین کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام کو قرار دیا سو ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں، اس لئے کہ جب وہ حضرت عمر کے زمانے میں اسلام لائے تو حضرت عمر کو اپنی پرانی کتابوں کی باتیں سنانے لگے، بعض اوقات حضرت عمر ان کی باتیں سن لیتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی، اور انہوں نے بھی ان کی روایات سن کر انہیں نقل کرنا شروع کر دیا، ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں، اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(تفسیر ابن کثیر ص ۷۱ ج ٤)

حافظ ابن کثیر کی یہ بات بہت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دینے کی بنیاد اسرائیلی روایات ہی پر ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں

موجودہ بائبل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہیم کو آزمایا اور اسے کہا اے ابراہیم! اس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا"۔ (پیدائش ۲۲ اور ۲)

اس میں ذبح کا واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اگر انصاف سے اور تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں یہودیوں نے اپنے روایتی تعصب سے کام لے کر تورات کی عبارت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ کتاب پیدائش کی مذکورہ عبارت ہی میں "جو تیرا اکلوتا ہے" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا، اسی باب میں آگے چل کر پھر لکھا ہے کہ:۔

"تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا"۔ (پیدائش ۲۲:۲۱)

اس جملے میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ وہ بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا تھا، ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے، اگر "اکلوتے" کا اطلاق کسی پر ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، خود کتاب پیدائش ہی کی دوسری کئی عبارتیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش حضرت اسحاق علیہ السلام سے بہت پہلے ہو چکی تھی، ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور ابراہیم کی بیوی سارٰی کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی، جس کا نام ہاجرہ تھا اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اور جب ابراہیم سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہیم چھیاسی برس کا تھا" (پیدائش باب ۱۶ آیات ۱ و ۴، ۱۰، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

"اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ سارٰی جو تیری بیوی ہے اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش! اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے، تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اسحاق رکھنا" (پیدائش ۱۷، ۱۵ تا ۱۲)

اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

"اور جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا" (پیدائش ۱۲ تا ۵)

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال چھوٹے تھے اور اس چودہ سال کے عرصہ میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے، اس کے برعکس حضرت اسحاق علیہ السلام پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں وہ اپنے والد کے اکلوتے ہوں، اب اس کے بعد جب کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے تو اس میں "اکلوتا" کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے کہ اس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ

"اضحاق" کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے تا کہ یہ فضیلت بنو اسماعیل کے بجائے بنو اسحاق کو حاصل ہو۔
اس کے علاوہ بائبل کی اسی کتاب پیدائش میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ:

"یقیناً میں اسے (یعنی حضرت اسحاق کو) برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی" (پیدائش ۱۷، ۱۶)

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کے بارے میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دی جاچکی ہو کہ وہ صاحب اولاد ہوگا اور "قومیں اس کی نسل سے ہوں گی" اس کو قربان کرنے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسحاق علیہ السلام سے متعلق نہیں تھا، بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق تھا۔

بائبل کی ان عبارتوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کا یہ خیال کس قدر صحیح ہے کہ:

"یہودیوں کی کتب مقدسہ میں تصریح ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی عمر سو سال تھی، اور انہی کی کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور ایک اور نسخہ میں "اکلوتے" کے بجائے "پہلوٹھے" کا لفظ ہے، پس یہودیوں نے یہاں "اسحاق" کا لفظ اپنی طرف سے بہتانا بڑھا دیا، اور اس کو درست قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں کی تصریحات کے خلاف ہے، اور یہ لفظ انہوں نے اس لئے بڑھایا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے جدامجد ہیں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے، پس یہودیوں نے حسد کی وجہ سے یہ لفظ بڑھا دیا اور اب "اکلوتے" کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ وہ "بیٹا جس کے سوا اس وقت کوئی اور تمہارے پاس موجود نہیں ہے" کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ اس وقت وہاں نہیں تھیں (اس لئے حضرت اسحاق کو اس معنی میں اکلوتا کہا جاسکتا ہے) لیکن یہ بالکل غلط تاویل ہے اور باطل تحریف ہے، اس لئے کہ "اکلوتا" اس بیٹے کو کہتے ہیں جس کے باپ کا اس کے سوا کوئی بیٹا نہ ہو تفسیر ابن کثیر ص ۲ ۴، ج ۴)

حافظ ابن کثیر ہی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علماء یہود میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟ تو اس نے کہا کہ "خدا کی قسم امیر المومنین! وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، یہودی اس بات کو خوب جانتے ہیں لیکن وہ آپ عرب لوگوں سے حسد کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں"۔ (ص ۱۸ ج ۴)

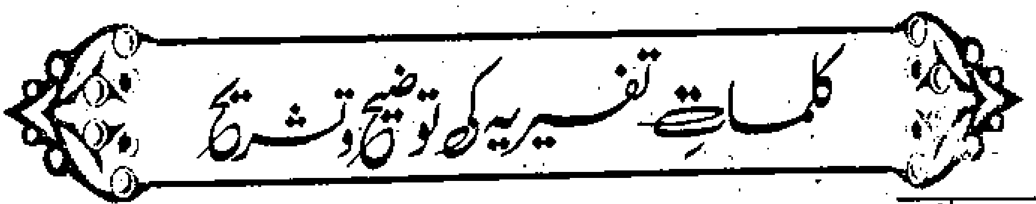
ان دلائل کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ واللہ سبحانہ اعلم (معارف مفتی شفیع)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ بِالنُّبُوَّةِ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾
اَىْ اِسْتِعْبَادِ فِرْعَوْنَ اِيَّاهُمْ وَنَصَرْنٰهُمْ عَلَى الْقِبْطِ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ اَلْبَلِيْغَ الْبَيَانِ فِيْمَا اَتٰى بِهٖ مِنَ الْحُدُوْدِ وَالْاَحْكَامِ وَغَيْرِهِمَا وَهُوَ التَّوْرٰةُ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ

الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ وَ تَرَكْنَا اَبْقَيْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ ثَنَاءً حَسَنًا سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾ مِنَّا كَمَا اِنَّا كَذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمَا نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَ اِنَّ
اِلْيَاسَ بِالْهَمْزِ اَوَّلَهُ وَتَرْكُهُ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ قِيْلَ هُوَ ابْنُ اَخِيْ هَارُوْنَ اَخِيْ مُوْسٰى وَاُرْسِلَ اِلٰى قَوْمٍ
بِبَعْلَبَكَّ وَنَوَاحِيْهَا اِذْ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اللهَ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا اِسْمُ صَنَمٍ
لَهُمْ مِنْ ذَهَبٍ وَبِهٖ سُمِّيَ الْبَلَدُ مُضَافًا اِلٰى بَكَّ اَيْ اَتَعْبُدُوْنَهُ وَّ تَذَرُوْنَ تَتْرُكُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾
فَلَا تَعْبُدُوْنَهُ اللهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ عَلٰى اِضْمَارِ هُوَ وَبِنَصْبِهَا عَلَى الْبَدَلِ مِنْ
اَحْسَنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ النَّارِ اِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُمْ فَاِنَّهُمْ
نَجَوْا مِنْهَا وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ ثَنَاءً حَسَنًا سَلٰمٌ مِنَّا عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ هُوَ اِلْيَاسُ الْمُتَقَدِّمُ
ذِكْرُهٗ وَقِيْلَ هُوَ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ فَجُمِعُوْا مَعَهٗ تَغْلِيْبًا كَقَوْلِهِمْ لِلْمُهَلَّبِ وَقَوْمِهٖ الْمُهَلَّبُوْنَ وَ عَلٰى قِرَاءَةِ اٰلِ
يَاسِيْنَ بِالْمَدِّ اَيْ اَهْلِهٖ الْمُرَادُ بِهٖ اِلْيَاسُ اَيْضًا اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اُذْكُرْ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا
فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ ثُمَّ دَمَّرْنَا اَهْلَكْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ كُفَّارَ قَوْمِهٖ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ
عَلَيْهِمْ اَيْ عَلٰى اٰثَارِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ فِيْ اَسْفَارِكُمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾ اَيْ وَقْتَ الصَّبَاحِ يَعْنِيْ بِالنَّهَارِ وَ
بِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ يَا اَهْلَ مَكَّةَ مَا حَلَّ بِهِمْ فَتَعْتَبِرُوْنَ بِهٖ ع ۴ ۲۵ ۸

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر بھی احسان کیا نبوت سے سرفراز کر کے اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو مراد بنی اسرائیل ہے، بڑی آفت فرعون کی بیگار لینے سے نکال دیا اور ہم نے قبطیوں کے مقابلہ میں انکی مدد کی سو یہی لوگ غالب آ گئے اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی جس میں حدود و احکام کو نہایت کھلے انداز سے بیان کیا گیا ہے تورات مراد ہے اور ہم نے انہیں سیدھے راستے پر رکھا اور ہم نے ان دونوں کے لیے پچھلی نسلوں میں ذکر خیر رہنے دیا۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ہمارا سلام ہے، ہم مخلصین کو اسی طرح جیسے انکو بدلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ دونوں ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور بلا شبہ الیاس بھی پیغمبروں میں سے ہیں اس کے شروع میں ہمزہ اور بدون ہمزہ دونوں ہیں بعض کی رائے میں یہ حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے جنہیں بعلبک کے باشندوں اور آس پاس والوں کے پاس نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جبکہ یہ منصوب ہے اذکر

فعل مقدر کے ذریعہ انہوں نے اپنی قوم کو للکارا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل بت کی پوجا کرتے ہو سونے کے بت کا نام تھا پھر بک کی طرف اضافت کر کے شہر کا نام پڑ گیا یعنی کیا تم اسکی پرستش کرتے ہو اور چھوڑ بیٹھے ہو اللہ سب سے بڑھ کر بنانے والے کو یعنی اس کو بندگی نہیں کرتے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے لفظ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ تینوں مرفوع ہیں ضمیر مان کر اور احسن سے بدل مان کر منصوب ہوسکتا ہے۔ سو ان لوگوں نے اس کو جھٹلا دیا اس لیے وہ جہنم میں پکڑے جائیں گے، مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں مؤمن وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے اور ہم نے الیاس کے لیے بعد میں آنے والی نسلوں میں ذکر خیر رہنے دیا ہمارا اسلام الیاس پر ہو، الیاسین، الیاس ہی ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے اور بعض کی رائے ہے وہ اور ان پر ایمان والے مراد ہیں ان سب کو انہیں کے ساتھ تغلیباً جمع کر دیا گیا ہے جیسے مہلب اور اس کی قوم کو مہلبین کہتے ہیں اور ایک قراءت میں آلِ یاسین کے ساتھ آیا ہے یعنی یاسین کے اہل اس سے بھی الیاس ہی مراد ہیں ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں جیسے ان کو بدلہ دیا بلاشبہ وہ ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے اس وقت کو یاد کیجیے جب کہ ہم نے انکو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے جو عذاب میں باقی رہنے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے ان کو قوم کے اور کافروں کو تباہ ہلاک کر ڈالا اور تم تو ان پر گزر کرتے ہوئے یعنی ان کے کھنڈرات اور مکانات پر سفر میں جاتے ہوئے صبح کے وقت یعنی دن میں اور رات کو۔ تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو۔ اے مکہ والو! کہ ان پر کیا شامت آئی تھی تا کہ تم اس سے عبرت پکڑو۔

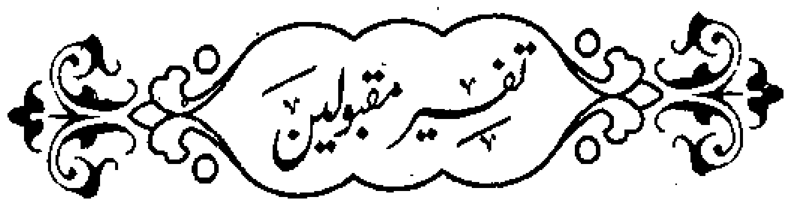


قوله: وَنَصَرْنٰهُمْ: قوم سمیت اسی لیے ضمیر جمع کی لائی گئی۔

قوله: الطَّرِيْقَ: حق کی طرف پہنچانے والا راستہ۔

قوله: مُضَافًا اِلٰى بَكَّ: اس شہر کو اب بعلبک کہا جاتا ہے۔

قوله: الیاس: بعض کا قول یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے علاتی بھائی ہیں۔ ضحاکؒ نے کہا: یہی ادریسؑ ہیں۔ بعض نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں۔



وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ:

ان آیات میں حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں

پر احسان کیا یعنی نبوت عطا کی اور اس بڑے انعام سے نوازا اور اس کے علاوہ بھی دوسری نعمتیں عطا فرمائیں، انہیں نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی کیونکہ یہ لوگ مصر میں رہتے تھے جہاں کا صاحب اقتدار فرعون تھا وہ بڑا ظالم تھا اس کی حکومت میں بنی اسرائیل عاجز محض بنے ہوئے تھے (جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے) فرعون ان کے لڑکوں تک کو ذبح کر دیتا تھا اور یہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے بڑی بے چینی اور مظلومیت کیا ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس بے چینی سے ان کو نجات دی، ان لوگوں کی مدد فرمائی۔ دریا سے پار کر دیا، یہ لوگ غالب ہوئے اور فرعون اور اس کے لشکر مغلوب ہوئے جو دریا میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے۔

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ (اور ہم نے انہیں واضح کتاب دی) یعنی توریت شریف عطا فرمائی جس میں واضح طور پر احکام شرعیہ بیان فرمائے وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ (اور ہم نے ان دونوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دی) جس پر وہ قائم رہے اور بنی اسرائیل کو بھی اسی کی دعوت دیتے رہے۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ (اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں ان کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر (چنانچہ ان کے بعد آنے والے ساری امتیں خاص کر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ برابر دعا و سلام کے ساتھ ان کے نام لیتی ہے یعنی انہیں لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یاد کرتی ہے) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ (بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بلا شبہ وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں۔)

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

حضرت الیاس علیہ السلام:

ان آیات میں الیاس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام سے متعلق چند معلومات درج ذیل ہیں:

قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک سورۃ انعام میں اور دوسرے سورۃ صافات کی انہی آیتوں میں۔ سورۃ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کر دیا گیا ہے اور کوئی واقعہ مذکور نہیں، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت وتبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات آئے ہیں، اس لئے آپ کے بارے میں کتب تفسیر کے اندر مختلف اقوال اور متفرق روایات ملتی ہیں، جن میں سے بیشتر بنی اسرائیل کی روایات سے ماخوذ ہیں۔

مفسرین میں سے ایک مختصر گروہ کا کہنا یہ ہے کہ "الیاس" حضرت ادریس علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور ان دونوں شخصیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (درمنثور ص ۲۸۲، ۵۸۲ ج ۵) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کا اس طرح جدا جدا تذکرہ فرمایا ہے، کہ دونوں کو ایک قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی، اس لئے حافظ ابن کثیر نے

اپنی تاریخ میں صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ دونوں الگ الگ رسول ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۳۹ ج ۱)

بعثت کا زمانہ اور مقام:

قرآن وحدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ یہوداہ یا یہودیہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام بائبل میں اخی اب اور عربی تواریخ وتفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے۔ اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنواسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۲۰، ج ۲۳ و ابن کثیر ص ۱۹ ج ۴ و تفسیر مظہری ص ۲۱، ج ۸ اور بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۶۔ ۲۹ تا ۳۳، ۱۷:۱)

قوم کے ساتھ کشمکش:

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دو چار ہونا پڑا۔ قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس کش مکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی ہے جو عبرت وموعظت حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دو چار ہونا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے مبسوط تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں جو اکثر اسرائیلی روایات نقل کرتے ہیں۔

ان تمام روایات کے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی طرف دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں تا کہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات

دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخی اب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے۔ میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن ان سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں گے اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ بھسم کر دے گی اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا۔ بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا، یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور ان پر حق واضح ہو گیا لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس لئے حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو وادی قیشون میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا، لیکن اخی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، وہ حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے الٹی ان کی دشمن ہو گئی، اور اس نے آپ کو قتل کرانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ شروع کر دی، کیونکہ رفتہ رفتہ بعل پرستی کی وباء وہاں بھی پھیل چکی تھی۔ وہاں کے بادشاہ یہورام نے بھی آپ کی بات نہ سنی، یہاں تک کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام کی پیشینگوئی کے متعلق تباہ و برباد ہوا چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور یہاں پھر اخی اب اور اس کے بیٹے اخزیاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر وہ بدستور اپنی بداعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔

کیا حضرت الیاس علیہ السلام حیات ہیں؟

مؤرخین اور مفسرین کے درمیان یہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے؟ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں (مظہری ص ۱۴۱ ج ۸) علامہ سیوطی نے بھی ابن عساکر اور حاکم وغیرہ کے حوالے سے کئی روایات ایسی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ کعب الاحبار سے منقول ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام اب تک زندہ ہیں، دو زمین میں، حضرت خضر اور حضرت الیاس اور دو آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہم السلام (در منثور، ص ۵۸۲، ۶۸۲، ج ۵) یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ہر سال رمضان کے مہینہ میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں، اور روزے رکھتے ہیں۔

(تفسیر قرطبی، ص ۶۱۱ ج ۵)

لیکن حافظ ابن کثیر جیسے محقق علماء نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا، وہ ان جیسی روایتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔
"یہ ان اسرائیلی روایتوں میں سے ہے جن کی نہ تصدیق کی جاتی ہے نہ تکذیب، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی صحت بعید ہے"۔

نیز فرماتے ہیں:
"ابن عساکر نے کئی روایتیں ان لوگوں کی نقل کی ہیں جو حضرت الیاس علیہ السلام سے ملے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی قابل اطمینان نہیں، یا تو اس لئے کہ ان کی سند ضعیف ہے یا اس لئے کہ جن اشخاص کی طرف یہ واقعات منسوب کئے گئے ہیں وہ مجہول ہیں" (البدایۃ والنہایۃ، ص ۳۳۹ ج ۱)

ظاہر یہی ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے رفع آسمانی کا نظریہ اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے، بائبل میں لکھا ہے کہ:۔
"اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔" (۲ سلاطین ۲:۱۱)
(واضح رہے کہ بائبل میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام ایلیاہ مذکور ہے)

اسی وجہ سے یہودیوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوا تھا کہ حضرت الیاس علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے، چنانچہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان پر الیاس علیہ السلام ہونے کا شبہ ظاہر کیا۔ انجیل یوحنا میں ہے:
"انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں" (یوحنا۔ ۱:۲۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہر تھے، یہی روایتیں مسلمانوں کے سامنے بیان کی ہوں گی، جن سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی کا نظریہ بعض مسلمانوں میں پھیل گیا، ورنہ قرآن یا حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی یا آپ کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہو، صرف ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ تبوک کے راستے میں آنحضرت محمد ﷺ کی ملاقات حضرت الیاس علیہ السلام سے ہوئی۔ لیکن یہ روایت بتصریح محدثین موضوع ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں:۔
"بلکہ یہ حدیث موضوع ہے، خدا برا کرے اس شخص کا جس نے یہ حدیث وضع کی، اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بے خبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں"

خلاصہ یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام کا زندہ ہونا کسی معتبر اسلامی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اس میں سکوت اختیار کیا جائے اور اسرائیلی روایات کے سلسلے میں آنحضرت محمد ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا جائے کہ "نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب" کیونکہ قرآن کریم کی تفسیر اور عبرت و موعظت کا مقصد اس کے بغیر بھی پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا (کیا تم بعل کو پوجتے ہو) بعل کے لغوی معنی شوہر اور مالک وغیرہ ہیں، لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا۔ بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی، اور یہ ان کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم

ہوا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن، ص ۸۲ ج ۲)

وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ (اور اس کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے) اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

اور "احسن الخالقین" (سب سے اچھا خالق) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ کوئی دوسرا بھی خالق ہو سکتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کو تم نے خالق قرار دیا ہوا ہے وہ ان سب سے اونچی شان والا ہے۔ (قرطبی) اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خالق اور صانع (بنانے والا) کے معنے میں استعمال ہوا ہے، یعنی وہ تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ دوسرے صناع صرف اتنا ہی تو کرتے ہیں کہ مختلف اجزاء کو جوڑ کر کوئی چیز تیار کر لیتے ہیں، کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ان کے بس سے باہر ہے، اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو وجود بخشنے پر قدرت ذاتی رکھتا ہے۔ (بیان القرآن)

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "خلق" کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدم محض سے قدرت ذاتی کے بل پر وجود میں لانا۔ اس لئے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں، لہٰذا ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین، شاعروں کے شعر اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی "تخلیقات" کہہ دیا جاتا ہے وہ بالکل جائز نہیں، اور نہ اہل قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے۔ خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کے رشحات قلم کو "کاوش" یا مضمون وغیرہ کہنا چاہئے "تخلیق" نہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ (سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ پکڑے جائیں گے) مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ کے سچے رسول کو جھٹلانے کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اس سے آخرت کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور دنیا کا انجام بد بھی۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی تکذیب کے نتیجے میں یہوداہ اور اسرائیل دونوں ملکوں کے حکمرانوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا، اس تباہی کی تفصیل تفسیر مظہری میں اور بائبل کی کتاب سلاطین اول باب ۲۲ سلاطین دوم باب اول اور تواریخ دوم باب ۱۲ میں موجود ہے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ اور قوم کا ہلاک ہونا اور بیوی کے علاوہ ان کے تمام اہل و عیال کا نجات پانا:

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اور ان کی اور ان کے اہل و عیال کی نجات اور ان کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے، ان کی قوم کے لوگ کافر تو تھے ہی برے اعمال میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے، مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا وہ لوگ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اے لوط اگر تم اپنی بات سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی آبادی سے نکال باہر کر دیں گے۔ ان لوگوں پر جس دن صبح صبح عذاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس صبح سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کو لے کر رات کے آخری حصہ میں آبادی سے نکل جائیں البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لینا (یہ اس لیے کہ وہ کافرہ تھی جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کا کافرہ ہونا مذکور ہے) چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام رات کو اپنے اہل و

عیال کو لے کر آبادی سے نکل گئے، صبح ہوئی قوم پر عذاب آ گیا، زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور آسمان سے پتھر برسا دیئے گئے، یہ قصہ سورۃ الانعام، سورۃ الحجر، سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں گزر چکا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک شدہ لوگوں میں رہ گئی، اسی کو (اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ) سے تعبیر فرمایا ہے۔

اہل مکہ کو عبرت دلانا:

اہل مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ سال میں دو مرتبہ ملک شام کا سفر کرتے تھے، ایک سفر سردی میں اور ایک سفر گرمی میں ہوتا تھا، جس کے بارے میں (رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ) فرمایا ہے، یہ سفر تجارت کا ہوتا تھا، شام جانے کے لیے ضروری تھا کہ ان بستیوں کے پاس سے گزرے جو الٹ دی گئی تھیں ان کے کھنڈر نظر آتے تھے، ان جگہوں میں کبھی رات کو گزرتے تھے اور کبھی صبح کو ہلاک شدہ اقوام کے آثار اور نشان دیکھتے تھے لیکن اثر نہیں لیتے تھے، اسی کو فرمایا: (وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾) (اور بے شک تم ان پر گزرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو، تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب حجاز کی جانب سے شام کو جاتے تھے تو ان کا گزر ان بستیوں کے قریب صبح کے وقت ہوتا تھا اور جب ادھر سے حجاز کی جانب واپس آتے تھے تو رات کو ان بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو کفر کی وجہ سے یہ بستیاں ہلاک ہوگئیں، تم آنکھوں سے ان کی نشانیاں دیکھ رہے ہو پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آؤ اور ہلاک شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو ورنہ تمہیں بھی عذاب پہنچ سکتا ہے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ هَرَبَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ السَّفِيْنَةِ الْمَمْلُوْئَةِ حِيْنَ غَاضَبَ قَوْمَهٗ لِمَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِمُ الْعَذَابُ الَّذِيْ وَعَدَهُمْ بِهٖ فَرَكِبَ السَّفِيْنَةَ فَوَقَفَتْ فِيْ لُجَّةِ الْبَحْرِ فَقَالَ الْمَلَّاحُوْنَ هُنَا عَبْدٌ اَبَقَ مِنْ سَيِّدِهٖ تُظْهِرُهُ الْقُرْعَةُ فَسَاهَمَ قَارَعَ اَهْلَ السَّفِيْنَةِ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ الْمَغْلُوْبِيْنَ بِالْقُرْعَةِ فَاَلْقَوْهُ فِي الْبَحْرِ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ ابْتَلَعَهٗ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ اَيْ اٰتٍ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ ذَهَابِهٖ اِلَى الْبَحْرِ وَرُكُوْبِهِ السَّفِيْنَةَ بِلَا اِذْنٍ مِنْ رَّبِّهٖ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ الذَّاكِرِيْنَ بِقَوْلِهٖ كَثِيْرًا فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ لَصَارَ بَطْنُ الْحُوْتِ قَبْرًا لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَنَبَذْنٰهُ اَلْقَيْنَاهُ مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ بِالْعَرَآءِ بِوَجْهِ الْاَرْضِ اَيْ بِالسَّاحِلِ مِنْ يَوْمِهٖ اَوْ بَعْدَ ثَلَاثَةٍ اَوْ سَبْعَةِ اَيَّامٍ اَوْ عِشْرِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ عَلِيْلٌ كَالْفَرْخِ الْمُمَعَّطِ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَهُوَ الْقَرْعُ تُظِلُّهٗ وَهِيَ بِسَاقٍ عَلٰى خِلَافِ

الْعَادَةِ فِي الْقَرْعِ مُعْجِزَةٌ لَهُ وَكَانَتْ تَاتِيْهِ وَعْلَةٌ صَبَاحًا وَمَسَاءً يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا حَتّٰى قَوِيَ وَ اَرْسَلْنٰهُ بَعْدَ
ذٰلِكَ كَقَبْلِهِ اِلٰى قَوْمٍ بِنَيْنَوٰى مِنْ اَرْضِ الْمَوْصِلِ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ بَل يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ عِشْرِيْنَ اَوْثَلَاثِيْنَ
اَوْسَبْعِيْنَ اَلْفًا فَاٰمَنُوْا عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ الْمَوْعُوْدِيْنَ بِهِ فَمَتَّعْنٰهُمْ اَبْقَيْنَاهُمْ مُتَمَتِّعِيْنَ بِمَا لِهِمْ اِلٰى
حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ تَنْقَضِيْ اٰجَالُهُمْ فِيْهِ فَاسْتَفْتِهِمْ اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَوْبِيْخًا لَهُمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ بِزَعْمِهِمْ اَنَّ
الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَيَخْتَصُّوْنَ بِالْاَبْنَاءِ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ
شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ خَلْقَنَا فَيَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ كِذْبِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ بِقَوْلِهِمْ
الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ فِيْهِ اَصْطَفَى بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتُغْنِيَ بِهَا عَنْ هَمْزَةِ
الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ اَيْ اَخْتَارَ الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ هٰذَا الْحُكْمَ الْفَاسِدَ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الذَّالِ اِنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنِ الْوَلَدِ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾
حُجَّةٌ وَاضِحَةٌ اَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ التَّوْرٰةِ فَاَرُوْنِيْ ذٰلِكَ فِيْهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فِيْ قَوْلِكُمْ
ذٰلِكَ وَ جَعَلُوْا اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ بَيْنَهٗ تَعَالٰى وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ اَيِ الْمَلَائِكَةِ لِاجْتِنَانِهِمْ عَنِ الْاَبْصَارِ نَسَبًا
بِقَوْلِهِمْ اَنَّهَا بَنَاتُ اللّٰهِ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ اَيْ قَائِلِيْ ذٰلِكَ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اَلنَّارَ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا
سُبْحٰنَ اللّٰهِ تَنْزِيْهًا لَهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ بِاَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ
مُنْقَطِعٌ اَيْ فَاِنَّهُمْ يُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا يَصِفُهُ هٰؤُلَاءِ فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مِنَ الْاَصْنَامِ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
اَيْ عَلٰى مَعْبُوْدِكُمْ وَعَلَيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اَيْ اَحَدًا اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ
تَعَالٰى قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مِنَّآ مَعْشَرَ الْمَلٰئِكَةِ اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾
فِي السَّمٰوٰتِ يَعْبُدُ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِيْهِ لَا يَتَجَاوَزُهُ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَقْدَامَنَا فِي الصَّلَاةِ وَ
اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ الْمُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ كَانُوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ
لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا كِتَابًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ اَيْ مِنْ كُتُبِ الْاُمَمِ الْمَاضِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

الْمُخْلَصِيْنَ ۞ الْعِبَادَةَ لَهُ قَالَ تَعَالٰى فَكَفَرُوْا بِهٖ اَىْ بِالْكِتَابِ الَّذِىْ جَاءَهُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ الْاَشْرَفُ مِنْ
تِلْكَ الْكُتُبِ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۞ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا بِالنَّصْرِ لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَ
هِىَ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِىْ اَوْهِىَ قَوْلُهٗ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۞ وَ اِنَّ جُنْدَنَا اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَهُمُ
الْغٰلِبُوْنَ ۞ اَلْكُفَّارَ بِالْحُجَّةِ وَالنُّصْرَةِ عَلَيْهِمْ فِى الدُّنْيَا وَاِنْ لَمْ يَنْتَصِرْ بَعْضٌ مِنْهُمْ فِى الدُّنْيَا وَاِنْ لَمْ
يَنْتَصِرْ بَعْضٌ مِنْهُمْ فِى الدُّنْيَافَفِى الْاٰخِرَةِ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ اَعْرِضْ عَنْ كُفَّارِ مَكَّةَ حَتّٰى حِيْنٍ ۞ تُؤْمِرُ فِيْهِ
بِقِتَالِهِمْ وَّ اَبْصِرْهُمْ اِذَا نَزَلَ بِهِمُ الْعَذَابُ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۞ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ فَقَالُوْا اسْتِهْزَاءً مَتٰى نُزُوْلُ
هٰذَا الْعَذَابِ قَالَ تَعَالٰى تَهْدِيْدًا لَهُمْ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ بِفِنَائِهِمْ قَالَ الْفَرَّاءُ
الْعَرَبُ تَكْتَفِىْ بِذِكْرِ السَّاحَةِ عَنِ الْقَوْمِ فَسَآءَ بِئْسَ صَبَاحًا صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۞ وَفِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ
مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَ تَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۞ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۞ كَرَّرَ تَاكِيْدًا لِتَهْدِيْدِهِمْ
وَتَسْلِيَةً لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ الْغَلَبَةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ بِاَنَّ لَهُ وَلَدًا وَ سَلٰمٌ
عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ الْمُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ التَّوْحِيْدَ وَالشَّرَائِعَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ عَلٰى نَصْرِهِمْ
وَهِلَاكِ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: اور بلاشبہ یونسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے جس وقت بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہونچے جس عذاب کی انہوں نے دھمکی دی جب وہ نہیں آیا تو قوم سے بگڑ کر چلے گئے پس فوراً کشتی پر سوار ہو گئے پھر آگے چل کر کشتی بھنور میں پھنس گئی ملاح بولے کہ میاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا معلوم ہوتا ہے قرعہ اندازی سے پتہ چل جائے گا کہ سو یونس بھی قرعہ میں شریک ہوئے تو کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی چنانچہ یہی ملزم ٹھہرے قرعہ میں ان کا نام نکل آیا جس کی وجہ سے انہیں سمندر میں ڈال دیا گیا پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور یہ یعنی ایسے فعل کو کرنے والے تھے جس پر ملامت کی جاتی ہو یعنی ساحل سمندر کی طرف بھاگنا اور بلا اجازت خداوندی کشتی پر سوار ہو جانا لائق ملامت تھا سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے مچھلی کے پیٹ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ کا ورد بکثرت نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے مچھلی کا پیٹ ہی قیامت تک ان کی قبر رہتا سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا زمین کے ساحلی حصہ پر اسی روز یا تیسرے یا ساتویں یا بیسویں یا چالیسویں روز وہ اس وقت مضمحل تھے پرندہ کے بے پر بچہ کی طرح اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت بھی اگا یا تھا کدو کی بیل ان پر سایہ فگن تھی خلاف عادت بطور معجزہ کے کدو کا درخت تنا دار ہو گیا اور صبح و شام ایک ہرنی آ کر

انہیں دودھ پلا جاتی تھی یہاں تک کہ ان کو قوت آ گئی اور ہم ۔ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا اس واقعہ کے بعد جیسا کہ پہلے بھی مبعوث تھے سرزمین موصل میں قوم نینویٰ کے پاس ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف بیس یا تیس یا ستر ہزار پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے مقررہ عذاب کے آثار دیکھتے ہی تو ہم نے انہیں عیش دیا اپنے مال ومتاع سے زندگی بھر نفع اٹھاتے رہے سو ان لوگوں سے پوچھئے، کفار مکہ سے سرزنش کے طور پر معلوم کیجئے کہ کیا تیرے پروردگار کے لیے تو بیٹیاں اپنے عقیدے کے مطابق فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور ان کے لیے بیٹے کہ نرینہ اولاد کو چاہتے ہیں۔ ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے ہمارے پیدا کرنے کو جس پر وہ اس عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن سازی دروغ بیانی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہیں۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے کی وجہ سے اور یقیناً اس میں جھوٹے ہیں کیا پسند کی ہیں بیٹیاں بیٹوں کے مقابلہ میں لفظ اَصْطَفَی ہمزہ استفہامیہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور چونکہ ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی اس لیے حذف ہو گیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے منتخب کر لی ہیں لڑکیاں لڑکوں کے مقابلہ میں تم کو کیا ہو گیا تم کیسا غلط حکم لگاتے ہو، کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہوتا کا ذال میں ادغام کر دیا گیا یعنی یہ کہ اللہ اولاد سے پاک ہے ہاں کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے اس بات کی کھلی حجت کو خدا کے اولاد ہے سو اپنی کتاب پیش کرو تورات۔ اور اس میں مجھے یہ مضمون دکھلا دو اگر تم سچے ہو اس بارے میں اور ان مشرک لوگوں نے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں فرشتے مراد ہیں نگاہوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے رشتہ داری قائم کر رکھی ہے یہ کہہ کر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کافر جو اس کے قائل ہیں گرفتار ہوں گے جہنم میں انہیں عذاب دیا جائے گا اللہ ان باتوں سے پاک صاف ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں استثناء منقطع ہے یعنی مؤمن اللہ کو ان باتوں سے پاک سمجھتے ہیں، جن کو کافر اللہ کے لیے مانتے ہیں سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو معبود کی طرف اس میں علیہ اگلے قول سے متعلق ہے نہیں پھر سکتے مگر اسی کو جو جہنم رسید ہونیوالا ہے اللہ کے علم کے مطابق جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا اور ہم میں سے کوئی فرشتہ نہیں ہے مگر ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے آسمانوں میں اللہ کی بندگی کرتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں نماز میں اور ہم پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں نامناسب چیزوں کی طرف نسبت کرنے سے اور یہ کفار مکہ کہا کرتے تھے ان مخففہ ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت کتاب پہلے لوگوں کے طور پر آتی پچھلی امتوں کی کتابوں کے مطابق تو ہم اللہ کے خاص بندگی کرنے والے اس کے عبادت گذار ہوتے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں پھر یہ لوگ انکار کرنے لگے اس کا یعنی قرآن پاک جو ان ساری کتابوں میں سب سے بڑھ کر ہے سو ان لوگوں کو اب معلوم ہوا جاتا ہے کفر کا انجام اور ہماری مدد کی بات ہمارے خاص بندوں پیغمبروں کے لیے پہلے ہی سے طے ہو چکی ہے یعنی لا غلبن انا و رسلی یا اگلی آیت کہ بلاشبہ وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا لشکر مسلمان ہی غالب رہتا ہے کفار پر دلیل اور مدد کے ذریعہ دنیا میں لیکن دنیا میں اگر غالب نہ بھی ہوئے تو آخرت میں تو ضرور ہی غلبہ رہے گا پس آپ انکا خیال چھوڑ دیئے کفار مکہ کا دھیان نہ کیجئے کچھ وقت تک جب تک آپ کو ان سے اجازت جہاد نہ ہو اور ان کو دیکھئے جب ان پر عذاب نازل ہو گا سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے اپنے کفر کی پاداش اس پر استہزائیہ انداز میں کفار کہنے لگے کہ عذاب کب آئے گا؟ ارشاد باری ہوا کہ یہ ہمارے عذاب کا تقاضہ کر رہے ہیں سو وہ جب ان کے روبرو آ

نازل ہوگا ان کے گھروں میں اتر آئے گا۔ فراء کہتے ہیں کہ اہل عرب ساحتہ کا ذکر کر کے قوم مراد لیا کرتے ہیں سو وہ دن صبح کا وقت بہت ہی برا ہوگا ان لوگوں کے لیے جن کو ڈرایا گیا تھا اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کر لیا گیا ہے اور آپ کچھ وقت تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہیے سو یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے یہ جملہ کفار کو دھمکانے اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لیے دہرایا گیا آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت وغلبہ والا ہے پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی اولاد ہے اور توحید اور احکام پہنچانے والے رسولوں پر سلام ہو اور ہر قسم کی عمدہ اور بہترین تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے مسلمانوں کی مدد اور کافروں کے تباہ کرنے پر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اِذْ اَبَقَ: اصل غلام کے آقا سے بھاگنے کے لیے ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نینوٰی سے نکلے اس لیے یہ اطلاق فرمایا۔

قوله: بِوَجْهِ الْاَرْضِ: خالی زمین جس پر درخت کا نشان نہ تھا۔

قوله: هِيَ بِسَاقٍ: پوری پر کھڑے ہونا جبکہ کدو کی بیل زمین پر پھیلتی ہے یہ آپ کا معجزہ تھا۔

قوله: وَعْلَةٌ: پہاڑی بکری۔

قوله: اِلٰى حِيْنٍ: ان کے واقعہ کو دوسرے انبیاءؑ سے الگ انداز سے ختم کیا۔

قوله: اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ: یعنی لَمُحْضَرُوْنَ سے۔

قوله: فَاِنَّكُمْ: ان کو دوبارہ مخاطب فرمایا۔

قوله: مَآ اَنْتُمْ: ما نافیہ۔

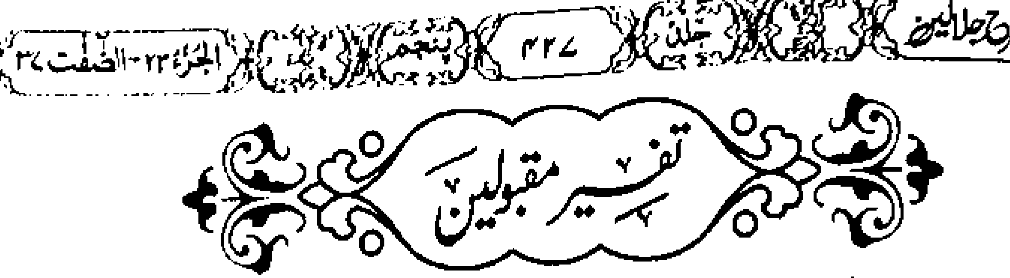
قوله: بِفٰتِنِيْنَ: اغوا کے ذریعہ فتنہ میں ڈالنا۔

قوله: وَاِنْ لَّمْ يَنْتَصِرْ: بعض کو اگرچہ دنیا میں غلبہ نہیں ملا۔ اکثریت کے اعتبار سے کہہ دیا۔ یا آخرت کا غلبہ مراد ہے۔

قوله: وَّ اَبْصِرْهُمْ: ان کو مہلت دو۔ امر اس لیے لائے کہ یہ کام ہر صورت ہوگا۔ گویا سامنے ہے۔

قوله: صَبَاحًا: جب صبح کو شبخون عرب میں کثرت سے ہوگیا تو اس کو صَبَاحًا ہی کہنے لگے۔

قوله: اَلْغَلَبَةُ: عزت کی اضافت ذات باری تعالیٰ کی طرف اس لیے کہ عزت اسی ہی کو لائق ہے اور اسی کے ساتھ خاص ہے یا جس کو وہ عزت دے۔



وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

حضرت یونس علیہ السلام کا کشتی سے سمندر میں کود پڑنا، پھر مچھلی کے پیٹ میں تسبیح میں مشغول رہنا:

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت اور مصیبت اور ان کی قوم کی ضلالت اور پھر ہدایت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور قوم نے نہ مانا انکار پر تلے رہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمادیا کہ دیکھو تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے گا، اس کے بعد دو دن تک انتظار کیا، تیسرے دن بھی انتظار میں تھے لیکن عذاب کے آثار نہیں دیکھے، جب یہ صورت حال سامنے آئی تو یہ سمجھ کر کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں جھوٹا بنوں گا وہاں سے روانہ ہو گئے اور ادھر ان کی قوم نے عذاب آتا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور گڑگڑائے، زاری کرتے رہے، خوب توبہ کی، معافی مانگی اور ایمان قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹادیا اور ان کا ایمان قبول فرمالیا۔ یہ ان کی خصوصیت تھی کیونکہ عذاب آنے کے بعد ایمان اور توبہ کی قبولیت نہیں ہوئی۔ سورۃ یونس میں فرمایا: (فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ) سو کوئی ایسی بستی کیوں ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اس کو نافع ہوتا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کا دنیوی زندگی میں ان پر ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام یہ دیکھ کر کہ عذاب نہیں آیا اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہوئے تو چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے وہاں جو کشتی والے تھے سواریوں کو کشتی میں بٹھا کر اس کنارے سے اس کنارہ تک پہنچاتے تھے اور مسافروں سے کرایہ بھی لیتے تھے، انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے کشتی میں بٹھالیا، کشتی میں سوار ہو گئے لیکن اب یہ ماجرا ہوا کہ کشتی روانہ ہو کر بیچ منجدھار میں جا کر رک گئی۔ کشتی والوں نے کہا کہ جو لوگ کشتی میں سوار ہیں ان میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی وجہ سے کشتی بیچ دریا میں آکر ٹھہر گئی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو دیکھ رہے ہیں کہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی ہیں لیکن آپ جس کشتی میں تھے وہ نہ چلانے سے چلتی ہے نہ ہلانے سے ہلتی ہے، آپ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ اس کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو پتہ نہیں! فرمایا لیکن مجھے اس کا سبب معلوم ہے، اس میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی فرمانبرداری چھوڑ کر بھاگ آیا ہے اور جب تک اس شخص کو سمندر میں نہ ڈال دو یہ کشتی ٹھہری ہی رہے گی، اور وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں (یہ اس لیے کہا کہ اللہ جل شانہٗ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے) مجھے دریا میں ڈال دو، لوگوں نے کہا یا نبی اللہ! ہم آپ کو دریا میں نہیں ڈال سکتے۔ فرمایا اچھا تو پھر قرعہ ڈال لو، جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے دریا میں ڈال دینا چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار آپ ہی کا نام نکلا، لہٰذا آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگادی۔ عربی زبان میں (سہم) تیر کو کہتے ہیں چونکہ تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا گیا تھا اس لیے اسے (فَسَاهَمَ) سے تعبیر فرمایا۔ اور طریقہ

قرعہ کا یہ تھا کہ ہر شخص اپنا اپنا تیر لے کر پانی میں ڈال دے جس کا تیر اوپر ہی کو رہے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اور جس کا تیر ڈوب جائے اس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کی وجہ سے کشتی رکی کھڑی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا جو تیر تھا پانی پر ہی تیرتا ہوا رہ گیا، اس پر آپ نے سمجھ لیا کہ مجھ ہی کو سمندر کے حوالے ہونا چاہیے، اور کشتی کے دوسرے سواروں نے بھی اس بات کا یقین کر لیا۔ اس کو یہاں فرمایا (فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝) (کہ حضرت یونس علیہ السلام مغلوب ہو گئے اور دوسری سواریوں کے مقابلہ میں ہار گئے)۔ (ذکرہ صاحب الروح)

قرعہ اندازی کا حکم:

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرعہ کے ذریعہ کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے۔ اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے، مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں، اسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے، اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے، تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔

حضرت یونس علیہ السلام نے جیسے ہی دریا میں چھلانگ لگائی ایک مچھلی اللہ کے حکم سے پہلے ہی سے تیار تھی اس نے آپ کو لقمہ بنا لیا لیکن چبایا نہیں صحیح سالم نگل لیا، مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو تین تاریکیوں میں مبتلا ہوئے، ایک تاریکی رات کی، دوسری سمندر کے پانی کی، تیسری مچھلی کے پیٹ کی، ان تاریکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے جیسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے: (فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ) (سو تاریکیوں میں پکارتے رہے کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں بیشک میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں) مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ نے وہاں ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو اس مصیبت سے نجات دے دی، سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے (فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ) (سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں) اور یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا ہے: (فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) (سو اگر وہ تسبیح بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔)

ایک بیل دار درخت کا سایہ دینا:

جب مچھلی کے پیٹ میں آپ نے ذکر کیا، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تو اللہ جل شانہٗ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو کنارے پر اگل دے، مچھلی نے آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ اس کے پیٹ سے اور پانی سے باہر تو آ گئے لیکن سقیم تھے، سقیم عربی زبان میں بیمار کو کہتے ہیں، جب مچھلی کے پیٹ میں کھانا دانہ نہ ملا تو تندرستی والی حالت برقرار نہ رہی، ضعف ہو جانا لازمی تھا۔ اسی لیے بعض حضرات نے سقیم کا ترجمہ مضمحل کیا ہے، ضرورت تھی کہ سایہ بھی ملے اور غذا بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے وہاں ایک بیلدار درخت اگا دیا مشہور ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگل کی بکری کو انہیں دودھ پلانے پر لگا دیا، وہ بکری آتی تھی اور آپ کو دودھ پلا کر چلی جاتی تھی۔

امتیوں کی تعداد:

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ نینویٰ بستی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو شہر موصل کے قریب تھی، یہاں سورۃ الصفت میں ان کی تعداد کے بارے میں فرمایا ہے: (وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ) (اور ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا) چونکہ ان لوگوں نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور اس کے بعد انہیں ایک زمانہ تک مزید زندگی بخش دی اور دنیا کی زندگی سے اور دنیا کی دوسری نعمتوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع دیا۔ اسی کو یہاں فرمایا (فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ۝) (سو وہ لوگ ایمان لے آئے لہٰذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک جینے اور فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا) تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام تندرست ہو گئے تو اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بیل دار درخت تو زمین پر پھیل جاتا ہے اس سے سایہ کیسے مل سکتا ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ بطور خرق عادت اس درخت کی بیل کسی سہارے کے بغیر اوپر پھیل گئی، کیونکہ معجزہ تھا اس کے لیے چڑھنے اور ٹھہرنے کے لیے کسی درخت یا دیوار کی ضرورت نہ ہوئی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی سوکھا ہوا درخت کھڑا ہو، اس پر بیل چڑھ گئی ہو۔

(اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝) جو فرمایا ہے کہ اس میں اَوْ شک کے لیے نہیں ہے۔ (لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنْ ذٰلِكَ) اسی لیے فراء نحوی نے فرمایا ہے کہ یہاں او بل کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واؤ کے معنی میں ہے اور اخفش اور زجاج نے فرمایا ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو دیکھ لیتے تو تمہارے اندازہ میں ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ میں آتے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲: ج ۱۵) اور ''بیان القرآن'' میں لکھا ہے کہ کسر کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ کہو اور اگر کسر کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو۔

سنن ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ

تھے۔ (قال الترمذی ھذا حدیث غریب وفی سندہ رجل مجھول)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آ جائے تو اس وقت توبہ کرنے سے واپس نہیں ہوتا لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لیے یہ خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے کے بعد بھی ان کی توبہ قبول فرمائی، وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور ایمان بھی قبول فرمایا اور عذاب کو ہٹا دیا

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اس آیت سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام تسبیح نہ کرتے تو وہ مچھلی قیامت تک زندہ رہتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مچھلی کے پیٹ ہی کو حضرت یونس علیہ السلام کی قبر بنا دیا جاتا۔

تسبیح واستغفار سے مصائب دور ہوتے ہیں:

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب اور آفتوں کو دور کرنے میں تسبیح اور استغفار خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور سے پڑھتے تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انہیں اس آزمائش سے نجات عطا فرمائی، اور وہ مچھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل آئے۔ اس لئے بزرگوں سے یہ منقول چلا آتا ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی مصیبت کے وقت یہ کلمہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھتے ہیں، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔

ابو داؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے جو دعا مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا، اس کی دعا قبول ہوگی۔ (تفسیر قرطبی)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

مشرکین کی تردید جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے:

شیطان نے اپنی کوششوں سے انسانوں کو توحید سے ہٹایا اور شرک کا رواج ڈالا، اس سلسلہ میں اس کی جو کوششیں آگے بڑھیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بتوں کی عبادت پر تو ڈالا ہی تھا جنات اور فرشتوں کے بارے میں بھی لوگوں کو یہ سمجھایا کہ ان میں اور خالق کائنات جل مجدہ کے درمیان رشتہ داری ہے چنانچہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا، لوگ شیاطین کی بات مانتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں لگا دیں جن سے وہ بری ہے اور پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونا اس کی شان یکتا کے خلاف ہے، اس کی شان (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ) ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا، سورۂ مریم میں فرمایا: (وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا) (اور یہ رحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے) مشرکین نے اول تو یہ سخت غلطی کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر دی، پھر جب اولاد تجویز کی تو وہ بھی لڑکیاں، اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں بتا دیا، اللہ تعالیٰ کی اولاد تجویز کرنے میں بھی جھوٹ تراشا اولاد بھی وہ تجویز کی جو اپنے

لیے ناپسند ہے۔

اسی کو یہاں فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ خالق جل مجدہٗ نے اپنے لیے لڑکیوں کو بطور اولاد کے چن لیا اور تمہیں اپنے لیے لڑکے پسند ہیں، اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تمہارا یہ جھوٹ اپنی جگہ رہا اب تو یہ بتاؤ کہ فرشتوں کے لڑکیاں ہونے کا علم تمہیں کہاں سے ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا تو کیا تم حاضر تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ مخلوق جو پیدا ہورہی ہے مؤنث ہے یعنی مادہ ہے یا نر ہے ایک تو تم نے فرشتوں کو مونث بتایا دوسرے انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتایا، تیسرے یہ کیا کہ جب خلاق جل مجدہٗ کے لیے اولاد تجویز کرنے لگے تو بیٹیاں تجویز کردیں جبکہ اپنے لیے بیٹی کو ناپسند کرتے ہو۔ یہ ساری باتیں بے دلیل اور سراپا جھوٹ ہیں، اللہ تعالیٰ کے کوئی اولاد نہیں، نہ بیٹی نہ بیٹا، اور اولاد ہونا اس کی شان اقدس کے خلاف ہے۔ ان مشرکین سے فرمایا: مَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ تمہیں کیا ہوا تم کیسے حکم لگاتے ہو، کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟ کوئی دلیل عقلی یا کوئی دلیل نقلی یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی کتاب تمہارے پاس ہو جس سے تم نے یہ بات نکالی ہے تو وہ پیش کرو، جب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو یہ شرکیہ باتیں کیوں کرتے ہو اور اپنی طرف سے کیوں جھوٹ بناتے ہو۔؟

جب مشرکین مکہ نے یوں کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے دریافت کیا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ جنات میں جو سردار ہیں ان کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۵۱: ج ۲۳) اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان قرابت داری تجویز کردی اور گویا جنات کے سرداروں کو فرشتوں کا نانا بنادیا۔ اس کو فرمایا: وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ (کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری تجویز کردی) پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝ اور جنات کا اس پر عقیدہ ہے کہ وہ حاضر کیے جائیں گے یعنی قیامت کے دن گرفتار ہوں گے، ان میں جو کافر ہوں گے دوزخ میں ڈالے جائیں گے جن میں ان کے سردار بھی ہوں گے، لہٰذا جو گرفتار ہوکر آئے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کیسے رشتہ ہوسکتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یہ جملہ معترضہ ہے) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ دوزخ سے بچا لیے جائیں گے، انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ:

ان سے صاف وصریح طور پر حکم وارشاد فرمایا گیا کہ لاؤ تم لوگ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں۔ یعنی دلیل و ثبوت کے لئے یا تو مشاہدہ درکار ہوتا ہے جس کی نفی اوپر آیت نمبر 150 میں ہوگئی۔ یا پھر کوئی سند اور کتاب ہونی چاہیے۔ سو اس کی نفی اب یہاں فرمائی جارہی ہے کہ ایسی کوئی کتاب نہ ہے نہ ہوسکتی ہے۔ تو پھر جب عقل و نقل کی کوئی بھی دلیل تمہارے پاس موجود نہیں ہے اے مشرکو تو پھر تم اتنی بڑی گستاخی اور اس قدر سنگین بات آخر کس برتے اور کس بنیاد پر کہتے ہو جس سے زمین و

آسمان پھٹ پڑیں؟ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا، اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا سلطان مبین یعنی کھلی سند کی توضیح یہاں پر خود کتاب کے لفظ سے فرمادی ہے۔ سو مشرکوں سے فرمایا گیا کہ اگر کوئی آسمانی کتاب کوئی سند اور دلیل تمہارے پاس موجود ہے تو لاؤ اس کو پیش کرو۔ اور جب ایسی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر لوگ اتنی بڑی بات منہ سے کس طرح نکالتے ہو۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ اللہ کی کتاب صاف اور صریح طور پر ایک ایک شرکیات کی تردید کرتی ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ معاذ اللہ دامادی کا رشتہ قائم کردیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ موقع ہے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو حاضر ہوئے آئیں گے کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف مقابل سمجھتے تھے۔ جیسے مجوس یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔ یعنی ایک نیکی کا خدا، اور دوسرا بدی کا۔

تعارف سورۂ صٓ

شانِ نزول: اس سورت کی ابتدائی آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے چچا ابو طالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ کی پوری نگہداشت کر رہے تھے، جب وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں ابوجہل، عاص ابن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث اور دوسرے روساء شریک ہوئے۔ مشورہ یہ ہوا کہ ابو طالب بیمار ہیں، اگر وہ اس دنیا سے گزر گئے اور اس کے بعد ہم نے (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے، اس وقت تک تو یہ لوگ محمد ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنالیا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابو طالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد ﷺ کے معاملہ کا تصفیہ کر لیں تا کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابو طالب کے پاس پہنچے، اور جا کر ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لے کر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں۔ نہ تمہارے خالق ہیں نہ رازق ہیں۔ نہ تمہارا کوئی نفع نقصان ان کے قبضہ میں ہے۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بلوایا، اور آپ سے کہا کہ بھتیجے! یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو۔ انہیں اپنے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، اس پر قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

بالآخر آنحضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟" ابو طالب نے کہا: "وہ کیا چیز ہے؟" آپ نے فرمایا "میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں" اس پر ابوجہل نے کہا: "بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم! ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے پڑھنے کو تیار ہیں" اس پر آپ نے فرمایا "بس لا الٰہ الا اللہ کہہ دو" یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" اس موقع پر سورۂ ص کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآن حکیم کے ذِی الذِّکْرِ ہونے کا معنیٰ ومطلب؟: سو ارشاد فرمایا گیا قسم ہے ذکر والے اس قرآن کی۔ ذکر کے معنیٰ نصیحت کے بھی ہیں اور عزت وشرف کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں ہی صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں کہ یہ کتاب حکیم ایک عظیم الشان اور جلیل القدر نصیحت بھی ہے۔ اور ایسی عظیم الشان اور بے مثل نصیحت کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ اس سے پہلے کبھی پائی گئی ہے اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور ایسی عظیم الشان نصیحت کہ اس میں کسی خطاء وقصور کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور یہ کتاب حکیم عین عز وشرف بھی ہے۔ اور ایسی کہ یہ انسان کو دارین میں عز وشرف سے نوازتی ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے ترجمے میں اسی لفظِ - ذکر - کو برقرار رکھا ہے۔ تا کہ یہ ان دونوں معنوں کو عام اور شامل رہے۔ جبکہ دوسرے حضرات

مترجمین میں سے کسی نے ایک مفہوم کو اختیار کیا ہے اور کسی نے دوسرے کو۔ سو ذکر و نصیحت بھری یہ کتاب حکیم ایک طرف تو انسان کو ان تمام حقائق کی تذکیر و یاددہانی کراتی ہے جو اس کی فطرت وجبلت میں ودیعت و پیوست ہیں مگر وہ انکو بھولا ہوا ہے۔ دوسری طرف یہ کتاب حکیم اس ہدایت کی تذکیر و یاددہانی کراتی ہے جو کہ اللہ نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے اپنی مخلوق کو فرمائی مگر لوگوں نے اس کو بھلا دیا۔ اور تیسری طرف یہ کتاب حکیم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نقمت کے ان بڑے بڑے واقعات کی تذکیر و یاددہانی کراتی ہے جو اس سے پہلے پیش آ چکے ہیں تاکہ دنیا اس سے سبق لے اور عبرت پکڑے۔ اور چوتھی طرف یہ کتاب حکیم اس نتیجہ وانجام سے آگہی بخشتی اور اس کی تذکیر و یاددہانی کراتی ہے جو حضرات انبیاء ورسل کی تکذیب کرنے والوں کو بھگتنا پڑا۔ تاکہ لوگ اس سے سبق لیں اور راہ حق وہدایت کو اپنائیں۔ تاکہ انکا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جبکہ پانچویں طرف یہ کتاب حکیم حساب وکتاب اور سزا وجزا کے اس سب سے اہم مرحلے کی تذکیر و یاددہانی کراتی ہے جو کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد پیش آئے گا۔ تاکہ دنیا اس کی فکر کرتے ہوئے اس کیلئے تیاری کر سکے قبل اس سے کہ حیات دنیا کی جو فرصت محدود اس کو ملی ہوئی ہے وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ کیلئے کف افسوس ملنا پڑ جائے۔ سو ذِی الذِّکْرِ ۞ کا عموم ان تمام پہلوؤں کو شامل اور سب پر محیط ہے۔ اللہ ان تمام پہلوؤں سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۞

اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اس کتاب حکیم میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں مگر جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر وہ تکبر اور ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ دولت ایمان سے محروم ہیں۔ سو قرآن حکیم کے اگر اسی ایک وصف کو دیکھا جائے یعنی اس کی شان ذکر کو تو اس کی تکذیب اور اس کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن منکرین نے جب آنکھوں پر ضد وعناد اور تعصب وہٹ دھرمی کی سیاہ پٹی باندھ رکھی ہو تو پھر ان کو راہ حق وہدایت نظر آئے تو کس طرح اور کیونکر؟ کہ ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ سو قرآن حکیم جن حقائق کی دعوت دیتا ہے وہ تو قطعی طور پر حق اور سچ ہیں مگر کافر لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لا رہے۔ پس عناد واستکبار اور ضد وہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور خرابی کی جڑ بنیاد ہے۔ بہر کیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ان کی محرومی کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی تذکیر میں کوئی کسر ہے بلکہ ان کی محرومی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ منکر لوگ کبر وغرور گھمنڈ اور عناد میں مبتلا ہیں۔ سو خرابی قرآن میں نہیں بلکہ خود ان ہٹ دھرم لوگوں کے اندر ہے۔ قرآن اور اس کی دعوت تو ہر لحاظ سے صاف وصریح، مدلل ومبرہن اور مؤثر ودل پذیر ہے لیکن انانیت اور ہٹ دھرمی کے ماروں کے فساد باطن کی بنا پر حق وہدایت کی یہ آواز انکے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی اور اس کی تذکیر ان پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ سو بندی کے لائق عبدیت وانابت الی اللہ ہے نہ کہ کبر وغرور۔ عبدیت وانابت کے اندر کمال پیدا کرنے ہی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۞

تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی ہدایت:

اس آیت میں گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے سبق لینے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ دیکھو ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا۔ تو جو کچھ تکذیب وانکارِ حق کے باعث ان لوگوں کے ساتھ ہوا وہ تمہارے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اے دورِ حاضر کے منکرو! کہ اللہ کا قانون عام، بے لاگ، اور سب کے لئے یکساں اور ایک برابر ہے۔ پس تم باز آ جاؤ اپنی روش سے قبل اس سے کہ تم اسی انجام سے دوچار ہو جاؤ جس سے ماضی کی یہ قومیں دوچار ہو چکی ہیں اور قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم لوگ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ کہ پھر اس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔ سو اس میں گزشتہ قوموں کے انجام سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی تعلیم وتلقین ہے جو کہ اس کتاب حکیم کے ذی الذکر ہونے کا ایک اہم پہلو ہے۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر 1 میں گزرا۔ سو ماضی کی ان منکر اور ہٹ دھرم قوموں نے جب ناصح کی نصیحت پر کان نہ دھرا اور حق وہدایت کی دعوت کو مان کر نہ دیا تو آخر کار وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں اور انکار وتکذیبِ حق کے نتیجے میں ان کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا گیا۔ اور اس طور پر کہ یہ قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں۔ {فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ} (سبا:19)۔ سو کفر وانکار اور تکذیبِ حق کا نتیجہ بہرحال ہلاکت وتباہی ہے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

(اور انہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا) اس میں ان کے لیے دو باتیں تعجب کی تھیں ایک تو یہ کہ انسان اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہے دوسرے یہ کہ ہمارے ہی اندر سے نبی بھیجا گیا ہے اگر ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجنا تھا تو کوئی سردار آدمی ہوتا کما فی سورۃ الزخرف (لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ)

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے) رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھ کر انہوں نے یہ بات کہی تھی، کافروں نے یہ بھی کہا (اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا) (کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا) (اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ) (بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے) چونکہ قریش مکہ اپنے باپ دادوں کو دیکھتے آئے تھے جو بہت سے معبود مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اس لیے انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کی جائے اور ایک معبود کے علاوہ سارے معبودوں کو باطل معبود قرار دے دیا جائے خیر کی بات رواج سے اٹھ جاتی ہے اور بری بات عام ہو جاتی ہے رواج میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو اچھی بات سن کر جو خلاف رواج ہو تعجب ہونے لگتا ہے اسی لیے قریش مکہ کو توحید کی بات سن کر تعجب ہوا۔)

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ

یعنی اور لیجئے! اتنے بیشمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں

سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بیوقوف ہی تھے جوات
دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سرداران قریش
نے ابو طالب سے آن کر حضرت ﷺ کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ہمیں طرح طرح سے
احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھایئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے
بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلایئے وہ کلمہ کیا ہے،
آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے لاالہ الا
اللہ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا۔ چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے
کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی
عبادت وحمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب
ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾

یعنی محمد ﷺ جو اس قدر زور وشور اور عزم واستقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہ ہے کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم سب کو اپنا محکوم اور مطیع بنالیں اور دنیا کی حکومت و ریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾ کا مطلب یہ لیا ہے کہ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد ﷺ ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ لہذا جہاں تک ہو سکے صبر وتحمل سے اپنے قدیم دین وآئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا ممکن ہے از راہ تحقیر کہا ہو کہ بیشک محمد ﷺ کے ارادے سب کچھ ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو۔ چاہیے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾

یعنی نبوت ایک امر عظیم ہے، اس کے عطا کے لئے معطی کا مالک الخزائن اور شدید الغلبہ اور کثیر المواہب ہونا لازم ہے۔ اس طرح اگر یہ ان کے اختیار میں ہوتا تو ان کو اس کہنے کی گنجائش تھی کہ ہم نے بشر کو نبوت نہیں دی، پھر وہ نبی کیسے ہو گیا، یا ہم نے فلاں بشر کو دی اور فلاں کو نہیں دی، اس صورت میں یہ کہنا ان کا زیبا تھا۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

(اس مقام پر ان لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست کھائی ہوئی جماعتوں میں سے ہیں) یعنی یہاں مکہ معظمہ میں ایسے لوگوں کی بھیڑ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا لشکر شکست خوردہ جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے، یہ بھی شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلی مخالف جماعتوں نے شکست کھائی، چنانچہ اہل مکہ نے بدر میں شکست کھائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ احزاب سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو غزوۂ خندق کے موقع پر چڑھ کر آ گئی تھیں انہوں نے بھی شکست کھائی

اور بری طرح پسپا ہو کر بھاگے اس مضمون میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ غم نہ کریں فکر مند نہ ہوں دوسری اقوام کی طرح ان کو بھی شکست ہوگی۔ (راجع القرطبی ص ۱۰۳: ج ۱۵)

وَفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ اس کے لفظی معنی ہیں "میخوں والا فرعون" اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے" اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو اس طرح سزا دیا کرتا تھا کہ اسے چت لٹا کر اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتا اور اس پر سانپ، بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض نے کہا کہ وہ رسی اور میخوں سے کوئی خاص کھیل کھیلا کرتا تھا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ "میخوں" سے مراد عمارتیں ہیں اور اس نے بڑی مضبوط عمارتیں بنائی تھیں۔ (تفسیر قرطبی) واللہ سبحانہ، اعلم۔

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝

تاریخ کے اس حوالے سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ تمام قومیں جو تاریخ کی بڑی نامی گرامی اور اپنے دور کی بڑی مشہور و معروف اور ترقی یافتہ قومیں تھیں۔ ان کا کیا حشر ہوا۔ چنانچہ ان کا جرم بھی واضح فرمادیا گیا، اور ان کا انجام بھی۔ سو ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، جسکے نتیجے میں آخر کار ان کو صفحۂ ہستی ہی سے مٹا دیا گیا۔ اور اس طور پر کہ اب یہ قصہ پارینہ اور تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئیں۔ پس اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انکار و تکذیب حق کا جرم اتنا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔ ایسے بدبختوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہر حال ایک ڈھیل ہی ہوتی ہے جس نے آخر کار اپنے وقت پر بہر حال ختم ہو جانا ہوتا ہے، پس اس میں دور حاضر کے منکرین کیلئے بڑا درس عبرت ہے کہ وہ اپنی روش کفر و تکذیب سے باز آ جائیں ورنہ ان کا حشر و انجام بھی وہی ہوگا جو کل کے ان منکروں کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝

اہل مکہ کو جب یہ بات بتائی جاتی تھی کہ انکار اور تکذیب پر عذاب آ جایا کرتا ہے اور پہلی قومیں کفر پر جمے رہنے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں تو اس کا مذاق بناتے تھے اور اطمینان کے ساتھ دنیاوی اعمال میں مشغول رہتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ، نے فرمایا کہ یہ لوگ بس اسی انتظار میں ہیں کہ ایک چیخ آ جائے یعنی صور پھونک دیا جائے گا اس وقت جو چیخ ہوگی وہ رکنے والی نہ ہوگی سمجھداری اسی میں ہے کہ قیامت آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کرلیں اور اپنا حال درست کرلیں۔ اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ یٰسین میں فرمایا ہے: (مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ) (یہ لوگ ایک ایسی سخت آواز کے منتظر ہیں جو انہیں آ کر پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے) (فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ) (سو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جا سکیں گے) علامہ قرطبی سورۃ ص کی آیت کا مطلب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد انہیں یہی انتظار ہے کہ قیامت قائم ہو جائے ان کو چاہیے تھا کہ بدر کے واقعہ سے عبرت حاصل کر لیتے اور اہل ایمان کے غلبہ سے سبق

لے کر خود بھی مؤمن ہو جاتے قیامت قائم ہوگی تو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوگی اور ذرا سی بھی مہلت نہ دی جائے گی، قیامت کو مانتے بھی نہیں اور ڈھنگ ایسا ہے جیسے وہاں کے لیے بہت کچھ کیا ہو اور عذاب کی بھی بد دعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں دیدے۔ یعنی قیامت کے دن کا انتظار کیوں ہے ہمیں جو عذاب دینا ہے ابھی آ جائے، بات یہ ہے کہ انہیں قیامت آنے کا یقین نہیں تھا ورنہ اپنے منہ سے کون عذاب مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ فا کے فتحہ کے ساتھ اس وقفہ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے کہ پہلے دودھ دوہ کر تھوڑا سا چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ بچہ تھنوں کو چوسے تو دوبارہ دودھ اتر آئے اور پھر دوسری دفعہ دودھ لیں فراء اور ابو عبیدہ وغیرہ کہتے ہیں فَوَاقٍ ۝ فاء کے فتحہ کے ساتھ یعنی ایسی راحت وسکون جس میں افاقہ نہ ہوگا جیسے مریض کو افاقہ ہوتا ہے یا بے ہوش کو، اور فُوَاق فاء کے ضمہ کے ساتھ انتظار کے معنی میں ہے۔ اور "قط" کلام عرب میں حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں یا "القط" کسی شی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں: پھر اس کا اطلاق حصہ پر کیا گیا وہ کتاب اور رزق جو الگ کر لیا گیا ہو ان پر بھی بولا جاتا ہے مگر کتاب کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ہے اور حقیقت کے لحاظ سے قط بمعنی کتاب زیادہ قوی ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝

حضرت رسول اکرم ﷺ کو تسلی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ:

رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی باتوں سے رنج ہوتا تھا، آیت بالا میں آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجیے جو قوت والے تھے اور فرمایا کہ وہ اَوَّابٌ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، پھر ان کی تسبیح کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی اس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اس کی مراجعت کر لی جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کر دیا تھا اور انہیں حکمت یعنی نبوت دی تھی اور فَصْلَ الْخِطَابِ ۝ سے نوازا تھا یعنی وہ ایسی تقریر کرتے تھے جو خوب واضح ہوتی تھی، سننے والے اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اس کے بعد آئندہ آیات میں ان کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں ان کے صبر کا تذکرہ ہے اور اسی نسبت سے اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے، یعنی ہم نے انہیں عقل وفہم کی دولت بخشی تھی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور "فَصْلَ الْخِطَابِ ۝" کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے، اور خطبوں میں حمد وصلوٰۃ کے بعد لفظ "اما بعد" سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جھگڑے چکانے اور تنازعات کا فیصلہ کرنے

کی قوت عطا فرمائی تھی۔ درحقیقت ان الفاظ میں بیک وقت دونوں معنیٰ کی پوری گنجائش ہے اور یہ دونوں باتیں ہی مراد ہیں۔
حضرت تھانوی نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں بھی دونوں معنے سما سکتے ہیں۔
وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ۝

حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخصوں کا حاضر ہو کر فیصلہ چاہنا اور آپ کا فیصلہ دینا:

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اس کے بعد والی آیات میں یہ بتایا کہ ہم نے داؤد کو زمین کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ آپ انصاف کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں، یہاں جو قصہ ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ دو شخص اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئے بھی کس طرح؟ دروازے سے آنے کی بجائے دیوار پھاند کر آئے اور تنہائی میں ان کے پاس پہنچ گئے انہوں نے عبادت کے لیے ایک جگہ بنا رکھی تھی جسے محراب سے تعبیر فرمایا وہ مشغول عبادت بھی تھے جب ان دونوں پر نظر پڑی تو بتقاضائے بشریت گھبرا گئے ان دو شخصوں نے ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا اور کہنے لگے کہ آپ ہماری وجہ سے خوف زدہ نہ ہوں ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں ہم اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں ہم میں ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ ہے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارا مقدمہ سن لیجیے اور انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجیے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجیے۔

پھر ان میں سے ایک بولا کہ یہ میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ننانوے یعنی ایک کم سو دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دیدے، اور کہنے میں بھی وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو سوال کرنے والوں کا ہوتا ہے بلکہ مجھے اس سختی کے ساتھ خطاب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے جو یہ بات اٹھائی کہ تیری جو ایک دنبی ہے وہ تو اسے دیدے اور یہ اسے اپنی دنبیوں میں ملا لے اس کا یہ سوال کرنا ظلم ہے، یہ تو ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی عام لوگوں کا مزاج اور رواج اور طریقہ کار بھی بیان فرما دیا اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ جو شریک ہوتے ہیں، یا مل جل کر رہتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار رہتا ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں ہاں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ایسے لوگ ہیں تو سہی مگر کم ہیں۔

اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ شروع فرمایا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کسی ایسی بات میں مبتلا فرمایا تھا جس میں صبر کی ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے مخاطبین کی باتوں پر صبر کریں اور داؤد کے قصے کو یاد کریں اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو شخص ان کے پاس دیوار پھلانگ کر آ گئے اور دونوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، انہوں نے ان کا فیصلہ سنا دیا، اس میں یہ بات تلاش کرنے کی ہے کہ اس میں صبر کرنے کی کون سی بات تھی، اس بارے میں روایات حدیث سے کوئی بات واضح نہیں ہوتی، البتہ اتنی بات قرآن مجید کے سیاق اور بیان سے معلوم ہو رہی ہے کہ جو دو شخص ان کے پاس تنہائی میں پہنچ گئے تھے وہ وقت ان کی عبادت کرنے کا تھا فیصلہ خصومات کا وقت نہ تھا پھر وہ دونوں دیواریں کود کر

آئے جب داؤد علیہ السلام کو ان سے گھبراہٹ ہوئی تو انہوں نے تسلی تو دیدی کہ آپ گھبرائیے نہیں لیکن بے وقت پہنچ پھر دیوار کود کر آئے اور ساتھ ہی یوں کہہ دیا کہ: (فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ) کہ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور مزید یوں کہا کہ بے انصافی نہ کیجیے اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ سیدھی راہ بتا دیجیے ان باتوں سے ایک طرح کی بے ادبی ظاہر ہوتی تھی جس سے ابہام ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام ناحق فیصلہ بھی کر سکتے ہیں اور زیادتی بھی کر سکتے ہیں، داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر بادشاہ بھی تھے مدعی اور مدعی علیہ کی باتیں سن کر صبر کیا اور تحمل سے کام لیا ان متواتر گستاخیوں پر کوئی دار و گیر نہیں فرمائی بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ ان کا مقدمہ سنا اور فیصلہ فرما دیا۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ .....

حضرت داؤد علیہ السلام کا ابتلائے امتحان ہونا پھر استغفار کرنا:

اب رہی یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب صبر کے ساتھ مدعی اور مدعی علیہ کی بات سنی اور فیصلہ فرما دیا جو صحیح فیصلہ تھا تو اس میں وہ کون سی بات تھی جو ان کے امتحان کا سبب بن گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے دریافت کیے بغیر جو یہ فرما دیا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا کہ اپنی دنبیوں میں ملانے کے لیے تیری دنبی ملانے کا سوال کیا اس میں فریقین میں سے ایک کی جانب جھکاؤ معلوم ہوتا ہے جو آداب قضاء کے خلاف ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مدعی علیہ نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ واقعی میں نے اس شخص سے یہ سوال کیا ہے کہ اپنی دنبی مجھے دیدے اگر یہ صورت ہو تو پھر بھی یہ بات رہ جاتی ہے کہ قاعدہ کے مطابق مدعی علیہ سے فرمانا چاہیے تھا کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے بجائے اس سے خطاب کرنے کے مدعی سے فرمایا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا یہ بھی ایک قسم کی مدعی کی تھوڑی سی طرف داری ہوئی جب یہ خیال آیا تو انہوں نے اسے امتحان کی بات سمجھا، بڑوں کی بڑی باتیں ہیں معمولی بات میں بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے اس لیے وہ استغفار کی طرف متوجہ ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

یہ دونوں شخص جو مقدمہ لے کر آئے تھے اس کی واضح تصریح نہیں ملتی کہ یہ کون تھے؟ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے (جو بے سند ہے) کہ یہ دونوں حضرت جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) تھے، اندر جانا چاہا تو چوکیداروں نے روکا، لہٰذا دیوار کود کر ان کے پاس محراب میں تشریف لے گئے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہوں کیونکہ اونچی دیوار تھی، پھلانگ کر تنہائی میں پہنچ جانا انسان کا کام نہیں ہے لیکن اگر یہ حضرات فرشتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کا دنبیوں سے کیا واسطہ اور جھگڑے سے کیا تعلق! ملاء اعلیٰ والے دنبیوں کے بارے میں کیوں جھگڑا کرنے لگے اور ننانوے دنبی والے نے ایک دنبی والے سے مطالبہ کیوں کیا کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دیدے اور نہ صرف یہ کہ سادگی کے ساتھ مطالبہ کیا بلکہ سختی کو استعمال کیا اگر یہ دونوں فرشتے تھے تو انہوں نے جھگڑا کیا تو وہ بھی حقیر دنیا کے لیے اور اگر جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات کیوں کہی کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہوا ہے یہ تو کذب بیانی ہوئی اور جھوٹا بیان ہوا جو گناہ کبیرہ ہے اور فرشتے تو ہر گناہ

سے پاک ہیں۔

مفسرین نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ یہ جھگڑا اور دعویٰ کسی حقیقت واقعیہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ بطور فرض انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنا مقصود تھا اس کے ذریعہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو امتحان میں ڈالنے کا ایک راستہ تھا۔

حضرتِ داؤد علیہ السلام جس فتنہ میں مبتلا کیے گئے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا گیا ہے جسے محدث حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی خود پسندی نے امتحان میں مبتلا کیا جس کی صورت حال یوں بن گئی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ رات اور دن میں کوئی بھی ایسی خالی گھڑی نہیں گزرتی جس میں آل داؤد میں سے کوئی شخص نماز یا تسبیح یا تکبیر اور دیگر عبادات میں مشغول نہ ہوتا ہو، اللہ جل شانہٗ کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤد یہ سب کچھ میری ہی مدد سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو تمہیں مذکورہ عبادات پر قدرت نہ ہو قسم ہے میرے جلال کی میں ایک دن تجھے تیرے ہی سپرد کرتا ہوں داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھے وہ دن بتا دیجیے گا اس کے بعد اس خاص دن میں وہ فتنہ میں مبتلا کر دیے گئے۔ (مستدرک حاکم ص ۴۳۳: ج ۲ وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی) اس میں سبب فتنہ کا تو ذکر ہے لیکن فتنہ کا ذکر نہیں بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جتنی دیر فرشتوں سے بات چیت ہوئی اتنی دیر میں چونکہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے اس لیے انہوں نے اسے فتنہ سمجھ لیا گو قضاء کا کام اور فیصلے دینا بھی عبادت ہے لیکن چونکہ عبادت بلاواسطہ یعنی تسبیح وتہلیل سے غفلت ہوئی اس لیے انہوں نے اسے اپنے حق میں فتنہ سمجھ لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ ....

شرکاء مالیات کا عام طریقہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے دو شخصوں کے درمیان جو فیصلہ فرمایا صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی عام شرکاء کی ایک حالت بھی بتا دی جنہیں خلطاء سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں بسنے والے لوگ جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تجارت میں یا کسب اموال کے دوسرے طریقوں میں ساجھا رہتا ہے عام طور سے یہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں جو خیانت وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے عام طور سے لوگوں کا یہی حال ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے ہیں یہ لوگ اپنے شرکاء پر زیادتی نہیں کرتے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، یہ لوگ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت کام کی بات بتائی اور شرکاء کا ایک مزاج بتا دیا اور در حقیقت شرکت میں کوئی دھندا کرنا بہت بڑے امتحان میں پڑنے کا ذریعہ ہے بات بات میں جھگڑے بھی اٹھتے رہتے ہیں اور خیانت کے مواقع بھی سامنے آتے رہتے ہیں، جو شخص خیانت سے بچ گیا بہت ہی مبارک ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں دو شریکوں میں تیسرا ہوں (یعنی میری طرف سے ان کی مدد ہوتی رہتی ہے) جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے پھر جب دونوں میں سے کوئی شریک خیانت کر لیتا

ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعاء:

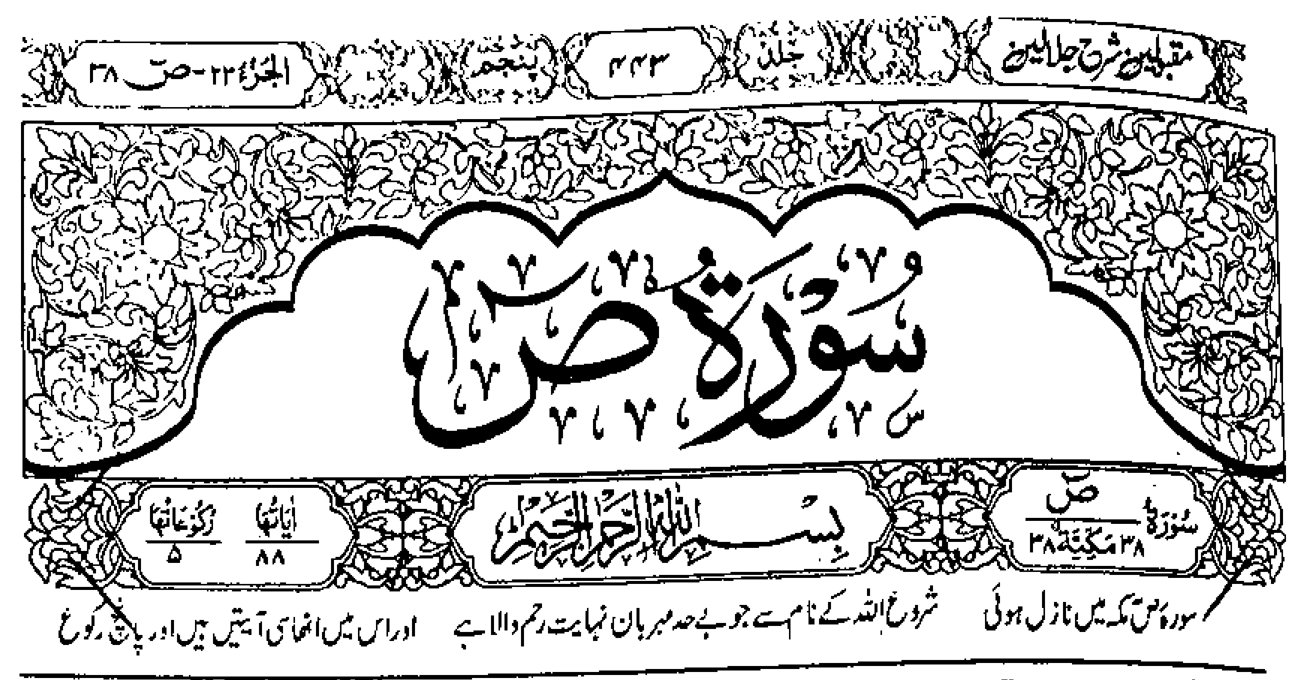
حضرت داؤد علیہ السلام بہت بڑے ذاکر و عابد تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کے روزے تھے وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور آخری چھٹے حصہ میں سوجاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بغیر روزہ کے رہتے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۶: ج ۱) اور ایک روایت میں ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے اور جب دشمن سے بھڑ جاتے تھے تو پشت نہیں پھیرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت ابودرداءؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک یہ دعا بھی تھی:
اللھم انی اسألک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یبلغنی حبک اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی ومالی واھلی ومن المآء البادر (اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا اور ان لوگوں کی محبت کا جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچادے اے اللہ آپ اپنی محبت کو مجھے اتنی زیادہ محبوب بنادیجیے جو میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔

(رواہ الترمذی وحسنہ کمافی المشکوۃ ص ۲۲۰)

رسول اللہ ﷺ جب داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے تھے تو یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ (ایضاً)

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کسب کرتے تھے، اسی میں سے کھاتے تھے (رواہ البخاری مرفوعاً) اور ان کا ذریعہ کسب یہ تھا کہ لوہے کی زرہیں بناتے تھے انہیں فروخت کر کے اپنا خرچہ بھی چلاتے تھے اور فقراء مساکین پر بھی خرچ کرتے تھے۔



سورۂ ص مکہ میں نازل ہوئی — شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے — اور اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

صٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿١﴾ اَيِ الْبَيَانِ اَوِ الشَّرَفِ وَجَوَابُ هٰذَا الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَیْ مَا الْاَمْرُ كَمَا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ تَعَدُّدِ الْاٰلِهَةِ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فِیْ عِزَّةٍ حَمِيَّةٍ وَتَكَبُّرٍ عَنِ الْاِيْمَانِ وَّشِقَاقٍ ﴿٢﴾ خِلَافٍ وَعَدَاوَةٍ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ اَیْ كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ اَیْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ فَنَادَوْا حِيْنَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهِمْ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾ اَیْ لَيْسَ الْحِيْنُ حِيْنَ فِرَارٍ وَالتَّاءُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ نَادَوْا اَیِ اسْتَغَاثُوْا وَالْحَالُ اَنْ لَا مَهْرَبَ وَلَا مَنْجَأَ وَمَا اعْتَبَرَ بِهِمْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ وَهُوَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٤﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا حَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَیْ كَيْفَ يَسَعُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ عَجِيْبٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ مِنْ مَجْلِسِ اجْتِمَاعِهِمْ عِنْدَ اَبِیْ طَالِبٍ وَسِمَاعِهِمْ فِيْهِ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنِ امْشُوْا اَیْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اُثْبُتُوْا عَلٰى عِبَادَتِهَا اِنَّ هٰذَا الْمَذْكُوْرَ مِنَ التَّوْحِيْدِ لَشَیْءٌ يُّرَادُ ﴿٦﴾ مِنَّا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اَیْ مِلَّةِ عِيْسٰى اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ كَذِبٌ ءَاُنْزِلَ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهٖ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ الذِّكْرُ الْقُرْاٰنُ مِنْۢ بَيْنِنَا وَلَيْسَ بِاَكْبَرِنَا وَلَا اَشْرَفِنَا اَیْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ قَالَ

تَعَالٰی بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ وَحْیِیْ اَیِ الْقُرْاٰنُ حَیْثُ كَذَّبُوا الْجَائِیَ بِهٖ بَلْ لَّمَّا لَمْ یَذُوْقُوْا
عَذَابِ ۝ وَلَوْ ذَاقُوْهُ لَصَدَّقُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَاءَ بِهٖ وَلَا یَنْفَعُهُمُ التَّصْدِیْقُ حِیْنَئِذٍ اَمْ
عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْغَالِبِ الْوَهَّابِ ۝ مِنَ النُّبُوَّةِ وَغَیْرِهَا فَیُعْطُوْنَهَا مَنْ شَائُوْا اَمْ
لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ زَعَمُوْا ذٰلِكَ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝ اَلْمُوْصِلَةِ اِلَی
السَّمَاءِ فَیَاْتُوْا بِالْوَحْیِ فَیَخُصُّوْا بِهٖ مَنْ شَائُوْا وَاَمْ فِی الْمَوْضِعَیْنِ بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ جُنْدٌ مَّا اَیْ هُمْ
جُنْدٌ حَقِیْرٌ هُنَالِكَ اَیْ فِیْ تَكْذِیْبِهِمْ لَكَ مَهْزُوْمٌ صِفَةُ جُنْدٍ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ صِفَةُ جُنْدٍ اَیْضًا اَیْ مِنْ
جِنْسِ الْاَحْزَابِ الْمُتَحَزِّبِیْنَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ قَبْلَكَ وَاُولٰئِكَ قَدْ قُهِرُوْا وَاُهْلِكُوْا فَكَذٰلِكَ یُهْلَكُ هٰؤُلَاءِ
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تَانِیْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنٰی وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ كَانَ یَتِدُ لِكُلِّ مَنْ
یَغْضَبُ عَلَیْهِ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ وَیَشُدُّ اِلَیْهَا یَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ وَیُعَذِّبُهٗ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ اَیِ
الْغَیْضَةِ وَهُمْ قَوْمُ شُعَیْبٍ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ مَا كُلٌّ مِّنَ الْاَحْزَابِ اِلَّا كَذَّبَ
الرُّسُلَ لِاَنَّهُمْ اِذَا كَذَّبُوْا وَاحِدًا مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْا جَمِیْعَهُمْ لِاَنَّ دَعْوَتَهُمْ وَاحِدَةٌ وَهِیَ دَعْوَةُ التَّوْحِیْدِ فَحَقَّ
ع ۱۲ وَجَبَ عِقَابِ ۝

ترجمہ: صٓ اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے قسم قرآن کی جو سراپا نصیحت ہے یعنی بیان وشرف والا ہے اس قسم کا جواب محذوف ہے یعنی بہت سے خداؤں کو جو یہ کفار مانتے ہیں وہ غلط ہے بلکہ یہ کافر مکہ کے تعصب کبر ونخوت قبول ایمان میں اور مخالفت کا شکار ہیں پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں کتنے ہی بہت لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں پچھلی امتوں میں سو انہوں نے عذاب آنے پر بڑی جائے پکار مچائی اور وہ وقت چھٹکارے کا نہیں تھا یعنی بھاگنے کا وقت نہیں رہا تھا وَ لَاتَ میں تاء زائد ہے اور جملہ نَادَوْا کے فاعل سے حال واقع ہے یعنی فریادوزاری کی جب کہ موقعہ نکل چکا تھا البتہ کفار مکہ اس سے عبرت نہیں پکڑتے اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا ہے انہیں میں سے پیغمبر جو انہیں ڈراتا ہے اور قیامت میں دوزخ میں جانے سے ڈراتا ہے اس سے مراد آنحضور ﷺ ہیں اور کافر کہنے لگے کہ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے کہ یہ شخص جادوگر جھوٹا ہے کیا اس نے اتنے معبود کی جگہ ایک معبود مان لیا ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہتا ہے یعنی ساری مخلوق کا صرف ایک خدا کیسے ہوسکتا ہے واقعی یہ تو بڑی عجیب تعجب خیز بات ہے اور کفار قریش یہ کہتے ہوئے چلے۔ ابوطالب کی مجلس سے جب آپ آنحضرت سے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو سنا کہ چلو یعنی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اٹھو اور

اپنے معبودوں پر جم جاؤ انہیں کی پوجا پاٹ میں لگے رہو یہ توحید کی دعوت بھی کوئی مطلب کی بات ہے جو ہم سے چاہی جا رہی ہے ہم نے تو یہ بات پچھلی ملت عیسیٰ کی ملت میں سنی ہی نہیں ہو نہ ہو یہ من گھڑت جھوٹ ہے کیا نازل کیا گیا ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورت میں الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے صرف اسی ایک شخص محمد ﷺ پر کلام الٰہی قرآن ہم سب میں بھی حالانکہ وہ ہم سب میں نہ تو بڑا ہے اور نہ سب سے برتر پھر کیوں اسی پر نازل ہوا جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں میری وحی کے متعلق یعنی قرآن کے بارے میں اسی لیے اسکے لانے والے کو جھٹلا رہے ہیں جب کہ انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ چکھا ہی نہیں اگر اس کا مزہ چکھ لیتے تو ضرور آپ کے پیغام کی تصدیق کرتے حالانکہ اس وقت انہیں تصدیق کا فائدہ نہ ہوتا کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں یعنی نبوت وغیرہ کے کہ جسے یہ چاہیں بخش دیں یا ان کو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے اگر انکا خیال ایسا ہی ہے تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں جو آسمان تک انہیں پہونچا دیں پھر یہ وحی لا کر جسے چاہیں اسی وحی کے ساتھ مخصوص کر دیں ام دونوں جگہ ہمزہ انکار کے معنی میں ہے یوں ہی ایک بھیڑ ہے یعنی ایک معمولی ہجوم ہے اس مقام پر آپ کے جھٹلانے کے سلسلہ میں جو شکست دی جائے گی یہ جند کی صفت ہے مجملہ اور گروہوں کے یہ بھی جند کی صفت ہے یعنی یہ لوگ مجملہ ان پارٹیوں کے ہیں جنہوں نے آپ سے پہلے انبیاء کے مقابلہ میں پارٹی بندی کی تھی پس اُن لوگوں پر قہر نازل ہوا اور ہلاک ہوئے ایسے ہی ان پر بھی ہلاکت آئے گی جھٹلایا تھا ان سے پہلے بھی قوم نوح لفظ قوم کی تانیث معنی کے اعتبار سے ہے اور عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے جسے سزا دینی ہوتی ہے اسے فرعون چومیخا کر دیتا اور دونوں ہاتھ پاؤں باندھ کر عذاب دیا کرتا تھا اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے یعنی جھاڑی والے یہ حضرت شعیبؑ کی قوم والے تھے وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان سب گروہوں نے صرف پیغمبروں کو جھٹلایا تھا کیوں کہ ایک پیغمبر کو جھٹلایا تو گویا سارے پیغمبروں کو جھٹلا دیا اس لیے کہ سب کا ایک ہی دعویٰ۔ دعویٰ توحید تھا سو وہ واقع لازم ہوگا میرا عذاب۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بَلِ الَّذِيْنَ: یعنی کفار نے دین میں کسی خرابی کو پا کر کفر نہیں کیا بلکہ وہ غیرت جاہلیت اور تکبر میں ہیں۔

قوله: وَالتَّاءُ زَائِدَةٌ: حرف کی تانیث کی تاکید کے لیے یا نفی کے معنی کو مؤکد کرنے کے لیے۔

قوله: وَضْعُ الظَّاهِرِ: اس میں ان کی مذمت کی گئی اور ناراضگی کا اس پر اظہار کیا گیا۔

قوله: لَشَيْءٌ عُجَابٌ: یعنی ہمارے آباء جس بات پر متفق ہیں، یہ اس کے مخالف ہے۔ ایک کا علم بہت سی چیزوں پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

قوله: سِمَاعِهِمْ فِيْهِ: قریش کے وفد کا مطالبہ کہ ہمارے معبودوں کو چھوڑ دے۔ تو آپ ﷺ نے ان کو ایک بات لَا اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دی جس پر وہ چمک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

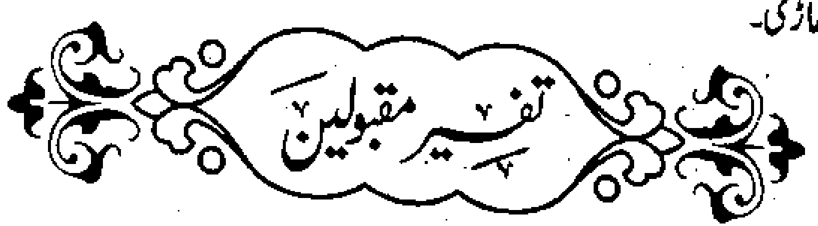
قوله :زَعَمُوْا: فَلْيَرْتَقُوْا شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قوله :وَصِلَةِ: کی جمع اوصلہ۔ کسی چیز پر پہنچانے والے ذرائع۔

قوله :جُنْدٌ هُمْ :یعنی وہ کافروں کا ایک ٹولہ ہیں۔

قوله :قَوْمُ :اس کی تانیث کا اعتبار قبیلہ کے معنٰی میں ہے۔

قوله :الْغَيْضَةِ: جھاڑی۔



سورۂ ص کا سجدہ

سورہ ص میں شوافع کے نزدیک سجدہ تلاوت نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہاں سجدہ تلاوت ہے، حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت ادا کیا اور فرمایا کہ داؤد نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا، اور ہم اس سجدہ کو بطور شکر ادا کرتے ہیں۔ (رواہ النسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۴۹)

ایک مشہور قصہ کی تردید:

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جو دو شخص فیصلہ لے کر آئے تھے جن کا یہ فیصلہ ان کے امتحان کا سبب بنا اس کے بارے میں بعض کتابوں میں ایک ایسا قصہ لکھ دیا گیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت پر ان کی نظر پڑ گئی تھی جس سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور اس خیال کے پیچھے ایسے پڑے کہ اس کے شوہر کو جہاد میں بھیج کر شہید کروانے کا راستہ نکالا اور جب وہ شہید ہو گیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح کر لیا، یہ قصہ جھوٹا ہے جسے اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حد یہ ہے کہ محدث حاکم نے بھی مستدرک (مستدرک ص ۵۸۶، ص ۵۸۷: ج ۲) میں لکھ دیا اور تعجب ہے کہ حافظ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے ذکر کر کے سکوت اختیار کیا حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے گا اور اس کا عقیدہ رکھے گا تو میں اس پر حد قذف کی دوہری سزا جاری کروں گا یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے لگاؤں گا۔ (روح المعانی ص ۱۵۸: ج ۲۳)

اور صاحب جلالین نے یوں لکھ دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور اس شخص کی ایک بیوی تھی جس نے شکایت کی تھی۔

یہ قصہ بھی اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف بھی ہے اور کسی صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ يَنْتَظِرُ هٰؤُلَآءِ اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً هِیَ نَفْخَةُ الْقِيَامَةِ تَحُلُّ بِهِمُ الْعَذَابُ مَّا لَهَا
مِنْ فَوَاقٍ ۞ بِفَتْحِ الْفَاءِ وَضَمِّهَا رُجُوْعٌ وَقَالُوْا لَمَّا نَزَلَ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ الخ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا
قِطَّنَا اَیْ كِتَابَ اَعْمَالِنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۞ قَالُوْا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً قَالَ تَعَالٰی اِصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَ
اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اَیِ الْقُوَّةِ فِی الْعِبَادَةِ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَيَقُوْمُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَنَامُ
ثُلُثَهٗ وَيَقُوْمُ سُدُسَهٗ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۞ رَجَّاعٌ اِلٰی مَرْضَاتِ اللّٰهِ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِتَسْبِيْحِهٖ
بِالْعَشِیِّ وَقْتَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْاِشْرَاقِ ۙ۞ وَقْتَ صَلٰوةِ الضُّحٰی وَهُوَ اَنْ تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَيَتَنَاهٰی ضَوْءُ
هَا وَسَخَّرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ مَجْمُوْعَةً اِلَيْهِ تُسَبِّحُ مَعَهٗ كُلٌّ مِّنَ الْجِبَالِ وَالطَّيْرِ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۞ رَجَّاعٌ
اِلٰی طَاعَتِهٖ بِالتَّسْبِيْحِ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ قَوَّيْنَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُنُوْدِ كَانَ يَحْرُسُ مِحْرَابَهٗ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثُوْنَ
اَلْفَ رَجُلٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ النُّبُوَّةَ وَالْاِصَابَةَ فِی الْاُمُوْرِ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۞ اَلْبَيَانَ الشَّافِیَ فِیْ كُلِّ
قَصْدٍ وَهَلْ مَعْنَی الْاِسْتِفْهَامِ هُنَا التَّعْجِيْبُ وَالتَّشْوِيْقُ اِلَی اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهٗ اَتٰكَ يَا مُحَمَّدُ نَبَؤُا
الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ۞ مِحْرَابَ دَاوٗدَ اَیْ مَسْجِدَهٗ حَيْثُ مُنِعُوا الدُّخُوْلَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ
لِشُغْلِهٖ بِالْعِبَادَةِ اَیْ خَبَرُ هُمْ وَقِصَّتُهُمْ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ نَحْنُ خَصْمٰنِ
قِيْلَ فَرِيْقَانِ لِيُطَابِقَ مَا قَبْلَهٗ مِنْ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ وَقِيْلَ اِثْنَانِ وَالضَّمِيْرُ بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْمُ يُطْلَقُ عَلَی
الْوَاحِدِ وَاَكْثَرَ وَهُمَا مَلَكَانِ جَاءَا فِیْ صُوْرَةِ خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ عَلٰی سَبِيْلِ الْفَرْضِ لِتَنْبِيْهِ دَاوٗدَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰی مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ امْرَأَةً وَطَلَبَ امْرَأَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا
وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ تَجُرْ وَاهْدِنَاۤ اَرْشِدْنَا اِلٰی
سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۞ وَسْطِ الطَّرِيْقِ الصَّوَابِ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۟ اَیْ عَلٰی دِيْنِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً
يُعَبَّرُ بِهَا عَنِ الْمَرْأَةِ وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا اِجْعَلْنِیْ كَافِلَهَا وَعَزَّنِیْ غَلَبَنِیْ فِی الْخِطَابِ ۞
اَیِ الْجِدَالِ وَاَقَرَّهُ الْاٰخَرُ عَلٰی ذٰلِكَ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ لِيَضُمَّهَا اِلٰی نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا

مِّنَ الْخُلَطَآءِ الشُّرَكَاءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ
مَا لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِيْ صُوْرَتَيْهِمَا اِلَى السَّمَاءِ قَضَى الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ فَتَنَبَّهَ دَاوٗدُ
قَالَ تَعَالٰى وَ ظَنَّ اَيْ اَيْقَنَ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اَوْقَعْنَاهُ فِيْ فِتْنَةٍ اَيْ بَلِيَّةٍ بِمُحَبَّةِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ
خَرَّ رَاكِعًا اَيْ سَاجِدًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى اَيْ زِيَادَةُ خَيْرٍ فِي الدُّنْيَا وَ
حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ مَرْجِعٍ فِي الْاٰخِرَةِ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ تُدَبِّرُ اَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اَيْ هَوَى النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اَيْ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلٰى
تَوْحِيْدِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا
ع ۱۲ بِنِسْيَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ اَلْمُتَرَتَّبِ عَلَيْهِ تَرْكُهُمُ الْاِيْمَانَ وَلَوْ اَيْقَنُوْا بِيَوْمِ الْحِسَابِ لَاٰمَنُوْا فِي الدُّنْيَا

السجدة

ترجمہ: اور یہ لوگ کفار مکہ بس ایک چیخ کے منتظر ہیں قیامت کا بگل بجے گا تو ان پر عذاب آئے گا جس میں دم لینے کی مہلت نہ ہوگی فَوَاقٍ فا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی اس سے نکلنے کا موقع نہ ملے گا اور یہ لوگ کہنے لگے جب آیت: فاما من اوتی کتابہ بیمینہ الخ نازل ہوئی اے ہمارے پروردگار ہمارا حصہ نامہ اعمال ہمیں روز حساب سے پہلے دیدے یہ بات دل لگی طور پر کہی تھی آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجیے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو بڑی طاقت والے تھے یعنی عبادت کی بڑی ہمت رکھتے تھے چنانچہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک نماز پڑھتے اور تہائی رات سو کر پھر چھٹے حصے میں کھڑے رہتے وہ بہت جھکنے والے تھے اللہ کی مرضیات کی طرف ہم نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ تسبیح کیا کریں ان کی تسبیح کے ساتھ شام عشاء کی نماز میں اور صبح کے وقت چاشت کی نماز کے وقت جس وقت سورج نکل کر خوب روشن ہو جائے اور پرندوں کو ہم نے مسخر کر دیا جو اکٹھے ہو جاتے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے تھے سب چیزیں پہاڑ پرندے، اسی کی طرف مشغول ذکر رہتے تسبیح کرتے ہوئے وقف طاعت رہتے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا، چوکیداروں اور پہرے داروں کی وجہ سے محفوظ کر دیا تھا ہر رات تیس ہزار فوج پہرہ دیا کرتی تھی اور ہم نے ان کو حکمت عطا کی تھی نبوت اور ہر کام میں صحیح فیصلہ کی قوت اور خوش بیانی ہر بات کو عمدہ طریقے سے بیان کر دینا اور بھلا یہاں استفہام تعجب کے لیے ہے اور بعد والی بات کو شوق سے سننے کے لیے آپ کو اے محمد ﷺ پہونچی ہے ان مقدمہ والوں کی خبر جب کہ وہ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس گھس آئے حضرت داؤد علیہ السلام کے مصلائے خاص میں جہاں دروازہ سے کسی کو داخلہ کی اجازت نہیں تھی حضرت داؤد کے مشغول عبادت ہونے کی وجہ سے یعنی آپ کو ان کے واقعہ اور قصے کی خبر پہونچی ہے؟ جب داؤد کے سامنے آئے تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم اہل معاملہ ہیں بعض نے کہا کہ دونوں فریق مراد ہیں

تاکہ پہلی ضمیر جمع کے مطابق ہوجائے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف دو آدمی مراد ہیں اور ضمیر جمع معنی کے اعتبار سے راجع ہوگی اور خصم ایک پر اور ایک سے زائد پر بھی بولا جاتا ہے یہ دو فرشتے دو جھگڑا کرنے والوں کی صورت میں پیش ہوئے تھے۔ وہ واقعہ فرضی صورت میں بیان کیا حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملہ پر تنبیہ کرنے کے لیے معاملہ یہ ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں موجود تھیں مگر پھر انہوں نے دوسری عورت سے جو کسی شخص کی تنہا بیوی تھی شادی کر لی اور اس سے بیوی جیسا معاملہ کر لیا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اس لیے آپ انصاف سے فیصلہ کیجئے اور بے انصافی وظلم نہ کیجئے اور ہم کو صحیح راہ اور درمیانی راستہ جو درست ہے بتلا دیجئے یہ شخص میرا دینی بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اشارہ ان کی بیویوں کی طرف تھا اور میرے پاس ایک دنبی ہے مگر یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال میری تحویل میں دیدو اور مجھ کو دباتا ہے زور دکھاتا ہے بات چیت میں موجود تنازع میں دوسرے فریق نے اسکا اقرار بھی کر لیا فرمایا داؤد نے اس نے تجھ پر زیادتی کی ہے تیری دنبی کو اپنی دنبی میں ملانے کا سوال کر کے اور اکثر شرکاء ساتھی ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں ہاں مگر جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں ما قلت کی تاکید کے لیے دونوں فرشتے اپنی صورت میں تبدیل ہو کر یہ کہتے ہوئے آسمان پر اڑ گئے کہ اس شخص نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ صادر کر دیا ہے فوراً حضرت داؤد علیہ السلام چونک پڑے ارشاد باری ہے کہ داؤد کو خیال یقین ہو گیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے ایک فتنہ میں ڈالا ہے یعنی عورت کی بلائے محبت میں مبتلا کیا ہے سو انہوں نے اپنے پروردگار کے آگے توبہ کی اور رکوع سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کا ایک مرتبہ ہے دنیا میں بھلائی کی زیادتی اور نیک انجامی آخرت میں ہے اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے لوگوں کے انتظامات کیلئے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کے راستے دلائل و توحید سے تمہیں بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے راستے ایمان سے بھٹک گئے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا ان کے حساب کے دن کو فراموش کر دینے کی وجہ سے جس سے ایمان کی محرومی ہوئی اور اگر بروز حساب کا یقین ہوتا تو دنیا میں ہی رہ کر ایمان لے آتے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

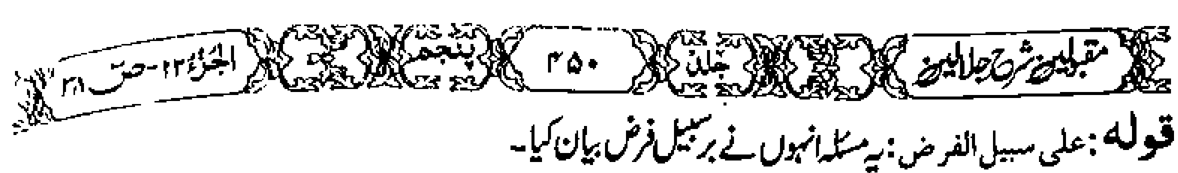
قوله: قِطَّنَا: انعامی چیک۔

قوله: اَلْبَیَانَ الشَّافِیَ: یہ فصل خطاب کی تفسیر ہے اور فصل کی اضافت صفت کی موصوف کی طرف اضافت کی قسم سے ہے۔

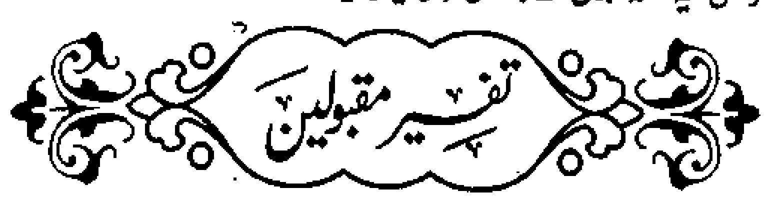
قوله: اِذْ تَسَوَّرُوْا: وہ بالاخانے کی دیوار پر چڑھے۔

قوله: خَبَرُ هُمْ: اَتٰی کی بناء کی طرف نسبت حذف مضاعف کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ نفس قصہ کا لانا تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قوله: علی تسمية: یعنی خصم کے مصاحب کو خصم کہہ دیا ورنہ تو وہ دو ہی شخص تھے۔



قوله: علی سبیل الفرض: یہ مسئلہ انہوں نے بر سبیل فرض بیان کیا۔



يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔۔۔۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا اعلان:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خطاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفس کا اتباع نہ کیجیے ورنہ یہ خواہش آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی یوں تو ہر حاکم پر لازم ہے کہ فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھے لیکن خاص طور پر جسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اس کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق اور حقیقت اور عدل وانصاف پر قائم رہے۔

اتباع ہویٰ کی مذمت:

نیز یہ بھی خطاب فرمایا کہ آپ اتباع ہویٰ سے پرہیز کریں یعنی خواہش نفس کا اتباع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی، درحقیقت دو ہی چیزیں ہیں اتباع ہدیٰ اور اتباع ہویٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو عمل کرنے کے لیے حکم ہو وہ ھدی یعنی ہدایت ہے اور اس کا اتباع کرنا لازمی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہ ہو اپنے نفس کے تقاضوں کے مطابق ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے خلاف ہو اس کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے یہ نفس کا اتباع ہی تو ہے جو بندوں کو احکام شرعیہ سے روکتا ہے جو لوگ قاضی اور حاکم ہیں اور جج ہیں یہ لوگ خلاف شرع فیصلے کر جاتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں یا اپنے رشتے دار کی رشتہ داری کو دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں یہ اتباع ہویٰ ہی تو ہے سورۃ النساء میں فرمایا:

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا) (اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا والدین یا دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے تو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ) اور بہت سے حکام کسی کی دشمنی میں ظالمانہ فیصلہ دے دیتے ہیں سورۃ المائدہ میں اسی کو فرمایا: (وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا) (اور کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف پہلے پہنچنے والے کون ہیں؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو قبول کرلیں اور جب ان سے حق کا سوال کیا جائے تو پوری طرح دے دیں اور لوگوں کے لیے اسی طرح فیصلے کریں جیسے اپنے لیے فیصلہ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۲)

یہ اتباع ہوئی ہی قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرنے پر آمادہ کرتا ہے علماء سے بدظن کرتا ہے، زکوٰۃ نہ دینے کے لیے حیلے اور بہانے تراشتا ہے بے پردگی اور سود کو حلال کرنے کے لیے ایسے لوگوں کی تحریروں کی آڑ لیتا ہے جو اخلاص سے خالی ہیں تقویٰ سے دور ہیں بھرپور علم سے بعید ہیں، ننگے پہناوے، ناچ رنگ، نفس ونظر کی حرام لذت، جاہ وشہرت کی طلب اور مال کثیر کی رغبت شریعت کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ کرنا اتباع ہوئی ہی کا کام ہے، کسی بھی مرنے والے کی میراث شرعی وارثوں کو نہ دینا، بہنوں کو باپ کے ترکہ سے نہ دینا مزدور سے کام لے کر مزدوری نہ دینا یہ اور اسی طرح کی سینکڑوں چیزیں ہیں جنہیں انسان اتباع ہوئی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور احکام شرعیہ سے منہ موڑتا ہے جو لوگ ہدایت کا اتباع کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنے ہی کو زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں اور جو حکم سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔

خواہشوں کا اتباع گمراہ کردیتا ہے

یہ جو فرمایا: فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ اس میں یہ بتادیا کہ خواہشوں کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹادیتا ہے جس طرح دنیاوی احکام میں نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے قوانین شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسی طرح امور آخرت میں بھی اتباع ہوئی اللہ کے راستہ سے ہٹادیتا ہے نام دین کا اور بزرگی کا ہوتا ہے لیکن کام شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، یہ جو قبر پرستی ہے جھوٹی پیری مریدی ہے عرسوں کے خرافات ہیں اپنی طرف سے تجویز کردہ نفل نمازوں کی بدعات ہیں یہ سب اتباع ہوئی کی وجہ سے ہے ان لوگوں کو عموماً اتباع سنت سے زیادہ بدعات پر چلنا زیادہ مرغوب ہے کیونکہ وہ ان کی اپنی نکالی ہوئی ہیں اور شیطان بھی ان کو بدعات پر ابھارتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں پر ڈال کر ہلاک کردیا اور انہوں نے مجھے استغفار کے ساتھ ہلاک کردیا، (یعنی میں گناہ کرواتا تھا وہ گناہ کر کے استغفار کرلیتے تھے جس سے میری محنت پر پانی پھر جاتا تھا) لہٰذا میں نے یہ کیا کہ ان کے لیے وہ چیزیں نکال لیں جو دین الٰہی میں نہیں ان کی خواہشوں کے مطابق انہیں وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں لہٰذا وہ ان چیزوں سے توبہ نہیں کرتے (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) جب خواہشات نفس کا اتباع کریں گے اور ان اعمال کو نیکی سمجھ کر کریں گے تو توبہ نہ کریں گے لہٰذا عذاب میں مبتلا ہوں گے اور شیطان کا مقصد پورا ہوگا۔

گمراہ لوگ عذاب شدید کے مستحق ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے حساب کے دن کو بھول جانے کے سبب سے) اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹنے والوں کے

لیے وعید بیان فرمادی اور یہ بھی بتادیا کہ یہ لوگ اس لیے مبتلا عذاب ہوں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے حساب کے دن کو بھول گئے تھے اس میں تعمیم ہے کہ اتباع ہویٰ کی وجہ سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا ہو یا اور کسی وجہ سے وہ عذاب شدید کا مستحق ہوا ہو ان گمراہیوں میں عام طور سے وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو قیامت کو نہیں مانتے، یا مانتے تو ہیں لیکن وہاں کی حاضری کا خیال نہیں رکھتے اور اسے بھول بھلیاں کیے رہتے ہیں اس لیے وہاں کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اپنی جان کو مستحق عذاب بناتے رہتے ہیں۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۗ اَیْ عَبَثًا ذٰلِكَ اَیْ خَلْقُ مَا ذُكِرَ لَا لِشَيْءٍ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَوَيْلٌ وَادٍ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ نَزَلَ لَمَّا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّا نُعْطٰى فِی الْاٰخِرَةِ مِثْلَ مَا تُعْطَوْنَ وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ كِتٰبٌ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مَحْذُوْفٍ اَیْ هٰذَا اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اَصْلُهٗ يَتَدَبَّرُوْا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الدَّالِ اٰيٰتِهٖ يَنْظُرُوْا فِیْ مَعَانِيْهَا فَيُؤْمِنُوْا وَ لِيَتَذَكَّرَ يَتَّعِظَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ اِبْنَهٗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اَیْ سُلَيْمَانُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ رَجَّاعٌ فِی التَّسْبِيْحِ وَالذِّكْرِ فِیْ جَمِيْعِ الْاَوْقَاتِ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِیِّ هُوَ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ الصّٰفِنٰتُ الْخَيْلُ جَمْعُ صَافِنَةٍ وَهِیَ الْقَائِمَةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَاِقَامَةُ الْاُخْرٰى عَلٰى طَرْفِ الْحَافِرِ وَهِیَ مِنْ صَفَنَ يَصْفِنُ صُفُوْنًا الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ جَمْعُ جَوَادٍ وَهُوَ السَّابِقُ الْمَعْنٰى اَنَّهَا اِنْ اسْتُوْقِفَتْ سَكَنَتْ وَاِنْ رُكِضَتْ سَبَقَتْ وَكَانَتْ اَلْفَ فَرَسٍ عُرِضَتْ عَلَيْهِ بَعْدَ اَنْ صَلَّى الظُّهْرَ لِاِرَادَتِهٖ الْجِهَادَ عَلَيْهَا لِعَدُوٍّ فَعِنْدَ بُلُوْغِ الْعَرْضِ تِسْعَ مِائَةٍ مِنْهَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الْعَصْرَ فَاغْتَمَّ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ اَیْ اَرَدْتُّ حُبَّ الْخَيْرِ اَیِ الْخَيْلِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ اَیْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَوَارَتْ اَیِ الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ اَیْ اسْتَتَرَتْ بِمَا يَحْجُبُهَا عَنِ الْاَبْصَارِ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ۭ اَیِ الْخَيْلَ الْمَعْرُوْضَةَ فَرَدُّوْهَا فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسَّيْفِ بِالسُّوْقِ جَمْعُ سَاقٍ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ اَیْ ذَبَحَهَا وَ قَطَعَ اَرْجُلَهَا تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى حَيْثُ اشْتَغَلَ بِهَا عَنِ الصَّلٰوةِ وَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا فَعَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهَا وَاَسْرَعَ وَهِیَ الرِّيْحُ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ كَيْفَ شَاءَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ اِبْتَلَيْنَاهُ بِسَلْبِ مُلْكِهٖ وَذٰلِكَ لِتَزَوُّجِهٖ بِامْرَاَةٍ هَوِيَهَا وَكَانَتْ تَعْبُدُ الصَّنَمَ فِیْ دَارِهٖ

مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ وَكَانَ مُلْكُهٗ فِيْ خَاتَمِهٖ فَنَزَعَهٗ مَرَّةً عِنْدَ اِرَادَةِ الْخَلَاءِ وَوَضَعَهٗ عِنْدَ امْرَأَتِهِ الْمُسَمَّاةِ
بِالْاَمِيْنَةِ عَلٰى عَادَتِهٖ فَجَاءَهَا جِنِّيٌّ فِيْ صُوْرَةِ سُلَيْمَانَ فَاَخَذَهٗ مِنْهَا وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا هُوَ
ذٰلِكَ الْجِنِّيُّ وَهُوَ صَخْرٌ اَوْ غَيْرُهٗ جَلَسَ عَلٰى كُرْسِيِّ سُلَيْمَانَ وَعَكَفَتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ وَغَيْرُهَا فَخَرَجَ
سُلَيْمَانُ فِيْ غَيْرِ هَيْئَتِهٖ فَرَاٰهُ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ وَقَالَ لِلنَّاسِ اَنَا سُلَيْمَانُ فَاَنْكَرُوْهُ ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ رَجَعَ سُلَيْمَانُ
اِلٰى مُلْكِهٖ بَعْدَ اَيَّامٍ بِاَنْ وَصَلَ اِلَى الْخَاتَمِ فَلَبِسَهٗ وَجَلَسَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا
يَنْۢبَغِيْ لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَيْ سِوَايَ نَحْوَ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَيْ سِوَى اللّٰهِ اِنَّكَ اَنْتَ
الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاءً لَيِّنَةً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ اَرَادَ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ يَبْنِي
الْاَبْنِيَةَ الْعَجِيْبَةَ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ فِي الْبَحْرِ لِيَسْتَخْرِجَ اللُّؤْلُؤَ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ مُقَرَّنِيْنَ مَشْدُوْدِيْنَ فِي
الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ الْقُيُوْدُ بِجَمْعِ اَيْدِيْهِمْ اِلٰى اَعْنَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهٗ هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَعْطِ مِنْهُ مَنْ شِئْتَ اَوْ
اَمْسِكْ عَنِ الْاِعْطَاءِ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ اَيْ لَا حِسَابَ عَلَيْكَ فِيْ ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ
مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ

ع ۳ ۱۲ ۱۲ (ربع الحزب)

ترجمہ: اورہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بیکار بے فائدہ پیدا نہیں کیا یہ یعنی ان چیزوں کو خالی ازحکمت پیدا کرنا کفار مکہ کا گمان ہے سو کافروں کے لیے بڑی خرابی ہے یعنی جہنم کی تباہی یا جہنم کی وادی ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اچھے کام کرتے ان لوگوں کو برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کریں گے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ آخرت میں ہمیں بھی تم جیسا بدلہ ملے گا۔ یہاں اَم بمعنی ہمزہ انکار ہے یہ ایک بابرکت کتاب ہے۔ مبتدا محذوف ''ھذا'' کی خبر ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگ غور کریں۔ اس کی اصل یتد بروا تھی تا کو دال میں ادغام کردیا گیا اور نصیحت وموعظت حاصل کریں دانشور عقلمند اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ بیٹا بہت اچھے بندے تھے سلیمان یقیناً بہت رجوع کرنے والے تھے۔ ہر وقت تسبیح وذکر میں مصروف رہتے جب شام کے وقت زوال کے بعد ان کے روبرو اصیل گھوڑے پیش کیے گئے۔ صافنات، صافنة کی جمع ہے، وہ گھوڑا جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور چوتھی ٹانگ کا کھر زمین پر رکھ لے۔ صفن یصفن صفونا (ض) سے ماخوذ ہے۔ عمدہ، جیاد، جید کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑا یعنی ان گھوڑوں کو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر جائے اور اگر ایڑ لگائی جائے تو سب سے آگے نکل جائے۔ ہزار گھوڑے تھے جو ظہر بعد ان کے معائنہ کے لیے پیش ہوئے، دشمن سے جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں نو

سو گھوڑے معائنہ ہونے پر سورج غروب ہو گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی اس لیے غمگین ہو گئے تو کہنے لگے کہ میں ان گھوڑوں کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یعنی نماز عصر رہ گئی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا روپوش ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا تھا کہا ان کو پھر پیش کرو معائنہ کئے ہوئے گھوڑے دوبارہ لاؤ۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑوں کی ٹانگوں سوق، ساق کی جمع ہے اور گردنوں کو تلوار سے اڑانا شروع کیا یعنی گھوڑوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور ان کی پونچھیں کاٹ ڈالیں کیونکہ انہیں کے معائنہ کی وجہ سے نماز عصر چھوٹ گئی تھی اور ان قربانیوں کو خیرات کر ڈالا، جس کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سے بہتر اور تیز رفتار ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی اور ہم نے سلیمان کو آزمائش میں ڈالا ان کی سلطنت چھین کر ان کا امتحان لیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ کسی عورت پر فریفتہ ہو کر انہوں نے شادی کر لی اور وہ ان سے چھپ کر بت پرستی کرتی رہتی ادھر ان کی سلطنت کی تسخیر میں ان کی انگوٹھی کو دخل تھا۔ ایک دفعہ اس کو اتار کر حضرت سلیمانؑ بیت الخلا تشریف لے گئے اور انگوٹھی حسب عادت امینہ نامی بیوی کے پاس رکھ دی ایک جن حضرت سلیمانؑ کے حلیہ میں آکر انگوٹھی مانگ لے گیا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا یعنی انگوٹھی لے جانے والا جن یا کوئی دوسرا جن سلیمان علیہ السلام کی جگہ تخت نشین ہو گیا۔ چنانچہ پرندوں وغیرہ سب چیزیں اس کے سامنے آ حاضر ہوئیں، اب جو حضرت سلیمانؑ نے غیر شاہی لباس میں آکر اسے دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ سلیمان علیہ السلام تو میں ہوں تو کسی نے نہیں مانا پھر انہوں نے رجوع کیا یعنی کچھ روز بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ہی سلطنت پر واپس آ گئے انگوٹھی ان کو دوبارہ مل گئی اور وہ تخت نشین ہو گئے۔ دعا مانگی اے میرے پروردگار میرا قصور معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عنایت فرما جو میرے علاوہ کسی کو میسر نہ ہوئی ہو بَعْدِیْ سے مراد میرے سوا ہے جیسے دوسری آیت: فمن یھدیہ من بعد اللہ، من بعد اللہ سے مراد سوی اللہ ہے بیشک آپ بڑے داتا ہیں سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے۔ جہاں وہ چاہتے ارادہ کرتے نرمی وسہولت سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا یعنی تمام تعمیر کرنے والوں عجیب وغریب عمارت بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو بھی سمندر سے موتی نکال لاتے تھے اور دوسرے جنات کو بھی جن میں سے کچھ زنجیروں سے بندھے ہوئے جکڑے ہوئے رہتے تھے ہاتھ گردنوں میں جوڑ دیئے جائے اور ہم نے ان سے کہا یہ ہمارا عطیہ ہے۔ سو اس میں سے کسی کو دیجئے۔ بخشش جس کو کچھ چاہیں کیجئے یا نہ دیجئے، بخشش نہ کیجئے تم سے کچھ داروگیر نہیں، یعنی اس بارے میں تم سے کچھ باز پرس نہیں ہے اور انکے لیے ہمارے یہاں مرتبہ اور خوش انجامی ہے حُسْنَ مَاٰبٍ کی تفسیر گذر چکی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا: یہ ظَنٌّ مظنون کے معنی میں ہے۔

قوله: مُبٰرَکٌ: نفع بخش۔

قوله: رِجَاعٌ فِی التَّسْبِیْحِ: آواز کو لوٹانا۔

قوله: اِذْ عُرِضَ: یہ اَوَّابٌ کا ظرف ہے۔

قوله: عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ: اصل میں اَحْبَبْتُ سے متعدی بنا ہے نہ کہ عن سے کیونکہ وہ اخررت کے معنی میں ہے لیکن جب انبت کا قائم مقام ہوا تو اس کی طرح متعدی بن گیا۔

قوله: اِسْتَتَرَتْ: سورج کے غروب کو پردے میں چھپانے کی تشبیہ دی۔

قوله: مسح مَسْحًا: چھونا۔

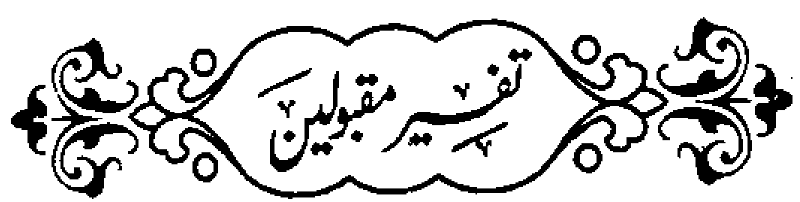
قوله: هُوَ ذٰلِكَ الْجِنِّيُّ: وہ جسم تھا جس میں حقیقت سلیمانی نہ تھی۔

قوله: لِيِّنَةً: نرم ہوا جو سخت آندھی نہ تھی۔

قوله: عَلٰى كُرْسِيِّ سُلَيْمَانَ: بقول اسرائیلیات کے یہ چالیس روز تھے۔

قوله: مُشْدُوْدِيْنَ: قدرت الٰہی سے بندھے ہوئے تھے، خواہ جس شکل میں ہوں۔

قوله: وَحُسْنَ مَاٰبٍ: اچھا انجام آخرت میں ہوگا۔



وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ....

مفسدین اور اعمالِ صالحہ والے، مؤمنین اور متقین اور فجار برابر نہیں ہو سکتے!

یہ تین آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر ہو رہا تھا اور عنقریب حضرت سلیمان اور ان کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے ان تین آیات میں بطور جملہ معترضہ توحید و رسالت اور معاد کو بیان فرمایا یہی تینوں چیزیں ہیں جن کی طرف قرآن کریم برابر دعوت دیتا ہے اور ان کے ماننے پر آخرت کی بھلائی کا وعدہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے وجود بخشا یہ سب یوں ہی خواہ مخواہ اور بلا حکمت نہیں ہیں ان کے وجود کو دیکھ کر اول تو خالق کائنات جل مجدہٗ کی معرفت حاصل ہونی چاہیے اور پھر یہ بھی فکر کرنی چاہیے کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے میں حکمت کیا ہے؟ دنیا میں انسان بھی اور دوسری مخلوق بھی ہے آپس میں رحم بھی ہے، مظالم بھی ہیں، لڑائی جھگڑے بھی ہیں قتل و خون بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے بھی ہیں اور کافر و مشرک بھی ہیں، موت بھی ہے اور حیات بھی ہے، یہ کارخانہ جو جاری اور ساری ہے خالق کائنات جل مجدہٗ نے اسے کیوں پیدا فرمایا اگر اس بات میں غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے کہ اس کارخانہ میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حکمت پر مبنی ہے ایمان و کفر، خیر و شر کا سلسلہ جاری ہے لیکن ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی قیامت واقع ہوگی سب حاضر ہوں گے اس وقت اہل ایمان کو ایمان کی جزا اور اہل کفر کو کفر کی سزا دی جائے گی جو لوگ وقوع قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک موت کے بعد اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ملنے والا

نہیں ہے ان کی بات کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں متقی ہیں گناہوں سے بچتے ہیں وہ اور بڑے بڑے فاجر برابر ہو جائیں گے، یعنی نہ انہیں کوئی ثواب ملے گا نہ انہیں کوئی عذاب ملے گا ان لوگوں کا یہ گمان باطل ہے جو ان کے لیے ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے اور وہ بربادی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دوزخ میں داخل کر دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کا بڑا مرتبہ ہے یہ حضرات جنتی ہوں گے اور زمین میں فساد کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اگر ان کافروں اور مفسدوں نے یہ سمجھا ہے کہ اہل ایمان کو نعمتیں نہ ملیں گی اور وہ ہماری طرح ہی ہوں گے مرکر ختم ہو جائیں گے یا یہ سمجھا ہے کہ جو نعمتیں انہیں ملیں گی ہمیں بھی مل جائیں گی یہ ان کی حماقت ہے۔ (یہاں تک توحید اور معاد کا بیان ہوا)۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی ہے، جو مبارک ہے اس کے ماننے اور پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے میں دنیا اور آخرت کی خیر ہی خیر ہے، آپ کے توسط سے جن لوگوں تک پہنچے ان کو چاہیے کہ اس کی آیات میں فکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں تا کہ احکام شرعیہ کو جانیں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ﴿۳۰﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بنا دیا۔ اسی لیے صرف حضرت سلیمان کا ذکر کیا ورنہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: (وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ) (النمل:16) یعنی حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔ یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گذار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔ مکحول کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ جواب ملا اللہ کی رحمت پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی ساز مین پر ٹکتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔ واللہ اعلم ابو داؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے جب تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا وہاں حضرت عائشہ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت کیا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ

دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر بھی؟ صدیقہ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پردار گھوڑے تھے، یہ سن کر حضور ﷺ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی۔ چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمرؓ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپ نے فرمایا میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمان میں جنگی صلاح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوۃ خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں جب تلواریں تنی ہوئی ہوں لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع وسجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہؓ نے تستر کی فتح کے موقع پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سلیمان کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں واپس منگوا کر ان کے پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا۔ چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ لیکن حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذاء پہنچانی ممنوع ہے ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبی کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔ حضرت ابوقتادہؓ اور حضرت ابودہما اکثر حج کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائیگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے۔ مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں جسد (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو بیشک اللہ ویسا ہی کر دیتا جوان کی تمنا تھی۔ (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع

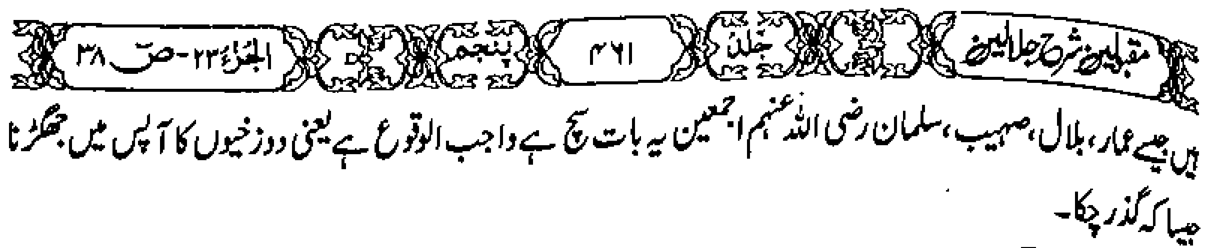
پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری اور جنوں کے نقل کیے ہیں جسے دلچسپی ہو۔ کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں ۔ ولقد رویت ہذہ القصۃ مطولۃ عن جماعۃ من السلف ؒ وکلہا متلقاہ من قصص اہل الکتاب ۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي اَیْ بِاَنِّیْ مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ بِضُرٍّ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اَلَمٍ وَنَسَبَ
ذٰلِكَ اِلَى الشَّيْطَانِ وَاِنْ كَانَتِ الْاَشْيَاءُ كُلُّهَا مِنَ اللّٰهِ تَادُّبًا مَعَهُ تَعَالٰى وَقِيْلَ لَهُ ارْكُضْ اِضْرِبْ بِرِجْلِكَ ۖ
الْاَرْضَ فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنُ مَاءٍ فَقِيْلَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ اَیْ مَا يُغْتَسَلُ بِهِ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ تَشْرَبُ مِنْهُ
فَاغْتَسَلَ وَ شَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ كُلُّ دَاءٍ كَانَ بِظَاهِرِهٖ وَ بَاطِنِهٖ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ اَیْ
اَحْيَى اللّٰهُ لَهُ مَنْ مَاتَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَرَزَقَهُ مِثْلَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ عِظَةً لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾
لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا هُوَ حُزْمَةٌ مِنْ حَشِيْشٍ اَوْ قُضْبَانٍ فَاضْرِبْ بِهِ زَوْجَتَكَ وَقَدْ
كَانَ حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِاِبْطَائِهَا عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَا تَحْنَثْ ۗ بِتَرْكِ ضَرْبِهَا فَاَخَذَ مِائَةَ عُوْدٍ مِنَ
الْاِذْخِرِ اَوْ غَيْرِهٖ فَضَرَبَهَا بِهٖ ضَرْبَةً وَاحِدَةً إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اَيُّوْبُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ رَجَّاعٌ
اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي اَصْحَابِ الْقُوٰى فِى الْعِبَادَةِ وَ
الْأَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اَلْبَصَائِرِ فِى الدِّيْنِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ عَبْدَنَا وَاِبْرَاهِيْمَ بَيَانٌ لَهُ وَمَا بَعْدَهُ عَطْفٌ عَلٰى عَبْدَنَا إِنَّا
أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ هِيَ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ الْاٰخِرَةِ اَیْ ذِكْرُهَا وَالْعَمَلُ لَهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ وَهِيَ
لِلْبَيَانِ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْمُخْتَارِيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ جَمْعُ خَيِّرٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَاذْكُرْ
إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ هُوَ نَبِيٌّ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَذَا الْكِفْلِ ۖ اُخْتُلِفَ فِىْ نُبُوَّتِهٖ قِيْلَ كَفَلَ مِائَةَ نَبِيٍّ فَرُّوْا اِلَيْهِ مِنَ
الْقَتْلِ وَكُلٌّ اَیْ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ جَمْعُ خَيْرٍ بِالتَّثْقِيْلِ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ لَهُمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِيْلِ هُنَا وَإِنَّ
لِلْمُتَّقِينَ الشَّامِلِيْنَ لَهُمْ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۹﴾ مَرْجِعٍ فِى الْاٰخِرَةِ جَنَّاتِ عَدْنٍ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِحُسْنَ
مَآبٍ مُفَتَّحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مِنْهَا مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَائِكِ يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَ
شَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ الْعَيْنِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ أَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ اَسْنَانُهُنَّ وَاحِدَةٌ

وَمِنْ بَنَاتٍ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً جَمْعُ تِرْبٍ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ مَا تُوْعَدُوْنَ بِالْغَيْبَةِ وَبِالْخِطَابِ اِلْتِفَاتًا
لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اَیْ لِاَجْلِهٖ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ اَیْ اِنْقِطَاعٍ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ رِزْقِنَا ربع
اَوْ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّ اَیْ دَائِمًا اَوْ دَائِمٌ هٰذَا ۭ اَلْمَذْكُوْرُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ مُسْتَانَفٌ لَشَرَّ
مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ یَدْخُلُوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ اَلْفِرَاشُ هٰذَا ۙ اَیِ الْعَذَابُ الْمَفْهُوْمُ مِمَّا
بَعْدَهٗ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ اَیْ مَاءٌ حَارٌّ مُحْرِقٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ مَا سَیْلٌ مِنْ صَدِیْدِ اَهْلِ
النَّارِ وَّاٰخَرُ بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَیْ مِثْلِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْحَمِیْمِ وَالْغَسَّاقِ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ اَصْنَافٌ اَیْ
عَذَابُهُمْ مِنْ اَنْوَاعٍ مُخْتَلِفَةٍ وَیُقَالُ لَهُمْ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ بِاَتْبَاعِهِمْ هٰذَا فَوْجٌ جَمْعٌ مُّقْتَحِمٌ دَاخِلٌ
مَّعَكُمْ ۚ اَلنَّارَ بِشِدَّةٍ فَیَقُوْلُ الْمَتْبُوْعُوْنَ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اَیْ لَا سَعَةَ عَلَیْهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا
اَیِ الْاَتْبَاعُ بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ اَیِ الْكُفْرَ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ لَنَا وَلَكُمُ النَّارُ
قَالُوْا اَیْضًا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا اَیْ مِثْلَ عَذَابِهٖ عَلٰی كُفْرِهٖ فِی النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا
اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَهُمْ فِی النَّارِ مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ فِی الدُّنْیَا مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ
سِخْرِیًّا بِضَمِّ السِّیْنِ وَكَسْرِهَا اَیْ كُنَّا نَسْخَرُ بِهِمْ فِی الدُّنْیَا وَالْیَاءُ لِلنِّسْبَةِ اَیْ اَمَفْقُوْدُوْنَ هُمْ اَمْ زَاغَتْ
مَالَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ فَلَمْ نَرَهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِیْنَ كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَصُهَیْبٍ وَسَلْمَانَ اِنَّ ذٰلِكَ
لَحَقٌّ وَاجِبٌ وُقُوْعُهٗ وَهُوَ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ كَمَا تَقَدَّمَ
ع ۴ ۲۲ ۱۳

ترجمہ: اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج تکلیف اور آزار پہنچایا ہے صدمہ اس کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے حالانکہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے محض اللہ کا ادب مقصود ہے ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ مار اپنے پاؤں زمین پر چنانچہ انھوں نے جوں ہی زمین پر پاؤں مارا پانی ابلنے لگا فرمایا گیا کہ یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے چنانچہ ایوب نے اس پانی سے غسل بھی کیا اور اس کو پیا بھی جس سے ان کے ظاہری باطنی قسم کے روگ دور ہو گئے اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ انھیں جیسے اور بھی یعنی اللہ نے ان کے وفات پائے ہوئے اہل و عیال جیسے اور فوت شدہ رزق جیسا اور عنایت فرمایا اپنی رحمت نعمت خاصہ سے اور دانشمندوں یعنی سمجھداروں کے لیے یادگار سبق آموز رہے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو گھاس کا گچھا یا سینکوں کا اور اس سے مارو

اپنی بیوی کو حضرت ایوب نے قسم کھائی تھی کہ میں سو کوڑے ماروں گا جب کہ ایک روز کام سے واپس گھر پہونچنے میں دیر کر دی تھی اور قسم نہ توڑیے مارنا ملتوی کر کے چنانچہ حضرت ایوب نے اذخر (گھاس) کی سو تیلیاں اکٹھی کر کے ایک ہی دفعہ بیوی کے ماردیں بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا ایوبؑ اچھے بندے تھے بہت رجوع کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے تھے اور ہمارے بندوں، ابراہیم واسحاق ویعقوب کو یاد کیجئے جو طاقتور عبادت کرنے میں مضبوط اور دانشور تھے دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور ایک قراءت میں عبدنا ہے اور ابراہیم اس کا بیان ہے اور یعقوب سے بعد والی عبارت کا عبدنا پر عطف ہے ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کر رکھا تھا یعنی آخرت کی یاد سے عقبیٰ کے ذکر اور اس کے لیے عمل کرنے کی دھن تھی اور ایک قراءت میں اضافت بیانیہ کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے برگزیدہ منتخب اور اچھے لوگوں میں سے ہیں اخیار خیر مشدد کی جمع ہے اور اسماعیل اور الیسع جو کہ نبی تھے الف لازم زائد ہے اور ذوالکفل کو یاد کیجئے ان کی نبوت مختلف فیہ ہے بعض کی رائے ہے کہ سو پیغمبروں کی انھوں نے کفالت کر لی تھی جو قتل ہونے سے بچ کر ان کی پناہ میں آ گئے تھے اور یہ سب بہت اچھے لوگوں میں تھے اخیار خیر مشدد کی جمع ہے یہ ایک یادداشت ہے ان کی خوبیوں کی اور یقیناً تمام پرہیزگاروں کے لیے جن میں یہ بھی ہیں اچھا ٹھکانہ آخرت کا گھر ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں یہ حسن مآب کا بدل یا عطف بیان ہے جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے وہ ان باغات میں گدوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی محض اپنے شوہروں پر نگاہ رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی سب کی عمریں یکساں ہوں گی یعنی ۳۳/ سال اتراب ترب کی جمع ہے یہ مذکورہ مضمون وہ ہے اس کا جس کا تم سے صیغہ غائب سے صیغہ خطاب میں التفات ہے روز حساب آنے پر بالضرور وعدہ کیا گیا ہے بلاشبہ یہ ہماری نوازش ہے جس کا سلسلہ دوامی رہے گا منقطع نہیں ہوگی۔ اور جملہ حال ہے رزقنا سے یا ان کی خبر ثانی ہے اول صورت میں دائما اور دوسری صورت میں دائم کے معنی ہوں گے یہ مؤمنین کے لیے ہے اور سرکشوں کے لیے جملہ مستانفہ ہے برا ٹھکانہ جہنم ہے جس جہنم میں ڈالے داخل کئے جائیں گے جو بہت بری جگہ بچھونا ہے یعنی جو عذاب بعد میں بیان کیا جا رہا ہے چکھو کھولتا ہوا پانی انتہائی گرم جلا دینے والا پیپ تخفیف اور تشدید کے ساتھ وہ کچ لہو جو دوزخیوں کے زخموں سے بہے گا اور دوسری بھی لفظ جمع اور مفرد کے ساتھ ہے اس قسم کی جیسے کھولتے ہوئے پانی اور کچ لہو ذکر ہوا طرح طرح کی چیزیں ہوں گی یعنی عذاب کی مختلف قسمیں ہوں گی۔ جب انھیں اپنے پیرکاروں سمیت دوزخ میں ڈالا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہی ہے دوزخ میں زبردستی کر کے پیش رو بولیں گے ان پر خدا کی مار یعنی انھیں چین نہ ملے یہ بھی دوزخ میں آ رہے ہیں کہیں گے پیروکار بلکہ تم پر ہی خدا کی مار تم نے ہی تو اس تکفیری لفظ کو پیش کیا ہے ہمارے سو بہت برا ٹھکانہ ہے ہمارے تمہارے لیے دوزخ دعا کریں گے کہ نیز اے ہمارے پروردگار جو شخص ہمارے آگے لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے اس کو جتنا کفر پر عذاب ہوا اسی کے مثل دوزخ میں اس کو اور وہ لوگ کفار مکہ دوزخ میں رہتے ہوئے کہیں گے کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم نے ان کی دنیا میں ہنسی کر رکھی تھی سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی دنیا میں ہم میں سے ہر ایک ان کا مذاق اڑاتا تھا یا نسبتی ہے کیا وہ لوگ موجود نہیں ہیں یا ان سے ہماری نگاہیں چکرا رہی ہیں اس لیے ہمیں نظر نہیں آتے اور اس شان کے لوگ مسلمان غرباء فقراء



ہیں جیسے عمار، بلال، صہیب، سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین یہ بات سچ ہے واجب الوقوع ہے یعنی دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا جیسا کہ گذر چکا۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هُوَ حُزْمَةٌ: لکڑیوں کا گھٹا، گھاس کا مٹھا۔

قوله: اَلْاَخْيَارِ جَمْعُ خَيِّرٍ: صاحب خیر۔

قوله: فَرُّوْا اِلَيْهِ مِنَ الْقَتْلِ: یہ بنی اسرائیل سے تھے، جنہوں نے ایک سو پیغمبروں کو پناہ دی۔

قوله: هٰذَا ذِكْرٌ: ان کے مقدم مذکور اعمال کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: اَسْنَانُهُنَّ: جمع سنة۔

قوله: لِاَجَلِهِ: حساب یہ بدلے کے ملنے کی علت ہے، اس سے لِيَوْمِ کی لام تعلیلیہ ہے۔

قوله: هٰذَا: مبتداء لِلْمُؤْمِنِيْنَ خبر ہے۔

قوله: هٰذَا: یہ خبر مقدم اور اس کا مبتداء موخر الْعَذَابُ ہے۔

قوله: حَمِيْمٌ: یعنی گرم پانی یہ محذوف مبتداء هو کی خبر ہے۔

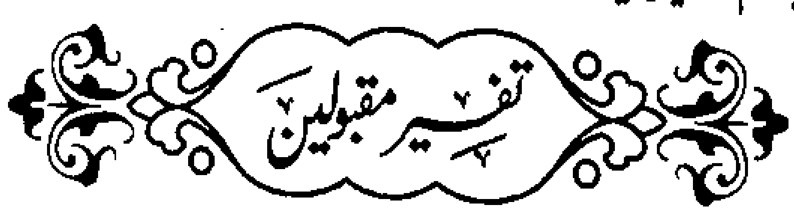
قوله: بِالْجَمْعِ: یعنی ہمزہ مضموم کے ساتھ اور ہمزہ مفتوح مانیں تو مفرد پڑھیں گے۔

قوله: اَصْنَافه: پس ازواج یہاں آخر کی خبر ہے۔

قوله: النَّارِ: اقتحام: گھس جانا، زبردستی داخل ہونا۔

قوله: عَذَابًا ضِعْفًا: یعنی ایسا عذاب جو بڑھائی والا ہو۔

قوله: اِنَّ ذٰلِكَ: یہ جو ہم نے بیان کیا۔



وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ ......

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دعا اور شفایابی کا تذکرہ:

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان میں ان کے کامیاب ہونے کا ذکر ہے سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۶ میں بھی ان کا یہ تذکرہ گزر چکا ہے قرآن مجید میں ان کے واقعہ کا اجمالی ذکر ہے تفصیلی حالات جاننے کا کوئی راستہ نہیں ہے رسول اللہ

ﷺ کے ارشاد سے صرف اتنا ثابت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے سونے کی ٹڈیاں گریں تو انہیں جمع کرنے لگے (جیسا کہ ہم عنقریب ہی پوری حدیث ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ) حضرت ایوب علیہ السلام کے دکھ تکلیف کے تفصیلی حالات اور مدت ابتلاء اور دیگر امور سے متعلق بعض چیزیں حضرت ابن عباس ؓ سے اور بعض حضرت قتادہ (تابعیؒ اور بعض حضرت حسن (تابعیؒ) سے منقول ہیں جنہیں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے درمنثور میں لکھا ہے لیکن یہ چیزیں اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔

قرآن مجید کی تصریحات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ایوب علیہ السلام سخت تکلیف میں مبتلا کیے گئے۔

(لیکن حضور اکرم ﷺ سے کوئی روایت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی اس بارے میں فرمایا ہو مگر صرف اتنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہا رہے تھے تو ان پر ٹڈی کی ایک سونے کی ٹانگ آ پڑی پس جب اس بارے میں نہ قرآن سے کوئی ثبوت ہے اور نہ صحیح حدیث سے تو پھر اس بات کی سند حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام سے سنی ہو۔ اسرائیلی روایات علماء کے نزدیک دلائل کی محتاج ہیں لہٰذا تم اس قسم کے واقعات کو پڑھنے سے آنکھیں بند کرلو اور ان کے سننے سے کان بھی بند کرلو تو ان روایات سے بس ذہن میں خیال ہی آئیں گے اور دل میں واہیات باتیں پیدا ہوں گی۔)

(۲) شیطان نے انہیں تکلیف پہنچائی۔

(۳) تکلیف جانی بھی تھی اور مالی بھی۔

(٤) ان کے اہل وعیال بھی ختم کر دیئے گئے تھے۔

(۵) اس پر انہوں نے بہت صبر کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۔ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا (نِعْمَ الْعَبْدُ) اچھے بندے تھے ایوب (اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾) بیشک بہت رجوع کرنے والے تھے۔

اسرائیلی روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ سخت تکلیف میں مبتلا رہے (فتح الباری میں ۳ سال اور ۱۳ سال اور ۷ سال ذکر کیا ہے اور قول ثانی کو صحیح بتایا ہے، ج ٦ ص ٤٢٢) مال اور اہل وعیال کچھ بھی پاس نہ رہا تھا جبکہ پہلے طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھے صرف ان کی بیوی ان کے پاس رہ گئی تھی جو ان کی خدمت کرتی رہتی تھی اس وفادار بیوی کا نام رحمت تھا، انہوں نے جو دعاء کی تھی اس کے الفاظ سورۃ الانبیاء میں یوں ہیں: (اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ) (بیشک مجھے تکلیف پہنچ گئی اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔)

اور سورۃ صٓ میں یوں ہے: (اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ) (کہ شیطان نے مجھے دکھ پہنچایا اور تکلیف پہنچادی) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ نصب مشقت کے معنی میں آتا ہے اور زیادہ تر کام کاج کی وجہ سے جو تھکن ہو جائے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عذاب سے الم مراد ہے جسے سورۃ الانبیاء میں الضر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ النصب اور الضر سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہل اور مال ضائع ہونے کی تکلیف مراد ہے۔

جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعاء قبول فرمائی تو فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، انہوں نے پاؤں مارا تو وہاں سے چشمہ جاری ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝۴۲ (یہ غسل کرنے کی چیز ہے جو ٹھنڈی ہے اور پینے کی چیز ہے) چنانچہ انہوں نے غسل کیا اور پانی پیا جسم درست ہوگیا شفاء کامل حاصل ہوگئی ظاہری اور باطنی طور پر بالکل صحت اور عافیت اور سلامتی والی زندگی مل گئی۔

ان کے اہل و اولاد جو ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے واپس ان کے پاس پہنچا دیئے اور سب کو عیش و عشرت والی زندگی عطا فرمادی۔

پھر ان لوگوں سے آگے نسل چلی اور اتنی زیادہ نسل پھیلی پھولی کہ جس قدر ان کی پہلی نسل کے افراد تھے اسی قدر اللہ تعالیٰ نے مزید افراد پیدا فرما دیئے (وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرا میلان بھی اسی طرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اولاد لقمہ اجل بن گئی تھی سب مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اتنی ہی اولاد دے دی اور اس کے علاوہ مزید اتنی ہی اولاد اور دے دی سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جس دن تکلیف پہنچی وہ بدھ کا دن تھا اور جس دن انہیں عافیت ملی وہ منگل کا دن تھا (باب فی أی الایام یحتجم) رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۴۳ یہ ہماری طرف سے رحمت خاصہ کے طور پر تھا اور عقل والوں کے لیے ایک یادگار تھی (تاکہ اہل عقل یہ سمجھیں اور یاد رکھیں کہ صابرین کو اللہ تعالیٰ کیسی اچھی اچھی جزا عطاء فرماتا ہے) وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا۔۔۔۔حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے تھے۔ ناراضگی کا کیا سبب تھا اس کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں اور ہیں سب اسرائیلی روایات۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیطان معالج کی صورت بنائے ہوئے جا رہا تھا ان کی بیوی نے اس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کردے، شیطان نے کہا کہ میں علاج تو کردوں گا مجھے کوئی فیس اور دواء کی قیمت کی ضرورت نہیں ہاں جب تیرا شوہر اچھا ہوجائے تو صرف اتنا کہہ دینا تو نے شفا دی، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے اس کو مان لیا پھر ان سے تذکرہ کیا انہیں یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ تو نے شیطان سے یہ وعدہ کر لیا کہ اس کے بارے میں یوں کہہ دیا جائے کہ تو نے شفا دی؟ میں اچھا ہوگیا تو تجھے سو قمچیاں ماروں گا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی تو قسم پورا کرنے کا خیال آیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے لو اور اس کو ایک مرتبہ اپنی بیوی کے جسم پر مارو جب ایسا کرلو گے تو تمہاری قسم پوری ہوجائے گی اور حانث ہونے سے بچ جاؤ گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود ہی انہیں یہ عمل بتایا اور فرما دیا کہ تم قسم توڑنے والے نہ بنو اور اس عمل کو قسم پورا ہونے کی جگہ قبول فرما لیا اس لیے ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شخص سو کوڑے یا سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور اکٹھی سو سینکیں مار کر قسم پوری کرنے والوں میں شمار ہوجائے اور قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جائے جو چیزیں خاص ہوتی ہیں ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس سے قسم پورا کرنے کی ضرورت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ

چاہتا تو ان کی قسم کے ٹوٹ جانے کو بالکل ہی معاف فرما دیتا لیکن بالکل معاف نہیں فرمایا کچھ نہ کچھ ایسا عمل کروا ہی دیا جس سے قسم پر پورا اترنے کی شرعی حیثیت باقی رہے اس طرح کا ایک واقعہ سنن ابی داؤد شریف میں مذکور ہے جو حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو بہت ہی زیادہ ضعیف ہو چکا تھا وہ ایک باندی کے ساتھ زنا کر بیٹھا پھر اسے احساس ہوا تو انصار کے جو لوگ اس کی عیادت کرنے گئے انہیں صورت حال بتادی اور کہا کہ میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کرو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے واقعہ پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ شخص اتنا زیادہ نحیف اور ضعیف ہے کہ ہڈیوں پر صرف کھال رہ گئی ہے اگر ہم اسے آپ کی خدمت میں لے کر آئیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کی ایک ٹہنی کے سو اجزاء لے لو اور ایک ساتھ سب کو ایک مرتبہ مار دو۔

(سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۵۸)

اس سے بھی وہی بات سمجھ آ رہی ہے کہ وہ شخص زنا کرنے کی وجہ سے سو کوڑوں کی سزا کا مستحق تھا لیکن موت کی سزا کا مستحق نہ تھا اب اسے سو کوڑے مارے جاتے تو مر جاتا اور جان سے مار دینا مقصود نہ تھا اور حد کو بالکل ہی ختم کر دینا بھی شریعت کے مزاج کے خلاف تھا کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ (اور اللہ کے دین میں تمہیں رحم نہ پکڑے کہ تم زانی اور زانیہ پر رحم کھا جاؤ) لہٰذا حد کو معطل نہیں فرمایا بلکہ کچھ نہ کچھ سزا دلوا ہی دی تاکہ امت ہوشیار اور بیدار رہے اور حد جاری کرنے میں کسی طرح کی ڈھیل کو برداشت نہ کرے۔

فائدہ: دعا کی قبولیت اور برکات:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی سخت بیماری کے دنوں میں صحت و عافیت کے لیے دعا نہیں کی! اور اگر کی تھی تو کیوں قبول نہ ہوئی، بات یہ ہے کہ بظاہر حضرت ایوب علیہ السلام دعا سے غافل تو نہ رہے ہوں گے لیکن اللہ جل شانہٗ کی قضا و قدر میں جب تک انہیں مبتلا رکھنا تھا اس وقت تک ابتلاء باقی رہا اور دعا کا ثواب انہیں ملتا رہا اور آخرت میں درجات کی بلندی کے لیے یہ دعائیں ذخیرہ بنتی رہیں، مؤمن بندہ کی کوئی دعا ضائع نہیں جاتی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان کوئی دعا کرتا ہے جو گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور تین چیزوں میں سے ایک عطاء فرما دیتا ہے۔

(۱) جو دعا کی اس کے مطابق اس دنیا میں جلدی مقصد پورا کر دیا جاتا ہے۔

(۲) یا اس دعا کو اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے۔

(۳) یا اس جیسی آنے والی مصیبت اس سے پھیر دی جاتی ہے (یعنی آنے سے رک جاتی ہے) صحابہؓ نے عرض کیا بس تو ہم پھر خوب زیادہ دعائیں کریں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ (بھی) بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۹۶)

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر کے موافق ہوتا ہے:

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو تکلیف پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعا کرنا بھلا دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے لیکن دعا نہ کرتے تھے اور چونکہ دکھ تکلیف کو اللہ کی رضا سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی رغبت اسی میں تھی کہ تکلیف میں رہوں (بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ نے عافیت کی دعاء کرنے کی بات کہی تو فرمایا ہم ستر سال عیش وآرام میں رہے اب صبر کرو جب ستر سال تکلیف میں گزر جائیں گے اس کے بعد دعاء کریں گے۔) (روح المعانی ص ۲۰۷: ج ۲۳) پھر جب اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف دور کرنا منظور ہوا، تو انہیں دعا کرنے کی توفیق دے دی اور انہیں دعا کرنا یاد آ گیا جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور مال ودولت آل واولاد جو کچھ جاتا رہا تھا اس کا دوگنا عطا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۔

(ذکرہ فی الدر المنثور ص ۳۲۸: ج ۵)

بات یہ ہے کہ پورے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے موافق ہوتا ہے دعا بھی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب کامیابی کا وقت آ جاتا ہے اور دوا بھی جب ہی اثر کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا اور قدر میں شفا دینا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جسے چاہے جتنا آرام دے اور جسے چاہے تکلیف کے ذریعہ آزمائے اور مؤمن بندوں کے لیے چونکہ تکلیف میں بھی خیر ہی خیر ہے (اس پر ثواب ملتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں) اس لیے ان کے لیے تکلیف میں مبتلا ہونا بھی خیر ہی خیر ہے کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ فلاں شخص دیکھنے میں تو اتنا نیک ہے پھر یہ اتنی بڑی تکلیف میں مبتلا ہوا ہے تو ضرور کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہوا ہوگا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب مصیبت والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام وعافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکٰوۃ ص ۱۳۷)

حضرت ابن عباسؓ نے جو یہ فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے تکلیف کے دنوں میں دعا کو بھولے رہے اس کی تائید میں حضرت ابان بن عثمانؓ کی ایک بات سنیے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمانؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ روزانہ صبح وشام تین مرتبہ (بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه شیٔ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم) پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی حضرت ابان نے حدیث تو بیان کر دی لیکن ان کے جسم پر ایک جگہ فالج کا اثر تھا جس شخص سے انہوں نے حدیث بیان کی وہ ان کی طرف (تعجب کی نظروں سے) دیکھنے لگا حضرت ابان نے اس کی نظروں کو بھانپ لیا اور فرمایا تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ خوب سمجھ لو بلا شک وشبہ حدیث اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے بیان کی لیکن بات یہ ہے کہ جس دن مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے میں نے اس دعا کو نہیں پڑھا تھا (یعنی بھول گیا تھا) تا کہ اللہ اپنی تقدیر کے فیصلے کو نافذ فرما دے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد کما فی المشکٰوۃ ص ۲۰۹)

تکمیل تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ ایوب علیہ السلام (تنہائی میں) ننگے غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ٹڈیاں گر گئیں وہ انہیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ اے ایوب کیا میں نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تمہارے سامنے جو کچھ ہے اس کی ضرورت نہیں عرض کیا آپ کی عزت کی قسم آپ نے مجھے غنی بنا دیا ہے لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوں۔

(حضرت علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے شروع ہی میں دعاء کیوں نہیں مانگی تو میں کہتا ہوں اس لیے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خیال کیا کہ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں بندہ کا کوئی تصرف نہیں ہے یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے شروع ہی میں تکلیف دور ہونے کی دعاء نہیں مانگی۔)

فتح الباری، ۴۲ جلد ۶ میں بحوالہ احمد وابن حبان حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت دے دی یعنی ان کا مرض دور فرما دیا تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسا دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹڈیوں کا برسنا مرض سے شفایاب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ و تکلیف میں مبتلا ہوئے تو ہر شخص نے انہیں چھوڑ دیا البتہ ان کے دوستوں میں دو شخص ان کے پاس صبح و شام آنا جانا رکھتے تھے ایک دن ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ضرور ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس مصیبت کو ضرور دور فرما دیتا جس شخص سے یہ بات کہی گئی تھی اس نے ایوب علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کر دیا اس پر وہ رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی پھر قضاء حاجت کے لیے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا جس میں انہوں نے غسل کیا اور بالکل صحیح اور تندرست ہو گئے اب جو ان کی بیوی آئی تو انہیں پہچان نہ سکی اور خود انہی سے دریافت کیا کہ یہاں جو مریض تھا وہ کہاں گیا ایسا تو نہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہو حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تندرستی دے دی اور ان کی بیوی پر بھی جوانی لوٹا دی یہاں تک کہ اس کے بعد ان سے ۲۶ لڑکے پیدا ہوئے۔ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے (جن میں کھیتی کاٹنے کے بعد غلہ جمع کیا جاتا ہے) ایک کھلیان گیہوں کا دوسرا کھلیان جو کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے گیہوں والے کھلیان میں اتنا سونا برسایا کہ بہنے لگا اور جو کے کھلیان میں اتنی چاندی برسائی کہ وہ بھی بہہ پڑی۔ (فللّٰہ الحمد علی انعامہ)

إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

اس سے دار آخرت کی تذکیر و یاددہانی کی عظمت شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان حضرات انبیائے کرام کا اصل کام دار آخرت کی تذکیر و یاددہانی ہی رہا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے انکو چن لیا تھا آخرت کے گھر کی تذکیر و یاددہانی کے لیے۔ یعنی

آخرت کی یاد کہ اصل گھر وہی ہے {وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ} (المؤمن: 39)۔ یہ دنیا تو محض ایک گزرگاہ اور عارضی منزل ہے۔ سو حضرات انبیائے کرام کا اصل امتیاز اور ان کی خصوصی شان بس اسی دار آخرت کی تذکیر و یاددہانی تھی۔ مگر افسوس کہ آج اس مادی دور میں انسان آخرت کے اپنے اس حقیقی گھر اور اس کے تقاضوں کو بھول گیا۔ اور ان کو پس پشت ڈال کر وہ اسی فانی اور عارضی دنیا کی چمک دمک میں کھو کر اور الجھ کر رہ گیا۔ اور اس نے اسی دنیا کی عارضی لذتوں اور فانی عیش پرستیوں کے لئے جینا اور انہی کے لئے مرنا گویا اپنا نصب العین اور مقصد حیات بنالیا ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ۔ آخرت کی یاد تمام صلاح و فلاح کی اساس و بنیاد اور شاہ کلید ہے۔ اگر انسان اس سے غافل اور لاپرواہ ہو جائے تو وہ ایک بے نتھا بیل بن کر رہ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ شیطان کے ہتھے چڑھ کر ہلاکت و تباہی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ جبکہ آخرت کی یاد سے انسان فکرمند رہتا ہے اور وہ لغزشوں کے باوجود صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے حضرات انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں کو آخرت کی تذکیر و یاددہانی کیلئے چن لیا تھا۔ تا کہ لوگ آخرت کی اپنی اس اصل حقیقی اور ابدی زندگی کو یاد کر کے اس کے لیے تیاری کریں۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ؕ

بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ الیسع حضرت الیاس کو کہتے ہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس اور الیسع کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اور بعضے مفسروں نے یہ لکھا کہ الیسع خضر کو کہتے ہیں یہ قول بھی کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے جس کو شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے فائدہ میں بیان کیا ہے کہ الیسع حضرت الیاس کے خلیفہ تھے یہ قول حضرت عبداللہؓ بن عباس اور وہب بن منبہ تابعی کا ہے یہ وہب بن منبہ حسن بصری کے رتبہ کے ثقہ تابعین میں ہیں ذوالکفل کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں صحابہ کے زمانہ سے اختلاف ہے یہاں تک کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری منبر پر وعظ کی طرح بیان کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ذوالکفل ایک نیک شخص تھے نبی نہیں تھے مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں ذوالکفل ایک شخص بڑا گناہ گار تھا ایک روز اس نے ایک عورت کو ساٹھ اشرفیاں بدکاری کرنے کے وعدہ پر دیں جب ذوالکفل نے اس عورت سے بدکاری کرنی چاہی تو وہ عورت رونے لگی۔ ذوالکفل نے اس عورت سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ ایسا برا کام کبھی عمر بھر میں نے نہیں کیا۔ اس پر ذوالکفل نے بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ کبھی عمر بھر گناہ نہ کرے گا اور اسی رات کو ذوالکفل کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو بنی اسرائیل کے لوگوں نے دیکھا کہ ذوالکفل کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کی مغفرت فرمادی

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کا ذکر انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے اس واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں کے ذوالکفل اور شخص ہیں اور یہ ذوالکفل قرآن شریف کے مضمون کے موافق نبی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کی ایک بہت بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں ہاجرہ کو مکہ کے میدان میں چھوڑ گئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ کو یہاں چھوڑتے وقت ایک مشک میں پانی جو رکھ گئے تھے جب وہ پانی ختم ہو چکا اور ہاجرہ اپنے دودھ پیتے بچہ کی پیاس سے بہت پریشاں ہوئیں تو آخر

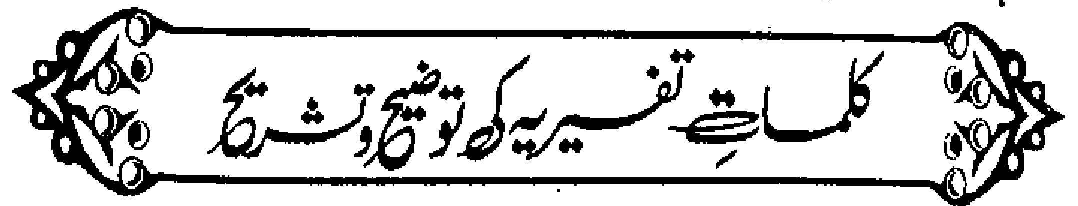
جبرئیل علیہ السلام نے زمزم کے مقام پر اپنا پر مارا جس سے زمزم کا چشمہ نکلا۔ اور اس پانی کے سبب سے قبیلہ جرہم کے لوگ اس مکہ کے میدان میں آباد ہوئے۔ اور جوان ہوجانے کے بعد اس قبیلہ میں ایک عورت سے اسماعیل علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جرہم قبیلہ کے لوگوں کی بولی بگڑی ہوئی عربی زبان میں تھی اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی بولی فصیح عربی میں کردی۔ یہ جرہم بن قحطان قبیلہ سام بن نوح کی نسل میں سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس قبیلہ جرہم کے اسماعیل علیہ السلام نبی تھے اور اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کے موافق عمرو بن لحی کے زمانہ تک یہ لوگ ملت ابراہیمی پر قائم تھے پہلے پہل عمرو بن لحی نے ملت ابراہیمی کو بگاڑا اور مکہ میں بت پرستی پھیلائی۔ عمرو بن لحی کا قصہ اوپر گزر چکا ہے اور صحیح روایتوں کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے۔ کہ اس عمرو بن لحی نے پہلے پہل مکہ سے ملت ابراہیم کو مٹایا ہے قریش یہ جو کہتے تھے۔ کہ یہ بت پرستی ہمارے بڑوں کا طریقہ ہے اسماعیل علیہ السلام کا نام لے کر قریش کو یوں قائل کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسماعیل کہتے ہیں۔ حالانکہ عمرو بن لحی سے پہلے اصل بنی اسماعیل کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو ملت ابراہیم پر تھے پھر جس طریقہ پر خود اسماعیل علیہ السلام اور کئی پشت تک کے بنی اسماعیل نہیں تھے۔ وہ طریقہ بنی اسماعیل کا کیونکر ہوسکتا ہے۔ هذا ذکر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن شریف میں پہلے انبیا اور پہلی امتوں کے قصے ہیں۔ ان سے لوگوں کو نصیحت کرنی چاہئے تاکہ نیکی اور بدی کا انجام لوگوں کی سمجھ میں آوے۔ اور خاص کر قریش کو اسماعیل علیہ السلام کے قصہ سے یہ نصیحت پکڑنی چاہئے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسماعیل کہتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت اسماعیل اور پہلے کے بنی اسماعیل کے طریقہ کو چھوڑ رکھا ہے۔

قُلْ یَامُحَمَّدُ لِکُفَّارِ مَکَّةَ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ مُخَوِّفٌ بِالنَّارِ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾
لِخَلْقِهٖ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَالِبُ عَلٰی اَمْرِهٖ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ لِاَوْلِیَائِهٖ قُلْ هُمْ هُوَ
نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَیِ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ اَنْبَأْتُکُمْ بِهٖ وَ جِئْتُکُمْ فِیْهِ بِمَا لَا یُعْلَمُ اِلَّا
بِوَحْیٍ وَ هُوَ قَوْلُهٗ مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓی اَیِ الْمَلَائِکَةِ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ فِیْ شَانِ اٰدَمَ حِیْنَ
قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً الخ اِنْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا اَیْ اِنِّیْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۰﴾ بَیِّنُ
الْاِنْذَارِ اُذْکُرْ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ هُوَ اٰدَمُ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ اَتْمَمْتُهٗ وَ
نَفَخْتُ اَجْرَیْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَصَارَ حَیًّا وَاِضَافَةُ الرُّوْحِ اِلَیْهِ تَشْرِیْفٌ لِاٰدَمَ وَالرُّوْحُ جِسْمٌ لَطِیْفٌ یَحْیٰی
بِهِ الْاِنْسَانُ بِنُفُوْذِهٖ فِیْهِ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ سُجُوْدَ تَحِیَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فِیْهِ تَاْکِیْدَانِ اِلَّآ اِبْلِیْسَ هُوَ اَبُو الْجِنِّ کَانَ بَیْنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

فِيْ عِدَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَيْ تَوَلَّيْتُ خَلْقَهٗ وَهٰذَا
تَشْرِيْفٌ لِاٰدَمَ فَاِنَّ كُلَّ مَخْلُوْقٍ تَوَلَّى اللّٰهُ خَلْقَهٗ اَسْتَكْبَرْتَ الْاٰنَ عَنِ السُّجُوْدِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَمْ كُنْتَ
مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ الْمُتَكَبِّرِيْنَ فَتَكَبَّرْتَ عَنِ السُّجُوْدِ لِكَوْنِكَ مِنْهُمْ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ
نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا اَيْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾
مَطْرُوْدٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ اَلْجَزَاءِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَيِ
النَّاسُ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ وَقْتَ النَّفْخَةِ الْاُوْلٰى قَالَ فَبِعِزَّتِكَ
لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ
اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ بِنَصْبِهِمَا وَرَفْعِ الْاَوَّلِ وَنَصْبِ الثَّانِيْ فَنَصْبُهٗ بِالْفِعْلِ بَعْدَهٗ وَنَصْبُ الْاَوَّلِ قِيْلَ بِالْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ
وَقِيْلَ عَلَى الْمَصْدَرِ اَيْ اُحِقُّ الْحَقَّ وَقِيْلَ عَلٰى نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ وَرَفْعُهٗ عَلٰى اَنَّهٗ مُبْتَدَاٌ مَحْذُوْفُ الْخَبَرِ
اَيْ فَالْحَقُّ مِنِّيْ وَقِيْلَ فَالْحَقُّ قَسَمِيْ وَجَوَابُ الْقَسَمِ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ بِذُرِّيَّتِكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ
مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ مِنْ اَجْرٍ جُعْلٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ
الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ الْمُتَقَوِّلِيْنَ الْقُرْاٰنَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ اِنْ هُوَ اَيْ مَا الْقُرْاٰنُ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾
لِلْاِنْسِ وَالْجِنِّ الْعُقَلَاءِ دُوْنَ الْمَلَائِكَةِ وَلَتَعْلَمُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبَاَهٗ خَبَرَ صِدْقِهٖ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ اَيْ يَوْمَ ع ۵ ۲۲ ۱۴
الْقِيٰمَةِ وَعَلِمَ بِمَعْنٰى عَرَفَ وَاللَّامُ قَبْلَهَا لَامُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ اَيْ وَاللّٰهِ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے محمد کفار مکہ سے میں تو صرف ڈرانے والا ہوں دوزخ کی آگ سے اور بجز اللہ واحد غالب کے کوئی لائق عبادت نہیں وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں زبردست اپنے حکم پر حاوی بڑا بخشنے والا ہے اپنے دوستوں کو آپ ان سے کہہ دیجئے یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے یعنی جس قرآن کی میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں اور اس میں ایسی باتیں لے کر آیا ہوں جو وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں وہ یہ کہ مجھ کو عالم بالا کے فرشتوں کی کچھ خبر بھی نہ تھی جب کہ وہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت آدم کے متعلق اللہ نے اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً فرمایا ہے میرے پاس وحی محض اس لیے آئی ہے میں صاف صاف لوگوں کو ڈرانے والا ہوں اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں اور وہ آدم ہیں سو جب میں اس

کو پورا مکمل بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں اور وہ جاندار ہو جائے اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف آدم کی تکریم کے لیے فرمائی ہے گر پڑنا ان کی تکریم کے لیے بطور آداب جھک جانا سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا اس میں دو تاکیدیں ہیں مگر ابلیس نے نہ کیا اور وہ جنات کا جد اعلیٰ ہے جنات کی نسل جس سے چلی فرشتوں میں رہا کرتا تھا کہ وہ غرور میں آ گیا اور علم الٰہی میں کافروں میں سے تھا حق تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو باز رکھا اس کو سجدہ کرنے سے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا یعنی میں نے اس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری لی اس میں بھی آدم کی تکریم مقصود ہے ورنہ تو تمام ہی چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں کیا تو غرور میں آ گیا۔ اب سجدہ کرنے سے استفہام توبیخ کے لیے ہے، یا بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ اس لیے تو سجدہ کرنے سے باز رہا کہ تو خود بڑا ہے کہنے لگا میں آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور اس کو خاک سے ارشاد ہوا کہ تو نکل جا یہاں جنت یا آسمانوں سے کیونکہ تو یقیناً مردود راندہ ہو گیا اور بلاشبہ قیامت تک تجھ پر میری لعنت رہے گی کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت لوگوں کے اٹھنے تک مہلت دیجئے ارشاد ہوا تجھے مقررہ وقت پہلے صور تک مہلت دی گئی کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کردوں گا بجز آپ کے منتخب بندوں کے ارشاد ہوا میں سچ کہتا ہوں اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں الحق دونوں جگہ منصوب ہے یا اول مرفوع اور دوسرا منصوب ہے دوسرے کا نصب بعد میں آنیوالے فعل اقول کی وجہ سے ہے اور پہلے کے نصب میں بعض کی رائے مابعد کے فعل ہی کی وجہ سے ہے اور بعض کے نزدیک مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی احق الحق اور بعض کے نزدیک حرف قسم محذوف ہونے کی بناء پر ہے لیکن پہلے کا رفع بر بناء مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے ای فالحق منی اور بعض نے تقدیری عبارت فالحق قسمی نکالی ہے اس صورت میں جواب قسم بعد میں آ رہا ہے میں تجھ سے بمع تیری ذریت کے اور جو ان لوگوں میں تیرا ساتھ دے سب دوزخ بھر دونگا آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس پیغام رسائی پر نہ کچھ معاوضہ اجرت چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو یہ قرآن تو دنیا جہاں والوں کے لیے عقل رکھنے والے انس و جن کے لیے نہ کہ فرشتوں کے لیے بس ایک نصیحت وعظ ہے اور اے مکہ والو! تمہیں اس کا حال سچائی کی خبر تھوڑے دنوں بعد معلوم ہو جائے گا قیامت میں علم عرف کے معنی ہے اور اس کے شروع میں لام قسم مقدر یعنی ہے۔ واللہ لتعلمن



قوله: اَلْمَلَائِكَةِ: یعنی فرشتوں کی گفتگو کے متعلق اس کی اطلاعات جو سابقہ کتب میں مذکور ہیں، مگر بغیر سماع و مطالعہ کے ان کا بیان کرنا یہ وحی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

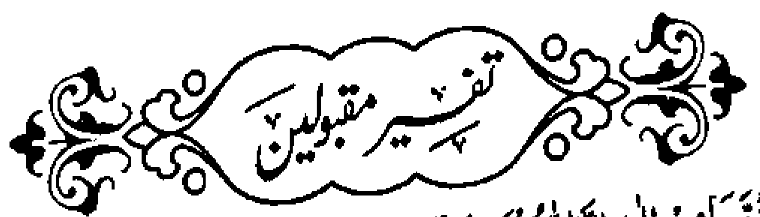
قوله: فَقَعُوْا: سجدہ ریز ہو جاؤ۔

قوله: بِيَدَيَّ: یعنی ماں باپ کے واسطہ کے بغیر۔

قوله: عَلٰى نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ: پس اس صورت اول الحق کا کلمہ وہ اسم باری تعالیٰ ہوگا۔



قوله: عَلِمَ: بمعنی معرفت و پہچان آتا ہے۔



قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے، وہ واحد قہار ہے، مالک ارض وسماء ہے، عزیز وغفار ہے:

ان آیات میں توحید اور رسالت کا اثبات فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔ آپ کو خطاب فرمایا کہ اپنے مخاطبین سے فرمادیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں زبردستی کسی سے ایمان قبول کرانے والا نہیں، پھر توحید کی دعوت دی کہ معبود صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات وصفات میں تنہا بھی ہے اور قہار بھی ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے تکوینی طور پر اس کی قضاء اور قدر کے مطابق سب کچھ وجود اور ظہور میں آتا ہے وہ آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا بھی، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے پروردگار عالم جل مجدہٗ کو چھوڑ کر تم جو کسی دوسرے کی عبادت کر رہے ہو یہ حماقت اور ضلالت ہے، پھر یہ بھی سمجھ لو کہ وہ عزیز بھی ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے تمہاری گرفت فرمانے اور عذاب دینے پر پوری پوری قدرت ہے، وہ غالب ہے اور سب مغلوب ہیں لیکن اگر تم کفر وشرک سے توبہ کرلو گے تو وہ بخشش دے گا کیونکہ وہ غفار یعنی بہت بڑا بخشنے والا بھی ہے۔

اس کے بعد آپ کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں یہ جو کچھ میں نے اپنی رسالت کی خبر دی ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ بہت بڑی خبر ہے تمہیں اس کی طرف متوجہ ہونا لازم تھا لیکن تم اس سے اعراض کر رہے ہو تم یہ تو دیکھو کہ میں جو ملاء اعلیٰ کی خبریں دیتا ہوں یہ خبریں میرے پاس کہاں سے آگئیں نہ میں نے پرانی کتابیں پڑھی ہیں نہ اہل کتاب سے میرا میل جول رہا ہے یہ باتیں جو میں بتاتا ہوں جن کی اہل کتاب تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے سامنے بھی میری بتائی خبروں کا صحیح طور پر ظہور ہوتا رہتا ہے یہ علم مجھے کہاں سے ملا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب مجھے وحی کے ذریعہ سے ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس سجدہ کرنے سے منکر ہوا ان باتوں کی جو میں نے خبر دی ہے مجھے ان کا کچھ علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے یوں فرمانا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں پھر ان کا اس پر سوال اٹھانا پھر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہو کر (سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا) کہنا (کما مرّ فی سورة البقرة وهذا داخل فی الاختصام لأن قوله تعالى اذ قال ربک للملئكة بدل من قوله تعالى اذ يختصمون كما ذكره صاحب الروح) یہ سب تفصیل مجھے صرف وحی سے معلوم ہوئی ہے اس سے پہلے ان چیزوں کو بالکل نہیں جانتا تھا تم اپنے ہوش کی دوا کرو اور بات کو سمجھو اور میری نبوت کے انکار سے باز آؤ میں دوبارہ واضح طور پر تمہیں بتاتا ہوں کہ میری طرف دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں یہی وحی آئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہی ہوں میری بات نہ مانو گے تو اپنا

برا کروگے میں تم سے زبردستی قبول نہیں کراسکتا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○

ابلیس کی حکم عدولی اور سرتابی، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے مستحق لعنت ہونا اور بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھانا:

ان آیات میں تخلیق آدم اور پھر فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم اور ان کے سجدہ کرنے کا واقعہ اور ابلیس کے انکار کا تذکرہ فرمایا ہے یہ مضمون سورۃ بقرہ رکوع ٤ اور سورۃ اعراف رکوع ۲ اور سورۃ حجر رکوع ۳ اور سورۃ الاسراء رکوع ٦ میں بھی گزر چکا ہے وہاں جو ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں طین یعنی کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کروں گا جب میں اسے پیدا کردوں اور پوری طرح بنا دوں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر جانا۔

اس میں لفظ بشر فرمایا ہے جس کا معنی ہے ایسی کھال والی چیز جو بالوں سے چھپی ہوئی نہ ہو، دوسرے حیوانات ہیں ان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن سے ان کا بدن ڈھکا ہوتا ہے لیکن انسان کے سر اور اس کی داڑھی کے علاوہ اور کسی جگہ پر عام طور سے بڑے بڑے بال نہیں ہوتے کپڑا نہ پہنے تو کھال نظر آتی ہے اور بعض جگہ جو بال نکل آتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں ان کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا البتہ داڑھی رکھنا واجب ہے پھر جب جنت میں جائیں گے تو وہاں مردوں کے بھی داڑھی نہ ہوگی وہاں بشر ہونے کا پورا پورا مظاہرہ ہو جائے گا یہاں کیچڑ سے پیدا فرمانے کا ذکر ہے اور سورۃ الانعام میں لفظ تراب وارد ہوا ہے اور سورۃ حجر میں (صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ) فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا اور سورۃ رحمٰن میں فرمایا (مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) کہ ہم نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھینکرے کی طرح بجنے والی تھی۔ ان آیات میں آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیے جانے کے تدریجی حالات بتائے ہیں مختلف جگہوں سے مٹی جمع کی گئی پھر اس میں پانی ڈال دیا تو کیچڑ بن گئی اور عرصہ تک اسی طرح پڑے رہنے کی وجہ سے سیاہ اور بدبودار ہو گئی پھر جب پتلا بنا دیا گیا تو وہ پڑے پڑے سوکھ گیا اور ایسا ہو گیا کہ اگر اس پر انگلی ماری جائے بجنے لگے جیسے مٹی سے بنائے ہوئے برتن انگلیاں مارنے سے بجتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس بشر کو پیدا کردوں اور پوری طرح اس کا مجسمہ بنا دوں پھر اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنا (اس کی تعظیم کے لیے سجدہ میں گر جانا) فرشتوں نے حکم کے مطابق اس بشر کو جن کا نام پہلے سے آدم تجویز کر دیا گیا تھا تعظیمی سجدہ کر لیا ابلیس بھی وہیں رہتا تھا اسے بھی حکم تھا کہ اس نئی مخلوق کو یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے، وہ سجدہ کرنے سے منکر ہو گیا، سورۃ الکہف میں فرمایا ہے: (كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ) (وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اور سورۃ البقرہ میں فرمایا (اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ) (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے یہ بات تھی کہ وہ کفر اختیار کرلے گا کافروں میں سے ہو جائے گا اور سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: (مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا (معلوم ہوا کہ وہ بھی عمومی حکم میں شامل تھا اسے خطاب فرما کر مستقل طور پر بھی حکم دیا تھا)

یہاں سورۂ ص میں فرمایا: (قَالَ یَآاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ) (کہ اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو اس چیز کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا) علماء نے فرمایا کہ ہاتھوں سے پیدا کرنا جو فرمایا اس سے معنی مجازی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور اعضاء سے پاک ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بنایا اور یہ اہل تاویل کا قول ہے اور سلف کا فرمانا یہ ہے کہ ہم تاویل نہیں کرتے اور یدین (دونوں ہاتھ) کا جو مطلب ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوض کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو یدین کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اس طرح یہ جو فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں اس کے بارے میں بعض حضرات نے تاویل کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں اس میں جان ڈال دوں گا تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم تاویل نہیں کرتے اس پر ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسے مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ابلیس سے فرمایا: اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۞ (کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے) یعنی کیا تو غرور میں آگیا اور واقع میں بڑا نہیں ہے یا کہ تو واقع میں ایسے بڑے درجہ والوں میں سے ہے جس کو سجدہ کا حکم کرنا زیبا نہیں۔

ابلیس نے کہا یہ شق ثانی ہی واقع ہے یعنی اس کو سجدہ کرنا میری شان کے لائق نہیں ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ) مجھے آپ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اسے کیچڑ سے پیدا فرمایا ہے۔ (لہٰذا میں اس سے بہتر ہوا اور مجھے یہ حکم دینا کہ اسے سجدہ کروں میری شان کے خلاف ہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشک تو مردود ہو گیا اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے اور جس پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی وہ اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کما قال اللّٰہ تعالیٰ شانہٗ (فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ) ابلیس کو تکبر کھا گیا۔ ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور معافی مانگنے کے لیے نہ ہوا بلکہ اس نے لمبی عمر ہونے کی درخواست کر دی اور یوں کہا کہ اے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے (یعنی قبروں سے نکلیں گے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے نفخہ ثانیہ کا وقت مراد ہے مطلب ابلیس ملعون کا یہ تھا کہ مجھے لمبی زندگی دے دی جائے اور اتنی لمبی ہو کہ قیامت پر ہی ختم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے ایک وقت تک مہلت دی گئی اب تو اس نے اپنے نفس میں جو بات چھپا رکھی تھی وہ ظاہر کر دی اور کہنے لگا کہ:

اے رب آپ کی عزت کی قسم میں ان لوگوں کو (جو اس نئی مخلوق کی نسل میں ہوں گے) سب کو بہکاؤں گا کفر پر اور آپ کی نافرمانیوں پر ڈالوں گا اور برے کاموں کو اچھا بتاؤں گا مگر جن لوگوں کو آپ نے اپنی اطاعت کے لیے چن لیا اور میرے بہکانے سے بچا دیا ان پر میرا بس نہ چلے گا۔

ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لیے اس نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی رب العٰلمین جل مجدہٗ کے حکم سے سرتابی کی ملعون ہونے کا کام خود کیا اللہ تعالیٰ سے

مقابلہ کیا اس کے حکم کو غلط بتایا اور ٹھان لی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے ابلیس کو لمبی زندگی بھی دیدی اور بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرنے کا موقع بھی دے دیا اور انسانوں کو بتادیا کہ یہ اور اس کی ذریت تمہارے دشمن ہیں تم ان سے چوکنے رہنا، ان کے بہکاوے میں نہ آنا اور خیر اور شر کے دونوں راستے بتادیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے پھر ان کے خلفاء کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جو شخص شیاطین کی باتوں میں آئے گا راہ حق چھوڑے گا وہ اپنی بربادی کا خود ذمہ دار بنے گا۔

ابلیس اور اس کے متبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا

جب ابلیس نے کہا میں بنی آدم کو ورغلاؤں گا اور بہکاؤں گا اور راہ حق سے ہٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میں سچ ہی کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں (تو اپنی اور اپنے پیچھے چلنے والوں کی سزا ابھی سے سن لے) میں تجھ سے اور جو لوگ ان میں تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بھی فرمادی اور جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو زمین پر بھیجا جانے لگا اس وقت ان کو خطاب کر کے صاف صاف بتادیا (فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ) (سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا ان لوگوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: ابلیس نے جو مہلت مانگی تھی اس میں یوں کہا تھا کہ مجھے اس دن تک مہلت دی جائے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تجھے وقت معلوم تک مہلت ہے، یہ وقت معلوم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جب تک ابلیس کی موت کا وقت مقرر نہ آجائے وہ زندہ رہے گا اور کفر پر مرے گا اور دوزخ میں جائے گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۸۶﴾

دعوت حق پر کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں:

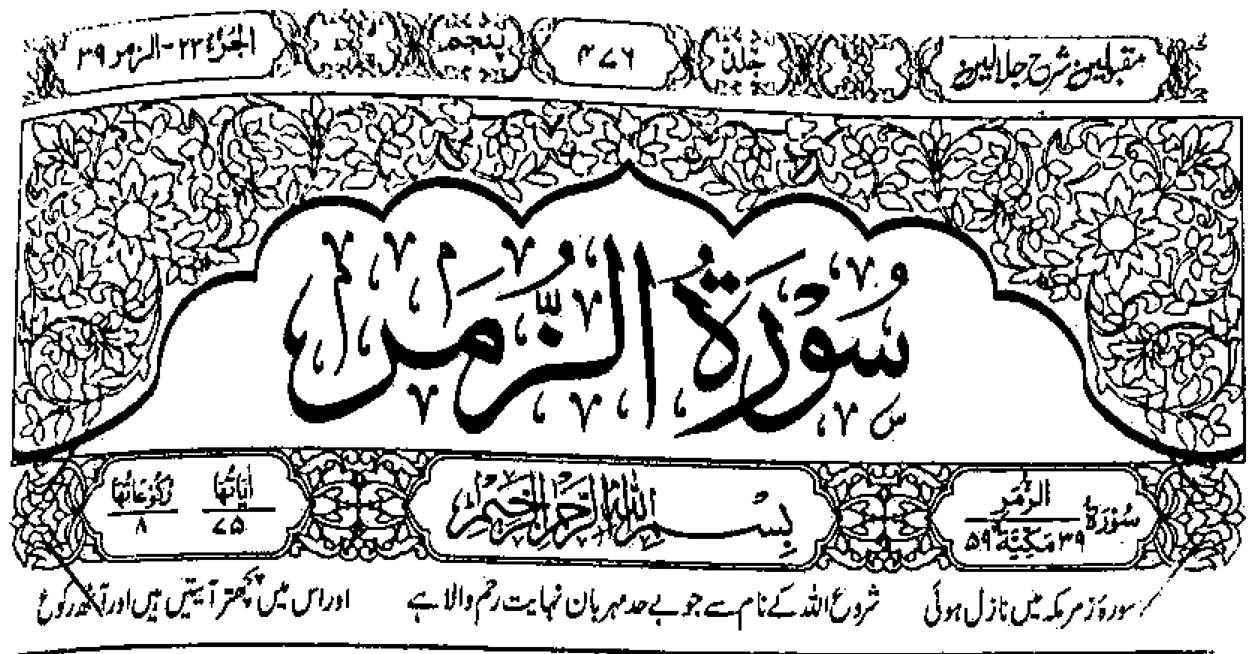
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے تو لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا آپ کی تکذیب کرتے تھے معجزات دیکھ کر بھی حق قبول نہیں کرتے تھے، انہیں ایک اور فکر کی دعوت دی ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجیے کہ میں تم سے قرآن کی باتیں سنانے پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا یہ بات تم پر واضح ہے اب تمہیں خود غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کو ہم سے کوئی دنیاوی غرض نہیں کسی طرح کے مال و متاع کا طالب نہیں یہ بار بار ہمیں تبلیغ کیوں کرتا ہے ظاہر ہے کہ جب اسے کوئی مطلب نہیں ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دعوت و تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے اور آپ ان سے یہ بھی فرمادیں کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں نے بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہو اور غیر قرآن کو قرآن کہہ دیا ہو یہ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قرآن تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے تم اسے نہ مانو

ے تو اپنا برا کرو گے اور عنقریب موت کے بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ حق تھا اور اس کا انکار کرنا باطل کام تھا لیکن اس وقت معلوم ہونا فائدہ نہ دے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ (بَعْدَ حِيْنٍ ﴿﴾) سے یوم بدر مراد ہے یعنی اس دنیا میں تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ قرآن حق ہے اور اس کا انکار کرنے والے باطل ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ آپ ان سے فرما دیں کہ میں تم سے اپنی محنت اور دعوت پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اس میں تمام مبلغین اور داعی حضرات کو یہ بتا دیا کہ دعوت الی الخیر کا کام محض اللہ کی رضا کے لیے کریں مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ ہوں اور امیدوار بھی نہ ہوں اور (وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿﴾) میں یہ بتا دیا کہ اہل ایمان اور خاص کر اہل علم تکلف کو اختیار نہ کریں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جسے کوئی چیز معلوم ہو وہ بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ کہہ دے کہ اللہ کو معلوم (بغیر علم کے کوئی چیز نہ بتائے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے علم ہے کیونکہ اس میں تصنع اور تکلف ہے جو جھوٹ کی ایک قسم ہے) جو چیز نہ جانے اس کے نہ جاننے کا اقرار کر لینا اور یہ کہہ دینا کہ اللہ کو معلوم ہے یہ بھی علم کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری، ۷۱ جلد دوم)

بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہوتا مگر اپنے نام کے ساتھ مفتی یا مولانا کا لفظ لگا لیتے ہیں یا ممتاز عالم دین کا لقب اختیار کر کے اخبارات میں اپنے نام اچھالتے رہتے ہیں پھر جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے یا کوئی حدیث دریافت کی جاتی ہے تو یوں کہنا کہ مجھے معلوم نہیں اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ بتا دیتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آیت بالا میں تنبیہ ہے، بہت سی باتیں جو حق اور حقیقت سے دور ہوتی ہیں جو تصنع جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں مؤمن آدمی کو ان سب سے بچنا لازم ہے۔ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری ایک سوتن یعنی شوہر کی دوسری بیوی ہے کیا مجھے اس بات پر گناہ ہوگا کہ میں جھوٹ موٹ اس پر یہ ظاہر کروں کہ مجھے شوہر نے یہ دیا اور وہ دیا اور حقیقت میں نہیں دیا (تاکہ اسے جلن ہو) آپ نے فرمایا جسے کوئی چیز نہیں دی گئی اگر وہ جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرے کہ مجھے دے دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ کے کپڑے پہن لے۔



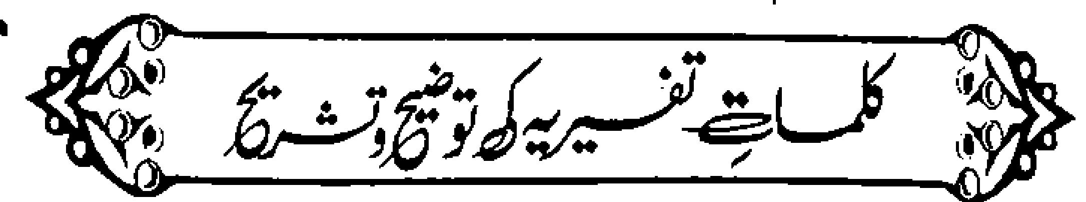
سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی   شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے   اور اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدأٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فِیْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمِ ① فِیْ صُنْعِهٖ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
يَامُحَمَّدُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② مِنَ الشِّرْكِ اَیْ مُوَحِّدًا لَهٗ اَلَا
لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ لَا يَسْتَحِقُّهٗ غَيْرُهٗ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ الْاَصْنَامِ اَوْلِيَآءَ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ
قَالُوْا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى قُرْبٰى مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَقْرِيْبًا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
الْمُسْلِمِيْنَ فِیْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَيُدْخِلُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِيْنَ النَّارَ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ فِیْ نِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَيْهِ كَفَّارٌ ③ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا كَمَا
قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ لَاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاتَّخَذَهٗ وَلَدًا غَيْرَ مَنْ قَالُوْا مِنَ الْمَلَائِكَةِ بَنَاتُ اللّٰهِ وَ
عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ اِتِّخَاذِ الْوَلَدِ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ لِخَلْقِهٖ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ يُكَوِّرُ يُدْخِلُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ فَيَزِيْدُ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ
يُدْخِلُهٗ عَلَى الَّيْلِ فَيَزِيْدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْ فِیْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَلَا
هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ الْمُنْتَقِمُ مِنْ اَعْدَائِهٖ الْغَفَّارُ ⑤ لِاَوْلِيَائِهٖ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اَیْ اٰدَمَ
ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَّاءَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الضَّأْنِ وَالْمَعْزِ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ مِنْ كُلٍّ زَوْجَانِ ذَكَرٌ وَاُنْثٰى كَمَا بُيِّنَ فِیْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ يَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا
مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ اَیْ نُطَفًا ثُمَّ عَلَقًا ثُمَّ مُضَغًا فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ هِیَ ظُلْمَةُ الْبَطْنِ وَظُلْمَةُ الرَّحِمِ وَظُلْمَةُ

الْمَشِيْئَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝٦ عَنْ عِبَادَتِهٖ اِلٰى عِبَادَةِ غَيْرِهٖ
اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ اَرَادَهٗ مِنْ بَعْضِهِمْ وَاِنْ تَشْكُرُوا اللّٰهَ
فَتُؤْمِنُوْا يَرْضَهُ بِسُكُوْنِ الْهَاءِ وَضَمِّهَا مَعَ اِشْبَاعٍ وَدُوْنَهٗ اَيِ الشُّكْرَ لَكُمْ ۖ وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ وِّزْرَ
نَفْسٍ اُخْرٰى ۖ اَيْ لَا تَحْمِلُهٗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اَيِ الْكَافِرَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ تَضَرَّعَ مُنِيْبًا
رَاجِعًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً اَعْطَاهُ اِنْعَامًا مِّنْهُ نَسِيَ تَرَكَ مَا كَانَ يَدْعُوْا يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ
وَهُوَ اللّٰهُ فَمَا فِيْ مَوْضِعِ مَنْ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِّيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ دِيْنِ
الْاِسْلَامِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ بَقِيَّةَ اَجَلِكَ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝٨ اَمَّنْ بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ هُوَ
قَانِتٌ قَائِمٌ بِوَظَائِفِ الطَّاعَاتِ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاعَاتِهٖ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا فِي الصَّلٰوةِ يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ اَيْ
يَخَافُ عَذَابَهَا وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ جَنَّةَ رَبِّهٖ ۖ كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكُفْرِ اَوْ غَيْرِهٖ وَفِيْ قِرَائَةٍ اَمْ مَنْ فَاَمْ بِمَعْنٰى
بَلْ وَالْهَمْزَةُ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۖ اَيْ لَا يَسْتَوِيَانِ كَمَا لَا يَسْتَوِيْ
الْعَالِمُ وَالْجَاهِلُ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٩ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ ع ٩ ١٥

ترجمہ: یہ نازل شدہ کتاب ہے یعنی قرآن کریم ترکیب میں مبتدا واقع ہے اللہ کی طرف سے یہ خبر ہے جو غالب ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے اپنی کارکردگی میں ہم نے اے محمد ﷺ آپ کی طرف نازل کیا ہے بالکل صحیح طریقہ پر ازلنا کے متعلق ہے تو آپ کی عبادت کرتے رہئے خالص اعتقاد کے ساتھ شرک سے پاک یعنی توحید بجالاتے ہوئے یاد رکھو خالص عبادت اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے اس کے سوا اس کا کوئی مستحق نہیں اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء بت تجویز کر رکھے ہیں یعنی کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنادیں زلفی بمعنی قربیٰ مصدر ہے یعنی تقرب تو اللہ فیصلہ کردے گا ان کے اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا یعنی دین کے متعلق لہٰذا مؤمن کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں داخل کرے گا یقیناً اللہ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنے میں اور کافر ہو غیر اللہ کی عبادت کرنے میں اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا جیسا کہ ان کا کہنا ہے کہ "رحمٰن" نے بیٹا بنالیا ہے تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرما سکتا تھا ان کے علاوہ کو جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیرؑ اور عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں وہ پاک ہے اولاد تجویز کرنے سے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے اپنی مخلوق پر اس نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے۔ بالحق، خلق

کے متعلق ہے وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے داخل کرتا ہے۔ لہٰذا دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے داخل کرتا ہے اس لیے رات بڑھ جاتی ہے اور سورج اور چاند کو بیگار میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک اپنے مدار میں ایک مقررہ وقت قیامت تک چلتا رہے گا یاد رکھو کہ زبردست ہے اپنے حکم کو چلا سکتا ہے اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے بڑا بخشنے والا ہے اپنے ماننے والوں کو اس نے تم لوگوں کو ایک تن آدم سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا حوا بنایا اور تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے اونٹ، بیل، بھیڑ، بکری، آٹھ نر و مادہ یعنی ہر قسم میں نر و مادہ کے جوڑے پیدا کیے جیسے سورہ انعام میں گذر چکا ہے وہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت یعنی نطفہ، خون بستہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تین تین اندھیریوں پیٹ کی تاریکی، رحم کی تاریکی جھلی کی تاریکی، یہ ہے اللہ تمہارا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے اسکے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں سو تم کہاں پھرتے چلے جا رہے ہو اس کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کر رہے ہو اگر تم کفر کروگے تو اللہ تمہارا احتیاج نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اگرچہ بعض بندوں کے لیے وہ کفر کا ارادہ کرتا ہے اور اگر تم شکر کروگے اللہ کا یعنی تم ایمان لے آئے تو اس کو پسند کرتا ہے یرضہ، ھا کے سکون کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی کھینچ کر بھی اور بغیر کھینچے بھی، یعنی شکر سے راضی ہے تمہارے لیے اور کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھاتا برداشت کرتا پھر اپنے پروردگار کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا بلاشبہ وہ سینہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے اور آدمی کافر کو جب کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو گڑگڑا کر اپنے رب کو رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے انعام سے نواز دیتا ہے تو جس کو پہلے سے پکار رہا تھا گڑگڑا رہا تھا اس کو بھول کر بیٹھتا ہے یعنی اللہ کو ما من کی جگہ میں ہے اور اللہ کا ساجھی شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے لگتا ہے دوسروں کو یضل یا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اللہ کی راہ مذہب اسلام سے آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں مرنے تک اور لوٹ لے یقیناً تو دوزخیوں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص امن تخفیف کے ساتھ ہے عبادت کر رہا ہوں بندگی کر رہا ہو رات کی گھڑیوں لمحوں میں سجدہ اور قیام کر کے نماز پڑھتے ہوئے آخرت سے ڈرتا ہو اس کے عذاب کا خوف رکھتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت جنت کی امید رکھتا ہو کیا وہ اس نافرمان کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر وغیرہ کرے ایک قراءت میں ام من ہے پس ام بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے آپ کہئے کہ کیا علم والے بے علم برابر ہو سکتے ہیں یعنی نہیں جیسا کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو عقلمند سمجھ رکھنے والے ہیں۔



قوله: مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا: یعنی جار مجرور ظرف لغو ہے نہ کہ مستقر۔ اور الکتاب مفعول سے متعلق ہے۔

قوله: وَالَّذِيْنَ: یہ مبتداء اور قَالُوْا یہ خبر ہے۔

قوله: لَا يَهْدِيْ: بمعنی اسے حق کی توفیق نہیں ملتی۔

قوله: مِمَّا يَخْلُقُ: تو یہ اول کی خاطر دوسرے کے لزوم کے لیے آتا ہے مگر اس سے لازم کا انتفاء ہوتا ہے تا کہ اس سے ملزوم

کے انتفاء کی دلیل بنائیں۔

قولہ: مَا یَشَاءُ: اس کی ذات کے علاوہ ہر موجود مخلوق ہے۔

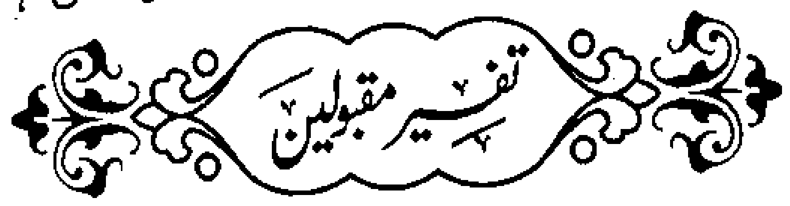
قولہ: مَعَ اَشْبَاعٍ: کیونکہ یہ الف کو حذف کرنے کی وجہ سے متحرک کے ساتھ موصولہ بن گیا۔

قولہ: اِنْعَامًا: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام ملا۔

قولہ: بِفَتْحِ الْیَاءِ: ضلال و اضلال کو نتیجہ ہونے کی وجہ سے تعلیل بنانا درست ہے، اگرچہ دونوں غرضیں نہیں۔

قولہ: قُلْ تَمَتَّعْ: یہ امر اَمَّنْ ہے۔ یہ ام متصلہ ہے کیونکہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام ضروری ہے۔

قولہ: لَا یَسْتَوِیَانِ: اس کا تعلق اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ سے ہے اور ضمیر کا مرجع قَانِتٌ و عاصی ہے۔



سورۃ الزمر:

ائمہ مفسرین کا اس سورت کے مکی ہونے اتفاق ہے اس سورت کا دوسرا نام بعض مفسرین نے سورۃ الغرف بھی بیان کیا ہے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں بروایت نحاس عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ زمر مکہ نازل ہوئی بجزان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات (آیت) " قل یعبادی الذی اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ" کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشیؓ کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث ذکر آنحضرت ﷺ ہر رات اہتمام کے ساتھ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے (فتح البیان فتح القدیر تفسیر ابن کثیر) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۃ زمر کی تلاوت نہ کرلیں گذشتہ سورۃ ص کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جن میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کاردان کے احمقانہ تمسخر کا جواب تھا اب اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں توحید خداوندی ثابت کرکے مصدقین کی مدح اور انکی جزا اور ان پر انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے اور مکذبین و منکرین پر وعیدہ و تنبیہ ہے اور ابطال شرک کے لیے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرمائے گئے سابقہ سورت کا خاتمہ۔ " ولتعلمن نبأہ بعد حین"۔ وحی الٰہی کی حقانیت و صداقت پر تھا تو اس سورت کی ابتدا اسی مناسبت و ربط کے قرآن کریم کی حقانیت سے کی گئی کہ یہ کتاب الٰہی اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق و صداقت کے ساتھ اتاری گئی جس کا پیغام توحید خداوندی ہے اس طرح ہر دو سورتوں کے مضمون میں ربط کے ساتھ سابقہ کا خاتمہ اس سورت کی ابتداء سے ہی مربوط ہوگیا۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

باطل عقائد کی تردید:

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا اتارا ہوا ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء: ۱۹۲) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر اترا ہے تا کہ تو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جس کے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا یہ حکمتوں والی تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب، بہت بڑے عزت والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے جو اپنے اقوال افعال شریعت تقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہیے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا، کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں، وہ لاشریک ہے، وہ بے مثال ہے، اس کا شریک کوئی نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔ پھر مشرکوں کا ناپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے یہ سمجھ کر یہ اللہ کے لاڈلے ہیں، ہمیں جلدی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے اللہ ہم تیرے پاس حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک جن کے اپنے آپ کا مالک بھی تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے۔ یہی شبہ اگلے پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (النحل: ۳۶) یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا: (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ معبود برحق صرف میں ہی ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں سب کے سب اس کے سامنے لاچار عاجز اور غلاموں کی مانند ہیں اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہلا سکیں۔ یہ عقیدہ محض غلط ہے کہ وہ اللہ کے پاس ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے پاس امیر امراء ہوتے ہیں کہ جس کی وہ سفارش کر دیں اس کا کام بن جاتا ہے اس باطل اور غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ اسے بہت بلند وبالا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے، یہ نہیں بلکہ ہمارا ولی تو تو ہی ہے یہ

لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ وایمان انہی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصود اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں، اس کی نشانیوں اور اس کی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کی جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے عزیز اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے اگر یہی ہوتا تو اس امر کے خلاف ہوتا، پس یہاں شرط نہ تو واقع ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنے کا ہے۔ جیسے فرمایا: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء:۱۷) گر ہم ان بیہودہ باتوں کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہی ہوئے اور آیت میں ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:۸۱) یعنی کہہ دے کہ اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا۔ پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہیں۔ امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہوسکتا ہے نہ وہ ہوسکتا ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے پاک ہے وہ فرد احد، صمد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحت فرمانبردار عاجز محتاج فقیر بے کس اور بے بس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے سب سے بے پرواہ ہے سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے، ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا ومنزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ ---

تخلیق کائنات اور عقیدۂ توحید:

ہر چیز کا خالق، سب کا مالک، سب پر حکمران اور سب کا قابض اللہ ہی ہے۔ دن رات کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ ہے اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلے آرہے ہیں۔ نہ وہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں قیامت تک اس انتظام میں تم کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت وعظمت والا کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشنہار، عاصیوں پر مہربان وہی ہے۔ تم سب کو اس نے ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ صورت آواز بول چال زبان وبیان ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدم سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر بہت سے مرد وعورت پھیلا دیئے اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے جن کا بیان سورۃ مائدہ کی آیت: (مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (الانعام:۱۴۳) میں ہے۔ یعنی بھیڑ، بکری، اونٹ گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں پہلے نطفہ، پھر خون بستہ، پھر لوتھڑا، پھر گوشت پوست، ہڈی، رگ، پٹھے، پھر روح، غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے، تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے رحم کی اندھیری اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا یہ جس نے آسمان وزمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو

پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے اسی کا مالک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے وہی لائق عبادت ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانیں تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۔۔۔۔

فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن میں منقول ہے کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرو تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ اور پوری تعریفوں والا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو تمہارے سب اول و آخر انسان و جن مل ملا کر بدترین شخص کا سا دل بنا لو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کی شکرگزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضامند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو ایک کے بدلے دوسرا پکڑا نہ جائے گا اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ انسان کو دیکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: (وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا الاسراء:٦٧) یعنی جب دریا اور سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے سب کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں انسان ہے ہی ناشکرا۔ پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد ٹل گیا پھر تو ایسا ہو جاتا ہے گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا اس دعا اور گریہ وزاری کو بالکل فراموش کر جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ) (الزمر:٨) یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہر وقت بڑی حضور قلبی سے پکارتا رہتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے کچھ یونہی سا فائدہ اٹھا لیں۔ اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے جیسے فرمایا کہہ دیجیے کہ فائدہ حاصل کر لو آخری جگہ تو تمہاری جہنم ہی ہے اور فرمان ہے ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے پھر سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ ۔۔۔۔

صالحین کی صفات:

اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس طرح رات گزارتا ہو کہ اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے کبھی سجدہ میں کبھی کھڑا ہوا ہے جو آخرت کے مواخذہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو کافر ہو گناہوں میں لگا ہوا ہو۔ (یہ بطور استفہام انکاری ہے) مطلب یہ ہے کہ عبادت گزار شخص جو راتوں رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے یہ شخص اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان کافر بندہ برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ مؤمن صالح اور مسلم فاسق بھی برابر نہیں ہو سکتے جیسا کہ سورۃ ص میں فرمایا: (اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ) پھر فرمایا: (قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ) (آپ فرمادیجیے کیا جاننے والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟) یعنی برابر نہیں ہو سکتے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہل علم ہیں جن کے علم نے انہیں ایمان کی روشنی دکھائی ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول کیا اور عبادت میں لگے اور جو لوگ جاہل ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں جانتے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے نہ جہل علم کے برابر ہے نہ جاہل عالم کے برابر ہے اور نہ دونوں کا رتبہ برابر ہے جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اہل علم اصحاب ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (جو لوگ عقل والے ہیں وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جن لوگوں کو عقل نہیں یا عقل بے جا استعمال کرتے ہیں وہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے قرآن سنتے ہیں قرآن کی دعوت اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے، بے شمار آدمی ایسے ہیں جو دنیاوی کاموں میں بہت آگے آگے ہیں نئی نئی مصنوعات ایجاد کرتے ہیں انسان کی ترقی کے لیے بہت کچھ سوچتے ہیں طرح طرح کی مشینری مارکیٹ میں لاتے ہیں سائنس اور جغرافیہ کی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن کافر مشرک ہیں اپنے خالق کو نہیں پہچانتے بہت سے لوگ تو خالق تعالیٰ شانہٗ کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اس کے لیے اولاد بھی تجویز کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں یہ عقلمندی بے کار ہے ایسے لوگوں کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ایسی عقل کا کیا فائدہ جو دوزخ میں لے جائے۔

نماز تہجد کی فضیلت:

آیت کریمہ سے نماز تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات کے درمیانی حصے میں پڑھی جائے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اشراف (یعنی شرافت والے) وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن ہیں راتوں کو نمازیں پڑھنے والے ہیں حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں (گناہوں سے وہ لغزش مراد ہیں جن کی خطاء اجتہادی طور پر صادر ہو) آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (رواہ البخاری) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت گزار ہونا چاہیے نہ کہ تھوڑی عبادت پر اکتفا کیا جائے (يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ) سے معلوم ہوا کہ خوف اور امید ساتھ ساتھ ہونا چاہیے یہ مؤمن کی صفات ہیں سورۃ الانبیاء میں چند حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: (اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا) (یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے) اور سورۃ الم سجدہ میں فرمایا: (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) (ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں

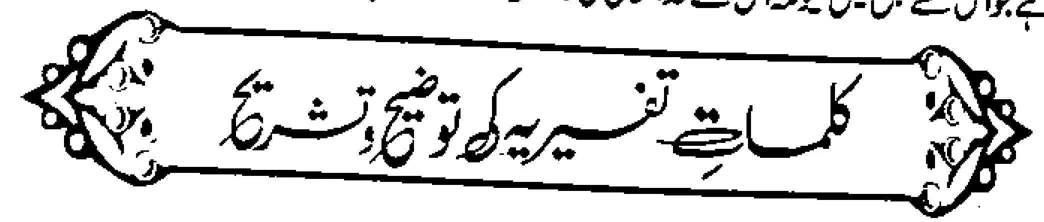
سے خرچ کرتے ہیں) ان دونوں آیتوں سے بھی معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی لگے، اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے، امید بھی رکھے، ڈرتا بھی رہے۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور عباد صالحین کا طریقہ ہے عمل نہ کرنا اور خالی امید رکھنا یہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے، یہ ان کی موت کا وقت تھا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو، عرض کیا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں پر مواخذہ ہونے سے ڈرتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا اس جیسے موقعہ میں (یعنی موت کے وقت) جس کسی بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں گی اللہ اس کی امید کے مطابق ضرور اسے (انعام) عطا فرمائے گا اور وہ جس چیز سے ڈر رہا ہے اس سے امن وامان میں رکھے گا۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ اَیْ عَذَابَهٗ بِاَنْ تُطِیْعُوْهُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا الطَّاعَةِ حَسَنَةٌ ۭ هِیَ الْجَنَّةُ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ فَهَاجِرُوْا اِلَیْهَا مِنْ بَیْنِ الْكُفَّارِ وَمُشَاهَدَةِ الْمُنْكَرَاتِ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ عَلَی الطَّاعَاتِ وَمَا یُبْتَلَوْنَ بِهٖ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ بِغَیْرِ مِكْیَالٍ وَلَا مِیْزَانٍ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ مِنَ الشِّرْكِ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَیْ بِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝۱۴ مِنَ الشِّرْكِ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ غَیْرِهٖ فِیْهِ تَهْدِیْدٌ لَّهُمْ وَاِیْذَانٌ بِاَنَّهُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِتَخْلِیْدِ الْاَنْفُسِ فِی النَّارِ وَبِعَدَمِ وُصُوْلِهِمْ اِلَی الْحُوْرِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِی الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۵ اَلْبَیِّنُ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ طِبَاقٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ مِنَ النَّارِ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَتَّقُوْهُ یَدُلُّ عَلَیْهِ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ الْاَوْثَانَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اَقْبَلُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ بِالْجَنَّةِ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝۱۷ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ وَهُوَ مَا فِیْهِ صَلَاحُهُمْ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۸ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَیْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰیَةَ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ تُخْرِجُ مَنْ فِي النَّارِ ۝۱۹ جَوَابُ الشَّرْطِ وَاُقِیْمَ فِیْهِ الظَّاهِرُ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ

وَالْمَعْنَى لَا تَقْدِرُ عَلَى هِدَايَتِهِ فَتُنْقِذُهُ مِنَ النَّارِ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِاَنْ اَطَاعُوْهُ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اَيْ مِنْ تَحْتِ الْغُرَفِ الْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَعْدَ
اللّٰهِ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝ وَعْدَهٗ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ اَدْخَلَهٗ اَمْكِنَةً نَبْعٍ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ يَيْبَسُ فَتَرٰىهُ
بَعْدَ الْخُضْرَةِ مَثَلًا مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا فُتَاتًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى تَذْكِيْرًا لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ع ۲ / ۱۲
يَتَذَكَّرُوْنَ بِهٖ لِدَلَالَتِهٖ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقُدْرَتِهٖ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان لانے والے بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اس کے عذاب سے ڈر کر فرمانبرداری کرو جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں فرمانبرداری کر کے ان کے لیے بہتری صلہ جنت ہے اور اللہ کی سرزمین فراخ ہے لہٰذا کفار اور برائیوں سے نکل کر وہاں چلے جاؤ جو لوگ نیکیوں اور اس کی آزمائشوں میں مستقل مزاج رہتے ہیں ان کا صلہ بے شمار ہی ہوگا بغیر ناپ تول کے آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کے لیے شرک سے پاک صاف عبادت کروں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اس امت کے مسلمانوں میں سب سے اول ہوں آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ ہی کی عبادت شرک سے پاک صاف کرتا ہوں سو تم خدا کو چھوڑ کر جس چیز کی چاہے عبادت کرو اس میں کافروں کو دھمکی ہے اور اس پر تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو آپ کہہ دیجئے کہ سخت ٹوٹے میں وہی لوگ ہیں جو اپنی جان اور متعلقین کے بارے میں قیامت کے روز ٹوٹے میں پڑیں گے۔ ہمیشہ دوزخ میں پڑ کر اور ان حوروں سے محروم رہ کر جو ایمان لانے کی صورت میں ان کو جنت میں نصیب ہوتیں یاد رکھو کہ یہ کھلا ہوا ٹوٹا ہے ان کے لیے اوپر سے بھی آگ کے گھیرنے والے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے مسلمانوں کو تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں اگلا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف جھکتے ہیں رخ کرتے ہیں وہ جنت کی خوشخبری سنانے کے مستحق ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر جن میں ان کی فلاح ہے عمل کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو ہوش مند عقلمند ہیں بھلا جس شخص پر عذاب کی بات یعنی لاملئن جھنم الخ ثابت ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں یہ جواب شرط ہے یہاں اسم ضمیر کی جگہ ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی تم ان کی ہدایت پر اس طرح قادر نہیں ہو کہ انھیں عذاب سے بچا سکو لیکن جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں ان کے لیے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور منزلیں ہیں جو بنے ہوئے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں یعنی بالائی اور زیریں منزلوں کے نیچے یہ اللہ کا وعدہ ہے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے وہ وعدہ خلاف نہیں ہے

میعاد، وعدہ کے معنی میں ہے کیا تو نے اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسائی پھر اس کو سوتوں میں داخل کرتا ہے زمین کے اندر ذخیروں میں زمین کے پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو کر سوکھ جاتی ہے کہ تو اس کو زرد دیکھتا ہے سرسبزی کے بعد مثلاً پھر اس کو چورا چورا ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اس میں دانشمندوں کیلئے بڑی عبرت نصیحت ہے جو اس سے سبق لیں کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت وقدرت کا پتہ چلتا ہے۔



قوله: بِاَنْ: لام زائدہ ہے۔ اور ان سے پہلے با مقدر سے مجرور ہے۔

قوله: مَافِیْهِ یهدیه: اس میں امر تہدیدی ہے۔

قوله: اَطْبَاقٌ: جمع طبق۔

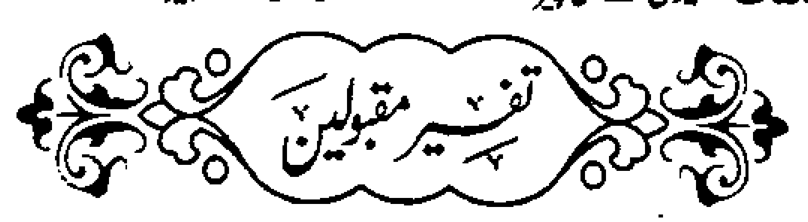
قوله: تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ: تو یہ سایہ دوسروں کے لیے ہوگا۔

قوله: ذٰلِكَ: اس کا اشارہ عذاب کی طرف ہے۔

قوله: اَلطَّاغُوْتَ: یہ رحموت کی طرح مصدر میں مبالغہ کے لیے بنایا گیا، پھر صفت میں مبالغہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔

قوله: مَنْ فِی النَّارِ: میں ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے۔ مَنْ یہ تاکید کیلئے ثابت ہے اور ہمزہ جزاء پر یہ بھی تاکید کیلئے ہے۔

قوله: فَتَاتًا: پیسا۔ فتات: انگلیوں سے کسی چیز کو توڑنا۔ فتات: توڑی، ریزہ شدہ چیز۔



قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔۔

اللہ سے ڈرنے اور خالص اس کی عبادت کرنے کا حکم:

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو متعدد باتوں کا اعلان کرنے کا حکم دیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آپ میرے مؤمن بندوں سے فرما دیجیے کہ تم اپنے رب سے ڈرو، یہ ڈرنا اعمال صالحہ پر ابھارنے اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جب کوئی شخص اعمال صالحہ ادا کرتا ہے تو اس کی نیکیاں جمع ہوتی رہتی ہیں، ان نیکیوں پر صبر کرنا اور جمے رہنا مبارک ہے صبر کرنے والوں کا پورا پورا اجر وثواب اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دے گا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (اللہ کی زمین فراخ ہے۔)

اس میں یہ بیان فرمایا کہ جو کوئی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں کافر رہتے اور بستے ہیں اور ان کے نرغہ میں رہنے کی وجہ سے دین

پر نہیں جم سکتا اور اعمال صالحہ انجام نہیں دے سکتا اور ممنوعات شرعیہ سے نہیں بچ سکتا تو وہاں سے چلا جائے اور کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہو جائے جہاں احکام اسلام پر عمل کر سکتا ہو، اور کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ میں یہاں سے کہاں جاؤں ہمت اور ارادہ کرے گا اور وطن کی محبت سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے پیش نظر نکل کھڑا ہوگا تو ان شاء اللہ بہت سی جگہ مل جائے گی، سورۃ النساء میں اسی کو یوں بیان فرمایا: (وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً) (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔)

دوم یہ حکم دیا کہ آپ اعلان فرما دیں کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص اسی کی عبادت میں مشغول رہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں چونکہ یہ امت آخری امت ہے اور آپ ﷺ آخری نبی ہیں لہٰذا آپ اس کی آخری امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسے دیگر تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنے والے پر بھی ان احکام کی فرمانبرداری لازم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ذات سے متعلق ہیں اس اعلان میں یہ بتا دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور فرمانبردار ہوں اور صرف دوسروں ہی کو ایمان کی دعوت نہیں دیتا خود بھی مؤمن ہوں اور احکام پر عمل پیرا ہوں معلوم ہوا کہ ہر داعی کو اپنی دعوت پر خود بھی عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ آپ فرما دیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں (انبیاء کرام (علیہ السلام) گنہگار اور نافرمان نہیں ہوتے تھے بطور فرض یہ اعلان کروا دیا گیا کہ میں خود نافرمانی کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں لہٰذا دیگر افراد کو تو زیادہ خوف زدہ ہونے اور مواخذہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ دیکھو میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں (اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں) تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم جانو اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کر لو لیکن اس کا انجام برا ہوگا۔

پانچویں حکم میں فرمایا کہ آپ فرما دیجئے اصل خسارہ والے وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے خسارہ میں پڑیں گے یعنی اس کفر و شرک کے وبال میں قیامت کے دن جو ابتلا ہوگا وہ سخت خسارہ کی صورت میں سامنے آئے گا اس دن کا خسارہ معمولی نہ ہوگا اس دن اپنی اس جان کو کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے اور نہ عذاب سے بچا سکیں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوگا دوزخ میں داخل ہوں گے فرشتے عذاب دیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے کفر و شرک پر ڈالا یعنی ان کے اہل و اولاد اور دوسرے لوگ جو اتباع کرنے والے تھے وہ بھی ان کے نہ رہیں گے وہ ان پر لعنت بھیجیں گے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا دنیا میں جو اپنے تھے وہ وہاں اپنے نہ رہیں گے۔ جب دنیا میں کفر و شرک پر ڈال کر اپنی جانوں کا ناس کھو دیا تو اپنی جانوں سے بھی گئے اور ان کی جانوں سے بھی اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۞ (خبردار خوب سمجھ لو کہ یہ واضح کھلا ہوا خسارہ ہے۔)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۞

اس کے بعد ان کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان کے اوپر آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی، آگ

کے ان شعلوں کو ظلل سے تعبیر فرمایا جو ظلۃ کی جمع ہے ظلۃ سائبان کو کہا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ اعراف میں فرمایا: (لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ) اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا: (يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ) نیچے بھی آگ ہوگی اور اوپر بھی، اوپر سے بھی جلیں گے اور نیچے سے بھی مشاکلۃً نیچے کے بستر کو ظلل سے تعبیر فرمایا۔ (قال صاحب الروح وتسمیتها ظللا من باب المشاکلۃ)

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ، (یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ (اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو) میری ناراضگی کے کام نہ کرو (قال صاحب الروح ولا تتعرضوا لما یوجب سخطی)

معارف ومسائل

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ ۔۔۔۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے اقوال متعدد ہیں۔ ایک قول وہ ہے جس کو ابن کثیر نے لیا اور خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قول سے مراد اللہ کا کلام قرآن یا قرآن مع تعلیمات رسول ہے اور وہ سب احسن ہی احسن ہے۔ اس لئے مقتضی مقام کا بظاہر یہ تھا کہ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَهٗ کہا جاتا مگر اس کی جگہ لفظ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیمات رسول کا اتباع بے بصیرتی کے ساتھ نہیں کیا جیسا بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق وبصیرت کے اس کا اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخر آیت میں ان کو اولوالالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔ فخذها بقوة وامر قومك یاخذوا باحسنها۔ یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں۔ اسی طرح مذکورہ آیات میں استماع قول سے مراد استماع قرآن اور اتباع احسن سے مراد اتباع پورے قرآن کا ہے جس کو اگلی آیت میں احسن الحدیث فرمایا گیا ہے۔ اسی تفسیر میں کہ قول سے مراد خاص قرآن لیا جائے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں بھی بہت سے احکام میں حسن اور احسن کے درجات رکھے ہیں۔ مثلاً انتقام اور عفو دونوں جائز ہیں مگر عفو احسن وافضل ہے۔ وان تصبروا خیر لکم۔ بہت سی چیزیں جس میں قرآن نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ دونوں میں جس کو چاہے اختیار کرے کوئی گناہ نہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو احسن وافضل بھی فرمادیا جیسے: وان تعفوا اقرب للتقوىٰ میں ہے۔ بہت سی چیزوں میں رخصت دی گئی ہے مگر عزیمت پر عمل کو احسن وافضل فرمایا ہے تو مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ یہ لوگ احکام قرآن رخصت کے بھی سنتے ہیں۔ عزیمت کے بھی مگر اتباع بجائے رخصت کے عزیمت کا کرتے ہیں۔ اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن، یہ ان میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ قول سے مراد عام لوگوں کے اقوال لئے ہیں جن میں توحید وشرک، کفر واسلام، حق وباطل پھر حق میں حسن اور احسن اور راجح ومرجوح سب داخل ہیں۔ مطلب آیت کا اس تفسیر پر یہ ہے کہ یہ لوگ باتیں تو

سب کی سنتے ہیں۔ کفار کی بھی مومنین کی بھی۔ حق بھی، باطل بھی، اچھی بھی اور بری بھی لیکن اتباع صرف اسی بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید و شرک میں سے توحید کا حق و باطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات ہوں تو ان میں جو احسن اور راجح ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ پہلی ھداھم اللہ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اس لئے مختلف قسم کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں۔ دوسرے: اولئك هم اولوا الالباب۔ یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں۔ عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے برے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور حسن و احسن کو پہچان کر احسن کو اختیار کرے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسیؓ کے بارے میں نازل ہوئی، زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں بھی شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسی مختلف اہل مذاہب مشرکین پھر یہود و نصاریٰ کی باتیں سننے اور ان کے طور و طریق دیکھنے کے بعد ایمان لائے اور قرآنی تعلیمات کو سب سے احسن پا کر ان کو ترجیح دی۔ (قرطبی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ۔۔۔۔

پانی کی نعمت اور اس کے نہایت پر حکمت نظام میں سامان غور و فکر:

یعنی ان لوگوں کیلئے جن کی عقلیں ہر قسم کی میل کچیل، اور زیغ و ضلال کے جملہ شوائب سے پاک صاف اور اپنی فطرت پر ہیں۔ سو ایسے لوگوں کیلئے قدرت کے اس عظیم الشان اور حکمتوں بھرے نظام میں یقیناً بڑی بھاری نصیحت، اور یاد دہانی ہے۔ جس سے ایک طرف تو حضرت خالق جَلَّ مَجْدُہٗ، کی قدرت بے پایاں اس کی حکمت بے نہایت۔ اور اس کی رحمت و عنایت بے غایت کے عظیم الشان مظاہر سامنے آتے ہیں، اور ایسے عظیم الشان کہ ان کو دیکھ کر ایک سلیم الفطرت انسان دل و جان سے اپنے اس خالق مالک کے حضور جھک جھک جاتا ہے۔ اور اس طور پر کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۱) یعنی اے ہمارے رب یہ نہیں ہو سکتا کہ تو اس سب کو بے کار اور بے مقصد پیدا کرے۔ تیری شان اس سے پاک اور بہت بلند ہے، پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس خالق و مالک نے اپنے بندوں کی پرورش کیلئے یہ عظیم الشان اور حکمتوں بھرا انتظام فرمایا۔ اس کی اس پر حکمت اور رحمتوں بھری پروردگاری کا طبعی تقاضا، اور لازمی مقتضیٰ ہے کہ اسکے بندے اسی کے شکر گزار بنیں۔ اور اس کی عبادت و شکر گزاری میں اور کسی کو اسکا شریک و شامل نہ کریں۔ کہ جب زمین و آسمان کی اس عظیم الشان اور حکمتوں اور رحمتوں بھری کائنات کے خلق و ابداع، اس کے وجود و بقاء، اور اسکے اندر حکم و تصرف، میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں، تو پھر اس کی عبادت و بندگی اور اس کے حق شکر و اطاعت میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو وہی وحدہ لاشریک معبود برحق بھی ہے۔ اور مطاع مطلق بھی، نیز اس پُر حکمت نظام تربیت میں یہ درس عظیم بھی پایا جاتا ہے، کہ جب آسمان سے لے کر زمین تک کی ہر چیز انسان کی خدمت میں سرگرم عمل ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ پوری کائنات کا مخدوم و مطاع یہ انسان عبث و بیکار ہو؟ اور اس سے اس کے اچھے برے عمل کے بارے میں کوئی پرسش نہ ہو؟ اور اس تذکیر و یاد دہانی کا ایک اور نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ایک

ایسا یوم حساب بپا ہو جس میں ہر انسان سے اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کی پوچھ ہو۔ جسکے نتیجے میں نیکوکاروں اور شکر گزاروں کو ان کے اجر وثواب سے نواز جائے، اور اس کے برعکس ناشکروں اور نافرمانوں کو ان کی ناشکری اور نافرمانی کی سزا ملے۔ تا کہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجہ تمام وکمال پورے ہوں، سو وہی یوم حساب یوم قیامت ہے۔ جس کا بپا ہونا عقل وفطرت سب کا تقاضا ہے۔ نیز اس میں تذکیر ویاددہانی کا ایک اور بڑا اور اہم پہلو یہ ہے کہ زمین کی یہ تمام عظیم شانیں، اور اس کی طرح طرح کی یہ رونقیں، سب عارضی فانی اور وقتی ہیں۔ جو اس کائنات کی بے ثباتی اور اس کی فنا کا درس دے رہی ہیں، کہ عقلمند انسان اس کو اپنا اصل مقصد نہ بنائے۔ اور اس پر ریجھنے کے بجائے وہ اس خالق ومالک کی ذات اقدس واعلیٰ کی طرف متوجہ ہو اور ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے۔ اور دل وجان سے اسی کا بن کر رہے جس نے اس پوری کائنات کو۔ اور اس کی ان تمام رونقوں اور شانوں کو وجود بخشا۔ اور وہی ان کو قائم اور برقرار رکھے ہوئے ہے یہ اس وحدہ لاشریک کا اسکے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان سب کا خود اپنا بھلا بھی ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی۔ اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی، جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے، اور بالکل ایسے جیسے آج کے بعد آنے والے کل نے آنا اور بپا ہو کر رہنا ہے سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں تذکیر ویاددہانی کے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں، لیکن یہ سب کچھ انہی لوگوں کیلئے ہے جو عقل سلیم کی دولت رکھتے ہیں، ورنہ ان اندھوں اور بہروں کیلئے اس میں نہ کوئی درس ہے نہ ہو سکتا ہے، جن کی عقلیں کفر وشرک، الحاد وبے دینی، اور اتباع ہوٰی وغیرہ کی میل سے میلی ہو کر ماؤف ہو چکی ہیں، اور جن کو ان لوگوں نے تفکر وتدبر کے بجائے بطن وفرج کی شہوات وخواہشات کی تحصیل وتکمیل کے پیچھے لگا دیا ہے، اور انہوں نے اسکو انہی کا غلام بنا دیا، سو ان کی عقلیں عقول سلیمہ نہیں، عقول مریضہ بن کر رہ گئیں،

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَاهْتَدٰى فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ كَمَنْ طُبِعَ عَلٰى قَلْبِهٖ دَلَّ عَلٰى هٰذَا فَوَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَيْ عَنْ قَبُوْلِ الْقُرْاٰنِ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۲ بَيِّنٍ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا بَدَلٌ مِنْ اَحْسَنَ اَيْ قُرْاٰنًا مُّتَشَابِهًا اَيْ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِي النَّظْمِ وَغَيْرِهٖ مَّثَانِيَ ۤ ثُنِّيَ فِيْهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيْدُ وَغَيْرُهُمَا تَقْشَعِرُّ مِنْهُ تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيْدِهٖ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ تَطْمَئِنُّ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهٖ ذٰلِكَ اَيِ الْكِتَابُ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ يَلْقٰى بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَيْ اَشَدَّهٗ بِاَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ كَمَنْ اٰمَنَ مِنْهُ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴ اَيْ جَزَاءَهٗ كَذَّبَ

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ فِی اِتْیَانِ الْعَذَابِ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا
بِخُطُوْرٍ بِبَالِهِمْ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ الذُّلَّ وَالْهَوَانَ مِنَ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَیْرِهِمَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ
لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا اَیِ الْمُكَذِّبُوْنَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ عَذَابَهَا مَا كَذَّبُوْا وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا جَعَلْنَا
لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ یَتَّعِظُوْنَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ
غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ اَیْ لَبْسٍ وَاخْتِلَافٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ الْكُفْرَ ضَرَبَ اللّٰهُ لِلْمُشْرِكِ وَالْمُوَحِّدِ مَثَلًا
رَّجُلًا بَدَلٌ مِنْ مَثَلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ مُتَنَازِعُوْنَ سَیِّئَةٌ اَخْلَاقُهُمْ وَ رَجُلًا سَلَمًا خَالِصًا لِّرَجُلٍ ؕ
هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ تَمْیِیْزٌ اَیْ لَا یَسْتَوِی الْعَبْدُ لِجَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ فَاِنَّ الْاَوَّلَ اِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ
مَالِكِیْهِ خِدْمَتَهُ فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحَیَّرَ مَنْ یَخْدِمُهُ مِنْهُمْ وَهٰذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِیْ مَثَلٌ لِلْمُوَحِّدِ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ ۚ وَحْدَهٗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ مَا یَصِیْرُوْنَ اِلَیْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَیُشْرِكُوْنَ اِنَّكَ
خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ سَتَمُوْتُ وَیَمُوْتُوْنَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَاُوْا
مَوْتَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ فِیْمَا بَیْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۳ ۱۷

ترجمہ: بھلا جس شخص کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ ہدایت پا گیا پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو تو کیا وہ اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جس کے قلب پر مہر لگا دی گئی ہو بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی یاد سے یعنی قرآن کو قبول کرنے سے غافل ہو رہے ہیں خبر کے حذف پر ویل دال ہے "ویل" کلمہ عذاب ہے یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے وہ ایسی کتاب ہے یعنی قرآن کریم جو آپس میں ملتی جلتی ہے کتابا، احسن الحدیث سے بدل واقع ہے یعنی الفاظ وغیرہ میں بعض بعض کے مشابہ ہے اس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا ہے جس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب اس کی وعید ذکر کی جاتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں آخر کار ان کے جسم اور دل میں اس کے وعدے کے ذکر کے وقت نرم ہو جاتے ہیں یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کو بدترین عذاب کے لیے ڈھال بنائے گا یعنی شدید ترین عذاب کے لیے اس طریقہ پر کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو جہنم کی آگ سے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے

محفوظ رہا ظالموں کفار مکہ سے کہا جائے گا اپنے کئے کا یعنی اس کی سزا چکھو عذاب آنے کے بارے میں ان سے پہلے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا یعنی ایسی جہت سے آیا کہ ان کے دل میں وہم گمان بھی نہ تھا سو اللہ نے ان کو دنیا دی زندگی ذلت رسوائی کا عذاب چکھا دیا، یعنی مسخ اور قتل اور آخرت کا عذاب اور بھی برا ہے کاش یہ جھٹلانے والے اس عذاب کو سمجھ جاتے تو تکذیب نہ کرتے اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں حال یہ ہے کہ قرآن عربی ہے حال مؤکدہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی التباس واختلاف نہیں تا کہ یہ لوگ کفر سے بچیں اللہ تعالیٰ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی ایک شخص ہے رجلًا ،مثلاً سے بدل واقع ہے جس میں بداخلاق جھگڑالو قسم کے چند لوگ شریک ہیں اور دوسرا وہ شخص ہے جو خالص ایک ہی شخص کا ہے کہ ان دونوں کی حالت یکساں ہے مثلاً تمیز ہے یعنی جماعت کا غلام اور ایک شخص کا غلام برابر نہیں ہو سکتے اس لیے اول سے جب اس کا ہر مالک ایک ہی وقت میں خدمت طلب کرے گا تو وہ حیران رہ جائے گا کہ ان میں سے کس کی خدمت کرے یہ مثال مشرک کی ہے اور دوسری مثال مؤحد کی ہے اللہ وحدہ کے لیے تعریفیں ہیں بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے اکثر لوگ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں پس وہ شرک کرنے لگے ہیں یقیناً آپ کو بھی موت آئیگی اور وہ بھی مرنے والے ہیں یہ آنحضور ﷺ کو خطاب ہے لہٰذا موت پر خوشی کی کوئی بات نہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ آنحضور ﷺ کی موت کا انتظار کرنے لگے پھر تم یقیناً سب کے سب اے لوگو! آپس میں حقوق کے بارے میں قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: كَمَنْ طُبِعَ: من کی خبر محذوف ہے۔

قوله: وَغَيْرِهِ: مثلاً: اعجاز، صحت معنی اور فوائد پر دلالت میں اس جیسا ہو۔

قوله: تَقْشَعِرُّ: کھال کا سکڑنا اور بالوں کا کھڑے ہونا۔

قوله: يُلْقٰى: جہنم کے طبقہ میں رکھ دیا جائے گا۔ اور وہ اسے خود ملے گا کیونکہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوگا۔

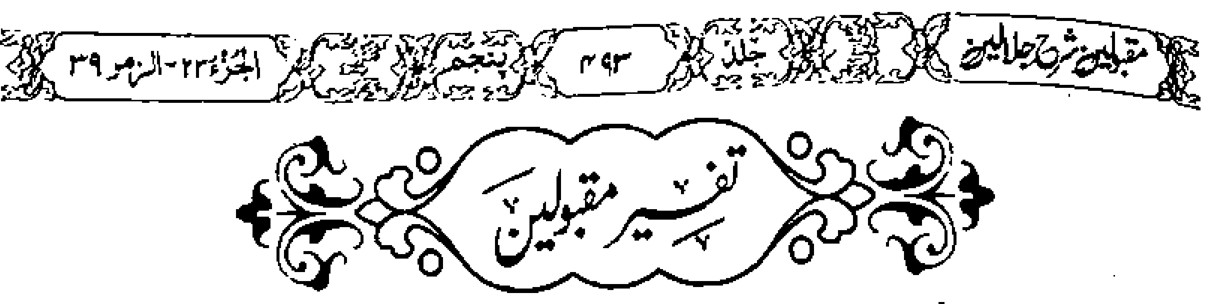
قوله: كَمَنْ اٰمَنَ: اس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ: من هذا سے حال مؤکدہ ہے۔

قوله: شُرَكَاءُ: فيه یہ شُرَكَاءُ کا صلہ ہے۔

قوله: مُتَشٰكِسُوْنَ: اختلاف والے جھگڑنے والے۔

قوله: مَثَلًا: اس کا معنی یہاں حال اور صفت۔



تفسیر مقبولین

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۔۔۔۔

گزشتہ آیات میں مؤمنین کے ثواب کا اور کافروں کے عقاب کا ذکر ہے۔ یہ تو دونوں فریق کا انجام کے اعتبار سے فرق ہے جو آخرت میں سب کے سامنے آجائے گا اب یہاں مؤمن اور کافر کی قلبی کیفیات کو بیان فرمایا، ارشاد فرمایا کہ ایک وہ شخص ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اس کے دل میں نور ایمان بھر دیا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کا دل تنگ ہے نور ایمان سے خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تنگی محسوس کرتا ہے اور ذکر اللہ سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں سختی ہے، بتاؤ وہ شخص جس کا دل ایمان سے معمور ہے اور اسے اسلام کے بارے میں شرح صدر ہے کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے دل میں کفر ہو جو اللہ کے ذکر کو قبول نہ کرتا ہو اس کے دل کی قساوت اور سختی اسے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آسان ہے، سب جانتے ہیں۔

سورۂ انعام میں فرمایا: (فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ) (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔)

شرح صدر کی دو نشانیاں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی ہے اور وہ یہ کہ دار الغرور (دھوکہ کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشگی کے گھر یعنی جنت) کی طرف رجوع ہو، یعنی ایسے اعمال کرتا رہے جو دخول جنت کا ذریعہ بن جائیں اور ایک نشانی یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کر لے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام کے لیے شرح صدر ہو جانے کی یہ نشانی ہے کہ دار الغرور سے بچے اور دار الخلو دیعنی آخرت کی طرف متوجہ رہے اور موت کے لیے تیاری کرتا رہے۔

سورۂ زمر کی آیت میں شرح صدر والی بات بیان کرنے کے بعد فرمایا: (فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) (سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں یعنی اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اور اس کے لیے نرم نہیں ہوتے ان کے لیے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دل میں اسلام کے لیے شرح صدر نہیں ہوتا ان کے دل ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اللہ کی یاد میں لگنا اور اللہ کا ذکر کرنا انہیں شاق گزرتا ہے۔

ان کے دلوں کی سختی انہیں اللہ کی یاد میں نہیں لگنے دیتی۔ درحقیقت اللہ کا ذکر بڑی نعمت ہے مبارک بندے ہی اس میں لگتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کثرت ذکر ان کی خصوصی غذا بن جاتی ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت اور اہمیت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنا دل کی سختی کا سبب بن جاتا ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دین کی باتیں تو بہت ہیں ان سب پر مجموعی حیثیت سے عمل کرنا مجھے دشوار معلوم ہو رہا ہے (کیونکہ فضیلت والے اعمال اس قدر ہیں کہ مجھ سے ان سب پر عمل نہیں ہو سکتا) لہٰذا آپ مجھے ایسی چیز بتا دیجیے کہ میں اسے پکڑے رہوں آپ نے فرمایا کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک اعرابی (دیہات کے رہنے والے) نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ تمام اعمال میں افضل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد سے تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔۔

قیامت کے روز منکرین کے حال بد کی ایک تصویر:

اس آیت سے منکرین کی قیامت کے دن کی بے بسی اور ذلت و رسوائی اور ان کے حال بد کی ایک تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ سو اس سے منکرین آخرت کی بے بسی اور ان کی ذلت و رسوائی کا ایک نہایت ہی ہولناک منظر پیش فرمایا گیا ہے کہ اس روز ایسے لوگ وہاں کے ہولناک عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہروں کو ڈھال بنانے پر مجبور ہوں گے۔ کہ اس کے ہاتھ جکڑے اور بندھے ہوئے ہوں گے۔ سو یہ ایسے بدبخت شخص کی انتہائی عاجزی اور بے بسی کی ہولناک تصویر ہے۔ کیونکہ چہرہ انسان کا وہ اشرف و اعلیٰ عضو ہے جس کو بچانے کے لئے وہ سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ مگر وہاں پر ایسا شخص اپنے چہرے ہی کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ دن ان متکبرین کی بے بسی کی تصویر ہے جو دنیا میں اپنے کبر و غرور اور رعونت و خرمستی کی بنا پر آخرت کے اس یوم حساب اور اس کی باز پرس کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ سو ایسے لوگ اس دن کے ہولناک انجام اور وہاں کے عذاب شدید سے بچنے کیلئے اپنے چہروں کو اپنی ڈھال بنانے پر مجبور ہوں گے۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔

وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۞

منکرین و متکبرین کی ایک اور تذلیل کا ذکر:

اس جملہ سے منکرین و مستکبرین کی تذلیل مزید کے لیے ان سے اس خطاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح

فرمایا گیا کہ ان کی اس حالت بد کی بنا پر نہ کسی کے دل میں ان کے لیے کوئی ہمدردی پیدا ہوگی اور نہ ہی کسی کو ان پر کوئی ترس آئے گا کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا طبعی نتیجہ اور اس کا منطقی تقاضا ہوگا۔ اس لیے ان سے کہا جائے گا کہ اب تم مزہ چکھتے رہو اپنی اس کمائی کا جو تم زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اس طرح ان کے باطن کی آگ اور بھڑکے گی۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اب تم چکھو مزہ اپنی زندگی بھر کی کمائی کا۔ تا کہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے پورے ہو سکیں۔ سو ہم نے تم پر کسی طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ یہ سب کچھ خود تمہارا اپنا ہی کیا کرایا ہے۔ سو اس ارشاد ربانی سے ایک بات تو یہ واضح فرمادی گئی کہ دین حق سے منہ موڑنا اور خاص کر عقیدۂ آخرت کی تکذیب کرنا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ اور اسکا خمیازہ ظالموں کو بہرحال بھگتنا پڑے گا۔ آج نہیں تو کل بھگتنا پڑے گا۔ اور دوسری حقیقت یہ واضح فرمادی گئی کہ کل کے اس یوم حساب میں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں اور منکروں پر کوئی رحم نہیں فرمائے گا بلکہ ان کی تذلیل و تحقیر کیلئے ان سے کہا جائے گا کہ اب تم چکھو مزہ اپنی اس کمائی کا جو تم لوگ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اپنے کفر و انکار کی بنا پر اپنے لیے کسی رحم و ترس کی کوئی گنجائش چھوڑی ہی نہیں ہوگی۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

دور حاضر کے منکرین کو عذاب بے گماں سے خبردار کرنے کے لیے تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکرین و مکذبین پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انکو گمان بھی نہیں تھا۔ کبھی شکلوں اور صورتوں کے فساد و بگاڑ اور مسخ کی صورت میں۔ کبھی طوفان و زلزلہ کی صورت میں۔ اور کبھی قتل و قید کی صورت میں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ تو دنیا میں ہوا جبکہ اصل عذاب آخرت میں ہونے والا ہے جس کی شدت اور ہولناکی کا تصور بھی اس جہاں میں ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو بغاوت و سرکشی، کفر و شرک اور معاصی و ذنوب کا نتیجہ و انجام بہرحال برا ہے۔ اس سے کبھی بھی بے فکر اور بے خوف و نڈر نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ کبھی بھی، کہیں بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے اور اللہ پاک کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور ملی ہوئی فرصت کی بنا پر کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے: {فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ} سو اس ارشاد ربانی سے دور حاضر کے منکرین و مکذبین کو تنبیہ فرمادی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امہال سے کبھی غفلت اور دھوکے میں نہ پڑیں۔ بلکہ گزرے دور کے منکرین و مکذبین کے انجام سے درس عبرت لیں کہ جو انجام انکا ہوا وہ انکا بھی ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انکو وہم و گمان بھی نہ تھا اسی طرح ان پر بھی آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کیلئے یکساں اور بے لاگ ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ۔۔۔۔

موحد اور مشرک کے بارے میں ایک مثال کا بیان:

ارشاد فرمایا گیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی ضدی مالک شریک ہوں۔ جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک اس کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنی مقصد براری کے لئے بلاتا ہو۔ اور یہ حیران و پریشان ہو کہ ایسے میں کس کس کو راضی کرے۔ سو یہی حال مشرک کا ہوتا ہے کہ اس کا دل بیک وقت کئی شریکوں میں لٹکا اور پھنسا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک طرف تو فطرت میں موجود توحید

کے داعیہ کیخلاف برسر پیکار ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ کئی قسم کے خودساختہ معبودوں کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ جبکہ مؤمن موحد خدائے واحد کی عبادت سے سرشار اور مطمئن البال رہتا ہے۔ سو توحید امن واطمینان کا ذریعہ ووسیلہ اور شرک پراگندگی اور پریشان حالی کا باعث ہے۔

مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجوڑنے والا ایک سوال:

مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجوڑنے اور ان کے قلوب پر دستک دینے کے طور پر فرمایا گیا کہ کیا ان دونوں کا حال ایک برابر ہوسکتا ہے؟۔ جب نہیں اور ہرگز و یقیناً نہیں تو پھر موحد اور مشرک آپس میں برابر کس طرح ہوسکتے ہیں؟ مؤمن چونکہ یکجائی ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ ایک ہی خالق و مالک اور اپنے حقیقی آقا ومولیٰ کی عبادت وبندگی اور رضا وخوشنودی کے حصول کی کوشش میں لگا رہتا ہے جو کہ مالک ومعبود برحق ہے اور ہر شرک اور شائبہ شرک سے پاک ہے۔ اس لئے موحد امن وامان اور سکون واطمینان کی عظیم الشان دولت سے بہرہ ور وسرشار ہوتا ہے۔ جبکہ مشرک ہرجائی ہونے کی وجہ سے ہر در پہ جھکتا اور ہر طرح کی ذلت اٹھاتا ہے۔ اور وہ حرمان نصیبی کا شکار ہوتا ہے۔ سو عقیدۂ توحید اور نور ایمان و یقین سعادتوں کی سعادت اور فوز وفلاح کی اصل واساس ہے۔ جبکہ شرک محرومیوں کی محرومی اور ناکامی ونامرادی کی جڑ بنیاد ہے۔

۲ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞

اکثریت نور علم سے محروم وبے بہرہ:

ارشاد فرمایا گیا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں حق اور حقیقت کو اور وہ آگاہ نہیں حق اور باطل کے درمیان فرق واختلاف سے۔ اس لئے وہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم اور عقیدۂ توحید کے شرف وامتیاز سے بے بہرہ ہو کر طرح طرح کے شرک میں مبتلا اور شرکیات میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے لئے طرح طرح کی ذلتوں کا سامان خود کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ علم حق وحقیقت سے محرومی منبع شر وفساد اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور نور علم سے محرومی کے باعث انسان اندھیروں میں ایسا کھو جاتا ہے کہ وہ اپنے سے گھٹیا مخلوق کی پوجا پاٹ میں لگ کر ذلتوں پر ذلتیں اٹھاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ خودساختہ اور من گھڑت معبودوں کے آگے جھک کر اپنی فطرت سے بغاوت کرنے لگتا ہے اور غیر اللہ کی غلامی اور اس کی بندگی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال کر وہ خود کو اپنے ہاتھوں ایک ایسے مخمصے میں ڈال دیتا ہے جس میں پھنسنے کیلئے کوئی ذی ہوش شخص تیار نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے نتیجے میں آخرکار وہ ہلاکت وتباہی کے دائمی گھاٹ پر اتر کر رہتا ہے۔ نیز یہاں سے یہ حقیقت بھی ایک مرتبہ پھر آشکارا ہو جاتی ہے کہ عوام الناس کی اکثریت تائید یا تردید کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے مدار اور معیار نہیں بن سکتی جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ عوام کی اکثریت بہرحال ان پڑھوں، جاہلوں، فاسقوں، فاجروں اور غلط کاروں ہی کی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سو حق وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے مطابق حق قرار پائے اور باطل وہ ہے جو اس اعتبار سے باطل قرار پائے۔ اللہ ہمیشہ نور حق وہدایت سے سرشار اور ظلمات کفر وشرک سے دور اور محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

محشر کی عدالت میں مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ انکم میں مؤمن وکافر اور مسلمان ظالم و مظلوم سب داخل ہیں یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے وہ کافر ہو یا مؤمن۔ اور صورت اس ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ آخرت میں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لے کر مظلوم کو دے دیئے جاویں گے۔ اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی سیئات اور گناہوں کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام سے سوال کیا کہ آپ جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو نہ ضرورت کا سامان۔ آپ نے فرمایا کہ اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت باندھی، کسی کا مال ناجائز طور پر کھالیا، کسی کو قتل کرایا، کسی کو مار پیٹ سے ستایا تو یہ سب مظلوم اللہ کے سامنے اپنے مظالم کا مطالبہ کریں گے اور اس کی حسنات ان میں تقسیم کردی جائیں گی پھر جب یہ حسنات ختم ہو جائیں گی اور مظلوموں کے حقوق ابھی باقی ہوں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جاویں گے۔ اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جاوے گا۔ (تو یہ شخص سب کچھ سامان ہونے کے باوجود قیامت میں مفلس رہ گیا، یہی اصلی مفلس ہے)۔

اور طبرانی نے ایک معتبر سند کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا وہ مرد اور اس کی بیوی کا ہوگا اور بخدا کہ وہاں زبان نہیں بولے گی۔ بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ اپنے شوہر پر کیا کیا عیب لگایا کرتی تھی اور اسی طرح مرد کے ہاتھ پاؤں اس پر گواہی دیں گے کہ وہ کس طرح اپنی بیوی کو تکلیف وایذا پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے بعد ہر آدمی کے سامنے اس کے نوکر چاکر لائے جائیں گے ان کی شکایات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر عام بازار کے لوگ جن سے اس کے معاملات رہے تھے وہ پیش ہوں گے اگر اس نے ان میں سے کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کا حق دلوایا جائے گا۔

فَمَنْ اَیْ لَا اَحَدٌ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ بِالْقُرْاٰنِ اِذْ
جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مَاْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ بَلٰى وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَالَّذِيْ بِمَعْنَى الَّذِيْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَلشِّرْكَ لَهُمْ مَّا
يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِاَنْفُسِهِمْ بِاِيْمَانِهِمْ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَسْوَأُ وَاَحْسَنَ بِمَعْنَى السَّيِّءِ وَالْحَسَنِ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ اَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى وَ يُخَوِّفُوْنَكَ الخطاب له بِالَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ ؕ اَيِ الْاَصْنَامِ اَنْ تَقْتُلَهٗ اَوْ تَخْبَلَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ غَالِبٍ عَلَى اَمْرِهٖ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ مِنْ اَعْدَائِهٖ بَلٰى وَ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَيِ الْاَصْنَامِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
رَحْمَتِهٖ ؕ لَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ فِيْهِمَا قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ يَثِقُ الْوَاثِقُوْنَ قُلْ
يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حَالَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ عَلٰى حَالَتِيْ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ
مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ يَنْزِلُ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ دَائِمٌ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَقَدْ
اَخْزَاهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ
اِهْتِدَاؤُهٗ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ فَتُجْبِرُهُمْ عَلَى الْهُدٰى

ترجمہ: پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے یعنی کوئی نہیں جس نے اللہ پر جھوٹ بولا شرک اور ولد کی نسبت اس کی طرف کر کے اور جھٹلایا سچی بات قرآن کریم کو جب وہ اس کے پاس پہونچی کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے کافروں کا ہاں کیوں نہیں؟ اور جو شخص لے کر آیا سچی بات اور وہ نبی کریم ﷺ ہیں اور جنہوں نے اسکی تصدیق کی وہ مؤمن ہیں۔ الذی، الذین کے معنی میں ہے یہی ہیں شرک سے بچنے والے لوگ انکے رب کے پاس وہ چیز ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے ایمان کے ذریعہ اپنے اوپر احسان کرنے والوں کا تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور انھوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا اچھا صلہ

دے لفظ اسوا السیی اور لفظ احسن ،الحسن کے معنی میں ہے کیا اللہ اپنے بندے یعنی محمد ﷺ کے لئے کافی نہیں ہے ؟ہاں ضرور کافی ہے اور لوگ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں یعنی بتوں سے ڈرا رہے ہیں اس میں آپ ؐ کو خطاب ہے یہ کہ وہ بت آپ ؐ کو ہلاک کر دیں گے یا پاگل بنادیں گے اور اللہ جس کو گمراہ کر دے اسکی کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں ہاں کیوں نہیں؟ اور قسم ہے اگر آپ ان سے معلوم کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔آپ ان سے کہئے اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو یعنی بتوں کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ نہیں یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ اور ایک قراءت میں دونوں جگہ اضافت ہے آپ کہہ دیں کہ اللہ میرے لئے کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں (آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ اپنے طریقے پر عمل کئے جاؤ میں اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آنے والا ہے۔ مَنْ موصولہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول واقع ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ وہ دوزخ کا عذاب ہے اور بلاشبہ اللہ نے ان کو بدر میں ذلیل کر دیا آپ پر ہم نے حق کے ساتھ لوگوں کے لئے یہ کتاب نازل کی ہے۔ بِالْحَقِّ ، انزل کے متعلق ہے پس جو شخص راہ راست پر آ جائے تو اس کے ہدایت پر آنے کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی اسی پر پڑے گی، آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ ان کو ہدایت پر مجبور کریں۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَنْ تَقْتُلَہ :انہوں نے کہا کہ بتوں کا حملہ جنگ ہوتا ہے۔

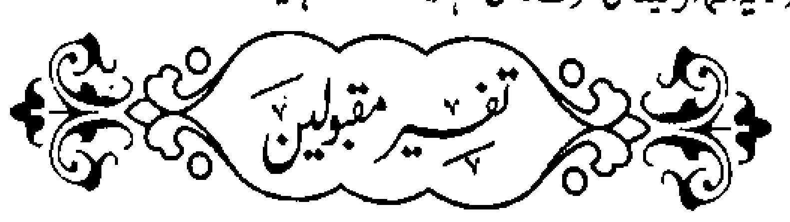
قوله: اَوْ تَخْبَلَہ :جنون میں مبتلا کرنا اور اس کی عقل کو بگاڑ دینا۔

قوله: فِیْهِمَا: اور ضُرِّہٖ اور رَحْمَتِہٖ کو نصب دیا۔

قوله: مَكَانَتِكُمْ :یہ مکان کا اسم ہے، سے حال کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے، اس طرح کہ مکان کے لیے ہے، مگر زمے کے لیے آیا ہے۔

قوله: عَذَابٌ :استہزاء سے مراد سزا ہے۔

قوله: بل ھی: ضمیر ھا یہ انہا او تیتہ کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ کلمہ ہے یا جملہ۔



فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ

مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا:

مشرکین نے اللہ پر بہت جھوٹ بولا تھا اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے، کبھی اس کے ساتھ دوسرے معبود بتاتے تھے، کبھی فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں شمار کرنے لگتے تھے، کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے، جن تمام باتوں سے اس کی بلند و بالا ذات پاک اور برتر تھی، ساتھ ہی ان میں دوسری بدخصلت یہ بھی تھی کہ جو حق انبیاء علیہم السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا یہ اسے بھی جھٹلاتے، پس فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ پھر جو سزا انہیں ہونی ہے اس سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ جو مرتے دم تک انکار و تکذیب پر ہی رہیں۔ ان کی بدخصلت اور سزا کا ذکر کر کے پھر مؤمنوں کی نیک خو اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقراری ہو۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی ماننے والی ان کی مسلمان امت۔ یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود نبی ﷺ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے، اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ پر جو کچھ نازل ہوا تھا اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہی وصف تمام ایمان داروں کا تھا کہ وہ اللہ پر فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔ ربیع بن انس کی قراءت میں وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر: ۳۳) ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت ﷺ ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پرہیزگار اور پارسا ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے۔ ان کے لیے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا، رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ (احقاف: ۱۶) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں اور برائیوں سے درگزر فرما لیتے ہیں۔ یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں بالکل سچا اور صحیح صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔۔۔۔

اس آیت کا شان نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟

اس لیے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے بندہ سے مراد عام لی ہے اور آیت کی دوسری قرات جو عبادہ آئی ہے وہ اس کی مؤید ہے۔ اور مضمون بہرحال عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے لیے کافی ہے۔

عبرت و نصیحت:

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ: یعنی کفار آپ کو ڈراتے ہیں اپنے جھوٹے معبودوں کے غضب سے۔ اس آیت کو پڑھنے والے عموماً یہ خیال کر کے گزر جاتے ہیں کہ یہ ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے، جس کا تعلق کفار کی دھمکیوں اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ہے، اس طرح دھیان نہیں دیتے، کہ اس میں ہمارے لیے کیا ہدایت ہے۔ حالانکہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لیے ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام کیا یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حکام اور افسر یا جن کے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے۔ یہ بھی اسی میں داخل ہے اگرچہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس سے ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کی اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے افسروں کے عتاب وعقاب کا مورد بنیں۔ اس آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لیے کافی نہیں، تم نے خالص اللہ کے لیے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کر لیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم و افسر کی پرواہ نہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے۔ اور مؤمن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خود ہی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ــــ

یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک بتلا دیا گیا۔ آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ نصیحت پر چلے گا تو اس کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے، صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجیے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا يَتَوَفّٰى وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ اَيْ يَتَوَفَّاهَا وَقْتَ النَّوْمِ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَيْ وَقْتُ مَوْتِهَا وَالْمُرْسَلَةُ نَفْسُ التَّمْيِيْزِ تَبْقٰى بِدُوْنِهَا نَفْسُ الْحَيٰوةِ بِخِلَافِ الْعَكْسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلَى الْبَعْثِ وَقُرَيْشٌ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ ذٰلِكَ اَمِ بَلْ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاَصْنَامَ اٰلِهَةً شُفَعَاۗءَ ۭ عِنْدَ اللّٰهِ بِزَعْمِهِمْ قُلْ لَهُمْ اَوَلَوْ يَشْفَعُوْنَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَاعَةِ وَغَيْرِهَا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّكُمْ تَعْبُدُوْنَهُمْ وَلَا غَيْرَ ذٰلِكَ لَا قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا اَيْ هُوَ مُخْتَصٌّ بِهَا فَلَا يَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ

إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ أَيْ دُوْنَ اٰلِهَتِهِمْ اشْمَأَزَّتْ نَفَرَتْ وَانْقَبَضَتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ
إِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ أَيِ الْأَصْنَامِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ بِمَعْنٰى يَا اللّٰهُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ مُبْدِعُهُمَا عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ مِنْ أَمْرِ الدِّيْنِ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْأَرْضِ
جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ
يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ يظنون وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ أَيِ الْعَذَابُ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنٰهُ أَعْطَيْنَاهُ نِعْمَةً
إِنْعَامًا مِّنَّا ۙ قَالَ إِنَّمَآ أُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۭ مِنَ اللّٰهِ بِأَنِّيْ لَهٗ أَهْلٌ بَلْ هِيَ أَيِ الْقَوْلَةُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يُبْتَلٰى بِهَا
الْعَبْدُ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ أَنَّ التَّحْوِيْلَ اسْتِدْرَاجٌ وَامْتِحَانٌ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ
الْأُمَمِ كَقَارُوْنَ وَقَوْمِهٖ الرَّاضِيْنَ بِهَا فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا ۭ أَيْ جَزَاؤُهَا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ أَيْ قُرَيْشٍ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ بِفَائِتِيْنَ عَذَابَنَا فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ أَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ امْتِحَانًا وَيَقْدِرُ ۭ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہے انھیں ان کی نیند میں قبض کر لیتا ہے ۔یعنی نیند کے وقت قبض کرتا ہے پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انھیں تو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مقررہ وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے یعنی انکی موت کے وقت تک اور چھوڑی ہوئی روح سے روح تمیز مراد ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے اس کے برعکس ممکن نہیں یقیناً ان مذکورہ باتوں میں (غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں) لہٰذا اس بات کو سمجھ لیں گے کہ جو ذات اس پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی (بدرجہ اولیٰ) قادر ہے اور قریش نے اس معاملہ میں غور وفکر نہیں کیا (بلکہ ان لوگوں کے لئے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں یعنی بتوں کو اپنے خیال میں اللہ کے حضور سفارشی بنا رکھا ہے آپ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ سفارش کریں گے؟ گو وہ سفارش وغیرہ کا کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ سمجھتے ہوں کہ) تم

ان کی بندگی کرتے ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی بات سمجھتے ہوں نہیں (آپ کہہ دیجئے کہ تمام سفارشوں کا مختار اللہ ہی ہے سفارش اسی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا ہے (زمین و آسمانوں میں اسی کی حکومت ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب ان کے معبودوں کو چھوڑ کر (اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (یعنی ان کو انقباض ہونے لگتا ہے (اور جب اس کو چھوڑ کر ان) معبودوں یعنی بتوں کا (ذکر کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں) آپ (دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے۔ اللھم، یا اللہ کے معنی میں ہے تو (ہی اپنے بندوں کے درمیان اس دینی معاملہ میں فیصلہ کر سکتا ہے (جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں) جس بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں آپ اس میں میری حق کی طرف راہنمائی فرمائیں (اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو بھی بدتری سزا کے عوض قیامت کے دن یہ سب کچھ دیدیں اور انکے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا انھیں گمان بھی نہیں تھا اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس عذاب کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا انسان کو جب کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ انعام مجھے اس لیے دیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کا مستحق ہوں بلکہ یہ یعنی اس کا مقولہ فتنہ ہے جس کے ذریعہ بندے کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ عطا ڈھیل ہے اور آزمائش ہے ان سے پہلے لوگ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں جیسا کہ قارون اور اسکی قوم جو کہ اس بات سے راضی تھی (سو ان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی سو ان کی بداعمالیاں یعنی ان کی سزا ان پر آن پڑی اور ان پر بھی جو ان میں سے یعنی قریش میں سے ظالم ہیں ان کے بداعمالیوں کی سزا پڑنے والی ہے اور وہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں یعنی ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہیں ہیں چنانچہ سات سال تک قحط میں مبتلا کیئے گئے پھر ان کو فراخی کی گئی کیا انھیں یہ معلوم نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں بطور امتحان روزی کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں بطور آزمائش روزی تنگ کر دیتے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

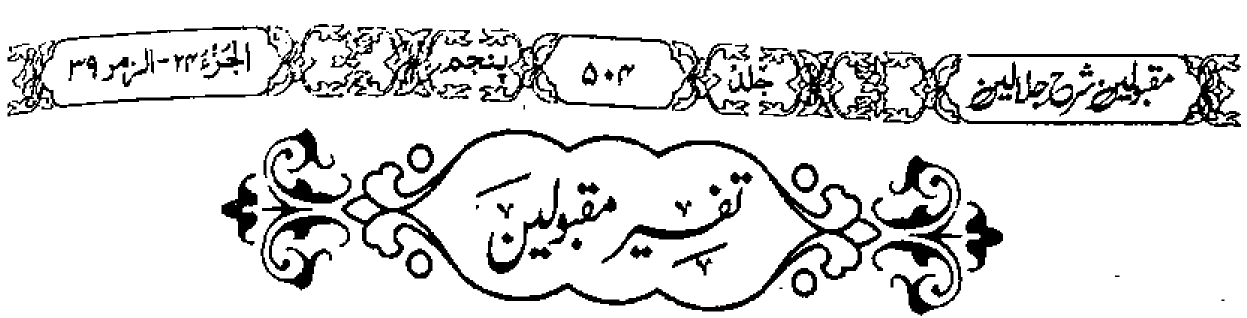
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ: روح حقیقی تو ایک ہے۔ اس کا تعدد نسبت کے لحاظ سے ہے۔

قوله: اِذَا ھُمْ: یہ اِذَا مفاجات کے لیے ہے۔ اور اِذَا ذُکِرَ کا اِذَا شرطیہ ہے۔

قوله: اَللّٰھُمَّ: اس کی معروف اصل یا اللہ ہے۔ حذف یا کے عوض میم لاتے ہیں۔

قوله: مَا کَسَبُوْا: جزاء سیئۃ کو سیئۃ مشاکلت کے طور پر کہا۔



اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۔۔۔۔۔

موت اور نیند کے وقت قبض روح اور دونوں میں فرق کی تفصیل:

توفی کے لفظی معنے لے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں۔اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں، وہ جب چاہے ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے سے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے۔اس کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے۔باطناً باقی رہتا ہے۔جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامت زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے۔اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکور میں لفظ توفی، بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی پر حاوی ہے۔موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رویاء صادقہ نہیں رہتا۔اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آ جاتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ۔۔۔۔

اس آیت میں مشرکین کی اس بے وقوفی کو بیان فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں ان شرکاء کو شُفعاء سے تعبیر فرمایا کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جن کو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کر کے ہماری بخشش کرا دیں گے پہلے تو غیر اللہ کو معبود بنانے کی نکیر فرمائی پھر فرمایا کہ جن کو تم نے سفارشی سمجھا ہے انہیں تو کچھ بھی قدرت نہیں اور کچھ بھی سمجھ نہیں یہ تو پتھر کی مورتیاں ہیں نہ انہیں کچھ قدرت ہے، نہ کسی بات کا علم ہے یہ کیا جانیں کہ

سفارش کیا ہوتی ہے اور یہ کہ سفارش کس کی کی جائے اور کس سے سفارش کی جائے جب ان کی عجز اور جہل کا یہ حال ہے تو کیا سفارش کر سکتے ہیں؟

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سفارش کے بارے میں ہر طرح کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے وہ جسے چاہے گا اور جس کے لیے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت دے گا، اس کے یہاں مشرک اور کافر کی بخشش نہیں۔ اس لیے جو بندے اس کے نزدیک شفاعت کرنے کے اہل ہیں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام انہیں کافروں اور مشرکوں کی سفارش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی لہٰذا شرک و کفر میں مبتلا رہنا اور اپنے معبودوں کی سفارش کا بخشش کے لیے سہارا لینا یہ سراپا جہالت اور حماقت اور گمراہی ہے، اس بیان سے مشرکین کے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا ہے کہ ہم نے تو فرشتوں کو اور بعض پیغمبروں کو بھی الوہیت میں شریک کر رکھا ہے وہ تو شفاعت کے اہل ہیں اوپر کے بیان میں واضح ہو گیا کہ جس کی بخشش نہیں اس کے لیے نہ کوئی سفارش کرے گا نہ اس کے لیے سفارش کی اجازت دی جائے گی اور بلا اجازت کسی کو سفارش کا اختیار نہیں سورۂ بقرہ میں فرمایا: (مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ) (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: (یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا) (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو) اور سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا: (وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی) (اور وہ بجز اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے) مزید فرمایا: لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (اسی کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک ہے دنیا و آخرت سب اسی کی مملوک ہیں اور ہر طرح کا پورا اختیار اور اقتدار اسی کا ہے۔ تیسری آیت میں مشرکین کا مزاج بتایا اور وہ یہ کہ شرک ان کے دلوں میں اس درجہ گھر کر گیا ہے اور انہیں توحید اس قدر ناگوار ہے کہ جب ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں لا الہ الا اللہ کی دعوت بھی ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے تجویز کردہ شرکاء کے بغیر اللہ کا نام کیوں لیا گیا، اور ان لوگوں نے اللہ کے سواء جو دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں جب ان کا تنہا ذکر ہوتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ذکر کیے بغیر ان کو کیوں یاد کیا گیا ان کے دلوں میں اس درجہ شرک رچ بس گیا ہے کہ تنہا اللہ کا ذکر ہو تو انہیں بہت ناگواری ہوتی ہے اور جو باطل معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان کا ذکر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو تو اس وقت ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی (قال صاحب الروح فان الاستبشار أن یمتلی القلب سرورا حتی ینبسط له بشرۃ الوجه, والاشمئزاز أن یمتلی غیظا و غما ینقبض عنه ادیم الوجه کما یشاهد فی وجه العابس المحزون)

''تفسیر روح المعانی کے مصنف'' فرماتے ہیں: استبشار یہ ہے کہ دل خوشی سے بھر جائے یہاں تک کہ دل کی اس خوشی سے چہرہ پر خوشگوار اثرات ظاہر ہو جائیں اور اشمئزاز یہ ہے کہ دل غصہ اور غم سے بھر جائے جس سے چہرہ منقبض ہو جائے جیسا کہ غمگین غصہ کرنے والے کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے۔''

یہی حال ان مبتدعین ومشرکین کا ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اور اتباع سنت کی تلقین کی جاتی ہے تو انہیں اچھی نہیں لگتی بدعتوں کا بیان کیا جائے اور پیروں فقیروں کی جھوٹی کرامات اور خودتراشیدہ قصے بیان کیے جائیں تو اس سے خوش ہوتے ہیں راتوں رات قوالی سنتے ہیں، ہارمونیم اور طبلہ کی آواز پر انہیں وجد آتا ہے اور اسی رات کے اختتام پر جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو مسجد کا رخ کرنے کی بجائے بستروں کی طرف رخ کرتے ہیں اور گھروں میں جاکر سو جاتے ہیں۔

قال صاحب الروح وقد رأينا كثيراً من الناس على نحو هذه الصفة التي وصف الله تعالىٰ بها المشركين يهشون لذكر اموات يستغيثون بهم ويطلبون منهم ويطربون من سماع حكايات كاذبة عنهم توافق هواهم واعتقادهم فيهم ويعظمون من يحكي لهم ذلك وينقبضون من ذكر الله تعالىٰ وحده (الى أن قال) وقد قلت يوما لرجال يستغيث في شدة ببعض الاموات وينادي يا فلان اغثني فقلت له قل بالله فقد قال سبحانه "واذا سالك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان" فغضب وبلغني انه قال فلان منكر على الاولياء وسمعت عن بعضهم انه قال الولي اسرع اجابة من الله عزوجل وهذا من الكفر بمكان نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا من الزيغ والطغيان (ص۱۱، ج۲۴)

''تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سارے لوگوں کو ایسی ہی حالت پر دیکھا جو حالت اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بیان فرمائی ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں ان سے سوال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی خواہشات نفس اور اپنے اعتقاد کے موافق جھوٹے قصے سن کر خوش ہوتے ہیں جو لوگ اسی طرح کی قصہ خوانی کرتے ہیں یہ ان کو عزت واحترام دیتے ہیں اور اکیلے اللہ کے ذکر سے منہ بناتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جو مصیبت میں بعض مردوں سے مدد مانگتا تھا اور ''اغثنی یا فلان'' کہہ کر پکارتا تھا ایک دن میں نے اس سے کہا یا اللہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''جب میرا کوئی بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں'' تو وہ آدمی غضبناک ہوگیا اور مجھے یہ بات پہنچی کہ اس نے کہا فلاں آدمی اولیاء پر نکیر کرتا ہے بعض لوگوں سے میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں اللہ کی نسبت ولی جلدی دعا قبول کرتا ہے یہ کفر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہی وسرکشی سے محفوظ رکھے۔''

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔۔

صبح وشام کے بعض وظائف:

مشرکین کو جو نفرت توحید سے ہے اور جو محبت شرک سے ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ فرماتا ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ واحد کو ہی پکار جو آسمان وزمین کا خالق ہے اور اس وقت اس نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ نہ یہ کچھ تھے نہ ان کا کوئی نمونہ تھا۔ وہ ظاہر وباطن چھپے کھلے کا عالم ہے۔ یہ لوگ جو جو اختلافات اپنے آپس میں کرتے تھے سب کا فیصلہ اس دن ہوگا جب یہ قبروں سے نکلیں اور میدان قیامت میں آئیں گے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ حضرت

عائشہؓ سے دریافت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟ آپ فرماتے ہیں اس دعا سے (ترجمہ) یعنی اللہ اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب اے آسمان وزمین کو بےنمونے کے پیدا کرنے والے اے حاضر وغائب کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ہے جس جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے تو مجھے ان سب میں اپنے فضل سے حق راہ دکھا تو جسے چاہے سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے (مسلم) حضور ﷺ فرماتے ہیں جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے اس عہد کو پورا کرو۔ چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے: (ترجمہ) یعنی اے اللہ اے آسمان وزمین کو بےنمونے کے پیدا کرنے والے اے غائب وحاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور پڑ جاؤں گا۔ اللہ مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے یقیناً تو عہد شکن نہیں۔ اس حدیث کے راوی سہیل فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عون اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمرو نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے (ترجمہ) یعنی اے اللہ اے آسمان وزمین کو بےنمونہ پیدا کرنے والے چھپی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں اس دعا کو حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو سکھایا تھا اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانی نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمرو سے کی تو حضرت عبداللہ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا یہ ہے جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھوائی ہے میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں صبح وشام کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا یہ پڑھو: (اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ لا الہ الا انت رب کل شئی وملیکہ اعوذبک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ او اقترف علی نفسی سوء او اجرہ الی مسلم) (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے صبح شام اور سوتے وقت حکم دیا ہے، دوسری آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں۔ فرماتا ہے کہ اگر ان کے پاس روئے زمین کے خزانے اتنے ہی اور ہوں تو بھی یہ قیامت کے بدترین عذاب کے بدلے انہیں اپنے فدیے میں اور اپنی جان کے بدلے میں دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اس دن کوئی فدیہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دیں جیسے کہ اور آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ آج اللہ کے وہ عذاب ان کے سامنے آئیں گے کہ کبھی انہیں ان کا خیال بھی نہ گذرا تھا جو حرام کاریاں بدکاریاں گناہ

اور برائیاں انہوں نے دنیا میں کی تھیں اب سب کی سب اپنے آگے موجود پائیں گے دنیا میں جس سزا کا ذکر سن کر مذاق کرتے تھے آج وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا بِكَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا وَقُرِئَ بِضَمِّهَا تَيْأَسُوْا مِنْ
رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ اَیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۵۳ وَ
اَنِیْبُوْٓا اِرْجِعُوْا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا اَخْلِصُوْا الْعَمَلَ لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا
تُنْصَرُوْنَ ۝۵۴ بِمَنْعِهٖ اِنْ لَمْ تَتُوْبُوْا وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ هُوَ الْقُرْاٰنُ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۵۵ قَبْلَ اِتْیَانِهٖ بِوَقْتِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَیْهِ قَبْلَ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
یّٰحَسْرَتٰی اَصْلُهٗ یَا حَسْرَتِیْ اَیْ نَدَامَتِیْ عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ اَیْ طَاعَتِهٖ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیْلَةِ اَیْ
وَاِنِّیْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝۵۶ بِدِیْنِهٖ وَكِتَابِهٖ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ بِالطَّاعَةِ اَیْ فَاهْتَدَیْتُ
لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝۵۷ عَذَابَهٗ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً رَجْعَةً اِلَی الدُّنْیَا فَاَكُوْنَ
مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۵۸ اَلْمُؤْمِنِیْنَ فَیُقَالُ لَهٗ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ اَلْقُرْاٰنُ وَهُوَ سَبَبُ الْهِدَایَةِ
فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ تَكَبَّرْتَ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۵۹ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ
كَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ بِنِسْبَةِ الشَّرِیْكِ وَالْوَلَدِ اِلَیْهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی مَاْوًی
لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝۶۰ عَنِ الْاِیْمَانِ بَلٰی وَ یُنَجِّی اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ بِمَفَازَتِهِمْ اَیْ بِمَكَانِ
فَوْزِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ بِاَنْ یُّجْعَلُوْا فِیْهِ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ عَلٰی
كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝۶۲ مُتَصَرِّفٌ فِیْهِ كَیْفَ یَشَاءُ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَیْ مَفَاتِیْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ
الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَ غَیْرِهِمَا وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ مُتَّصِلٌ بِقَوْلِهٖ
وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا الخ وَمَا بَیْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں ناامید نہ ہوں۔ لا تقنطوا، نون کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ایک قرأت میں ضمہ نون بھی ہے یعنی مایوس نہ ہوں اللہ کی رحمت سے یقین ہے کہ اللہ سب گناہ معاف کر

دیگا شرک سے تائب ہونے والے کے واقعی وہ بڑا بخشنے والا ہے تم رجوع ہو جاؤ جھک جاؤ اپنے پروردگار کی طرف اور اس کی فرمانبرداری کرو عمل میں اخلاص پیدا کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آنے لگے پھر تمہاری مدد کی نہ کیا جائے عذاب موقوف کرنے کیلئے اگر تم نے توبہ نہ کی اور تم پیروی کرو ان اچھے اچھے کاموں کی جو تمہارے رب کی طرف سے آئے یعنی قرآن حکیم اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تمہیں خیال بھی نہ ہو ٹھیک وقت کا اس کے آنے سے پہلے لہٰذا اللہ کی طرف لپکو اس سے پہلے کے کوئی کہنے لگے کہ افسوس یٰحَسْرَتٰی کی اصل یا حسرتی ہے یعنی شرمندگی اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب اطاعت میں کی اور میں تو من مخففہ من الثقیلہ ہے اصل میں انی تھا ہنستا ہی رہا دین اور قرآن پر یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ اگر مجھے ہدایت دیتا اپنی فرمانبرداری یعنی میں ضرور ہدایت پالیتا تو میں بھی نیک بندوں میں ہو جاتا، یعنی مؤمن۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے اسے حکم ہوگا ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہونچیں تھیں قرآن آیا جو ہدایات کا ذریعہ تھا مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے غرور دکھایا اور کافروں میں شامل رہا اور آپ قیامت کے دن اُن کو جنہوں نے جھوٹ بولا تھا شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے چہرہ سیاہ دیکھیں گے کیا ان کا ٹھکانہ رہنے کی جگہ دوزخ میں نہیں جنہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا بلاشبہ ضرور ہے اور جو لوگ شرک سے بچتے رہے اللہ انھیں دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا کامیابی کے ساتھ یعنی کامیابی کی جگہ جنت انھیں عطا فرمائے گا نہ ان کو تکلیف پہونچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے جو چاہے تصرف کرے۔ اسی کے بس میں ہیں کنجیاں آسمان و زمین کی یعنی بارش پیداوار وغیرہ کے اسباب ذرائع اور جو لوگ اللہ کی آیتوں قرآن کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ وَيُنَجِّي اللّٰهُ، الَّذِيْنَ اتَّقَوْا کا مقابل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

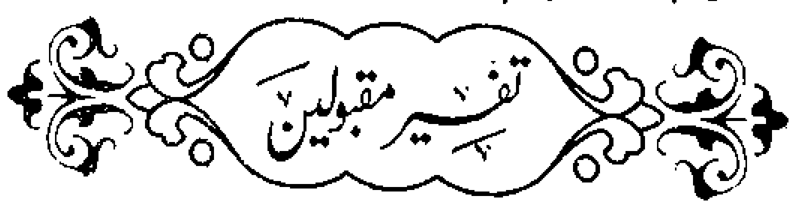
قولہ: تَيْأَسُوْا: یہ تَقْنَطُوْا کی تفسیر ہے۔

قولہ: نک: اصل پر دونوں کے اظہار کے ساتھ۔

قولہ: جَمِيْعًا: یعنی شرک کے علاوہ گناہوں کی بلا توبہ محض رحمت سے معافی مراد ہے۔

قولہ: يٰحَسْرَتٰى: یائے متکلم الف ہوگئی ہے۔

قولہ: فَاَكُوْنَ: یہ ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔



قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ----

(ربط) اس سے قبل چند آیات میں مشرکین کی مذمت اور ان کے دل آزار طریقوں کا بیان تھا اور ساتھ ہی نہایت موثر انداز میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی، اس سلسلہ میں شرک و کفر کی گندگی اور مذمت کو سنتے ہوئے ممکن تھا کہ کسی کے دل میں قبول اسلام کی رغبت پیدا ہوتی اور ساتھ ہی یہ تصور بھی گذر سکتا تھا کہ جب انسان اس قدر ذلت اور گندگیوں میں آلودہ ہو چکا ایسی دنائت اور کمینہ پن کر چکا تو اب اس کو اپنی نجات اور عذاب خداوندی سے بچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے تو اس طرح مایوسی کا تصور پیدا ہونا ایک طبعی سا امر تھا تو اس کو دلوں سے نکالنے کے لیے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں ہر اس شخص کو اللہ کی رحمت ومغفرت کی بشارت دی گئی جو باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف اپنا رخ کر لے، جیسے کہ عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں جس شخص نے بت پرستی کی اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود بنایا کسی کو قتل کیا تو اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں، اور کس طرح اسلام لائیں حالانکہ ہم نے تو بتوں کو پوجا ہے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کیا اور قتل بھی کیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں بعض سندوں سے یہ مضمون اس طرح منقول ہے، کچھ لوگ اہل شرک میں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے جو اسلام کی رغبت رکھتے تھے، اور جاہلیت کے زمانہ میں انہوں نے شرک بھی کیا تھا، قتل کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور زنا بھی وچوری بھی خوب کی تھی تو انہوں نے یہ عرض کیا یارسول اللہ، آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے اب ہم اسلام تو لانا چاہتے ہی، لیکن یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے اور ان چیزوں کے باعث ہم ڈرتے ہیں تو کیا اسلام لانے پر ہماری نجات ہو جائے گی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ارشاد فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا۔ کہہ دیجئے آپ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر وشرک اور قتل و زنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے، ایمان لانے میں ہرگز تامل وتردد نہ کرو بے شک اللہ رب العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادے گا، اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان وطاعت کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کر لیا ہے۔

دنیا کے انسانوں کو رحمت وعافیت اور نجات ومغفرت کی قرآنی دعوت:

یہ آیات مبارکہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر رحمت ومغفرت خداوندی کی امید دلوں میں قائم کرنیوالی آیات ہیں ان آیات میں پروردگار عالم نے تمام دنیا کے گناہگاروں، نافرمانوں حتی کہ شرک وکفر میں مبتلا ہونے والوں کو دعوت دی ہے کہ وہ نافرمانی وبغاوت سے تائب ہو کر سچے دل سے اگر اللہ کی طرف رجوع کرلیں تو خدا کی عنایات اور رحمتیں ان کی جانب یقیناً مبذول ہوں گی۔ ان کو اپنی سابق زندگی کی نافرمانی اور بداعمالیوں سے یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ ان کی معافی کا کوئی امکان نہیں رہا، ان کو اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے، جس حالت میں بھی خواہ کسی طرح کا عمل ہو جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے رحمت خداوندی کا دروازہ کھلا پائیں گے ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کچھ لوگ مشرکین میں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی سابق زندگی میں قتل بھی کیے تھے، خوب قتل کیے تھے اور زنا بھی کیا تھا اور بہت کیا تھا

تو آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے، اے محمد! جو کچھ آپ ﷺ کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بے شک نہایت ہی بہتر ہے لیکن ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کیے ہوئے اعمال کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں تو اس پر آیات: "والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اخر"۔ اور یہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا نازل ہوئیں۔ اور حق تعالیٰ نے نہایت واضح طور سے فرمادیا: "الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ"۔ کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے اپنے بندوں کی، کہیں ارشاد فرمایا: "ومن یعمل سوء اویظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما" کہ جو شخص بھی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر وہ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو پائے گا کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے، کہیں منافقین کے حق میں خصوصیت سے فرمایا: ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیرا الا الذین تابوا واصلحوا۔ کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور اے مخاطب تو ان کے واسطے کوئی مددگار نہیں پائے گا، لیکن جو لوگ تائب ہو جائیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو بے شک وہ اس عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے شرک اور کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ"۔ ان کے اس شرک وکفر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ" کہ یہ لوگ کیوں نہیں خدا کی طرف رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔

الغرض ان آیات سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی بداعمالیاں ہوں یا کفر وشرک ہو یا نفاق کی گندگیوں میں مبتلا ہو، ان میں سے ہر ایک جس وقت بھی اپنے جرائم وگناہوں اور کفر وشرک یا نفاق سے تائب ہو کر مطیع وفرمانبردار بننا چاہے تو اس کو بارگاہ رحمت سے دھتکارا نہیں جائے گا، نزع روح سکرات موت نزول عذاب اور قیامت کے وقوع سے پہلے جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو: "یجد اللہ توابا رحیما"۔ اللہ کو بڑا ہی مہربان توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔ ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات" کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے دیکھو اس جود وکرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مؤمنین کو ستایا، اولیاء کو قتل کیا، انہیں کو رحمت ومغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بیقراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو ابوسعید خدری ؓ بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ نے بنی اسرائیل میں سے کسی کا واقعہ بیان فرمایا کہ جو ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا تھا، بعد میں اس کو ان بداعمالیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے کسی عابد وزاہد کا پتہ معلوم کرنا چاہا کہ جس کے ہاتھ پر جا کر تائب ہو اور اپنی زندگی درست کر لے، ایک راہب کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے، اس نے جواب دیا نہیں۔ اس جواب پر غم وغصہ کی کیفیت میں اس راہب کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا، لیکن بدستور وہی تڑپ برقرار رہی اور تلاش میں رہا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تائب ہو جاؤں کسی عالم سے پوچھا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے اس نے جواب دیا کہ کون حائل ہو سکتا ہے، تیرے اور تیری توبہ کے درمیان، اور فلاں بستی میں ایک عالم وعابد ہے، تو اس کے پاس جا۔ اور اس بستی میں رہ کر خدا کی عبادت کرتا رہ، یہ شخص روانہ ہوا، سفر کے دوران موت کے آثار واقع ہوئے تو رحمت اور عذاب کے فرشتے آ گئے اور باہم خصومت کرنے لگے عذاب کے فرشتے کہتے

ہیں ہم اس کی روح قبض کریں گے اور رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ نہیں ہم اس کی روح قبض کر کے رحمت کے مقام میں لے جائیں گے حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین ناپ لو جس جگہ سے قریب ہو اسی حکم میں اس کو شمار کر لو۔ ساتھ ہی اللہ نے اس طرف کی زمین کو جہاں یہ جارہا تھا حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا، پیائش کرنے پر توبہ کی زمین قریب نکلی، اس پر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس وقت وہ زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنا سینہ اور رخ اسی طرف جھکا دیا جس طرح وہ جارہا تھا تو ایک بالشت کے بقدر ادھر زمین کم رہ گئی ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوا سرزمین معصیت کو کہ تو بعید ہو جا اور توبہ کی زمین کو حکم ہوا تو قریب ہو جا، اور اس طرح ملائکہ رحمت کو قبض روح کا حق عنایت کر دیا گیا۔

گویا قانون الٰہی سے اس شخص کو نافرمانیوں اور معصیتوں سے تائب اور پاک شمار کر لیا گیا کیونکہ جس تڑپ اور جذبہ کے ساتھ یہ اپنی جگہ سے نکلا اور ارض معصیت کو نفرت سے چھوڑتے ہوئے ارض اطاعت کا رخ اختیار کر لیا تو درحقیقت یہ اس ارشاد خداوندی کا مصداق بن گیا: "ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله"۔ اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار تائبین و مطیعین میں ہو گیا اور تائب انسان بفرمان نبوی اس معصوم بچہ کی طرح ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

انابت الی اللہ کا مفہوم:

انابت اور رجوع الی اللہ کی حقیقت نافرمانی اور معصیت سے بیزار و متنفر ہو کر اللہ رب العزت کی اطاعت و بندگی کی طرف رخ کر لینا ہے، اس طرح سے کہ گزشتہ کیے ہوئے اعمال پر ندامت و شرمساری ہو اور بارگاہ خداوندی سے عفو کا طالب ہوتے ہوئے یہ عہد کرے کہ آئندہ ان برائیوں سے پرہیز کروں گا۔ حدیث سید الاستغفار کے الفاظ یہ ہیں: اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عهدک ووعدک مااستطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت، ان کلمات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ توبہ و استغفار کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت و خالقیت کا اعتقاد کامل رکھتے ہوئے اپنی بندگی کا اقرار کرے، اور خدا سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی تکمیل کا اپنی عملی حد استطاعت تک عزم رکھے، ساتھ ہی اپنی کی ہوئی برائیوں کا تصور ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ خدا کے انعامات کس قدر ہیں اور ان انعامات کے بالمقابل میری تقصیرات کتنی ہیں، ظاہر ہے کہ اس احساس کا نتیجہ ندامت و شرمندگی کی صورت میں ظاہر ہو گا اور اس طرح کے اعتقاد و عزم اور احساس ندامت کے ساتھ معافی کی طلب اور اس بات کا عہد کہ آئندہ اس طرح کی معصیت کا مرتکب نہ ہوں گا۔

تو ان تمام احوال و کیفیات کا مجموعہ درحقیقت اللہ کی طرف انابت و رجوع ہے تو ایسے رجوع الی اللہ پر بشارت سنائی جارہی ہے رحمت و مغفرت کی اور اسی کے ساتھ مایوسی کا تصور قلب و دماغ سے نکال دینے کا بھی امر فرمایا جارہا ہے۔

رحمت خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے:

دعوت رحمت اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے۔ "لا تقنطوا من رحمة الله"۔ کہ اللہ کی رحمت سے

اے لوگو! ہرگز مایوس نہ ہو اور رحمت خداوندی سے مایوسی کو کفر کے درجہ میں شمار کیا گیا جیسے ارشاد ہے: "انه لا ییئس من روح الله الا القوم الکافرون"۔ دوسری جگہ: "قال و من یقنط من رحمة ربه الا الضالون" (الحجر)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے فرمایا اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہو تو در حقیقت ایسا شخص کتاب اللہ کا منکر ہے (ابن کثیر ج ۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ اعظم ترین آیت کتاب اللہ میں آیۃ الکرسی "اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم" ہے اور خیر وشر کے لیے جامع ترین آیت قرآن کریم میں: "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" ہے اور سب سے زیادہ مسرت وخوشی کی "یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله" ہے اور تفویض واعتماد علی اللہ کے باب میں سب سے زیادہ مضبوط وقوی "ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب" ہے۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں) یہ سمجھا کرتے اور کہا کرتے تھے، ہم جو بھی نیکیاں کرتے ہیں وہ یقیناً قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ "یایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (محمد) نازل ہوئی تو ہم نے سوچا کہ یہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اعمال کو باطل کر دے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کبائر وفواحش ہیں کہ ان کے ارتکاب سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں تو اس پر ہم گھبرا گئے اور کہنے لگے یقیناً جو شخص بھی کسی گناہ کا ارتکاب کرلے وہ تباہ و برباد ہوگا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے ان دونوں باتوں سے رجوع کیا، یعنی نہ ہم اس تخیل پر رہے کہ ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اور نہ یہ عقیدہ رہا کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہلاکت وتباہی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے سمجھا کہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ سے بندہ اللہ کی مغفرت، عنایات اور رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

انابت کا مفہوم رجوع ہے اور) "وانیبوا الی ربکم ..... " کے معنی یہ ہیں۔ اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو معصیتوں سے اعراض کرتے ہوئے۔

ان پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ۔ اور بعض ائمہ مفسرین نے اس کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے کہ تم نفس اور اس کے تقاضوں سے منقطع ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اس کی عبادت وبندگی اور ذکر کے ساتھ رجوع کرو۔

"توبہ" کے معنی بھی اہل لغت رجوع کے بیان کرتے ہیں اور انابت کے معنی بھی رجوع کے ہیں، جیسے کہ بیان کیا گیا، شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں لطیف فرق بیان کیا، فرمایا تائب اس کو کہیں گے جو خوف عقاب کی وجہ سے رجوع کرے یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر معصیت سے تائب ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے، اور منیب اس رجوع کرنے والے کو کہیں گے جو حق تعالیٰ کے انعامات وکرم سے شرما کر معاصی سے باز آئے، وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ کے بعد وَاَسْلِمُوْا کا حکم حق تعالیٰ سبحانہ کے لیے اخلاص پر متوجہ وآمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات وکامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل وکرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴)

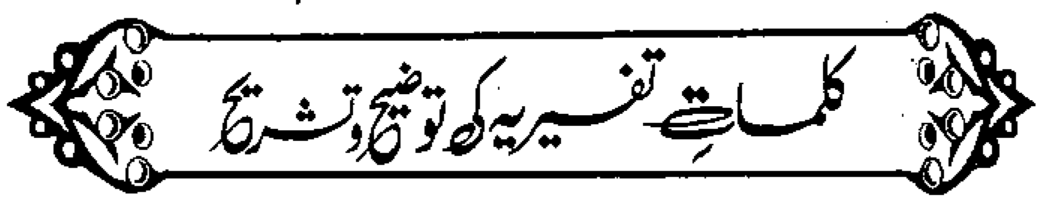
الغرض آیت کا مقصد اور اس پیغام رحمت کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو قبول حق اور رجوع الی اللہ کے لیے یہ بات مانع نہ

ہونی چاہئے کہ اس نے اپنی سابق زندگی میں عظیم گناہ کیے ہیں، نہ اس کو اس وجہ سے قبول حق سے رکنا چاہئے اور نہ ہی اس کو رحمت خداوندی سے مایوس ہونا چاہئے، اس لیے ان آیات سے یہ سمجھنا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ان اعمال کے مواخذہ کی کوئی فکر نہ کرنی چاہئے۔ قطعاً غلط ہے، عقل اور الفاظ کی دلالت ہرگز ایسے مفہوم کی اجازت نہیں دیتی حاصل یہ کہ ان آیات سے انسان کو بے فکر ہو کر گناہوں پر جری نہ ہونا چاہئے، بلکہ غرض یہ ہے کہ مایوسی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ غَيْرَ مَنْصُوْبٌ بِاَعْبُدُ الْمَعْمُوْلِ لِتَامُرُوْنِيْ بِتَقْدِيْرِ اَنْ بِنُوْنٍ وَاحِدَةٍ وَبِنُوْنٍ وَاحِدَةٍ وَبِنُوْنَيْنِ وَادْغَامٍ وَفَكٍّ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَاللّٰهِ لَئِنْ اَشْرَكْتَ يَا مُحَمَّدُ فَرَضًا لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ وَحْدَهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنْعَامَهُ عَلَيْكَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ مَا عَرَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ اَوْ مَا عَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظْمَتِهٖ حِيْنَ اَشْرَكُوْا بِهٖ غَيْرَهُ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا حَالٌ اَيِ السَّبْعُ قَبْضَتُهٗ اَيْ مَقْبُوْضَةٌ لَهٗ فِيْ مِلْكِهٖ وَتَصَرُّفِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ مَجْمُوْعَاتٌ بِيَمِيْنِهٖ ۭ بِقُدْرَتِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى فَصَعِقَ مَاتَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ مِنَ الْحُوْرِ وَالْوِلْدَانِ وَغَيْرِهِمَا ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ اَيْ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ الْمَوْتٰى قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ يَنْتَظِرُوْنَ مَا يُفْعَلُ بِهِمْ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ اَضَاءَتْ بِنُوْرِ رَبِّهَا حِيْنَ يَتَجَلّٰى لِفَصْلِ الْقَضَاءِ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ كِتَابُ الْاَعْمَالِ لِلْحِسَابِ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ اَيْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمَّتِهٖ يَشْهَدُوْنَ الْمُرْسَلَ بِالْبَلَاغِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اَيِ الْعَدْلِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ شَيْئًا وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اَيْ جَزَاؤُهُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ فَلَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَاهِدٍ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانی والو! کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو۔ لفظ غیر، اعبد کی وجہ سے منصوب ہے جو تامرونی معمول ہے ان کی تقدیر کے ساتھ جو ایک نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں کے ساتھ مع ادغام اور بغیر ادغام بھی آیا ہے اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گزرے ہیں ان کی طرف یہی وحی بھیجی جا چکی ہے کہ بخدا آپ نے اے محمد ﷺ بالفرض اگر شرک کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا اور تم خسارے میں پڑ جاؤ گے بلکہ اللہ ہی کی تنہا عبادت کرو اور شکر گذار رہنا جو اس نے آپ پر انعام کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ کی

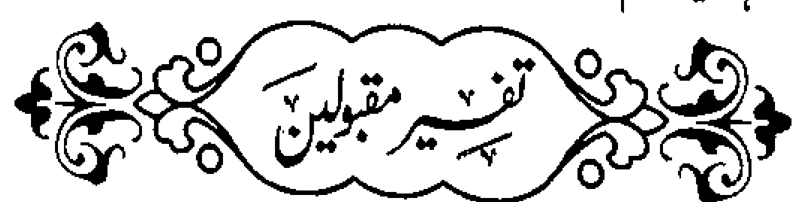
جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہوئی یا جیسی اس کی عظمت ہونی چاہئے وہ عظمت نہیں کی غیر اللہ کو شرک کر کے حالانکہ ساری زمین جمیعاً خاص ہے یعنی ساتوں طبقات زمین اسکی مٹھی میں ہوگی یعنی قبضہ میں اس کی ملک اور تصرف کے لحاظ سے قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ایک ساتھ ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ قدرت میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے ہیں اور صور میں پھونک ماری جائے گی پہلے نفخہ پر سو تمام زمین آسمان والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے یعنی حوریں بچے وغیرہ پھر اسمیں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب کی سب تمام مری ہوئی مخلوق کھڑے ہو جائیں گے دیکھنے لگیں گے انتظار میں ہوں گے کہ ان کے کیا کاروائی ہوتی ہے زمین روشن ہو جائے گی چمک جائے گی اپنے پروردگار کے نور سے جبکہ رونما ہوگا زمین پر مقدمات کے فیصلہ کے لئے اور اعمالنامہ رکھ دیا جائے گا حساب کے لئے نامہ اعمال اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے آنحضور ﷺ اور آپ کی امت پیغمبروں کے حق میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے لوگوں کو پیغام پہونچایا تھا اور انکا فیصلہ کیا جائے گا انصاف سے ٹھیک ٹھیک اور ان پر ذرا بالکل ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ معاوضہ دیا جائے گا اسلئے کہ وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے اسلئے اسے گواہ کی ضرورت نہیں ہے



قوله: مَقْبُوْضَةٌ لَهٗ: قَبْضَتُهٗ ایک مرتبہ ہاتھ سے پکڑنا۔ اس کا اطلاق یہاں پکڑی ہوئی چیز پر مصدر کو اسمیت کا درجہ دے کر استعمال کیا۔

قوله: مَجْمُوْعَاتٌ بِيَمِيْنِهٖ: اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت اور افعال عظام کی حقارت پر خبردار کیا گیا۔ درحقیقت یہ اس کی قدرت کو تمثیل سے ذکر کیا گیا ہے، تعبیر قبضہ ویمین کے اعتبار کے۔

قوله: بِنُوْرِ رَبِّهَا: یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور جو عدل قائم کر رکھا ہے اس کا نام نور رکھا، اسی سے مقامات کو زینت ملتی ہے اور حقوق کا اظہار ہوتا ہے، جیسا کہ ظلم کو ظلمیت سے تعبیر فرمایا۔



قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ ۔۔۔۔

آپ فرما دیجیے کہ اے جاہلو میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا:

مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرنے لگو اگر ایسا کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے، اس پر آیت کریمہ: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ آخر تک نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو حکم دیا ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اے جاہلو!

کیا مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے لگوں؟ مزید فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) کی طرف ہم نے یہ وحی بھیجی ہے کہ اگر بالفرض اے مخاطب تو نے شرک اختیار کرلیا تو اللہ جل شانہٗ تیرا عمل حبط فرمادے گا یعنی بالکل اکارت کردیا جائے گا جس پر ذرا بھی ثواب نہ ملے گا وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا) یعنی اعمال کا بھی کچھ نہ ملے گا اور جان بھی ضائع ہوگی اس کی کچھ قیمت نہ ملے گی، جان کی مکمل بربادی ہوگی، کیونکہ دوزخ میں داخلہ ہوگا۔ حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) تو گناہوں سے بھی معصوم تھے شرک اور کفر کا ارتکاب ان سے ہو ہی نہیں سکتا لیکن بر سبیل فرض اگر کسی نبی نے بھی شرک کرلیا تو اس کی بھی جان بخشی نہ ہوگی غیروں کا تو سوال ہی کیا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خطاب کرکے ان کی امتوں کو بتادیا کہ دیکھو شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر کسی نبی سے بھی صادر ہو جائے تو اس کے اعمال صالحہ برباد ہو جائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہوگا لہٰذا امتیوں کو تو اور زیادہ شرک سے دور رہنا اور بیزار رہنا لازم ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝

یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلادیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان و خسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت و جلال کو سمجھے۔ عاجز و حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کو اسی طرح بزرگ و برتر مانے، جیسا کہ وہ واقع میں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ـــــ

اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات بہت بڑی ہے اس کو اس دنیا میں دیکھا نہیں جاسکتا لیکن اس کی صفات کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اس کی صفت خالقیت کو سب عقل مند جانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے اس کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے جن لوگوں نے کسی کو اس کا ساجھی ٹھہرایا اور عبادت میں شریک بنایا اور نہ صرف یہ کہ خود مشرک بنے بلکہ اس کے رسول کو بھی شرک کی دعوت دے دی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہیں کی جس تعظیم کا وہ مستحق ہے اس کی ذات پاک کے لیے شریک تجویز کرنا بہت بڑی حماقت اور ضلالت ہے، دنیا میں اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور قیامت کے دن ایک مظاہرہ اس طرح سے ہوگا کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ان لوگوں کے شرکیہ اقوال و افعال سے بھی پاک ہے۔

چونکہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: (لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ) (اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اس لیے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اگر آیت کریمہ کا معنی ہاتھ کی مٹھی لیا جائے اور بِیَمِیْنِهٖ سے داہنا ہاتھ مراد لیا جائے تو اس سے جسمیت اور مثلیت لازم آتی ہے اس لیے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ کے مضمون کے بارے

میں یوں عقیدہ رکھو کہ اس کا جو بھی مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہ حق ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا معنی اور مفہوم اسی کی طرف تفویض کرتے ہیں بعض علماء نے تاویل بھی کی ہے لیکن محققین تاویل کے بجائے تفویض کو اختیار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اور جو کچھ بھی قرآن وحدیث میں آیا ہے وہ سب حق ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہم اپنی طرف سے مطلب تجویز نہیں کرتے اس طرح کا مضمون جہاں کہیں بھی آئے اس کے معنی کی تفویض بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، اور زمینوں کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر، اور (باقی) ساری مخلوق کو ایک انگلی پر روک لے گا پھر فرمائے گا: اَنَا الْمَلِكُ (میں بادشاہ ہوں) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اس کے بعد آپ نے آیت بالا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. تلاوت فرمائی آپ کا ہنسنا اس یہودی کی تصدیق کے طور پر تھا۔ (صحیح بخاری ۲،۱۱۰۳،۱۱۰۲)

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ ۔۔۔

قیامت کے دن صور پھونکے جانے کا تذکرہ

پھر فرمایا: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ۔۔۔ (اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی ابتداء صور پھونکے جانے سے ہوگی اور دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید وفروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہوگا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جا رہا ہوگا اور پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہوگا اور ابھی اس میں مویشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (رواہ البخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مر جائیں گے اور ان پر بیہوشی طاری ہو جائے گی اور جو اس سے پہلے مر چکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہوں گے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا حضرت ابوہریرہؓ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل

کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابوہریرہ کیا چالیس دن کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کا استثناء:

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ میں کن حضرات کا استثناء ہے اس کے بارے میں احادیث مرفوعہ صحیحہ میں کوئی واضح بات نہیں ملتی البتہ ایک حدیث میں یوں ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کچھ گالی گلوچ ہوگئی باتوں باتوں میں مسلمانوں نے یوں کہہ دیا کہ قسم اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر یہودی نے یوں کہا قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر اس مسلمان نے یہودی کے منہ پر طمانچہ ماردیا وہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا گیا اور واقعہ بیان کیا نبی اکرم ﷺ نے اس مسلمان کو بلایا جس نے طمانچہ ماردیا تھا اور اس سے صورت حال معلوم کی، اس نے صورت حال بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو (یعنی اس طرح کی کوئی بات نہ کہو جس سے ان کے مرتبہ کی تنقیص ہوتی ہو) کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہوجائیں گے اور میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہوجاؤں گا پھر سب سے پہلے مجھے ہی ہوش آئے گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کی جانب کو پکڑے کھڑے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان لوگوں میں ہوں گے جو بے ہوش ہوگئے تھے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آگیا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کا استثناء کیا گیا ہے یعنی اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کے عموم میں وہ بھی شامل ہوں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ (کوہِ) طور پر انہیں جو بیہوشی طاری ہوئی تھی اس کو اس وقت کی بیہوشی کے حساب میں لگا دیا گیا (اور ان پر بیہوشی ہی نہ ہوئی) یا بے ہوش تو ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہوں گے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۵: ج ۱، ص ۹۶۵: ج ۲، ص ۶۸۸: ج ۲)

چونکہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کا مصداق کون ہے اس لیے مفسرین میں سے کسی نے یوں کہا کہ جو حضرات بے ہوش نہ ہوں گے ان سے جبرائیل، اسرافیل اور میکائیل اور ملک الموت مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے حاملین عرش مراد ہیں اور یوں بھی لکھا ہے کہ پہلی بار صور پھونکے جانے پر جو حضرات بیہوشی سے محفوظ رہیں گے بعد میں ان کو بھی موت آجائے گی۔

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ۔۔۔۔

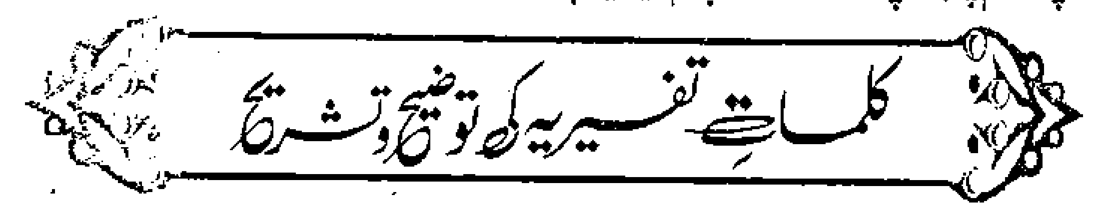
مراد یہ ہے کہ میدان حشر میں حساب وکتاب کے وقت سب انبیاء بھی موجود ہوں گے اور دوسرے سب گواہ بھی حاضر ہوں گے۔ ان گواہوں میں خود انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے جئنا من کل امۃ بشھید اور فرشتے بھی گواہوں میں ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: معھا سائق و شھید۔ کہ اس میں سائق اور شہید سے مراد فرشتے ہونا (تفسیر درمنثور) سورۂ ق میں مذکور ہے اور ان گواہوں میں امت محمدیہ بھی ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: لتکونوا شھداء علی الناس اور ان گواہوں میں خود انسان کے اعضاء وجوارح بھی ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: تکلمنا

ایدیھم وتشھد ارجلھم۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا بِعُنْفٍ اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا جَماعاتٍ مُتَفَرِّقَةً حَتّٰٓى اِذَا جَاءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
جَوَابُ اِذا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ اَلْقُرْاٰنَ وَغَيْرَه وَ
يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَىْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ اَلْاٰيَةُ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى مَاوٰى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ جَهَنَّمَ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِلُطْفٍ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ
اَبْوَابُهَا اَلْوَاوُ فِيْهِ لِلْحَالِ بِتَقْدِيْرِ قَدْ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾
مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا وَجَوَابُ اِذَا مُقَدَّرٌ اَىْ دَخَلُوْهَا وَسَوْقُهُمْ وَفَتْحُ الْاَبْوَابِ قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ تَكْرِمَةٌ لَهُمْ وَ
سَوْقُ الْكُفَّارِ وَفَتْحُ اَبْوَابِ جَهَنَّمَ عِنْدَ مَجِيْئِهِمْ لِيَبْقٰى حَرُّهَا اِلَيْهِمْ اِهَانَةً لَهُمْ وَقَالُوا اعطف عَلٰى
دَخَلُوْهَا الْمُقَدَّرِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ بِالْجَنَّةِ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ اَىْ اَرْضَ الْجَنَّةِ نَتَبَوَّاُ نَنْزِلُ
مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ لِاَنَّهَا كُلَّهَا لَا يُخْتَارُ فِيْهَا مَكَانٌ عَلٰى مَكَانٍ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ اَلْجَنَّةُ وَ
تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ حَالٌ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْهُ يُسَبِّحُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ حَافِّيْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ فَلَا بِسَيْنَ لِلْحَمْدِ اَىْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ جَمِيْعِ
الْخَلَائِقِ بِالْحَقِّ اَىِ الْعَدْلِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُوْنَ النَّارَ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾
خُتِمَ اِسْتِقْرَارُ الْفَرِيْقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ

ترجمہ: اور جو کافر ہیں وہ زبردستی دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے، ٹکڑیاں بنا بنا کر گروہ گروہ کر کے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہونچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے یہ اذا کا جواب ہے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں قرآن وغیرہ پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈرایا کرتے تھے کافر بولیں گے ہاں لیکن عذاب کا وعدہ۔ لا ملئن جھنم الخ کافروں پر پورا ہو کر رہا اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو ہمیشہ اس میں رہا کرو غرضیکہ تکبر کرنیوالوں کا برا ٹھکانہ رہنے کا مقام ہے دوزخ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرا کرتے تھے انھیں مہربانی سے جنت کی طرف

روانہ کیا جائے گا جتھے بنا بنا کر یہاں تک کہ جب جنت کے پاس پہونچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اس میں واؤ حالیہ ہے اور قد مقدر ہے اور ان سے جنت کا چوکیدار کہے گا تم پر سلامتی ہو، پس تم جنت میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ کے لیے کہ وہاں سے کبھی بھی نکلنا نہیں پڑے فا، اذا کا جواب مقدر ہے یعنی وہ داخل ہو جائیں گے جنتیوں کو ایسی حالت میں لے جانا کہ جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اس میں ان کا اعزاز مقصود ہے اور جہنمیوں کو اس حال میں لے جانا کہ ان کے پہونچنے پر دوزخ کے دروازے کھلیں گے ان کو گرمی پہونچانے کے لئے اس میں ان کی اہانت مقصود ہوگی اور جنتی پکار اٹھیں گے اس کا عطف دخلوھا مقدر پر ہے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ جنت سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین جنت کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں رہیں ٹھہریں جہاں چاہیں کیونکہ ساری جنت یکساں ہوگی کہیں روک ٹوک نہ ہوگی غرض جنت عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے اردگرد ہر طرف حلقہ باندھے ہوں گے تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے حافین کی ضمیر سے حال واقع ہے اپنے پروردگار کی تسبیح کے ساتھ حمد بھی کریں گے، یعنی سبحان اللہ والحمدللہ پڑھیں گے اور سب مخلوق کے درمیان باہمی فیصلہ ٹھیک کر دیا جائے گا یعنی انصاف کے ساتھ لہٰذا مؤمنین جنت میں اور کفار دوزخ میں داخل کر دئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے دونوں فریقوں کے اپنے اپنے مقام پر پہونچنے کو فرشتوں کی حمد پر ختم کیا گیا ہے۔

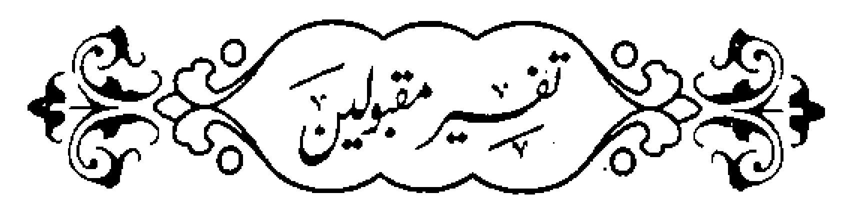


قوله: مُتَفَرِّقَةً: ایک دوسرے کے پیچھے گراھیوں میں اپنے مراتب کے اعتبار ولحاظ سے۔

قوله: حَتّٰی: یہ ابتدائیہ ہے یہی وہ ہے جس کے بعد جملہ بطور حکایت آتا ہے۔

قوله: جَوَابُ اِذَا: اذا کا جواب مقدر ہے۔ اس لیے کہ اس پر دلالت موجود ہے کہ ان کا خوب اکرام ہوگا۔

قوله: حَرُّھَا اِلَیْھِمْ: تاکہ آنے والے کے لیے جہنم کی حرارت باقی رہے۔ دروازہ کھولنے سے حرارت کم ہو جاتی ہے، کیونکہ جہنم کے سانس اس سے باہر خارج ہو جائیں گے۔



وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۔۔۔۔

<u>اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتوں کا گروہ گروہ اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا:</u>

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین وکفار کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ شرک ونافرمانی سے باز نہ آئیں گے، تو زندگی میں کیے ہوئے تمام اعمال حبط وبرباد ہوں گے اور انسان کو نہ قیامت سے بے فکر ہونا چاہئے اور نہ محاسبہ سے لاپرواہی

برتنی چاہئے، قیامت بھی برحق ہے، محاسبۂ اعمال بھی۔ اعمال اس پروردگار پر پوشیدہ نہیں وہ اعمال کو دیکھتا اور جانتا ہے اس نے ہر انسان کا نامہ اعمال بھی تیار کر رکھا ہے، اعمال پر گواہ بھی ہیں اس نوعیت سے مجرم کو اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار ہیں ان کو ان کی نیکیوں پر انعام و جزا دی جائے گی تو اس طرح جزا و سزا کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل کی جارہی ہے، ہر گروہ کے ساتھ قیامت کے روز کیسا معاملہ ہوگا تو ارشاد فرمایا، اور اس قضاء حق اور فیصلہ عدل کے بعد ہانکا جائے گا کافروں کو جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر اس طرح ان کو ذلت کے ساتھ ہنکا کر لے جایا جائے گا، جیسے جانوروں کو دھکیل کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کفار جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو زبردستی ان کو دھکیلا جاتا ہوگا، اور کافروں کے کفر و شرک کی بہت انواع ہیں تو اسی لحاظ سے ہر نوع کفر و شرک کے مرتکب کا ایک گروہ ہوگا، اس طرح گروہ در گروہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یا یہ کہ رؤسا اور ان کے سرغنے آگے آگے ہوں گے اور متبعین و پیروکار پیچھے پیچھے (اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ظاہر فرمایا: "ثم لننزعن من کل شیعة ایهم اشد علی الرحمن عتیا" یعنی کافروں کی ہر جماعت میں سے ہم ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے جو کفر میں زیادہ شدید تھے تو بڑے بڑے کفار علیحدہ ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے الگ ہوں گے۔)

یہاں تک کہ جب یہ کفار دوزخ کے سامنے پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ ایک دم جہنم کے شعلے اور لپٹیں انکو جھلسانا شروع کر دیں، اور دروازے کھلتے ہی دائمی عذاب اور وہاں کے ہولناک مناظر نظروں کے سامنے آتے ہی حسرت و ملال کی بے چینی پیدا کر دیں گے اور ان سے دوزخ کے نگران فرشتے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے اور احکام خداوندی سکھایا کرتے تھے اور تم کو ڈرایا کرتے تھے تمہارے اس دن کے پیش آنے سے اے لوگو قیامت کا دن آنا ہے اس کی فکر کر لو، اللہ کی نافرمانی سے بچو ورنہ عذاب خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا اس وقت ذلت ولاچاری کے عالم میں کافر کہیں گے کیوں نہیں: بے شک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے عذاب الٰہی سے ڈرایا، بیشک اسباب ہدایت سب موجود تھے لیکن ہم نے نہ ان سے فائدہ اٹھایا اور نہ راہ راست پر آئے لہٰذا اب عذاب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا کافروں پر اور اب حسرت و ندامت کے ساتھ سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ نہیں کہ بے شک ہم نے کفر کیا اور کافروں کے حق میں جس عذاب کا فیصلہ اور وعدہ تھا وہ اب ہمارے سامنے موجود ہے تو یہ ہماری نالائقی ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں، اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا اچھا اب تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس طرح کہ ہمیشہ اس میں رہو گے، غرض یہ متکبرین۔ ۱، (پہلی آیت میں ان دوزخیوں کو "کافرین" کہا گیا اور اس آیت میں "متکبرین" عذاب جہنم تو بیشک کفر ہی کی وجہ سے ہے، لیکن کفر کا اصل سبب اور علت تکبر ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک چیز عذاب کی ذلت ہے اور دوسری چیز یعنی تکبر وہ علة العلة ہے تو ان دو تعبیروں سے اشارہ کر دیا گیا کہ جو لوگ کفر میں مبتلا ہیں دراصل ان کا یہ کفران کے تکبر کا نتیجہ ہے، نخوت اور تکبر ہی ہمیشہ کافروں کے کفر کا سبب بنا، انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کیا تو ایک موقعہ پر علت عذاب کو ذکر کر دیا گیا اور دوسری آیت میں علت کی علت بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کافروں کا یہ کفران کا تکبر کا انجام ہے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر آنحضرت

ﷺ کے زمانہ تک کے کافروں کی یہی نخوت، کفرونافرمانی کا سبب بنی رہی جیسے کہ ارشاد ہے: "انؤمن لک واتبعک الارذلون"۔ اورتکبر ہی تمام رذائل کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اس کی سزا میں کفار کوانتہائی ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس طرح ذلت وحقارت کیساتھ جہنم میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا جیسے جانور ہنکائے جارہے ہوں، اسی وجہ سے لفظ ''سِیقَ'' استعمال کیا گیا جو سوق بمعنی ہنکانے سے مشتق ہے۔)

اور اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، بخلاف اہل توحید میں سے گنہگاروں کے کہ اگر وہ اپنے گناہوں کے باعث بطور سزا جہنم میں گئے بھی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو عذاب جہنم سے آزاد کردیا جائے گا جہنم ان کا دائمی ٹھکانا اور حقیقی مثویٰ نہیں، اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے خدا سے ڈرے اور اپنے رب پر ایمان لائے ان کو نہایت ہی عزت واکرام کے ساتھ چلایا جائے گا جنت کی جانب گروہ گروہ بناکر اس طرح کہ متبعین کی جماعتیں مراتب تقویٰ کے لحاظ سے جدا جدا ہوں گی ہر جماعت کی ایک علیحدہ شان ہوگی وہ اس شان کے ساتھ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے جیسا کہ کافر ومتکبر ذلت وحقارت سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف دھکیلے گئے تھے۔ تو ان فرمانبرداروں اور مؤمنین کے لیے اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ چلتے ہوں گے جس طرح بادشاہوں کے محافظ اور درباری خدام اپنے درمیان اپنے بادشاہ کو لے کر چلتے ہوں، اہل جہنم کا سوق حقارت وتوہین کے رنگ میں تھا جیسے چوروں ڈاکوؤں کو طوق وسلاسل کے ساتھ سپاہی لے جاتے ہوں لیکن اہل جنت کا جنت کی طرف سوق اعزاز واکرام کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے بادشاہ کو اس کے مصاحبین لیے جاتے ہوں۔ (ان کلمات سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ لفظ سوق جنت کے لیے بطور صنعت مشاکلت کے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہل جنت تو ظاہر ہے کہ بصد اکرام جنت میں لیجائے جائیں گے جیسے کہ ارشاد ہے: "اولئك فی جنت مکرمون"۔)

فرشتے ان کو تقاضا کرکے جلدی جلدی لیے چلتے ہوں گے اور خدام پیچھے سے ان کے حواریوں کو ہنکاتے ہوں گے، غرض یہ سوق عزت وکرامت کا ہوگا جو بصد شوق ومحبت ہوگا، یہاں تک کہ جب یہ اہل ایمان جنت تک پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور جیسے کہ معزز مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کیلیے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی جنت کے نگران ان سے کہیں گے: "سلام علیکم طبتم"۔ سلامتی ہو تم پر اللہ کی عنایات ورحمتوں کے ساتھ اور خوش رہو تم، پس داخل ہوجاؤ اس جنت میں اس شان سے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوگے، ہر جانب سے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی نہ کبھی کوئی تعب ومشقت پیش آئے گی اور نہ کسی قسم کا رنج وغم واقع ہوگا۔ اہل جہنم کو تو خازنین جہنم داخل ہونے سے پہلے ملامت اور سرزنش کریں گے لیکن اہل جنت کے لیے خازنین جنت تحیہ وسلام اور پیغام بشارت اور ان کی ثناء وتوصیف اور اعزاز واکرام کے ساتھ استقبال کرتے ہوں گے اور آئندہ کے لیے بھی سکون وچین کا مژدہ سنا کر مطمئن کریں گے، جس پر اہل جنت خوش ہوں گے اور فرط مسرت اور جذبہ تشکر سے یہ کہیں گے ''الحمد للہ''۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے پورا کر دکھایا جو وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا ہمارے ایمان لانے پر جو وعدہ تھا جنت کا وہ وعدہ محض اپنے فضل سے پورا کر دکھایا اول تو وعدہ ہی محض اس کا فضل تھا پھر اس مہربانی پر مزید یہ کہ ہم کو اس نے ایمان کی توفیق دی پھر یہ انعام کہ ہم کو اس پر قائم رکھا، پھر اور کرم بالائے کرم یہ کہ اس کو قبول فرمایا اور خوشنودی کا ذریعہ بنایا لہٰذا یہ سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے اس پر جس قدر بھی اس کا

شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اور ہم کو اس سرزمین کا وارث بنا دیا کہ ہم عالم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں حالانکہ دنیا میں تو کوئی ایک بالشت زمین کا ٹکڑا بھی جہاں چاہے نہیں حاصل کر سکتا تھا، پھر یہاں ہر شوق اور خواہش پوری ہورہی ہے ہر طلب پوری کی جارہی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: "ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون"۔ تو آخر اس بڑھ کر انعام واکرام کا کیا درجہ ہو سکتا ہے، پس کیا ہی اچھا ہے اجر و ثواب نیک عمل کرنے والوں کا۔

الغرض جب اہل جنت اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخیوں کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ رب العزت کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جائیں گے اور اے دیکھنے والے تو اس روز دیکھے گا فرشتوں کو اس طرح کہ گھیرے ہوئے ہوں گے ہر جانب سے عرش الٰہی کو یا کی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی حمد وثناء کرتے ہوئے کہ پروردگار عالم کی تسبیح وتحمید میں غرق ہوں گے اور عرش الٰہی کعبۃ اللہ کی طرح ملائکہ کا مطاف بنا ہوا ہوگا اور عرش خداوندی کے طواف کے دوران ملائکہ کا ورد ہوگا۔ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ اور تمام خلائق کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ رب العزت کی اس شان عظمت وکبریائی اور عدل وانصاف کو دیکھ کر ہر زبان اور ہر سمت سے یہی صدا جاری ہوگی۔ "الحمد للہ رب العالمین"۔ یعنی ہر طرف سے فرشتوں اور اہل جنت کی زبان جوش وخروش کے ساتھ اللہ کی حمد وستائش میں مصروف ہوگی اور کہا جاتا ہوگا۔ ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فرشتوں کا عرش الٰہی کے گرد گھیرا بنائے تسبیح وتحمید میں مصروف ہونا اس وقت ہوگا جب حق تعالیٰ کا نزول اجلال ہوگا بندوں کے حساب کے لیے اس وقت کی عظمت وہیبت کا یہ اثر ہوگا، فرشتے بھی عرش الٰہی کا گھیرا دیئے یا طواف کرنے کی حالت میں حمد وثناء میں مصروف ہوں گے۔

ان آیات میں عجیب ربط وتناسب ہے جس سے مزید شان اعجاز کلام خداوندی کی ظاہری ہو رہی ہے: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ سے کلام کا آغاز فرمایا گیا تھا، اثبات توحید اور نفی شرک موضوع خطاب تھا، اس سے کلام کی ابتداء کرتے ہوئے معاد اور آخرت کا ذکر شروع کر دیا گیا اس میں جنت وجہنم اور اہل جنت وجہنم کا ان کے احوال کا ان کے جنت وجہنم میں داخل ہونے کی کیفیات کا بیان فرمایا دیا گیا اور ان تمام تفصیلات کو اخیر میں حق تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کے بیان پر ختم فرمایا، یہ کہتے ہوئے "الحمد للہ رب العالمین"۔

"اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ"۔ میں جنت کی سرزمین کو لفظ ارض سے مجازاً اس لحاظ سے تعبیر کیا گیا کہ وہ جگہ اسی طرح چلنے پھرنے اور ٹھکانا بنانے کی ہوگی جیسے عالم دنیا میں زمین ہوتی ہے۔

دوزخ وجنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونیوالوں کو کیفیات:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا۔ اہل جہنم کے جہنم کے سامنے پہنچنے کی کیفیت میں یہ فرمایا گیا، یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے سامنے پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اِذَا جَآءُوْهَا شرط پر فُتِحَتْ کا جملہ جزائیہ اس پر

دلالت کرتا ہے کہ ان کے پہنچتے ہی فوراً دروازے کھولے جائیں گے تاکہ جلد سے جلد ان کفار و مجرمین کو دار العقوبت میں پہنچا دیا جائے اور ایک لحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے نیز مجرمین کے ساتھ یہی طریقہ برتا جاتا ہے کہ جیل خانہ بند ہوتا ہے جوں ہی مجرم لایا گیا جیل کے نگران فوراً دروازہ کھول کر مجرم کو اندر دھکیل دیتے ہیں، اسکے بالمقابل اہل جنت کا جنت میں جانا اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوگا اور اعزاز و اکرام کا مقتضی یہ ہے کہ معزز مہمانوں کے استقبال کے لیے دروازے پہلے کھلے رہیں اس لیے وہاں وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا کی تعبیر اختیار کی گئی جس کا ترجمہ یہ کیا گیا اور دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ ایک موقعہ پر دخول جنت کے ذکر میں مفتحة لهم الابواب فرمایا گیا۔

زُمَرًا. یعنی گروہ گروہ اور جماعتیں جماعتیں اہل جنت کے گروہ وہی جماعتیں ہوں گی جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ انبیاء وصدیقین وشہداء اور صالحین کے گروہ ہیں جو یکے بعد دیگرے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبين والصديقين والشهدآء والصالحين وحسن اولئك رفيقا (نساء)

جنت میں داخل ہونے والا سب سے پہلا گروہ اگرچہ جملہ انبیاء کا ہوگا لیکن وہ ذات جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی وہ حضور اکرم ﷺ ہوں گے جیسے کہ ارشاد ہے: انا اول من يقرع باب الجنة (صحیح مسلم) کہ میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے، انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا دستک دینے پر خازن جنت دریافت کرے گا، کون؟ میں جواب دوں گا میں ہوں محمد ﷺ خازن جنت کہے گا، مجھے آپ ﷺ ہی کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے واسطے جنت کا دروازہ نہ کھولوں، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے، ان کے بعد وہ گروہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ روشن ستاروں کے مانند ہوں گے پھر اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے داخل ہونے والے گروہوں کے حسن وجمال کا حال ہوگا۔

جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے:

جنت کے دروازوں کا عدد احادیث میں آٹھ ثابت ہوا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: ان في الجنة ثمانية ابواب باب منها يسمى باب الريان لا يدخله الا الصائمون اور باب فضل وضو میں ہے فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها شاء۔

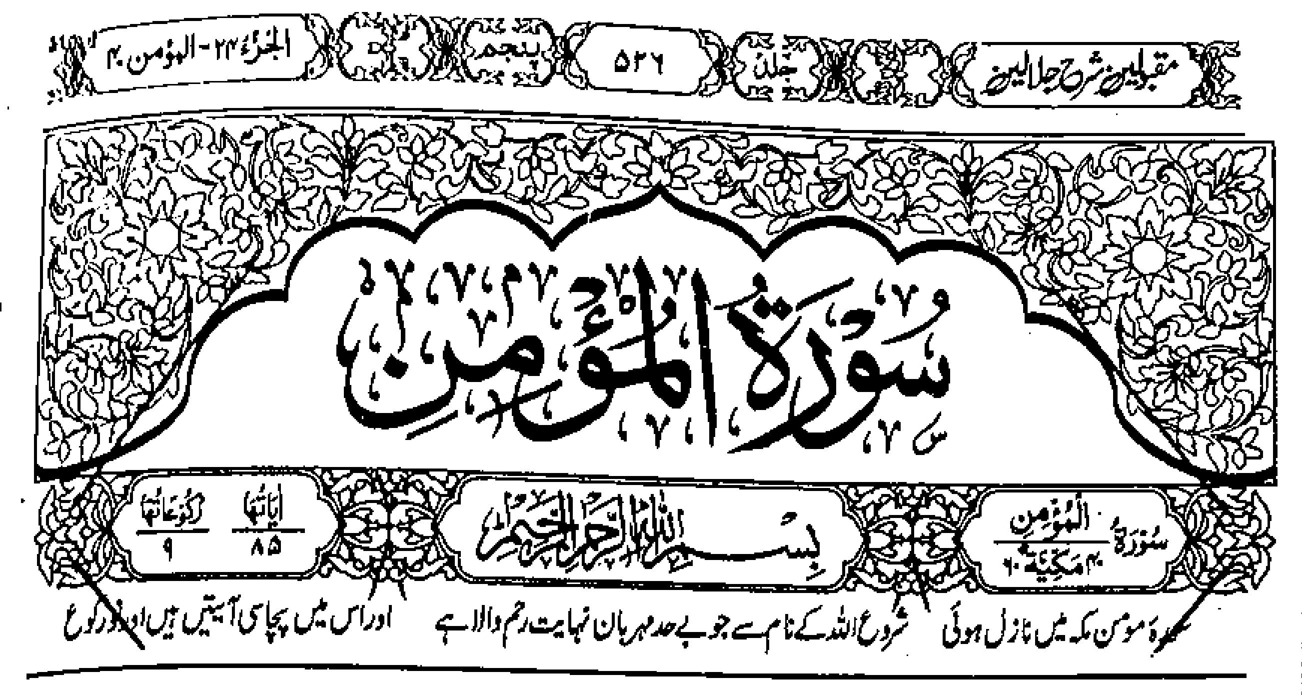
جنت کے دروازوں میں کوئی باب الصلوٰۃ ہوگا، کوئی دروازہ باب الصدقہ ہوگا، کوئی باب الصیام جس کو باب الریان فرمایا گیا، کوئی کوئی باب الحج ہوگا علی ہذا القیاس، ان دروازوں میں ہر ایک دروازہ سے داخل ہونے والے وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس عبادت اور عمل سے خاص شغف رکھنے والے ہوں گے مثلاً جن پر نماز کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے اور جن پر صدقہ وخیرات کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصدقہ سے داخل ہوں گے اور جن پر جہاد کا رنگ غالب تھا وہ باب الجہاد سے اور اسی

لحاظ سے ان کو پکارا جائے گا، ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ جب یہ بیان فرما رہے تھے تو صدیق اکبرؓ کہنے لگے یارسول اللہ اس بات کی کسی کو ضرورت تو نہیں ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے اور بلایا جائے (کیونکہ ایک آدمی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتا ہے) لیکن پھر بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ہوگا ایسا جس کو سب دروازوں سے پکارا جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں! ایسا بھی کوئی شخص ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص اے ابوبکرؓ تم ہی ہوگے۔

(صحیح بخاری ومسلم)

"وقیل الحمد للہ رب العالمین"۔ الحمد للہ رب العالمین کی صدا جوش وخروش کے ساتھ لگانے والے کون ہوں گے؟ بالعموم حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ مؤمنین اور اللہ کے فرشتے ہوں گے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں یہ کہنے والی کائنات کی ہر شے ہوگی کہ ہر موجود شے اس فیصلہ کے عدل وانصاف کو دیکھ کر اللہ کی پاکی اور حمد وثناء میں مصروف ہوجائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ٤) عالم کائنات کی جب ہر چیز اللہ کی حمد وثناء کرتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ یہی وجہ ہے صیغہ مجہول "وقیل"۔ استعمال کیا گیا تاکہ عموم قائل پر دلالت کرے، اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مخلوق حمد خداوندی کے ساتھ ناطق ہوگی اور اس کی پاکی کی گواہی دینے والی ہوگی۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی جیسے کہ فرمان ہے: الحمد للہ الذی خلق السموت والارض، تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی پر ہو، اس بناء پر اس عدل وانصاف کے آخری فیصلہ کو اسی عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا: قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ، قیل الحمد للہ رب العالمین۔ ابتداء خلق بھی حمد سے تھی تو تمام امور کا انجام وانتہا بھی حمد خداوندی پر کی گئی۔



سورة مؤمن:

سورۂ مؤمن بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، یہی قول عطاءؒ جابرؓ اور عکرمہؒ کا ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ان الذین یجادلون فی ایات اللہ، دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آلحا یعنی جو سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں، ہر دروازے پر سورۂ حم اپنے تلاوت کرنے والے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

حٰمٓ ۝۱ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰهِ خبره الْعَزِيْزِ فِىْ مُلْكِهٖ الْعَلِيْمِ ۝۲
بِخَلْقِهٖ غَافِرِ الذَّنْۢبِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ قَابِلِ التَّوْبِ لَهُمْ مَصْدَرٌ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ لِلْكَافِرِيْنَ اَىْ مُشَدِّدُهٗ
ذِى الطَّوْلِ ؕ اَىِ الْاِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلٍّ مِنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَاِضَافَةُ الْمُشْتَقِّ
مِنْهَا لِلتَّعْرِيْفِ كَالْاَخِيْرَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ اَلْمَرْجِعُ مَا يُجَادِلُ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ اِلَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ ۝۴ لِلْمَعَاشِ سَالِمِيْنَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ كَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَغَيْرِهِمَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ
بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ يَقْتُلُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا يُزِيْلُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ بِالْعِقَابِ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ لَهُمْ اَىْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اَىْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَة

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ بَدَلٌ مِنْ كَلِمَةُ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ مُبْتَدَأٌ وَ مَنْ حَوْلَهٗ عَطْفٌ عَلَيْهِ يُسَبِّحُوْنَ خَبَرُهٗ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ تَعَالٰى بِبَصَائِرِهِمْ اَيْ يُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا اَيْ وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَ عِلْمُكَ كُلَّ شَيْءٍ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا مِنَ الشِّرْكِ وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ دِيْنَ الْاِسْلَامِ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ اَلنَّارِ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ اِقَامَةٍ اِلَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ عَطْفٌ عَلٰى هُمْ فِيْ وَ اَدْخِلْهُمْ اَوْ فِيْ وَ عَدْتَّهُمْ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ اَيْ عَذَابَهَا وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: حٰمٓ ۝ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے یہ کتاب اتاری گئی، مبتدا ہے اللہ کی طرف سے یہ خبر ہے جو اپنے ملک میں زبردست اپنی مخلوق کا جاننے والا ہے مسلمانوں کے گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے ان کی، یہ مصدر ہے سخت سزا دینے والا ہے۔ کافروں کو شدید، مشدد (اسم فاعل) کے معنی میں ہے وسعت والا ہے یعنی وسیع انعام والا ہے اور ہمیشہ ان خوبیوں کے ساتھ متصف ہے ان مشتقات صیغوں کی اضافت تعریف کر لئے ہے جیسا کہ ذی الطول میں بھی اضافت تعریفی ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس جانا لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرآن کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو مکہ والوں میں سے منکر ہیں سو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے معاش میں خوشحال ہونا کیونکہ ان کا انجام جہنم ہے ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جیسے عاد و ثمود وغیرہ جو ان کے بعد ہوئے ہیں جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو قتل کرنے، گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تا کہ اس ناحق کے ذریعہ حق کو ملیامیٹ، ناکارہ کر دیں سو میں نے عذاب کے ذریعہ دارو گیر کی سو ہماری سزا کیسی ہوئی یعنی ان کو کیسی برموقع ہوئی اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی یہ بات یعنی لا ملئن جهنم الخ تمام کافروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہوں گے یہ کلمہ سے بدل واقع ہے جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں مبتدا واقع ہے اور جو فرشتے اس کے اردگرد ہیں یہ معطوف ہے وہ تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں یہ خبر ہے اپنے پروردگار کی یعنی سبحان اللہ و بحمدہ پڑھتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ یعنی اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے اور آپ کا علم بھی عام ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستے دین اسلام پر چلتے ہیں اور انھیں دوزخ کے عذاب آگ سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار اور

ان کو داخل کر دیجئے ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے وعدہ کیا ہے اور جو لائق ہوں ادخلھم یا وعدتھم کی ھم (ضمیر) پر معطوف ہے ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولا دمیں سے ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشبہ آپ نے زبردست حکمت والے ہیں اپنی کاریگری میں اور ان کو تکالیف عذاب سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف، عذاب سے بچالیں تو اس پر آپ کی مہربانی ہوگی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

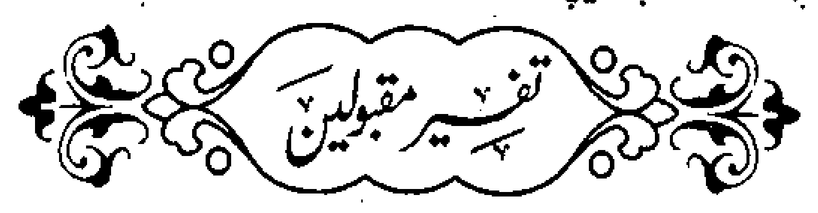
قوله: اَلتَّوْبِ: یہ توبہ کی طرح مصدر ہے۔

قوله: شَدِیْدِ: بروزن فعیل بمعنٰی مفعل جیسے اذین بمعنٰی مؤذن۔ اسم فاعل ہے صفت مشبہ نہیں۔

قوله: الاحزاب: جمع حزب گروہ۔ وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کے خلاف گروہ بندی کی اور ان کو دکھ دیے۔

قوله: یَسْتَغْفِرُوْنَ: استغفار سے مراد ان کی شفاعت اور توبہ پر آمادہ کرنا ہے اور مغفرت کو لازم کرنے والی بات ان کے دل میں ڈالنا۔

قوله: وَسِعَ رَحْمَتُكَ: اللہ تعالٰی کے لیے رحمت وعلم کی وسعت کو اللہ تعالٰی کی ذات کے لیے ثابت کر دیا۔ یعنی رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا یہ تمیز ہے جو فاعلیت سے اغراق کے لیے منقول ہو کر آئی گویا رحمت وعلم نے ہر چیز کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ عرب کہتے: غرق فی القوس جبکہ وہ کمان کے چلہ کو کھینچے۔



خٰمٓ ۚ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ

(ربط) گزشتہ سورت کے مضامین مجموعی طور پر قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، ساتھ ہی ان لوگوں پر وعید وتنبیہ تھی جو خدا کے پیغمبر کے ساتھ تمسخر و مذاق کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اس سورۃ مؤمن یا غافر میں بھی اسی طرح کے مضامین ذکر فرمائے گئے جو اثبات توحید خداوندی اور وحی الٰہی کی حقانیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہیں، اور اسی کے ضمن میں ان مغرور ومتکبر اور سرکش قسم کے انسانوں پر وعید ہے جو اپنے دنیوی جاہ وجلال اور مال ودولت کے نشہ میں مست ہو کر خدا سے غافل ہیں تو مجموعی طور سے اس سورت کے مضامین تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ایک نوع مضمون اثبات توحید ہے، دوسری قسم مجادلین فی الحق کی مذموم خصلتیں بیان کرنا ہے، تیسری قسم آنحضرت ﷺ کی تسلی کے مضامین کی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

خٰمٓ ۚ اللہ ہی اس کی مراد خود جانتا ہے یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف جو زبردست ہے ہر چیز کا خوب جاننے والا

ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے، اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ گناہ کا بخشنے والا ہے توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے مجرموں کا بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین وفرمانبرداروں پر انعام وبخشش کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا بس اسی کی طرف لوٹنا ہے، اس قرآن کریم کے نزول اس کی حقانیت اور ذات خداوندی کی عظمت وکبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ تقاضا ہے کہ انسان اس کتاب الٰہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا انکار وجدال نہ کیا جائے مگر پھر بھی معاندین اللہ کی آیتوں میں خصومت اور اس کے احکام کا مقابلہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں کوئی بھی جھگڑا اور جدال نہیں کرتا مگر صرف وہی لوگ جو اللہ کے منکر ہیں، ان کا انکار اور خدا کے ساتھ خصومت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ جلد از جلد ان پر خدا کا عذاب نازل ہو جائے لیکن خدا نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر (یا اے مخاطب) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں منہمک رہنا، تو اس عارضی مہلت کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ خدا کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچے رہیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سے پہلے قوم نوح نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور دوسرے اور بھی گروہوں نے جو انکے بعد ہوئے جیسے عاد وثمود وغیرہ اور ہر ایک قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ ارادہ کیا اور اسی تدبیر میں لگے کہ اس اللہ کے رسول کو پکڑ لیں اور پکڑ کر قتل کر ڈالیں اور جھگڑنا شروع کر دیا باطل طریقہ سے تاکہ اس باطل سے حق کو مٹا دیں، بالآخر میں نے ان کو پکڑا پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ کیسا تھا میرا عذاب تو جس طرح ماضی میں گزری ہوئی ان قوموں پر خدا کا عذاب مسلط ہوا، اسی طرح اے محمد ﷺ آپ کے رب کا فیصلہ تمام کافروں اور منکروں کے حق میں ہو چکا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس فیصلہ خداوندی سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی عذاب ذلت ورسوائی کی صورت میں ہوگا اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلیں گے خدا کو کسی کی عبادت اور ایمان کی کوئی حاجت نہیں اس کی شان عظمت تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الٰہی کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اس کی حمد وثناء کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں ایمان والوں کے لیے اس طرح دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تو تو چھائے ہوئے ہے ہر چیز پر اپنی رحمت اور علم کے لحاظ سے پس مغفرت فرما دے ان لوگوں کی جنہوں نے تیری طرف رجوع کیا (تائب ہو کر برائی سے) اور تیرے راستہ پر چلے اور بچا لے ان کو دوزخ کے عذاب سے اور ظاہر ہے کہ ایسی بے پایاں رحمت کا مقتضی یہی ہے کہ ذرا بھی اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور ایمان والوں کو اپنی بے پایاں رحمت وانعام سے نواز دے اس لیے اے ہمارے پروردگار محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچائے بلکہ اور ان کو داخل کر دے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں، جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں کے ساتھ اور ان کو بھی داخل کر لیجئے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں نیک وبرگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں اگرچہ وہ ان اہل ایمان وتقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں بے شک آپ تو بڑے ہی عزت وحکمت والے ہیں، اس لیے جس کسی کو بھی اپنے انعام سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو بھی انعام وکرم فرمائیں گے وہ عین حکمت کے مطابق ہوگا، اور اے پروردگار ان کو بچا لیجئے تکلیفوں سے اور اے پروردگار آپ جس کو اس روز قیامت کی تکلیفوں سے بچا لیں

بس اس پر تو آپ نے بڑا ہی رحم وکرم فرمادیا اور یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہو گئی رضا اور خوشنودی بھی میسر آ گئی آخرت اور روز قیامت کی کلفتوں اور شدتوں سے محفوظ ہو گیا اور جنت کے بے پایاں انعامات سے نواز دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہو سکتی ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ....

اللہ کی آیات میں جدال وخصومت ہلاکت کا سامان:

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ .... کا عنوان یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی آیات میں خصومت وجدال اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ ان کے سامنے جب بھی اللہ کی آیات تلاوت کی جائیں وہ سراپا انقیاد واطاعت بن جائیں۔ تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم '' کا مصداق ہو جائیں۔ چہ جائیکہ حجت بازی اور خصومت کا رنگ اختیار کریں عمروؓ بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالم (رواہ البغوی) (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت وتردید کے جذبہ میں تعارض وتناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، (نہ کہ تردید وتکذیب) اس لیے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو، جو جانتے ہو وہ بیان کرو، اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کر دو،

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرہ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ہیں۔

بہرکیف یہ جدال وخصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال وخصومت ہے، جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اسی شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔

نیز: فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ سے یہ واضح کر دیا گیا مال ودولت اور دنیوی جاہ واقتدار سے کسی بھی وقت انسان کو حق اور باطل کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور تردد نہ کرنا چاہئے، یہ دنیوی عزتیں نہ علم کی دلیل ہیں اور نہ خدا کے یہاں مقبول ہونے کی نشانی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ ...

ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کیلئے دعا:

اہل ایمان وتقوی اور تائبین ومطیعین کی قرآن کریم میں بہت سی خوبیاں اوران پر نعمتیں بیان کی گئیں لیکن اس مقام پر جو خاص انعام اوران پر فضل وکرم ذکر کیا گیا وہ یہ کہ ملائکہ حاملین عرش ایسے وقت کہ عرش الٰہی اٹھائے ہوئے اس کی حمد وتسبیح میں مصروف ہوں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرمادے ان مؤمنوں کی جو تیری طرف رجوع کر چکے اور تیرے راستہ پر چلے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا اور جنات عدن میں ان کو داخل فرمادے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء ان کی ذریت اوران کی ازواج کو بھی ان ہی کے ساتھ ملحق کردے اگرچہ وہ خوداس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اوران کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں، ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اگرایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہوسکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں، اس روایت کے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن مجید کی (آیت) "ویحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية" بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر يَوْمَئِذٍ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روزان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہوجائے گی۔

شہر بن حوشب ؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے، سبحانك اللهم وبحمدك الحمد على حلمك بعد علمك۔ اے اللہ تیری پاکی ہے حمد وثناء کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے، اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے، سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك۔ یعنی تیری حمد وثناء ہے تیری درگزر پر باوجود تیری قدرت کے تو ان دو تسبیحوں سے: "ربنا وسعت كل شیء رحمة وعلما"۔ کی حقیقت ظاہر ہورہی ہے اس وسعت علمی کے باوجود اس قدر حلم اوراس قدرت کاملہ کے باوجود یہ درگزر یقیناً اس کی وسعت رحمت کا پورا پورا مظہر وپیکر ہے ان حاملین عرش فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ مزید ایک وصف بیان کیا گیا۔" ویؤمنون به"۔ کہ یہ فرشتے اس پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ فرشتوں کا ایمان اور پروردگار کی معرفت تو محتاج بیان ہی نہیں کیونکہ ان کے سامنے تو ہمہ وقت اللہ رب العزت کی تجلیات ظاہر ہیں اوراس کی عظمت وکبریائی کا اس سے بڑھ کر کس کو مشاہدہ ہوسکتا ہے تو ان کے لیے وصف ایمان کا ذکر ایمان کی عظمت اور شرف کو ظاہر کرنے لیے ہے یعنی ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرشتے بھی اس سے متصف ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کا ایمان لانا بیان کیا جائے گا نیز (آیت)" یؤمنون به" کے لفظ سے اشارہ ہے کہ ان فرشتوں کی ایک صفت تو بجانب خداوندی کمال عظمت ہے اور بندوں کی جانب ان کا رنگ کمال شفقت کا ہے جیسا کہ لفظ: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ ظاہر کررہا ہے فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے حق میں حق تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین پر ایک خاص انعام ہوگا، یہ دعا تین اجزاء پر مشتمل ہے، ایک مغفرت ومعافی کے لیے جس پر لفظ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا دلالت کررہا ہے، دوسرے جنت کی لازوال نعمتوں کے لیے تیسرے ان جنتیوں کے ساتھ ان کے ماں

باپ اولاد اور بیبیوں کے ملا دینے کے لیے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت کے ان ہی درجات میں بھیج دیئے جائیں جو خود ان کے ہیں اگرچہ یہ لوگ ان درجات کے مستحق نہ ہوں مگر محض اس لیے کہ ان ایمان وتقویٰ والوں کی راحت اور خوشنودی مکمل ہوجائے اور اپنے کسی عزیز کے فراق کا قلب پر کوئی ملال ورنج نہ ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیرؒ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مؤمنین کو جنت میں داخل کردیا جائیگا جو اعزاز واکرام سے اپنے باغات ومحلات میں پہنچادیئے جائیں گے توان مؤمنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ، کہاں ہے میری ماں، کہاں ہے میرا بیٹا، کہاں میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا، ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مؤمن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مؤمن کے ساتھ لاحق کردو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری جلد ۸) اس مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیرؒ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ: والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم وما التناهم من عملهم من شیء میں ذکر فرمایا گیا۔

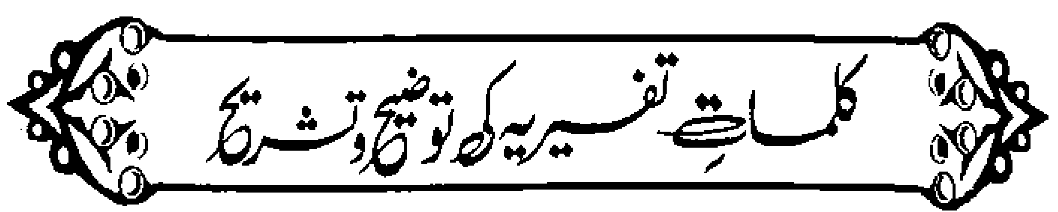
فرشتوں کی دعا میں ان تین اجزاء کے بعد اخیر میں ایک خاص جزیہ بھی بطور الحاق اور تکمیل دعا ہے، وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ کہ اے پروردگار ان مؤمنین کو تکالیف سے بچا لیجئے، اگرچہ پہلے عذاب جہیم سے بچانے کی دعا ہوچکی لیکن اب اس تکملہ دعا میں ہر قسم کی تکلیف ودشواری سے بچنے کی دعا ہے کہ نہ حساب کی تکلیف ہو نہ قبر کی نہ میدان حشر کی بے چینی کی اور نہ انجام کی پریشانی کی، فرشتوں کی اس دعا نے اہل ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سب باتوں سے خائف رہے اور اللہ کی نعمتوں اور راحتوں کا طالب رہے، یہی خوف اور شوق اس کو فوز عظیم سے ہمکنار بنانے والا ہوگا۔ اللهم اجعلنا منهم وحبب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکره الینا الکفر والفسوق والعصیان۔ توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین، آمین یا رب العالمین، (تفسیر مظہری ج ۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ مِنْ قِبَلِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَهُمْ يَمْقُتُوْنَ اَنْفُسَهُمْ عِنْدَ دُخُوْلِهِمِ النَّارَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اِيَّاكُمْ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ فِي الدُّنْيَا اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۞ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ اِمَاتَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ اِحْيَاتَيْنِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا نُطَفًا اَمْوَاتًا فَاُحْيُوْا ثُمَّ اُمِيْتُوْا ثُمَّ اُحْيُوْا لِلْبَعْثِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا بِكُفْرِنَا بِالْبَعْثِ فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنَ النَّارِ وَالرُّجُوْعِ اِلَى الدُّنْيَا لِنُطِيْعَ رَبَّنَا مِّنْ سَبِيْلٍ ۞ طَرِيْقٍ وَجَوَابُهُمْ لَا ذٰلِكُمْ اَيِ الْعَذَابُ الَّذِيْ اَنْتُمْ فِيْهِ بِاَنَّهٗٓ اَيْ بِسَبَبِ اَنَّهٗ فِي الدُّنْيَا اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ بِتَوْحِيْدِهٖ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ يُجْعَلْ لَهٗ شَرِيْكٌ تُؤْمِنُوْا تُصَدِّقُوْا بِالْاِشْرَاكِ

فَالْحُكْمُ فِي تَعْذِيبِكُمْ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ عَلَى خَلْقِهِ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ الْعَظِيْمِ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ دَلَائِلَ تَوْحِيْدِهٖ وَ
يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ بِالْمَطَرِ وَمَا يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ يَرْجِعُ عَنِ الشِّرْكِ فَادْعُوا
اللّٰهَ اُعْبُدُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ مِنَ الشِّرْكِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِخْلَاصَكُمْ مِنْهُ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ
اَيِ اللّٰهُ عَظِيْمُ الصِّفَاتِ اَوْ رَافِعُ دَرَجَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْجَنَّةِ ذُو الْعَرْشِ ۚ خَالِقُهٗ يُلْقِي الرُّوْحَ الْوَحْيَ
مِنْ اَمْرِهٖ اَيْ قَوْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يُخَوِّفَ الْمُلْقٰى عَلَيْهِ النَّاسَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾
بِحَذْفِ الْيَاءِ وَاِثْبَاتِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِتَلَاقِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْعَابِدِ وَالْمَعْبُوْدِ وَالظَّالِمِ وَالْمَظْلُوْمِ فِيْهِ
يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ خَارِجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ
الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ يَقُوْلُهٗ تَعَالٰى وَيُجِيْبُ نَفْسَهٗ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَيْ لِخَلْقِهٖ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ
بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ يُحَاسِبُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ
مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ اَزِفَ الرَّحِيْلُ قَرُبَ اِذِ الْقُلُوْبُ
تَرْتَفِعُ خَوْفًا لَدَى عِنْدَ الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مُمْتَلِئِيْنَ غَمًّا حَالٌ مِنَ الْقُلُوْبِ عُوْمِلَتْ بِالْجَمْعِ بِالْيَاءِ
وَالنُّوْنِ مُعَامَلَةَ اَصْحَابِهَا مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ مُحِبٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ لَا مَفْهُوْمَ لِلْوَصْفِ اِذْ لَا
شَفِيْعَ لَهُمْ اَصْلًا فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ اَوْ لَهٗ مَفْهُوْمٌ بِنَاءً عَلٰى زَعْمِهِمْ اَنَّ لَهُمْ شُفَعَاءَ اَيْ لَوْ شَفَعُوْا فَرْضًا لَمْ
يُقْبَلُوْا يَعْلَمُ اَيِ اللّٰهُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ بِمُسَارَقَتِهَا النَّظَرَ اِلٰى مُحَرَّمٍ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ الْقُلُوْبُ وَاللّٰهُ
يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْ دُوْنِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لَا
يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ فَكَيْفَ يَكُوْنُوْنَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِهِمْ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ بِاَفْعَالِهِمْ

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں انھیں پکارا جائے گا فرشتوں کی طرف سے جب کہ وہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت خود کو برا بھلا کہتے ہوں گے کہ اللہ کو تم سے بڑھ کر نفرت ہے نفرت کے مقابلہ میں جو تمہیں خود اپنے سے ہے جب کہ تم ایمان کی طرف دنیا میں بلائے جاتے تھے پھر تم مانا نہیں کرتے تھے وہ لوگ بولیں گے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ کیا اور دوبارہ زندگی بخشی کیونکہ پہلے بے جان نطفہ تھے پھر زندہ کیا پھر موت دی پھر قیامت کے لئے جلایا سو ہم اپنی خطاؤں، انکار قیامت کا اقرار کرتے ہیں سو کیا دوزخ سے چھوٹ کر دوبارہ دنیا میں جا کر پروردگار کی اطاعت کے لئے نکلنے کی کوئی صورت ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ نہیں یہ عذاب جس میں تم گرفتار ہو اس لئے ہے کہ یعنی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم اس کی توحید کا انکار کر دیا کرتے تھے اور اگر کسی کو اس کے ساتھ شریک کر کے شرک بیان کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے شرک کی تصدیق کر دیتے سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو اپنی مخلوق پر بالادست بڑے رتبہ والا بزرگ ہے وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دلائل توحید دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بارش اتارتا ہے اور صرف وہی شخص وعظ قبول کرتا ہے جو شرک سے رجوع کرتا ہے سو تم لوگ اللہ کو پکارو اسکی عبادت کرو اس کے دین کو شرک سے پاک کر کے اگرچہ کافروں کو ناگوار گذرے اللہ سے تمہارا اخلاص کرنا وہ بلند مراتب ہے یعنی اللہ بڑی شانوں والا ہے یا مؤمنین کے درجے جنت میں بلند کرنے والا ہے وہ عرش کا مالک خالق ہے وہ وحی اپنا حکم ارشاد بھیجتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ ڈرائے خوف دلائے لوگوں کو اکٹھے ہونے کے دن سے لفظ التلاق یاء کے حذف واثبات کے ساتھ دونوں طرح ہے کیونکہ اس دن آسمان والے اور زمین والے اور عابد و معبود اور ظالم و مظلوم مجمع ہوں گے جس روز سب آموجود ہوں گے قبروں سے نکل پڑیں گے ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی آج کس کی حکومت ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی پوچھیں گے اور وہی خود جواب دیں گے کہ بس اللہ ہی کی جو یکتا غالب ہے اپنی مخلوق پر آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ بہت جلد حساب بنا دیگا سارے عالم کا حساب کتاب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چک جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے اور آپ لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن قیامت یہ لفظ ازف الرحیل بمعنی قرب سے بنا ہے ڈرایئے جس وقت کلیجے منہ کو آئیں گے ڈر کے مارے نکل پڑیں گے گھٹ گھٹ جائیں گے اندر ہی اندر غم میں گھلتے ہوئے، یہ قلوب سے حال ہے۔ کاظمین واؤنون کے ساتھ جمع لانے میں اصحاب عقول کی رعایت مقصود ہے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا کہ جس کا کہنا مانا جائے بطاع یہ صفت احترازی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مفہوم کی رعایت ملحوظ نہیں کیونکہ فی نفسہ ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جیسا کہ فما لنا من شافعین سے معلوم ہو رہا ہے اور یا اس مفہوم کا لحاظ کیا جائے مگر ان کے عقیدہ کی رو سے کہ ہمارے سفارشی ہوں گے حاصل یہ کہ اگر بالفرض ان کا سفارشی ہونا بھی مان لیا جائے تو وہ سفارش سنی نہیں جائے گی اور وہ اللہ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو نامحرم پر دزدیدہ نظر ڈالنے والے کو اور انکو بھی جو سینوں اور دلوں میں پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیگا اور جن کو یہ پکارتے ہیں یعنی کفار مکہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں یا اور تاء کے ساتھ دونوں طرح اللہ کے علاوہ بتوں کو وہ کسی بھی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے پھر وہ اللہ کے شریک کیسے ہوں گے اللہ ہی سب کچھ سننے والا باتوں کا سب کچھ دیکھنے والا کاموں کا ہے۔

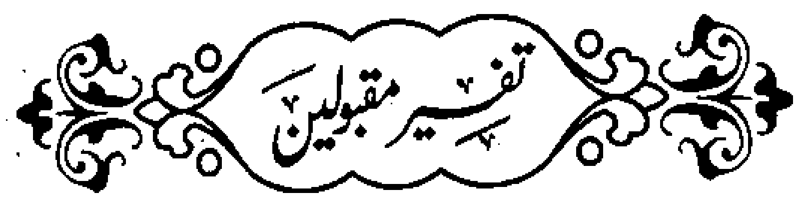


قوله: اِذْ تُدْعَوْنَ: یہ اس فعل کا ظرف ہے جس پر المقت کا پہلا لفظ دلالت کرتا ہے۔ لہٰ نہیں کیونکہ وہ تو خبر ہے اور جس اجنبی سے فاصلہ ہے وہ مصدر کو عمل سے روکنے والا ہے۔ کیونکہ ان کا اپنے نفوس پر غصہ قیامت میں ہوگا جب کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ آنکھوں سے ملاحظہ کریں گے۔

قوله: مِنْ اَمْرِهٖ: اور مِنْ اَمْرِهٖ کا مِنْ یہ روح کا بیان ہے اس لیے کہ یہ خیر کا حکم ہے یا ابتدائیہ ہے اور امر سے مراد پہنچی ہوئی ملکیت۔

قوله: لِلْوَصْفِ: یعنی وصف یہاں قید کے لیے نہیں، اس لیے مطلب یہ ہے کہ کوئی سفارشی ہوگا ہی نہیں۔

قوله: لَا یَقْضُوْنَ: اس میں ان کے بتوں کے ساتھ تھکم کیا گیا کیونکہ جمار کے متعلق یہ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ فیصلہ کرتا ہے یا نہیں کرتا۔



اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ۔۔۔۔

دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اپنی بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں ہے جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

(مَقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ) کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا: وجُوّز اَنْ یراد بہ مقت بعضهم بعضا، یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے اور ایک دوسرے سے برائت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے یہ تفسیر (یَلْعَنُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا) کے ہم معنی ہے جو سورۂ عنکبوت میں مذکور ہے۔

کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ تھے آپ نے ہمیں زندہ فرما دیا ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی پھر آپ نے ہمیں موت دے دی جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے اور ایک اب یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہیے تھا کہ ہم دنیا والی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیا والی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارا مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان حشر میں حاضر ہوں۔ وھذا کما

حکی اللہ تعالیٰ فی قولہ فی سورۃ الم السجدۃ ربنا ابصرنا وسمعنا

اللہ کا ارشاد ہوگا: (ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ) (تمہارا یہ عذاب میں مبتلا ہونا اس وجہ سے ہے کہ جب دنیا میں اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارا جاتا تھا تو تمہیں اچھا نہیں لگتا تھا تم اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے اور اسی انکار پر جمے رہتے تھے اور اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا موقع آجاتا کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اسے مان لیتے تھے اور اسے صحیح کہتے تھے اور اس کے اقراری ہوجاتے تھے، وہ دنیا گزر گئی تم اس میں برابر کافر ہی رہے آج چھٹکارا کا راستہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ تمہیں عذاب میں ہی رہنا ہے اللہ تعالیٰ برتر بھی ہے اور بڑا بھی ہے اس کے سارے فیصلے حق ہیں حکمت کے مطابق ہیں اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا اس کی صفت علو اور کبریا کی طرف تم نے نہیں دیکھا اور اپنے من مانے خیالات اور اعتقادات میں منہمک رہے اب عذاب اور عقاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ ـــــ

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ: یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں اول یہ کہ وہ درجات کو بلند فرمانے والا ہے جو بندے مؤمن ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان کے درجات بلند فرمائے گا اور اس دنیا میں بھی اس نے اپنے بندوں میں فرق مراتب رکھا ہے۔ کما قال تعالیٰ: (وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وقال تعالیٰ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ) یہ معنی زیادہ واضح ہے اس میں رفیع بمعنی رافع ہوگا (گو صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ اس میں بعد ہے) اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتفع الدرجات ہے یعنی عظیم الصفات ہے۔ (وقال صاحب الروح عن ابی زید انہ قال ای عظیم الصفات و کانہ بیان لحاصل المعنی الکنائی)

ذُو الْعَرْشِ ۚ: (عرش والا ہے) يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ (وہ نازل فرماتا ہے روح کو یعنی وحی کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) وحی کو روح اس لیے فرمایا کہ اس کے ذریعہ قلوب کو حیات حاصل ہوتی ہے اور لفظ مِنْ اَمْرِهٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ روح کا بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ من ابتدائیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ روح یعنی وحی کا نازل ہونا اس کے حکم سے ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو اپنا حکم پہنچانے کے لیے نازل فرماتا ہے۔

عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ جو فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ وہ خود ہی اپنی رسالت کے لیے اپنے بندوں میں سے اشخاص اور افراد کو چن لیتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورۃ الحج: (اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ) نبوت اور رسالت کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جسے ہنر اور کسب کے ساتھ حاصل کرلیا جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک جس کو چاہا منتخب فرمایا اور نبوت اور رسالت سے نواز دیا۔

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ (تاکہ اللہ کا یہ بندہ جس کی طرف وحی بھیجی ملاقات کے دن سے ڈرائے) لفظ التَّلَاقِ ۝ لَقِيَ يَلْقٰى سے باب تفاعل کا مصدر ہے جو جانبین سے ملاقات کرنے پر دلالت کرتا ہے اس کے آخر سے یا حذف کردی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ پر چاہا وحی بھیج دی تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرائے اس دن نیک

بندے اپنے اچھے اعمال کی جزاء سے اور برے بندے اپنی بداعمالیوں کی سزا سے ملاقات کریں گے۔

يَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ ....

بٰرِزُوۡنَ ۚ سے مراد یہ ہے کہ میدان حشر کی زمین چونکہ ایک سطح مستوی بنادی جائے گی جس میں کوئی پہاڑ یا غار یا عمارت اور درخت نہ ہوگا، جس کی آڑ ہو سکے اس لیے سب کھلے میدان میں جمع ہوں گے۔

لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ: یہ کلمہ آیات مذکورہ میں يَوۡمَ التَّلَاقِ ۙ اور يَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ کے بعد آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ يَوۡمَ التَّلَاقِ ۙ ملاقات واجتماع کا دن نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا اسی طرح يَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ کا واقعہ بھی اس وقت ہوگا جب نفخہ ثانیہ کے بعد نئی زمین ایک سطح مستوی کی صورت میں بنادی جائے گی، جس پر کوئی آڑ پہاڑ نہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ کلمہ لِمَنِ الۡمُلۡكُ لانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نفخہ ثانیہ سے تمام خلائق کے دوبارہ پیدا ہونے کے بعد ہوگا۔ اس کی تائید قرطبی نے بحوالہ نحاس ایک حدیث سے پیش کی ہے جو ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے، وہ یہ کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا۔ لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات مؤمنین وکافرین یہ جواب دیں گے کہ: لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۝ مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی وتلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور وعاجز ہونے کی بنا پر رنج وغم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے۔

لیکن دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد حق تعالیٰ خود ہی اس وقت فرمائیں گے جبکہ نفخہ اولیٰ کے بعد ساری مخلوقات فنا ہو جاویں گی۔ اور سوائے ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کے کوئی نہ ہوگا اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا: لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ اور چونکہ اس وقت جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا تو خود ہی جواب دیں گے: لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۝ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس میں سوال کرنے والا اور جواب دینے والا صرف ایک اللہ ہی ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول ہے اور اس کی تائید حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساری زمینوں کو بائیں ہاتھ میں اور آسمانوں کو داہنے ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائیں گے۔ انا الملک این الجبارون این المتکبرون۔ یعنی میں ہی ملک اور مالک ہوں، آج جبارین اور متکبرین کہاں ہیں۔ تفسیر درمنثور میں اس طرح کی دونوں روایتیں نقل کر کے کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کلمہ دو مرتبہ دہرایا جائے ایک نفخہ اولیٰ اور فنائے عالم کے وقت دوسرا نفخہ ثانیہ اور تمام خلائق کے دوبارہ زندہ ہونے کے وقت۔ بیان القرآن میں فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر اس پر موقوف نہیں کہ دو ہی مرتبہ قرار دیا جائے بلکہ ہوسکتا ہے کہ آیات مذکورہ میں اس واقعہ کا ذکر ہو جو نفخہ اولیٰ کے بعد ہوا تھا۔ اس کو اس وقت حاضر فرض کر کے یہ کلمہ فرمایا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ۝

<u>اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے:</u>

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ قیامت کے دن محاسبہ ہوگا نیکیوں کی جزا ملے گی اور برائیوں پر سزایاب ہوں گے اعضائے ظاہرہ

کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور سینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں برے عقیدے، بری نیتیں، برے جذبات، اللہ تعالیٰ ان سب سے بھی باخبر ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے باطن کا حال پوشیدہ ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا اعضاء ظاہرہ میں آنکھیں بھی ہیں بری جگہ نظر ڈالنا جہاں دیکھنے کی اجازت نہیں اور بداعمالیوں میں آنکھوں کا استعمال کرنا یہ سب گناہ ہے آنکھوں کے اعمال میں سے ایک عمل خیانت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے آنکھ کے گوشے سے نامحرم کو دیکھ لیا چپکے سے گناہ کی نظر کہیں ڈال لی آنکھ کے اشارہ سے کسی کی غیبت کردی یہ سب گناہ میں شمار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے۔ حضرت ام معبدؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے:

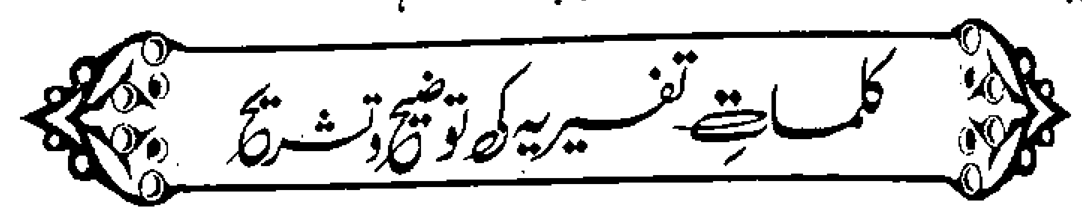
اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المشکوٰۃ ص ۲۲) ترجمہ دعاء یہ ہے:

(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرمادے کیونکہ آپ آنکھوں کی خیانت اور ان چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔)

اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَفِیْ قِرَاءَةٍ مِنْكُمْ وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُوْرٍ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اَهْلَكَهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ عَذَابَهُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا اِسْتَبْقُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ هَلَاكٍ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى لِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكُفُّوْنَهٗ عَنْ قَتْلِهٖ وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ لِيَمْنَعَهٗ مِنِّیْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ اِيَّایَ فَتَتَّبِعُوْنَهٗ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ مِنْ قَتْلٍ وَغَيْرِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْوَاوِ وَفِیْ اُخْرٰى بِفَتْحِ الْيَاءِ وَالْهَاءِ وَضَمِّ الدَّالِ وَ قَالَ مُوْسٰۤى لِقَوْمِهٖ وَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: کیا وہ پھرتے نہیں زمین میں کہ دیکھیں انجام کیسا ہوا ان کا جو ان سے پہلے تھے وہ لوگ ان سے زیادہ تھے قوت

میں ایک قراءت میں منہم کے بجائے منکم ہے اور ان نشانات کو جو وہ زمین میں چھوڑ گئے محلات اور قلعے سو اللہ نے انھیں پکڑ لیا تباہ کر دیا ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوا یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس پیغمبر واضح دلیلیں کھلے معجزات لے کر آتے رہے مگر انھوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دار و گیر فرمائی بلا شبہ وہ بڑی طاقت والا سخت سزا دینے والا ہے اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ سب کہنے لگے کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے پھر جب وہ لوگوں کے پاس ہمارا دین حق سچ لے کر پہونچے تو وہ لوگ بولے کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی اولاد کو ختم کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ باقی رہنے دو اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر بیکار رہی اور فرعون کہنے لگا کہ ذرا مجھے چھوڑو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں کیونکہ لوگ فرعون کو موسیٰ کے قتل سے باز رکھے ہوئے تھے اور موسیٰ اپنے رب کو پکارتے تا کہ وہ اس کو مجھ سے بچالے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے تمہیں میری پرستش سے منع کرے اور تم اس کا کہنا مان لو یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے قتل وغیرہ ایک قراءت میں او ہے اور ایک قراءت میں لفظ یظھر یاء اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ اور لفظ الفساد، دال کے ضمہ کے ساتھ ہے اور موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ سن کر فرمایا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر متکبر بد دماغ شخص سے جو روز حساب پر یقین نہ رکھتا ہے۔

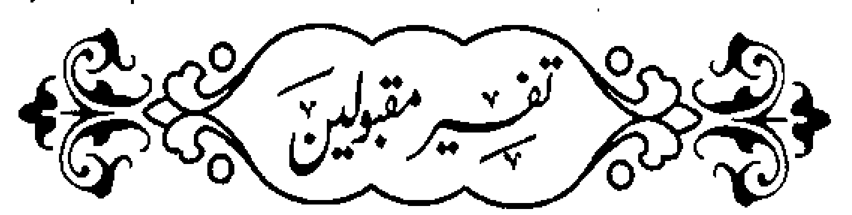


قوله: مِنْ مَصَانِعَ: جیسے قلعہ جات۔

قوله: وَسُلْطٰنٍ: ظاہری دلیل اور عطف مغایرت کے لیے ہے۔

قوله: اسْتَحْيُوْا: ان کو باقی رہنے دیا۔ اور بنی اسرائیل پر واپس کر دیا تا کہ ان کے ساتھ اپنی مرضی برتیں۔ تا کہ وہ موسیٰؑ کی معاونت نہ کریں۔

قوله: يَكُفُّوْنَهٗ: قبطی فرعون کو قتل موسیٰ سے روکتے تھے اور کہتے تھے یہ وہ شخص نہیں جس کا تم کو خطرہ ہے بلکہ یہ ساحر ہے۔



اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ـــــ

کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ایمان لاؤ ورنہ کفر پر عذاب آجائے گا تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے حالانکہ ایک سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے ملک شام جاتے تھے راستے میں ان قوموں کی تباہ شدہ عمارتوں اور کھنڈروں پر گذرتے تھے جو حضرات انبیاء کرامؑ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئیں آیت بالا میں ان کو اسی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ عاد اور ثمود کی بستیوں پر گزرتے ہیں

وہ لوگ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور بڑی قوت رکھتے تھے زمین میں ان کے بڑے بڑے نشان تھے جواب بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں نظروں کے سامنے ہیں انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے، شہروں کو آباد کیا لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی بات نہ مانی، ایمان نہ لائے اور کفر ہی کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئے ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا ان کا گھمنڈ رکھا رہ گیا جو یوں کہتے تھے کہ (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) (ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟) ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، عذاب آیا اور ہلاک ہوئے، جب اللہ تعالیٰ نے عذاب کو بھیجا تو کوئی بھی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جو ان کی گرفت ہوئی اور مبتلائے عذاب ہوئے اس کا یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول ان کے پاس بھیجے وہ کھلی ہوئی نشانیاں معجزات لے کر آئے انہوں نے ان کی دعوت پر کان نہ دھرا برابر انکار کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو کہاں بچ سکتے تھے اللہ تعالیٰ قوی ہے اور شدید العقاب ہے، گذشتہ امتوں کے حالات اور واقعات سے ہر زمانے کے کافروں کو عبرت لینا ضروری ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ ۔۔۔۔

اس سے ماضی کی ان قوموں کی ہلاکت وتباہی کے سبب اور باعث کو واضح فرما دیا گیا۔ جو کہ عبارت ہے ان کے انکار و تکذیب حق سے سوارشاد فرمایا گیا کہ ان کے پاس ان کے رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے دلائل اور واضح نشانیاں لے کر آئے۔ مگر انہوں نے ان کا کفر کیا، اور اپنی قوت وجمعیت اور اپنی مادی تعمیر وترقی کے زعم اور گھمنڈ میں انہوں نے رسولوں کے انذار کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور ان کی دعوت کو انہوں نے جھٹلا دیا۔ جس کے نتیجے میں آخر کار اس قادر مطلق نے ان کو پکڑا۔ اور جب اس نے ان کو پکڑا۔ تو ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹا کر رکھ دیا۔ اور ان کی جمعیت وقوت اور ان کی تعمیر وترقی میں سے کوئی بھی چیز ان کو اس کی گرفت و پکڑ سے چھڑا اور بچا نہ سکی۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حق کا انکار اور اسکی تکذیب کا نتیجہ و انجام بہر کیف دائمی ہلاکت وتباہی ہے، ایسے لوگوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے، وہ بہر حال ڈھیل ہی ہوتی ہے، جو ایک خاص مدت تک ہی کے لیے ہوتی ہے، اور جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے، اسکے بعد ایسوں کیلئے بہر حال ہلاکت وتباہی ہی ہوتی ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی قوی سخت پاداش والا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر بعض اقوام کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا آیات بالا میں اور ان کے بعد ڈیڑھ رکوع تک فرعون اور اس کی قوم کے عناد اور تکذیب کا اور بالآخر ان کے غرق اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا درمیان میں ایک ایسے شخص کی نصیحتوں کا تذکرہ بھی فرمایا، جو آل فرعون میں سے تھا، یہ شخص ایمان لے آیا تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات یعنی معجزات کے ساتھ اور واضح حجت کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو معجزات دکھائے توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے جمود اور عناد اور انکار سے کام لیا کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تکذیب کی کوئی پرواہ نہ کی اور برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

فرعونیوں نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات اثر کر رہی ہے اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ متاثر ہوتے

جارہے ہیں تو باہم مشورہ کر کے کہنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کردو اور ان کی عورتوں کو باقی رکھو، یعنی وہی عمل لڑکوں کے قتل کرنے کا پھر شروع کردو جو کاہنوں کے خبر دینے پر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا تاکہ ان کا کوئی بچہ ایسی پرورش نہ پا جائے جو فرعونی حکومت کو تہہ و بالا کرنے کا ذریعہ بن جائے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید کو دبانے کے لیے مشورہ تو کرلیا اور ممکن ہے اس پر عمل بھی کرلیا ہو لیکن ان کی سب تدبیریں ضائع ہوئیں جسے وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ میں بیان فرمایا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى ۔۔۔۔

فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کردوں اور جب میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ اپنے رب کو پکارے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا اور یہ سمجھایا کہ تو انہیں قتل کردے گا تو عامۃ الناس یہ سمجھ لیں گے تو دلیل سے عاجز آ گیا اس لیے قتل کے درپے ہو گیا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ ان کے قتل کردینے ہی سے میرا ملک بچ سکتا ہے۔

فرعون نے یہ جو کہا کہ میں جب اسے قتل کرنے لگوں تو یہ اپنے رب کو پکارے یہ ظاہری طور پر ڈینگ مارنے والی بات ہے اندر سے گھبرایا ہوا تھا اور ان کی بددعاء سے ڈر رہا تھا اور ظاہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے یہ الفاظ بول رہا تھا۔

فرعون نے اپنے ماننے والوں سے یہ بھی کہا کہ اگر موسیٰ کو چند دن اور چھوڑ دیا تو ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے میرے عبادات کو چھڑا دے اور بتوں کی عبادت سے ہٹا دے اور یہ بھی ڈر ہے کہ یہ زمین میں کوئی فساد کھڑا کردے کیونکہ جب اس کی بات بڑھے گی اس کے ماننے والے تعداد میں بہت ہو جائیں گے تو اس کے ماننے والوں میں اور میرے ماننے والوں میں لڑائی جھگڑے ہوں گے اور اس سے نظام معطل ہوگا۔ جو لوگ دنیا دار ہوتے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے سوچنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے مقابل کو قتل کرا دیں اور خود دنیاوی مال و جائیداد اور اختیار و اقتدار پر قابض رہیں اور یہ اس بارے میں عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ میں تمہارے بھلے کے لیے ایسا کر رہا ہوں اس شخص کے وجود سے تمہارے دین دنیا کو خطرہ ہے لہٰذا اس کو قتل کردینا ضروری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بات کا جب علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو تمہارا رب ہے اور میرا بھی رب ہے کہ وہ مجھے ہر متکبر سے محفوظ رکھے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حفاظت کی دعا کی اور لوگوں کو بتادیا کہ جو میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہے جو بھی کوئی شخص تکبر کرے آخرت کے دن کو نہ مانے ایسا منکر اور معاند کافر ہے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا، مجھے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

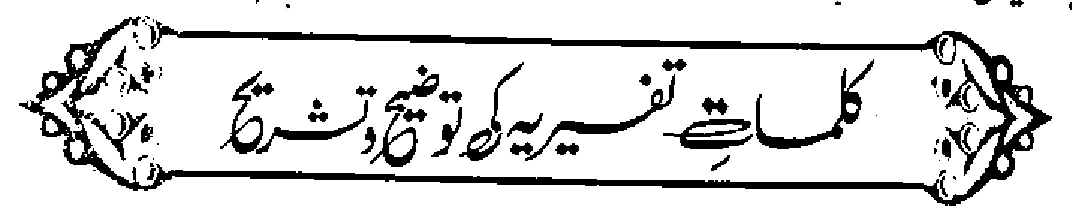
وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ قِيلَ هُوَ ابْنُ عَمِّهِ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ اَيْ لِاَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ

أي ضرر كذبه وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ به من العذاب عاجلا إِنَّ اللَّهَ لَا
يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مشرك كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ مفتر يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ غالبين حال في
الْأَرْضِ أرض مصر فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ عذابه إن قتلتم أولياءه إِنْ جَاءَنَا أي لا ناصر لنا قَالَ
فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى أي ما أشير عليكم إلا بما أشير به على نفسي وهو قتل موسى وَمَا
أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ طريق الصواب وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ
الْأَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ أي يوم حزب بعد حزب مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ
مثل بدل من مثل قبله أي مثل جزاء عادة من كفر قبلكم من تعذيبهم في الدنيا وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا
لِلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ بحذف الياء وإثباتها أي يوم القيامة يكثر فيه نداء
أصحاب الجنة أصحاب النار وبالعكس والنداء بالسعادة لأهلها والشقاوة لأهلها وغير ذلك عن
موقف الحساب إلى النار مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ من عذابه مِنْ عَاصِمٍ مانع وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ
هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ أي قبل موسى وهو يوسف بن يعقوب في قول عمر إلى زمان
موسى أو يوسف بن إبراهيم بن يوسف بن يعقوب في قول بِالْبَيِّنَاتِ بالمعجزات الظاهرات فَمَا
زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ من غير برهان لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ
رَسُولًا أي فلن تزالوا كافرين بيوسف وغيره كَذَلِكَ أي مثل إضلالكم يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مشرك مُرْتَابٌ ﴿۳۴﴾ شاك فيما شهدت به البينات الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ معجزاته مبتدأ بِغَيْرِ
سُلْطَانٍ برهان أَتَاهُمْ كَبُرَ جدالهم خبر المبتدأ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ أي مثل
إضلالهم يَطْبَعُ يختم اللَّهُ بالضلال عَلَى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ بتنوين قلب ودونه ومتى تكبر
القلب تكبر صاحبه وبالعكس وكل على القراءتين لعموم الضلال جميع القلب لا لعموم القلوب و
قَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا بناء عاليا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ طرقها

الْمُوْصِلَةِ اِلَيْهَا فَاَطَّلِعَ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰی اَبْلُغُ وَبِالنَّصْبِ جَوَابًا لِاِبْنِ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ اَیْ مُوْسٰی كَاذِبًا ؕ فِیْ اَنَّ لَهٗ اِلٰهًا غَيْرِیْ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذٰلِكَ تَمْوِيْهًا وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ طَرِيْقِ الْهُدٰی بِفَتْحِ الصَّادِ وَضَمِّهَا وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ۝ خَسَارٍ

ترجمہ: اورایک مؤمن شخص نے جوکہ فرعون کے خاندان سے تھے کہا جاتا ہے کہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں کھلے پیغامات لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ یعنی جھوٹ کا نقصان اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشگوئی کر رہا ہے دنیا میں جلد عذاب آنے کی اس میں سے کچھ تو تم پر پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہونچاتا جو حد سے گذرنے والا مشرک بہت جھوٹ بولنے والا افتراء پرداز ہو اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس زمین میں مصر میں تم حاکم ہو یعنی غالب ہو یہ حال واقع ہے سو خدا کے عذاب میں ہماری مدد کرن کرے گا اگر تم نے اسکے دوستوں کو مار ڈالا اگر وہ ہم پر آ پڑا یعنی کوئی ہمارا مددگار نہیں بن سکتا فرعون کہنے لگا کہ میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں یعنی تمہارے لئے وہی مشورہ ہے جو اپنے لئے ہے یعنی موسیٰ کو قتل کرنا اور میں تمہیں عین طریق مصلحت درست راستہ بتلا رہا ہوں اور وہ مؤمن بولا کہ صاحبو مجھے تمہارے متعلق کیے بعد دیگرے دوسری قوموں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور انکے بعد والوں کا حال ہوا تھا دوسرا مثل پہلے مثل کا بدل ہے یعنی تم سے پہلے کفر کرنے والوں کو دنیا میں عذاب دینے کا جو طریقہ ہوا اس جیسا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا اور صاحبو مجھے تمہارے متعلق اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بکثرت چیخ و پکار ہوگی لفظ تناد حذف یا اور اثبات یاء کے ساتھ ہے یعنی قیامت کے روز جس میں جنتی جہنمیوں کو اور جہنمی جنتیوں کو بار بار پکاریں گے اہل سعادت کو سعادت کی اور اہل شقاوت کو شقاوت کی آواز آنے لگے گی وغیرہ اس روز تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے حساب و کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف یعنی موسیٰ سے پہلے ایک قول کے مطابق یوسف بن یعقوب مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک زندہ رہے اور ایک قول کے مطابق یوسف بن ابراہیم بن یوسف ہیں پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیلوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو بغیر دلیل کہنے لگے۔ اب اس کے بعد ہرگز اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا یعنی ہمیشہ یوسف وغیرہ کے منکر رہے، اسی طرح جیسے تم گمراہ ہو گئے اللہ تعالیٰ بچلائے رکھتا ہے آپے سے باہر ہونے والوں مشرکوں شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو جو یقینی باتوں میں بھی شک میں مبتلا رہتے ہیں جو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں معجزات میں مبتدا ہے بلا ایسی سند حجت کے جو ان کے پاس ہوئی۔ بری ہے ان کی یہ لڑائی یہ خبر ہے مبتدا کی نفرت اللہ کو اور مؤمنین کو اس سے اسی طرح جیسے یہ گمراہ ہوئے مہر کر دیتا ہے گمراہی کی ہر مغرور جابر کے پورے دل پر قلب تنوین کے ساتھ اور بلا تنوین ہے اور جب دل میں اکڑ آ جائے تو دل والا بھی اکڑنے لگتا ہے

اور اسکے برعکس بھی یعنی جب صاحب دل اکڑنے لگتا ہے تو دل پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور لفظ کل پورے دل کی گمراہی کے لئے ہے نہ کہ ہر دل کی تعمیم کے لئے اور فرعون بولا اے ہامان میرے لئے ایک بلند اونچی عمارت بنواؤ ممکن ہے میں آسمان تک جانے کی راہوں تک جو آسمان میں جانے والی ہوں پہونچ جاؤں پھر دیکھوں بھالوں۔ اطلع رفع کے ساتھ ابلغ پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ابن کا جواب ہے موسیٰ کے خدا کو اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اس بارے میں کہ میرے علاوہ اس کا کوئی معبود ہے تعمیر کا حکم فرعون نے تلبیس کے لئے دیا تھا اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی معلوم ہوتی تھی اور وہ راستہ سے بہک گیا تھا سیدھی راہ سے صد صاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اور فرعون کی تدبیر غارت و ناکام ہوگئی۔



قوله: مِنَ الْعَذَابِ عَاجِلًا: اور دوسروں کو دیر سے آنے والا عذاب دے۔

قوله: مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ: یعنی اگر یہ صرف کذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ واضح دلائل کی طرف اس کی راہنمائی نہ کرتا۔

قوله: عَلٰى نَفْسِىْ: اس سے بہتر سلوک روا رکھو۔

قوله: دَأْبِ: عادت۔

قوله: وَغَيْرِ ذٰلِكَ: جیسے ہلاکت و بربادی کو پکارنا۔

قوله: عُمِّرَ اِلَى: یعنی یوسفؑ نے زندگی گزاری۔ زمان موسیٰ تک۔

قوله: يُوْسُفُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ: یہ بھی پیغمبر تھے۔

قوله: كبر جدالهم: کبر یہ خبر ہے؟؟ الذین کا مضاف محذوف ہے ای بدل الذین یجادلون کبیر۔

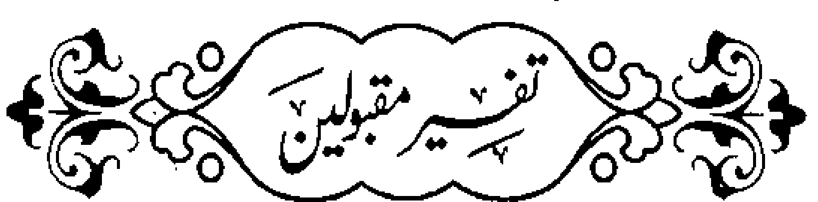
قوله: قَلْبٍ: یہ تنوین کے ساتھ تکبر و تجبر؟؟ کی صفت بنے گا کیونکہ وہ ان کا پیرو ہے۔

قوله: صَرْحًا: ظاہر ہونا۔ محل۔

قوله: اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ: یہ ابلاغ الاسباب کا بیان ہے اور ابہام کے بعد وضاحت میں تفخیم ہے۔

قوله: اِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا: اس قسم کی تمویہات سے فرعون نے لوگوں کو موسیٰؑ سے روکا۔

قوله: صُدَّ: فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔



وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ....

آل فرعون میں سے ایک مومن بندہ کی حق گوئی نیز تنبیہ اور تہدید:

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے احکام نشانیاں اور کھلی سند لے کر آئے اور ان دلائل سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل کا فرق واضح ہونے لگا تو فرعون اور اس کے اہل دربار کو یہ خطرہ ہوا کہ اس طرح کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، جس کا انجام فرعون کی حکومت کا زوال ہے تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کردے چنانچہ اس کا اظہار واعلان بھی کیا یہ کہتے ہوئے کہ: ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ. تو اس مجلس مشورہ میں ایک مؤمن شخص بھی فرعون کے خاندان سے تھا، جس نے ابھی تک اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا یا کسی اور طریقہ سے اس کو علم ہوا ہو تو اس شخص مؤمن نے اس رائے کی شدت سے مخالفت کی اور ایسا کرنے سے منع کیا اور اس ضمن میں فرعون کو اور فرعون کے ارکان حکومت کو نصیحت کی اور ایمان کی دعوت دی، تو ان آیات میں اس مرد مؤمن کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اور اس کی ان پاکیزہ اور بلند نصیحتوں کا ذکر ہے جو اس نے فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو رشد وفلاح کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔

اور کہا ایک شخص مؤمن نے فرعون کے خاندان سے جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، کیا تم ایک شخص کو قتل کررہے ہو، محض اس وجہ سے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب تو بس اللہ ہے یقیناً یہ بات ایسی تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے، حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر آیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے تو بڑی ہی بری بات ہے کسی معقول چیز کا انکار کرنا، پھر جب کہ وہ اپنی صداقت کے لیے دلائل اور نشانیاں بھی رکھتا ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم اس کی بات کو قبول نہ کرو تم تو اس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو جو نہایت ہی نازیبا بات ہے، ایسا نہ کرو، اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا جس کے نتیجہ میں وہ خود ہی ذلیل ونا کام ہوگا، اور اس صورت میں ہمیں نقصان وتکلیف کا کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہئے اور اگر وہ سچا ہے تو اس میں سے ضرور تم کو کچھ پہنچے گا جس کا وہ وعدہ اور پیش گوئی کررہا ہے کیونکہ اس کا یہ اعلان ہے: انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب وتولی کہ ہمیں یہ وحی بھیجی گئی ہے۔ بے شک خدا کا عذاب اس شخص پر واقع ہوکر رہے گا جو خدا کی بات جھٹلائے اور روگردانی کرے تو سچا ہونے کہ صورت میں تو اس کو قتل کرنا درحقیقت اپنے واسطے عذاب اور مصیبت کو دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا جائے۔

الغرض ایک لحاظ سے یہ قتل بے سود اور بے کار ہے اور ایک لحاظ سے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، عقل کا تقاضا ہے بے سود کام سے بچا جائے اور ہلاکت سے بھی اپنے کو بچایا جائے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے بڑھ جانے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو اگرچہ کسی جھوٹے کی کوئی بات ابتداءً چل پڑے مگر انجام کار ایسے شخص کو ذلت ونا کامی اور محرومی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بس سمجھ لینا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر اپنے دعوائے نبوت ورسالت میں جھوٹے ہیں تو یہ جھوٹ براہ راست خدا پر افتراء اور بہتان ہونے کی وجہ سے حد سے بڑھ جانا ہے اور مخلوق خدا کو دھوکہ میں ڈالنا ہے اور حق تعالیٰ خود ایسے شخص کو ذلیل ونا کام بنائے گا، یہ مرد مؤمن ان کلمات میں اس امر کی طرف اشارہ کررہا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں دونوں احتمال ہیں تو ان کے صادق ہونے کی صورت میں اس کی تکذیب اور قتل پر اقدام اے فرعونیو! یہ تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی اول تو تم اس بناء پر مسرف ہوگے اور اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اس قانون سے کہ: ان اللہ لا یهدی من هو مسرف کذاب۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل بھی نہ کرسکو گے

اور دوسرے یہ کہ ان کے صادق ہونے کی وجہ سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوگی اور تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

ائمہ مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ یہ شخص مؤمن قبطی تھا فرعون کے خاندان سے سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے یہ فرعون کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق یہ وہ شخص ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے ہمراہیوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے اور نجات پانے والا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا اور ان بعض مفسرین کا قول رد کیا جن کا خیال یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا کیونکہ فرعون نے اس کی بات سنی اور متاثر بھی ہوا، چنانچہ ان ہی مرد مؤمن کے مؤثر خطاب سے موسیٰ علیہ السلام کے ارادۂ قتل سے باز آ یا۔ اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو اول تو اتنی جرأت ہی مشکل تھی اور اگر جرأت کر کے کچھ کہنا شروع کرتا تو فرعون فوراً ہی اس کا کام تمام کر دیتا اور نوبت ہی نہ آنے دیتا کہ اتنی مفصل گفتگو اور اس تفصیل کیساتھ سلسلہ نصیحت شروع کر دے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مؤمن اور اس کی بیوی آسیہ علیہا السلام کے اور کوئی ایمان نہیں لایا)۔

(ابن کثیر ج ۴)

الغرض اس مرد مؤمن نے اس بلیغ اور پر اثر گفتگو میں فرعونیوں کو حق اور صداقت کی طرف دعوت دی اور نہایت لطیف انداز میں اس پر آمادہ کرنا چاہا پھر اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ جس دولت وحکومت پر غرور نے اس ناپاک ارادہ پر آمادہ کیا تھا اس کے بارہ میں اس نے نصیحت کی اور کہا اے میرے بھائیو! آج تمہارے واسطے سلطنت واقتدار ہے اس طرح کہ تم اس سرزمین میں غالب وحکمران ہو لیکن بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ کا عذاب آنے کی صورت میں اگر وہ ہم پر آ گیا، موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینے کی وجہ سے فرعون نے اس مرد مؤمن کی ان باتوں کو سن کر کہا میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھ رہا ہوں، اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت ہے اور وہ یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یہ مرد مؤمن اس بات کو سن کر مغموم ومتفکر ہوا سوچا کہ نرمی اور نصیحت سے مخاطب کوئی اثر قبول نہیں کرتا، کلام کا رخ بدلا اور کہا اس مؤمن شخص نے اے میری قوم مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے ہی روز بد کا جیسے اور امتوں پر قہر وعذاب کا دن آیا جیسا حال قوم نوح قوم عاد وثمود اور ان لوگوں کا جو انکے بعد آنے والوں کا یعنی قوم لوط وغیرہ کا ہوا، کہ ان کو ان کی اسی طرح شقاوت اور نخوت وتکبر کی وجہ سے عذاب خداوندی نے ہلاک کر ڈالا، یقیناً یہ سب کچھ صرف انہی کے اعمال کے باعث ہوا اور خدا تو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا، مگر ظاہر ہے کہ تمہارے اعمال ان ہی جیسے ہوں گے تو یقیناً اسی طرح کا عذاب تم پر بھی مسلط ہوگا، یہ تو دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جو ایسی قوموں کو ہلاک کرتا ہی ہے اور میرے بھائیو! مجھے تو تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے بھی شدید عذاب کا جس دن میں کثرت سے ندائیں پکار اور آوازیں پڑنے والی ہوں گی اور ان آوازوں اور نداؤں سے لوگوں کے ہوش وحواس پراگندہ ہوں گے، اول نداء ہولناک تو صور کی آواز ہوگی جب پھونکا جائے گا اور سب مدہوش ہو جائیں گے پھر ندا دوبارہ نفخ صور کی ہوگی جس سے سارے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ وہی ندا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں یوم ینادِ المنادِ من مکان قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق۔ پھر ایک ندا اور ہوگی کہ اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ حساب کے

واسطے، جیسے ارشاد ہے: یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ پھر ایک ندا اور پکار جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ہوگی جس کا ذکر ونادی اصحاب الاعراف، ونادی اصحاب الجنة اصحاب النار۔ اور "ونادی اصحاب النار اصحاب الجنة۔ آیات میں ہے پھر سب سے اخیر میں ایک وہ ندا ہوگی جو موت کو ذبح کرنے کے وقت اہل جنت اور اہل جہنم کو دی جائے گی یا اہل الجنة اور یا اہل النار۔ اس ندا پر جب جنتی اور جہنمی متوجہ ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے جنتی گھبرا کر دیکھیں گے کیا ماجرا ہے ہم کو کیوں آواز دی جارہی ہے، جہنمی دیکھیں گے اور متوجہ ہوں گے کچھ توقع اور طمع کے ساتھ کہ شاید ہمیں عذاب سے نجات کا پروانہ دینے کے لیے پکارا گیا ہوگا مگر ان نداؤں کے بعد اور اہل جنت واہل نار کے متوجہ ہونے کے بعد اعلان ہوگا موت کو ذبح کرتے ہوئے" خلود لاموت"۔ کہ بس اب جب کے موت کو موت دے دی گئی، دوام وخلود ہی ہے آئندہ کسی کو موت نہیں نہ اہل جنت کو نہ دوزخیوں کو، غرض ان تمام نداؤں کے اجتماع کے باعث یہ دن يَوْمَ التَّنَادِ ہوا۔ (ماخوذ از تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور یہ يَوْمَ التَّنَادِ وہ دن ہوگا جس میں تم پشت پھیر کر دوزخ کی طرف جاتے ہوگے اس وقت تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اللہ کے عذاب سے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی بدنصیب کو اللہ ہی گمراہ کردے اس کو کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں، ان حقائق اور سبق آموز نصیحتوں کے بعد توبیخ وتہدید کے انداز میں اس مرد مؤمن نے کہا اور اے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے قبل یوسف بھی بینات ودلائل لے کر آئے لیکن اے قوم قبط تم یعنی تمہارے اسلاف جن کے نقش قدم پر تم چل رہے ہو، ہمیشہ شک ہی میں مبتلا رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے اور چونکہ وہ تمہارے اسلاف تھے اور تم ان کی باتوں کو سند سمجھتے ہو اس بنا پر تم ہی کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم برابر اس میں شک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ وفات پاگئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ اور کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ بدنصیب انبیاء کی تعلیم وہدایت کا کوئی اثر قبول ہی نہیں کرتے لہٰذا ان کے پاس کسی رسول کا بھیجنا بیکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ان کے غرور ونخوت نے ان کو اللہ کے احکام میں گستاخ بنادیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح غلطی میں ڈالے رکھتا ہے ہر ایسے حد سے بڑھ جانے والے شک وتردد میں پڑ جانے والے لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ بغیر کسی سند وحجت کے جو ان کے پاس آئی ہو بہت ہی بڑی ہے یہ چیز ناگواری اور نفرت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک، کہ انسان اللہ ہی کے احکام اور اس کی آیتوں میں خصومت کرتا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور وجابر کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور سارا قلب اس مہر کے احاطہ میں گھر جاتا ہے اور اس کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا کہ اس خالی رخ اور سمت سے حق فہمی کی کوئی صلاحیت باقی رہ جائے، جیسے کسی برتن کے پورے منہ پر اگر مہر لگ گئی تو اس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی ایسا سوراخ ومنفذ باقی نہیں رہتا کہ باہر سے کوئی چیز اس برتن کے اندر ڈالی جاسکے، اور علی ہذا جب اس پر مہر لگ گئی تو اندر سے کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں رہا، تو بس یہی حال ایسے مغرور وسرکش انسان کے قلب کا ہوتا ہے جب پورے قلب پر مہر لگ گئی تو باہر سے ہدایت ونصیحت اندر نہیں جاسکتی اور اندر کی شقاوت باہر نہیں نکل سکتی۔ یحسرة علی العباد۔

یہاں تک اس مرد مؤمن کی ناصحانہ تقریر تھی جو فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کی آج سے پہلے اگرچہ اس بزرگ مؤمن نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہو لیکن اس واضح اور کھلم کھلا دعوت توحید اور شقاوت وبدبختی سے زجر وتوبیخ کی

وجہ سے تو ان کا ایمان علی الاعلان ظاہر ہوگیا، اس مرد مؤمن نے اپنی اس تقریر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جو دو شقیں اختیار کیں۔ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ۔ العیاذ باللہ۔ اس بنا پر نہیں کہ یہ دو احتمال موسیٰ علیہ السلام میں ممکن اور محتمل تھے بلکہ ظاہر ہے کہ وہ ان کی صداقت وحقانیت پر کامل یقین وایمان رکھنے والے تھے یہ محض تعبیر اور بیان میں دو شقیں حجت پوری کرنے کے لیے تھیں اور اس غرض سے کہ مخاطبین اس سے پوری طرح متاثر ہوں اور ان کی بات کو اس تخیل کے ساتھ سنیں کہ یہ کسی طرح حمایت اور جانبداری کے جذبہ سے نہیں بلکہ ایک اصولی اور قطعی بات ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو ایسی ہی روشنی اور ضابطہ کے تحت بخوبی سمجھا جاسکتا ہے اس سے یہ استدلال بھی نہ کیا جائے کہ کوئی مدعی نبوت اور کذاب ومفتری جس کا کذب اور افتراء دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، اس کی تکذیب وتردید کے قطعی پہلو کو چھوڑ کر اس کے لیے ایسا ہی طرز اختیار کرلیا جائے اور یہ کہہ کر بات ٹلا دی جائے کہ اگر جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا۔ بلکہ ایسے کذاب ودجال کی تو واضح طور پر ڈٹ کر تردید اور مقابلہ کرنا فرض ہوگا، اب جبکہ آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا قطعی دلائل شریعت سے ثابت ہو چکا اور یہ کہ آپ کے بعد اب اور کوئی پیغمبر نہیں آئیگا تو مدعی نبوت کی قطعی طور سے تکذیب وتردید اور تکفیر کی جائے گی اور وہ مدعی نبوت اور اس پر ایمان لانے والے واجب القتل ہوں گے، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کے ساتھ قتال فرمایا اور وہ قتل کیے گئے۔

آلِ فرعون کے مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات:

یہ مرد مؤمن فرعون کے خاندان اور قبطیوں میں سے تھے اور بقول ائمہ مفسرین فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آل فرعون میں سے ایمان لانے والے ایک مرد مؤمن تھے اور دوسرا مؤمن خود فرعون کی بیوی تھی، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ تحریم میں فرمایا، یہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لا چکے تھے، ان کا یہ خطاب ہے جو فرعون کی طرف سے قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ کرنے پر تھا جس میں نصیحت وہمدردی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اور حق کا مقابلہ کرنے پر زجر وتوبیخ ہے، اور ایسا حکیمانہ انداز ہے کہ ادنیٰ فہم اور صلاحیت رکھنے والا انسان بھی اس کو تسلیم کیے بغیر نہیں نہ رہ سکے۔

اس مرد مؤمن نے اپنے اس خطاب میں جو خاص امور اور حکیمانہ نکات اور معاندانہ رویہ ترک کرنے کے لیے اثر انگیز نصیحتیں کیں وہ یہ تھیں، سب سے پہلے (۱) ابتداء خطاب میں اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کہہ کر بے وجہ اقدام قتل جیسے برے فعل کی مذمت کی اور اس پر اظہار نفرت کیا، (۲) اور یہ کہ جس بنیاد پر قتل کا ارادہ ہے وہ اس شخص کا یہ کہنا ہے۔ ''میرا رب اللہ ہے''۔ حالانکہ یہ بات اگرچہ تمہارے تخیل یا عقیدہ کے خلاف ہو، کسی بھی ضابطہ سے قتل کی اجازت نہیں دیتی، (۳) پھر یہ کہ وہ اپنی اس بات پر جب واضح دلائل پیش کر رہا ہے قتل کیا جائے، (۴) اور پھر یہ کہ یہ دلائل کوئی عام قسم کی شہادتیں اور دلائل نہیں ہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل ہیں، (۵) اور لفظ من ربکم۔ بول کر ایک لطیف طنز بھی کر ڈالا کہ وہ تمہارا رب ہے اب یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم اپنے رب کو نہ پہچانو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اگر تم ان دلائل حقانیت سے قطع نظر کرلو تو سوچو کہ قتل کا جواز تو اس

صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے جب کوئی سبب اور وجہ قتل متحقق ہوا اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی، تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی، تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا، (۷) علاوہ ازیں جب کہ تمہارے پاس اس کی تردید کے لیے کوئی دلیل معقول نہیں تو اس احتمال کو خود تمہاری حد تک بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صادق ہے اور اس صورت میں کہ وہ سچا ہو اور تم اس کا مقابلہ کرو، ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کر ڈالو تو یہ قطعی بات ہے کہ "یصبکم بعض الذی یعدکم"۔ کہ تم کو وہ مصیبت ضرور پہنچ کر رہے گی جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کی دھمکی دے رہا ہے اور پھر (۸) یہ کہ تم لوگ ایسی صورت میں کہ اس کے پاس دلائل ہیں اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، تمہارے لیے اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں اور خود تمہارے اصول سے اس کے صادق ہونے کا احتمال ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس کے قتل پر اقدام بلاشبہ انتہائی زیادتی اور ظلم ہوگا، اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ (خدا تعالیٰ کسی بھی زیادتی کرنے والے کذاب وجھوٹے کو مقصد میں کامیاب نہیں کرتا) (۹) اور اگر اس کے برعکس یہ احتمال فرض کرو کہ وہی اپنے اس دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے تو پھر وہ مسرف وکذاب ہوگا کہ اس نے زیادتی کی اور خدا پر جھوٹ بولا اور ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد میں ضرور ناکام وذلیل ہوگا، تو اس سے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا، پھر کیا فائدہ کہ بغیر کسی اہم مقصد کے کسی کو قتل کر ڈالا جائے۔ (۱۰) پھر يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ۔ کہہ کر یہ سمجھانا چاہا کہ ملک واقتدار کے حاصل ہو جانے پر تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ظلم وتعدی کی روش اختیار کی جائے یاد رکھو اگر ایسا کیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے بعید ہے بلکہ اللہ کے عذاب وانتقام کا بھی موجب ہے اور خداوند عالم کے عذاب اور انتقام سے کوئی طاقت نہیں بچاسکتی تو ان کلمات میں نہایت لطیف انداز سے فرعون کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر تو غور کرے تو سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت اور غلبہ خود تیرا حاصل کردہ نہیں ہے کہ تو نے اپنی کسی صلاحیت یا محنت سے اسے حاصل کیا ہو یقیناً تجھے ماننا چاہئے کوئی قدرت وطاقت ایسی ہے جو انسانی قدرت اور وسائل سے بالاتر ہے بس اسی قدرت کا مالک اللہ ہے، جس نے تجھ کو یہ سلطنت دی اور جس نے ایسی بڑی حکومت دی ہے وہ پروردگار اسے چھین بھی سکتا ہے، ناراض ہوکر عذاب وقہر بھی نازل کرسکتا ہے تو اگر ایسا ہوا تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کرسکتی تو اس حصہ نصیحت میں مرد مؤمن نے نہایت ہی لطیف انداز سے قدرت خداوندی، اس کی نعمت، اور اس کی سزا کا ذکر کر ڈالا اور اس فرعون کو جو مدعی تھا "انا ربکم الاعلیٰ"۔ کا ان کلمات سے دعوت فکر بھی دے دی کہ ان چیزوں کو سوچ کر خدا کی ربوبیت کو پہچان لے اور اس پر ایمان لائے اور خدا کے پیغمبر کے مقابلہ سے باز آجائے۔

یہ تھے دس خصوصی نکات جس پر اس مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب مشتمل تھا، اس ناصحانہ وحکیمانہ معقول ومدلل خطاب اور انسانی فطرت اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والے حقائق سے فرعون بظاہر متاثر ہونے لگا ہوگا اور ڈرا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میں خود ہی اپنے ذہن میں رچے ہوئے تصورات اور معتقدات کو غلط قرار دے دوں، تو فوراً بات کاٹنے کے انداز میں اس مرد مؤمن کے وعظ کے دوران جو بھی مزید نکات اور حقائق بیان کرنیوالا تھا بول پڑا جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا: قال فرعون ما اریکم الا ما اری وما اھدیکم الا سبیل الرشاد۔ فرعون اس پر کہنے لگا کہ اے لوگو! بس میں تو تم کو

وہی بات سمجھاتا ہوں اور اسی چیز کی رہنمائی کرتا ہوں جس کو میں خود بہتر سمجھتا ہوں اور میں تم کو صرف بھلائی ہی کا راستہ دکھارہا ہوں، اس مردمؤمن نے اس لغو، مہمل اور بے دلیل بات کی تردید وتغلیط کی طرف رخ کرنے کے بجائے پھر وہی اصل حکیمانہ خطاب کے باقی اہم نکات کا سلسلہ بیان شروع کردیا جو فرعون نے بیچ میں غلط طریقہ سے کاٹ دیا تھا۔

چنانچہ مزید گزشتہ تاریخی عبرتناک واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ۔ الخ۔ کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو پھر مجھے اسی قسم کے عذاب کا اندیشہ ہے جو پہلی قوموں قوم نوح، عاد وثمود، اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا، اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس طرح کے عذاب کوئی وقتی اور اتفاقی قسم کے پیش آنے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ یہ براہ راست اللہ رب العزت کی طرف سے مجرمین کو سزا ہوتی ہے اور اس طرح کی سزائیں کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتیں بلکہ مجرمین درحقیقت ایسی ہی سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ذرہ برابر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتے اور جو رب ایسا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سے واقعتاً ظلم کا تحقق ہوجائے۔

اور چلو یہ تو جو کچھ ہوگا دنیوی زندگی تک کا معاملہ ہے مگر یہ جان لو کہ اسی پر بس ہونے والی نہیں مجھے تو اس سے بھی بڑھ کر تمہاری نسبت یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یعنی اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جس دن آوازیں پڑیں گی، پکارا جاتا ہوگا، اس پکار اور ندا والے دن کا معاملہ تو یہ ہوگا کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگو گے، اور تم کو عذاب خداوندی سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس پر بھی سوچو کہ یہ تمہاری بدبختی اور گمراہی خدا کی طرف سے محرومی ہے جس کی وجہ سے یہ باتیں تم سے ظاہر ہورہی ہیں۔ اور میں تم کو یہ بھی بتادینا چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ خصلت تمہارے گزرے ہوئے آباواجداد سے ورثہ میں ملی ہے تمہارے بزرگوں کے زمانہ میں ان کے پاس اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام آئے، ان کے ساتھ یہی معاملہ نافرمانی اور ایذارسانی کا کیا اور آج تم اسی نقش قدم پر چل رہے ہو،

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر والے ان کی نبوت کے قائل نہ ہوئے، ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کا قدم اس شہر پر کیسا مبارک ہے اب ایسا نبی آئندہ کوئی نہیں آئے گا۔

غرض اس بات سے مراد یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں لیکن یاد رکھو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے کہ اہل مصر یوسف علیہ السلام کے بعد پچھتائے۔ ان نصائح اور دل پر اثر ڈالنے والے حقائق کو بیان کرتے ہوئے مردمؤمن نے اخیر میں صاف کہہ ڈالا کہ سب کچھ تمہاری طرف سے غلط قسم کی تعدی اور زیادتی ہے اور خدا کی نشانیوں میں بے دلیل حجت بازی اور جھگڑا کرنا ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی کررہی ہیں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور واقعی تم جیسے مغرور اور سرکش لوگوں کے تو پورے قلب پر مہر لگادیتا ہے پھر کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا کہ قلب تک ہدایت رسائی حاصل کرلے گویا یہ بتادیا کہ یہ فطرت کا مسخ ہوجانا ہے جو انسان کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

آل فرعون کے مردمؤمن کے ایمان واخلاص سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا:

امم سابقہ میں جو فضائل و کمالات حق تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد میں بھی بدرجہ اتم واکمل پائے گئے ہیں، یہ کلمات اس مرد مؤمن کے اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبرؓ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب کہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ پر ظلم وستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے، عروہ بن الزبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ ﷺ حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آکر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی سامنے سے ابوبکرؓ آگئے اور عقبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت ورسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مرد مؤمن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا، مگر امت محمدیہ ﷺ کا یہ مرد مؤمن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا، مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ نے اثناء خطبہ یہ فرمایا، بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا، میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا، سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے، میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں: انت جعلت الالهة الها واحدا۔ کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جا سکے، اتفاقاً سامنے سے ابوبکرؓ آگئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری اور کسی کو گھونسہ مارا اور بآواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ویلکم۔ (ہلاکت ہو تمہاری) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مؤمن افضل تھا یا ابوبکرؓ؟ لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکرؓ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مؤمن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار واعلان کیا، پھر یہ کہ اس مرد مؤمن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکرؓ نے تو زبانی نصیحت وحمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی، تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کو عطا فرمایا۔

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ کی تفسیر:

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ کی تفسیر میں بالعموم مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کہ اس میں آوازیں پڑیں گی، وہ نداؤں اور ہانک پکار کا دن ہوگا، ان نداؤں کی تفصیل اور انواع کی طرف ترجمہ کے دوران تشریحی الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا کہ

نفخ صور کے وقت جب زمین پر زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں گے اور اس ہیبت ناک منظر سے لوگ بدحواس و پریشان ہوں گے تو شدت پریشانی میں بھاگ رہے ہوں گے تو ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، یا یہ ندا فرشتوں کو آواز ہوگی میدان حشر میں جمع ہو جانے کے لیے، نیز یہ ندا فرشتوں کی ہوگی مجرمین کو، اگر تم سے ہو سکے تو آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تم کہیں بھی چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے ایک ندا وہ ہوگی جب منکرین بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگیں گے تو فرشتے کہیں گے، لاوزر الی ربك یومئذ المستقر کہ بھاگنے کی اب کوئی جگہ نہیں۔ اب تو اے انسان تیرے رب ہی کی طرف تیرا ٹھکانا ہے، ایک ندا میزان اعمال پر ہوگی، ایک ندا جنتیوں کو جنت میں جانے کے لیے اور دوزخیوں کو جہنم میں داخل ہونے کے لیے، ایک ندا اعراف والوں کی ہوگی کہ اپنی جان پہچان کے کافروں کو ملامت و توبیخ کریں گے۔ ایک ندا اہل جنت کی جہنمیوں کو ہوگی ایک ندا اہل نار کی طرف سے اہل جنت کو ہوگی، جب وہ اہل جنت سے کچھ پانی یا دوسری کوئی نعمت جنت کی نعمتوں میں سے مانگتے ہوں گے اور ایک ندا اخیر میں رب العزت کی طرف سے اہل جنت اور اہل نار کو ہوگی موت کو ذبح کرتے ہوئے کہ اے لوگو! سن لو اب خود موت ہی کو موت دی جا رہی ہے، اس کے بعد بس خلود و دوام ہی ہے لاموت۔ (موت کا اس کے بعد اب کسی کو تصور ہی نہ کرنا چاہیے) غرض ان سب نداؤں کی وجہ سے اس کو یَوْمَ التَّنَادِ کہا گیا۔

تفسیر مظہری جلد ہشتم میں قاضی محمد ثناء اللہ صاحب الحنفی المظہری رحمۃ اللہ علیہ نے یَوْمَ التَّنَادِ کی تفسیر فرماتے ہوئے ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی جس میں تین نفخات کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ حق تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ انفخ، نفخة الفزع کہ اے اسرافیل فزع (گھبراہٹ) کا صور پھونکو تو وہ پھونکیں گے جس پر آسمان و زمین والے سب ہی گھبراہٹ و بدحواسی کے عالم میں مبتلا ہو جائیں گے، بجز ان کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ فرما دے یہ وقت وہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو جائیں گے اور بچے ہیبت و گھبراہٹ کی شدت سے بوڑھے ہو جائیں گے، جنات و شیاطین بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ کناروں تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرز مار کر واپس لوٹائیں گے، اس پر وہ لوٹیں گے تو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوں گے، ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، اس طرح یہ دن پکار کا دن ہوگا۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ ابوحازم الاعرجؒ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوحازم الاعرج خود اپنے آپ کو مخاطب بنا کر فرمایا کرتے۔ اے اعرج قیامت کے دن جب بعض خطا کاروں کو پکارا جائے گا کہ فلاں فلاں خطا کرنے والو کھڑے ہو جاؤ، تو ان کے ساتھ تو کھڑا ہوگا، پھر جب دوبارہ پکار پڑے گی یا اہل الخطیات تو جب بھی تو انہیں کے ساتھ اٹھے گا بس میں تو یہی خیال کر رہا ہوں کہ اے اعرج تیرا اٹھنا خطا کاروں ہی کے ساتھ ہوگا، خواہ وہ کتنے ہی اقسام و انواع کی خطائیں ہوں،

ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے تخریج فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا، خبردار کھڑے ہو جائیں وہ لوگ جو خدا سے جھگڑنے والے ہیں، اس ندا پر فرقہ قدریہ کھڑا ہوگا (اور اس گمراہ فرقہ کے علاوہ علی ہذا القیاس جو بھی فرقے اہل بدعت کے ہوں گے خواہ ان کی بدعات عملی ہوں یا اعتقادی سب

کھڑے ہو جائیں گے) اور اسی روز اہل جنت اہل نار کو پکاریں گے، اور اہل اعراف جہنمیوں کو آوازیں گے جس کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی، یہاں تک کہ آخری ندا یہ ہوگی، ہر ایک سعید شقی کا نام پکارتے ہوئے، یہ ہیں سعادت والے جو کبھی ناکام نہ ہوں گے، اور یہ ہیں اشقیاء و بدبخت کو کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے۔ (بیہقی)

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے روز میزان اعمال پر لایا جائے گا اور درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا، اگر اس کے اعمال حسنہ بھاری اور غالب ہوئے تو فرشتہ اس کی کامیابی کا اعلان کر دے گا اور اگر اس کے اعمال سیئہ بھاری اور غالب ہو گئے تو اس کی بدبختی کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ایسی ندا ہوگی جس کو تمام مخلوق سنے گی۔

طبرانی نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم فرمائے گا، جو ندا کرے گا اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک نسب بنایا، میں نے تو یہ نسب مقرر کیا تھا کہ: ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ کہ تم میں سب سے زائد کرامت وعزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، مگر اے لوگو تم نے یہ بات نہیں مانی اور تم باز نہ آئے مگر یہ کہ تم یہی کہو فلاں بن فلاں بہتر ہے فلاں بن فلاں سے یعنی تم خاندانی شرافت اور برتری میں لوگوں کو تولتے رہے۔ بس سمجھ لو کہ آج میں اپنے نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو گھٹاتا ہوں، (اعلان ہوگا) کہاں ہیں تقوی والے، تو اس طرح اس روز اہل تقوی کو پکارا جائے گا، اور اسی دن ایک اور ندا دی جائے گی، جس وقت کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ یا اھل الجنۃ خلود لاموت ویا اھل النار خلود لاموت۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ومسلم نے ابن عمرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم کو چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا (ایک کبش یعنی مینڈھے) کی شکل میں، یہاں تک کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، اس اعلان کے ساتھ کہ اے اہل جنت اب ہمیشہ جنت میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں اور اے اہل نار اب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں کہ مر کر ہی اس عذاب سے نجات مل جائے تو اس نداء واعلان پر اہل جنت کی خوشیوں پر مزید خوشی کا اضافہ ہو جائے گا اور اہل نار کے غموں پر اور غم کا اضافہ ہو جائے گا، الغرض اس طرح کی تمام نداؤں کا اجتماع اس دن کو یَوْمَ التَّنَادِ بنا دینے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ یَوْمَ التَّنَادِ دال کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کو دال کی تشدید کے ساتھ یوم التناد پڑھا کرتے تھے تو اس قراءت کی رو سے یہ مصدر مشتق ہوگا، ند، یند سے ہوگا، بمعنی بھاگنا بدکنا، کہا جاتا ہے۔ ندالبعیر۔ جب اونٹ بدک کر بھاگ جائے، اس قراءت کی تائید اس روایت سے ہے جو ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم فرمائے گا تو وہ مع اپنی تمام مخلوق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ملائکہ اس کے کناروں پر ہوں گے جس وقت پروردگار کا حکم ہوگا تو وہ اتریں گے اور زمین والوں کا احاطہ کر لیں گے، پھر اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے آسمان کو حکم ہوگا ہر

ایک کے فرشتے علیحدہ علیحدہ صفیں بنالیں گے، پھر ایک بہت بلند تر فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگی، جب زمین والے جہنم دیکھیں گے تو گھبرا کر بھاگنے لگیں گے تو اس حالت میں زمین کے جس کونہ اور جانب کا رخ کریں گے وہاں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے کہ ان کی سات صفیں مرتب ہیں (اور انہوں نے ہر راستہ گھیر رکھا ہے، بھاگ کر کہاں جائیں گے) تو یہ دیکھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے یہی مراد ہے اس آیت مبارکہ: "انی اخاف علیکم یوم التناد" کی کہ میں تمہارے بارے میں خوف کر رہا ہوں اس دن کا کہ جب ہر طرف سے لوگ بھاگتے ہونگے اور ان کو کسی رخ سے بھی پناہ نہ ملے گی اور نہ نکلنے کا راستہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری جلد ہشتم)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یَوْمَ التَّنَادِ کے ایک اور معنی بیان کیے، فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا چنانچہ فرماتے ہیں، یہ ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) اس مرد مؤمن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر اسی طرح عذاب آتا ہے۔
(از فوائد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

وَ قَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ بِاِثْبَاتِ الْیَاءِ وَحَذْفِھَا اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ تَقَدَّمَ یٰقَوْمِ اِنَّمَا
هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ تَمَتُّعٌ یَزُوْلُ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا
مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِضَمِّ الْیَاءِ وَفَتْحِ
الْخَاءِ وَبِالْعَکْسِ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبِعَةٍ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى
النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّ اَنَا
اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَالِبِ عَلٰی اَمْرِہٖ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى
النَّارِ ﴿﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾
لِمَنْ تَابَ لَا جَرَمَ حَقًّا اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لِاَعْبُدَہٗ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا اَیْ اِسْتِجَابَةُ دَعْوَةٍ وَ لَا
فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ مَرْجِعَنَا اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ الْکَافِرِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ
النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ اِذَا عَایَنْتُمُ الْعَذَابَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ قَالَ ذٰلِکَ لِمَا تَوَعَّدُوْہُ بِمُخَالَفَتِهٖ دِیْنَهُمْ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا بِهٖ مِنَ الْقَتْلِ وَ حَاقَ
نَزَلَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ قَوْمُهٗ مَعَهٗ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلْغَرَقُ ثُمَّ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا یُحْرَقُوْنَ بِهَا غُدُوًّا وَّ

عَشِيًّا ۚ صباحاً و مساءً وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ يُقَالُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ وفي قراءة بفتح الهمزة و
كسر الخاء امرٌ للملئكة اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ عذاب جهنّم وَ اذكر اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ يتخاصم الكفّار فِي
النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا جمع تابع فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ دافعون
عَنَّا نَصِيْبًا جزءًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝
فادخل المؤمنين الجنة والكافرين النار وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا
يَوْمًا اي قدر يوم مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اي الخزنة تهكمًا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ
المعجزات الظاهرات قَالُوْا بَلٰى اي فكفرنا بهم ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ انتم فانا لا نشفع لكافر قال تعالى
وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ انعدام

ترجمہ: اور اس مؤمن نے کہا اے میری قوم میری راہ چلو اثبات یاء اور حذف یاء کے ساتھ میں تمہیں ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں یہ لفظ گذر چکا اے میری قوم دنیاوی زندگی محض چند روزہ ہے جو بیت جائے گی اور ہمیشہ رہنے کا مقام تو آخرت ہے جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے لفظ یدخلون یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے برعکس دونوں طرح ہے وہاں بے حساب بے اندازہ بے منت ان کو رزق ملے گا اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم کو مجھ کو دوزخ کیطرف بلاتی ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شریک کروں اور ایسی چیزوں کو ساجھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست بالا دست خطا بخش ہے توبہ کرنے والوں کے لئے یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلاتے ہو اس کی عبادت کے لئے وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہیں کہ اس کی پکار قبول ہو اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا ہی کے پاس جانا لوٹنا ہے جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں کافر وہ سب دوزخی ہوں گے۔ سو آگے چل کر جب عذاب سامنے آئے گا تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اللہ سب بندوں کا نگراں ہے یہ تقریر اس وقت کی جب انھیں اپنے دین کی مخالفت پر قوم نے دھمکایا چنانچہ اللہ نے مرد مؤمن کو قتل کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعونیوں، قوم فرعون پر موذی عذاب ڈوبنے کا اور اس کے بعد جہنم کی آگ کا نازل ہونا۔ وہ لوگ آگ کے سامنے صبح و شام لائے جاتے ہیں جلانے کے لئے اور جس روز حساب قائم ہوگی تو کہا جائے گا ڈال دو فرعونیوں کو ایک قراءت میں ادخلو ہمزہ کے فتحہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے فرشتوں کو حکم ہوگا سخت عذاب میں دوزخ کے اور جب کہ دوزخ میں جھگڑیں گے کفار آپس میں تو ادنی درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے تابع

تھے۔ تبع، تابع کی جمع ہے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ جز ہٹا دور کر سکتے ہو تو بڑے لوگ بولیں گے کہ ہم سب یہیں دوزخ میں ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا مسلمانوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے دوزخ کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کسی دن یعنی ایک دن کے برابر وقت تو ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے دوزخ کے فرشتے بطور مذاق کہیں گے کہ تمہارے پاس پیغمبر کھلے معجزات لے کر نہیں آئے تھے تو دوزخی بولیں گے کہ ہاں مگر ہم نے ان کو نہیں مانا تھا فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کر لو کہ ہم کافر کی سفارش نہیں کر سکتے ارشاد ربانی ہے کافروں کو دعا محض بے اثر بیکار ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: تَمَتُّعٌ: معمولی فائدہ۔

قوله: بِغَيْرِ حِسَابٍ: بغیر ناپ تول کئی گناہ بڑھا کر۔ کئی گنا بڑھا کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔

قوله: لَا جَرَمَ: لَا میں ان کے دعاوی کی نفی اور جَرَمَ خود ثابت ہونا اس کا فاعل أَنَّمَا تَدْعُونَنِي۔۔۔۔

قوله: فَسَتَذْكُرُونَ: یعنی عنقریب تم عذاب کو دیکھ کر اس بات کا تذکرہ باہمی طور پر کرو گے۔

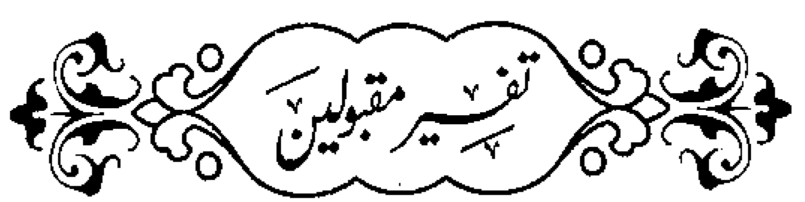
قوله: سَيِّاٰتِ: سختیاں۔

قوله: ثُمَّ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ: خبر محذوف ہے اور يُعْرَضُوْنَ جملہ معترضہ ہے۔

قوله: تَبَعًا جَمْعُ تَابِعٍ: پیروکار۔

قوله: كُلٌّ فِيهَآ: ہم تمہارے کام کیسے آئیں، اگر ہمیں قدرت ہوتی تو اپنے کام آتے۔

قوله: بَيْنَ الْعِبَادِ: جب فیصلہ ہو چکا تو اس کے فیصلے کو کوئی موڑ نہیں سکتا۔



وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

مردِ مؤمن کا فناء دنیا اور بقاء آخرت کی طرف متوجہ کرنا، اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا:

مردِ مؤمن کا سلسلہ کلام جاری ہے درمیان میں فرعون کی اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک اونچی عمارت بنانے کا حکم دیا اور یوں کہا کہ میں اس عمارت پر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں گا، مردِ مؤمن نے فرعون کی بات سنی اور قوم فرعون کو مزید نصیحت کی اول تو اس نے یہ کہا کہ تم لوگ میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاؤں گا جیسے میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ایسے ہی تم بھی ایمان لاؤ اور یہ دنیا جس پر تم دل دیئے پڑے ہو اور اسی کو سب کچھ سمجھ رہے اور یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام

پر ایمان لانے سے ہماری دنیا جاتی رہے گی اس کے بارے میں تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ دنیا والی زندگی تھوڑی سی ہے چند روزہ ہے اس میں جو کچھ سامان ہے وہ بھی تھوڑا سا ہے اور تھوڑے دن کام آنے والا ہے بس اس دنیا کے لیے تم اپنی آخرت برباد نہ کرو، جو شخص کفر پر مرے گا اس کے لیے وہاں دائمی عذاب ہے وہاں کے عذاب کے لیے اپنی جان کو تیار کرنا کبھی کی بات ہے۔ سب کو مرنا ہے میدان آخرت میں جانا ہے جو لوگ ایمان کے ساتھ پہنچیں گے وہ وہاں جنت میں جائیں گے اور جنت ایسی جگہ ہے جو دار القرار ہے حقیقت میں وہی رہنے کی جگہ ہے۔ مرد مؤمن نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دے گا برائی کا بدلہ تو اتنا ہی ملے گا جس قدر برائی کی تھی اور نیک عمل کا بدلہ بہت زیادہ ملے گا کسی بھی مرد یا عورت نے بحالت ایمان کوئی بھی نیک عمل کر لیا تو اس کے لیے اللہ نے یہ صلہ رکھا ہے کہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا تم لوگ اسی جنت کے لیے فکر مند بنو اور ایمان قبول کرو۔

مرد مؤمن نے یوں بھی کہا کہ میں تمہیں ایسے کام کی طرف بلاتا ہوں جس میں آخرت کی نجات ہے اور تم مجھے اس چیز کی طرف بلاتے ہو جو دوزخ کے داخلے کا سبب ہے میں ایمان کی دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بناؤں جبکہ شرک کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس میں مَا لَيْسَ لِي بِهٖ عِلْمٌ کہا اور انہیں یہ بتا دیا کہ تمہارے پاس بھی شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بات رکھی اپنے اوپر اور سمجھا دیا ان کی قوم کو خطاب کرتے ہوئے مزید کہا وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ یعنی میں تمہیں اپنے معبود کی طرف بلاتا ہوں وہ عزیز ہے زبردست ہے بہت مغفرت کرنے والا ہے اگر کسی کو عذاب دینا چاہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور وہ غفار بھی ہے کوئی شخص کیسے ہی گناہ کر لے وہ معاف کرنا چاہے تو اسے کوئی بھی روکنے والا نہیں لہٰذا تم کفر سے توبہ کر لو اور بخشش کے دائرہ میں آ جاؤ یہ نہ سوچو کہ ہم نے جواب تک کفر و شرک کیا ہے اور اعمال بد کا ارتکاب کیا ہے اس کی معافی کیسے ہوگی۔

مرد مؤمن نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ جو مجھے کفر و شرک کی طرف بلاتے ہو یہ باطل چیز ہے اور اس میں بربادی ہے یہ جو تم شرک اور کفر کی دعوت دے رہے ہو یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے تم نے جو بت تراش رکھے ہیں یہ تو ذرا بھی نہیں سنتے ہیں نہ ہاں کرتے ہیں نہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں یہ تو دنیا میں تمہاری دعوت کی حقیقت ہے اور آخرت میں اس کا کوئی نفع پہنچنے والا نہیں ہے۔ (قال صاحب الروح فالمعنى ان ما تدعوننى اليه من الاصنام ليس له استجابة دعوة لمن يدعوه اصلا اوليس له دعوة مستجابة اى لا يدعى دعا يستجيبه لداعيه فالكلام اما على حذف المضاف او على حذف الموصوف) ''تفسیر روح المعانی کے مصنف'' لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کی طرف تم مجھے بلاتے ہو انہیں جو پکارے وہ اس کی پکار کا جواب ہرگز نہیں دے سکتے یا ان کو پکارنے والے کی کوئی دعاء مقبول نہیں ہے یعنی کوئی ایسی دعا نہیں ہے جو مانگنے والے کے لیے قبول ہو، یہاں لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ میں یا تو مضاف محذوف ہے یا موصوف محذوف ہے۔

وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ مرد مؤمن نے مزید کہا کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ (اور بلاشبہ حد سے آگے بڑھ جانے والے ہی دوزخی ہوں گے) اس میں ترکیب سے یہ بتا دیا کہ تم لوگ مسرف ہو حد سے آگے بڑھنے والے ہو ایمان قبول کرو تا کہ آگ کے عذاب سے بچ سکو۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ (سوتم عنقریب جان لوگے کہ جو میں تم سے کہتا ہوں) وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ (اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں) اگر تم نے مجھے تکلیف دینے کا اردہ کیا تو میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری حفاظت فرمائے گا۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ ــــ

مردمؤمن کا قوم کی شرارتوں سے محفوظ ہوجانا اور قوم فرعون کا برباد ہونا:

یہاں تک مردمؤمن کا کلام تھا آگے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی حفاظت کا اور آل فرعون کے مبتلائے عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا: فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا (سواللہ نے اس کو ان لوگوں کے مکر اور تدبیر کی مصیبتوں سے محفوظ فرما دیا) وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ (اور فرعون اور آل فرعون پر براعذاب نازل ہوگیا) یہ لوگ دریا میں غرق ہوئے اور ڈوب مرے اگر (وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ) سے اسی غرق کو مرادلیا جائے تو سیاق کلام سے بعید نہیں ہے گوصاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مردمؤمن کو قتل کرنے کا فرعون نے منصوبہ بنایا (جس کا مؤمن ہونا بعد میں ظاہر ہوگیا تھا) تو وہ ایک پہاڑ کی طرف چلے گئے ان کے پیچھے فرعون نے ہزار آدمی بھیج دیئے ان آدمیوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان لوگوں کو درندے کھا گئے اور ان میں سے بعض پہاڑ میں پیاسے مرگئے اور بعض لوگ فرعون کے پاس واپس آگئے اس نے ان کو یہ کہہ کر قتل کردیا کہ تم قصداً اس شخص کو لے نہیں آئے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ ــــ

(ربط) گزشتہ آیات میں آل فرعون کے مردمؤمن کا ناصحانہ خطاب کا بیان تھا کہ اس نے کیسے مؤثر وبلیغ اور مدلل انداز سے فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو حق کی دعوت دی اور اللہ رب العزت کی الوہیت ووحدانیت کے دلائل قائم کرتے ہوئے ایمان لانے پر آمادہ کرنا چاہا اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا، اب ان آیات میں جو عذاب خداوندی ان پر دنیا میں آیا اور جو برزخ اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر فرمایا جارہا ہے، فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ۔الخ، دوزخ کی آگ پر ان فرعونیوں کو پیش کیا جاتا رہے گا صبح وشام، اور جب قیامت قائم ہوگی تو کہا جائے گا فرشتوں سے داخل کردو فرعونیوں کو سخت عذاب میں جو عالم برزخ کے عذاب سے بہت زائد سخت اور ہولناک ہوگا کیونکہ برزخ میں تو آگ کا صرف معاینہ اور قرب ہی ہوتا تھا، علاوہ ازیں برزخی آگ سے یقیناً جہنم کی آگ زائد شدید ہوگی تو برزخ کے عذاب سے جہنم کا عذاب نہایت سخت ہوگا اور اس سے بڑھ کر ایک مزید عذاب وکلفت کی چیز ہوگی جب کہ کفار دوزخ میں ایکدوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو نیچے درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہتے ہوں گے جو بڑے تھے، اور ان کے مقتداء وپیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا تو کیا اس وقت تم ہم سے عذاب نار کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو، وہ بڑے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں؛ اب ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں جب کہ ہم بھی تمہاری طرح اسی عذاب میں مبتلا ہیں، اللہ تو بندوں کے

درمیان فیصلہ کر چکا، اور اس صورت حال میں کہ تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو چکے ہوں گے، اور متبوعین بھی اپنے کو بے بس پارہے ہوں گے تو یہ سب جو جہنم میں ہوں گے جہنم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے پکارو اپنے پروردگار کو کہ وہ ہم سے عذاب میں سے کسی ایک دن ہی کمی کر دے تو ہم ایک دن کے عذاب کی تخفیف کو غنیمت سمجھیں گے کہ چلو ذرا ایک دن ہی کچھ سکون کا سانس لینا نصیب ہو جائے، یہ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل و معجزات لے کر نہیں آئے تھے جس سے تم بخوبی حق و ہدایت سمجھ سکتے تھے کہیں گے بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے لیکن یہ ہماری بدنصیبی کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی (جیسے کہ ارشاد ہے: "بلٰی قد جآء نا نذیر فکذبنا") اس پر فرشتے بولیں گے پھر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے واسطے کوئی دعا و التجا ہو سکتی ہے اور کافروں کی دعا بس بے اثر ہی ہو کر رہے گی اس لیے کہ اس دعاء (اس دعا کی قید اس وجہ سے ظاہر کی گئی کہ یہ دعا۔ نجات یا تخفیف عذاب کی ہوگی اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کا فیصلہ واضح کر دیا کہ "لا یخفف عنهم العذاب ولا هم ینصرون"۔ رہا دنیا کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ کافر کی بعض دعائیں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کے لحاظ سے پوری فرمادے جیسے کہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے تو اسی درجہ میں دنیا میں کافر کی دعا جو اس کی حوائج بشریہ سے متعلق ہو پوری ہو سکتی ہے لیکن یہاں کی دعا محض آخرت کے عذاب کی تخفیف یا نجات کی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کیونکر پوری ہو سکتی تھی تو بے اثر اور ضیاع کا تعلق امر آخرت میں ہوا، تو اس وجہ سے لفظ اس کا اضافہ کیا گیا، ۱۲) اس دعاء کا اثر اور اس کی قبولیت تو ایمان اور اطاعت پر موقوف ہے۔

عالم برزخ اور وہاں کا عذاب:

عالم برزخ اور وہاں کا ثواب و عذاب اور راحت و تکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب وعقاب پر ایمان ضروری ہے، اسی طرح برزخ کے ثواب وعقاب پر بھی ایمان و یقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں "برزخ" دنیا اور آخرت کے درمیانی عالم کا نام ہے جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھالے، غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے، اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں، اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے: "ومن وراءهم برزخ الی یوم یبعثون"۔ میں موجود ہے، اسی لیے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔ اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دنیا اس جہاں برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام عالم کے سامنے جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے، ایسے ہی اس عالم برزخ کو دنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے، انسان کے مر جانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے، اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے، قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی

حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں ان ادراکات کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اوران کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے، بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنے ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت کی صورتیں عالم مثال میں نظر آتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں فرماتے ہیں دنیا میں جو چیزیں معانی اور اوصاف ہیں عالم آخرت یا عالم برزخ میں وہ حقائق موجودہ کی شکل میں موجود نظر آئیں گی۔۔اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال وجواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مؤمن دریافت کرتا ہے، "من انت" الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آرہی ہے تو جواب یہ ہوگا۔" انا عملك الصالح "۔ کہ میں تیرا نیک عمل ہوں اس کے برعکس کافر اور فاسق وفاجر کے سامنے ڈراؤنی ہیبت ناک شکل آئے گی، اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی۔ انا عملك الخبيث "۔ میں تیرا خبیث عمل ہوں، الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے، جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

حضرات عارفین کا قول ہے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اولا روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک قسم کی حیات دینے کے بعد سوال کیا جاتا ہے متکلمین کی رائے ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کا تعلق من وجہ اپنے جسد سے باقی رہتا ہے، عالم برزخ میں روح کو جسم سے مفارقت کلی حاصل نہیں ہوتی، البتہ قیامت کے روز یہ تعلق جسم کے ساتھ کامل ہو جائے گا، اور اس وجہ سے روح اور جسم دونوں کے آثار کلی طور پر ظاہر ونمایاں ہونگے انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جیسا کہ ظاہر ہے دنیا میں تو جسم کے احکام ظاہر اور غالب ہوتے ہیں اور روح کے مغلوب ومستور، عالم برزخ میں روح کے احکام غالب وظاہر ہوں گے اور جسم کے مغلوب ومستور رہتے ہیں بلکہ جسم کی ظاہری ہیئت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس دنیا میں میں روح کے احکام مستور ہوتے ہیں جس طرح کہ خود روح جسم میں مستور ہوتی ہے اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام اور آثار برابر یکساں کر دیئے جائیں گے ان میں سے کوئی مغلوب ومستور نہ ہوگا بلکہ دونوں نمایاں اور برابر ہوں گے،

شیخ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ''نہایۃ الاقوام'' میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کے سوال وجواب کے لیے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے، کیونکہ زندگی میں بھی ادراک وشعور اور فہم مطلق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین کا سوال وجواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

(نہایۃ الاقوام للامام الشہرستانی رحمۃ اللہ علیہ۔ بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ)

بہرکیف یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا برزخ میں عذاب قبر ثابت کررہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ کی تصریح اس پر دلالت کررہی ہے اور حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کردیا تھا توان کے متعلق ہے "قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی" کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہوگیا کہ جنت میں داخل ہوجائے تاکہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا، اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب ہی کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین و مطیعین کے لیے ہوگا، اسی طرح آیت واقعہ فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں: فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِیَۃُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا آنحضرت ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں:

فرعونیوں کے حق میں یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ سورہ مؤمن کی آیات ہیں جو باتفاق ائمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل ہجرت مکہ ہی میں عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہوچکی تھی۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آیا کرتیں اور حضرت عائشہؓ اس کی مدد فرمایا کرتیں تو جب بھی اسکے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ: "وقاک اللہ عذاب القبر" اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے، اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ ﷺ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے، اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ باآواز بلند فرمارہے تھے: القبر کقطع اللیل المظلم کہ قبر تو رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے، اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو، اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے، کیونکہ عذاب قبر حق ہے، اس حدیث کو اگرچہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے، اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ آیت و روایت میں تطبیق کے لیے یا تو یہ جواب دیا جائے کہ آیہ قرآنیہ سے ارواح کفار کا عالم برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت و کلفت کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال و تعلق ہوگا تو قرآن کریم سے تو صرف اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواح جہنم پر پیش کی جائیں گی، رہا اس اذیت و عذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا، تو گویا عذاب ارواح مکی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا، یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مؤمن پر بھی قبر میں عذاب ہوسکتا ہے، پھر مدینہ منورہ میں اس

یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ مؤمن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی معصیتوں پر عذاب قبر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "انکم تفتنون فی القبور قریبا من فتنة الدجال"۔

چنانچہ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔

قال رسول الله ﷺ ان احدکم اذامات عرض علیه مقعده بالغداة والعشی ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة۔ وان کان من اهل النار فمن اهل النار، فیقال هذا مقعدک حتی یبعثک الله عز وجل الی یوم القیمة۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ، اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عز وجل قیامت کے روز اٹھالے۔

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو مکی آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، اور یہ تصریح نہ تھی کہ مؤمن کے لیے بھی قبر میں عذاب وآزمائش ہے تاآنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعہ اس کی بھی تصریح کردی گئی، واللہ اعلم بالصواب"۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَ عَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيبِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ عُذْرُهُمْ لَوِاعْتَذَرُوْ لَهُمُ اللَّعْنَةُ اَيِ الْبُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ الْاٰخِرَةِ اَيْ شِدَّةُ عَذَابِهَا وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى التَّوْرٰةَ وَالْمُعْجِزَاتِ وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى هَادِيًا وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ تَذْكِرَةً لِاَصْحَابِ الْعُقُولِ فَاصْبِرْ يَامُحَمَّدُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِنَصْرِ اَوْلِيَائِهِ حَقٌّ وَاَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ لِيُسْتَنَّ بِكَ وَ سَبِّحْ صَلِّ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ هُوَمِنْ بَعْدِالزَّوَالِ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ بُرْهَانٍ اَتٰىهُمْ اِنْ مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ تَكَبُّرٌ وَ طَمَعٌ اَنْ يَعْلُوْا عَلَيْكَ مَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِمْ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِهِمُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ بِاَحْوَالِهِمْ وَنَزَلَ فِيْ مُنْكِرِي الْبَعْثِ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ مَرَّةً ثَانِيَةً وَهِيَ الْاِعَادَةُ وَ لٰكِنَّ

أَكْثَرَ النَّاسِ اَيِ الْكُفَّارِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ذٰلِكَ فَهُمْ كَالْاَعْمٰى وَمَنْ يَعْلَمُهٗ كَالْبَصِيْرِ وَمَا يَسْتَوِى
الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ هُوَ الْمُحْسِنُ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ فِيْهِ زِيَادَةُ لَا قَلِيْلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوْنَ ۞ يَتَعِظُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ تَذَكُّرُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ شَكَّ فِيْهَا وَ
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ بِهَا وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اَيْ اُعْبُدُوْنِيْ اُثِبْكُمْ
بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّ الْخَاءِ وَبِالْعَكْسِ جَهَنَّمَ
دٰخِرِيْنَ ۞ صَاغِرِيْنَ

ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے اشہاد، شاھد کی جمع ہے اس سے فرشتے مراد ہیں جو پیغمبروں کے حق پہونچانے کی اور کافروں کے جھٹلانے کی گواہی دیں گے جس دن ظالموں کو ان کی معذرت اگر وہ معذرت پیش کریں گے کچھ نفع نہیں دے گی (ینفع) تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے اور ان کے لئے لعنت رحمت سے دور ہوگی اور ان کے لئے خرابی ہوگی اس سے عالم آخرت مراد ہے یعنی عذاب میں شدت ہوگی اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ تورات اور معجزات دے چکے ہیں اور ہم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کو کتاب تورات پہونچادی تھی جو ہدایت کرنے والی اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے دانشوروں کے لئے سبق آموز سوائے محمد! آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ وعدہ سچا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگئے تاکہ آپ کی امت آپ کی اس سنت کو اپنائے اور اپنے پروردگار کی صبح وشام حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے۔ عشی زوال کے بعد کا وقت پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں اور جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند نہ ہونے کے اللہ کی آیات قرآن میں جھگڑے نکالتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر اور اس بات کی خواہش کے کہ آپ پر مسلط ہوجائیں کچھ نہیں وہ اپنے اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کرسکتے سو آپ ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہئے بلاشبہ وہ (ان کی باتوں کو) سننے والا اور ان کے احوال کا جاننے والا ہے اور منکرین بعث کے بارے میں (یہ آیتیں) نازل ہوئیں۔ آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے یقیناً بہت بڑا کام ہے دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت جس کو اعادہ کہنا چاہئے لیکن اکثر یعنی کفار اس بات سے ناواقف ہیں ان کی مثال نابینا جیسی ہے اور جاننے والوں کی مثال بینا جیسی ہے اور برابر نہیں نابینا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور دراں حالیکہ وہ مخلص بھی ہے اور بدکار لا زائد ہے (لفظ لَا الْمُسِيْٓءُ میں) تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یتذکرون، یتعظون کے معنی میں ہے یاء اور تاء کے ساتھ یعنی یہ لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہیں قیامت تو ضرور آکر رہے گی اس میں کوئی شبہ شک ہی نہیں ہے مگر اکثر لوگ نہیں مانتے اس کو اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا یعنی میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا جیسا کہ بعد میں قرینہ سے معلوم ہورہا ہے جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب داخل ہوں گے یاء کے فتحہ

اور خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس کے برعکس بھی دوزخ میں ذلیل وخوار ہو کر۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: رُسُلَنَا: دلائل اور ظاہری کامیابی کے ساتھ۔

قوله: لِيُسْتَنَّ بِكَ: تاکہ وہ آپ کی پیروی کریں۔

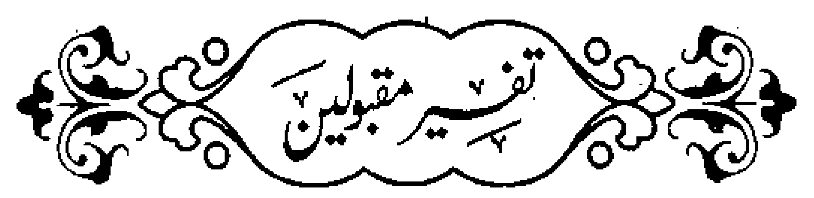
قوله: بِبَالِغِيهِ: یعنی وہ اپنی مراد پانے والے نہیں۔

قوله: وَلَا الْمُسِيءُ: سے پہلے لا ہے تاکہ مساوات کی نفی ثابت ہو۔ کہ محسن و مسیئ برابر نہیں۔

قوله: بِالْيَاءِ يتذكرون: اس میں ضمیر لوگوں کی طرف یا کفار کی طرف۔

قوله: وَالتَّاءِ: مخاطب کو غلبہ دیا۔

قوله: تَذَكُّرُهُمْ: یعنی قليلًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو یتذکرون کا مصدر ہے اور ما قلت کے معنٰی کی تاکید کے لیے ہے۔


تفسیر مقبولین

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ۔۔۔

رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں مدد کی بشارت:

آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ کا وعدہ ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا، جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب صلوات اللہ علیہم وسلامہ، اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے، اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔ پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے ایذاء پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔ چنانچہ حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیر وزبر کر ڈالا، ان کے خون کی ندیاں بہا دیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا جانتی ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا؟ حضرت عیسیٰ کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی۔ ان پر جناب باری عزیز وحکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا۔ اور ان کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت واہانت ہوئی۔ اور ابھی قیامت کے قریب جب آپ اتریں گے تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کو جو اس کے

لشکری ہوں گے قتل کریں گے۔ اور امام عادل اور حاکم با انصاف بن کر تشریف لائیں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے جو شخص میرے نبیوں سے دشمنی کرے اس نے مجھے لڑائی کیلئے طلب کیا۔ دوسری حدیث میں ہے میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے اسی بناء پر اس مالک الملک نے قوم نوح سے، عاد سے، ثمودیوں سے، اصحاب الرس سے، قوم لوط سے، اہل مدین سے اور ان جیسے ان تمام لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حق کا خلاف کیا تھا بدلہ لیا۔ ایک ایک کو چن چن کر تباہ برباد کیا اور جتنے مؤمن ان میں تھے ان سب کو بچا لیا۔ امام سدی فرماتے ہیں جس قوم میں اللہ کے رسول ﷺ آئے یا ایمان دار بندے انہیں پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مؤمنوں کی بے حرمتی کی اور انہیں مارا پیٹا قتل کیا ضرور بالضرور اسی زمانے میں عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گو انبیاء اور مؤمنین یہاں قتل کئے گئے لیکن ان کا خون رنگ لایا اور ان کے دشمنوں کا بھس کی طرح بھرکس نکال دیا۔ ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد و اعانت نہ ہو اور ان کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔ اشرف الانبیاء حبیب اللہ ﷺ کے حالات زندگی دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام تر کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ آپ کے کلمے کو بلند و بالا کیا آپ کا دین دنیا کے تمام ادیان پر چھا گیا۔ قوم کی زبردست مخالفتوں کے وقت اپنے نبی کو مدینے پہنچا دیا اور مدینے والوں کو سچا جاں نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھا دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھیڑ دیئے۔ سرداران مشرکین یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت و اہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں کسی کے ہاتھوں پر اور کسی کے پاؤں پر دوسرے کی گرفت تھی۔ اللہ کی حکمت نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے لیکن پھر بھی جب مخالفت رسول ﷺ سے باز نہ آئے اور اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے۔ تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبی ﷺ کو چھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے دشمنان رسول سامنے لائے گئے۔ اور بلاد حرم کی عظمت و عزت رسول محترم کی وجہ سے پوری ہوئی۔ اور تمام شرک و کفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے اللہ کا گھر پاک صاف کر دیا گیا۔ بالآخر یمن بھی فتح ہوا اور پورا جزیرہ عرب قبضہ رسول ﷺ میں آ گیا۔ اور جوق کے جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر رب العالمین نے اپنے رسول رحمۃ للعالمین کو اپنی طرف بلا لیا اور وہاں کی کرامت و عظمت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا۔ ﷺ

پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو آپ کا جانشین بنایا۔ جو محمدی جھنڈا لیے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف اللہ کی

مخلوق کو بلانے لگے۔ جو روڑا راہ میں آیا اسے الگ کیا۔ جو خار چمن میں نظر پڑا اسے کاٹ ڈالا گاؤں گاؤں شہر شہر ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی جو مانع ہوا اسے منع کا مزہ چکھایا اسی ضمن میں مشرق و مغرب میں سلطنت اسلامی پھیل گئی۔ زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر ہی صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح پالی اسلامی نقوش دلوں میں جما دیئے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا۔ دین محمد نے زمین کا چپہ چپہ اور کونا کونا اپنے قبضے میں کر لیا۔ دعوت محمد یہ بہرے کانوں تک بھی پہنچ چکی۔ صراط محمدی اندھوں نے بھی دیکھ لیا۔ اللہ اس پاکباز جماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آمین! الحمد اللہ کا اور اس کے رسول کا کلام موجود ہے۔ اور آج تک ان کے سروں پر رب کا ہاتھ ہے۔ اور قیامت تک یہ وطن مظفر و منصور ہی رہے گا اور جو اس کے مقابلے پر آئے گا منہ کی کھائے گا اور پھر کبھی منہ نہ دکھائے گا یہی مطلب ہے اس مبارک آیت کا۔ قیامت کے دن بھی دینداروں کی مدد و نصرت ہوگی اور بہت بڑی اور بہت اعلیٰ پیمانے تک۔ گواہوں سے مراد فرشتے ہیں، دوسری آیت میں یوم بدل ہے پہلی آیت کے اسی لفظ سے۔ بعض قرأتوں میں یوم ہے تو یہ گویا پہلے یوم کی تفسیر ہے۔ ظالموں سے مراد مشرک ہیں ان کا عذر و فدیہ قیامت کے دن مقبول نہ ہوگا وہ رحمت رب سے اس دن دور دھکیل دیئے جائیں گے۔ ان کیلئے برا گھر یعنی جہنم ہوگا۔ ان کی عاقبت خراب ہوگی، حضرت موسیٰ کو ہم نے ہدایت و نور بخشا۔ بنی اسرائیل کا انجام بہتر کیا۔ فرعون کے مال و زمین کا انہیں وارث بنایا کیونکہ یہ اللہ کی اطاعت اور اتباع رسول میں ثابت قدمی کے ساتھ سختیاں برداشت کرتے رہے تھے۔ جس کتاب کے یہ وارث ہوئے وہ عقلمندوں کیلئے سرتاپا باعث ہدایت و عبرت تھی، اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے اللہ کا وعدہ سچا ہے آپ کا ہی بول بالا ہوگا انجام کے لحاظ سے آپ والے ہی غالب رہیں گے۔ رب اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا بلا شک و شبہ دین اللہ کا اونچا ہو کر ہی رہے گا۔ تو اپنے رب سے استغفار کرتا رہ۔ آپ کو حکم دے کر دراصل آپ کی امت کو استغفار پر آمادہ کرنا ہے۔ دن کے آخری اور رات کے انتہائی وقت خصوصیت کے ساتھ رب کی پاکیزگی اور تعریف بیان کیا کر، جو لوگ باطل پر جم کر حق کو ہٹا دیتے ہیں دلائل کو غلط بحث سے ٹال دیتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں ان میں اتباع حق سے سرکشی ہے۔ یہ رب کی باتوں کی عزت جانتے ہی نہیں۔ لیکن جو تکبر اور جو خودی اور جو اپنی اونچائی وہ چاہتے ہیں وہ انہیں ہرگز حاصل نہیں ہونے کی۔ ان کے مقصود باطل ہیں۔ ان کے مطلوب لاحاصل ہیں۔ اللہ کی پناہ طلب کر کہ ان جیسا حال کسی بھلے آدمی کا نہ ہو۔ اور ان نخوت پسند لوگوں کی شرارت سے بھی اللہ کی پناہ چاہا کر۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہتے تھے دجال انہی میں سے ہوگا اور اس کے زمانے میں یہ زمانے کے بادشاہ ہو جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ لیکن آیت کو یہودیوں ے بارے میں نازل شدہ بتانا اور دجال کی بادشاہی اور اس کے فتنے سے پناہ کا حکم۔ سب چیزیں تکلف سے پر ہیں۔ مانا کہ یہ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے مگر یہ قول ندرت سے خالی نہیں۔ ٹھیک یہی ہے کہ عام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ....

انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل:

اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتا ہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جبکہ اس نے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کردیا تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ اور آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کردیا اور اس اتنی بڑی چیز کی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا اس پر مردوں کا جلانا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو اس کی معلومات یقیناً نوحہ کرنے کے قابل ہیں۔اس کی جہالت میں کیا شک ہے؟ جو ایسی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکے؟ تعجب ہے کہ بڑی بڑی چیز تو تسلیم کی جائے اور اس سے بہت چھوٹی چیز کو محال محض مانا جائے، اندھے اور دیکھنے والے کا فرق ظاہر ہے ٹھیک اسی طرح مسلم ومجرم کا فرق ہے۔اکثر لوگ کس قدر کم نصیحت قبول کرتے ہیں، یقین مانو کہ قیامت کا آنا حتمی ہے پھر بھی اس کی تکذیب کرنے اور اسے باور نہ کرنے سے بیشتر لوگ باز نہیں آتے۔ایک یمنی شیخ اپنی سنی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں قریب قیامت کے وقت لوگوں پر بلائیں برس پڑیں گی اور سورج کی حرارت سخت تیز ہوجائے گی۔واللہ اعلم

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ....

دعا کی حقیقت اور اس کے فضائل ودرجات اور شرط قبولیت:

دعا کے لفظی معنے پکارنے کے ہیں اور اکثر استعمال کسی حاجت وضرورت کے لیے پکارنے میں ہوتا ہے۔کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے۔یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا۔ اور جو دعا نہ مانگے اس کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی، کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لیے عام کردیا گیا۔

(ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان الدعاء هو العبادة۔یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت فرمائی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ۔

(رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابوداؤد وغیرہ۔ابن کثیر)

تفسیر مظہری میں ہے کہ جملہ ان الدعا هو العبادة میں بقاعدہ عربیت (قصر المسند علی المسند اليه) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے اور (قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔یہاں دونوں احتمال ہیں۔اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔اسی طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا اور آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد وثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی

حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے ہیں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (یعنی اس کی حاجت پوری کردوں گا) (رواہ الجزری فی النہایہ) اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: من شغله القرآن عن ذکری و مسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین۔ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجات مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعا (یہ کلمہ ہے) لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له، له الملک و له الحمد و ھو علیٰ کل شئی قدیر۔ (رواہ ابن ابی شیبہ۔ مظہری)

اس میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے، اور اس آیت میں عبادت بمعنے دعا کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑے یہ علامت دعا کفر کی ہے۔ اس لیے وعید جہنم کا استحقاق ہوا۔ ورنہ فی نفسہ عام دعائیں فرض و واجب نہیں، ان کے ترک سے کوئی گناہ نہیں۔ البتہ باجماع علماء مستحب اور افضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائل دعا:

: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ حاکم عن ابی ہریرۃ)

: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الدعاء مخ العبادة یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی عن انس)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند کرتا ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعود)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔

(ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعا نہ مانگنے والے پر غضب الٰہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بنا پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔

(ابن حبان۔ حاکم عن انس)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔

(حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لیے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے

دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے۔
(ترمذی۔حاکم عن ابن عمر) لفظ عافیت بڑا جامع لفظ ہے، جس میں بلا سے حفاظت اور ہر ضرورت وحاجت کا پورا ہونا داخل ہے۔
مسئلہ: کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول بھی نہیں ہوتی۔ (کما فی الحدیث عن ابی سعید الخدری)

قبولیت دعا کا وعدہ:

آیت مذکورہ میں اس کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے مگر بعض اوقات انسان یہ بھی دیکھتا ہے کہ دعا مانگی وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جو بھی دعا اللہ سے کرتا ہے اللہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، اور قبول فرمانے کی تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے ایک یہ کہ جو مانگا وہی مل گیا، دوسرے یہ کہ اس کی مطلوب چیز کے بدلے اس کو آخرت کا کوئی اجر وثواب دے دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر کوئی آفت ومصیبت اس پر آنے والی تھی وہ ٹل گئی۔ (مسند احمد۔ مظہری)

قبولیت دعا کی شرائط:

آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے۔ کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی۔ نہ دعا کے لیے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح غفلت وبے پروائی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعا کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃ)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِسْنَادُ الْاِبْصَارِ اِلَيْهِ مَجَازِيٌّ لِاَنَّهُ يُبْصَرُ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهَ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ فَكَيْفَ تُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ اَيْ مِثْلَ اَفْكِ هٰؤُلَاءِ اُفِكَ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ مُعْجِزَاتِهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً سَقْفًا وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

الطَّيِّبٰتِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۴ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ اُعْبُدُوْهُ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ مِنَ الشِّرْكِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۵ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ دَلَائِلُ التَّوْحِيْدِ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ دَمٍ
غَلِيْظٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا بِمَعْنٰى اَطْفَالًا ثُمَّ يُبْقِيْكُمْ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ تَكَامُلَ قُوَّتِكُمْ مِنْ ثَلَاثِيْنَ
سَنَةً اِلَى الْاَرْبَعِيْنَ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ بِضَمِّ الشِّيْنِ وَكَسْرِهَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ اَيْ قَبْلَ
الْاَشُدِّ وَالشَّيْخُوْخَةِ فَعَلَ ذٰلِكَ بِكُمْ لِتَعِيْشُوْا وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَقْتًا مَحْدُوْدًا وَّلَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷ دَلَائِلَ التَّوْحِيْدِ فَتُؤْمِنُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا اَرَادَ اِيْجَادَ شَيْءٍ فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۶۸ بِضَمِّ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا بِتَقْدِيْرِ اَنْ اَيْ يُوْجَدُ عَقِبَ الْاِرَادَةِ الَّتِيْ هِيَ مَعْنَى الْقَوْلِ
الْمَذْكُوْرِ

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اسمیں ارام کرو اور اس نے دن کو روشن بنایا دکھلانے کی نسبت دن کیطرف مجازاً ہے کیونکہ دن دیکھنے کا وقت بلاشبہ حق تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ،اسی لیے وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے یہی اللہ ہے تمہارا پروردگار ہر چیز کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ،سو تم لوگ کہاں الٹے جارہو دلیل کے ہوتے ہوئے پھر کیسے ایمان سے روگردانی کررہے ہو اسی طرح جیسے یہ لوگ ٹیڑھے چل رہے ہیں وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں معجزات کا انکار کرتے تھے اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو خوب نقشہ بنایا اور تمہیں بہترین چیزیں کھانے کو دیں یہ اللہ ہے تمہارا رب سو بڑا عالیشان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو اسی کو پکارا کرو اسی کی عبادت کیا کرو خالص اعتقاد کے ساتھ شرک سے پاک تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم پکارتے ہو یعنی عبادت کرتے ہو اللہ کے علاوہ جب کہ میرے پروردگار کی کھلی نشانیاں توحید کی دلیلیں میرے پاس آ گئیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں پروردگار کے سامنے گردن جھکا لوں وہی ہے جس نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ منی سے پھر خون کے لوتھڑے منجمد خون سے پھر تم کو بچہ، بچے بنا کر نکالتا ہے پھر تمہیں باقی رکھتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کو پہونچو تمہاری طاقت تیس سے چالیس سال کی عمر تک مکمل ہو جائے پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ شیوخ شین کے ضمہ اور شین کر کسرہ کے ساتھ ہے اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے یعنی جوانی

بڑھاپے سے پہلے تمہارے عیش کے لیے ایسا کیا ہے اور تاکہ تم وقت مقرر معین تک پہونچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ سکو دلائل توحید پر ایمان لے آؤ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کو پورا کسی شئ کو وجود عطا کرنا چاہتا ہے تو بس اسکی نسبت فرمادیتا ہے کہ ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے فیکون نون کے ضمہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے ان مقدر ہے یعنی کن سے مراد ارادہ خداوندی ہے اس کے ہوتے ہی وہ چیز موجود ہوتی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مَجَازِیٌّ: دن کی طرف الصار کی اضافت مجازی ہے۔ اسی وجہ سے علت سے موڑ کر حال بنادیا۔

قوله: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ: وہ منزہ ومقدس ہے۔

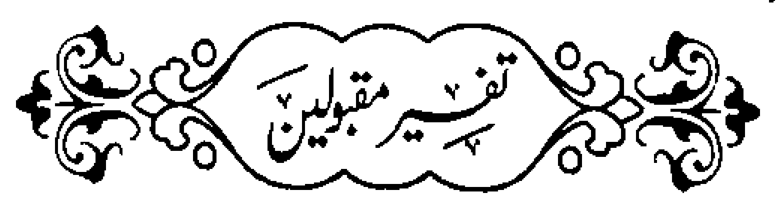
قوله: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قوله: اَنْ اُسْلِمَ: یعنی میں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کروں۔

قوله: طِفْلًا بِمَعْنٰی اَطْفَالًا: واحد سے مراد جنس ہے۔

قوله: ثُمَّ یُبْقِیْكُمْ: پھر وہ تم کو باقی رکھتا ہے۔ لِتَبْلُغُوْٓا کی لام اس محذوف سے متعلق ہے۔

قوله: یُوْجَدُ: امر وامتثال کی حقیقت اس سے مراد نہیں۔



تفسیر مقبولین

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ ۔۔۔

رات اور دن کے ادلنے بدلنے اور ان کی آمد ورفت کے اس حکمتوں بھرے نظام میں ایسے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں کہ صحیح طور پر غور وفکر سے کام لینے پر انسان دل وجان سے اپنے خالق ومالک کے حضور جھک جھک جاتا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے اے لوگو! رات کو سیاہ اور پرسکون بنایا، تاکہ تم اس میں آرام اور سکون حاصل کرسکو۔ اور دن کو اس نے روشن بنایا تاکہ اس میں تم اپنے طرح طرح کے کاروبار کرسکو۔ اور اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرسکو۔ اس وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کا اس میں کسی بھی طرح کا کوئی عمل دخل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے، وہ اگر ہمیشہ تم لوگوں پر رات کی تاریکی ہی طاری کردے تو کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اس کو ہٹا کر اس کی جگہ دن کا اجالا کرسکے، اور اس کے برعکس وہ اگر تم لوگوں پر ہمیشہ کیلئے دن اور اس کی دھوپ اور تپش ہی طاری کردے، تو کسی کے بس میں نہیں کہ وہ تم پر رات کا پرسکون اندھیرا لاسکے۔ سو رات اور دن کے اس پرحکمت ادل بدل میں اس رب العالمین کی رحمت وعنایت اور اس کی قدرت وحکمت کے عظیم الشان دلائل ومظاہر موجود ہیں، جس کا طبعی تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ اسکے شکر میں اپنے اس خالق ومالک کے آگے جھک

جھک جاتے اور جھکے جھکے ہی رہتے، جس نے اپنی رحمت وعنایت سے تمہارے لیے یہ اس قدر پُرحکمت سلسلہ قائم فرمایا، لیکن لوگوں کی اکثریت ہے کہ اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔ بلکہ وہ غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہے، سو اس کی اس رحمت و ربوبیت کا لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ ایک دن ایسا لائے جس میں ان لوگوں کو اپنے انعام سے نوازے جنہوں نے اس کی نعمتوں کا حق پہنچانا، اور ان کا شکر ادا کیا۔ اور اسکے برعکس ان لوگوں کو وہ سزا دے، جنہوں نے اس کی گوناگوں اور طرح طرح کی نعمتوں سے فائدے تو اٹھائے۔ لیکن ان پر اس کی شکر گزاری کے بجائے انہوں نے اس کی ناشکری کی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ اسکے یہاں ناشکرے اور شکر گزار دونوں ایک برابر ہیں، اور یہ بات بالبداہت غلط اور اس کی شان عدل وحکمت کے تقاضوں کے خلاف ہے، پس وہ یوم عظیم جو کہ کمال عدل وانصاف کا دن ہوگا، وہ ضرور واقع ہوگا، اور اس کو ضرور واقع ہونا چاہیے، تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجۂ تمام وکمال پورے ہوں، اور وہی یوم عظیم یوم قیامت ہے۔ اور رات اور دن کی یہ عظیم الشان اور پُرحکمت سازگاری کہ یہ دونوں مل کر انسان کی پرورش کرتے ہیں، حضرت حق جلَّ مَجْدُہٗ، کی وحدانیت و یکتائی کی ایک بڑی واضح دلیل ہے، کہ یہ اس بات کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ کائنات کے اندر پائی جانے والی اضداد کے درمیان یہ توافق و موافقت تب ہی ممکن ہو سکتے ہیں، جبکہ اس کائنات میں ایک ہی ارادہ کارفرما ہو۔ اور اس میں ایک ہی قوت قاہرہ کی حکمرانی ہو۔ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ، لاشریک، جو کہ خالق کل اور مالک مطلق ہے، سبحانہ وتعالیٰ، سو شب وروز کے اس ادل بدل میں توحید اور وحدانیت خداوندی، آخرت ومعاد، اور ضرورت رسالت وبعثت سب سے ہی بنیادی عقائد ومسائل کیلئے کھلے اور واضح دلائل موجود ہیں، لیکن یہ سب انہی لوگوں کو نصیب ہوسکتا ہے جو کائنات کی حکمتوں بھری اس کھلی کتاب میں صحیح طریقے سے غور وفکر سے کام لیتے، اور وہ اس کو صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ ....

توحید اور ربوبیت پر ایک اور دلیل:

اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا: بہت دور کی باتیں چھوڑو، اس زمین پر غور کرو جس میں تم نے سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ یہ زمین تمھارا ایسا مستقر اور جائے قرار ہے کہ تم اپنی عقل اور ذوق سے کام لے کر جس طرح کا مکان تعمیر کرنا چاہتے ہو، زمین اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار نہیں کرتی۔ زمین پر دوڑنا چاہتے ہو، وہ اپنا سینہ نہیں پھیرتی، تم تھک کر اس پر لیٹ جاتے ہو تو وہ نہ تمھارے لیے اتنی نرم ہوتی ہے کہ تم اس سے اٹھ نہ سکو اور نہ وہ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تمھاری کمر چھل کر رہ جائے۔ وہ آغوشِ مادر کی طرح تمھارے سامنے بچھ جاتی ہے۔ زمین کو جائے قرار بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے آسمان کو چھت بنایا اور اس طرح سے تمھارا وہ گہوارہ تعمیر ہوا جس میں تم زندگی بسر کر سکتے ہو۔ اس نے تمھیں پیدا کر کے غیر محفوظ حالت میں نہیں چھوڑا کہ عالم بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر تمھیں تہس نہس کر دیں، بلکہ زمین کے اوپر ایک نہایت مستحکم سماوی نظام تعمیر کر دیا جس سے گزر کر کوئی تباہ کن چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر زمین اور آسمان جو بظاہر ایک دوسرے کے متخالف ہیں ان دونوں میں اس طرح توافق پیدا کر دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہو گئے۔ زمین غلہ اگاتی

ہے تو آسمان آبیاری کرتا ہے۔ زمین پودوں کو ابھارتی ہے تو آسمان کا سورج ان میں پختگی پیدا کرتا اور پھر ان کے پھلوں اور دانوں کو پکاتا ہے۔ زمین کا مستقر ہونا اور آسمان کا چھت کی طرح پناہ مہیا کرنا اور دونوں کو انسانی ضروریات کی افزائش میں ایک دوسرے کا مددگار ہونا اور باہمی تخالف کی نسبت رکھنے کے باوجود توافق کا فرض انجام دینا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے، اس کا قانون سب پر حاوی ہے، زمین وآسمان کی ہر مخلوق اسی کے قبضے میں ہے اور عناصر حیات کا ہر عنصر اسی کے حکم کے تحت کام کر رہا ہے۔

زمین وآسمان کا گہوارہ جو انسان کے لیے خوبصورت گھر کا کام دیتا ہے اس کی آراستگی کے بعد اس نے انسانوں کو وجود بخشا، یعنی پہلے مکان تیار کیا اور اب مکین کو بنایا گیا اور مکین کی شکل وصورت، خوبصورتی اور رعنائی، اس کے جسم اور ذہن کا تناسب اس کی جسمانی اور ذہنی قوتوں میں اعتدال، اس کا قد وقامت، اس کے ہاتھ اور پاؤں، آنکھ اور ناک، اس کی بولتی ہوئی زبان، اس کی استنباط اور استنتاج کی صلاحیت، غرضیکہ ہر چیز کو دوسری مخلوقات کی نسبت نہایت موزوں اور خوبصورت بنایا۔

مکان اور مکین کے بن جانے کے بعد جب ایک آراستہ گھر تیار ہو گیا تو پھر ان کے رزق کے لیے وسیع خوانِ یغما بچھایا گیا۔ کھانے اور پینے کی ایسی ایسی خوش ذائقہ اور خوش رائحہ نعمتیں عطا فرمائیں کہ جن کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ جن چیزوں کو حلال اور طیب بنایا ان میں سے ہر چیز حفظانِ صحت کے اصولوں کے معیار پر بنائی گئی۔ ہر غذا میں افادیت بھی رکھی اور طاقت بھی، جو جسم کی پرورش اور نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ پھر قسم قسم کی ترکاریاں، پھل، دودھ، شہد، گوشت، نمک، مرچ، مصالحے اور غلے پیدا فرمائے جو انسانی غذا کے لیے نہایت موزوں، زندگی کے لیے طاقت بخش اور ذوق کی تسکین کا باعث تھے۔ اور یہ تمام نعمتیں زمین پر اتنی افراط سے پیدا فرمائیں کہ ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے سوا اس میں کمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ ان تمام چیزوں کی طرف توجہ دلا کے فرمایا کہ جس نے تمہیں ان پاکیزہ نعمتوں کا رزق عطا فرمایا ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے جو بے حساب برکتوں والا ہے جس کی ہر نعمت اپنے اندر نمو بھی رکھتی ہے اور نمود بھی۔ اور ہر ناگزیر ضرورت کے زمین میں خزانے پیدا کر دیئے اور پھر انسان کو تجسس اور تسخیر کی قوت دے کر بہت سی نعمتوں کا کھوج دے کر اس کی صلاحیتوں کے لیے چیلنج بنا دیا۔ اندازہ فرمایئے کہ جس پروردگار نے انسان پر یہ احسانات کیے ہیں اور نہ صرف بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے بلکہ غیر معمولی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو کیا ان نعمتوں کا وجود ممکن تھا۔ اور اگر یہ نعمتیں ہوتیں بھی تو کیا ان میں یہی تناسب اور یہی توافق ہوتا اور کیا یہ زمین واقعی انسان کے لیے مستقر ثابت ہوتی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ جس نے انسان کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے کیا اس نے یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے کہ انسان خودرو پودے کی طرح اگے اور ختم ہو جائے یا وہ شتر بے مہار کی طرح زندگی گزارے اور کبھی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے لیے پیش نہ ہونا پڑے۔ نہ بھلائی کرنے والے کے لیے کوئی جزاء ہو اور نہ برائی کرنے والے کے لیے کوئی سزا۔ خیر اور شر، نیکی اور بدی ایک ہی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ تو کیا عقل او اخلاق اس صورتحال کو تسلیم کر سکتے ہیں۔

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ کی مشرکین کو دعوت توحید:

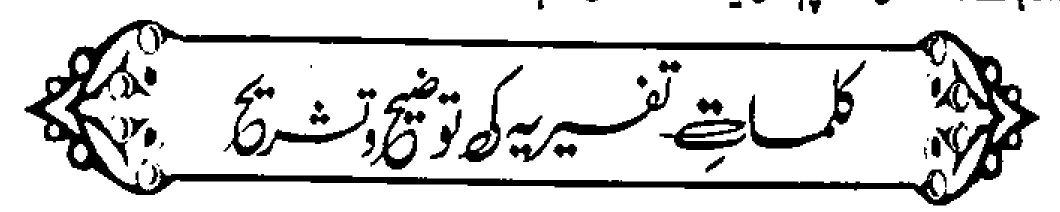
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر کسی کی عبادت سے اپنی مخلوق کو منع فرما چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اس کی بہت بڑی دلیل اس کے بعد کی آیت ہے، جس میں فرمایا کہ اسی وحدہ لاشریک لہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا یہ سب کام اسی ایک کے حکم تقدیر اور تدبیر سے ہو جاتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں۔ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں بعض جوانی میں بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے (وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى (الحج:5) یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ تاکہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے، وہی زندگی دینے والا اور مارنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی موت و زیست پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو کسی فیصلے کو کسی تقرر کو کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں، جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے اور جو وہ نہ چاہے ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ أَنَّىٰ كَيْفَ يُصْرَفُونَ ﴿۶۹﴾ عَنِ الْإِيمَانِ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِالْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْبَعْثِ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾
عُقُوبَةَ تَكْذِيبِهِمْ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ إِذْ بِمَعْنَى إِذَا وَالسَّلَاسِلُ عَطْفٌ عَلَى الْأَغْلَالِ فَتَكُونُ فِي
الْأَعْنَاقِ أَوْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ مَحْذُوفٌ أَيْ فِي أَرْجُلِهِمْ أَوْ خَبَرُهُ يُسْحَبُونَ ﴿۷۱﴾ أَيْ يُجَرُّونَ بِهَا فِي الْحَمِيمِ أَيْ
جَهَنَّمَ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۷۲﴾ يُوقَدُونَ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ تَبْكِيتًا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُونِ
اللَّهِ مَعَهُ وَهِيَ الْأَصْنَامُ قَالُوا ضَلُّوا غَابُوا عَنَّا فَلَا نَرَاهُمْ بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا أَنْكَرُوا
عِبَادَتَهُمْ إِيَّاهَا ثُمَّ أُحْضِرَتْ قَالَ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَيْ وَقُودُهَا كَذَٰلِكَ أَيْ
مِثْلَ إِضْلَالِ هَٰؤُلَاءِ الْمُكَذِّبِينَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿۷۴﴾ وَيُقَالُ لَهُمْ أَيْضًا ذَٰلِكُمُ الْعَذَابُ بِمَا كُنْتُمْ
تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ مِنَ الْإِشْرَاكِ وَإِنْكَارِ الْبَعْثِ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۷۵﴾ تَتَوَسَّعُونَ فِي
الْفَرَحِ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى مَأْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

بِعَذَابِهِمْ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ فِيهِ اِنْ الشَّرْطِيَّةُ مُدْغَمَةٌ وَمَا زَائِدَةٌ تُؤَكِّدُ مَعْنَى الشَّرْطِ اَوَّلَ الْفِعْلِ وَالنُّوْنِ تُؤَكِّدُ اٰخِرَهٗ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِيْ حَيَاتِكَ وَ جَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ فَذَاكَ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ فَنُعَذِّبُهُمْ اَشَدَّ الْعَذَابِ فَالْجَوَابُ الْمَذْكُوْرُ لِلْمَعْطُوْفِ فَقَطْ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ رُوِيَ اَنَّهٗ تَعَالٰى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ اٰلَافِ نَبِيٍّ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ نَبِيٍّ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَاَرْبَعَةُ اٰلَافِ نَبِيٍّ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ مِنْهُمْ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِاَنَّهُمْ عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ بِنُزُوْلِ الْعَذَابِ عَلَى الْكُفَّارِ قُضِيَ بَيْنَ الرُّسُلِ وَمُكَذِّبِيْهَا بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ اَيْ ظَهَرَ الْقَضَاءُ وَالْخُسْرَانُ لِلنَّاسِ وَهُمْ خَاسِرُوْنَ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذٰلِكَ

ترجمہ: کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں قرآن میں جھگڑا نکالتے ہیں کہ وہ کہاں ایمان سے پھرے چلے جارہے ہیں جن لوگوں نے اس کتاب قرآن پاک کو جھٹلایا اور اس چیز کو جو ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا یعنی توحید وبعث کی دعوت کفار مراد ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے جھٹلانے کا انجام جب کہ اذ، اذا کے معنی میں ہے طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں اغلال پر معطوف ہے اس لئے زنجیریں بھی گردنوں میں ہوں گی یا مبتدا ہے خبر محذوف ہوگی۔ ای السلاسل فی ارجلھم یا اس کی خبر اگلا جملہ ہے ان کو گھسیٹے زنجیروں کے ساتھ کھینچتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی دوزخ میں لے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے دھونکا دیئے جائیں گے پھر ان سے ڈانٹ کر پوچھا جائے گا وہ کہاں گئے جن کو تم شریک ٹھیرایا کرتے تھے غیر اللہ کو اس کے ساتھ یعنی بت وہ بولیں گے وہ تو سب ہم سے کھو گئے غائب ہو گئے ہمیں نظر ہی نہیں آتے بلکہ ہم سب اس سے پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے بتوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے پھر بتوں کو لا حاضر کیا جائے گا جیسا کہ انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم فرمایا گیا یعنی ان کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا اسی طرح جیسے ان جھٹلانے والوں کو بچلایا اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہی میں پھنساتا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ یہ عذاب اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق شرک اور انکار قیامت کے بارے میں خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اترایا کرتے تھے حد سے زیادہ مگن رہتے تھے جاؤ جہنم کے دروازوں میں سے ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ سو متکبروں کا وہ برا ٹھکانہ مقام ہے پس آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ عذاب ان کے حق میں سچا ہے پھر یا ہم آپ کو دکھلا دیں گے ان شرطیہ کا ادغام ما زائدہ میں ہو رہا ہے جو فعل کے شروع میں شرط کی تاکید کے لیے اور ان نون آخر میں تاکید کے لئے آتا ہے کچھ تھوڑا سا اس میں سے جس کا ہم ان کے ساتھ وعدہ کر رہے ہیں یعنی آپ کی زندگی میں عذاب جواب شرط محذوف ہے یعنی فذاک یا ہم آپ

کی وفات دیدیں گے ان کو عذاب دینے سے پہلے سو ہمارے ہی پاس ان سب کا آنا ہے اسوقت بھیانک عذاب دیں گے۔ یہ صرف جواب معطوف ہے اور ایسے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض تو وہ ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء بھیجے جن میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں اور چار ہزار اور لوگوں میں مبعوث فرمائے اور ان میں سے کسی بھی رسول سے یہ نہیں ہو سکا کہ کوئی معجزہ اذن الٰہی کے بغیر ظاہر کرے کیونکہ وہ اللہ کے مملوک بندے ہیں پھر جب اللہ کا حکم کفار پر عذاب آئیگا تو انبیاء اور ان کے مخالفین کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائیگا اور اس وقت اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے یعنی لوگوں پر ان کے متعلق فیصلہ اور نقصان کا افشاء ہو جائے گا ورنہ اس سے پہلے بھی یہ لوگ خسارہ میں رہے



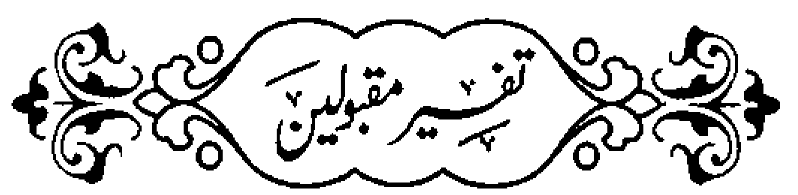
قوله: اِذ: ماضی کی تعبیر تحقیق کے لیے ہے

قوله: يُجَرُّونَ بِها: ضمیر عائد محذوف ہے۔ یعنی ان کو ان زنجیروں کے ساتھ گرم پانی میں کھینچا جائے گا۔

قوله: يُوقَدُونَ: یہ بحر التنور سے ہے جب کہ ایندھن سے تنور کو بھر دے۔

قوله: فَلَا نَرَاهُمْ: یہ معبودوں کو ان کے ساتھ ملانے سے پہلے کا موقعہ ہے۔

قوله: تُؤَكِّدُ مَعْنَى الشَّرْطِ: اسی وجہ سے نون فعل کے ساتھ لاحق ہے، ان کے ساتھ لاحق نہیں۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ۔۔۔۔

کفار کو عذاب جہنم اور طوق و سلاسل کی وعید:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کیا تمہیں ان لوگوں پر تعجب نہیں ہوتا جو اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنے باطل کے سہارے حق سے اڑتے ہیں؟ تم نہیں دیکھ رہے کہ کس طرح ان کی عقلیں ماری گئی ہیں؟ اور بھلائی کو چھوڑ برائی کو کیسے بری طرح چمٹ گئے ہیں؟ پھر ان بدکردار کفار کو ڈرا رہا ہے کہ ہدایت و بھلائی کو جھوٹ جاننے والے کلام اللہ اور کلام رسول کے منکر اپنا انجام بھی دیکھ لیں گے۔ جیسے فرمایا جھٹلانے والوں کیلئے ہلاکت ہے، جبکہ گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی اور داروغہ جہنم گھسیٹے گھسیٹے پھر رہے ہوں گے۔ کبھی حمیم میں اور کبھی جحیم میں۔ گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹے جائیں گے۔ اور آگ جہنم میں جھلسائے جائیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے۔ یہ ہے وہ جہنم جسے گنہگار لوگ جھوٹا جانا کرتے تھے۔ اب یہ اس کے اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان مارے مارے پریشان پھرا کریں۔ اور آیتوں میں ان کا زقوم کھانا اور گرم پانی پینا بیان فرما کر

فرمایا: ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ (الصافات:۶۸) کہ پھر ان کی بازگشت تو جہنم ہی کی طرف ہے۔ سورۂ واقعہ میں اصحاب شمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا بائیں ہاتھ والے کس قدر برے ہیں؟ وہ آگ میں ہیں اور گرم پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہے نہ سودمند، آگے چل کر فرمایا، اے بہکے ہوئے جھٹلانے والو البتہ سینڈ کا درخت کھاؤ گے اسی سے اپنے پیٹ بھرو گے۔ پھر اس پر جلتا پانی پیو گے اور اس طرح جس طرح تونس والا اونٹ پیتا ہے۔ آج انصاف کے دن ان کی مہمانی یہی ہوگی۔ اور جگہ فرمایا ہے: إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ (الدخان:۴۳) یعنی یقیناً گنہگاروں کا کھانا زقوم کا درخت ہے جو مثل پگھلے ہوئے تانبے کے ہے جو پیٹوں میں کھولتا رہتا ہے۔ جیسے تیز گرم پانی۔ اسے پکڑو اور دھکیلتے ہوئے بیچوں بیچ جہنم میں پہنچاؤ پھر اس کے سر پر تیز گرم جلتے جلتے پانی کا عذاب بہاؤ لے چکھ تو بڑا ہی ذی عزت اور بڑی ہی تعظیم تکریم والا شخص تھا۔ جس سے تم شک شبہ میں تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طرف سے تو وہ یہ دکھ سہ رہے ہوں گے جن کا بیان ہوا اور دوسری جانب سے انہیں ذلیل وخوار ورسوا نابجار کرنے کیلئے بطور استہزاء اور تمسخر کے بطور ڈانٹ اور ڈپٹ کے بطور حقارت اور ذلت کے ان سے یہ کہا جائے گا جس کا ذکر ہوا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک جانب سے سیاہ ابر اٹھے گا جسے جہنمی دیکھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ ابر کو دیکھتے ہوئے دنیا کے انداز پر کہیں گے کہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ برسے وہیں اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسنے لگیں گے جس کے شعلے انہیں جلائیں جھلسائیں گے اور وہ طوق وسلاسل ان کے طوق وسلاسل کے ساتھ اضافہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ کیوں جی دنیا میں اللہ عزوجل کے سوا جن جن کو پوجتے رہے وہ سب آج کہاں ہیں؟ کیوں وہ تمہاری مدد کو نہیں آئے؟ کیوں تمہیں یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں وہ تو سب آج ناپید ہو گئے وہ تھے ہی بے سود۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور کہیں گے نہیں نہیں ہم نے تو ان کی عبادت کبھی نہیں کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جب ان کے بنائے کچھ نہ بنے گی تو صاف انکار کر دیں گے اور جھوٹ بول دیں گے کہ: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام:۲۳) اللہ ہمیں تیری قسم ہم مشرک نہ تھے۔ یہ کفار اسی طرح بیکاری میں کھوئے رہتے ہیں، ان سے فرشتے کہیں گے یہ بدلہ ہے اس کا جو دنیا میں بے وجہ گردن اکڑائے اکڑتے پھرتے تھے۔ تکبر و جبر پر چست کر رہتے تھے لو اب آجاؤ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ اب ہمیشہ یہیں پے رہنا تم جیسے اترانے والوں کی ہی یہ بدمنزل اور بری جائے قرار ہے۔ جس قدر تکبر کئے تھے اتنے ہی ذلیل وخوار آج ہو گے۔ جتنے ہی بلند گئے تھے اتنے ہی گرو گے۔ واللہ اعلم۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۔۔۔

اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں مانتے تجھے جھوٹا کہتے ہیں تو ان کی ایذاؤں پر صبر و برداشت کر۔ ان سب پر فتح ونصرت تجھے ملے گی۔ انجام کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا۔ تو اور تیرے یہ ماننے والے ہی تمام دنیا پر غالب ہو کر رہیں گے، اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے، پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری

زندگی میں دکھادیں گے، اور یہی ہوا بھی، بدر والے دن کفار کا دھڑ اور سر توڑ دیا گیا قریشیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ بالآخر مکہ فتح ہوا اور آپ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپ کے زیر نگیں نہ ہو گیا۔ اور آپ کے دشمن آپ کے سامنے ذلیل وخوار نہ ہوئے اور آپ کی آنکھیں رب نے ٹھنڈی نہ کر دیں، یا اگر ہم تجھے فوت ہی کر لیں تو بھی ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں آخرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے، پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ اور بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے جیسے سورۃ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے۔ پس جن کے قصے مذکورہ ہیں دیکھ لو کہ قوم سے ان کی کیسی کچھ ٹھنی۔ اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورۃ نساء کی تفسیر کے موقعہ پر بیان کر دیا ہے۔ وللہ الحمد و المنہ۔ پھر فرمایا یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے ہاں اللہ عزوجل کے حکم کے بعد کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب اللہ کا عذاب آ جاتا ہے پھر تکذیب و تردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مؤمن نجات پا لیتے ہیں اور باطل پرست باطل کار تباہ ہو جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ ۔۔۔۔

ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا تذکرہ کر دیا ہے اور بعض کا نہیں کیا، کسی نبی کو اختیار نہ تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لے آئے۔

آیت بالا میں دو باتیں ذکر فرمائیں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بڑی تعداد میں رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے کر دیا اور بعض کا تذکرہ نہیں کیا۔ جن حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے سورۃ بقرہ، سورۃ مائدہ، سورۃ انعام اور سورۃ اعراف و سورۃ ہود اور سورۃ الانبیاء میں اور بعض دیگر سورتوں میں مذکور ہیں یہ اس کے معارض نہیں ہے کہ اجمالی طور پر ان حضرات کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرما دیا ہو تفصیلی اخبار و آثار کا بیان نہ فرمانا اجمالی عدد جاننے کے لیے منافی نہیں، مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء علیہم السلام کرام کی کتنی تعداد ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار (مزید فرمایا کہ) ان میں تین سو پندرہ رسول تھے۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۱۵۱)

چونکہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے اس لیے علماء نے فرمایا کہ ایمان لانے میں حضرات انبیاء کرام کا خاص عدد ذکر نہ کرے بلکہ یوں عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں۔

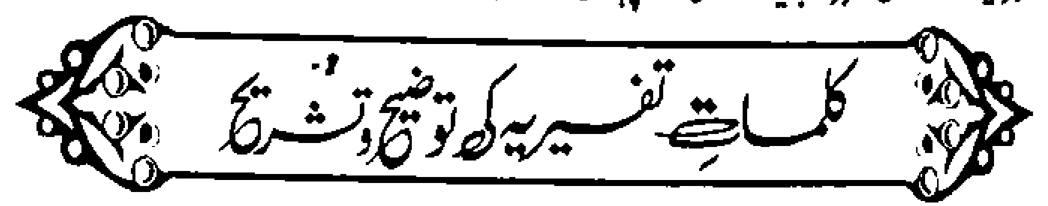
دوسری بات یہ بتائی کہ کسی نبی کو یہ قدرت نہ تھی اور نہ یہ اختیار تھا کہ خود سے کوئی معجزہ لے آئے جتنے بھی معجزات امتوں کے سامنے لائے گئے وہ سب اللہ کے اذن اور مشیت سے تھے سابقین انبیائے کرام سے بھی ان کی امتوں نے اپنی خواہشوں کے مطابق معجزات طلب کیے وہ حضرات خود مختار نہ تھے جو خود سے معجزات پیش کر دیتے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ چاہا ظاہر فرما دیا آپ سے بھی امت کے لوگ خود تراشیدہ معجزات طلب کرتے ہیں اور اس کے ظاہر نہ ہونے پر آپ کی تکذیب کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے انبیائے سابقین کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے آپ تسلی رکھیے اور ان حضرات کی طرح صبر کیجیے فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

قُضِیَ بِالْحَقِّ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا یعنی دنیا میں یا آخرت میں عذاب کا نزول ہو جائے گا تو اس وقت فیصلہ کر دیا جائے گا جو حضرات حق پر ہوں گے ان کی نجات ہوگی اور اجر وثواب ملے گا اور اہل باطل عذاب میں مبتلا ہوں گے وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ اور اس وقت باطل والے خسارہ یعنی ہلاکت اور بربادی میں پڑ جائیں گے لہٰذا آپ انتظار فرمائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور فیصلہ ہوگا اور حق فیصلہ ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ قِیْلَ الْاِبِلُ هُنَا خَاصَّةً وَالظَّاهِرُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ مِنَ الدَّرِّ وَالنَّسْلِ وَالْوَبَرِ وَالصُّوْفِ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ هِیَ حَمْلُ الْاَثْقَالِ اِلَى الْبِلَادِ وَ عَلَیْهَا فِی الْبَرِّ وَ عَلَى الْفُلْكِ السُّفُنِ فِی الْبَحْرِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِیَّتِهٖ تُنْكِرُوْنَ ۝ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِیْخٍ وَتَذْكِیْرُ اَیٍّ اَشْهَرُ مِنْ تَانِیْثِهٖ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُوْرٍ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَرِحُوْا اَیِ الْكُفَّارُ بِمَا عِنْدَهُمْ اَیِ الرُّسُلِ مِّنَ الْعِلْمِ فَرَحَ اسْتِهْزَاءٍ وَضِحْكٍ مُنْكِرِیْنَ لَهٗ وَ حَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَیِ الْعَذَابُ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا اَیْ شِدَّةَ عَذَابِنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ۝ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ نَصْبُهٗ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ مِنْ لَفْظِهٖ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ فِی الْاُمَمِ اَنْ لَا یَنْفَعُهُمُ الْاِیْمَانُ وَقْتَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ تَبَیَّنَ خُسْرَانُهُمْ لِكُلِّ اَحَدٍ وَهُمْ خَاسِرُوْنَ فِیْ كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذٰلِكَ

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے بعض قول میں خاص طور پر یہاں اونٹ مراد ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ بیل بکری بھی ہیں تاکہ ان میں سے بعض سے سواری اور بعض کھاتے بھی رہو اور تمہارے لئے ان میں اور بہت فائدے ہیں دودھ نسل بال اون کے اور تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہونچو جو تمہارے دلوں میں ہے بوجھوں کو شہروں تک ڈھونا اور ان پر خشکی میں اور کشتی پر دریاؤں میں لدے پھندے پھرتے ہو اور تم کو اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے سو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں انکار کرو گے یہ استفہام سرزنش وفہمائش کے لئے ہے اور اَیٌّ کا مذکر لانا مؤنث لانے سے زیادہ مشہور ہے کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور یادگاروں

میں جوزمیں پر چھوڑ گئے ہیں حویلیاں اور قلعے سوان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکی الغرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں واضح معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ کفار بڑے نازاں ہوئے پیغمبروں کے علم پر استہزاءً خوش ہونا اوران انبیاء کا انکار کرتے ہوئے ٹھٹھے کرنا مراد ہے اوران پر وہ عذاب آ پڑا نازل ہوگیا جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا (عذاب کی شدت) اللہ نے اپنا یہی معمولی مقرر کر رکھا ہے مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے اسی کے ہم لفظ فعل مقدر کی وجہ سے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے پچھلی امتوں میں کہ عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا اوراس وقت کافر خسارہ میں رہ جائیں گے ہرایک کا نقصان ظاہر ہوجائیگا ورنہ اس سے پہلے بھی خسارہ ہی میں تھے۔



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

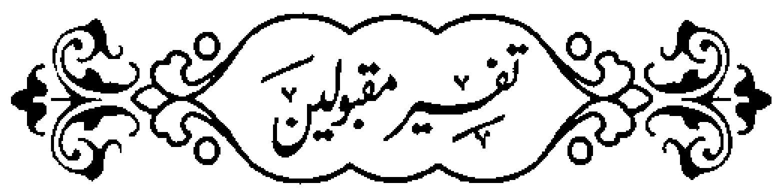
قوله: وَعَلَى الْفُلْكِ: عَلَيْهَا کی مطابقت کے لیے عَلَى لایا گیا۔

قوله: اَىُّ اٰيٰتِ: اَىُّ کا مذکر لانا اس کی تانیث سے زیادہ مشہور ہے۔

قوله: مِّنَ الْعِلْمِ: اس سے انبیاء کا علم مراد، اس کا قرینہ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

قوله: مُقَدَّر مِنْ لَفْظِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ سے ہی طریقہ مقرر کر دیا۔

قوله: هُنَالِكَ: یہ اسم مکان ہے مگر زمانے کے لیے استعارۃً استعمال کیا گیا۔



تفسیر مقبولین

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞

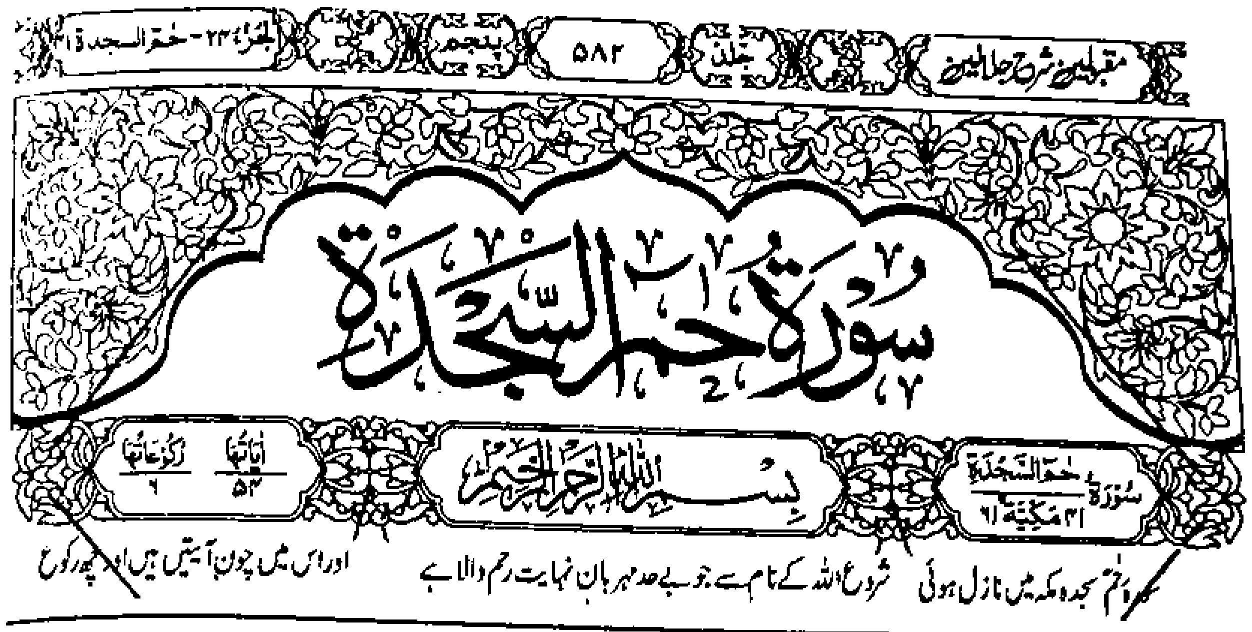
(ربط) گزشتہ آیات میں سلسلہ مضمون توحید خداوندی تھا اور دلائل قدرت کے بیان کے ساتھ مجرمین کے انجام ہلاکت پر افسوس وملامت کا اظہار ہے، اور یہ کہ خود مجرمین آخرت میں اپنے اعمال پر کس قدر پچھتائیں گے، آیات میں مزید انعامات خداوندی ذکر فرما کر مضمون توحید اور منکرین ومشرکین کی تہدید پر سورت کو ختم فرما دیا گیا، ارشاد ہے، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے ہی نفع کے لیے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض سے تم سواری لو اوران میں سے بعض کو کھاؤ، اور بھی بہت سے فوائد رکھے کہ ان کے بال اون اور کھالوں سے نفع حاصل کرو۔ اور اس لیے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے، خواہ ملاقات ہو یا تجارتی سفر ہو یا تعلیم وتعلم، جہاد ہو یا حج کے لیے سفر ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم ان پر سواری کرو بلکہ ان پر اور کشتیوں پر بھی تم لدے پھرتے ہو۔ تم اور تمہارا سامان ان پر لادا جاتا ہے نقل وحمل کا سلسلہ جاری ہے جس سے تمہارے معاشی مسائل حل ہو رہے ہیں، اور حصول منافع کا سلسلہ قائم ہے اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تم کو دکھاتا ہے سو تم اللہ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانیوں (اور دلائل قدرت) کا انکار کرو گے، کیا ان لوگوں نے زمین کا سفر نہیں کیا ہے کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان منکرین کا جو ان سے پہلے گذرے ہیں جو ان سے زائد تھے اپنی تعداد میں اوران سے زائد تھے اپنی

طاقت اور نشانیوں کے اعتبار سے جو آثار ونشانیاں انہوں نے اپنی دولت وثروت اور عزت وحکومت کی چھوڑیں مگر ان کے کچھ کام نہ آئیں یہ تمام باتیں جو کرتے تھے، اور وہ مادی تدابیر اپنی شان وشوکت کی اور اللہ کے پیغمبروں کے مقابلہ میں ہر طرح کی سازشیں، اور کسی طرح بھی وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے، غرض جب ان کے پاس ان کے پیغمبر اللہ کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے جو ان کے پاس تھا دنیوی اور معاشی علوم میں سے اور اس کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کے علم کو حقیر جانا تو آ پڑا ان پر عذاب اسی چیز کی بدولت جس کا وہ تمسخر و مذاق کر رہے تھے پھر انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے خدائے واحد پر اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس وقت عذاب خداوندی کے ظاہر ہونے اور دیکھنے کے بعد تو کوئی ایمان لانا معتبر نہیں ہوسکتا تھا تو ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اس لیے کہ اب یہ ایمان بالغیب نہ رہا جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہو گیا اور نہ اختیاری رہا بلکہ اضطراری ہو گیا، اور ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو اور بحالت اختیاری ہو۔ (تمام ائمہ متکلمین کا اجماع ہے کہ ایسا ایمان، ایمان یاس کہلاتا ہے، اور نص قرآنی سے ایسا ایمان نا قابل اعتبار قرار دیا گیا جیسے ارشاد فرمایا گیا: "لا ینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرا" اسی طرح سکرات موت شروع ہو جانے پر بھی ایمان معتبر نہیں، اس کو ایمان یاس کہا جاتا ہے۔)

اللہ کا یہی قانون اور طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت جب کہ کافروں پر عذاب خداوندی مسلط ہو گیا اور ان کا ایمان بھی نافع ومعتبر نہ ہوا تو خسارہ میں پڑ گئے، اللہ کا انکار و کفر کرنے والے، اور یہ خسارہ انتہائی اور آخری درجہ کا ہے کیونکہ اس کے بعد تو تلافی کا کوئی امکان ہی نہیں، نہ ایمان لانے کا وقت رہا، نہ توبہ کی مہلت رہی۔ بخلاف اس کے کہ اگر ایسے لوگ عذاب نازل ہونے سے پہلے کفر و نافرمانی کا تدارک کر لیتے تو تدارک ہوسکتا تھا۔

بحث ایمان باس وایمان یاس:

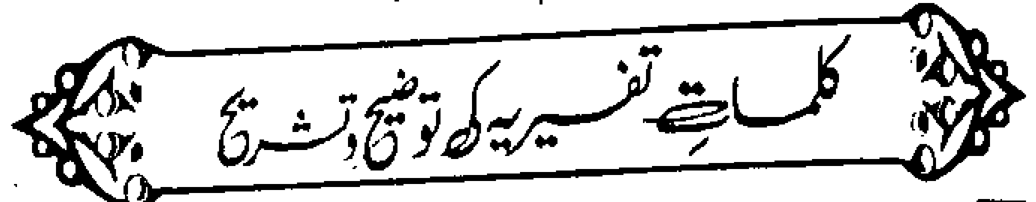
اب تو نہ پچھتانے سے کوئی فائدہ اور نہ توبہ و معذرت سے کوئی ثمرہ مرتب ہوگا۔ فرعون نے غرق ہوتے وقت جب ایمان لانا چاہا تو اس کو دھتکار دیا گیا کہ: الئن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین. کہ اب ایمان لاتا ہے اور حال یہ کہ پہلے سے نافرمانی کرتا رہا اور موت کے وقت یہی ایمان چونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا، اس لیے وہ بھی معتبر نہیں جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا: "ولیست التوبة للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وهم کفار". تفصیل سابق میں گذر چکی) حدیث میں ارشاد ہے فرمایا: ان اللہ تعالی یقبل توبة العبد مالم یغرغر۔ کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت میں نہ آ جائے تو حق تعالیٰ نے کافروں کی اس قدیم روش کا ذکر کرتے ہوئے نتیجہ یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسا ایمان کسی درجہ میں بھی نفع بخش نہ ہوا اور منکرین و کافرین خائب و خاسر ہوئے۔



حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مُبْتَدَأٌ كِتٰبٌ خَبَرُهٗ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ بُيِّنَتْ
بِالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حَالٌ مِنْ كِتَابٍ بِصِفَتِهٖ لِّقَوْمٍ مُتَعَلِّقٌ بِفُصِّلَتْ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ يَفْهَمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُمُ الْعَرَبُ بَشِيْرًا صِفَةُ قُرْاٰنٍ وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ سِمَاعَ قَبُوْلٍ وَ قَالُوْا النَّبِي قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ اَغْطِيَةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ
ثِقَلٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ خِلَافٌ فِي الدِّيْنِ فَاعْمَلْ عَلٰى دِيْنِكَ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ عَلٰى دِيْنِنَا
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ وَ
اسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَ وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تَاكِيْدٌ
كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ مَقْطُوْعٍ

ترجمہ: حٰمٓ حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے یہ کلام رحمن ورحیم کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ تَنْزِيْلٌ مبتدا ہے کتاب اس کی خبر ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی جاتی ہیں احکام اور واقعات اور وعظ ونصیحت یعنی قرآن عربی زبان میں موصوف صفت سے مل کر کتاب سے حال واقع ہے ایسے لوگوں کے لئے فُصِّلَتْ کے متعلق ہے جو واقف ہیں اس سے یعنی اہل عرب خوشخبری سنانے والا قرآن کی صفت ہے اور ڈرانے والا ہے سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں قبولیت کے کانوں سے اور پیغمبر سے کہتے ہیں کہ جس بات کی آپ ہم کو دعوت دیتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں غلافوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ رکاوٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک قسم کا حجاب دینی اختلاف ہے سو آپ اپنے دین میں رہتے ہوئے کام کیئے جائیں ہم اپنے مذہب کے مطابق اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے سو اس کی طرف ایمان وطاعت کے ذریعہ سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور تباہی ہے کلمہ

عذاب ہے ان مشرکین کے لئے جو زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت ہی کے ہم تاکید کے لیے منکر ہیں جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو موقوف ختم ہونے والا نہیں۔

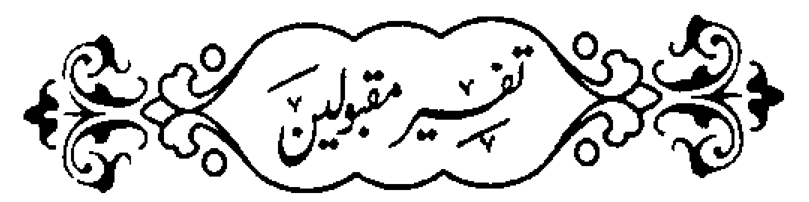


کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: کِتٰبٌ: یہ مبتداء صفت آنے کی وجہ سے مبتداء بنا درست ہے۔

قوله: فُصِّلَتْ: اس کا معنی بُیِّنَتْ۔ اس کا امتیاز کر دیا گیا۔

قوله: هُمُ الْعَرَبُ: یہ حال ہے۔



تفسیر مقبولین

اسی کا نام سورۃ فصلت بھی ہے، اسی کو بعض حضرات نے سورۃ المصابیح بھی کہا ہے باتفاق ایمہ مفسرین کی سورت ہے جس میں ۵۴ آیات اور چھ رکوع ہیں سورۂ مؤمن کے اکثر مضامین اثبات توحید و دلائل قدرت اور اثبات قیامت پر مشتمل تھے، اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے، اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر ونشر کو بھی ثابت کیا گیا، بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

فرماتا ہے کہ یہ عربی کا قرآن اللہ رحمان کا اتارا ہوا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا اسے تیرے رب کے حکم سے روح الامین نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور آیت میں ہے روح الامین نے اسے تیرے دل پر اس لیے نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو آگاہ کرنے والا بن جائے، اس کی آیتیں مفصل ہیں، ان کے معانی ظاہر ہیں، احکام مضبوط ہیں۔ الفاظ واضح اور آسان ہیں جیسے اور آیت میں ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ھود:۱)، یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم و مفصل ہیں یہ کلام ہے حکیم و خبیر اللہ جل شانہ کا لفظ کے اعتبار سے معجز اور معنی کے اعتبار سے معجز۔ باطل اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتا۔ حکیم و حمید رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس بیان و وضاحت کو ذی علم سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک طرف مؤمنوں کو بشارت دیتا ہے۔ دوسری جانب مجرموں کو دھمکاتا ہے۔ کفار کو ڈراتا ہے۔ باوجود ان خوبیوں کے پھر بھی اکثر قریشی منہ پھیرے ہوئے اور کانوں میں روئی دیئے بہرے ہوئے ہیں، پھر مزید ڈھٹائی دیکھو کہ خود کہتے ہیں کہ تیری پکار سننے میں ہم بہرے ہیں۔ تیرے اور ہمارے درمیان آڑ ہیں۔ تیری باتیں نہ ہماری سمجھ میں آئیں نہ عقل میں سمائیں۔ جا تو اپنے طریقے پر عمل کرتا چلا جا۔ ہم اپنا طریقہ کار ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ ناممکن ہے کہ ہم تیری مان لیں۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو کہانت اور شعر و شاعری میں جو سب سے زیادہ ہوا سے ساتھ

لے کر اس شخص کے پاس چلیں۔ (یعنی آنحضرت جس نے ہماری جمعیت میں تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالنا شروع کر دیا ہے وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرادے اور لاجواب کردے سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ یہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی منشاء خواہش ظاہر کی۔ اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر حضور ﷺ کے پاس آیا۔ آ کر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ یہ تو بتا تو اچھا ہے یا عبد اللہ؟ (یعنی آپ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوسرا سوال کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا دادا عبد المطلب؟ حضور ﷺ اس پر بھی خاموش رہے۔ وہ کہنے لگا سن اگر تو اپنے تئیں دادوں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تمہیں معلوم ہے وہ انہیں معبودوں کو پوجتے رہے جن کو ہم پوجتے ہیں اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے اور اگر تو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہے تو ہم سے بات کر ہم بھی تیری باتیں سنیں۔ قسم اللہ کی دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کیلئے تجھ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا۔ تو نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ دیا۔ تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا اور اس میں برائی نکالی۔ تو نے سارے عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا۔ آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے۔ قریشیوں میں کاہن ہے۔ اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے کہ ہم میں آپس میں سر پھٹول ہوں، ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آ جائیں اور یونہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو فنا کر دینا چاہتا ہے، سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہ نکلے۔ اور تجھے عورتوں کی خواہش ہے کہ تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا بس کہہ چکے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اب میری سنو! چنانچہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی سورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً ڈیڑھ رکوع مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (فصلت: ۱۳) تک پڑھا اتنا سن کر عتبہ بول پڑا بس کیجئے آپ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل دیا قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی پوچھا کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا سنو تم سب مل کر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ انہوں نے کہا پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا کہا ہاں جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہیں سکا البتہ اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب قوم عاد اور قوم ثمود پر آیا تھا انہوں نے کہا تجھے اللہ کی مار ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے میں سمجھا ہی نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ بغوی بھی اس روایت کو لائے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور آپ کو قسمیں دینے لگا اور رشتے داری یاد دلانے لگا۔ اور یہاں سے الٹے پاؤں واپس جا کر گھر میں بیٹھا۔ اور قریشیوں کی بیٹھک میں آنا جانا ترک کر دیا۔ اس پر ابو جہل نے کہا کہ قریشیو! میرا خیال تو یہ ہے کہ عتبہ بھی محمد ﷺ کی طرف جھک گیا اور وہاں کے کھانے پینے میں للچا گیا ہے وہ حاجت مند تھا اچھا تم میرے ساتھ ہو لو میں اس کے پاس چلتا ہوں۔ اسے ٹھیک کر لوں گا۔ وہاں جا کر ابو جہل نے کہا عتبہ تم نے جو ہمارے پاس آنا جانا چھوڑا اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی معلوم ہوتی ہے کہ تجھے اس کا دستر خوان پسند آ گیا اور تو بھی اسی کی طرف جھک گیا

ہے۔ حاجت مندی بری چیز ہے میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں چندہ کر کے تیری حالت ٹھیک کر دیں۔ تا کہ اس مصیبت اور ذلت سے تو چھوٹ جائے۔ اس سے ڈرنے کی اور نئے مذہب کی تجھے ضرورت نہ رہے۔ اس پر عتبہ بہت بگڑا اور کہنے لگا مجھے محمد ﷺ کی کیا غرض ہے؟ اللہ کی قسم کی اب اس سے کبھی بات تک نہ کروں گا۔ اور تم میری نسبت ایسے ذلیل خیالات ظاہر کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ میں تم سب کو کہنے سے ان کے پاس گیا سارا قصہ کہہ سنایا بہت باتیں کہیں میرے جواب میں پھر جو کلام اس نے پڑھا واللہ نہ تو وہ شعر تھا نہ کہانت کا کلام تھا نہ جادو وغیرہ تھا۔ وہ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے : فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (فصلت) تک پہنچے تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں رشتے ناتے یاد دلانے لگا کہ للہ رک جاؤ مجھے تو خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں اسی وقت ہم پر وہ عذاب آ نہ جائے اور یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ محمد جھوٹے نہیں۔ سیرۃ ابن اسحاق میں یہ واقعہ دوسرے طریقے پر ہے اس میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی۔ اور آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو محمد ﷺ کے پاس جاؤں انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں اگر وہ کسی بات کو قبول کرلیں تو ہم انہیں دے دیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہوگئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس پر رضامند ہوئے۔ یہ حضور کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادے تم عالی نسب ہو تم ہم میں سے ہو ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو۔ افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب و غریب چیز لائے ہو تم نے ان میں پھوٹ ڈلوا دی۔ تم نے ان کے عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا۔ تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی۔ تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا۔ تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کیلئے آیا ہوں، میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے۔ للہ اس فتنے کو ختم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا جو تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں اس نے کہا سنو اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر خود رعایا بننے کیلئے بھی تیار ہیں، اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ اب عتبہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا اپنی سب بات کہہ چکے؟ کہا ہاں فرمایا اب میری سنو۔ وہ متوجہ ہو گیا آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت شروع کی عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا فرمایا ابوالولید میں کہہ چکا اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ کا حال بدل گیا۔ اس سے پوچھا کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ واللہ! نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو قریشیو! میری مان لو اور میری اس جچی تلی بات کو قبول کرلو۔ اسے اس کے

خیالات پر چھوڑ دو نہ اس کی مخالفت کرو نہ اتفاق۔ اس کی مخالفت میں سارا عرب کافی ہے اور جو یہ کہتا ہے اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں صرف کر رہا ہے یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ہی ملک کہلائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید قسم اللہ کی محمد ﷺ نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا میری اپنی جو رائے تھی آزادی سے کہہ چکا، اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

قرآن کی آیات مفصل ہیں، وہ بشیر ہے اور نذیر ہے، منکرین اس سے اعراض کرتے ہیں:

حٰمٓ ۝ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس کے بعد دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی، اول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو رحمٰن ہے اور رحیم ہے یعنی بہت بڑا مہربان ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اس کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کتاب نازل فرمائے دوم یہ کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں یعنی خوب صاف صاف بیان کی گئی ہیں سوم یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی آیات ہیں جو عربی ہے اس کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے چونکہ بہت اعلیٰ ہے اس لیے بطور معجزہ اہل عرب پر اس کے ذریعہ حجت قائم ہو چکی ہے اب جو شخص ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا یوں تو قرآن سب ہی کو حق کی دعوت دیتا ہے اور سب ہی پر اس کا ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اہل علم ہی اس سے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں اس لیے (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝) فرمایا چہارم (بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ) فرمایا کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجودیکہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجودیکہ قرآن خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان فرماتا ہے بشیر بھی ہے اور نذیر بھی اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا: (فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝) اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارا ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا: (فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝) کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تمہاری کاٹ کریں گے یہ کہہ کر دعوت حق سننے اور قبول کرنے سے بالکل ہی انکاری ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ہے چونکہ اس سے اصرار علی الکفر مقصود تھا اس لیے (وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

يَفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا) اس کے منافی نہیں ہے جس میں جَعْلَ الْاَكِنَّةِ عَلَى الْقُلُوْبِ کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔۔۔

حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ:

اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے بذریعہ وحی الٰہی کے حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے۔ تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کیلئے بجالاؤ۔ اور ٹھیک اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو۔ اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو۔ ان کی معافی طلب کرو۔ یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں، جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یعنی بقول ابن عباس لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتے۔ عکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس:۹) یعنی اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا۔ اور وہ ہلاک ہوا جس نے اسے دبا دیا۔ اور آیت میں فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:۱۴) یعنی اس نے نجات حاصل کرلی جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام ذکر کیا پھر نماز ادا کی۔ اور جگہ ارشاد ہے: هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى (النازعات:۱۸) کیا تجھے پاک ہونے کا خیال ہے؟ ان آیتوں میں زکوٰۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو بے ہودہ اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کی شرک سے پاک ہونا ہے، اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے۔ مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے۔ اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن امام سدی، معاویہ بن قرہ، قتادہ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے امام ابن جریر بھی اسی کو مختار کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال۔ اور یہ آیت اتری ہے مکے شریف میں۔ زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوٰۃ کی اصل کا حکم تو نبوت کی ابتدا میں ہی تھا، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام:۱۴۱) جس دن کھیت کاٹو اس کا حق دے دیا کرو۔ ہاں وہ زکوٰۃ جس کا نصاب اور جو اس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہے وہ مدینے میں مقرر ہوئی۔ یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ابتداء نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی۔ لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط وارکان کے ساتھ مقرر ہوگئیں۔ اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے واللہ اعلم، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے۔ کہ اللہ کے ماننے والوں اور نبی کے اطاعت گزاروں کیلئے وہ اجر وثواب ہے جو دائمی ہے اور کبھی ختم نہیں ہونے والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (کہف:۳) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور فرماتا ہے: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:۱۰۸) انہیں جو انعام دیا جائے گا وہ نہ ٹوٹنے والا اور

مسلسل ہے۔سدی کہتے ہیں گویا وہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ کہ بطور احسان ہے۔لیکن بعض ائمہ نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اہل جنت پر بھی اللہ کا احسان یقیناً ہے۔خود قرآن میں ہے: بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات: ۱۷) یعنی بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ وہ تمہیں ایمان کی ہدایت کرتا ہے۔جنتیوں کا قول ہے: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (الطور: ۲۷) پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور آگ کے عذاب سے بچا لیا۔رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں مگر یہ کہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے اور اپنے فضل و احسان میں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَ تَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وَ بَيْنَ الْاُوْلٰى لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْاَحَدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ شُرَكَاءَ ذٰلِكَ رَبُّ مَالِكُ الْعٰلَمِيْنَ ۚ جَمْعُ عَالَمٍ وَهُوَ مَا سِوَى اللّٰهِ وَجُمِعَ لِاخْتِلَافِ اَنْوَاعِهِ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ وَ جَعَلَ مُسْتَانَفٌ وَلَا يَجُوْزُ عَطْفُهٗ عَلٰى صِلَةِ الَّذِيْ لِلْفَاصِلِ الْاَجْنَبِيِّ فِيْهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا ثَوَابِتَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا بِكَثْرَةِ الْمِيَاهِ وَالزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَ قَدَّرَ قَسَمَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا لِلنَّاسِ وَالْبَهَائِمِ فِيْ تَمَامِ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ اَيِ الْجَعْلُ وَمَا ذُكِرَ مَعَهٗ فِيْ يَوْمِ الثَّلَاثَاءِ وَالْاَرْبِعَاءِ سَوَآءً مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَيْ اِسْتَوَتِ الْاَرْبَعَةُ اِسْتِوَاءً لَا تَزِيْدُ وَلَا تَنْقُصُ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ عَنْ خَلْقِ الْاَرْضِ بِمَا فِيْهَا ثُمَّ اسْتَوٰۤى قَصَدَ اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ بُخَارٌ مُرْتَفِعٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا اِلٰى مُرَادِيْ مِنْكُمَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ فِيْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيْ طَائِعَتَيْنِ اَوْ مُكْرَهَتَيْنِ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا بِمَنْ فِيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فِيْهِ تَغْلِيْبُ الْمُذَكَّرِ الْعَاقِلِ اَوْ نَزَّلَتَا لِخِطَابِهِمَا مَنْزِلَتَهٗ فَقَضٰىهُنَّ الضَّمِيْرُ يَرْجِعُ اِلَى السَّمَاءِ لِاَنَّهَا فِيْ مَعْنَى الْجَمْعِ الْاٰئِلَةِ اِلَيْهِ اَيْ صَيَّرَهَا سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ الْخَمِيْسِ وَالْجُمُعَةِ فَرَغَ مِنْهَا فِيْ اٰخِرِ سَاعَةٍ مِنْهُ وَفِيْهَا خَلَقَ اٰدَمَ وَ لِذٰلِكَ لَمْ يَقُلْ هُنَا سَوَاءً وَوَافَقَ مَا هُنَا اٰيَاتُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ الَّذِيْ اَمَرَ بِهٖ مَنْ فِيْهَا مِنَ الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ بِنُجُوْمٍ وَ حِفْظًا ؕ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَيْ حَفِظْنَاهَا عَنِ اسْتِرَاقِ الشَّيَاطِيْنِ السَّمْعَ بِالشُّهُبِ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ فِيْ مُلْكِهِ الْعَلِيْمِ ۝ بِخَلْقِهِ فَاِنْ اَعْرَضُوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ عَنِ الْاِيْمَانِ بَعْدَ هٰذَا الْبَيَانِ فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ خَوَّفْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ اَيْ عَذَابًا يُهْلِكُكُمْ مِثْلَ الَّذِيْ اَهْلَكَهُمْ

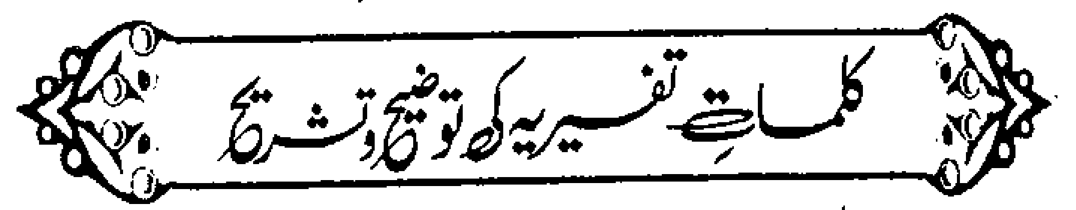
اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اى مُقْبِلِيْنَ عَلَيْهِمْ وَمُدْبِرِيْنَ عَنْهُمْ فَكَفَرُوْا كَمَا سَيَاْتِىْ وَالْاِهْلَاكُ فِىْ زَمَنِهٖ فَقَطْ اَلَّا نْ اى بِاَنْ تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ عَلٰى زَعْمِكُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا لَمَّا خُوِّفُوْا بِالْعَذَابِ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اى لَا اَحَدَ كَانَ وَاحِدُهُمْ يَقْلَعُ الصَّخْرَةَ الْعَظِيْمَةَ مِنَ الْجَبَلِ يَجْعَلُهَا حَيْثُ يَشَاءُ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا الْمُعْجِزَاتِ يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا بَارِدَةً شَدِيْدَةَ الصَّوْتِ بِلَا مَطَرٍ فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَسُكُوْنِهَا مَشْئُوْمَاتٍ عَلَيْهِمْ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ الذُّلِّ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى اَشَدُّ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ بِمَنْعِهٖ عَنْهُمْ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ بَيَّنَّا لَهُمْ طَرِيْقَ الْهُدٰى فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى اِخْتَارُوا الْكُفْرَ عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ الْمُهِيْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا مِنْهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اَللّٰهُ

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کیا تم لوگ دوسری ہمزہ کی تحقیق اور تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دوروز ایک ہفتہ، اتوار شنبہ پھر دوشنبہ میں بناڈالا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے رہو یہی سارے جہاں کا رب مالک ہے۔ عالمین، عالم کی جمع ہے اللہ کے علاوہ سب چیزوں کو عالم کہا جاتا ہے اور اختلاف انواع کی وجہ سے جمع اور ذوی العقول کی غلبہ دینے کی وجہ سے یا ءنون کے ساتھ لایا گیا ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر جے رہنے والے پہاڑ رکھدیئے یہ جملہ مستانفہ سے اس کا عطف الذی کے صلہ پر فصل بالاجنبی کیوجہ سے جائز نہیں ہے اور اس میں پانی اور کھیتی جانوروں کے ذریعہ برکت دی اور اس میں انسانوں اور جانوروں کی روزی کی تجویز بھی اسی زمین میں کر دی چاردن میں یعنی جعل جبال وتقدیر اقوات کل چاردن میں اور جعل کے ساتھ جو مذکور ہے یعنی تقدیر اقوات دودن میں اور وہ سہ شنبہ منگل اور بدھ چہار شنبہ ہیں سواء بر بناء مصدریت منصوب ہے یعنی چاردن پورے نہ زائد اور نہ کم ارض و مافیھا کی تخلیق کے بارے میں معلوم کرنے والوں کے لئے جو زمین وزمینیات کی پیدائش کو معلوم کریں۔ پھر اللہ نے آسمان کیطرف دھیان ارادہ فرمایا اور وہ دھواں سا بخارا ڑانے والا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ ہمارا مقصد بجالاؤ یا زبردست حال کے موقع پر ہے یعنی شوق سے یا بلاشوق کے دونوں نے عرض کی کہ ہم اپنی چیزوں سمیت خوشی سے حاضر ہیں اسمیں مذکر عاقل کی رعایت جمع لائی گئی ہے یا ان کی گفتگو کو اہل عقل کے درجہ میں شمار کیا گیا ہے سو بناڈالے ضمیر جمع مؤنث سماء کی طرف راجع ہے معنی جمع ہونے کی وجہ سے یعنی ہم نے انکو کر دیا دوروز میں سات آسمان جمعرات جمعہ آخری ساعت جمعہ میں فراغت ہوگئی

پھر آخرت گھڑی میں آدم کو پیدا کیا اسی لیے یہاں لفظ سواء نہیں فرمایا اس کا مضمون ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں آسمان وزمین کی پیدائش چھ دن میں بیان ہوئی اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا جو وہاں رہنے والی مخلوق کی اطاعت وعبادت سے متعلق تھا۔

اور ہم نے اس آسمان وزمین کو چراغوں ستاروں سے زینت بخشی اور اس کی حفاظت کی حفظا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: حفظنا ها حفظنا عن استراق الشياطين السمع بالشهب ہم نے شہاب کے ذریعہ آسمانوں کے شیاطین سے چوری چھپے باتیں سننے سے حفاظت کر دی یہ منصوبہ بندی اپنے ملک میں غالب اپنی مخلوق سے باخبر کی ہے پس اگر اس بیان کے بعد بھی کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں اس کڑک سے ڈراتا ہوں جو عاد وثمود کی کڑک کے مانند ہوگی یعنی اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم ہلاک کر دے گا اور وہ اس عذاب کے مانند ہوگا جس نے ان کو ہلاک کر دیا جب کہ ان کے پاس آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے یعنی یکے بعد دیگرے تو ان لوگوں نے انکار کر لیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے اور ہلاکت آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ہوئی نہ کہ آنحضور ﷺ کے بعد کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انھوں نے جواب دیا اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم تو تمہارے گمان کے مطابق تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں سو عاد نے تو ناحق زمین میں سرکشی شروع کر دی اور جب انکو ڈرایا گیا تو کہنے لگے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں چنانچہ ایک ایک آدمی تنہا پہاڑ کی چٹان اکھاڑ کر جہاں چاہتا رکھ دیتا تھا کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے انکو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے اور یہ لوگ ہماری آیتوں معجزات کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک جھونکا بھیجا سخت برفانی ہوا جس میں کڑکا تھا مگر بارش نہیں تھی منحوس دنوں میں۔

"نحسات" حاء کے کسرہ اور حاء کے سکون کے ساتھ ہے وہ دن ان کے حق میں نامبارک تھے تاکہ ہم ان کو مزہ چکھادیں رسوائی ذلت، کے عذاب کا اس دنیا ہی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی رسوا کن سخت ترین ہوگا اور انکی مدد نہیں ہوگی ان سے عذاب دور کر کے اور قوم ثمود کو ہم نے راستہ بتایا ہدایت کی راہ ان کے لئے واضح کر دی مگر انہوں نے پسند کر لیا گمراہی کو کفر کو ہدایت پر ترجیح دی ہدایت کے مقابلہ میں ان کو عذاب سراپا ذلت اہانت آمیز کی آفت نے آدبایا انکی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے اللہ سے۔



قوله: تاکید: یعنی کفر کا تذکرہ للمشرکین کے بعد تاکید کے لیے ہے۔

قوله: لِلْفَاصِلِ الْاَجْنَبِیِّ: یعنی صلہ سے وہ الگ ہے اور وَتَجْعَلُوْنَ ہے جس کا عطف مقدم لَتَكْفُرُوْنَ پر ہے۔

قوله: وَالضُّرُوْعِ: اس طرح کہ قسم قسم کے حیوانات دودھ والے پیدا کر دیئے۔

قوله: اَقْوَاتَهَا لِلنَّاسِ: یعنی زمین کے رہنے والوں کی خوراکیں کہ ہر ایک نوع کو اس کی مصلحت کے مطابق دیا۔ مضاف

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

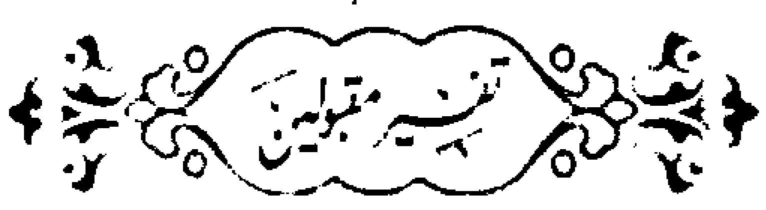
قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]

قوله: [illegible]



قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ....

[illegible]

[illegible]

مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ سورۂ بقرہ کی آیات میں ایام تخلیق کی تعیین اور تفصیل کا ذکر نہیں۔ سورۃ فصلت کی مذکورہ آیات میں بھی اس کا ذکر ہے۔

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین:

بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ، نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا، یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حم سجدہ کی اور دوسری سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورۂ نازعات لیلها و اخرج ضحها والارض بعد ذلك دحها اخرج منها ماءها ومرعها والجبال ارسها اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۃ بقرہ اور سورۃ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۃ بقرہ اور سورۃ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا، اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کیے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔ (بیان القرآن۔ سورۃ بقرہ رکوع ۳)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت کے تحت میں چند سوالات و جوابات مذکور ہیں۔ ان میں اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی وہ تقریباً یہی ہے، جو حضرت نے تطبیق آیات کے لیے بیان فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ جو ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں نقل کیے ہیں یہ ہیں:

وخلق الارض فی یومین ثم خلق السماء ثم استویٰ الی السماء فسوھن فی یومین اخرین ثم دحی الارض ودحیھا ان اخرج منھا الماء والمرعیٰ وخلق الجبال والرمال والجماد والآکام وما بینھما فی یومین اخرین فذلک قولہ تعالیٰ دحاھا۔

اور حافظ ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت حم سجدہ کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہو گئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

(قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا

رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ) یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس تخلیق کا سوال کریں۔ پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس وقمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں آفات ومصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھہرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم ہوا۔

(الحدیث بطولہ، ابن کثیر)

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے: هذا الحديث فيه غرابة۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتدا یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان وزمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحتاً مذکور ہے۔ ولقد خلقنا السموٰت والارض وما بينهما في ستة ايام وما مسنا من لغوب۔ یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں، اور ہمیں کوئی تھکان پیش نہیں آیا۔ اس لیے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ مسلم ونسائی نقل کر کے فرمایا: وهو من غرائب الصحيح المسلم كما في زاد المسير لابن الجوزي۔ یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے۔ اور پھر فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کعب احبار نقل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں، اور فرمایا کہ یہی اصح ہے۔ (ابن کثیر ص ۹۴، ج ۴) اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے۔

(حاشیہ زاد المسیر لابن الجوزی ص ۲۷۲، ج ۷)

پہلی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے، ابن کثیر کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے۔

ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کے آخری ساعت میں اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم علیہ السلام کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیق ارض وسماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات وشیاطین وہاں بسنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا: اني جاعل في الارض خليفة

(کذا قال فی المظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض وسماء کے اوقات اور دن اور ان میں ترتیب جن روایات حدیث میں آئی ہے ان میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی یقینی کہا جاسکے، بلکہ یہ احتمال غالب ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہوں مرفوع احادیث نہ ہوں جیسا کہ ابن کثیر نے مسلم، نسائی کی حدیث کے متعلق اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لیے آیات قرآنی ہی کو اصل قرار

دے کر مقصود متعین کرنا چاہیے۔ اور آیات قرآنی کو جمع کرنے سے ایک بات تو یہ قطعی معلوم ہوئی کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی تمام چیزیں صرف چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں۔ دوسری بات سورۃ حم سجدہ کی آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ زمین اور اس کے پہاڑ درخت وغیرہ کی تخلیق میں پورے چار دن لگے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آسمانوں کی تخلیق میں دو دن صرف ہوئے۔ جس میں پورے دو دن ہونے کی تصریح نہیں بلکہ کچھ اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ یہ دو دن پورے خرچ نہیں ہوئے آخری دن جمعہ کا کچھ حصہ بچ گیا۔ ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ دن میں سے پہلے چار دن زمین پر باقی دو دن آسمانوں کی تخلیق میں صرف ہوئے اور زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ مگر سورۃ نازعات کی آیت میں زمین کے پھیلانے اور مکمل کرنے کو صراحۃً تخلیق آسمان کے بعد فرمایا ہے۔ اس لیے وہ صورت کچھ بعید نہیں جو اوپر بحوالہ بیان القرآن ہوئی ہے کہ زمین کی تخلیق دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے دو دن میں زمین اور اس کے اوپر پہاڑوں وغیرہ کا مادہ تیار کر دیا گیا۔ اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے، اس کے بعد دو دن میں زمین کا پھیلاؤ اور اس کے اندر جو کچھ پہاڑ، درخت، نہریں، چشمے وغیرہ بنائے تھے ان کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح تخلیق زمین کے چار دن متصل نہیں رہے۔ اور آیت حم سجدہ میں جو ترتیب بیان یہ رکھی گئی کہ پہلے زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔ اس کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی۔

پھر الگ کر کے فرمایا: (وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ) اس میں اس پر تو سبھی مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ اربعہ ایام ان پہلے دو دنوں کو شامل کر کے ہیں۔ اس سے الگ چار دن نہیں۔ ورنہ مجموعہ آٹھ دن ہو جائے گا جو تصریح قرآنی کے خلاف ہے۔

اب یہاں غور کرنے سے بظاہر مقتضی مقام کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ فرمانے کے بعد پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کو بھی فِیْ یَوْمَیْنِ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تو اس کا مجموعہ چار دن ہونا خود بخود معلوم ہو جاتا مگر قرآن کریم نے عنوان تعبیر اس کے بجائے یہ رکھا کہ زمین کی تخلیقات میں سے باقی ماندہ کو ذکر کر کے فرمایا کہ یہ کل چار دن ہوئے۔ اس سے بظاہر اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ یہ چار دن متواتر اور مسلسل نہیں تھے بلکہ دو حصوں میں منقسم تھے۔ دو دن تخلیق سماوات سے پہلے دو دن اس کے بعد اور آیت مذکورہ میں جو: وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا الخ کا ذکر ہے یہ آسمانوں کی تخلیق کے بعد کا بیان ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا. زمین میں پہاڑ اس کے توازن کو درست رکھنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ متعدد آیات قرآن میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ ان پہاڑوں کو زمین کی سطح کے اوپر بلند و بالا کر کے رکھا جائے، زمین کے اندر بھی رکھے جا سکتے تھے۔ مگر اوپر رکھنے اور ان کی بلندی کو عام انسانوں، جانوروں کی رسائی سے دور رکھنے میں زمین کے بسنے والوں کے لیے ہزاروں بلکہ بے شمار فوائد تھے۔ اس لیے اس آیت میں مِنْ فَوْقِهَا کے لفظ سے اس خاص نعمت کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ۝ اقوات، قوت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں۔ کما قال ابو عبیدہ۔ (زاد المسیر لابن جوزی)

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اس کے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرمادی۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصہ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔ اسی تقدیر الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہو گئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیئے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب، سابور میں سابوری، رے میں طیالسہ۔ کسی خطہ میں گندم، کسی میں چاول اور دوسرے غلات، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جوٹ، کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم۔ اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔ باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے۔ عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کے برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات، غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گدام بنا دیا ہے، جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں۔ وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہے گا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ آگے آیت میں فرمایا: سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ۝ اس جملہ کا تعلق اکثر حضرات مفسرین نے اربعہ ایام کے ساتھ قرار دیا ہے۔ معنی یہ ہیں یہ سب تخلیقات عظیمہ ٹھیک چار دن میں ہوئی ہیں۔ اور چونکہ عرف میں جس کو چار کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ کبھی چار سے کچھ کم کبھی زیادہ بھی ہوتا ہے، مگر کسر کو حذف کر کے اس کو چار ہی کہہ دیتے ہیں۔ آیت میں اس جگہ لفظ سوائً بڑھا کر اس احتمال کو قطع کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ کام پورے چار دن میں ٹھیک ہوا ہے۔ اور لِلسَّآئِلِيْنَ فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ جو لوگ آسمان زمین کی تخلیق کے متعلق آپ سے سوالات کر رہے ہیں جیسا کہ یہود کا سوال کرنا تفسیر ابن جریر اور در منثور میں منقول ہے۔ ان سوالات کرنے والوں کو یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ سب تخلیق ٹھیک چار دن میں ہوئی ہے۔ (ابن کثیر، قرطبی، روح)

اور بعض مفسرین ابن زید وغیرہ نے لِلسَّآئِلِيْنَ کا تعلق جملہ وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا کے ساتھ قرار دیا ہے۔ اور سائلین کے معنی طالبین و محتاجین کے لیے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو مختلف اجناس و اقسام کی اقوات و ضروریات پیدا فرمائی ہیں یہ ان لوگوں کے فائدے کے لیے ہیں جو ان کے طالب اور حاجت مند ہیں اور چونکہ طالب و محتاج عادتاً سوال کیا کرتا ہے اس لیے اس کو سائلین کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔ (بحر محیط)

اور ابن کثیر نے اس تفسیر کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: اٰتٰكم من كل ما سالتموه. یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں عطا فرمائیں، جو تم نے مانگیں کیونکہ یہاں بھی مانگنے سے مراد ان کا حاجت مند ہونا ہے۔ سوال کرنا شرط نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے چیزیں نہ مانگنے والوں کو بھی عطا فرمائی ہیں۔

ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ ....

اللہ تعالیٰ نے جب آسمان اور زمین کو فرمایا کہ تم دونوں آ جاؤ خواہ خوشی سے، خواہ مجبوری سے، تو انہوں نے عرض کیا، کہ ہم خوشی اور رضامندی سے حاضر ہیں سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کی جو چیزیں فطری اور جبلی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہیں، ان کی یہ اطاعت مجبوراً نہیں ہوتی، بلکہ ان کی خوشی اور رضامندی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت وجبلت کو اسلام ہی کے سانچے پر ڈھالا ہے سو کائنات کی ہر چیز اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے مسلم اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے، فرشتے بھی جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خدا کی فرمانبرداری پر مجبور ہیں، بلکہ وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنی خوشی ورضامندی سے کرتے ہیں کہ قدرت نے ان کی فطرت ہی اسلام پر بنائی ہے۔ اس لیے ان سے کبھی اس کی خلاف ورزی صادر نہیں ہو سکتی۔ سو کائنات پوری اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار وفرمانبردار ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ) (آل عمران: ۸۳) یعنی اسی کیلئے فرمانبردار ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ان سب نے۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ) (البقرہ: ۱۱۶) یعنی سب کے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ زیر بحث آیت کریمہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کائنات کی جن چیزوں کو ہم لوگ بالکل جماد لایعقل سمجھتے ہیں، ان کے اندر بھی ایک خاص قسم کا شعور وادراک پایا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے رب کے حکم کو سمجھتی۔ اور ان کو بجالاتی ہیں۔ سو اپنے رب کے حکموں کو سمجھنے، اس کی باتوں کا جواب دینے، اسکے ارشادات کی تعمیل کرنے، اور اس کی تحمید و تسبیح کے سلسلہ میں یہ سب پوری طرح عاقل ہیں۔ چنانچہ آسمان اور زمین کی زبان سے یہاں پر جو قول نقل فرمایا گیا ہے، وہ طَآئِعِيۡنَ کے لفظ سے آیا ہے جو کہ ذوی العقول ہی کیلئے موزوں ہے۔ پس آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے۔ اگرچہ ہم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: (وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ) (الاسراء: ۴۴) سو ہم اگر ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے، اور ان سے خطاب نہیں کر سکتے، تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ یہ بالکل جماد لایعقل ہیں، اور ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو بالکل لایعقل قرار دے دیں۔ بلکہ یہ ہمارے اپنے علم کی کوتاہی اور نارسائی ہے اللہ تعالیٰ کائنات کے ایک ایک ذرے کی تسبیح وتحمید کو سمجھتا ہے، اور ہر ذرہ اس کے حکموں کو سمجھ کر اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ، نیز یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ کتنے بدبخت اور کس قدر محروم ہیں جو اس کائنات اور اسکی ہر چیز کے برعکس عقل وفہم رکھنے کے باوجود اپنے خالق ومالک کی نافرمانی اور حکم عدولی کرتے ہیں،

زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ....

آسمان دنیا کی تزیین کا عظیم الشان انتظام:

ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے مزین کیا قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے۔ یعنی ستاروں سے جو کہ چراغوں اور فانوسوں کی طرح اس کے نیچے معلق ہیں اور قادر مطلق کی بے مثال قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی

بھی کام میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان دنیا کو عظیم الشان چراغوں سے مزین کیا کہ تا کہ اس طرح تم لوگ اس عظیم الشان تزئین وآرائش سے لطف اندوز بھی ہوسکو اور تمہاری طرح طرح کی اہم ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بھی ہوسکے۔ اور تم جھلمل جھلمل کرتے ان ستاروں کی ڈوبتی نکلتی روشنیوں سے اپنے قلب ونظر کو روشن کرنے کا سامان بھی کرسکو اور اپنے خالق ومالک کی قدرت اور اس کی عظمت شان کو بھی پہچان سکو اور بار بار اس کی طرف رجوع کرنے کی سعادت سے سرفراز ہوسکو۔ اور اس طرح تم اپنے قلب وباطن کو منور کرتے جاؤ۔ آسمان کی یہ عظیم الشان چھت اور سورج وچاند اور ستاروں کے یہ عظیم الشان چراغ اور قمقمے اپنی زبان حال سے پکار پکار کر اپنے خالق حکیم کے وجود باجود، اس کی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا پتہ دے رہے ہیں لیکن غافل وبے انصاف انسان ہے کہ وہ اس سب کے باوجود غفلت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح معرفت اور اپنی یاد دلشاد سے ہمیشہ سرفراز ومالامال رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ ....

حق سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ اور تہدید عاد وثمود کی بربادی کا تذکرہ

ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے سامنے واضح طور پر دلائل آچکے ہیں نشانیاں دیکھ چکے ہو ان سب کے باوجود پھر بھی اعراض کرتے ہو ایمان نہیں لاتے لہٰذا سمجھ لو کہ عذاب آجائے گا تم سے پہلے ایسی امتیں گزری ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا پھر ان کو عذاب نے آدبایا، عاد وثمود دو قومیں گزر چکی ہیں انہوں نے اپنے اپنے رسول کی تکذیب کی پھر مبتلائے عذب ہوئے اور ہلاک ہوئے ان پر جو عذاب کی مصیبت آئی میں تمہیں اس جیسی آفت سے ڈراتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام ان کے پاس آئے انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ لوگ دلیل سے دین توحید کی تردید نہ کرسکے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیات پر اعتراض کرنے لگے، کہنے لگے کہ تم تو آدمی ہو جیسے ہم ویسے تم اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنے ہی تھے تو کیا اس کے لیے تم ہی رہ گئے ہو اگر وہ چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ کے پیغمبر ہیں اور ایسے ایسے احکام لے کر آئے ہیں اور توحید کی دعوت ہمارا کام ہے ہم ان سب باتوں کے منکر ہیں۔

یہ تو دونوں قوموں کی مشترکہ باتیں تھیں اب الگ الگ بھی ان کا حال سنیں قوم عاد بڑے ڈیل ڈول والے تھے انہیں اپنی قوت اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کی وجہ سے انہوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور بڑے غرور کے ساتھ کہنے لگے کہ مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کہ وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے) انسان کے بے وقوفی دیکھو کہ وہ دنیا میں اموال واولاد اور قوت اور طاقت پر گھمنڈ کرلیتا ہے اور تکبر میں آکر بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا ہے فرض کرو موجودہ مخلوق میں کوئی بھی مقابل نہ ہو تو جس نے پیدا فرمایا اس کی قوت تو بہر حال سب سے زیادہ ہے اور بہت زیادہ ہے ان لوگوں نے اپنے خالق تعالیٰ شانہٗ پر نظر نہ کی اور تکبر کی بات کہہ دی ان کی اس بیوقوفی کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ طاقت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا۔)

وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝ (اور یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے) واضح دلائل دیکھتے ہوئے اور جانتے بوجھتے انہوں نے حق سے منہ موڑا اور اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا (سو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیج دی) فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (منحوس دنوں میں) لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (تا کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں) اور اسی عذاب پر بس نہیں ان کے لیے آخرت میں بھی عذاب ہے اور وہ اس دنیا والے عذاب سے بڑھ کر زیادہ ذلت اور رسوائی والا ہوگا وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ۝ اور وہاں ان کی مدد نہ کی جائے گی یہ جو مال و دولت اور افراد و اولاد پر گھمنڈ ہے سب دھرا رہ جائے گا سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے (سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ) (قوم عاد پر جو تیز ہوا بھیجی تھی وہ سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط فرمادی تھی سو اے مخاطب تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں) یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے اپنی قوت پر گھمنڈ کیے ہوئے تھے تند و تیز ہوا نے بالکل ہی ان کا ناس کھو دیا کھجوروں کے تنوں کی طرح زمین پر گر گئے سورۃ القمر میں اسی کو (كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ) فرمایا ہے۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نحوست کوئی چیز نہیں ہے حضرت سعد بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ۳۹۲) قوم عاد کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ منحوس دنوں میں ان پر تیز ہوا بھیج دی یہ ان کے ساتھ خاص ہے یہ بات نہیں ہے کہ وہ دن سب کے لیے منحوس ہیں اگر ایسا ہوتا تو سارے ہی دن منحوس ہوتے کیونکہ ان پر ایک ہفتہ سے زیادہ تیز ہوا چلی۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ ....

اس کے بعد قوم ثمود کا حال بیان فرمایا: وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ اور رہے ثمود سو ہم نے انہیں ہدایت دی یعنی ان کی طرف نبی بھیجا جس نے انہیں حق کا راستہ بتایا اور توحید کی دعوت دی انہوں نے سمجھ سے کام نہ لیا ہدایت کو اختیار نہ کیا اور اندھا رہنے کو یعنی گمراہی کو ترجیح دی جب ہدایت کو نہ مانا تو انہیں عذاب کی مصیبت نے پکڑ لیا اور وہ اپنے برے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کردیئے گئے، صاعقہ کا اصل معنی بجلی کا ہے، جو بارش کے دنوں میں چمکتی ہے اور کبھی کبھی اس سے مطلق آفت بھی مراد لے لیتے ہیں۔

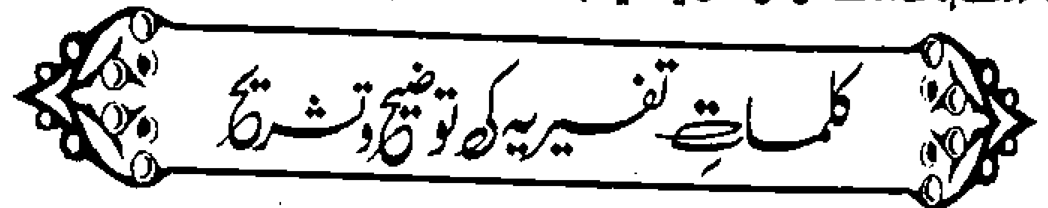
وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف کھاتے تھے۔)

وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُحْشَرُ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ الْمَفْتُوْحَةِ وَضَمِّ الشِّيْنِ وَفَتْحِ الْهَمْزَةِ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝ يُسَاقُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا مَا زَائِدَةٌ جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ اَيْ

اَرَادَ نُطْقَهٗ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ قِيْلَ هُوَ مِنْ كَلَامِ الْجُلُوْدِ وَقِيْلَ هُوَ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ
تَعَالٰى كَالَّذِيْ بَعْدَهٗ وَمَوْقِعُهٗ تَقْرِيْبُ مَاقَبْلَهٗ بِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنْشَائِكُمْ اِبْتِدَاءً وَاِعَادَتِكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ اِحْيَاءً
قَادِرٌ عَلٰى اِنْطَاقِ جُلُوْدِكُمْ وَاَعْضَائِكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ عِنْدَ اِرْتِكَابِكُمُ الْفَوَاحِشَ مِنْ اَنْ
يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ لِاَنَّكُمْ لَمْ تُوْقِنُوْا بِالْبَعْثِ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ عِنْدَ
اِسْتِتَارِكُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ مُبْتَدَاءٌ ظَنُّكُمْ بَدَلٌ مِنْهُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ
بِرَبِّكُمْ نَعْتُ الْبَدَلِ وَالْخَبَرُ اَرْدٰىكُمْ اَيْ اَهْلَكَكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا عَلَى
الْعَذَابِ فَالنَّارُ مَثْوًى مَنْزِلٌ لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا يَطْلُبُوا الْعُتْبٰى اَيِ الرِّضٰى فَمَا هُمْ مِّنَ
الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلْمَرْضِيِّيْنَ وَقَيَّضْنَا سَبَّبْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَاِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ بِقَوْلِهِمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ وَهُوَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةُ فِيْٓ جُمْلَةِ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ هَلَكَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ
الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۳ / ۱۷

ترجمہ: اور یاد کیجئے اس دن کو جب جمع کر کے لائے جائیں گے۔ تحشر یاء اور نون مفتوحہ اور ضمہ شین اور اعداء کے آخر فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے خدا کے دشمن دوزخ کی طرف پھر وہ گھسیٹتے کھینچے جائیں گے حتی کہ جب ما زائدہ ہے وہ اس کے نزدیک لائے جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور بدن کی کھال ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی گویائی کا ارادہ کیا تھا اور اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو بعض کی رائے ہے کہ یہ گفتگو اعضاء کی ہے اور بعض کے نزدیک یہ اللہ کا کلام ہے جیسا کہ اگلا بھی اسی کا آ رہا ہے اور پہلے کلام کا اس سے ربط یہ ہوگا کہ جو ذات تمہیں پہلی بار پیدا کرنے اور دوبارہ جلانے پر قدرت رکھتی ہے وہی تمہاری کھالوں اور اعضاء کو بلوانے پر بھی قدرت رکھتی ہے اور تم اس بات سے تو اپنے آپ کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے گناہ کرتے وقت کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں کیونکہ تمہیں قیامت کا یقین نہیں تھا لیکن تم اس گمان میں رہے چھپاتے وقت کہ اللہ کو تمہارے بہت اعمال سے اعمال کی خبر نہیں اور یہی مبتداء ہے تمہارا گمان ہے مبتداء کا بدل ہے جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا تھا یہ بدل کی صفت ہے اور خبر یہ ہے کہ اسی نے تم برباد ہلاک کیا پھر تم خسارہ میں پڑ گئے۔ سو اگر یہ لوگ عذاب پر صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ مقام ہے

اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے معافی یعنی خوشنودی چاہیں گے تب بھی قبول نہ ہوگا ان سے رضامندی نہ ہوگی اور ہم نے مقرر کر رکھے تھے ذریعہ بنایا تھا ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے شیاطین سو انھوں نے انکی نظر میں مستحسن بنا رکھے تھے ان کے اگلے اعمال دنیا کے کام اور خواہشات کی اتباع اور پیچھے احوال آخرت کی باتیں ان کا یہ کہنا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ حساب کتاب اور ان کے حق میں بھی اللہ کی بات پوری ہو کر رہی عذاب کے متعلق: لاملان جھنم الخ کا ارشاد ان لوگوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گذرے ہلاک ہوگئے یعنی جن وانس بیشک یہ سب خسارے میں رہے



کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: اَعْدَآءُ: اس کا ہمزہ آخری یُحْشَرُ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: مَا زائدۃ: شہادت کے حضور سے متصل ہونے کی تاکید کے لیے ہے۔

قولہ: تَقْرِیْبُ مَا قَبْلَہٗ: یعنی خلقکم ان کو مقدر ماننے کی صورت میں کلام اللہ سے بھی ہوسکتا ہے جو اس لیے لایا گیا تاکہ ماقبل کو فہم سے قریب تر کر دیا جائے۔

قولہ: تَسْتَتِرُوْنَ: تم ارتکاب خواہش کے وقت لوگوں سے چھپتے تھے تاکہ رسوائی نہ ہو۔ اور اعضاء کی گواہی تو تمہارے گمان میں بھی نہ تھی۔

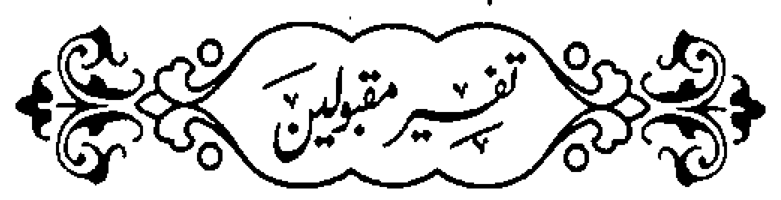
قولہ: قَیَّضْنَا: مقدر کرنا۔

قولہ: سَبَّبْنَا: یعنی سبب ایک ذریعہ ہے۔

قولہ: قُرَنَآءَ: اس سے وہ شیطان مراد ہیں جو وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔

قولہ: فِیْٓ اُمَمٍ: یہ ضمیر مجرور سے حال ہے۔ من جملہ امتوں میں۔

قولہ: اِنَّھُمْ: یہ ضمیر ان کے اور امتوں کے لیے ہے۔



تفسیر مقبولین

وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝۱۹

اللہ کے دشمنوں کا دوزخ کی طرف جمع کیا جانا ان کے اعضاء کا ان کے خلاف گواہی دینا:

ان آیات میں اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں کی مصیبت بیان فرمائی کہ قیامت کے دن انہیں دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا جماعتیں جماعتیں بن کر اس کے قریب پہنچیں گے ایک جماعت آئے گی وہ روک لی جائے گی پھر دوسری جماعت آئے گی وہ بھی روک لی جائے گی جب یہ جماعتیں جمع ہو جائیں گی اور دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور

آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی دنیا میں جو جو حرکتیں کی تھیں یہ اعضاء سب بتا دیں گے کہ اس شخص نے ہمیں ایسے ایسے کاموں میں استعمال کیا آنکھیں اور کان تو اعضاء ہیں اس دن کھالیں یعنی چمڑے بھی گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایسے ایسے اعمال کرتے تھے۔ چمڑا تو پورے بدن کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر گناہ میں استعمال ہوتا ہے سورۃ النور اور سورۃ یٰسین میں ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جب کافروں کے اعضاء ہی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے جن کے بارے میں انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا تو وہ کہیں گے کہ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی اس گواہی کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہیں بھی عذاب ہوگا اور ہمیں بھی، کیونکہ ہمارے جسم کے اجزاء میں تم بھی شامل ہو ہمارے برے اعمال سے منکر ہونا تمہارے بچانے کے لیے ہی تو تھا اگر گواہی دے کر تم عذاب سے بچ جاتے تو تمہیں گواہی دینے کا کچھ فائدہ پہنچ جاتا۔ اعضاء کہیں گے کہ ہماری کیا مجال تھی کہ نہ بولتے اور خاموش رہ کر گواہی کو چھپا لیتے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان دے دی اور حکم دے کر کہلوایا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم گواہی نہ دیتے تمہارا جو خیال تھا کہ ہم بول نہیں سکتے یہ خیال غلط تھا اللہ جسے چاہے بولنے کی قوت دے سکتا ہے جس نے ہر بولنے والی چیز کو بولنے والا بنایا اسی نے ہمیں بھی قوت گویائی عطا فرما دی۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کو ہنسی آگئی آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو میں کس بات سے ہنس رہا ہوں ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا (قیامت کے دن) بندہ جو اپنے رب سے مخاطب ہوگا اس کی وجہ سے مجھے ہنسی آگئی بندہ کہے گا اے رب کیا آپ نے مجھے اس بات کا وعدہ نہیں دے دیا کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ہاں تجھ سے یہ وعدہ ہے اس پر وہ کہے گا کہ بس تو میں اپنے خلاف کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا سوائے ایسے گواہ کے جو مجھ ہی میں سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ آج تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہے، اور کراماً کاتبین بھی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہیں، اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ بولو لہٰذا اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے پھر اسے بولنے کی قوت دے دی جائے گی۔ لہٰذا وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کہ دور ہو تمہارے لیے ہلاکت ہے تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑا کر رہا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸۰) یعنی میں نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے نفس کے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا الا یہ کہ میرے اندر کی کوئی چیز ہو اس کا مقصد ہی تو یہ تھا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ منافق قیامت کے دن یوں کہے گا کہ اے رب میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب اور آپ کے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور صدقات دیئے اور جہاں تک ممکن ہوگا اپنی تعریف کرے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہاں ابھی پتہ چل جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ہم ابھی گواہ پیش کرتے ہیں اس پر وہ اپنے نفس میں سوچے گا کہ کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران سے اور گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائے گا کہ بولو لہٰذا اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال پر گواہی دیں گی یہ گفتگو اس لیے کرائی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ رہے یہ جو کچھ مذکور ہوا منافق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۹)

یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النور میں فرمایا کہ مجرمین کی زبانیں بھی گواہی دیں گی اور سورۂ یٰسین میں اور مسلم شریف کی حدیث میں فرمایا کہ منہ پر مہریں لگادی جائیں گی اس میں بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے بعض احوال میں زبانیں گواہی دیں گی اور بعض مواقع میں ان پر مہر لگادی جائے گی۔

وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار دنیا میں پیدا فرمایا پھر مرجاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اسی نے دنیا میں زبان کو بولنا سکھایا آخرت میں دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دیدے گا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ ....

یہ بھی کافروں سے خطاب ہے وہاں ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی احتمال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان اور آنکھیں چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیدیں گے لہٰذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے جس کی وجہ سے تم دلیری کے ساتھ گناہ کرتے تھے تم سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہوگا مخلوق کے بارے میں تو تمہارا خیال تھا ہی تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہی خیال کررکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔

قال القرطبی و معنی "تَسْتَتِرُوْنَ" تستخفون فی قول اکثر العلماء أی ما کنتم تستخفون من أنفسکم حذرًا من شهادة الجوارح علیکم، لأن الانسان لایمکنه أن یخفی من نفسه علمه، فیکون الاستخفاء بمعنی ترک المعصیة وقیل: الاستتار بمعنی الاتقاء أی ما کنتم تتقون فی الدنیا أن تشهد علیکم جوارحکم فی الاخرة فتترکوا المعاصی خوفا من هذه الشهادة (علامہ قرطبی نے کہا اکثر علماء کے قول کے مطابق "تَسْتَتِرُوْنَ" کا معنی ہے "تم چھپتے تھے" یعنی تم جو اپنے آپ سے چھپتے تھے اعضاء کی اپنے خلاف گواہی کے خوف سے، چونکہ انسان کے لیے اپنے عمل کو اپنے آپ سے چھپانا ممکن نہیں ہے اس لیے یہاں استخفاء معصیت کے ترک کے معنی میں ہوگا، اور بعض نے کہا الاستتار بمعنی اتقاء ہے یعنی تم جو دنیا میں بچتے تھے اس سے کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں لہٰذا اس گواہی کے خوف سے تم نے گناہ چھوڑ دیئے۔)

صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا تھا تین آدمی آئے ان میں سے ایک ثقفی تھا اور دو قریشی تھے ان کے پیٹ بھاری تھے اور کم سمجھ تھے انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جنہیں میں (ٹھیک سے) نہ سن سکا ان میں سے ایک نے کہا کہ بتاؤ اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے دوسرے نے کہا بلند آواز ہو تو سنتا ہے اور بلند نہ ہو تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا کہ اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے میں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کو سنادیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ سے مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ تک آیت کریمہ نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور اس کے سننے اور جاننے کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ

کافروں کو ان کے گمان بد نے ہلاک کیا:

اپنے رب کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ میرے بہت سے کاموں کو نہیں جانتا کہ میں ایسے کام چھپ چھپا کر کر لیتا ہوں محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے، کہ اس سے ایک طرف تو انسان بے فکر لا ابالی اور بےجنت ہو کر حیوان محض، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر گھٹیا اور بری مخلوق بن کر رہ جاتا ہے، دوسری طرف وہ اپنے رب کی اس خاص رحمت وعنایت سے محروم ہو جاتا ہے، جو اس سے خاص تعلق اور اسکے ذکر اور اس کی یاد دلشاد کے نتیجے میں نصیب ہوتی ہے اور تیسری طرف وہ اپنی آخرت اور وہاں کی اصل حقیقی اور ابدی زندگی کے تقاضوں اور اس کی تیاری کے اصل مقصد سے غافل اور لاپرواہ ہو کر اس سب سے بڑے اور انتہائی ہولناک خسارے میں گر جاتا ہے جس کی تلافی وتدارک کی پھر کوئی صورت اس کے لیے ممکن نہیں رہتی۔ والعیاذ باللہ، جبکہ اسکے برعکس اپنے رب کی یاد، اور اس کے علم وآگہی کا استحضار ایک طرف تو انسان کو راہ حق وصواب پر ثابت ومستقیم رکھتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے اسی ذکر واستحضار کی بناء پر، اور اسکے نتیجے میں ہمیشہ اپنے رب کی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے مستفید وفیض یاب ہوتا رہتا ہے اور تیسری طرف وہ اپنی آخرت کی اصل حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے بھی برابر سامان کرتا رہتا ہے، جسکے نتیجے میں ایسے لوگ آخرکار جنت کی سدابہار نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سرفراز ہونگے۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی سو ذکر خداوندی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔

وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا.....

مشرکین اور کافرین پر برے ساتھی مسلط کر دیئے گئے:

وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ (اور ہم نے ان کے اوپر ساتھی مسلط کر دیئے) جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنات میں سے بھی اور ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ. ان ساتھیوں نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کو اچھا بنا کر پیش کیا گناہوں کو اچھا کر کے دکھایا لذتوں پر ابھارا شہوتوں میں پڑنے کی ترغیب دی اور انہیں یہ بھی سمجھایا جو مزے اور اڑا سکتے ہو اڑا لو موت کے بعد نہ جی اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ، ان ساتھیوں کی باتوں میں آ کر کفر وشرک اختیار کیا گناہوں میں منہمک رہے۔ لہٰذا عذاب کے مستحق ہوئے مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے لفظ سے آخرت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ سمجھایا کہ حساب کتاب اور جنت دوزخ کچھ نہیں اور (وَمَا خَلْفَهُمْ) کے بارے میں فرمایا کہ اس سے دنیا والی زندگی مراد ہے انہوں نے اس دنیا میں کفر کو اچھا بتایا اور خواہشوں اور لذتوں پر ڈالا اور ابھارا۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا: (وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ) (اور جو شخص اندھا بنتا ہے رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر تعینات کر دیا کرتے ہیں ایک شیطان سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے شیاطین ان کو روکتے ہیں راہ سے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ راہ پر ہیں) وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ

اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اوران پر عذاب والی بات ثابت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کردیا گیا کہ ان کو عذاب میں داخل ہونا ہے، ان سے پہلے جو امتیں جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں یہ بھی انہیں میں شامل کردیئے گئے یعنی وہ بھی عذاب میں داخل ہوئے، اور یہ بھی اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ (بلاشبہ یہ سب لوگ خسارے والے تھے) دنیا میں آئے زندگی ملی جان ملی اعضاء دیئے گئے، اموال کے مالک ہوئے لیکن سب کچھ کھو دیا اور ضائع کردیا اب تو عذاب ہی عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ اِئْتُوْا بِاللَّغَطِ وَنَحْوِهِ وَصِيْحُوْا فِيْ زَمَنِ قِرَاءَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَيَسْكُتُ عَنِ الْقِرَاءَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ اَيْ اَقْبَحَ جَزَاءِ عَمَلِهِمْ ذٰلِكَ اَيِ الْعَذَابُ الشَّدِيْدُ وَاَسْوَاُ الْجَزَاءِ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَاِبْدَالِهَا وَاوًا النَّارُ ۚ عَطْفُ بَيَانٍ لِلْجَزَاءِ الْمُخْبَرِ بِهٖ عَنْ ذٰلِكَ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ اَيْ اِقَامَةٌ لَا اِنْتِقَالَ مِنْهَا جَزَآءً ۢ مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي النَّارِ رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَيْ اِبْلِيْسَ وَقَابِيْلَ سَنَّا الْكُفْرَ وَالْقَتْلَ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا فِي النَّارِ لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَيْ اَشَدَّ عَذَابًا مِنَّا اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عَلَى التَّوْحِيْدِ وَغَيْرِهٖ مِمَّا وَجَبَ عَلَيْهِمْ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ الْمَوْتِ اَلَّا ۢ اَيْ بِاَنْ تَخَافُوْا مِنَ الْمَوْتِ وَمَا بَعْدَهٗ وَلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا خَلَّفْتُمْ مِنْ اَهْلٍ وَوَلَدٍ فَنَحْنُ نَخْلُفُكُمْ فِيْهِ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَيْ نَحْفَظُكُمْ فِيْهَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ اَيْ نَكُوْنُ مَعَكُمْ فِيْهَا حَتّٰى تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ تَطْلُبُوْنَ
ع ۱۸ نُزُلًا رِزْقًا مُهَيَّأً مَنْصُوْبٌ بِجَعَلَ مُقَدَّرًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ اَيِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور کافر آنحضور کی تلاوت کے وقت کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو شور کردیا کرو اور پڑھنے کے وقت چیخا کرو شاید تم ہی غالب رہو اس طرح کہ آپ پڑھنے سے رک جائیں، ان کے جواب میں ارشاد خداوندی ہے سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے ان کو ان کے برے کاموں کی سزا دیں گے یعنی ان کے اعمال

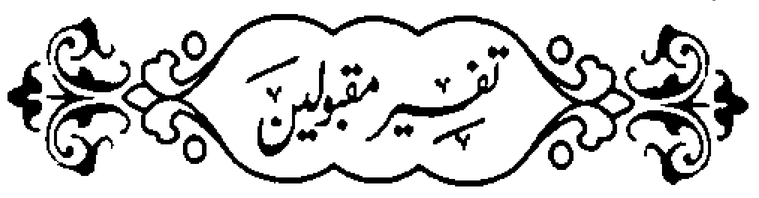
بڑھ کر یہی یعنی سخت عذاب اور بدترین بدلہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی دوسری ہمزہ کی تحقیق اور اسکو واؤ سے بدلنے کے ساتھ یعنی دوزخ یہ جَزَآءُ کا عطف بیان ہے اور خبر ہے ذٰلِكَ کی ان کو وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ یعنی وہاں سے نکلنے کی نوبت نہیں آئے گی اس بات کے بدلہ میں فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کہ وہ ہماری آیات قرآن کا انکار کرتے تھے اور کفار کہیں گے دوزخ میں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا یعنی ابلیس اور قابیل جنہوں نے کفر وقتل کی رسم جاری کی ہم ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالیں دوزخ میں تا کہ وہ خوب ذلیل ہوں یعنی ہم سے بڑھ کر سزا پائیں جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ اس پر جمے رہے توحید وغیرہ ضروری احکام پر ان پر مرنے کے وقت فرشتے اتریں گے کہ نہ تم اندیشہ کرو مرنے اور مرنے کے بعد کے حالات کا اور نہ رنج کرو اپنے اہل وعیال کا جو تم نے بعد میں چھوڑے ہیں کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان کے رکھوالے ہیں اور تم اس جنت میں خوش رہو جیسا کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا ہم تمہارے رفیق تھے دنیاوی زندگانی میں بھی رہیں گے یعنی جنت میں جانے تک ہم تمہارے ساتھ رہیں گے اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو جی چاہے گا ملے گی اور جس چیز کی فرمائش خواہش کروگے وہ بھی مہیا ہوگی یہ بطور مہمانی کے ہوگا نزل تیار شدہ کھانا جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے غفور رحیم اللہ کی جانب سے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قولہ: بِاللُّغَطِ: بیہودہ گوئی، لغو یلغو ہزیان بکنا۔

قولہ: عَنْ ذٰلِكَ: ذٰلِكَ کا لفظ جو ماقبل گزرا وہ مبتداء ہے۔

قولہ: بِاَنَّ: مصدریہ ہے یا با مقدرہ کے ساتھ مخففہ ہے۔



وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ۔۔۔۔

قرآن سے روکنے کی ایک سکیم کا ذکر:

ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ مت سنو تم اس قرآن کو اور شور مچاؤ اس کے مقابلے میں شاید اس طرح تم غلبہ پاسکو تا کہ اس طرح حق کی آواز تمہارے دل ودماغ تک پہنچنے ہی نہ پائے اور تم کفر وباطل کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکلنے ہی نہ پاؤ بلکہ ان میں اسی طرح ڈوبے رہو۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے اپنے چیلوں چانٹوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب محمد قرآن پڑھیں تو تم ایسا شور ڈالو اور اس قدر چیخ وپکار کرو کہ کوئی ان کی قراءت سن ہی نہ سکے۔ (المراغی، المحاسن، المدارک، الصفوۃ وغیرہ) چنانچہ منکرین قرآن حکیم کی قراءت کے مقابلہ میں اور لوگوں کو اس سے روکنے کے لیے چیخ وپکار، شوراشوری، شعروشاعری اور قصہ

گوئی وغیرہ مختلف حیلوں حوالوں اور ہتھکنڈوں سے کام لیتے۔ تا کہ اس طرح لوگوں کو حق وہدایت کی آواز سے روکا اور اس سے محروم رکھا جا سکے۔ افسوس کہ مشرکین مکہ کے ان ہتھکنڈوں اور ان کی اس تکنیک کے کچھ مظاہر وآثار آج کے اس دور میں بلکہ خود مسلم معاشرے کے اندر بھی یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی آواز اور اس کی دعوت اور پیغام توحید کو روکنے اور دنیا کو اس سے دور اور محروم رکھنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل کی خبر ہے کہ ایک ہندو ایڈووکیٹ نے کلکتہ کی ایک عدالت میں اس بارے باقاعدہ کیس دائر کیا کہ قرآن پر پابندی لگائی جائے کہ اس کی آواز ہمیں برداشت نہیں۔ حالانکہ قرآن وسنت کی تعلیمات مقدسہ میں صاف اور صریح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ ذکر آہستہ اور پوشیدہ انداز میں کرو۔ چنانچہ سورۃ اعراف کی آیت نمبر 55 میں ارشاد ہوتا ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ یعنی اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور خفیہ وپوشیدہ طور پر پکارو۔ بے شک وہ پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور سورۃ اعراف ہی کی دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (اعراف:205) اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ۔ اور بلند آواز سے کم آواز میں صبح وشام۔ اور صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ایک موقع پر حضرات صحابہ کرام ؓ میں سے بعض کو بلند آواز میں ذکر کرتے دیکھا تو ان سے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ جس۔ ذات اقدس واعلیٰ کو تم لوگ پکار رہے ہو وہ نہ بہری ہے اور نہ کہیں دور اور غائب۔ وہ سمیع وبصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ تم میں سے ہر ایک کے اس کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الجہاد، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار) اور ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي یعنی سب سے اچھا ذکر وہ ہے جو خفی اور پوشیدہ طور پر ہو اور سب سے اچھی روزی وہ ہے جس سے انسان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۔۔۔۔

کافروں کیلئے عذاب شدید:

سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کافروں کے لیے عذاب شدید اور سب سے برے عمل کا بدلہ مقرر ہے۔ تا کہ اس طرح ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا بدلہ مل سکے۔ اور اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد وغیرہ جیسے جو کچھ نیک عمل ان لوگوں نے کئے بھی ہوں گے وہ ان کے کفر وانکار اور جحود واستکبار اور حق سے ان کے عناد واستہزاء کے باعث کالعدم ہو جائیں گے۔ اور باقی ان کے پاس ان کے اعمال بد کے سوا کچھ ہوگا ہی نہیں۔ اس لیے وہاں ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہی ہوگا اور بڑے ہی برے انداز اور ہولناک نتیجے کی شکل میں بھگتنا ہوگا ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ نور حق وہدایت سے روکنے اور قرآن حکیم کی آواز حق سے دوسروں کو محروم کرنے کیلئے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ ہم انکو ان کی ان حرکتوں کے بدلے میں ایک طرف عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے اور دوسری طرف انکو

انکے ان اعمال کے بدترین پہلوؤں کا بدلہ اور جزا دیں گے جو یہ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اور انکے سامنے انکے اعمال کے وہ بدترین پہلو لائیں گے جن کا ابھی کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ واضح رہے کہ انسان کے اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے انکے اثرات ونتائج کا صحیح اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کا عمل خواہ وہ نیک ہو یا بد وہ اپنے متعدی اثرات رکھتا ہے۔ اپنی اسی صفت کی بنا پر بعض حالات میں انسان کی ایک چھوٹی سی نیکی بڑھتے بڑھتے احد کے پہاڑ کے برابر بن جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ایک برائی جو اپنے ابتدائی مرحلے میں بالکل معمولی نظر آتی ہے وہ بڑھتے بڑھتے ایک خوفناک جنگل بن جاتی ہے۔ جیسا کہ قابیل کے جرم قتل کے قصہ سے ظاہر ہے۔ قیامت میں جب ہر شخص کے اعمال کے نتائج اس کے سامنے آئیں گے تو اس وقت وہ صحیح طور پر اندازہ کر سکے گا کہ اس کی فلاں برائی کس درجے کی تھی۔ سو اسی حقیقت کی طرف یہاں پر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کو (آخرت میں جو) سزا ملے گی آگ کی صورت میں ان کے سامنے آئے گی یعنی نار جہنم میں داخل ہوں گے اور ایسا نہیں کہ تھوڑے سے دن سزا بھگت لیں تو جان بخشی ہو جائے بلکہ انہیں اس آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا ان کا یہ عذاب اس کا بدلہ ہوگا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

گمراہ لوگ درخواست کریں گے کہ ہمارے بڑوں کو سامنے لایا جائے، تا کہ قدموں سے روند ڈالیں:

دنیا میں تو یہ حال تھا کہ چھوٹے موٹے لوگ اپنے بڑے اور سرداروں کے بہکانے سے کفر پر جمے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے ان کے بہکانے والوں میں جنات بھی تھے اور انسان بھی تھے جو انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ قرآن پڑھا جائے تو تم شور وغل کر دیہ لوگ ان کی بات مان لیتے تھے یہ تو ان کا دنیا میں حال تھا پھر جب آخرت میں حاضر ہوں گے تو اپنے بڑوں پر غصہ ہوں گے اور دانت پیسیں گے کہ انہوں نے ہمارا ناس کھویا لہذا بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں ہمارے سامنے لایئے آج ہم انہیں بہکانے اور ورغلانے کا مزہ چکھا دیں، بتایئے وہ لوگ کہاں ہیں ہم انھیں اپنے پاؤں میں روند ڈالیں۔ انہوں نے ہمارا ناس کھویا آج ہم ان سے بدلہ لے لیں انہیں اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیں اور کچل دیں تا کہ وہ خوب زیادہ ذلت والوں میں سے ہو جائیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔۔۔۔

گمراہ کن لیڈروں اور پیشواؤں کے خلاف غیظ وغضب کا ایک منظر:

اس ارشاد سے آخرت کے اس جہاں میں عوام الناس کافروں کے اپنے لیڈروں کیخلاف غیظ وغضب اور غم وغصے کا ایک منظر پیش فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ وہاں پر اپنا ہولناک انجام دیکھنے کے بعد اپنے رب سے عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا دے تا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر ان سے انتقام لے سکیں کہ انہی کی وجہ سے ہمیں یہ روز بد دیکھنا پڑا اور اس انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان کے اس بے موقع کے غصے اور افسوس کا ان کو بہر حال

کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس وحسرت کی باطنی آگ اور جلن میں اضافے اور اس کی تیزی کے۔ والعیاذ باللہ۔ سو کتنا احسان ہے قرآن حکیم کا پوری دنیا انسانیت پر کہ اس نے لوگوں کو ایسے عظیم الشان غیبی حقائق سے اس قدر صراحت ووضاحت کے ساتھ اس دنیا ہی میں آگاہ کر دیا ہے۔ تا کہ جنہوں نے بچنا ہو وہ بچ جائیں اور وہ اپنی عاقبت وانجام کی فکر کر لیں قبل اس سے کہ حیات دنیا کی یہ مختصر ومحدود فرصت ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن کتنا ظالم اور ناشکرا ہے یہ انسان جو اس سب کے باوجود اس کتاب حکیم اور اس کی تعلیمات مقدسہ سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ آج جو عوام اس وفاداری کے ساتھ اپنے ان گمراہ لیڈروں کی پیروی کرتے ہیں کل جب یہ وہاں پر دیکھیں گے کہ انہوں نے انکو کس گھاٹ پر اتارا ہے تو اس وقت انکا حال یہ اور یہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی باعث ہلاکت دتباہی ہے کہ اس سے زاویہ نگاہ ہی بدل جاتا ہے۔ اس کے طور طریقے بدل جاتے ہیں اور وہ حق اور حقیقت سے محروم ہو کر دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔۔۔۔

استقامت اور اس کی بہترین جزا:

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا۔ پھر اس پر جے رہے یعنی فرمان الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جما رہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھایا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تا عمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص حضرت ابو العالیہ نے کہا ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں، ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم

اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال، مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مؤمن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مؤمن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے، ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے ملے گا۔ جو خواہش ہوگی پوری ہوگی، یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور لولو یاقوت زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن انہا جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما دکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے

پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام واکرام تمہارے لیے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید فروخت وہاں نہ ہوگی۔ بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گے اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال وخوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مؤمن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ اَیْ لَا اَحَدَ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ بِالتَّوْحِیْدِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ (۳۳) وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ فِیْ جُزْئِیَّاتِهِمَا لِاَنَّ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِدْفَعْ اَیِ
السَّیِّئَةَ بِالَّتِیْ اَیْ بِالْخَصْلَةِ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ كَالْغَضَبِ بِالصَّبْرِ وَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاِسَائَةِ بِالْعَفْوِ فَاِذَا
الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (۳۴) اَیْ فَیَصِیْرُ عَدُوُّكَ كَالصَّدِیْقِ الْقَرِیْبِ فِیْ مُحَبَّتِهٖ اِذَا
فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَالَّذِیْ مُبْتَدَأٌ وَكَاَنَّهُ الْخَبَرُ وَاِذَا ظَرْفٌ لِمَعْنَی التَّشْبِیْهِ وَمَا یُلَقّٰهَآ اَیْ یُؤْتَی الْخَصْلَةَ الَّتِیْ
هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۳۵) وَاِمَّا فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَا
الزَّائِدَةِ یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ اَیْ اَنْ یَّصْرِفَكَ عَنِ الْخَصْلَةِ وَغَیْرِهَا مِنَ الْخَیْرِ صَارِفٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ جَوَابُ الشَّرْطِ وَجَوَابُ الْاَمْرِ مَحْذُوْفٌ اَیْ یَدْفَعُهٗ عَنْكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ لِلْقَوْلِ

الْعَلِيْمُ ۝ بِالْفِعْلِ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَ

اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اَيِ الْاٰيَاتِ الْاَرْبَعِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا عَنِ السُّجُوْدِ

لِلّٰهِ وَحْدَهٗ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اَيِ الْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ يُصَلُّوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا

يَسْئَمُوْنَ ۝ لَا يَمَلُّوْنَ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً يَابِسَةً لَا نَبَاتَ فِيْهَا فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تَحَرَّكَتْ وَرَبَتْ ؕ اِنْتَفَخَتْ وَعَلَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ مِنْ اَلْحَدَ وَلَحَدَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِالتَّكْذِيْبِ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ

فَنُجَازِيْهِمْ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ نُجَازِيْهِمْ وَاِنَّهٗ

لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ مَنِيْعٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ اَيْ لَيْسَ قَبْلَهٗ كِتَابٌ

يُكَذِّبُهٗ وَلَا بَعْدَهٗ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ اَيِ اللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ فِيْ اَمْرِهٖ مَا يُقَالُ لَكَ مِنَ التَّكْذِيْبِ

اِلَّا مِثْلَ مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝

لِلْكَافِرِيْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اَيِ الذِّكْرَ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا هَلَّا فُصِّلَتْ بُيِّنَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ حَتّٰى نَفْهَمَهَا ءَ

قُرْاٰنٌ اَعْجَمِيٌّ نَبِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مِنْهُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَقَلْبِهَا اَلِفًا بِاِشْبَاعٍ وَدُوْنِهٖ قُلْ

هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّشِفَآءٌ ؕ مِنَ الْجَهْلِ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ثِقَلٌ

فَلَا يَسْمَعُوْنَهٗ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ فَلَا يَفْهَمُوْنَهٗ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ اَيْ هُمْ كَالْمُنَادٰى ع ١٢ ١٩

مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ لَا يَسْمَعُ وَلَا يَفْهَمُ مَا يُنَادٰى بِهٖ

ترجمہ: اور اس سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے یعنی کسی کی نہیں جو خدا یعنی توحید کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی بدی برابر نہیں ہوسکتی یعنی نیکی بدی کی جزئیات کیونکہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں اور آپ برائی کو ٹال دیا کیجئے نیک برتاؤ طرز عمل سے مثلاً غصہ کو صبر سے اور جہل کو بردباری سے اور برائی کو معافی سے پھر اچانک آپ میں اور اس شخص کے درمیان جس میں عداوت تھی ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوا کرتا ہے یعنی تمہارا دشمن جگری دوست بن جائے گا محبت کے لحاظ سے اگر تم نے یہ طریقہ کرلیا اس میں اَلَّذِیْ مبتداء ہے اور کانہ خبر ہے اور اذا ظرف

ہے تشبیہ کے معنی میں اور یہ بات یعنی عمدہ عادت ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ثواب دار ہوں اور اگر نون ان شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہوا ہے آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے یعنی اگر آپ کو عمدہ خصلت وغیرہ خیر کی باتوں سے کوئی چیز ہٹانے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے یعنی اللہ اس وسوسے کو آپ سے دفع فرمادے گا بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے بات کو خوب جاننے والا ہے عمل کو اور منجملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج اور چاند ہے تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اس کو سجدہ کرو جس نے ان چاروں نشانیوں کو پیدا کیا اگر تمہیں اللہ کی عبادت کرنا ہے پھر اگر یہ لوگ ایک اللہ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں، تو فرشتے آپ کے رب کے مقرر ہیں وہ دن رات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور وہ اکتاتے تھکتے نہیں اور منجملہ ان کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے بنجر ہے خشک جس میں کوئی سرسبزی نہیں لیکن جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہا اٹھتی ہے ابھرتی ہے اور پھول جاتی ہے پھٹ کر اوپر اٹھ آتی ہے جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو جلادے گا بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے یقیناً جو لوگ کفر کرتے ہیں الحد ولحد سے ماخوذ ہے ہماری آیتوں میں قرآن کا انکار کر کے وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں ہم ان کو سمجھیں گے بھلا جو شخص آگ میں جھونکا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن دامان کے ساتھ آئے جو جی چاہے کر وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے ان لوگوں کے لئے دھمکی ہے جو لوگ اس ذکر قرآن کا انکار کر دیتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے ان کی ہم خبر لیں گے اور یہ بڑی باوقعت بے مثال کتاب ہے جس میں غلط بات نہ اس کے سامنے سے آتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے ہے یعنی نہ پہلے کسی کتاب نے اس کی تردید کی اور نہ آئندہ کوئی تکذیب کر سکے گی یہ حکمت والے خوبیوں والے خدا کی طرف سے آتی ہے یعنی اللہ کی طرف سے جو اپنے ہر کام میں قابل ستائش ہے آپ کو جھٹلانے کی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو جیسی کہ آپ سے پہلے رسولوں کو کہی گئی ہیں آپ کا پروردگار مؤمنوں کی بڑی مغفرت کرنے والا کافروں کو دردناک سزا دینے والا ہے اور اگر ہم اس کو یعنی ذکر کو عجمی قرآن بناتے تو یہ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں تاکہ یہ سمجھ میں آجاتا یہ کیا بات ہے کہ قرآن عجمی اور نبی عربی استفہام انکاری ہے دوسرے ہمزہ کی تحقیق اور اس کو الف سے بدل کر اشباع کے ساتھ اور بغیر اشباع کے (الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے) آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو راہنما ہے گمراہی سے اور شفا ہے جہالت سے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے بہرہ پن ہے وہ اس کو نہیں سن سکتے اور ان کے حق میں نابینائی ہے اس لئے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے یہ لوگ کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں یعنی ان کا حال ایسا ہے جیسے کسی کو دور سے پکارا جائے نہ وہ سنے اور نہ سمجھے کہ کیا آواز لگائی جا رہی ہے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: أَحْسَنُ: یعنی وہ جو کہ سیئہ سے عمدہ ہو اور وہ حسنہ ہے۔ احسن میں تفضیل کا معنی مراد نہیں مطلقاً بہت عمدہ مراد ہے۔

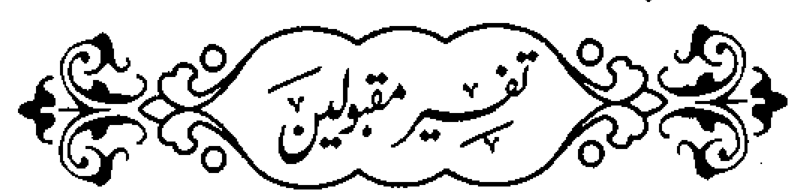
قوله: جُزْئِيَاتِهِمَا: حسنہ وسیئہ میں مراتب کے اعتبار سے تفاوت ہے۔ایک دوسری کے مقابلہ میں کم زیادہ ہے۔

قوله: يُصْرِفَكَ: یہاں نَزْغٌ کو نازع کہا یہ جدجدہ کے محاورہ کے مطابق ہے۔ یہ وسوسہ شیطان کی طرح ہے۔

قوله: جَوَابُ الْاَمْرِ: دہ فاستعذ محذوف ہے۔

قوله: الْاٰيَاتِ الْاَرْبَعِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ سورج و چاند آیت ونشانی ہونے میں بے شمار آیات سے ہے۔

قوله: نُجَازِيْهِمْ: یہ اِنَّ کی خبر ہے۔



وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔۔

فضیلت دعوت الی اللہ و بیان صبر واستقامت وحلم ودرگذر درراہ حق:

(ربط) گذشتہ آیات میں اہل ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام ومرتبہ ہے بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی اور یہ کہ عقل وفطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے، اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبر کی ضرورت ہے، یہ چیز کمال کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے مقابلے میں وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرز عمل سے برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا، بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہو تو اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے اس کو دور کیا جاسکتا ہے یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہوسکتی ہے، اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، ساتھ ہی خود انسان کے قلب ودماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات وخیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو وساوس شیطانیہ سے بچاؤ صرف اللہ رب العزت کی پناہ وحفاظت سے ہوتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہئے، تو فرمایا، اور اس سے بہتر کون شخص ہوسکتا ہے، اپنے قول ودعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے، اور خود نیکی کا کام کرتا رہے، اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں، مشرکین ومنکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں، ان کے سامنے بجائے مرعوب ومجوب ہونے کے فخر کے ساتھ کہے کہ: اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور اعلان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی، اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلاء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذاء رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ برابر نہیں ہے نیکی، برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے، ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے، نیکی کا انجام فلاح وکامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت وناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب

وسربلند ہوں گے۔ اور ان کے مقابلہ ومعارضہ کرنے والے معاند ذلیل وناکام ہوں گے۔ اے مخاطب تو اپنا ... یہ
بنالے کہ مدافعت کرتا رہ برائی کا ایسے طریقہ سے جو نہایت ہی خوبی کا ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تو دیکھے گا کہ تیرے اور
جس شخص کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا۔ ("کانہ" یعنی گویا کہ وہ تیرا دوست ہو رہا ہے یہ عنوان اس لحاظ سے ہے ... وہ
دشمن جس کے ساتھ تم نیکی کا برتاؤ کرو گے حقیقتاً دوست نہ بنے مگر بہر کیف اگر اس میں انسانی شرافت کا ادنیٰ سا بھی اثر ہے تو وہ
یقیناً معاملہ ایسا ہی کرنے لگے گا جیسا کہ دوست ہو۔)

گویا کہ تیرا نہایت ہی مخلص وہمدرد وقریبی دوست اور رشتہ دار ہے، اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی مگر صرف ان ہی لوگوں کو
جو اپنے اخلاق وکردار سے صابر ومستقل مزاج ہوں اور نہیں نصیب ہوتی یہ خصلت مگر ان لوگوں کو جو بڑے ہی نصیب والے ہیں
یہ طرز عمل تو اس وقت ہے جب دعوت الی اللہ اور راہ حق میں رکاوٹیں خارج سے پیش آئیں، اور اگر خود تیرے قلب ودماغ میں
شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو کر تجھ کو ڈگمگائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر، بیشک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے، وہ
پروردگار تیرے عمل واخلاص کو دیکھنے اور تیرے قول کو سننے کی وجہ سے تجھ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا، نہ خارجی عداوتیں تجھے
نقصان پہنچا سکیں گی اور نہ تیرے نفس کی داخلی رکاوٹ اور وسوسے تجھے ناکام بنا سکیں گے، اور اللہ کی نشانیوں سے تو رات اور دن
ہے اور سورج وچاند ہیں، جو اپنے انقلاب وتبدیلی سے ہر مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی حالت ایسی
نہیں کہ جو تبدیل نہ ہو، رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی نمودار ہو کر زبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب وعاجز
یا پریشان ومغموم شخص کو جو آلام وانکار کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا مایوس نہ ہونا چاہئے، اس کے انکار وپریشانیوں کی تاریکیاں
عنقریب کامیابی اور غلبہ کی صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی، قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کر اے لوگو کارخانہ عالم
کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کو پہچانو، ہرگز پرستش نہ کرو، سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خدا کے لیے سجدہ
کرو جس نے سورج وچاند کو پیدا کیا ہے، اگر تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے کیونکہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی
دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔ لہٰذا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مشرکین اپنے
معبودوں کی عبادت وپرستش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

بہر حال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے، پھر بھی اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت وتوحید سے تکبر کریں
اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اے ہمارے پیغمبر جو
فرشتے آپ کے رب کے نزدیک ہیں اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں وہ تو تسبیح وپاکی، بیان کرتے رہتے ہیں، اسی رب
کے لیے رات اور دن اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں تو جس خدا کی عظمت وبرتری کا یہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب وروز اس کی
حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ اور نہ اس کو کسی شب وروز اس کی حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں
اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں، اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے، وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے
مستغنی وبے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اولین وآخرین زندہ ومردہ جن وانس جاندار وبے جان چیزیں سب کی
سب سراپا تقویٰ ہو جائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا

پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر کے برابر کی نہیں کرسکتے۔

دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر وتحمل کے بہترین ثمرات:

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر وتشریح میں عجیب لطائف ونکات بیان فرمائے، یہ پورا مضمون حضرت اقدس ہی کی عبارت کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے۔

فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے وہ خاص عمل دعوت الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود ہے اور دو اس کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری،

ترجمہ آیت: ''کون شخص ہے زیادہ احسن از روئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلادے'' استفہام انکاری ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلادے، احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات ''دعوۃ الی اللہ'' ہے استفہام بقصد نفی ہے۔ سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے''۔ اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا، وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دیدے وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کونسی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اسی طرح اس دعوۃ الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہوگیا، گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

اَحْسَنُ قَوْلًا کی تحقیق:

سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے، وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولاً کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفضیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے، وَعَمِلَ صَالِحًا اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے، اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیہ قولا، میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں، مگر آداب ومکملات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے، یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ

صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوٰۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے، اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا تو صادق آتا ہے کیونکہ اس کے معنی قولہ احسن ہیں، یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قولا ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے کیا خلل پڑا، اس کا جواب بنص قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوت احسن ہے یا دعوت غیر احسن ہے۔ الدعوۃ الی اللہ ص ۱۲ تا ۱۳ الغرض احسنیت جب ہوگی کہ جہاں وعظ کی ساتھ عمل بھی ہوگا، اور جہاں نرا وعظ ہوگا اور عمل نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا، کیونکہ افعل التفضیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اوقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عجب بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاج کے لیے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں: قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ "من نیز از غلامان اویم"۔ کے حکم پر چلتا ہوں اور انني من مسلم نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ فرمایا تا کہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا، جاننا چاہئے کہ: اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ کے دو معنی ہوسکتے تھے، ایک دعویٰ وفخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوسکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے: " ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفر عنا سیئاتنا"۔ یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ فامنا پس ہم ایمان لائے، اے پروردگار بس بخش دیجئے ہمارے گناہ اور دور کردیجئے ہماری برائیاں دیکھئے یہاں "امنا" تواضع انکسار وافتقار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق وسباق صاف بتلا رہا ہے، اب دوسری آیت لیجئے جو اسی لفظ کو کبر وعجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے۔ " قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا"۔ یہاں بھی وہی آمنا ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے جس کا سبب وہی ہے کہ دعویٰ اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے، چنانچہ ارشاد ہے: " یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بالله یمن علیکم ان هداکم للایمان ان کنتم صادقین"۔ یعنی وہ لوگ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا، فرمادیجئے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچے ہو، غرض یہاں ان کا امنا کہنا دعویٰ اور فخر کے طور پر تھا۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کردی، اسی طرح یہاں بھی فرمادیا۔ " قال انني من المسلمین"۔ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو

اب کل تین چیزیں ہوئیں، ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دو اس کے تکمیل یعنی عمل صالح اور تواضع وافتقار واعتراف وفرمانبرداری۔ (الدعوت الی اللہ، ۲۹۔۳۰۰) وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو نہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجک یا شرم معلوم ہوا اور یہ شرم نہ قولاً اعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو، الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ ہی عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکساری اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہیے۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ، یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں یہاں سوال ہوتا ہے، کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق وسباق سے کیا مناسبت ہے، آگے ارشاد ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، یعنی مدافعت کیجئے اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کر بیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کروانے میں ضبط وصبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے یعنی ادفع السیئة بالحسنة، کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کردو پس اصل تعلق تو جملہ ''اِدْفَعْ'' کا ہے باقی ''لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ'' الخ، یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے: ''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ الخ ''۔ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست، مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا، تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو، تو دشمن دوست بن جائے گا، اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں، اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا، یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے شر وفساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدۂ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامة الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں فرمایا بلکہ: كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ فرمایا تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لوگے تو گو اس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جائے مگر دل پر وہ کینہ مضمر رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا، تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر وضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سیئہ بالحسنہ چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے

لیے فرماتے ہیں: وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا، اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر وثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔ یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے ''اعوذ باللہ'' پڑھ لیا کرو، مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دور کردے، اور صبر پر استقامت دے، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ بلاشبہ وہ سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کردیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے انتہی کلامہ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ ....

دعوت الی اللہ کے ساتھ چند دلائل سماویہ وارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول وعمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند، سورج اور آسمان وزمین کا عظیم الشان نظم ونسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے: وفی کل شیء لہ آیة تدل علی انہ واحد۔ انسان کو چاہیے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں، بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے اس پر بھی تنبیہ ہو کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں ردوبدل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی علو ہمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کایا پلٹ کردے اور تاریک فضا کو ایک روشن ماحول سے بدل دے۔

سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ ....

اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدہ تلاوت واجب ہے مقام سجدہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعودؓ پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی: اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۞ پر اور اسی کو امام مالک نے اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس دوسری آیت کے آخر یعنی لَا يَسْئَمُوْنَ ۞ پر

سجدہ کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فرمایا کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کریں۔ مسروق، ابو عبدالرحمٰن سلمی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ، جمہور فقہاء لَا يَسْئَمُوْنَ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کیا جائے کیونکہ اگر سجدہ پہلی آیت سے واجب ہو چکا ہے تو وہ اب ادا ہو جائے گا اور اگر اسی آیت سے واجب ہے تو اس کا ادا ہونا خود ظاہر ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ ....

یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل وخوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا۔ پھر اس کی تر وتازی رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو دعوت الی اللہ کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کرسکتا؟ بیشک وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی مانع ومزاحم نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ....

ملحدین ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں، جو چاہو کرلو اللہ دیکھتا ہے!

قرآن مجید سے نفع حاصل کرنے والے اہل ایمان ہیں اور دو جماعتیں ایسی ہیں جو قرآن کی دشمن ہیں ایک جماعت تو وہ ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہی نہیں یہ لوگ منکرین ہیں اور دوسری جماعت وہ ہے جو یوں نہیں کہتے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے لیکن ان کی دشمنی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قرآن کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کے مطابق آیات اور کلمات کا مطلب بتاتے ہیں یہ لوگ ملحدین ہیں جو قرآن میں کجروی نکالتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے الحاد کا یہی مطلب بتایا اور فرمایا یضعون الکلام فی غیر موضعہ یعنی آیات کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں متشابہات کے پیچھے پڑنا اپنی نکالی ہوئی بدعتوں اور خواہشوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنا یہ سب الحاد کی صورتیں ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ مسائل سلوک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں: ودخل فیہ غلاۃ الصوفیۃ نفیھم التفسیر المنقول واختراھم مایخالف الاصول یعنی اس میں غلو والے صوفی بھی داخل ہیں جو منقول تفسیر کی نفی کرتے ہیں اور اپنے پاس سے وہ چیزیں نکالتے ہیں جو اصول کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات میں کجروی اختیار کرتے ہیں ان کا حال ہم پر پوشیدہ نہیں ہے انہیں الحاد اور بے دینی کی سزا ملے گی۔ اس کے بعد فرمایا: اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ۔ قیامت کے دن دو قسم کے لوگ ہوں گے جو امن واطمینان کے ساتھ بے خوف ہوں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو حیرانی پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے پھر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اب بتانے والے بتائیں اور سمجھدار لوگ جواب دیں کہ جو شخص

دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو امن وچین اور اطمینان اور سکون سے قیامت کے دن حاضر ہوگا اور پھر جنت میں بھی اسی شان سے داخل ہوگا قیامت کے دن بھی سکون اور اطمینان اور اس کے بعد بھی امن وچین کے ساتھ خوش وخرم رہے گا۔ جعلنا اللّٰہ منہم

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ ....

قتادہ اور سدی نے فرمایا کہ باطل سے مراد شیطان ہے اور مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ یعنی نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، اس سے مراد تمام جوانب ہیں۔ مطلب یہ کہ شیطان کا کوئی تصرف وتدبیر اس کتاب میں نہیں چلتی کہ وہ اس کتاب میں کمی وبیشی یا کوئی تحریف کر سکے۔

تفسیر مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ شیطان اس جگہ عام ہے شیطان الجن ہو یا آدمی شیطان کسی کی تحریف وتبدیل قرآن میں نہیں چلتی جیسے بعض روافض نے قرآن میں دس پاروں کا، بعض نے خاص خاص آیات کا اضافہ کرنا چاہا مگر کسی کی بات نہ چلی۔

ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ لفظ باطل اپنے الفاظ کے اعتبار سے شیطان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر باطل ومبطل شیطان کی طرف سے ہو یا کسی دوسرے کی طرف سے، قرآن میں وہ نہیں چل سکتا۔ پھر بحوالہ طبری آیت کا یہ مفہوم بتلایا کہ کسی اہل باطل کی مجال نہیں کہ سامنے آکر اس کتاب میں کوئی تغیر وتبدل کرے اور نہ اس کی مجال ہے کہ پیچھے سے چھپ کر اس کے معانی میں تحریف اور الحاد کرے۔

طبری کی تفسیر اس مقام سے بہت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ قرآن میں الحاد وتحریف کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ کوئی اہل باطل کھلے طور پر قرآن میں کوئی کمی وبیشی کرنا چاہے اس کو تو مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ سے تعبیر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص بظاہر دعویٰ ایمان کا کرے، مگر چھپ کر تاویلات باطلہ کے ذریعہ قرآن کے معنی میں تحریف کرے، اس کو مِنْ خَلْفِهٖ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کے نزدیک ایسی عزیز وکریم ہے کہ نہ اس کے الفاظ میں کوئی کمی وبیشی اور تحریف وتبدیل پر کسی کو قدرت ہے اور نہ معانی میں تحریف کر کے قرآن کے احکام بدل دینے کی مجال ہے۔ جب کبھی کسی بدبخت نے اس کا ارادہ کیا وہ ہمیشہ رسوا ہوا۔ قرآن اس کی ناپاک تدبیر سے پاک صاف رہا۔ الفاظ میں تحریف وتبدیل کی راہ نہ ہونا تو ہر شخص دیکھتا سمجھتا ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے ساری دنیا میں پڑھا جاتا ہے۔ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ایک زیر زبر کی غلطی کسی سے ہوجائے تو بوڑھوں سے لے کر بچوں تک، عالموں سے لے کر جاہلوں تک لاکھوں مسلمان اس کی غلطی پکڑنے والے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ من خلفہ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کی حفاظت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وہ صرف الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کے معانی کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے۔ اس نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے بلاواسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرام کے ذریعہ معانی قرآن اور احکام قرآن کو بھی ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ کوئی ملحد بے دین اس میں تاویلات باطلہ کے ذریعہ تحریف کا ارادہ کرے تو ہر جگہ ہر زمانے میں ہزاروں علماء اس کی تردید کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ خائب وخاسر ہوتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ

آیت: وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں ضمیر لہ قرآن کی طرف راجع ہے اور قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ نظم و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

خلاصہ آیات مذکورہ کے مضمون کا یہ ہو گیا کہ جو لوگ بظاہر مسلمان ہیں، اس لیے کھل کر قرآن کا انکار تو نہیں کرتے مگر آیات قرآنی میں تاویلات باطلہ سے کام لے کر ان کو ایسے مطلب پر محمول کرتے ہیں جو قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی قطعی تصریحات کے خلاف ہے۔ ان کی تحریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے معانی کسی کے چل نہیں سکتے۔ قرآن وحدیث کی دوسری نصوص اور علماء امت اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق قیامت تک مسلمانوں میں ایسی جماعت قائم رہے گی جو تحریف کرنے والوں کی تحریف کا پردہ چاک کر کے قرآن کے صحیح مفہوم کو واضح کر دے۔ اور دنیا سے وہ اپنے کفر کو کیسا ہی چھپائیں اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش سے باخبر ہے تو ان کو اس کی سزا ملنا بھی ضروری ہے۔ (معارف مفتی شفیع)

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ....

پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان:

سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کو اے پیغمبر! اپنی قوم کی طرف سے جس طعن و تشنیع اور ایذا رسانی کا سامنا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے کے انبیائے کرام سے بھی ایسے ہی ہوتا رہا ہے اور ان کو بھی اپنی کافر قوموں کی طرف سے اسی طرح کی باتیں سننا پڑی ہیں۔ اور ان کو بھی ویسی ہی ایذا رسانیوں سے سابقہ و واسطہ پڑا جیسا کہ آج آپ ﷺ کو پڑ رہا ہے۔ لہٰذا آپ بھی ویسے ہی صبر و استقامت ہی سے کام لیں جیسا کہ انہوں نے صبر سے کام لیا۔ {فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ} (الاحقاف:35) اور دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان کیا گیا ہے اور کلمات کریمہ کے عموم میں اس کی بھی گنجائش بہر حال موجود ہے کہ جو کچھ آج آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے یعنی اپنے رب کی جانب سے۔ سو یہ وہی کلام و پیام ہے جو سابقہ انبیاء و رسل سے کہا جا چکا ہے اور آپ ﷺ کو بھی وہی احکام دیئے جا رہے ہیں جو آپ سے پہلے انبیائے کرام کو دیئے گئے ہیں کہ اصول کے اعتبار سے تمام شریعتیں آپس میں متحد و متفق تھیں اور ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ {اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ} (النساء: 163) اور متعدد صحیح احادیث میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جبکہ پہلے مفہوم کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ {كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ} (الذاریات:53) بہر کیف اس میں حضرت امام الانبیاء محمد ﷺ کیلئے اور آپ ﷺ کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر داعی کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ اہل حق کے مقابلے میں اہل باطل کا ردیہ ہمیشہ ایسے ہی رہا۔ پس اس سے کبھی نہ ہمت ہارنی چاہیے اور نہ حوصلہ چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ صبر و استقامت ہی سے کام لینا چاہیے۔

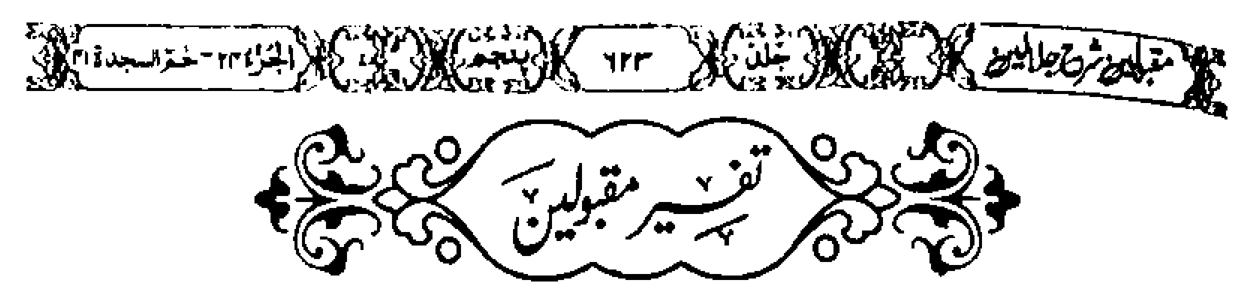
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا ....

منکرین کی کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ اور مظہر:

سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم اس کو کوئی عجمی قرآن بنا دیتے تو اس وقت یہ لوگ یوں کہتے کہ کیوں نہ کھول کر بیان کر دیا گیا اس کی آیتوں کو۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ کتاب تو ہو عجمی اور رسول عربی؟ یعنی اب تو یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ رسول بھی عربی اور قرآن بھی عربی۔ کیا پتہ یہ رسول خود ہی لکھ کر لا رہے ہوں۔ ہم جب مانتے کہ یہ خود عربی ہوتے اور قرآن کو کسی اور زبان میں پیش کرتے۔ حالانکہ دستور ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ہر نبی نے اپنی زبان میں ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ {وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ} (ابراہیم:4) اور پھر اس قرآن مجید کا اعجاز جس کے یہ لوگ اپنی قابل فخر زبان دانی کے باوجود خود قائل و معترف ہیں وہ اس کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کا یہ کہنا محض کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجمی زبان میں ہی اتار دیتے تو انہوں نے پھر بھی نہیں ماننا تھا بلکہ اس وقت یہ لوگ یوں کہتے کہ یہ کیا تک ہے کہ نبی تو ہو عربی اور قرآن عجمی۔ غرض جب نہ ماننا ہو تو اس کے لیے حیلوں بہانوں اور کٹ حجتیوں کی کمی نہیں۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے ایسے اعتراضات محض کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر تھے جس کا کوئی علاج نہیں۔ کیونکہ ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج نہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ كَالْقُرْاٰنِ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ فِي الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ اِنَّهُمْ اَيِ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مُوْقِعُ الرِّيْبَةِ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عَمِلَ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ اَيْ فَضَرَرُ اِسَاءَتِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہوا قرآن کی طرح تکذیب و تصدیق کی گئی اور اگر ایک بات نہ ہوتی آپ کے رب کی طرف سے جو طے ہو چکی ہے قیامت تک مخلوق کے حساب اور بدلہ کے متعلق تو دنیا ہی میں ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ قرآن کو جھٹلانے والے ایسے شک میں ہیں جس نے انکو تردد میں ڈال رکھا ہے جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو شخص بدی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے یعنی اس کی بدی کا نقصان اس کی ذات پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے یعنی ظالم اللہ کے قول: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کی رو سے۔



وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ۔۔۔۔

اوپر ذکر تھا کہ مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتوں کے سننے اور ان کے مطلب کے سمجھنے میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کرتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں تورات اور یہود کی پھوٹ اور ٹیڑھی باتوں کا ذکر فرمایا تا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تسلی ہو جائے کہ مشرکین مکہ کی یہ حالت کچھ نئی نہیں ہے یہود کی بھی یہی حالت ہے سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ جب یہود نے تورات کے موافق عمل کرنے میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کیں تو ان کو ڈرایا گیا کہ ان پر طور پہاڑ پٹخ دیا جائے گا اس ڈر سے انہوں نے وہ ٹیڑھی باتیں چھوڑیں یہود کی ایسی اور مثالیں بھی قرآن شریف میں ہیں صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود سے اور صحیح مسلم میں رافع بن خدیج سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حنین کی غنیمت کا مال جب اللہ کے رسول ﷺ تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا یہ تقسیم انصاف کے موافق نہیں ہے آپ نے جس وقت یہ بات سنی تو فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کرے کہ وہ اس سے زیادہ ستائے گئے ہیں۔ ان روایتوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کو کہاں تک ستایا ہے آگے فرمایا کہ اگر کارخانہ الٰہی میں ہر کام کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان قرآن کی آیتوں کے جھٹلانے والوں پر اب تک کوئی آفت ضرور آ جاتی، پھر فرمایا ان مشرکوں کے پاس شرک کی کوئی سند نہیں ہے اس واسطے یہ لوگ ایسے ناپائیدار شک اور دھوکہ کی حالت میں ہیں کہ کوئی بات ان کی پختہ طور پر نہیں راحت کے وقت مشرک بن جاتے ہیں اور مصیبت کے وقت خالص اللہ سے مصیبت کے ٹل جانے کی التجا کرتے ہیں سورۂ عنکبوت میں ان مشرکوں کی یہ حالت گزر چکی ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت کشتی کے ڈوب جانے کے خوف سے اپنے بتوں کو یہ لوگ بھول جاتے اور خالص اللہ سے مدد چاہنے لگتے تھے۔ پھر فرمایا ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے جو کوئی ان میں سے راہ راست پر آ کر نیک کام کرے گا تو اچھے سے اچھا نیکی کا بدلہ اس کو ملے گا اور جو کوئی بدی کی حالت پر مر جائے گا تو سزا پائے گا کیونکہ بارگاہِ الٰہی میں کچھ ظلم نہیں ہے بلکہ ہر ایک فیصلہ انصاف کا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذر کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس حدیث سے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۞ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جہاں مشرکین مکہ کی اور مسخراپن کی باتیں تھیں وہاں مسخراپن کے طور پر یہ لوگ اکثر قیامت کا حال پوچھا کرتے تھے کہ جس قیامت کے دن کی سزا سے ڈرایا جاتا ہے آخر وہ کب آئے گی مشرکوں کی اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ قیامت کے آنے کا وقت میووں کا درختوں کے غلافوں میں نکلنے کا وقت عورت کے حاملہ ہونے اور بچہ کے پیدا ہونے کا وقت یہ اللہ تعالیٰ کی علم غیب کی باتیں ہیں اس لیے اللہ کے رسول سے گھڑی گھڑی قیامت کے آنے کا وقت پوچھنا بے فائدہ ہے پھر فرمایا کہ وہ تمہارے جھوٹے معبود کہاں ہیں ان کو بلاؤ کہ تم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیں تو ان لوگوں کو سوائے اس کے اور کوئی صورت عذاب سے رہائی کی نظر نہ آئے گی کہ یہ لوگ شرک سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بالکل بھول جائیں گے مگر اس وقت کی یہ باتیں ان لوگوں کے کچھ کام نہ آئیں مسند

امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد اچھے شخص کو جنت کا ٹھکانا اور برے شخص کو دوزخ کا ٹھکانہ اللہ کے فرشتے دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے کے لیے تجھ کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا ابوداؤد، مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن العازب کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ہر شخص دوزخ میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر ایسے ڈر جاتا ہے کہ قیامت کے نہ آنے کی ہمیشہ دعا مانگتا رہتا ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ مشرکین مکہ دنیا میں تو مسخرا پن سے قیامت کے آنے کی جلدی کرتے ہیں دنیا کی تھوڑی سی زندگی کے بعد مرنے کے ساتھ ہی قیامت کا نتیجہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا اور اس نتیجہ سے ایسے ڈر گئے کہ اب قیامت کے نہ آنے کی دعا مانگ رہے ہوں گے اور قیامت تک مانگتے رہیں گے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ....

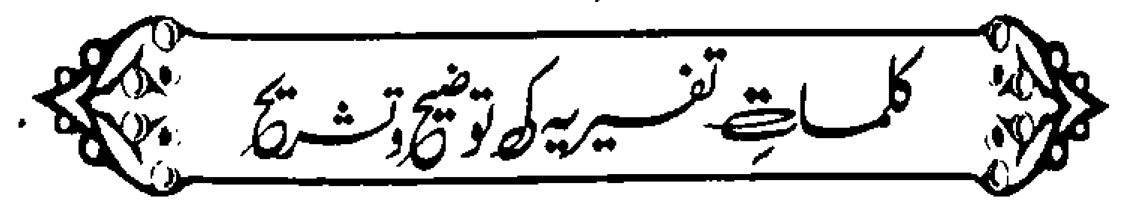
اللہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں کرتا:

ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ کوئی ظلم کرے اپنے بندوں پر۔ یعنی بِظَلَّامٍ مبالغے کا صیغہ یہاں پر کثرت متعلقین یعنی لِلْعَبِيْدِ۝ کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ ورنہ اللہ پاک تو اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی کوئی ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: {اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ} (النساء:40) پس نہ تو وہ کسی کو جرم کے بغیر کوئی سزا دیتا ہے بلکہ بہت سے گناہوں کو تو وہ یونہی معاف کرتا اور ان سے درگزر فرماتا جاتا ہے۔ {وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ} (الشوریٰ:24) اور نہ ہی وہ جرم سے زیادہ کسی کو سزا دیتا ہے اور نہ ہی ثبوت وشہادت کے بغیر کسی کو سزا دیتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ انسان نیکی اور بدی کا جو بھی کوئی کام کرتا ہے اسکا نفع یا نقصان خود اسی کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔ جس کا جو عمل ہوگا اس کے آثار ونتائج وہ اس کے سامنے رکھ دے گا۔ سو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کیلئے کوشش کی جارہی ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگوں کی ہلاکت کے بغیر اس قادر مطلق اور غنی مطلق وحدہ لاشریک کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے بلکہ یہ سب کوشش اور دوڑ بھاگ خود لوگوں کے بھلے اور فائدے کیلئے ہے۔ وہ خدائے رحمٰن یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی پکڑ سے بچ جائیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور اس کے عذاب سے بچ کر اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتٰى تَكُوْنُ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ وَفِي قِرَاءَةٍ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا
أَوْعِيَتِهَا جَمْعُ كِمٍّ بِكَسْرِ الْكَافِ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ أَيْنَ
شُرَكَاءِيْ قَالُوْا آذَنّٰكَ مَا أَيْ أَعْلَمْنَاكَ الْآنَ مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝ أَيْ شَاهِدٍ بِأَنَّ لَكَ شَرِيْكًا وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ
مَا كَانُوْا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْأَصْنَامِ وَظَنُّوْا أَيْقَنُوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ مَهْرَبٍ مِنَ
الْعَذَابِ وَالنَّفْيُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيْلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ لَا يَسْئَمُ
الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ أَيْ لَا يَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهُ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَإِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ
فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ۝ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهُ فِي الْكَافِرِيْنَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ أَذَقْنٰهُ آتَيْنَاهُ رَحْمَةً غِنًى
وَصِحَّةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ أَيْ بِعَمَلِيْ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ
لَامُ قَسَمٍ رُّجِعْتُ إِلٰى رَبِّيْ إِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى أَيِ الْجَنَّةُ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ شَدِيْدٍ وَاللَّامُ فِي الْفِعْلَيْنِ لَامُ قَسَمٍ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ الْجِنْسِ أَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَ
نَا بِجَانِبِهِ ثَنٰى عِطْفَهُ مُتَبَخْتِرًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْهَمْزَةِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِيْضٍ ۝ كَثِيْرٍ قُلْ
أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ أَيِ الْقُرْآنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَيْ لَا
أَحَدَ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِيْدٍ ۝ عَنِ الْحَقِّ أَوْقَعَ هٰذَا مَوْقِعَ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سَنُرِيْهِمْ
آيٰتِنَا فِي الْآفَاقِ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مِنَ النَّيِّرَاتِ وَالنَّبَاتِ وَالْأَشْجَارِ وَفِيْ أَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيْفِ
الصَّنْعَةِ وَبَدِيْعِ الْحِكْمَةِ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ أَيِ الْقُرْآنُ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ
وَالْعِقَابِ فَيُعَاقَبُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهِ وَبِالْجَائِيْ بِهِ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلُ يَكْفِ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ۝ بَدَلٌ مِنْهُ أَيْ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ فِيْ صِدْقِكَ أَنَّ رَبَّكَ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ مَا أَلَا إِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْ
لِقَاءِ رَبِّهِمْ لِإِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ أَلَا إِنَّهُ تَعَالٰى بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ عِلْمًا وَقُدْرَةً فَيُجَازِيْهِمْ بِكُفْرِهِمْ

تَرْجَمَہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور کوئی
پھل اپنے خول سے باہر نہیں آتا ایک قراءت میں ثمرات ہے۔ اکمام، کم بکسر القاف کی جمع ہے بمعنی برتن، اللہ ہی کے علم سے

نکلتا ہے اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن اللہ ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں اب درخواست گزار ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویدار نہیں ہے۔یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی بھی مدعی نہیں ہے اور وہ سب غائب لاپتہ ہو جائیں گے جن جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے پہلے سے دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت اور یہ لوگ سمجھ لیں گے ان کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے عذاب سے چھٹکارہ، پس و مالنا اور و مالھم میں دونوں جگہ نفی لفظوں میں عمل نہیں کر رہی ہے اور بعض کے نزدیک جملہ نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے انسان کا جی نہیں اکتاتا ترقی کی خواہش سے یعنی اللہ سے ہمیشہ مال و دولت، صحت و تندرستی مانگتا رہتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف نقر و تنگی پہونچتی ہے تو نا اُمید اور ہراساں ہو جاتا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں اور اگر لام قسمیہ ہے ہم چکھادیں عطا کر دیں مزہ اپنی مہربانی خوشحالی اور تندرستی کا اس تکلیف مشقت اور آزمائش کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہنے لگتا ہے کہ یہ میرے لیے میرے کارناموں کی وجہ سے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والی خیال نہیں کرتا اور اگر لام قسمیہ ہے اپنے پروردگار کے پاس پہونچایا بھی گیا تو میرے لئے وہاں بھی بہترین جنت ہے سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کو توت ضرور بتلادیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے اور جب ہم انسان کو کوئی بھی آدمی ہو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے شکر بجالانے سے اور کروٹ لے لیتا ہے اتراتے ہوئے پہلوتہی کرنے لگتا ہے ایک قراءت میں نا کا ہمزہ پہلے ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی بکثرت دعائیں کرنے لگتا ہے آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ قرآن اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ ہے پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا یعنی کوئی نہیں جو مخالفت اختلاف میں پڑا ہو دور دراز کی حق سے، بعید ممن ھو الخ بجائے منکم کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی آسمانوں اور زمینوں کے گرد و نواح کی جیسے چاند، سورج، ستارے، گھاس پھونس، درخت اور خود ان کی ذات میں بھی یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ یعنی قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے قیامت، حساب، عذاب کا بیان لایا ہے۔لہٰذا ان باتوں کے اور ان کی پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے۔یکف کا فاعل بربک ہے کہ وہ ہر چیز کا مشاہد ہے یہ جملہ بربک کا بدل ہے یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لیے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے یادرکھو کہ لوگ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پرورگار کے روبرو جانے سے قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے یادرکھو کہ وہ اللہ ہر چیز کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے علم و قدرت کے لحاظ سے اس لئے وہ ان کو سزا دے گا ان کے کفر کی۔



قوله: ثَمَرَاتٍ: یہاں جمع انواع کے اختلاف کے لحاظ سے ہے۔

قوله: جَمْعُ كِمٍّ : کھجور کے گابھے کا غلاف اور کلی کو ڈھانپنے والا پردہ۔

قوله: فِي الْمَوْضَعَيْنِ :آذناک اور دوسرا و ظنوا مالهم۔ اذنا۔ یہ اعلم کے معنی میں افعال قلوب سے ہے۔

قوله: مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ :افعال قلوب میں تعلیق ان کے عمل کو باطل کر دیتی ہے۔ البتہ معنوی عمل باقی رہتا ہے جب کہ یہ استفہام، نفی یا لام ابتداء سے پہلے آجائیں۔

قوله: بِجَانِبِهٖ :جانب یہ نفس سے مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

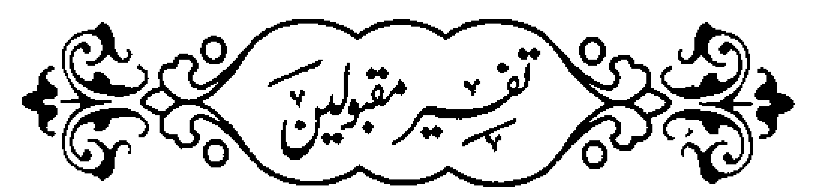
قوله: ثَنِیْ عِطْفِهٖ :وہ اپنے پہلو کو موڑتا ہے۔

قوله: نای: دور ہونا۔

قوله: كَثِيْرٍ :عریض کے معنی کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

قوله: فَاعِلَ يكف: با تاکید کے لیے زائدہ ہے گویا اس طرح فرمایا کیا اللہ تعالیٰ پر ان کو کفایت حاصل نہیں ہوئی۔

قوله: لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَیْءٌ :اس سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ تمہارے اور ان کے احوال سے واقف ہے۔



اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ....

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس دن مشرکین کی حیرانی و بربادی:

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ عالی کے سوا کسی کو نہیں، سورالاعراف میں فرمایا: (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ) وہ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقعہ ہونا، آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی۔ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کیے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایئے وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: (ماالمسول عنها باعلم من السائل) کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای اذا سئل عنها قیل الله تعالی یعلم اولا یعلمها الا الله عزوجل۔ یعنی جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جائے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا کہا جائے اسے نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہی۔

اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں اولاً ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف

سے باہر آ جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں میرے شرکاء بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے:(واللہ ربنا ما کنا مشرکین) اور جب سمجھ لیں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے (ھو لاء الذین کنا ندعوا من دونك) کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے: وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۞ اور یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے بھاگنے کا کوئی موقع نہیں۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ....

انسان کی تنگ ظرفی کا ایک نمونہ ومظہر:

ارشاد فرمایا گیا کہ انسان بھلائی مانگتے نہیں تھکتا۔ جیسے مال و دولت، حکومت و اقتدار اور روپیہ پیسہ وغیرہ کہ ان چیزوں کے مانگنے اور چاہنے سے یہ نہ کبھی سیر ہوتا ہے اور نہ اس کی آنکھ بھرتی ہے۔ اور نہ کسی سٹیج اور کسی مرحلے پر یہ اس سے دستکش ہوتا ہے- الا ماشاء اللہ- عام طور پر مفسرین کرام اس آیت کریمہ کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر اور متبادر بھی یہی ہے۔ لیکن یہ بات تجربے اور مشاہدے کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ عام تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ اس طرح کے بہکے بھٹکے اور بگڑے ہوئے لوگوں کا سفینہ جب تک رواں دواں ہوتا ہے یہ کبھی خدائے پاک کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ بلکہ اپنی عیش و عشرت اور اپنی لن ترانیوں میں مست اور محو و مگن رہتے ہیں۔ البتہ جب ان کی کشتی کسی بھنور میں پھنستی ہے تو انکو خدا یاد آتا ہے۔ اور اس وقت یہ خود بھی بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتے ہیں اور دوسروں سے بھی ایسی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ لیکن جب کشتی بھنور سے باہر آ جاتی ہے تو اس وقت یہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور طرح طرح کی باتیں بناتے اور شرکیات کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر مصیبت ذرا دراز ہوگئی تو یہ مایوس اور نا امید ہو کر رہ جاتے ہیں اور اپنی آس توڑ دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ یونس آیت نمبر 12 اور آیت نمبر 22 اور 23 اور سورۃ لقمان آیت نمبر 32 وغیرہ مختلف مقامات پر اس کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ سو یہ انسان بڑا ہی تنگ ظرف واقع ہوا ہے- اللہ تعالیٰ تنگ ظرفی اور ناشکری سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۞

تنگ ظرف انسان کا حال مصیبت کے موقع پر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ مایوس ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بیماری آ گئی۔ مال و دولت میں کوئی نقصان ہو گیا وغیرہ وغیرہ - والعیاذ باللہ - سو ایمان ویقین کی دولت سے محروم اور مادۂ ومعدہ کے پیچھے چلنے والے انسان کی نفسیات ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کل بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ یہ دنیا دوں اور اس کے مادی فوائد ومصالح ہی اس کا منتہاء مقصود اور اصل متاع ہیں۔ یہ انہی کے لیے جیتا اور انہی کے لیے مرتا ہے۔ جبکہ مؤمن صادق کے نزدیک یہ پوری دنیا بھی پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھتی - سبحان اللہ! - کتنا بڑا فرق ہے ان دونوں قسم کے انسانوں کے درمیان اور کس قدر رفعت و عظمت والی شان ہے بندۂ مؤمن کی شان بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے تنگ ظرف انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو یہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے اور بڑے بڑے پختہ عہد کرتا ہے کہ اگر اس گرفت وپکڑ سے نجات مل جائے تو میں اپنے رب کا بڑا شکر گزار بندہ بن جاؤنگا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً....

تنگ ظرف انسان کا منتہائے مقصود متاع دنیا اور بس:

اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ تنگ نظر اور مادہ پرست انسان کا منتہائے مقصود متاع دنیا ہے اور بس۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی کسی انسان کو ملتا ہے وہ محض چکھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ اول تو اس لیے کہ وہ جتنا بھی کچھ ہو اس دنیا میں سے کچھ اور اس کا ایک معمولی حصہ ہی ہوتا ہے۔ اور وہ بھی عارضی طور پر اور ایک محدود فرصت کے لیے۔ جبکہ یہ دنیا پوری بھی آخرت کی ابدی اور حقیقی نعمتوں کے مقابلے میں پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ پھر کتنا بدنصیب اور کس قدر محروم القسمت ہے وہ انسان جو اس دنیا کے ان معمولی اور عارضی فائدوں پر قانع ہو کر آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی نعیم مقیم کو بھول جائے - بہر کیف اس سے دنیاوی مال ومتاع کی بے حقیقتی واضح ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ بہر حال ایسے ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک دیگ سے کچھ دانے چکھنے کے لیے لیے جائیں۔ سو دیگ کے ان چند دانوں پر مست ہو جانا پرلے درجے کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ آخرت کی نعمتیں اصل اور حقیقی بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی اور دیرپا بھی - { وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى } دنیا سے کہیں بڑھ کر بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی۔ سو دنیا کے چند روزہ فائدوں پر قانع ہو کر آخرت کو بھول جانا بڑا ہولناک خسارہ ہے۔

نیز تکلیف کے بعد جب اس کو کوئی رحمت ملتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے۔ یعنی میں اس کا حقدار اور اس قابل تھا کہ یہ نعمت مجھے ہی ملتی۔ اور میں نے یہ اپنی لیاقت وقابلیت اور وہشیاری و چالاکی کی بنا پر حاصل کی ہے۔ اور یہ میرے پاس ہمیشہ رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ ابنائے دنیا کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے۔ جبکہ مؤمن صادق کی شان اس سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی ہر حالت خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے ایمان ویقین کی دولت سے محروم تنگ ظرف اور کوتاہ نظر انسان کے اس غلط پندار کو آشکارا فرمایا گیا ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی

فضل و کرم سے نوازتا ہے تو یہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھنے کی بجائے اپنی لیاقت اور قابلیت کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح ایسا انسان حضرت واہب مطلق - جل و علا شانہ - کا شکر ادا کرنے کے شرف سے محروم ہو جاتا ہے جو کہ ایک بڑا ہولناک خسارہ ہے- سو ایمان و یقین کی دولت ہر خوبی و خیر کی اصل اور اساس ہے جبکہ اس سے محرومی - ہر خیر سے محرومی ہے- اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے- آمین ثم آمین۔

متاع دنیا کا ایک خطرناک پہلو:

اس ارشاد سے دنیاوی مال و دولت کا ایک بڑا خطرناک پہلو سامنے آتا ہے کہ اس سے اہل باطل اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح وہ حق سے مزید دور اور محروم ہونے لگتے ہیں کہ ایسا انسان اپنے متاع دنیا کی بنا پر کہنے لگتا ہے کہ میں حق پر ہوں کہ جب مجھے دنیا میں یہ اور یہ کچھ ملا ہوا ہے تو میں ٹھیک ہوں اور میرا راستہ ہی صحیح ہے۔ سو دنیاوی مال و دولت اور مادی ترقی و عروج کا یہ پہلو بہت خطرناک اور بذات خود ایک عذاب اور دائمی محرومی کا پیش خیمہ ہوتا ہے کہ اس طرح اہل باطل اپنے معاملہ کو صحیح سمجھتے ہوئے نور حق و صداقت سے اور زیادہ دور اور محروم ہوتے چلے جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا اور حقیقی خسارہ ہے- جبکہ نصوص کتاب و سنت کے مطابق نہ دنیاوی مال و دولت کا مل جانا کسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقبول ہونے کی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کا نہ ملنا اس کے یہاں مردود و مطرود ہونے کی علامت۔ بلکہ یہ سب کچھ دراصل انسانی ابتلاء و آزمائش کے لیے مختلف پرچوں کی طرح ہوتا ہے جس کو انسان نے اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق و کردار کے ذریعے حل کرنا ہوتا ہے۔ جس کا صلہ و بدلہ اس کو آخرت کی اپنی دائمی اور ابدی زندگی میں پانا ہوتا ہے- ان خیرًا فخیرًا وان شرا فشرًا - سو اصل دولت دین و ایمان کی دولت ہے نہ کہ دنیاوی اور مادی مال و دولت۔ پس کسی کو دنیاوی مال و دولت کی بنا پر کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے- ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾ -

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ....

یہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم مادہ پرست انسان کی تنگ ظرفی اور اس کی نفسیات کے ایک اور مظہر کا ذکر و بیان ہے کہ جب اس کو دنیائے دوں کی کوئی نعمت ملتی ہے تو یہ اس پر اکڑ جاتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے کوئی تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو یہ ٹائیں ٹائیں فش ہو کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے اور ہزار ہزار دانے کی تسبیح رولنے لگتا ہے۔ کل بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے کہ اس کے نزدیک یہ دنیا اور اس کی نعمت و تکلیف ہی سب کچھ ہے- جبکہ مؤمن صادق کی شان نعمت اور تکلیف کی ان دونوں حالتوں میں اس سے یکسر مختلف اور اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے کہ وہ نعمت ملنے پر سراپا سپاس بن کر دل و جان سے اپنے خالق و مالک کا شکر بجا لاتا اور اس کے حضور جھک جاتا ہے۔ اور تکلیف و مصیبت آنے پر وہ اجر و ثواب کی نیت سے صبر و برداشت سے کام لیتا ہے۔ اس طرح اس کی نعمت بھی اس کے لیے خیر بن جاتی ہے اور اس کی تکلیف اور مصیبت بھی۔ سو ایمان و یقین کی دولت سب خوبیوں اور جملہ کمالات کی اصل اصیل اور اساس متین ہے۔ اور اس سے محرومی

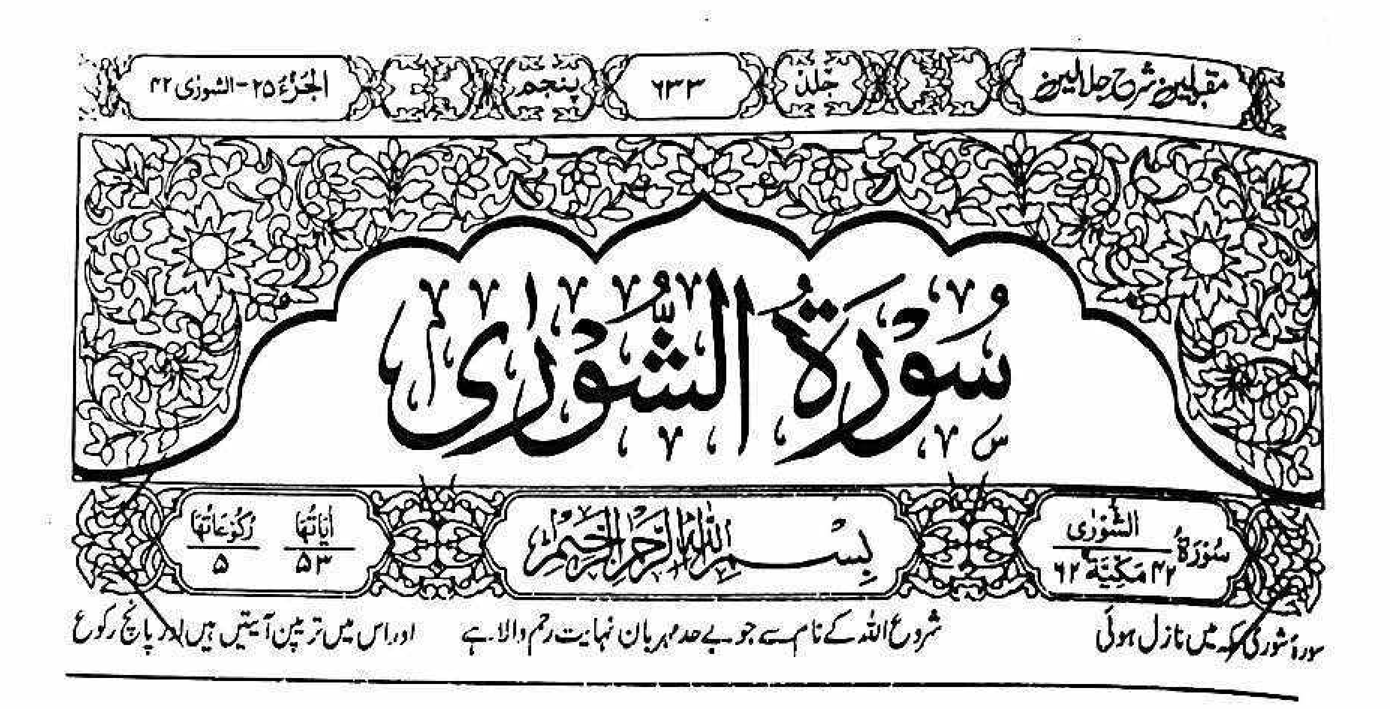
سب خرابیوں اور تمام مفاسد ومہالک کی جڑ بنیاد- والعیاذ باللہ- بہر کیف اس سے ایسے تنگ ظرف اور کوتاہ نظر انسان کے اعراض واستکبار کا ایک مظہر ونمونہ پیش فرمایا گیا ہے کہ ایسے سفلہ لوگوں کو جب ہم کسی انعام سے نوازتے ہیں تو ایسے لوگ غرور و استکبار میں مبتلا ہو کر ہم سے اعراض کرتے اور منہ موڑ لیتے ہیں۔اور اگر یہ ہماری کسی گرفت میں آ جائیں تو یہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔سو انکے اس طنطنے کی کوئی اساس وبنیاد نہیں بلکہ ایسے تنگ ظرف لوگ ذرا میں بہک جانے والے اور ذرا ہی میں بلبلا اٹھنے والے لوگ ہوتے ہیں- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ....

قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور نکل گیا ہو پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور خصلتیں انہیں ان کے گردونواح میں دنیا کے چاروں طرف دکھا دیں گے۔مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے۔تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان میں موجود ہوں گی۔کافر لوگ تعداد اور شان وشوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیروزبر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الٰہی کی ہزارہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں اس کی صنعت وبناوٹ اس کی ترکیب ذجبلت اس کے جداگانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ روپ وغیرہ اس کے خالق وصانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں پھر اس کا ہیر پھیر کبھی کوئی حالت کبھی کوئی حالت۔بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری، تندرستی، تنگی، فراخی رنج وراحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔شیخ ابوجعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کافی ہے وہ اپنے بندوں کے اقوال وافعال سے بخوبی واقف ہے۔جب وہ فرما رہا ہے کہ پیغمبر صاحب ﷺ سچے ہیں تو پھر تمہیں کیا شک؟ جیسے ارشاد ہے: (لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (النساء:166) یعنی لیکن اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جس کو تمہارے پاس بھیجی ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمائی ہے خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں اسی لیے بے فکر ہیں نیکیوں سے غافل ہیں برائیوں سے بچتے نہیں۔حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگو میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لیے جمع نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ سنا دوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور

اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچ جانتا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی دہشت ناک حالتوں سے غافل ہے اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں پھر اپنے آپ کو اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے لہو ولعب غفلت و شہوت گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیام قیامت کے قریب ہو رہا ہے واللہ اعلم۔ پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ و بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے قیام قیامت اس پر بالکل سہل ہے، ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ تھام نہیں سکتا جو اس نے چاہا ہوا جو چاہے گا ہو کر رہے گا اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں ہے نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کی کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے۔



سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی ۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ اور اس میں ترپن آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ كَذٰلِكَ اَیْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِیْحَاءِ یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ
اللّٰهُ فَاعِلُ الْاِیْحَاءِ الْعَزِیْزُ فِیْ مُلْكِهٖ الْحَكِیْمُ ۝٣ فِیْ صُنْعِهٖ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۭ مِلْكًا وَ خَلْقًا
وَعَبِیْدًا وَهُوَ الْعَلِیُّ عَلٰى خَلْقِهٖ الْعَظِیْمُ ۝٤ اَلْكَبِیْرُ تَكَادُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ بِالنُّوْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ
بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِیْدِ مِنْ فَوْقِهِنَّ اَیْ تَنْشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِیْ تَلِیْهَا مِنْ عَظَمَتِهٖ تَعَالٰی وَالْمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اَیْ مُلَابِسِیْنَ لِلْحَمْدِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ۭ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ
لِاَوْلِیَائِهٖ الرَّحِیْمُ ۝٥ بِهِمْ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَیِ الْاَصْنَامَ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ مُحْصٍ عَلَیْهِمْ ۖ
لِیُجَازِیَهُمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝٦ تُحَصِّلُ الْمَطْلُوْبَ مِنْهُمْ مَا عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ وَكَذٰلِكَ مِثْلَ ذٰلِكَ
الْاِیْحَاءِ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ تُخَوِّفَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرَ النَّاسِ وَتُنْذِرَ
النَّاسَ یَوْمَ الْجَمْعِ اَیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُجْمَعُ فِیْهِ الْخَلْقُ لَا رَیْبَ شَكَّ فِیْهِ ۭ فَرِیْقٌ مِنْهُمْ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی
السَّعِیْرِ ۝٧ النَّارِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَیْ عَلٰی دِیْنٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْاِسْلَامُ لٰكِنْ یُّدْخِلُ مَنْ
یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ الْكَافِرُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝٨ یَدْفَعُ عَنْهُمُ الْعَذَابَ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَیِ الْاَصْنَامَ اَوْلِیَآءَ ۚ اَمْ مُنْقَطِعَةٌ بِمَعْنٰی بَلِ الَّتِیْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ اَیْ لَیْسَ الْمُتَّخِذُوْنَ اَوْلِیَاءَ فَاللّٰهُ
هُوَ الْوَلِیُّ اَیِ النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْفَاءُ لِمُجَرَّدِ الْعَطْفِ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ۡ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝٩ وَمَا ع ۹ ۲
اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الدِّیْنِ وَغَیْرِهٖ فَحُكْمُهٗٓ مَرْدُوْدٌ اِلَى اللّٰهِ ۭ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ

قُلْ لَهُمْ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿١٠﴾ اَرْجِعُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مُبْدِعُهُمَا جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا يَذْرَؤُكُمْ بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيْهِ ۭ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُوْرِ اَيْ يُكَثِّرُكُمْ بِسَبَبِهِ بِالتَّوَالُدِ وَالضَّمِيْرُ لِلْاَنَاسِيِّ وَالْاَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ اَلْكَافُ زَائِدَةٌ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَا مِثْلَ لَهٗ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾ بِمَا يُفْعَلُ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَيْ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ ۭ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا هُوَ اَوَّلُ اَنْبِيَاءِ الشَّرِيْعَةِ وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ هٰذَا هُوَ الْمَشْرُوْعُ الْمُوْصٰى بِهٖ وَالْمُوْحٰى اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ كَبُرَ عَظُمَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ مِنَ التَّوْحِيْدِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ اِلَى التَّوْحِيْدِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ يُقْبِلُ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اَيْ اَهْلُ الْاَدْيَانِ فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيْدِ بَغْيًۢا مِنَ الْكَافِرِيْنَ بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاْخِيْرِ الْجَزَاءِ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ بِتَعْذِيْبِ الْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾ مُوْقِعِ الرِّيْبَةِ فَلِذٰلِكَ التَّوْحِيْدِ فَادْعُ ۚ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمْ عَلَيْهِ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ فِيْ تَرْكِهٖ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ اَيْ بِاَنْ اَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ فِي الْحُكْمِ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ فَكُلٌّ يُجَازٰى بِعَمَلِهٖ لَا حُجَّةَ خُصُوْمَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ فِي الْمَعَادِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ اَلْمَرْجِعُ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِيْ دِيْنِ فِي اللّٰهِ نَبِيِّهٖ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ بِالْاِيْمَانِ لِظُهُوْرِ مُعْجِزَتِهٖ وَهُمُ الْيَهُوْدُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ بَاطِلَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ وَالْمِيْزَانَ ۭ

وَالْعَدْلُ وَمَا يُدْرِيكَ يُعْلِمُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ اَىْ اِتْيَانُهَا قَرِيبٌ ۝ وَلَعَلَّ مُعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ مَا بَعْدَهُ
سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى تَاْتِىْ ظَنًّا مِنْهُمْ اَنَّهَا غَيْرُ اٰتِيَةٍ وَ
الَّذِينَ اٰمَنُوا مُشْفِقُونَ خَائِفُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُونَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ يُجَادِلُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِى
ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۝ اَللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوْعًا بِمَعَاصِيْهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
مِنْ كُلٍّ مِنْهُمْ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلٰى مُرَادِهِ الْعَزِيزُ ۝ اَلْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهِ ۲ ۱۰ ۳

ترجمہ: حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی طرح یعنی اس وحی بھیجنے کے مانند اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے اپنی صنعت میں تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا ہے اللہ ایسا کا فاعل آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے، تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکیت کے اعتبار سے اور وہ اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم الشان ہے قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں تاء اور یاء کے ساتھ (ینفطرن) نون کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں (نون کے بجائے) تاء مع تشدید طاء ہے یعنی ہر اوپر والا آسمان جس کے نیچے آسمان ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ پڑے اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کرتے ہیں تسبیح وتحمید دونوں کو ملا کر کہہ رہے ہیں اور زمین میں جو مؤمنین ہیں ان کے لیے استغفار کر رہے ہیں خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور اس کے سوا جن لوگوں نے بتوں کو کارساز بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے یقیناً ان کو سزا دے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان سے مطلوب کو حاصل کریں آپ کے ذمہ تو صرف پہونچا دینا ہے اور اس وحی کرنے کی مانند ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کریں یعنی اہل مکہ اور تمام لوگوں کو اور آپ لوگوں کو جمع ہونے کے دن یعنی قیامت سے ڈرائیں جس میں تمام مخلوق جمع کی جائے گی جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ان میں سے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک امت یعنی ایک دین پر اور وہ اسلام ہے بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کافروں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں کہ ان سے عذاب کو دفع کر سکے کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو کارساز بنا لیا ہے۔ ام منقطعہ بمعنی بل ہے جو کہ انتقال کے لئے ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی جن کو کارساز بنایا ہے وہ کارساز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے یعنی مؤمنین کا مددگار ہے اور فا محض عطف کے لیے ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور جس چیز دین وغیرہ میں کفار کے ساتھ تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف لوٹے گا وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا آپ ان سے کہئے یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے ان کو بے نمونہ بنانے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیے ہیں، بایں طور کہ اس نے حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور چوپایوں کے

نر و مادہ کے جوڑے بنائے مجمہ کے ساتھ اور یذرؤکم بمعنی یخلقکم ہے یعنی مذکورہ طریقہ سے تم کو پیدا کرتا ہے اس طریقہ
تو الد کے سبب سے تمہاری کثرت کرتا ہے اور ضمیر انسانوں اور حیوانات کی طرف تغلیبا راجع ہے اس کے مثل کوئی شیٔ نہیں
،کاف زائدہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں، وہ ہر بات کا سننے والا ہر فعل کا دیکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں
اسی کے قبضہ قدرت میں ہے یعنی ان دونوں کے خزانوں بارش اور نباتات وغیرہ کی کنجیاں وہ جس کی چاہے امتحانا روزی کشادہ
کردے اور جس کی چاہے بطور آزمایش تنگ کردے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا
ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور وہ انبیاء شریعت میں سے اول نبی ہیں اور جو ہم نے
بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا
،اور اس میں اختلاف نہ کرنا یہی ہے وہ مشروع کہ جس کا تاکیدی حکم دیا گیا اور جس کی محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی اور وہ
توحید ہے اور جس چیز کی طرف آپ انھیں بلا رہے ہیں وہ توحید ہے وہ تو مشرکوں پر گراں گزرتی ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے
توحید کے لئے منتخب کرلیتا ہے اور جو شخص اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اہل
ادیان نے دین میں اسی وقت اختلاف کیا بایں طور کہ بعض نے توحید اختیار کی اور بعض نے کفر کیا کہ جب ان کے پاس توحید کا
علم آ گیا اور وہ بھی کافروں کی باہمی ضد بحث اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے تاخیر عذاب
کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً دنیا ہی میں کافروں کو عذاب دے کر ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد
کتاب دی گئی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں الجھن ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے
ہیں پس اے محمد! آپ لوگوں کی اسی توحید کی طرف بلاتے رہئے اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہئے
اور اس کو ترک کرنے میں ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے
اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم سب میں انصاف کرتا رہوں اور ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے
لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں لہٰذا ہر ایک کو اس کے مطابق صلہ ملے گا ہمارے تمہارے درمیان کوئی نزاع
نہیں یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لیے قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی
کی طرف لوٹنا ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں اس کے نبی سے حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کے
معجزات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا ہے اور وہ یہود ہیں اور ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور
ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب قرآن کو نازل فرمایا ہے۔ انزل کے متعلق
ہے اور میزان نازل فرمائی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت یعنی اس کی آمد قریب ہو اور لعل فعل کو عمل سے روکنے والا ہے یا اس
کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے اس کی جلدی ان کو آن پڑی ہے جو اس کو نہیں مانتے سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟
یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ آنے والی نہیں ہے اور جو اس کا یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں انھیں اس کے حق ہونے کا
پورا علم ہے یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں
پر نیک ہوں یا بد بڑا ہی لطف کرنے والا ہے اس طرح سے کہ ان کی معصیت کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا ان سب میں سے

جس کو چاہتا جتنی چاہتا روزی دیتا ہے اور وہ اپنی مراد پر بڑی طاقت اور اپنے امر پر بڑا غلبہ رکھنے والا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: مِثْلَ ذٰلِكَ :اس سورت کے معانی جیسے: ذٰلِكَ ۔ یہ یوحی کے لیے مفعول بہ ہے۔

قوله: الْاِيْحَاءِ يُوْحِیْٓ: مضارع کو ماضی کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا تا کہ استمرار وحی ثابت ہو۔

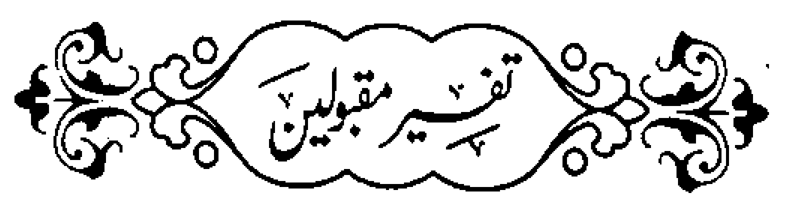
قوله: يَتَفَطَّرْنَ: اس کی تا والی قراءت بلیغ تر ہے کیونکہ یہ فطر کا مطاوع ہے۔

قوله: حَفِيْظٌ: یہاں نگہبان کے معنی میں ہے۔

قوله: تُحَصِّلُ : فاعل انت ضمیر ہے۔

قوله: فَرِيْقٌ مِنْهُمْ: منهم کو مقدر مانا تا کہ فریق نکرہ کی یہ صفت بن کر وہ مبتداء بن جائے۔

قوله: الْكَافِرُوْنَ : تقابل رحمت میں نقحت الظالمون لانا اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔



سورۃ الشوری مکیہ ہے اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے جس کی ترپین آیات اور پانچ رکوع ہیں، ابن عباس، جابر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورۃ کو سورۃ حم عسق بھی کہا جاتا ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سورت میں بعض ائمہ مفسرین کے قول کے مطابق چار آیتیں ایسی ہیں جو مکہ میں نازل نہیں ہوئیں ان کا نزول بعد الہجرت مدینہ منورہ میں ہوا وہ آیات " قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى " سے چوتھی آیت تک ہیں، بعض دیگر مفسرین جیسے مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے آیت: ام يقولون افترى کو مستثنیٰ قرار دیا، کسی نے: " ولو بسط الله الرزق لعبادہ لبغوا فى الارض " کو غیر مکیہ کہا، اس سورت کا مضمون سورۃ حم السجدۃ" کے مضمون سے مربوط ہے، کیونکہ اس میں بھی مضامین زیادہ تر اثبات رسالت وحی الٰہی اور عظمت قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ روش پر رنج نہ فرمائیں۔

كَذٰلِكَ يُوْحِیْٓ اِلَيْكَ....

حضرات انبیائے کرامؑ کی ایک امتیازی صفت کا ذکرو بیان:

اس سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء ورسل کی تعلیم بھی ایک ہی رہی اور ذریعہ تعلیم بھی ایک ہی رہا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح اللہ وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف۔ یعنی جس طرح اس سورۃ کریمہ کے مضامین کی وحی فرمائی جارہی ہے اسی طرح

آپ کی طرف اور ان تمام انبیائے کرام کی طرف بھی اللہ پاک کی طرف سے وحی فرمائی جاتی رہی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں کہ ان سب کے مشمولات بھی ایک ہی قسم کے تھے اور مقاصد بھی مشترک۔ کیونکہ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم وغیرہ بنیادی عقائد و مسائل ان سب میں مشترک تھے۔ اور مقصد بھی ایک ہی تھا کہ انسانیت وحی کے بتائے ہوئے راستے کو اپنا کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و فیضیاب ہو سکے۔ سو تمام انبیائے کرام کی تعلیم بھی ایک ہی رہی۔ یعنی دین اسلام کی تعلیم جو کہ دین فطرت ہے۔ اور جو اس پوری کائنات کا دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: { فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا } یعنی اللہ تعالیٰ کی اس فطرت کو اپناؤ۔ اور ان سب حضرات کا طریقہ تعلیم بھی ایک ہی رہا۔ یعنی یہ کہ وحی خداوندی کے ذریعے اور اسی کی روشنی میں لوگوں کو حق و ہدایت کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو انکے خالق و مالک کے آگے جھکایا جائے اور اس سے ملایا جائے۔ اور وحدت مدعا کا ذکر اور اشارہ آگے آیت نمبر 13 میں فرمایا گیا ہے۔ سو یہ چیز حضرات انبیاء و رسل کے درمیان ایک مشترکہ امتیازی وصف کے طور پر موجود رہی۔

اللہ پاک کی عظمت شان سے متعلق دو صفتوں کا ذکر:

ارشاد فرمایا گیا جو کہ بڑا ہی زبردست اور نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس چونکہ وہ ذات اقدس و اعلیٰ نہایت زبردست اور سب پر غالب ہے اس لیے جو کرنا چاہے کوئی اس کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ مگر وہ چونکہ انتہا درجہ کا حکیم بھی ہے اس لیے جو کچھ بھی وہ کرتا ہے انتہائی حکیمانہ طریقے پر کرتا ہے۔ سو اسماءِ حسنیٰ میں سے عزیز و حکیم کی دو صفتوں کے حوالے سے ایک طرف تو تخصیص و ترغیب اور تسلیہ و تسکین کا پہلو نکلتا ہے کہ جو لوگ اس دین حنیف کی تعلیم و تذکیر میں لگ جائیں گے وہ عزت اور حکمت کی دولت سے سرشار و مالا مال ہوں گے۔ اور وہ خدائے عزیز و حکیم کی نصرت و امداد سے بھی سرشار ہوں گے۔ اور دوسری طرف ان دونوں صفتوں کے ذکر میں منکرین و مکذبین کیلئے تہدید و تخویف کا پہلو بھی موجود ہے کہ ایسے لوگ عزت و حکمت سے بھی محروم ہوں گے اور خداوند قدوس کی گرفت و پکڑ کے مورد بھی بنیں گے۔ اور جب وہ پکڑنے پر آئے گا۔ تو ان کیلئے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی کہ وہ عزیز اور نہایت ہی زبردست ہے۔ لیکن وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کی پکڑ حکمت پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کفر و انکار اور جرم و قصور کے باوجود اگر کسی کو ڈھیل ملتی ہے تو اس سے اس کو مست نہیں ہونا چاہیے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے، یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے، یا ان کے ذکر کی کثرت سے خاص تاثیر ہو اور پھٹ پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لیے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی سخت گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم (تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ

وَلَدًا) (مریم: ۹۰، ۹۱) مگر اللہ کی شان مغفرت ورحمت اور ملائکہ کی تسبیح واستغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ....

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو مشرکین کو سخت قسم کی تہدید ووعید ہے، کہ جن لوگوں نے اس قسم کے واضح دلائل کے باوجود اللہ وحدہ لاشریک کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اور وہ تمام ترتنبیہ وتذکیر کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آ رہے، تو ان کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے، کہ وہ سب اللہ کی نگاہ میں ہیں اللہ پوری طرح ان کی نگرانی کر رہا ہے، کہ جونہی وہ اپنی مہلت پوری کرلیں وہ ان کو اپنے پنجہ قہر وغضب میں گرفتار کرلے۔ اور دوسری طرف اس میں پیغمبر کیلئے تسلی ہے کہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کو راہ راست پر ڈال کر ہی چھوڑیں۔ یہ کام نہ آپ کے بس میں ہے، اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے، آپ کے ذمے تو صرف تبلیغ حق کی ذمہ داری ہے، اور بس، اور وہ آپ نے پوری کردی۔ اسکے بعد آپ کا ذمہ فارغ ہوگیا، اور اسکے بعد ان کے معاملہ ہمارے ذمے ہے، اور ان کا حساب ہم خود لیں گے اِنْ عَلَيْكَ الْاَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا....

ام القریٰ کے معنی ہیں ساری بستیوں اور شہروں کی اصل اور بنیاد، مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس کا نام ام القریٰ اس لیے رکھا گیا کہ یہ شہر ساری دنیا کے شہروں اور بستیوں سے اور ساری زمین سے اللہ کے نزدیک اشرف وافضل ہے۔ جیسا کہ امام احمد نے مسند میں حضرت عدی بن حمراز ہری سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت سنا جبکہ آپ (مکہ مکرمہ سے ہجرت کر رہے تھے اور) بازار مکہ کے مقام حزورہ پر تھے کہ آپ نے مکہ مکرمہ کو خطاب کرکے فرمایا:

تو میرے نزدیک اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے اور ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے اس زمین سے نکالا نہ جاتا تو میں اپنی مرضی سے کبھی اس زمین کو نہ چھوڑتا۔

وَمَنْ حَوْلَهَا: یعنی مکہ مکرمہ کے آس پاس اس سے مراد آس پاس کے عرب ممالک بھی ہوسکتے ہیں اور پوری زمین کی مشرق ومغرب بھی۔

قیامت کا آنا یقینی ہے:

یعنی جس طرح اے نبی آخر الزماں تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یہ عربی میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے تا کہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو احکام الٰہی اور اللہ کے عذاب سے آگاہ کردے نیز تمام اطراف عالم کو۔ آس پاس سے مراد مشرق ومغرب کی ہر سمت ہے مکہ شریف کو ام القریٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل وبہتر ہے اس کے دلائل بہت سے ہیں جو اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں ہاں! یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے سن لیجئے۔ ترمذی نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عدی فرماتے تھا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ مکہ شریف کے بازار حزروع میں کھڑے ہوئے فرما رہے

تھے کہ اے مکہ قسم ہے اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک مجھے تو زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اس لیے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرا دے جس دن تمام اول وآخر زمانے کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی یہ وہ دن ہوگا کہ جنتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی گھاٹے میں دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ہود: ۱۰۳) یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔ ہم تو اسے تھوڑی سی مدت معلوم کے لیے مؤخر کئے ہوئے ہیں۔ اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا ان میں سے بعض تو بدقسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جہنمیوں کے ناموں کا رجسٹر ہے انکے نام ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے ان میں بھی کمی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت؟ جب کہ سب لکھا جا چکا ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو بھلائی کی نزدیکی لیے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہی حدیث اور کتابوں میں بھی ہے کسی میں یہ بھی ہے کہ یہ تمام عدل ہی عدل ہے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی تمام اولاد ان میں سے نکالی اور چیونٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ نیکوں کا دوسرا بدوں کا۔ پھر انہیں پھیلا دیا دوبارہ انہیں سمیٹ لیا اور اسی طرح اپنی مٹھیوں میں لے کر فرمایا ایک حصہ جنتی اور دوسرا جہنمی یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبداللہ نامی صحابی بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو اس پر صحابی نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو یہ حدیث رلا رہی ہے کہ حضور ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کے لیے ہیں یعنی جنت کے لیے اور یہ اس کے لیے ہیں یعنی جہنم کے لیے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ اللہ کی کس مٹھی میں میں تھا؟ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بہت سی حدیثیں ہیں پھر فرماتا ہے اگر

اللہ کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقے پر کر دیتا یعنی یا تو ہدایت پر یا گمراہی پر لیکن رب نے ان میں تفاوت رکھا بعض کو حق کی ہدایت کی اور بعض کو اس سے بھلا دیا اپنی حکمت کو وہی جانتا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت تلے کھڑا کرلے ظالموں کا حمایتی اور مددگار کوئی نہیں۔ ابن جریر میں ہے اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ اے میرے رب تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا پھر ان میں سے کچھ کو تو جنت میں لے جائے گا اور کچھ اوروں کو جہنم میں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے جناب باری نے ارشاد فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو آپ نے اونچا کیا پھر فرمایا اور اونچا کرو آپ نے اور اونچا کیا فرمایا اور اوپر اٹھاؤ جواب دیا اے اللہ اب تو سارے جسم سے اونچا کرلیا سوائے اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں فرمایا بس موسیٰ اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا سوائے ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ....

مشرکین کا شرک:

اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے۔ اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔ مردوں کو جلانا میری صفت ہے ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟ پھر فرماتا ہے جس کسی امر میں تم میں اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لے جاؤ یعنی تمام دینی اور دنیوی اختلاف کے فیصلے کی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مانو۔ جیسے فرمان عالی شان ہے۔ (فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا) (النسا: ۵۹) اگر تم میں کوئی جھگڑا ہو تو اسے اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لے جاؤ پھر فرماتا ہے کہ وہ اللہ جو ہر چیز پر حاکم ہے وہی میرا رب ہے۔ میرا توکل اسی پر ہے اور اپنے تمام کام اسی کی طرف سونپتا ہوں اور ہر وقت اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں وزمین اور ان کے درمیان کی کل مخلوق کا خالق ہے اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنا دیئے یعنی مرد وعورت اور چوپایوں کے بھی جوڑے پیدا کئے جو آٹھ ہیں وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے یعنی اسی صفت پر یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جا رہا ہے نسلیں کی نسلیں پھیلا دیں قرنوں گزر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا آ رہا ہے ادھر انسانوں کا ادھر جانوروں کا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد رحم میں پیدا کرتا ہے بعض کہتے ہیں پیٹ میں بعض کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلاتا ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں نسلیں پھیلانی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں (فیہ) معنی (بہ) کے ہے یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو وہ پھیلا رہا اور پیدا کر رہا ہے حق یہ ہے کہ خالق کے ساتھ کوئی اور نہیں وہ فرد وصمد ہے وہ بے نظیر ہے وہ سمیع وبصیر ہے آسمان وزمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھوں میں ہیں سورۃ زمر میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے جسے چاہے کشادہ روزی دے جس پر چاہے تنگی کر دے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ....

ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے:

اس ارشاد سے ہر اختلاف اور تنازع کا فیصلہ اللہ ہی کے حکم وارشاد کے مطابق کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اور حاکم وحکیم اور علیم وخبیر بھی وہی۔ اور اپنے بندوں پر مہربان اور رحمٰن ورحیم بھی وہی۔ تو یہ فیصلہ بھی وہی فرماسکتا ہے کہ انسان کے لیے مفید کیا ہے اور مضر کیا۔ اس کا بھلا کس میں ہے اور برا کس میں۔ اس کے لیے حق وحلال کیا ہے اور ناجائز وحرام کیا۔ اس کے لیے بہتر کیا ہے اور بدتر کیا۔ پس اسی کا فیصلہ صحیح اور عین حق وصدق ہوسکتا ہے اور اسی میں انسان کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا راز مضمر ہے۔ اور اسی کی متعین فرمودہ راہ انسان کے لیے حقیقی فوز وفلاح کی ضامن وکفیل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ہر اختلاف کے موقع پر اور ہر حال میں رجوع بہر حال اسی کی طرف کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ } (النساء: 59) اور یہی راہ ہے حق وصواب کی جس سے روگردانی مؤمن کے لیے کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ } (الاحزاب: 36) بہرکیف اس میں یہ عظیم الشان اور اہم بنیادی درس دیا گیا ہے کہ ہر اختلاف اور تنازع کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم وفیصلہ کی طرف رجوع کرو کہ ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ....

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی تخلیق میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے تمہاری جانوں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے لے کر آج تک جو نسلاً بعد نسلٍ بنی آدم پیدا ہو رہے ہیں اور جو پیدا ہوں گے ان میں یہ سلسلہ رکھا ہے کہ مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی، مرد عورتوں کے جوڑے ہیں اور عورتیں مردوں کے، اسی طرح اس نے مویشیوں میں بھی کئی قسمیں پیدا فرمائیں اور ان میں بھی نر و مادہ پیدا کیے جن سے ان کی نسلیں چل رہی ہیں۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ (وہ اس تخلیق کے ذریعے تمہاری تکثیر فرماتا ہے) اور اس کی قدرت سے تمہاری نسلیں چلتی ہیں۔

قال القرطبي أي يخلقكم وينشئكم ﴿فِيهِ﴾ أي في الرحم، وقيل في البطن، وقال الفراء وابن كيسان ﴿فِيهِ﴾ بمعنى به وكذلك قال الزجاج معنى ﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾ يكثركم به، أي يكثركم يجعلكم أزواجا، أي حلائل، لانهن سبب النسل، وقيل ان الهآء في ﴿فِيهِ﴾ للجعل ودل عليه جعل فكانه قال يخلقكم ويكثركم في الجعل۔

(علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں یعنی تمہیں پیدا کرتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش دیتا ہے اور بعض نے کہا فِيهِ سے مراد ہے پیٹ میں، فراء اور ابن کیسان نے کہا ہے فِيهِ، بہ کے معنی میں ہے اور اسی طرح زجاج کہتے ہیں يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ کا معنی

ہے تمہیں اس کے ذریعہ بڑھاتا ہے یعنی تمہیں خاوند بیوی جوڑے بنا کر بڑھاتا ہے کیونکہ بیویاں نسل کا سبب ہیں بعض نے کہا فِيْهِ میں "ھاء" جعل کے لیے ہے اور جعل اس پر دلالت کرتا ہے گویا کہ فرمایا وہ تمہیں پیدا کرتا ہے اور بنانے میں تمہیں زیادہ کرتا ہے۔)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کی طرح کوئی بھی چیز نہیں ہے) خالق تعالیٰ شانہٗ کا وجود حقیقی ہے وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں تنہا ہے بے مثال ہے اس کی ذات کی طرح کوئی ذات نہیں اس کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں صفات کے اعتبار سے اگر کوئی لفظ کسی کے لیے بول دیا گیا ہے تو وہ محض اشتراک لفظی کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی متوحد اور یکتا ہے اور اپنی صفات میں بھی متفرد ہے اور اپنے اسماء میں بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم کی نسبت کرتے ہیں یا اس کے لیے مکان اور زمان اور جہت تجویز کرتے ہیں اور جو اسے تشبیہ اور تعطیل سے متصف کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں خالق تعالیٰ شانہٗ کی توحید کے منکر ہیں خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت نہیں۔

قال القرطبی ﷫ والذی یعتقد فی هذا الباب أن الله جل اسمه فی عظمته و كبرياءه وملكوته وحسنى أسماءه وعلى صفاته لا يشبه شيئا من مخلوقاته و لا يشبه به فلا تشابه بينهما فی المعنى الحقيقی، اذ صفات القديم جل وعز بخلاف صفات المخلوق اذ صفاتهم لا تنفك عن الاعراض والاغراض، هو تعالى منزه عن ذلك، بل لم يزل باسمائه وبصفاته على ما بيناه فی (الكتاب الاسنى فی شرح اسماء الله الحسنى) وكفى فی هذا قوله الحق: ليس كمثله شیء وقد قال بعض العلماء المحققين: التوحيد اثبات ذات غير مشبهة للذوات ولا معطلة من الصفات، وزاد السيوطی رحمه الله بيانا فقال: ليس كذاته ذات، لا كاسمه اسم، ولا كفعله فعل، ولا كصفته صفة الا من جهة موافقة اللفظ، وجلت الذات القديمة ان يكون لها صفة حديثة، كما استحال ان يكون للذات المحدثة صفة قديمة، وهذا كله مذهب أهل الحق والسنة والجماعة رضی الله عنهم۔

(علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس بات میں جو اعتقاد رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بزرگی والا ہے اپنی عظمت و کبریائی اور مالکیت میں اور اپنے اسماء حسنیٰ میں اور اپنی صفات میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہے لہٰذا حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے کہ قدیم ذات کی صفات بلند ہیں اور بزرگی والی ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو اعراض ہیں اور اغراض جدا نہیں ہوسکتیں اور اللہ تعالیٰ اعراض و اغراض سے منزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہے جیسا کہ ہم نے الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کیا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حق ذات کا یہ ارشاد کافی ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ بعض محققین علماء نے کہا ہے توحید ایسی ذات کو یقین سے مان لینے کا نام ہے کہ جو ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں ہے اور نہ کسی صفت سے معطل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک اور بیان کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے نہ اس کے نام جیسا کوئی نام ہے

اور نہ اس کے فعل جیسا کوئی فعل ہے اور نہ اس کی صفت جیسی کوئی صفت ہے مگر صرف لفظی موافقت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس میں کوئی صفت نئی پیدا شدہ ہو جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی فانی ذات کی کوئی قدیم صفت ہو یہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔)

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ (اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے) وہ ہر بات کو سنتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ....

(ربط) سورۂ شوریٰ کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و کبریائی اور توحید کے بیان سے تھی، اسی کے ضمن میں وحی الٰہی کا اثبات تھا، اور کفر و شرک کا رد اور ابطال اب ان آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے اللہ رب العزت نے جس قدر بھی پیغمبر مبعوث فرمائے، حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تک اور جتنے ادیان و شرائع مقرر فرمائے ان سب کا مقصد وحید صرف توحید خداوندی رہا، بلکہ جملہ ادیان کی بھی یہی تعلیم تھی، اور ہر پیغمبر کی یہی ہدایت تھی، اب اسی تعلیم ہدایت کو لے کر آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، اس لحاظ سے آپ ﷺ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں، آپ ﷺ کی تعلیم کوئی نرالی تعلیمات نہیں بلکہ جملہ تعلیمات وہدایت سماویہ کا لباب وجوہر اور ان کی تکمیل ہیں، اس بنا پر کسی کتابی اور آسمانی مذہب رکھنے والے کو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں اصولاً کوئی تأمل نہ ہونا چاہئے، اور آپ ﷺ کا پیغام تمام امتوں کے درمیان وحدت واتفاق کا پیغام ہے، اس وجہ سے بھی آپ کے پیغام کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف وتردد نہ ہونا چاہئے، چنانچہ ارشاد فرمایا، مقرر کر دیا ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے وہی دین جس کا حکم اللہ نے نوح (علیہ السلام) کو کیا جس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس کی دعوت دی، اور جس چیز کی ہم نے آپ ﷺ کو وحی بھیجی، اور جس چیز کا ہم نے حکم دیا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی امتوں کو وہ یہ تھا کہ اللہ کا یہ دین قائم رکھو، اور خدا کی توحید پر قائم رہو، اور اس کے سوا کسی کی بندگی ہرگز نہ کرو، اس کے تمام احکام مانو اور ان پر عمل کرو، اور یہ کہ اس میں تفرقہ نہ ڈالو، تمام انبیاء کی تعلیمات جب کہ ان بنیادی اصول میں متحد تھیں تو عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کیا جاتا، جو آنحضرت ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور شرک وبت پرستی سے اجتناب کیا جاتا مگر مشرکین پر یہ بات یعنی دعوت توحید بہت گراں اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ ﷺ ان کو بلا رہے ہیں لیکن اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اسی کو جس کو چاہے اور اپنے تک اسی کو رسائی عطا کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اللہ ہی کی مشیت سے اجتباء وانتخاب ہوتا ہے اور توفیق ایمان سے نوازا جاتا ہے اور توفیق ایمان کے بعد جس کو رجوع اور انابت الی نصیب ہو اسی پر طاعت وبندگی اور قرب کے راستے کھلتے ہیں۔ اور امم سابقہ کا یہ تفرق واختلاف، حق میں کسی قسم کے خفا اور التباس کے باعث نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا محض باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے ایسی مذموم حرکت اور بدترین روش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوتا اور یہ ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اگر ایک فیصلہ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا ایک متعین وقت تک مہلت کا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، عذاب خداوندی نازل ہو جاتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے، مگر اللہ نے اپنی حکمت سے یہ طے کر لیا تھا کہ دنیا

دار الامتحان ہے، اسی طرح حق وباطل کی کشمکش چلتی رہے، قیامت قائم ہونے پر ایسے مجرمین اور حق سے اختلاف کرنے والوں کو جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور بے شک ان امم سابقہ کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی امت دعوت ہوئے وہ اس کتاب کی طرف شک ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے، اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان منکرین کے انکار اور مشرکین کے شرک سے رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ہمت ہاریں بس آپ ﷺ تو اسی چیز کے لیے جس کی وحی آپ ﷺ کو کی گئی اور اس کا حکم نوح کو ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کیا گیا، دعوت دیتے رہئے اور اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہئے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم کیا گیا، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اس خیال سے کہ ان کی بعض خواہشات اگر مان لی جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور بلکہ آپ ﷺ تو یہ اعلان کردیجئے کہ جب کہ یہ لوگ کسی طرح بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں تو ایمان لا چکا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے اپنی کتاب سے نازل کی ہے لہٰذا اے منکرو! اور کافرو! تم یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو پورا کرنے میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی یا اس کو نظر انداز کردوں گا، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں، انصاف کروں، حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے حق پر تمہیں آمادہ کروں اور خود اس پر قائم رہوں۔ اس لیے کہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے خود حق سے انحراف کر جاؤں اور تمہاری باطل خواہش اور خوشنودی کو پورا کرنے کا ارادہ کرلوں۔

اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے، اب جب کہ تم کسی طرح حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو بس ہمارے واسطے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے ہیں، لہٰذا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا، اب کوئی حجت بازی اور خصومت کی گنجائش نہیں، ہمارے تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پہنچ کر سب پر حقیقت کھل جائے گی، ایمان وکفر اور توحید وشرک کا انجام نظر آجائیگا، اور اس وقت مجرمین ومشرکین کو سوائے حسرت وندامت کے اور کچھ بھی چارۂ کار نہ ہوگا، اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اہل عقل کی طرف سے اس کو قبول کرلیا گیا اور سلیم الفطرت انسان ایمان لا چکے تو اب ایسے لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کی طرف سے غضب نازل ہونے والا ہے، اور ان کے واسطے دنیوی عذاب اور غضب خداوندی کے علاوہ آخرت میں بڑا ہی سخت عذاب ہے کیونکہ اللہ کے دین کی سچائی اور اسکی کتاب کی حقانیت ظاہر ہو چکی، سمجھ دار لوگ ایمان لا چکے اور بہت سے وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی تعصب اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، مگر کتاب الٰہی کی سچائی اور حقانیت اقرار کرتے ہیں، اس بنا پر اب حجت پوری ہوگئی، اب اس کے بعد جو لوگ بھی خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے ہیں یا ایمان لانے والوں سے الجھتے ہیں ان کے واسطے ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی دنیا اور آخرت میں ہوگا،

ابتداء تشریع احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصول، شرائع میں اتفاق:

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے وہ رسول جن سے تشریع احکام کا سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اور سب سے آخری نبی جن پر سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہوا اور کمالات نبوت کی تکمیل ہوئی، وہ خاتم الانبیاء محمد رسول ﷺ ہیں، حضرت نوح علیہ السلام سے قبل دنیا میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا اختلاف نہ تھا دس قرن اسی طرح گزرے، سب سے پہلے رسول شرک کا مقابلہ کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں، اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے" ۔اول رسول بعث الی الارض نوح علیہ السلام" ۔کہ سب سے پہلے رسول جو زمین والوں کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں، مراد یہ ہے کہ وہ پہلے رسول تھے کفر و شرک کے مقابلہ کے لیے، جیسا کہ آیت مبارکہ:" كان الناس امة واحدة فبعث الله النبين مبشرين ومنذرين" سے معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا، ایک مدت کے بعد جب لوگوں نے دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب و نجات کی بشارت سناتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے اور کتابیں نازل کی گئیں وہ سب اصول میں ایک تھے کیونکہ راستہ ایک ہی تھا، (توحید و عبادت خداوندی) البتہ فروع میں تفاوت و اختلاف ہونا چاہئے تھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے، اور بیماریاں بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا، پھر جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا، پھر سب سے آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ مقرر فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے، وہ طریقہ اسلام ہے، جس کے لیے نبی آخر الزمان ﷺ بھیجے گئے اور وہ نسخہ روحانی قرآن شریف ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے،

حضرت نوح علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جتنے انبیاء و رسل آئے ان میں اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یہی زیادہ مشہور ہے اور ان کے مذہب کے پیرو دنیا میں کثیر تعداد میں ہوئے اس وجہ سے اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کے دین کی تشریح ان انبیاء علیہم السلام کے شرائع کی شرکت اور مشابہت کے ساتھ بیان کی گئی، نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ادیان سے تعلق رکھنے والوں کو آپ ﷺ کا دین قبول کرنے میں کوئی تامل باقی نہ رہے، جب کہ آپ ﷺ کی کتاب کتب سابقہ کی تصدیق کر رہی ہے، اور ان انبیاء سابقین کی تعلیمات و ہدایات بنیادی اصول کے لحاظ سے متفق و متحد ہیں تو پھر ان انبیاء پر ایمان لانے والے ان کتب سابقہ کے ماننے والے یہود و نصاریٰ کو عقلا وطبعاً آپ ﷺ پر ایمان لانے سے کسی طرح بھی گریز نہ کرنا چاہئے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ⑰

بیان نزول کتاب باحق وصداقت ونزول میزان برائے عدل وانصاف:

(ربط) گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وحی انبیاء سابقین اور اولوالعزم رسولوں کی وحی ہی کی طرح ہے، اور آپ ﷺ کا دین بھی اصولاً وہی دین ہے، آپ ﷺ کی کتاب بھی جملہ کتب سابقہ کے علوم کی حامل اور مصدق ہے، اب ان آیات میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمادی ہے اور یہ کتاب الٰہی درحقیقت حق وصداق کو تولنے کی ترازو ہے، اس ترازو میں حق وباطل کو تولا جاتا ہے، جیسے مادی ترازو میں مادی اشیاء تولی جاتی ہیں، اور پورے تول سے عدل وانصاف قائم کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ کتاب الٰہی ایک طرف حقوق خداوندی صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے معیار ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کو بھی عدل وانصاف سے ادا کرنے کا ایک محکم ضابطہ اور مکمل دستور ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی قوت وصلاحیت ایمان بالآخرت ہے، اسی یقین کے باعث انسان اپنے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرسکتا ہے، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی دراصل ہر انسان کا اپنی ذات کے ساتھ عدل وانصاف کا قائم کرنا ہے، کیونکہ ان حقوق کا اتلاف حقیقت میں اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو اتارا حق کے ساتھ اور ترازو کو یعنی عدل وانصاف مقرر فرمایا تو جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اللہ پر ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت ہو اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کیا جائے، جیسے ترازو میں کوئی چیز برابر تولی جائے یہی نجات کا ذریعہ ہے کہ قرآن پر ایمان لایا جائے، محض خدا کا قائل ہونا یا اس پر ایمان کا دعویٰ کافی نہیں تاوقتیکہ اس کے قانون اور دستور عدل وانصاف پر عمل نہ کیا جائے، منکرین کا بلادلیل معارضہ اور حجت بازی اور قیامت کا ذکر اور یہ سوال کرنا کہ وہ کب آئے گی، بے معنی اور لغویات ہے آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں اور آپ کو کیا معلوم شاید یہ کہ قیامت قریب ہو اگر وقوع قیامت کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنے والی ہی نہیں جیسے کہ یہ منکرین کہتے ہیں، بات یہ ہے کہ جلد ہی قیامت کے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان ویقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت وہیبت کا اندازہ نہیں ہے اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے کانپتے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور واقع ہوکر رہے گی، خبردار ہوجاؤ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو گمراہی کا ایسا آخری مقام ہے کہ حق اور یقین سے بہت ہی دور ہوچکا تو اب کیا توقع کی جائے کہ ایسے بدنصیب پھر حق کی طرف رجوع کرلیں گے، اور رہا یہ امر کہ منکرین اور نافرمان دنیا میں عیش وعشرت کررہے ہیں مال ودولت اور رزق کی کمی نہیں تو اصل یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے، جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے کیونکہ وہ تو رب ہے، اور شان ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کرسکتا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلہ کو کوئی نہیں توڑسکتا، مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ

ہوگا، اس لیے ان کفار و مجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہئے اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال و دولت انکے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام و راحت میں رہیں گے، اللہ رب العزت اپنی شان لطیفی کے باعث نیک و بد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے، رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے۔ (روح المعانی ج ۲۵ ـ تفسیر مظہری ج ۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ سے "اَللّٰہُ لَطِیْفٌ" ـ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی انعام اور مہربانی کا معاملہ فرمانے والا ہے کہ ان کے حق اور استعداد سے زائد ان کو عطا فرماتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا اللہ کا لطف و کرم بندوں کو ان کے حوائج و ضروریات سے بہت زائد عطا فرماتا ہے اور ان کو احکام کا مامور ان کی طاقت سے بہت کم کا فرمایا جاتا ہے، ورنہ تو یہ ہوسکتا تھا کہ انسانی قویٰ جس قدر عملی محنت برداشت کرسکیں، اتنی محنتوں کا ان کو مأمور کردیا جاتا، سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے کہ عطا میں تو ضرورت و حاجت کو نہیں دیکھا جارہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر جادیا جارہا ہے اور اطاعت میں جس قدر انسان کی ہمت ہوسکتی ہے اس سے بہت کم کا مامور بنایا جارہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، ان الدین یسر، یہ نہیں کہ جس قدر طاقت بشریہ ہے اتنا ہی مکلف کردیا جاتا، اور پھر ان پابندیوں میں بھی خطا اور نسیان سے درگزر کا ضابطہ عفو مقرر فرمادیا گیا۔

خوف آخرت ایمان و معرفت کا ثمرہ ہے:

آخرت کا خوف ظاہر ہے کہ ایمان و یقین ہی پر مرتب ہوسکتا ہے، جو شخص قیامت پر ایمان رکھتا ہوگا اسی کا دل قیامت کی ہیبت سے کانپے گا اور جس کو قیامت کا یقین نہیں وہ اس کے ذکر ہی کو مذاق شمار کرے گا، اور اسی طرح کی بے وقعتی اس بات کا باعث بنے گی کہ وہ قیامت کا فکر دلانے والے اہل ایمان اور ان کی دعوت فکر کو سن کر یہ کہے کہ لے آؤ جلد ہی سے وہ قیامت جس سے تم ڈرارہے ہو، اسی استہزاء اور تمسخر کی کیفیت کو قرآن کریم کے یہ لفظ نقل کررہے ہیں: "یستعجل بها الذین لایؤمنون بها" ـ لیکن ان کے بالمقابل جو اہل ایمان ہیں وہ اس سے لرز رہے ہیں اور دل انکے کانپتے ہیں جو: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا' میں بیان فرمایا گیا، اور یہ خوف ظاہر کہ اعتقاد قیامت ہی سے ہوسکتا ہے لفظ "مُشْفِقُوْنَ" اشفاق سے مشتق ہے لغت میں اشفاق کے معنی کسی چیز کے اندیشہ اور خوف سے دل کا کانپنا، قلب کا یہ اضطراب و خوف ایک تو قیامت کے واقع ہونے اعتقاد پر ہوگا، دوسرے اس عقیدہ اور تخیل پر کہ جو ایمان اور عمل صالح قیامت کے روز کام آتے ہیں، کہیں وہ ردنہ کردیئے جائیں، رہا یہ امر کہ عارفین اور کامل الایمان اہل اللہ کو اشتیاق موت اور لقاء خداوندی، وہ شوق طبعی ہوتا ہے، اور یہ خوف جس کا ذکر کیا گیا یہ کہ شوق کا باعث لقارب کا تصور ہوتا ہے اور خوف کا منشاء قیامت کی ہیبت اور اپنے اعملا کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جہت سے قلب میں جذبہ شوق وارد ہو تو دوسری جہت سے خوف سے اضطراب ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں بیان فرمایا گیا: "من احب لقاء الله احب الله لقاءه" ـ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرمائے گا، اسی کیفیت کو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا: قل یایها الذین هادوا ان

زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین۔ تو یہاں اولیاء اللہ کی پہچان اور خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ موت ولقاء خداوندی کے شائق وآرزومند ہوں اور ولایت کا صدق تمناء موت ہی ہے، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بات بھی حل ہوگئی جو احوال قبور کے سلسلہ میں بیان کی گئی کہ بعض مردہ جب کہ وہ پروردگار کے قاصدوں یعنی نکیرین کا جواب صحیح صحیح دیدے گا تو کہے گا: "رب اقم الساعة"۔ کہ اے پروردگار قیامت (جلد ہی ہی) قائم کر دیجئے تو یہ خوف آخرت کے منافی نہیں، کیونکہ یہ اشتیاق اس کو جنت کی نعمتوں کی بشارت سن کر حاصل ہوگا، اور اس بشارت کے بعد خوف واضطراب کا جو منشاء تھا وہ ہو چکا ہوگا، یا یہ کہ یہ شوق عالم برزخ اور احوال آخرت کے انکشاف پر ہے، اور جو خوف ایمان کی خصوصیت بیان کی گئی، وہ دنیوی زندگی، یعنی عالم دنیا میں ہے، بہرکیف مؤمن کی زندگی خوف آخرت اور شوق لقاء خداوندی متضاد جذبوں سے معمور رہتی ہے اور یہ کیفیت دراصل: "یرجون رحمته ویخافون عذابه" کی پوری پوری ترجمان ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ. لفظ لطیف لغت کے اعتبار سے چند معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ حفی بمعنی مہربان سے اور حضرت عکرمہ نے بار یعنی محسن سے کیا ہے۔

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سبھی بندوں پر مہربان ہے۔ یہاں تک کہ کافر فاجر پر بھی دنیا میں اس کی نعمتیں برستی ہیں حق تعالیٰ کی عنایات اور لطف وکرم اپنے بندوں پر بے شمار انواع واقسام کے ہیں۔ اس لیے تفسیر قرطبی نے لفظ لطیف کے معنی بھی بہت سے بیان فرمائے ہیں۔ اور حاصل سب کا لفظ حفی اور بار میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لیے عام اور شامل ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا اس کا رزق ان کو بھی پہنچتا ہے۔ اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اس کا حاصل زیادہ واضح وہ ہے جس کو تفسیر مظہری نے اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام وانواع ہیں۔ بقدر ضرورت معاش رزق تو سب کے لیے عام ہے۔ پھر خاص خاص اقسام رزق کی تقسیم میں اپنی حکمت بالغہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں۔ کسی کو مال ودولت کا رزق زیادہ دے دینا۔ کسی کو صحت وقوت کا، کسی کو علم ومعرفت کا کسی کو دوسری انواع واقسام کا اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون وتناصر پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدن انسانی کی بنیاد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذاء اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا بیک وقت نہیں دے دیتا، ورنہ اول تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا وہ پھر بھی سڑنے اور خراب ہونے سے بچتا۔ (مظہری وشلفی القرطبی)

ایک مجرب عمل:

مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔ اور فرمایا کہ بہت مجرب عمل ہے۔ آیت یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی
اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

طالب آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا:

اس آیت کریمہ میں آخرت کے طلب گاروں اور دنیا داروں کی نیتوں کا اور اعمال کا اور ان کا جو بدلہ ملے گا اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی دنیا میں ایمان سے متصف ہے اور اعمال صالحہ میں لگا رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میرے اعمال کا آخرت میں ثواب دیا جائے اللہ تعالیٰ اسے بہت زیادہ ثواب دے گا ایک نیکی کی کم از کم دس نیکیاں تو لکھی ہی جاتی ہیں اور ایک نیکی کا عوض سات سو تک دینے کا قرآن مجید میں ذکر ہے: ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ سات سو تک ثواب بتانے کے بعد ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ بھی فرمادیا حضرات علماء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور بڑھا چڑھا کر ان کا ثواب ملنا کوئی سات سو پر منحصر نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دے گا جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں علم و عمل پھیلانے والوں اور دین کا چرچا کرنے والوں اور اعمال صالحہ کو آگے بڑھانے والوں کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے، جب تک معلمین و مبلغین کے بتائے ہوئے اعمال اور پڑھائے ہوئے امور کے مطابق لوگ عمل کرتے رہیں گے ان حضرات کو ان کے عمل کا بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی جس طرح دانہ ڈالنے کے بعد کھیتی بڑھتی ہے اور ایک دانہ بونے سے بہت سے دانے حاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح آخرت کے اعمال میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی لیے آخرت کے لیے عمل کرنے والوں کے عمل کو آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی کو چاہتے ہیں اسی کے لیے عمل کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں سے کچھ دے دیں گے جتنا وہ چاہتے ہیں اتنا دیں یا اس سے کم و بیش دیں بہر حال جو کچھ ملے گا تھوڑا ہی ہوگا آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تو کسی دنیا دار کا بڑے سے بڑا حصہ پاسنگ کے درجہ میں بھی نہیں آ سکتا جتنی بھی دنیا مل جائے تھوڑی ہی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ طالب دنیا کو دنیا مل ہی جائے جو کچھ ملے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور چونکہ اصلی دنیا دار مومن نہیں ہوتے اس لیے آخرت میں انہیں کچھ بھی نہیں ملتا۔ سورۃ الاسراء کی آیت کی تصریح اور تشریح دوبارہ پڑھ لیں ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے لیے چاہیں گے دے دیں گے پھر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ ہوا داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے کوشش کرے گا جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے اور وہ مومن بھی ہوگا سو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ اَىْ كَسْبَهَا وَهُوَ الثَّوَابُ نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ ۚ بِالتَّضْعِيْفِ فِيْهِ الْحَسَنَةُ اِلٰى عَشْرَةٍ وَاَكْثَرَ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا بِلَا تَضْعِيْفٍ مَا قُسِمَ لَهٗ وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ اَمْ بَلْ لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ شُرَكٰٓؤُا هُمْ شَيَاطِيْنُهُمْ شَرَعُوْا اَيِ الشُّرَكَاءُ لَهُمْ لِلْكُفَّارِ مِّنَ الدِّيْنِ الْفَاسِدِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۭ كَالشِّرْكِ وَاِنْكَارِ الْبَعْثِ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اَيِ الْقَضَاءُ السَّابِقُ بِاَنَّ الْجَزَاءَ فِىْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ۭ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّعْذِيْبِ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ اَىْ كَافِرِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مُؤْلِمٌ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُشْفِقِيْنَ خَائِفِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا فِى الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يُجَازُوْا عَلَيْهَا وَهُوَ اَيِ الْجَزَاءُ عَلَيْهَا وَاقِعٌ بِهِمْ ۭ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا مُحَالَةَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ اَنْزَهُهَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى مَنْ دُوْنَهُمْ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِىْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ مِنَ الْبِشَارَةِ مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا بِهٖ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَىْ عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَىْ لٰكِنْ اَسْاَلُكُمْ اَنْ تَوَدُّوْا قَرَابَتِىَ الَّتِىْ هِىَ قَرَابَتُكُمْ اَيْضًا فَاِنَّ لَهٗ فِىْ كُلِّ بَطْنٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةً ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ يَكْتَسِبْ حَسَنَةً طَاعَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ بِتَضْعِيْفِهَا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِلذُّنُوْبِ شَكُوْرٌ ۝ لِلْقَلِيْلِ فَيُضَاعِفُهٗ اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ بِنِسْبَةِ الْقُرْاٰنِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ يَرْبِطْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ بِالصَّبْرِ عَلٰى اَذَاهُمْ بِهٰذَا الْقَوْلِ وَغَيْرِهٖ وَقَدْ فَعَلَ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ الَّذِىْ قَالُوْهُ وَيُحِقُّ الْحَقَّ يُثْبِتُهٗ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ الْمُنَزَّلَةِ عَلٰى نَبِيِّهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ بِمَا فِى الْقُلُوْبِ وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ مِنْهُمْ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ الْمَتَابِ عَنْهَا وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يُجِيْبُهُمْ اِلٰى مَا يَسْاَلُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ جَمِيْعُهُمْ لَبَغَوْا جَمِيْعُهُمْ اَىْ طَغَوْا فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِالتَّخْفِيْفِ وَضِدِّهٖ مِنَ الْاَرْزَاقِ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ فَيَبْسُطُهَا لِبَعْضِ عِبَادِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ وَيَنْشَاُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْيُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ

الْمَطَرَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا يَئِسُوْا مِنْ نُزُوْلِهِ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ يَبْسُطُ مَطَرَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحْسِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْحَمِيْدُ ۝ الْمَحْمُوْدُ عِنْدَهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ وَخَلْقُ مَا بَثَّ فَرَّقَ وَنَشَرَ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ هِيَ مَا يَدِبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ لِلْحَشْرِ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝ فِي الضَّمِيْرِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلٰى غَيْرِهٖ ع ۳

ترجمہ: جو شخص ارادہ کرتا ہو اپنے عمل سے آخرت کی کھیتی کا یعنی آخرت کی کمائی اور وہ ثواب ہے ہم اس کی کھیتی نیکیوں میں دس گنا تک اور اس سے بھی زیادہ اضافہ کر کے ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو تو ہم اسے اس میں سے بلا اضافہ کے بقدر نصیب عطا کریں گے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں بلکہ مکہ کے ان کافروں نے کچھ شرکاء تجویز کر رکھے ہیں اور وہ شیاطین ہیں کہ ان شرکاء نے ان کافروں کے لئے دین فاسد تجویز کر رکھا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی جیسے شرک اور انکار بعث اور اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا یعنی پہلے سے یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ قیامت کے دن دیا جائے گا تو ان کے اور مؤمنین کے درمیان دنیا ہی میں ان کو عذاب دے کر فیصلہ کر دیا جاتا اور ظالموں کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ قیامت کے دن دنیا میں برے اعمال کرنے کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ یعنی ان کے اعمال کا وبال قیامت کے دن ان پر لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے وہ جنت کے باغات میں ہوں گے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ پاکیزہ ہوں گے وہ جو خواہش کریں گے اپنے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل یہی ہے وہ جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جنھوں نے نیک عمل کئے یبشر میں مخفف اور مثقل دونوں قراءتیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا مگر رشتہ داری کی محبت یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری قرابت کا حق ادا کرو جو تمہاری بھی قرابت ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی قریش کے ہر خاندان میں قرابت تھی اور جو شخص کوئی نیکی کریگا ہم اس کیلئے اس کی نیکی میں اضافہ کر کے اور نیکی بڑھا دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ گناہوں کے بہت بخشنے والے اور قلیل کے بھی قدرداں ہیں کہ اس کو بڑھا دیتے ہیں بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رکھا ہے قرآن کی اللہ کی طرف نسبت کر کے پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب کو ان کی ایذاء رسانی پر صبر کے ساتھ اس قول وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کر دے اور اللہ نے ایسا کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان کی باطل باتوں کو مٹاتا ہے اور اپنے نبی پر نازل کردہ اپنی بات کے ذریعہ حق ثابت کرتا ہے بلاشبہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان پر برائیوں کو جن سے توبہ کر لی ہے معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو سب جانتا ہے (یفعلون) یا اور تاء کے ساتھ ایمان والوں کی اور نیکوکاروں کی سنتا ہے جو وہ سوال کرتے ہیں اور اپنے فضل سے انھیں اور بڑھا کر دیتا ہے اور کافروں کے لئے شدید عذاب ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو روزی فراخ کر دیتا تو وہ سب زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازہ کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے رزق نازل کرتا ہے (ینزل) تخفیف

اور تشدید کے ساتھ ہے لہٰذا وہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا ہے نہ کہ بعض کے لئے اور فراخی (رزق) سے سرکشی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے بندوں سے پورا باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے وہ ایسی ذات ہے کہ لوگوں کے بارش سے نا امید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے یعنی اپنی بارش کو پھیلا دیتا ہے اور وہ مؤمنین کے لئے محسن اور بندوں کے نزدیک قابل حمد ہے اور اس کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کو پیدا کرنا ہے اور ان جانوروں کا پیدا کرنا جو زمین وآسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور دابہ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہو انسان وغیرہ اور وہ جب چاہے ان کو حشر کے لئے جمع کرنے پر قادر ہے (جمعھم) کی ضمیر میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَ هوَ الثَّوَابُ : آخرت کو کھیتی سے تشبیہ دی اسی لیے کہتے ہیں الدنیا مزرعة الآخرة۔

قوله: منهما: یعنی اس میں سے بعض۔

قوله: شَرَعُوْا : یہاں شیاطین کی تزیین مراد ہے۔

قوله: ذٰلِكَ الَّذِيْ : یعنی وہ ثواب جس کی اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری دیتے ہیں۔

قوله: مُخَفَّفًا: یہ مشدد باب تفعیل سے آتا ہے۔

قوله: حُسْنًا : یہ مصدر ہے۔

قوله: مِنهم: قبول کا لفظ من سے دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور عن سے اپنے اندر اخذ، ابانة کا معنی لیے ہوتا ہے۔

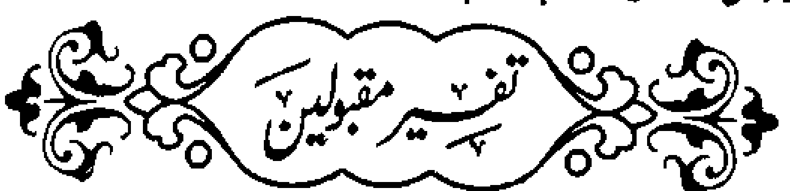
قوله: يُجِيْبُهُمْ : یہ یحبیب کے معنٰی میں ہے اور لام حذف ہے جیسا واذا کالوھم میں حذف ہے۔

قوله: مِّنْ فَضْلِهٖ : اس سے زائدہ جو انہوں نے مانگا محض فضل سے دیتا ہے۔

قوله: هی: اس سے زندہ مراد ہے فرشتے بھی اس میں شامل ہیں۔

قوله: مَا يَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ : مراد لیں تو فرشتے مراد نہ ہوں گے۔

قوله: اِذَا يَشَآءُ : اذا ماضی ومضارع دونوں پر آتا ہے۔



اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ.....

جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کر رکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا ان کے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز کر رکھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے ان کے واسطے ایسا

دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبود انکے لیے کوئی دین تجویز کرلیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسول کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے، یہ بات بلاشبہ ایسی تھی کہ فوراً ہی اللہ کے عذاب سے ان مجرمین اور گستاخوں کو تباہ کردیا جاتا مگر یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے اور اگر اللہ کا یہ قول فیصل طے شدہ نہ ہوتا کہ ایسے مجرموں کو دنیا میں مہلت دی جائے گی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا، اور ان کا کام تمام ہوجاتا اور بے شک ظالموں کو دیکھے گا کہ کانپ رہے ہوں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کئے اور وہ عذاب ان پر ضرور مسلط ہوکر رہے گا، جس سے وہ کسی بھی صورت سے نہ بچ سکیں گے، یہ تو منکرین و کافرین کا ہوگا، اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اپنے پروردگار کے پاس یہی ہے بہت بڑی فضیلت اور انعام اکرام یہی ہے جس کی بشارت دے رہا ہے، اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے، مجرمین کو تنبیہ اور عذاب آخرت سے ڈرانا اور ان کے بالمقابل مؤمنین و مطیعین کو ثواب آخرت اور نعماء جنت کی بشارت سنانا انتہائی اخلاص اور ہمدردی ہے اگر اس کے باوجود بھی ایسے لوگ جن کی عقلیں بھی بیمار اور قلوب گندہ ہیں وہ اللہ کے پیغمبر کے اخلاص و ہمدردی پر یقین نہیں رکھتے تو اے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجئے، اے لوگو! میں تم سے اس مشفقانہ نصیحت اور ہمدردانہ وعظ اور تبلیغ و دعوت پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا ہوں، اور اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر صرف اس محبت کا جو قرابت داری میں ہوتی ہے کہ تم میرے ساتھ اس قرابت نسبتی کا جو مجھے قریش کے ہر قبیلہ اور شاخ کے ساتھ حاصل ہے لحاظ کرکے کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ اور اس حق قرابت کے باعث میری طرف رخ کرو اور توجہ سے میری بات سنو، اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ، اور جب کہ میں تم سے کسی مالی صلہ اور معاوضہ کا طالب بھی نہیں تو یہ میرا انتہائی اخلاص ہے اور تعلق قرابت اس کا باعث ہونا چاہئے کہ میری بات پر غور کرو، اور اس کو قبول کرو، حق نبوت نہیں مانتے تو حق کا لحاظ کرلو، جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہے، اور میں تم کو پھر یہی بات ہمدردی اور نصیحت کے طور پر کہتا ہوں جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا، اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر و ثواب کا اضافہ کرتے ہیں، بے شک اللہ تو بہت ہی درگزر کرنے والا اور قدردان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی تقصیر و کوتاہی واقع ہوجائے تو درگزر فرماتا ہے، اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اس کو وہ سراہتا ہے وہ قدردان ہے اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات واجور سے محروم نہیں رکھتا،

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ....

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر:

آنحضرت ﷺ کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا: یا قوم لم تؤذونني وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم۔ یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں

اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغام نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے، اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو، اور میری بات سنو، مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، اگر ایمان نہیں لاتے تو میرے حال پر مجھ کو چھوڑ دو تا کہ میں خدا کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچا دوں۔

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے، اگر اطاعت نہیں کی تو ایذاء رسانی سے تو باز آ جاؤ، آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں، اس لیے میری بات سنو، اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن۔ بر وجود خود ستم بیحد مکن

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں "الا المودة فی القربی" کے یہی معنی منقول ہیں۔

قریش مکہ کی طرف سے جب ایذاؤں اور رکاوٹوں کی یہ نوبت آ گئی کہ آپ ﷺ ظاہر اسباب میں پیغام خداوندی لوگوں تک پہنچانے پر قادر نہ رہے تو آپ ﷺ اسی کیفیت کو اس طرح فرمایا کرتے، منعونی ان ابلغ کلام ربی۔ مجھے تو قریش کے لوگوں نے اس بات سے مجبور کر رکھا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں، تو اس صورت حال میں اس آیت کا نزول ہوا جس میں آپ ﷺ نے حق قرابت کا احساس دلاتے ہوئے یہی چاہا کہ کلام رب اور پیغام خداوندی پہنچانے میں تم میری دشمنی سے باز آ جاؤ، ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ غرض جملہ اکابر ائمہ مفسرین اور امت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں، عامر شعبی ضحاک علی بن ابی طلحہ عوفی اور یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہی معنی بیان کیے ہیں، ائمہ مفسرین میں سے مجاہد، قتادہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما نے اسی کو اختیار کیا، (تفسیر ابن کثیر جلد ۴) سعید بن جبیرؓ نے فرمایا، میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو فرمایا۔

"لا اسئلکم علیه اجرا الا ان لا تؤذونی نفسی المودة فی القربی لقرابتی منکم و تحفظوا القرابة التی بینی و بینکم"۔ یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ، میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے، ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباسؓ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ ﷺ کا نسب نہ ملتا ہو، آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے تو اس پر آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے کچھ نہیں طلب کرتا بجز (سودۃ فی القربی) اس لیے تم میری قرابت کا لحاظ کرو، اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

الغرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہوگیا کہ: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى میں استثناء، استثنا متصل نہیں بلکہ استثناء منقطع ہے، استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا بجز اس معاوضہ محبت و قرابت کے یعنی تبلیغ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضہ محبت قرابت مطلوب ہے مگر اس کے برعکس روایات مذکورہ کی بنا پر یہ استثناء منقطع ہوگا جہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا، اس کی مثال ایسی ہے: " لا یذوقون فیھا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا " میں جس طرح استثناء " بردا وشرابا " سے " حمیما وغساقا " کا کیا گیا کیونکہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو یہ استثناء منقطع ہے، اسی طرح اِلَّا الْمَوَدَّةَ ... بیٰ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ " الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى " جنس اجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ... دَّةَ فِي الْقُرْبٰى تبلیغ رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے نہیں کہلایا جاسکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اسی مراد کو متعین کررہی ہے تمام اہل سنت حضرات اور ائمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ بیان کیا گیا، نیز آیت میں لفظ فِي الْقُرْبٰى بھی اسی معنی کی تائید کررہا ہے، جس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ مگر وہ محبت جو قرابت داری میں ہو یوں نہیں فرمایا گیا، اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اگر یہ عنوان ہوتا تو احتمال ہوسکتا تھا کہ اس کی یہ تاویل کی جاسکے، اہل قرابت کی محبت کا اگرچہ اس تقدیر پر یہ معنی بھی لفظی دلالت سے بعید ہوتے تو " فِي الْقُرْبٰى " کے عنوان نے اس احتمال بعید کو بھی ختم کرڈالا، اور وہی مراد متعین ہوگئی جو روایات مذکورہ کے حوالہ سے ذکر کی گئی، حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں،

" بگو نمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ہیچ مزدے لیکن باید کہ پیش گیرید دوستی در میان خویشاوندان "۔

اور پھر اس پر حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں یعنی با من صلہ رحمی کنید ایذا نہ رسانید کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ایذاء نہ پہنچاؤ، اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں " تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ (صلہ) مگر دوستی چاہیے ناتے ہیں " ۔ اور حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا مگر قرابت کی دوستی " ۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدہی نہ کرو۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلہ مگر دوستی بیچ قرابت کے۔

فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے، چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى سے رسول ﷺ کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میری قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قربت والے صرف چار ہیں، فاطمہ، علی، حسن، حسین، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دے دیا جائے حتی کہ آپ ﷺ کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں، بہرکیف شیعہ فرقہ کی تفسیر رو سے اجرت رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے، پھر یہ کہ قرابتداروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو

خلیفہ اور بادشاہ بناؤ، جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ واقتدار حاصل ہو یعنی یہ حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے وہ نسل میری اولاد ہی میں رہے نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے، اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

(۱) پہلے قول کے لحاظ سے القربیٰ کا مفہوم قرابت ہے، جو لغت وضع کے مطابق ہے اور دوسرے قول کی رو سے قربیٰ کے معنی قرابت داروں کے ہوئے، حالانکہ اس معنی کے واسطے اہل عرب لفظ اَلْقُرْبٰی جو جمع قریب ہے استعمال کرتے ہیں، جیسے کریم کی جمع ''کرما''۔ لفظ اَلْقُرْبٰی تو اپنی وضع عربیہ کی رو سے یہ مفہوم نہیں ادا کرتا۔

(۲) اس کے علاوہ اصل قابل غور یہ امر ہے کہ آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شان نبوت اور منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ مقام نبوت کے تقدس و عظمت پر ایک بہتان عظیم ہے، یہ شیوہ تو اہل دنیا اور خود غرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے، حالانکہ اس قسم کے اوہام و شکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا، اور ان کی اولاد ورثاء ان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتی کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے، بہر کیف اگر یہ بات تصور کی جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ ایک قسم کا معاوضہ ہوگا، خدمات نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا، بار بار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، اور خود آنحضرت ﷺ کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً:

(۱) قل لآ اسئلکم علیه اجرا ان هو الا ذکری للعلمین۔ (سورۂ انعام)

(۲) وما تسئلهم علیه من اجر ان هو الا ذکر للعلمین۔ (سورۂ یوسف)

(۳) ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خیر وهو خیر الرازقین (المؤمنون)

(۴) قل ما اسئلکم علیه من اجر الا من شآء ان یتخذ الی ربه سبیلا (فرقان)

(۵) قل ما سالتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی الله وهو علی کل شیء شهید (سورۂ سبا)

(۶) قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین ان هو الا ذکر للعلمین

(۷) ام تسئلهم اجرا فهم من مغرم مثقلون (سورۂ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا جس سے منصب رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اجرت و نفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ دوسرے انبیاء سے گھٹ جائے، کیونکہ کسی اور پیغمبر نے تو ادا و رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جائے،

(۳)۔ پھر یہ کہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ وہ طالب اجرت نہیں

ہوتے جیسا کہ سورۂ یٰسین "اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون"۔ یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت "الا المودۃ فی القربی" کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت ﷺ کا طالب اجرت ہونا لازم آتا ہے، یہ آپ ﷺ کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کردے گا۔ العیاذ باللہ۔

(۴) پھر یہ کہ سورۂ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا، اور حضرت حسن بن علیؓ غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسنؓ وحسینؓ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہوچکی تھی، تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں، بالخصوص اس صورت میں کہ القربیٰ معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے، جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف ومعلوم کیسے ہوسکتا ہے، زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہؓ وحضرت علیؓ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے تو اس سے اہل سنت کب منکر ہیں، اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جز وایمان ہے البتہ وجوب محبت سے دوسروں کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہؓ کا بھی امام ہونا لازم آئے گا، پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ نصوص قرآن وحدیث میں جن لوگوں کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا مثلاً علماء وصلحاء تو ان کی بھی امامت ضروری ہو، اور ان کو بھی امام معصوم کے درجہ میں قرار دیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس امر کا جواز تصور نہیں کرسکتا۔

(۵) نیز یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى تو اگر کسی تاویل کے ذریعے الْقُرْبٰى سے "ذَوِی الْقُرْبٰى" یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلام خداوندی میں للقربی یعنی قرابت داروں کے واسطے، نہ کہ فِي الْقُرْبٰى جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے، اور قرآن کریم میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے وہاں لفظ "ذوی القربی" کا لایا گیا، چنانچہ ارشاد ہے: "واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربی" اور آیت: "ما افآء اللہ علی رسوله من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی" اور اسی طرح "فات القربی حقه" اور "اتی المال علی حبه ذوی القربی" الغرض جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ذوی القربی آیا ہے نہ کہ فی القربی، تو یہ بات واضح ہے کہ "فِي الْقُرْبٰى" کا مفہوم وہی ہے جو اہل حق نے بیان کیا، اور تمام ائمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہؓ سے نقل کیا گیا، وہ تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ "فِي الْقُرْبٰى" کی ایک اور تفسیر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہؓ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کی ہے: اَلْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى، اے الا ان تو ادوا اللہ تعالٰی" وان تقربوا"۔ الیه بطاعته "یعنی میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم اللہ سے محبت کا معاملہ کرو، اور اس کا تقرب حاصل کرو، طاعت وبندگی کے ذریعہ سے گویا یہ تشریح وتفسیر ہے: "بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من امن وعمل صالحا"۔ کی مراد یہ کہ بس تم سے میں صرف اسی چیز کا طالب ہوں جو تم کو اللہ سے قریب کردے، اور وہ اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت وبندگی ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے:

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے، حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت سیدہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض ولازم ہے، اور اہل بیت میں آپ ﷺ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر اقارب نبوی جو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں، ہر شخص کی محبت وعظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لیے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہونی چاہئے، اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، اور حضرت ام کلثومؓ کی اطاعت بھی فرض ہونی چاہئے، اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہؓ کو امام بھی ہونا چاہئے اور جب فاطمہؓ کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں، بہر حال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں لہٰذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں، اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو، اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو، اور اس جواب دو کہ حضرت علیؓ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلافصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورینؓ دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھنے کے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکتا، اور اس وجہ تفریق پر بجاطور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے: فاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ....

یعنی بفرض محال اگر کوئی بات آپ بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کردے، پھر فرشتہ یہ کلام معجزہ لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہوجائے۔ بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کرلیا جائے کما قال (وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (الاسراء: ۸۶، ۸۷) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب وافتراء کا شائبہ نہیں۔ اس لیے محض بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن وتشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کرکے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگادی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیامیٹ ہو اور حق ثابت ہوجائے تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل وبراہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں۔ بالخصوص وہ آیات آنفسیہ وآفاقیہ جن کا ذکر سورۂ حم السجدہ کے آخر پر سنریھم اٰیتنا فی

الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ان آیات کے ظاہر ہونے پر سب کھرے اور کھوٹے دلوں کا حال اعلانیہ واضح ہو جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اس آیت میں منکرین ومعاندین کو نصیحت کی گئی ہے کہ اب بھی کفر وانکار سے باز آ جائیں اور توبہ کر لیں۔اللہ تعالیٰ بڑا رحیم وکریم ہے،توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اوران کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔

توبہ کی حقیقت:

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں،اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔اور اس کے صحیح ومعتبر ہونے کے لیے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کر دے،دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہوا اس پر نادم ہو،اور تیسرے یہ کہ آئندہ اسے ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثہ موجود ہیں تو ان کو لوٹائے،اگر ورثہ بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے،بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے،اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے،مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے،برا بھلا کہا ہے یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہے راضی کر کے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لیے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ کے لیے ہے،اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے،لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہل سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک تو معافی ہو جائے گی،دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ....

خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جائے۔ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان وتمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے۔نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو خاطر میں لاتے،جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرفہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں،جتنا آ جائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں،کوشش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں۔ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت عام غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ہاں دنیا کے عام مذاق و رجحان کے خلاف فرض کیجیے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی

کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کی طبائع ہی میں انقلاب پیدا کردیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا۔ بہرحال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلاتا ہے اس کا مقتضی یہ ہی ہے کہ غناء عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کردیا جائے۔ اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے۔ کیونکہ سب کے اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ....

یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب وحالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہوجاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار وبرکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہوجائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے، بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت وصواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ اور ہر قسم کی کارسازی اور اعانت وامداد وہیں سے ہوسکتی ہے۔

(تنبیہ) اللہ کی رحمت وقدرت کی طرف سے مایوس ہوجانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مؤمن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہوسکتا ہے جیسے فرمایا: (فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا) (یوسف:80) اور (حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ) (یوسف:110)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....

وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۔ دَاۗبَّةٍ: اصل لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے اختیار سے چلنے اور حرکت کرنے والی ہو، بعد میں یہ لفظ صرف جانوروں کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ اس آیت میں آسمان اور زمین دونوں کی طرف نسبت کرکے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چلنے والی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ زمین پر چلنے والی مخلوقات تو ظاہر ہیں، آسمان میں ان سے مراد ملائکہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانوں میں کچھ ایسے جانور موجود ہوں جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آسکے۔

بہرکیف، مقصد یہ ہے کہ گو نظام عالم کی مصلحت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مال ودولت میں وسعت عطا نہیں کی، بلکہ ایک حکیمانہ انداز سے رزق کی تقسیم فرمائی ہے، لیکن کائنات کی جو نعمتیں عمومی فائدے کی ہیں، ان سے ہر شخص کو بہرہ اندوز کیا ہے۔ بارش، بادل، زمین، آسمان اور ان کی مخلوقات سب انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور یہ سب چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے اپنے اعمال سے پہنچتی ہے۔ لہٰذا اسے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ بَلِيَّةٍ وَّ شِدَّةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ اَيْ كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ عُبِّرَ بِالْاَيْدِيْ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهَا وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ مِنْهَا فَلَا يُجَازِيْ عَلَيْهِ وَ هُوَ تَعَالٰى اَكْرَمُ

مِنْ اَنْ یُثَنّٰی الْجَزَاءُ فِی الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا غَیْرُ الْمُذْنِبِیْنَ فَمَا یُصِیْبُهُمْ فِی الدُّنْیَا لِرَفْعِ دَرَجَاتِهِمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَآ
اَنْتُمْ یَا مُشْرِکِیْنَ بِمُعْجِزِیْنَ اللّٰهَ هَرَبًا فِی الْاَرْضِ ۚ فَتَفُوْتُوْنَهٗ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا
نَصِیْرٍ ۝ یَدْفَعُ عَذَابَهٗ عَنْکُمْ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ السُّفُنُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۝ کَالْجِبَالِ فِی الْعِظَمِ اِنْ یَّشَاْ
یُسْکِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ یَصِرْنَ رَوَاکِدَ ثَوَابِتَ لَا تَجْرِیْ عَلٰی ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ هُوَ
الْمُؤْمِنُ یَصْبِرُ فِی الشِّدَّةِ وَیَشْکُرُ فِی الرَّخَاءِ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ عَطْفٌ عَلٰی یُسْکِنْ اَیْ یُغْرِقُهُنَّ بِعَصْفِ الرِّیْحِ
بِاَهْلِهِنَّ بِمَا کَسَبُوْا اَیْ اَهْلُهُنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ وَیَعْفُ عَنْ کَثِیْرٍ ۝ مِنْهَا فَلَا یُغْرِقُ اَهْلَهٗ وَیَعْلَمَ بِالرَّفْعِ
مُسْتَاْنِفٌ وَبِالنَّصْبِ مَعْطُوْفٌ عَلٰی تَعْلِیْلٍ مُقَدَّرٍ اَیْ یُغْرِقُهُمْ لِیَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ۭ مَا
لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ۝ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَجُمْلَةُ النَّفْیِ سَدَّتْ مَسَدَّ مَفْعُوْلَیْ یَعْلَمُ اَوِ النَّفْیُ مُعَلِّقٌ عَنِ
الْعَمَلِ فَمَآ اُوْتِیْتُمْ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَغَیْرِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ مِنْ اَثَاثِ الدُّنْیَا فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ یُتَمَتَّعُ بِهٖ
فِیْهَا ثُمَّ یَزُوْلُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الثَّوَابِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ وَیُعْطَفُ عَلَیْهِ وَ
الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ مُوْجِبَاتِ الْحُدُوْدِ مِنْ عَطْفِ الْبَعْضِ عَلَی الْکُلِّ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
یَغْفِرُوْنَ ۝ یَتَجَاوَزُوْنَ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ اَجَابُوْهُ اِلٰی مَا دَعَاهُمْ اِلَیْهِ مِنَ التَّوْحِیْدِ وَالْعِبَادَةِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ ۠ اَدَامُوْهَا وَاَمْرُهُمْ الَّذِیْ یَبْدُوْ لَهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۠ یَتَشَاوَرُوْنَ فِیْهِ وَلَا یَعْجَلُوْنَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
اَعْطَیْنَاهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَمَنْ ذُکِرَ صِنْفٌ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ الظُّلْمُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝
صِنْفٌ اَیْ یَنْتَقِمُوْنَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ بِمِثْلِ ظُلْمِهٖ کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ سُمِّیَتِ
الثَّانِیَةُ سَیِّئَةً لِمُشَابَهَتِهَا لِلْاُوْلٰی فِی الصُّوْرَةِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِیْمَا یُقْتَصُّ فِیْهِ مِنَ الْجِرَاحَاتِ قَالَ بَعْضُهُمْ
وَاِذَا قَالَ لَهٗ اَخْزَاکَ اللّٰهُ فَیُجِیْبُهٗ اَخْزَاکَ اللّٰهُ فَمَنْ عَفَا عَنْ ظَالِمِهٖ وَاَصْلَحَ الْوُدَّ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ بِالْعَفْوِ عَنْهُ فَاَجْرُهٗ
عَلَی اللّٰهِ ۭ اَیْ اِنَّ اللّٰهَ یَاْجُرُهٗ لَا مُحَالَةَ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اَیِ الْبَادِئِیْنَ بِالظُّلْمِ فَیَتَرَتَّبُ عَلَیْهِمْ عِقَابُهٗ وَ
لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ اَیْ ظُلْمِ الظَّالِمِ اِیَّاهُ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ مُؤَاخَذَةٍ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ

يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ يَعْمَلُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بِالْمَعَاصِي أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤْلِمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ فَلَمْ يَنْتَصِرْ وَغَفَرَ تَجَاوَزَ إِنَّ ذَٰلِكَ الصَّبْرَ وَالتَّجَاوُزَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ أَيْ مَعْزُومَاتِهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوبَاتِ شَرْعًا

ترجمہ: اور تمہیں مسلمانوں کو خطاب ہے جو مصیبت بلا اور شدت پہونچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے یعنی تم نے جو گناہ کئے ہیں اور اکثر کام ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کردی اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر کردیتا ہے کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں ان پر سزا دینا اس کے کرم سے بعید ہوگا، البتہ بے قصور لوگوں کو جو دنیا میں مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں اور اے مشرکین تم اللہ کو زمین میں ہرا نہیں سکتے کہ اس سے بچ نکلو اور اللہ کے سوا علاوہ تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑ جیسی پہاڑ کے برابر بڑی وہ اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ کھڑے کے کھڑے ٹھہرے ہوئے رہ جائیں سمندر کی سطح پر بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے اس سے مؤمن مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر کرتے ہیں یا جہازوں کو تباہ کردے اسکا عطف یسکن پر ہے یعنی ہواؤں کے جھونکوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کردے ان کے اعمال کی وجہ سے سواروں کے گناہوں کے باعث اور بہت سے لوگوں سے درگزر کرے ان کو غرق نہ کرے اور معلوم ہوجانا چاہئے یعلم رفع کے ساتھ مستانفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لغرقهم لینتقم منهم ویعلم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں ہے عذاب سے چھٹکارا اور جملہ مینه یعلم کے دونوں مفعولوں کی جگہ سے یا حرف نفی کا لفظوں میں عمل نہیں ہے، سو تمہیں مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے جو کچھ دنیا کا ساز و سامان دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی میں برتنے کے لیے ہے نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہوجائے گا اور جو اللہ کے یہاں ثواب ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے جن پر شرعی حد واجب ہوجاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف درگزر کردیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا توحید و عبادت کی دعوت قبول کرلیتے ہیں اور نماز کے پابند ہیں مستقل نمازی ہیں اور ان کا ہر کام جو انہیں درپیش ہوتا ہے آپس کے مشورے سے ہوتا ہے باہمی صلاح مشورہ کرتے ہیں جلد بازی سے کام نہیں لیتے اور ہم نے جو کچھ عطا کیا دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں یہ دوسری قسم ہوئی یعنی جو شخص ان پر ظلم کرتا ہے وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہئے بدلہ کو برائی کہنا اس لیے ہے کہ صورت شکل میں پہلی

برائی جیسا ہوتا ہے اور صورۃً یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو اس کے جواب میں اخزاک اللہ کہنے کی اجازت ہے پھر جو شخص معاف کردے ظالم کو اور اصلاح کرے معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بحال کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے یعنی ضرور اس کو اجر عطا فرمائے گا واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے یعنی ظلم کی ابتدا کرنے والے کو وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں اور جو اپنے اوپر ظالم کا ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے ہیں زمین میں ناحق شرعاً غلط طریقہ پر ایسوں کے لیے دردناک تکلیف دہ عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے بدلہ نہ لے اور معاف کردے درگزر کرے یہ صبر اور معافی البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کو کہ شرعاً مطلوب ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: بِاَهْلِهِنَّ : یہ مما کسبوا کے قرینہ سے مقدر مانا۔

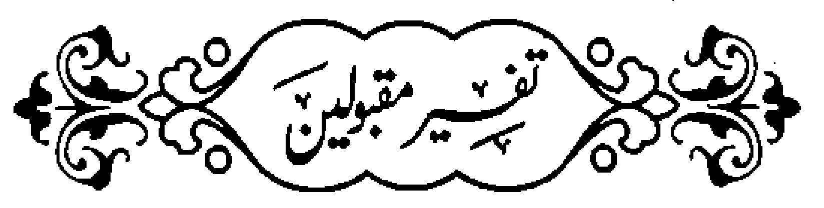
قوله: شُوْرٰی : ذو محذوف ہے۔ یہ مصدر ہے۔ اور استشار کے معنی میں ہے۔

قوله: مَنْ ذُكِرَ صِنفٌ : اس سے اشارہ کیا کہ پہلی آیات میں ایک قسم ذکر کی اور ایک بعد میں۔

قوله: لِمُشَابِهِتِهَا : جزاء سیۂ کو مشابہت سے سیۂ کہا گیا ہے۔

قوله: الْوُدَّ : دوستی، تعلق۔

قوله: مَعْزُوْمَاتِ : شرعی عزائم۔



وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے:

پھر فرمایا کہ تم سے جس کسی کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام و راحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ

ہوتے ہیں جن پر مواخذہ ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو جان و مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ آخرت میں گناہوں پر جو عذاب ہے وہ بہت سخت ہے دنیا میں جو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں وہ معمولی چیزیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے کوئی بلند مرتبہ دینے کا فیصلہ فرما دیتا ہے لیکن وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے یہ تکلیف اس کے مال جان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر صبر عطا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لیے پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح ۱۲۸ از احمد و ابوداؤد)

یاد رہے کہ وَمَآ اَصَابَکُمْ میں جو خطاب ہے یہ عام مؤمنین سے ہے لہٰذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ حضرات انبیاء کرام تو معصوم تھے ان پر تکلیفیں کیوں آئیں ان حضرات کو جو تکلیفیں پہنچیں گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کے لیے پہنچیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جس حال میں رکھے اس میں رہو گے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے، اور غیر اللہ سے امیدیں باندھنا بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی (یعنی کارساز) نصیر (یعنی مددگار) نہیں ہے

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝

سمندروں کی تسخیر قدرت الٰہی کی نشانی:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہی چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر تو بادبان بیکار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لیے تو بڑی عبرت کی جا ہے وہ رب کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگزر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔ علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے۔ تیز و تند آندھی چلا دے جو

کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے ادھر سے ادھر کر دے سنبھالے نہ سنبھل سکے جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یونہی سرگشتہ وحیران ہو ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اگر تیز کر دے تو ناکامی۔ لیکن یہ اس کا لطف وکرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفران کشتیوں کے ذریعہ بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پالیتا ہے یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر بہت ہی برسا دے تو ترسالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے وہاں کمی سے پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانیوں سے جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں۔ (فسبحانہ ما اعظم شانہ)

شاید کسی کے دل میں وسوسہ آئے کہ اب تو بڑے بڑے جہاز پٹرول سے چلتے ہیں، ہواؤں کا ان کے چلنے میں دخل نہیں ہے اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور بندوں کو احتیاج بیان کرنا ہے پٹرول بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور مشینوں اور انجنوں کی سمجھ اور ان کے چلانے کے طریقے بھی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے ہیں۔

وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۵

(اور جب کشتی والوں کی ہلاکت ہونے لگے تو وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں کہ ان کے لیے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ہے جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے مشرک ہیں بتوں کی دہائی دیتے ہیں ان کے سامنے جب کشتیوں اور کشتیوں میں سوار ہونے والوں کی تباہی کا منظر سامنے آجائے تو وہ سمجھ لیں کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی نفع نہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ﴿وَ يَعْلَمَ﴾ قرأ أهل المدينة والشام ﴿وَ يَعْلَمُ﴾ برفع الميم على الاستئناف كقوله عزوجل فی سورة براْة ﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ وقرأ الاخرون بالنصب على الصرف والجزم اذا صرف عنه معطوفه نصب، وهو كقوله تعالى ﴿وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ صرف من حال اجزم الى النصب استخفافًا وكراهية لتوالى الجزم۔ (علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں کہا ہے وَّ يَعْلَمَ کو مدینہ اور شام کے قراء نے ﴿وَيَعْلَمُ﴾ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے یہ نیا جملہ ہے جیسا کہ سورہ براءۃ میں ہے: ﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور دوسروں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے صرف کی بنیاد پر کیونکہ جب جزم سے اس کا معطوف پھیرا جاتا ہے تو نصب دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ہے۔ جزم سے نصب کی طرف اس لیے پھیرا گیا ہے تا کہ تخفیف بھی ہو جائے اور مسلسل دو جزم میں بھی نہ آئیں۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ....

آیات مذکورہ میں دنیا کی نعمتوں کا ناقص ہونا اور فانی ہونا اور اس کے مقابل آخرت کی نعمتوں کا کامل بھی ہونا اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لیے سب سے اہم اور بڑی شرط تو ایمان ہے کہ اس کے بغیر وہ نعمتیں وہاں کسی کو نہ ملیں گی۔ لیکن ایمان کے ساتھ اگر اعمال صالحہ کا بھی پورا اہتمام کرلیا تو آخرت کی یہ نعمتیں اول ہی مل جائیں گی۔ ورنہ اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی۔ اس لیے آیات مذکورہ میں سب سے پہلی شرط تو الذین امنوا بیان فرمائی۔ اس کے بعد خاص خاص اعمال کا ذکر فرمایا گیا جن کے بغیر ضابطہ کے مطابق آخرت کی نعمتیں شروع سے نہ ملیں گی بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی۔ اور ضابطہ کے مطابق اس لیے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب گناہوں کو معاف فرما کر اول ہی آخرت کی نعمتیں بڑے سے بڑے فاسق کو دے سکتے ہیں وہ کسی قانون کے پابند نہیں۔ اب وہ اعمال وصفات دیکھئے جن کو اس جگہ اہمیت سے ذکر فرمایا ہے۔

پہلی صفت:

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ یعنی ہر کام اور ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ رکھیں، اسکے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہ سمجھیں۔

دوسری صفت:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ. یعنی جو کبیرہ گناہوں سے خصوصاً بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ اس کی تفصیل سورۃ نساء وغیرہ میں پہلے بیان ہو چکی اور احقر نے ایک مختصر سے رسالہ میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی پوری فہرست بھی لکھ دی ہے۔ جو گناہ بے لذت کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

کبیرہ گناہوں میں سبھی گناہ داخل تھے، ان میں سے فواحش کو الگ کر کے بیان فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ فواحش کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سخت بھی ہے اور وہ ایک مرض متعدف ہوتے ہیں، جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں فواحش کا لفظ ان کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو جیسے زنا اور اس کے مقدمات۔ نیز وہ اعمال بد جو ڈھٹائی کے ساتھ علانیہ کئے جاویں وہ بھی فواحش کہلاتے ہیں کہ ان کا وبال بھی نہایت شدید اور پورے انسانی معاشرہ کو خراب کرنے والا ہے۔

تیسری صفت:

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ یعنی وہ جب غصہ میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل فاضل آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہیں۔ وہ جائز، ناجائز، حق و باطل اور اپنے کئے کے نتائج پر غور کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ جس پر غصہ آتا ہے اس کی کوشش یہ ہونے لگتی ہے کہ مقدور بھر اس پر غصہ اتارا جائے۔ مؤمنین وصالحین کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ غصے کے وقت حق و ناحق کی حدود پر قائم رہیں بلکہ اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں۔

چوتھی صفت:

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ....

استجابت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملے اس کو فوراً بے چون وچرا اور بے تامل قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے وہ اپنی طبیعت کے مطابق ہو یا مخالف، ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔ اس میں اسلام کے تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام محرمات ومکروہات سے بچنے کی پابندی شامل ہے مگر فرائض میں چونکہ نماز سب سے اہم فرض ہے۔ اور اس میں یہ خاصہ بھی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دوسرے فرائض کی پابندی اور ممنوع چیزوں سے بچنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اس لیے اس کو ممتاز کر کے فرمادیا، واقاموا الصلوۃ یعنی یہ لوگ نماز کو اس کے تمام واجبات اور آداب کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں۔

پانچویں صفت:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ : یعنی ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ شوریٰ بروزن بشریٰ مصدر ہے۔ تقدیر عبارت ذوشوریٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ مہمات امور جن میں شریعت نے کوئی خاص حکم متعین نہیں کر دیا ہے ان کو طے کرنے میں یہ باہمی مشورہ سے کام لیتے ہیں۔ مہمات امور کی قید خود لفظ امر سے مستفادہ ہے۔ کیونکہ عرف میں امر ایسے ہی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی (آیت) وشاورھم فی الامر کے تحت تفصیل گزر چکی ہے اس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مہمان امور میں امور مملکت وحکومت بھی داخل ہیں اور عام معاملات مہمہ بھی۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے۔ جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے، اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔ اس کی تفصیل معارف القرآن جلد دوم ۵۱۲ سے ص ۲۲۲ تک میں ملاحظہ فرمادیں۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے مشورہ کی اہمیت واضح ہو گئی اور یہ کہ ہم اس پر مامور ہیں کہ ایسے مشورہ طلب اہم کاموں میں جلد بازی اور خود رائی سے کام نہ کریں۔ اہل عقل وبصیرت سے مشورہ لے کر قدم اٹھائیں۔

مشورہ کی اہمیت اور اس کا طریقہ:

خطیب بغدادی نے حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے، جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اس کے لے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ کر کے طے کرلو۔ کسی کی تنہا رائے سے

فیصلہ نہ کرو۔
اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاء وعابدین کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہئے جو فقہاء یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عبادت گزار ہوں۔
صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں بلکہ بے علم بے دین لوگوں میں دائر ہو اس کا فساد اس کی اصلاح پر غالب رہے گا۔
بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشد امور کی طرف ہدایت فرما دے گا۔ یعنی اس کا رخ اس طرف پھیر دے گا جو اس کے لیے انجام کار خیر اور بہتر ہو۔ اسی طرح کی ایک حدیث بخاری نے الادب المفرد میں اور عبد بن حمید نے مسند میں حضرت حسن سے بھی نقل کی ہے۔ جس میں آپ نے آیت مذکورہ پڑھ کر یہ فرمایا ہے۔
ماتشاور قوم قط الاهدوا الارشد امرهم۔
جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی ہے تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کر دی جاتی ہے۔
حدیث: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تمہارے امراء اور حکام وہ لوگ ہوں جو تم میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں (کہ اللہ کی راہ میں اور غرباء پر خرچ کریں) اور تمہارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوا کریں۔ اس وقت تک تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنا یعنی زندہ رہنا بہتر ہے اور جب تمہارے امراء و حکام تمہاری قوم کے برے لوگ ہو جاویں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جاویں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جاویں کہ وہ جس طرح چاہیں کریں۔ اس وقت تمہارے لیے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ (روح المعانی)

چھٹی صفت:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ یعنی وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ جس میں زکوٰۃ، فرض اور نفلی صدقات سب شامل ہیں۔ عام اسلوب قرآن کے مطابق زکوٰۃ وصدقات کا ذکر نماز کے متصل آنا چاہئے تھا، یہاں نماز کے ذکر کے بعد مشورہ کا مسئلہ پہلے بیان کر کے پھر زکوٰۃ کا بیان آیا۔ اس میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ اقامت نماز کے لیے مساجد میں پانچ وقت اجتماع ہوتا ہے۔ اس اجتماع سے مشورہ طلب امور میں مشورہ لینے کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ (روح المعانی)
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝۳۹

ساتویں صفت:

یعنی جب ان پر کوئی ظلم کرتا تو یہ برابر کا انتقام لیتے ہیں۔ اس میں حد مساوات سے تجاوز نہیں کرتے، یہ صفت درحقیقت تیسری صفت کی تشریح و تفصیل ہے۔ کیونکہ تیسری صفت کا مضمون یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے مخالف کو معاف کر دیتے ہیں۔ مگر بعض

حالات ایسے بھی پیش آسکتے ہیں کہ معاف کر دینے سے فساد بڑھتا ہے تو وہاں انتقام لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اس کا قانون اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ اگر کسی جگہ انتقام لینا ہی مصلحت سمجھا جائے تو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس سے انتقام لینے میں برابری سے آگے نہ بڑھیں ورنہ یہ خود ظالم ہو جائیں گے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ یعنی برائی کی جزا اس کی برابر برائی کرنا ہے۔ یعنی جتنا نقصان مالی یا جسمانی کسی نے تمہیں پہنچایا ہے ٹھیک اتنا ہی تم پہنچا دو۔ جیسی برائی اس نے تمہارے ساتھ کی ہے ویسی ہی تم کرلو مگر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ برائی فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اس کو جبراً شراب پلا دی تو اس کے جواب میں اس کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ اس کو زبردستی شراب پلا دے۔

اس آیت میں اگرچہ برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دے دی گئی ہے مگر آگے یہ بھی فرمادیا کہ: فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ یعنی جو معاف کر دے اور اصلاح کا راستہ اختیار کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ جس میں یہ ہدایت کر دی کہ معاف کر دینا افضل ہے۔ اس کے بعد دو آیتوں میں اسی کی مزید تفصیل آئی ہے۔

عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ:

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ سلف صالحین یہ پسند نہ کرتے تھے کہ مؤمنین اپنے آپ کو فساق فجار کے سامنے ذلیل کریں اور ان کی جرأت بڑھ جائے۔ اس لیے جہاں یہ خطرہ ہو کہ معاف کرنے سے فساق فجار کی جرأت بڑھے گی وہ اور نیک لوگوں کو ستائیں گے وہاں انتقام لے لینا بہتر ہوگا اور معافی کا افضل ہونا اس صورت میں ہے جبکہ ظلم کرنے والا اپنے فعل پر نادم ہو اور ظلم پر اس کی جرأت بڑھ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ عفو و انتقام کے دونوں حکم مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جو ظلم کرنے کے بعد شرمندہ ہو جائے اس سے عفو افضل ہے اور جو اپنی ضد اور ظلم پر اصرار کر رہا ہو اس سے انتقام لینا افضل ہے۔

اور حضرت اشرف المشائخ نے بیان القرآن میں اس کو اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مؤمنین، مخلصین اور صالحین کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ میں تو یہ بتلایا کہ یہ غصہ میں مغلوب نہیں ہوتے بلکہ رحم و کرم ان کے مزاج میں غالب رہتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔ اور هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ میں یہ بتلایا کہ یہ بھی انہیں صالحین کی خصوصیت ہے کہ اگر کبھی ظلم کا بدلہ لینے کا داعیہ ان کے دل میں پیدا بھی ہو اور بدلہ لینے لگیں تو اس میں حق سے تجاوز نہیں کرتے، اگرچہ معاف کر دینا ان کے لیے افضل ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ ....

برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں، معاف کرنے اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے:

پہلے جو آیات مذکور ہوئیں ان میں سے آخری آیت میں نیک بندوں کی صفات میں یہ بتایا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لے لیتے ہیں اس میں چونکہ کمی وبیشی کا ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا افضل ہے اس لیے بطور استدراک ان آیات میں اولاً تو یہ بتایا کہ برائی کا بدلہ بس اسی قدر لینا جائز ہے جتنی زیادتی دوسرے فریق نے کی ہو،

اگر کسی نے اس سے زیادہ بدلہ لے لیا جو اس پر زیادتی کی گئی تھی تو اب وہ اس قدر ظلم کرنے والا ہو جائے گا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ بدلہ لینا جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے معاف کر دیا جائے، جو شخص معاف کر دے گا اس کا یہ معاف کر دینا ضائع نہ جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس کا اجر عطا فرمائے گا معاف نہ کرے تو زیادتی بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ ثالثاً یہ فرمایا کہ جس شخص پر کوئی ظلم کیا گیا اور اس نے اسی قدر بدلہ لے لیا جتنا اس پر ظلم ہوا تھا تو اب اس کا مواخذہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے ظالم یا ظالم کی مدد کرنے والا دوست احباب کنبہ وقبیلہ کے لوگ اب اگر اس سے بدلہ کا بدلہ لیں گے تو یہ لوگ ظالم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کی گرفت ہوگی یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ رابعاً ایک عام اعلان فرما دیا کہ صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی ہمت اور صبر کے کاموں میں سے ہے، ہر شخص اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس کا اجر وثواب بہت بڑا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص (بدلہ لینے کی) قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَيْ اَحَدٍ يَلِيْ هِدَايَتَهٗ بَعْدَ اِضْلَالِ اللّٰهِ اِيَّاهُ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ اِلَى الدُّنْيَا مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ طَرِيْقٍ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا اَيِ النَّارِ خٰشِعِيْنَ خَائِفِيْنَ مُتَوَاضِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهَا مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ ضَعِيْفِ النَّظَرِ مُسَارَقَةً وَمِنْ اِبْتِدَائِيَّةٌ اَوْ بِمَعْنَى الْبَاءِ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِتَخْلِيْدِهِمْ فِي النَّارِ وَعَدَمِ وُصُوْلِهِمْ اِلَى الْحُوْرِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا وَالْمَوْصُوْلُ خَبَرُ اَنَّ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ دَائِمٍ هُوَ مِنْ مَقُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَيْ غَيْرِهٖ يَدْفَعُ عَذَابَهٗ عَنْهُمْ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ طَرِيْقٍ اِلَى الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا وَاِلَى الْجَنَّةِ فِي الْاٰخِرَةِ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ اَجِيْبُوْهُ بِالتَّوْحِيْدِ وَالْعِبَادَةِ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ اَيْ اَنَّهٗ اِذَا اَتٰى بِهٖ لَا يَرُدُّهٗ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ تَلْجَئُوْنَ اِلَيْهِ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ اِنْكَارٍ لِذُنُوْبِكُمْ فَاِنْ اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِجَابَةِ فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ تَحْفَظُ اَعْمَالَهُمْ بِاَنْ تُوَافِقَ الْمَطْلُوْبَ

مِنْهُمْ اِنْ مَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً نِعْمَةً كَالْغِنٰى
وَالصِّحَّةِ فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ الضَّمِيْرُ لِلْاِنْسَانِ بِاعْتِبَارِ الْجِنْسِ سَيِّئَةٌۢ بَلَاءٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اَيْ
قَدَّمُوْهُ وَعُبِّرَ بِالْاَيْدِيْ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهَا فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ لِلنِّعْمَةِ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنَ الْاَوْلَادِ اِنَاثًا اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ اَيْ يَجْعَلُهُمْ
ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ فَلَا يَلِدُ وَلَا يُوْلَدُ لَهُ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِمَا يَخْلُقُ قَدِيْرٌ ۝ عَلٰى مَا يَشَاۗءُ وَمَا
كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُوْحِيَ اِلَيْهِ وَحْيًا فِي الْمَنَامِ اَوْ بِالْاِلْهَامِ اَوْ اِلَّا مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ بِاَنْ يُسْمِعَ
كَلَامَهُ وَلَا يَرَاهُ كَمَا وَقَعَ لِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ اِلَّا اَنْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا مَلَكًا كَجِبْرَئِيْلَ فَيُوْحِيَ الرَّسُوْلُ
اِلَى الْمُرْسَلِ اِلَيْهِ اَيْ يُكَلِّمُهُ بِاِذْنِهٖ اَيِ اللّٰهِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اللّٰهُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِيْنَ حَكِيْمٌ ۝
فِيْ صُنْعِهٖ وَكَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِيْحَائِنَا اِلٰى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رُوْحًا هُوَ الْقُرْاٰنُ بِهٖ
تُحْيِي الْقُلُوْبُ مِّنْ اَمْرِنَا ۭ الَّذِيْ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ تَعْرِفُ قَبْلَ الْوَحْيِ اِلَيْكَ مَا الْكِتٰبُ الْقُرْاٰنُ وَ
لَا الْاِيْمَانُ اَيْ شَرَائِعُهٗ وَمَعَالِمُهٗ وَالنَّفْيُ مُعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ مَا بَعْدَهٗ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ اَيِ الرُّوْحَ اَوِ الْكِتَابَ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ تَدْعُوْ بِالْمُوْحٰى اِلَيْكَ اِلٰى
صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ دِيْنِ الْاِسْلَامِ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مِلْكًا وَخَلْقًا
ع ۵/۶ وَعَبِيْدًا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ تُرْجَعُ

ترجمہ: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں یعنی اللہ کے گمراہ کردینے کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہو سکے اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ انہیں عذاب کا مشاہدہ ہوگا بول اٹھیں گے کہ واپس جانے کی کوئی صورت ہے دنیا میں اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کی آگ کے سامنے لائے جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے خوفزدہ عاجزانہ مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے دوزخ کو چپکے چپکے چوری چھپے من ابتدائیہ ہے اور یا بمعنی با ہے اور اہل ایمان کہیں گے کہ پورے گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے ہمیشہ جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ حور سے محرومی کی وجہ سے ایمان لانے کی صورت میں، الذین خبر ہے انّ کی یاد رکھو کہ ظالم لوگ کافر دائمی عذاب میں رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے اور ان کے کوئی مددگار نہ

ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں یعنی اللہ کے علاوہ جو ان سے اللہ کا عذاب دور کر سکے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر ڈالے اس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں یعنی دنیا میں حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو توحید عبادت کو اختیار کرو اس دن قیامت کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹلے گا نہیں آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی جس کی پناہ میں تم جا سکو اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں ماننے سے تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے اور ہم جب آدمی کو اپنی عنایت کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں جیسے خوشحالی اور تندرستی تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ضمیر انسان کی طرف جنس کے لحاظ سے راجع ہے ان کے اعمال کے بدلہ جو اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں پہلے اور ہاتھوں سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انھیں سے ہوتے ہیں تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے خدا کی نعمت کی اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کو وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اولاد میں بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو پیدا کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے یعنی نہ عورت جن سکتی ہے نہ مرد جنوا سکتا ہے وہ بڑا جاننے والا ہے کہ کیا پیدا کرنا ہے بڑی قدرت والا ہے اپنی مشیت پر اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اس سے ہمکلامی ہو مگر یا تو اس پر وحی اتار دے بطور وحی خواب میں ہو یا بذریعہ الہام یا پس پردہ وہ اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھے نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا یا کسی فرشتہ کو بھیج دے جیسے جبریل کہ وہ پیغام پہنچا دے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہمکلام ہو جو اللہ کو منظور ہو بلا شبہ وہ بڑا عالیشان ہے مخلوق کی صفات سے بڑی حکمت والا ہے اپنی کاریگری میں اور اس طرح جس طرح ہم نے آپ کے علاوہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے ہم نے آپ کے پاس اے محمد! زندگی بھیجی ہے قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں یعنی اپنا حکم جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی وحی آنے سے پہلے آپ کو معلوم نہیں تھا کہ کتاب قرآن کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے یعنی اس کے احکام اور لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے یعنی روح یا قرآن کو نور جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستے دین اسلام کی ہدایت کر رہے اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں یعنی اس خدا کے رستہ کی کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے اسی کے مملوک مخلوق بندے ہیں یاد رکھو سب امور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

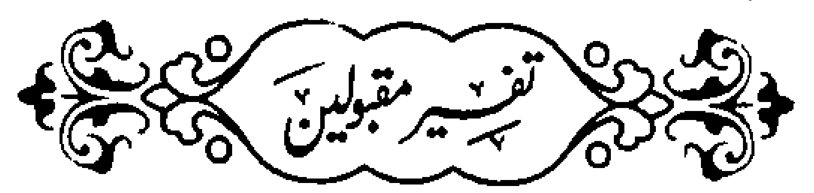
قوله: طَرْفٍ خَفِيٍّ: یعنی کمزور نگاہ، چرائی ہوئی نگاہ۔

قوله: مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ: نکیر بمعنی منکر ہے اے اہل جنت! تم پر کوئی روک نہیں۔

قوله: فَاِنَّ الْاِنْسَانَ: بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے مگر اصل مقدر جواب کی تعلیل ہے الف لام جنس کا ہے۔

قوله: ماالکتاب: مضاف مقدر ہے ای جواب الکتاب۔

قوله: وَلَا الْاِیْمَانُ: یہاں ایمان سے تفصیلات ایمان مراد ہیں۔



وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ....

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ جب وہ ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کیا کوئی واپسی کی سبیل بھی ہوسکتی ہے، اس آیت میں اس کے بعد کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ ضمنی طور پر عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس عذاب سے نارِ جہنم مراد ہے، کیونکہ ضمیر مؤنث لائی گئی ہے۔ اس لیے اسے نارِ جہنم ہی کہا جاسکتا ہے کہ آج تو یہ لوگ جہنم کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب جہنم کی آگ کو دیکھیں گے تو ساری شوخیاں بھول جائیں گے۔ اس طرح سر جھکائے ہوئے ہوں گے معلوم ہوگا کہ دنیا بھر کی ذلتیں ان کے سر پر لاد دی گئی ہیں۔ اور ان میں یہ ہمت نہیں ہوگی کہ جہنم کے عذاب کی طرف رخ کرسکیں۔ البتہ نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے جہنم کی طرف دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ جب کوئی مجرم قتل کے لیے مقتل کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس کے اندر یہ ہمت نہیں ہوتی کہ وہ کھلی آنکھوں سے جلاد کی تلوار کو دیکھ سکے۔ البتہ نظر بچا بچا کر اسے دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا ہے تاکہ کچھ اندازہ ہوسکے کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر اصحابِ ایمان پکار اٹھیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو دنیا میں اپنی جاہ و منزلت اور دولت و رفاہیت پر اس قدر نازاں تھے کہ عذاب کا ذکر ہی انھیں بدمزہ کردیتا تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے انجام کے بارے میں سوچنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ ناعاقبت اندیش لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس رویئے سے نہ صرف اپنا نقصان کیا بلکہ اپنے متعلقین کا بیڑہ بھی غرق کردیا اور ان کی اس برگشتگی نے اس خسارے سے انھیں دوچار کردیا جس سے بڑا خسارہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بڑے سے بڑا نقصان بھی اپنے اثرات میں محدود ہوتا ہے، ایک وقت آتا ہے جب یہ اثرات ختم ہوجاتے ہیں یا ان کی تلافی ہوجاتی ہے۔ لیکن جہنم کی سزا ایک ایسا خسارہ ہے جس کا نہ کبھی اختتام ہوگا اور نہ اس میں کمی آئے گی۔ جو اس میں پکڑا گیا وہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوگیا۔ اس لیے اس سے بڑھ کر اور خسارہ کون سا ہوسکتا ہے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ....

اس سے ان غافل منکرین و مکذبین کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے ان کو بطور زجر و تنبیہ دعوت حق کو قبول کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے، کہ تم لوگوں کیلئے اب بھی اصلاح احوال اور اپنی بگڑی بنانے کا موقع موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنے رب کی دعوت کو قبول کرلو۔ اور اس طرح اپنی عاقبت بنانے کا سامان کرلو۔ قبل اس سے کہ حیات دنیا کی یہ فرصت محدود و مختصر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور تم لوگوں کو ہمیشہ کے عذاب اور دائمی خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ کیونکہ

تمہارے رب کی طرف سے جب وہ دن آ جائے گا جو اٹل ہے تو اس وقت تمہارا اس کو قبول کرنا نہ کرنا ایک برابر ہوگا، اس دن نہ تمہارے لیے کوئی پناہ ممکن ہوگی۔ اور نہ ہی تمہارے اندر اس دن کسی چیز کو رد کرنے کی کوئی طاقت ہوگی۔ بلکہ اس دن جو کچھ تمہارے سامنے آئے گا تمہیں بے چون وچرا اسکے آگے سر جھکا دینا پڑے گا۔ سو اس سے حیات دنیا کو اس فرصت محدود کی قدر و قیمت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آخرت کی اَبدی زندگی کی کمائی اور وہاں کی فوز و فلاح سے سرفرازی کیلئے کوشش اور محنت کا موقع اسی میں، اور صرف اسی میں ہے، اسکے بعد اسکے لیے نہ کوئی موقع ہوگا، اور نہ کسی طرح یا کوئی امکان، جبکہ آج دنیاوی زندگی کی اس فرصت میں آخرت کی کمائی کے اس عظیم الشان اور حقیقی مقصد کے حصول اور اس سے سرفرازی کیلئے ہر قسم کے مواقع موجود ہیں،

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ ....

یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا فرض پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ نیز ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں۔ انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے (الا من شاء اللہ) کہ اللہ انعام و احسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے۔ پھر جہاں اپنی کرتوت کی بدولت کوئی افتاد پڑ گئی، بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے کہ گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی۔ اپنی حد پر قائم نہیں رہتا البتہ مؤمنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اس کے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ....

اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پس انسان کو ہمیشہ اسی سے مانگنا چاہیئے۔ اور جو بھی کچھ ملے اس پر مفتون و مغرور نہ ہو۔ اور اسے اپنی عقل و فکر اور کوشش و قابلیت کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے اللہ پاک کا عطیہ و احسان سمجھ کر اس کا مزید از مزید شکر ادا کرے کہ شکر نعمت سے نعمت بڑھتی ہے۔ اور اس میں برکت آتی ہے۔ اور وہ محفوظ رہتی ہے۔ سو اس سے ایسے بہکے بھٹکے لوگوں کو ان کی اس بیماری کا علاج بتا دیا کہ اگر یہ لوگ اس حقیقت پر ایمان رکھتے کہ آسمان و زمین کی اس ساری کائنات پر حکومت و بادشاہی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ہے۔ وہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے تو یہ لوگ تنگ ظرفی اور ناشکری کی ایسی حالت میں مبتلا ہونے کی بجائے ہمیشہ صبر و شکر سے کام لیتے۔ بہر کیف اس ارشاد سے اس بنیادی عقیدے کو بیان فرمایا گیا ہے جس سے محرومی کے باعث لوگوں کے اندر یہ تنگ ظرفی اور ناشکری پیدا ہوتی ہے اور وہ راہ حق و ہدایت سے بھٹک کر طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوتا اور جگہ جگہ ذلت و رسوائی کے دھکے کھاتا ہے۔

اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے:

حاصل یہ کہ خالق مالک اور متصرف زمین و آسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے جو چاہے پیدا کرے اور بنائے جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ

الصلوٰۃ والسلام اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں
سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد ﷺ اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ یوں یہ چار
قسمیں ہوئیں۔ لڑکیوں والے لڑکوں والے دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ۔ وہ علیم ہے ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے
جس طرح چاہے تفاوت رکھتا ہے پس یہ مقام بھی مثل اس فرمان الٰہی کے ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہے کہ تاکہ
ہم اسے لوگوں کے لیے نشان بنائیں یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھادیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔ حضرت آدم
صرف مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئیں باقی کل انسان مرد عورت دونوں سے سوائے
حضرت عیسیٰ کے کہ وہ صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کیے گئے۔ پس آپ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں ہوگئیں۔ پس
یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں اس کی بھی چار قسمیں اور اسکی بھی چار قسمیں سبحان اللہ یہ
ہے اس اللہ کے علم وقدرت کی نشانی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا....

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ بغوی اور قرطبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں جبکہ آپ نہ خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور نہ اس سے بالمشافہ کلام کرتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کلام کرتے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بالمشافہ کلام نہیں سنا بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔

اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ کسی بشر سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک وحیاً یعنی کسی مضمون کو قلب میں ڈال دینا۔ یہ جاگتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے اور نیند میں بصورت خواب بھی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، القی فی روعی۔ یعنی یہ بات میرے دل میں القاء کر دی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ ان میں شیطانی تصرف نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں عموماً الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔ صرف ایک مضمون قلب میں آتا ہے جس کو وہ اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری صورت:

مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ہے، یعنی جاگتے ہوئے کوئی کلام پس پردہ سنے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا مگر زیارت نہیں ہوئی اس لیے زیارت کی درخواست کی۔ رب ارنی انظر الیك، جس کا جواب نفی میں دیا گیا، لن ترانی۔

اور یہ حجاب جو انسان کو دنیا میں حق تعالیٰ کی زیارت سے مانع ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو حق تعالیٰ کو چھپا سکے، کیونکہ اس

کے نور محیط کی کوئی شے چھپا نہیں سکتی۔ بلکہ انسان کی قوت بینائی کا ضعف ہی اس کے لیے زیارت حق کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔ اسی لیے جنت میں جبکہ اس کی بینائی قوی کر دی جائے گی تو وہاں ہر جنتی حق تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

یہ قانون جو آیت مذکورہ میں ارشاد ہے، دنیا کے متعلق ہے کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ سے کلام مشافہتاً یعنی بے حجاب نہیں کر سکتا۔ اور انسان کی تخصیص کلام میں اس لیے ہے کہ گفتگو انسان ہی کے متعلق تھی۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہتہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت میں جبرائیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بہت قریب ہو گیا تھا اور پھر بھی ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے۔ اور شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کا حق تعالیٰ سے بالمشافہ کلام اگر ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے تو وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ وہ کلام اس عالم میں نہیں تھا، عالم سموات میں تھا۔ واللہ اعلم۔

تیسری صورت:

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا ہے۔ یعنی کسی فرشتہ جبرائیل وغیرہ کو اپنا کلام دے کر بھیجا جائے وہ رسول کو پڑھ کر سنا دے۔ اور یہی طریقہ عام ہے، قرآن مجید پورا اسی طرح بواسطہ ملائکہ نازل ہوا ہے۔ مذکورہ تفصیل میں لفظ وحی کو صرف القاء فی القلب کے معنی میں لیا گیا ہے مگر اکثر یہ لفظ تمام اقسام کلام ربانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں جو وحی آتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو فرشتہ اپنی اصلی ہیئت میں ہوتا ہے کبھی بشکل انسانی سامنے آتا ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ....

یہ آیت پہلی ہی آیت کے مضمون کا تکملہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں بالمشافہ کلام تو کسی کا نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر اپنی وحی بھیجتے ہیں جس کے تین طریقے پہلی آیت میں بیان ہوئے۔ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق آپ پر بھی وحی بھیجی جاتی ہے۔ یہودیوں کا یہ مطالبہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کیوں مخاطب نہیں ہوتے محض جاہلانہ اور معاندانہ ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ کسی انسان کو یہاں تک کہ کسی رسول کو جو کچھ بھی علم ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی ان کو یہ نہ بتلا دیں تو انہیں کسی کتاب کی واقفیت ہو سکتی ہے نہ تفصیلات ایمان کی کتاب کی واقفیت قبل وحی نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ایمان سے واقفیت نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کی تفصیلات اور شرائع ایمان یا ایمان کا اعلیٰ مقام جو بعد وحی حاصل ہوتا ہے، وحی سے پہلے اس کی واقفیت نہیں ہوتی۔ ورنہ باجماع امت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو اپنا رسول و نبی بناتے ہیں اس کو ابتداء ہی سے ایمان پر پیدا فرماتے ہیں۔ ان کی فطرت ایمان پر مبنی ہوتی ہے۔ عطاء نبوت اور نزول وحی سے پہلے بھی وہ پکے مؤمن ہوتے ہیں۔ اصول ایمان ان کی فطرت وخلقت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے جب ان کی قوموں نے مخالفت کی تو ان پر طرح طرح کے الزام لگائے مگر کسی پیغمبر پر کسی امت نے یہ الزام نہیں لگایا کہ تم بھی تو نبوت کے دعوے سے پہلے ہماری طرح بتوں کو پوجا کرتے تھے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور قاضی عیاض نے شفاء میں اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔



سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی　　شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے　　اور اس کی نواسی آیتیں ہیں اور سات رکوع

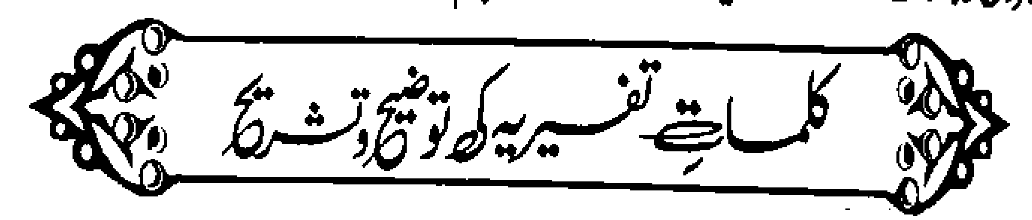
حٰمٓ ۝ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ الْمُبِيْنِ ۝ الْمُظْهِرِ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَمَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيْعَةِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ اَوْجَدْنَا الْكِتَابَ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ تَعْقِلُوْنَ ۝ تَفْهَمُوْنَ مَعَانِيَهٗ وَ اِنَّهٗ مُثْبَتٌ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ اَصْلِ الْكُتُبِ اَيِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لَدَيْنَا بَدَلٌ عِنْدَنَا لَعَلِيٌّ عَلَى الْكُتُبِ قَبْلَهٗ حَكِيْمٌ ۝ ذُوْ حِكْمَةٍ بَالِغَةٍ اَفَنَضْرِبُ نُمْسِكُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ الْقُرْاٰنَ صَفْحًا اِمْسَاكًا فَلَا تُؤْمَرُوْنَ وَلَا تُنْهَوْنَ لِاَجْلِ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ يَاْتِيْهِمْ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَاسْتِهْزَاءِ قَوْمِكَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ مِنْ قَوْمِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَّمَضٰى سَبَقَ فِيْٓ اٰيَاتٍ مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ صِفَتُهُمْ فِي الْاِهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ كَذٰلِكَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ اٰخِرُ جَوَابِهِمْ اَيِ اللّٰهُ ذُو الْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالٰى الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ فِيْٓ اَسْفَارِكُمْ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ اَيْ بِقَدْرِ حَاجَتِكُمْ اِلَيْهِ وَلَمْ يُنْزِلْهُ طُوْفَانًا فَاَنْشَرْنَا اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ هٰذَا الْاِحْيَاءِ تُخْرَجُوْنَ ۝ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اَحْيَاءً وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الْاَصْنَافَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ السُّفُنِ وَالْاَنْعَامِ كَالْاِبِلِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ حُذِفَ الْعَائِدُ

اِخْتِصَارًا وَهُوَ مَجْرُوْرٌ فِي الْاَوَّلِ اَيْ فِيْهِ مَنْصُوْبٌ فِي الثَّانِيْ لِتَسْتَوٗا لِتَسْتَقِرُّوْا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ذُكِرَ الضَّمِيْرُ
وَجُمِعَ نَظَرًا لِلَّفْظِ مَا وَمَعْنَاهَا ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ
مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ مُطِيْقِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ لَمُنْصَرِفُوْنَ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ حَيْثُ
قَالُوا الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ لِاَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ اِنَّ الْاِنْسَانَ الْقَائِلَ ذٰلِكَ لَكَفُوْرٌ
مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنٌ ظَاهِرُ الْكُفْرِ اَمِ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ وَالْقَوْلُ مُقَدَّرٌ اَيْ اَتَقُوْلُوْنَ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ ع ١٥
لِنَفْسِهٖ وَّ اَصْفٰكُمْ اَخْلَصَكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝ اللَّازِمُ مِنْ قَوْلِكُمُ السَّابِقِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمُنْكَرِ وَ اِذَا بُشِّرَ
اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا جَعَلَ لَهٗ شِبْهًا بِنِسْبَةِ الْبَنَاتِ اِلَيْهِ لِاَنَّ الْوَلَدَ يُشْبِهُ الْوَالِدَ الْمَعْنٰى اِذَا اُخْبِرَ
اَحَدُهُمْ بِالْبِنْتِ تُوْلَدُ لَهٗ ظَلَّ صَارَ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا مُتَغَيِّرًا تَغَيُّرَ مُغْتَمٍّ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ مُمْتَلِئٌ غَمًّا فَكَيْفَ
يُنْسَبُ الْبَنَاتُ اِلَيْهِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ اَوَ هَمْزَةُ الْاِنْكَارِ وَوَاوُ الْعَطْفِ لِجُمْلَةٍ اَيْ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَنْ يُّنَشَّؤُا
اَيْ يُرَبّٰى فِي الْحِلْيَةِ الزِّيْنَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ مُظْهِرُ الْحُجَّةِ لِضُعْفِهٖ عَنْهَا بِالْاُنُوْثَةِ وَ جَعَلُوا
الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا حَضَرُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ بِاَنَّهُمْ اِنَاثٌ وَ
يُسْئَلُوْنَ ۝ عَنْهَا فِي الْاٰخِرَةِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهَا الْعِقَابُ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ اَيِ الْمَلٰئِكَةَ
فَعِبَادَتُنَا اِيَّاهُمْ بِمَشِيْئَتِهٖ فَهُوَ رَاضٍ بِهَا قَالَ تَعَالٰى مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ الْمَقُوْلِ مِنَ الرِّضَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ
مَا اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ يَكْذِبُوْنَ فِيْهِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِمُ الْعِقَابُ بِهٖ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَيِ الْقُرْاٰنِ
بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ اَيْ لَمْ يَقَعْ ذٰلِكَ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ مِلَّةٍ وَّ اِنَّا
مَاشُوْنَ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ بِهِمْ وَكَانُوْا يَعْبُدُوْنَ غَيْرَ اللّٰهِ وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ
اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ مُتَنَعِّمُوْهَا قَوْلَ قَوْمِكَ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ مِلَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ مُتَّبِعُوْنَ
قَالَ لَهُمْ اَتَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ اَنْتَ وَمَنْ
قَبْلَكَ كٰفِرُوْنَ ۝ قَالَ تَعَالٰى تَخْوِيْفًا لَهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ اَيْ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ لِلرُّسُلِ قَبْلَكَ فَانْظُرْ كَيْفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ ع ٨

ترجمہ: سورہ زخرف مکی ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت ''وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ'' مکی نہیں ہے اس میں نواسی آیتیں ہیں۔
حٰمٓ ۞ اس سے اللہ ہی اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے قسم ہے اس کتاب قرآن کی جو ہدایت کے راستوں کو اور اس شریعت کو جس کی (انسان) کو ضرورت ہے ظاہر کر دینے والی ہے کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے کتاب کو موجود عربی زبان لغت عرب میں تاکہ تم مکہ والو سمجھ سکو اس کی مرادات اور ثابت ہے بنیادی اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے یہ بدل ہے بمعنی عندنا بلند رتبہ ہے پچھلی کتابوں پر حکمت بھری انتہائی حکمت والی ہے کیا ہم تم سے ہٹالیں گے روک لیں گے اس نصیحت قرآن کو کہ نہ تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم پچھلے لوگوں میں بھیجتے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے ٹھٹھا نہ کیا ہو جیسے آپ کی قوم آپ کا ٹھٹھا کر رہی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان آپ کی قوم والوں سے زیادہ زور آور طاقتور تھے اور ہو چکی ہے آیات میں گزر چکی ہے پہلے لوگوں کی حالت تباہی کی کیفیت یہی انجام آپ کی قوم کا بھی ہو سکتا ہے اور اگر لام قسمیہ ہے آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے؟ ضرور یہی جواب دیں گے لَيَقُوْلُنَّ میں نون رفع تو تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا اور واؤ ضمیر کو دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا، مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت، ذی علم ہے آگے حق تعالیٰ اضافہ فرما رہے ہیں جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا جیسے بچہ کے لیے جھولا اور پالنا ہوتا ہے اور اس میں تمہارے لیے اس نے راستے بنادے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو سفر میں ہو جو تمہارے مقاصد ہوں اور جس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے طوفانی صورت میں نہیں پھر ہم نے اُگایا، پیداوار کر دی اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح یعنی جلانے کی طرح تم نکالے جاؤ گے اپنی قبروں میں سے زندہ کر کے اور جس نے تمام اقسام صنفیں بنائیں اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے جیسے اونٹ بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو اس میں اختصار کے طور پر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیہ ہے اور دوسرے لفظ میں منصوب ہے تاکہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر مضبوطی سے بیٹھو ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کی جمع لایا گیا ما کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے طاقتور نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرا دیا چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جز ہی ہوتا ہے حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں واقعی انسان جس کا عقیدہ یہ ہو صریح ناشکرا ہے جس کا کفر واضح ہے کیا ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتقولون خدا نے پسند کیں اپنے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص انتخاب کئے بیٹے جو تمہارے پہلے قول سے لازم آ رہا ہے اس لیے یہ بات بھی قول رد ہے حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس

چیز کے ہونے کی جس کو خدائے رحمان کے لیے نمونہ بنا رکھا ہے اللہ کے لیے لڑکیوں کو تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے سارے دن اس کا چہرہ رونق غم کے مارے کالا رہتا ہے اور دل ہی میں کڑھتا رہتا ہے غم سے گھٹتا ہے پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسا ہے جب کہ وہ نفس اولاد ہی سے پاک کیا ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لیے ہے یعنی یجعلون لله جو کہ پرورش پائے پلے آرائش زیب و زینت میں اور مباحثہ میں قوت بیانیہ نہ رکھے صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو اور انھوں نے فرشتوں کو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا جو لوگ موجود حاضر تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت ان کا یہ دعوی لکھ لیا ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان سے باز پرس ہوگی اس کے متعلق آخرت میں چنانچہ اس پر سزا ہوگی اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے یعنی فرشتوں کی لہٰذا ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا فرماتے ہیں ان کو اس کی اپنے پرستش کرنے کو اللہ کو رضامندی کی دلیل کرنا کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے غلط بات کہہ رہے ہیں لہٰذا اس کی سزا پائیں گے کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے غیر اللہ کی پرستش کے متعلق کہ یہ اس سے استدلال کر رہے ہیں یعنی ایسے نہیں ہوا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ دستور پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں چنانچہ پہلے لوگ غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے (مالداروں نے) جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ دستور پر پایا ہے اور ہم بھی انھیں کے پیچھے پیچھے پیروی میں چل رہے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے پھر بھی تم پیروی ہی کرتے رہو گے اگر چہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو وہ کہنے لگے کہ جس پیغام کو دے کر تمہیں اور تم سے پچھلوں کو بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں حق تعالیٰ ان کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟



قوله: أَوْ جَدْنَا: احکام شریعت کے اعتبار سے کہا نہ کہ قرآنیت کے اعتبار سے۔

قوله: فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ: اس کا تعلق علی سے ہے۔

قوله: بَدَلٌ: بدل کو مبدل منہ سے مقدم کر سکتے ہیں، جب کہ وہ ظرف ہو۔

قوله: لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ: یہ ان کی خبریں ہیں۔

قوله: صَفْحًا: یہ غیر لفظ سے مصدر سے ہے۔

قوله: زَادَ تَعَالٰى: ان کا پہلا مقولہ العلیم ہے اور دوسرا مقولہ الذی جعل ---الآیۃ ہے۔ اور اس کا مابعد اللہ تعالیٰ کی

طرف سے وصف بیان کیا گیا۔

قوله: مَا تَرْكَبُوْنَ: اس میں ضمیر عائدہ محذوف ہے ای ترکبونہ۔

قوله: فیہ: یہ منصوب ہے جب رکوب کا مفعول دابہ ہو تو بلاواسطہ متعدی ہوجاتا ہے اور جب کشتی ہو تو فی سے متعدی ہوتا ہے۔

قوله: مقرنین: یہ اقرن سے زبردستی ساتھی بنایا۔

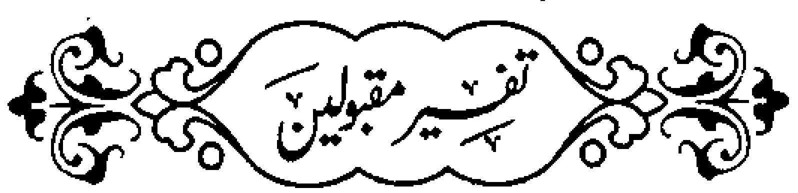
قوله: القول السابق: کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

قوله: جعل لہ شبھا: جعل کا پہلا مفعول محذوف ہے اور جعل ضرب کی تفسیر ہے اور اس کی لہ ضمیر رحمان کی طرف لوٹتی ہے اور شبھا یہ مثلاً کی تفسیر ہے اور بالنسبۃ یہ جعل سے متعلق ہے۔

قوله: بجملہ: یعنی اس کا تعلق جملہ سے ہے۔

قوله: علی امۃ: طریقہ یا ملت کے معنیٰ میں ہے۔

قوله: ما ارسلنا: یہ جملہ استیناف کے لیے ہے۔



سورۃ زخرف بھی مکی سورتوں میں ہے، اور مکی آیات وسورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی بالعموم توحید و رسالت کے دلائل پر مشتمل ہیں، اور شرک کی دلائل عقل و فطرت سے تردید کی گئی، اس کی نواسی ٨٩ آیات اور سات رکوع ہیں۔

گزشتہ سورۃ شوریٰ کی ابتداء اثبات وحی سے تھی اور اسی پر اس کی انتہاء بھی ہوئی کہ رسالت و نبوت کو ثابت کرتے ہوئے وحی الٰہی کی قسموں کی تحقیق و تفصیل بیان فرمائی گئی، اب اس سورت کی ابتداء سورۃ سابقہ کی نہایت کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتداء سورت میں کتاب الٰہی کی عظمت بیان کی جارہی ہے کہ وہ کتاب مبین ہے اور قرآن کریم کلام عربی ہے جس کے عربی ہونے کی وجہ سے اہل عرب اسکے اعجاز و حقانیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اس طرح ان کو قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کو کلام الٰہی ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حٰمٓ ۝ قسم ہے وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَالْكِتٰبِ کا جواب حٰمٓ ۝ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے: نزل واللہ، وجب واللہ تو اس نے وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ کو بنایا ہے اس نے وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنٰهُ کا معنی ہے، ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے ماجعل اللہ من بحیرۃ (المائدہ: ١٠٣) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور

سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔ عربیا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی (۲) یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے (۳) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جعلنہ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ لعلکم تعقلون۔ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا (۴) یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربوں اور عجمیوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔

قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے جس کے معانی روشن ہیں:

جس کے الفاظ نورانی ہیں جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے یہ اس لیے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند نصیحت و عبرت حاصل کریں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے، اس کی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرمایا تاکہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کرلیں۔ فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (لَدَيْنَا) سے مراد ہمارے پاس (لَعَلِيٌّ) سے مراد مرتبے والا عزت والا شرافت اور فضیلت والا ہے۔ (حکیم) سے مراد (محکم) مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہوجانے سے پاک ہے اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے: (اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ) (الواقعہ:۷۷) اور جگہ ہے: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ (عبس:۱۱) یعنی یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگا نہیں پاتا یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے اور فرمایا قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے وہ ایسے صحیفوں میں سے ہے جو معزز ہیں بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہوجائے۔ اس لیے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اسکی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہیے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب انہی سے ہے تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہیے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کرکے ان پر عامل بن جانا چاہیے کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گذاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے پہلے گزرنے والوں نے جب اس قرآن کو

جھٹلایا اسی وقت اگر یہ اٹھالیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کردی جاتی لیکن اللہ کی وسیع رحمت نے اسے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنی نہیں چھوڑتا تاکہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی اکرم آنحضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر گھبرائیں نہیں۔ صبر و برداشت کیجئے۔ ان سے پہلے کی جو قومیں تھیں ان کے پاس بھی ہم نے اپنے رسول و نبی بھیجے تھے اور انہیں ہلاک کر دیا وہ آپ کے زمانے کے لوگوں سے زیادہ زور اور اور باہمت اور توانا ہاتھوں والے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں؟ کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ جو ان سے تعداد میں اور قوت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں پھر فرماتا ہے اگلوں کی مثالیں گزر چکیں یعنی عادتیں، سزائیں، عبرتیں۔ جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے ہم نے انہیں گزرے ہوئے اور بعد والوں کے لیے عبرتیں بنا دیا۔ اور جیسے فرمان ہے آیت: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الفتح: ۲۳) یعنی اللہ کا طریقہ جو اپنے بندوں میں پہلے سے چلا آیا ہے اور تو اسے بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝

مبلغ کو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے:

(کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو؟) مطلب یہ ہے کہ تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں خواہ کتنے ہی حد سے گزر جاؤ لیکن ہم تمہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہو اسے ہر شخص کے پاس پیغام حق لے کر جانا چاہئے اور کسی گروہ یا جماعت کو تبلیغ کرنا محض اس بنا پر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ تو انتہا درجے کے ملحد بے دین یا فاسق و فاجر ہیں انہیں کیا تبلیغ کی جائے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ....

مشرکین کا اقرار کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہی ہے:

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین- کی اس عظیم الشان کائنات- کو؟ تو اس کے جواب میں یہ لوگ یقیناً یہی کہیں گے کہ ان کو اسی نے پیدا فرمایا ہے جو بڑا ہی زبردست سب کچھ جاننے والا ہے۔ سو جب انہیں یہ تسلیم ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق میں اس وحدہ لاشریک کا کوئی شریک و سہیم نہیں تو پھر استحقاق عبودیت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟ عجب مت ماری گئی ان لوگوں کی کہ مقدمات تو سب کے سب پوری طرح تسلیم کرتے ہیں مگر ان کے نتائج سے انکار کرتے ہیں: فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یہاں سے دو باتیں مزید معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ محض اللہ پاک کے خالق و مالک مان لینے سے بات نہیں بنتی جب تک کہ ہر شریک کی اس سے نفی نہ کی جائے۔ بلکہ نفی پہلے ہے اور اثبات بعد میں۔ جیسا کہ کلمہ طیبہ میں ہے۔ پس آج کے کلمہ گو مشرکوں کی یہ بات کافی نہیں کہ ہم تو اللہ کو خالق و مالک مانتے ہیں۔ کیونکہ اتنی بات تو

مشرکین عرب بھی مانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک جابجا اس کی تصریح کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ قطعی طور پر مشرک تھے۔ پس ضروری ہے کہ اللہ پاک کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ مخلوق سے ہر قسم کی صفت الوہیت کا انکار بھی کیا جائے۔ کہ اس وحدہ لاشریک کے سوا نہ کوئی حاجت روا، نہ مشکل کشا۔ نہ کسی کے لیے دست بستہ قیام جائز اور نہ رکوع وسجود۔ نہ کسی کے گرد طواف کرنا، چکر لگانا اور پھیرے ماننا اور نہ کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا کہ یہ سب مختلف شکلیں اور قسمیں ہیں عبادت کی۔ اور عبادت و بندگی کی ہر شکل اور ہر قسم کا حق دار وہی وحدہ لاشریک ہے جو کہ سب کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک ایمان ویقین کا دعویٰ کرنے اور توحید کا دم بھرنے کے باوصف طرح طرح کی شرکیات میں مبتلا ہے۔ غیر اللہ کے لیے سجدے ہو رہے ہیں۔ طواف کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے غائبانہ پکارا جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ- اور دوسری بات یہاں سے یہ معلوم ہوئی کہ- {اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ} کا وہ مطلب نہیں جو اہل بدعت کے بعض بڑوں نے لیا ہے۔ کیونکہ مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کو من کل الوجوہ اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے جیسا کہ قرآن تصریح کرتا ہے۔ پس اہل بدعت کے مغالطے بے بنیاد ہیں- اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ....

زمین کے عظیم الشان بچھونے میں سامان غور وفکر:

ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے ایک عظیم الشان بچھونا بنایا۔ ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال قسم کا بچھونا جو اس کی بے حد وحساب اور گوناں گوں مخلوق اور اس مخلوق کی لاتعداد و بے شمار ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہے۔ جبکہ تمہارے بنائے ہوئے بچھونے اے لوگو! ہر طرح کے تکلفات کے باوجود بمشکل چند آدمیوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی ایک محدود دائرے میں۔ پس مہداً کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اور اس میں اس طرح کے عظیم الشان مطالب ومضامین کے دفتروں کے دفتر مخفی ومستور ہیں- فسبحان اللہ والحمد للہ رَبِّ العالمین -سو اس ارشاد ربانی میں یہ تعلیم و تلقین ہے کہ انسان اگر چار سو پھیلی بکھری اس عظیم الشان کائنات اور اپنے پاؤں تلے بچھی زمین کے اس عظیم الشان بچھونے ہی میں صحیح طور سے غور وفکر کرلے تو اس کو اس میں حضرت خالق- جل مجدہ- کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ، رحمت شاملہ اور عنایت کاملہ کے عظیم الشان مظاہر نظر آئیں گے۔ اور ایسے کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا- { رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ } (آل عمران:191) سو کائنات کی اس کھلی کتاب کے ان عظیم الشان مظاہر میں غور وفکر سے کام لینے والوں کیلئے اس کے خالق و مالک کی قدرت وحکمت، اس کی وحدانیت ویکتائی اور عقیدۂ قیامت وآخرت کی صداقت و حقانیت کے عظیم الشان دلائل ملیں گے { وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ } (الذاریات:20) مگر مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ غفلت کا مارا انسان اس بارے غور وفکر سے کام لیتا ہی نہیں۔ وہ حیوانوں کی طرح اس سے طرح طرح کے فائدے تو اٹھاتا ہے اور لگاتار ومسلسل اٹھاتا ہے لیکن اس بارے سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ آخر کیا دھرا کس کا ہے؟ سو وہی

ہے اللہ وحدہ لاشریک جو کہ معبود برحق ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

زمین کے اندر پائے جانے والے راستوں میں سامان غور وفکر:

اسی نے رکھ دیئے اس زمین کے اندر طرح طرح کے عظیم الشان راستے تا کہ تم لوگ ہدایت و راہنمائی حاصل کر سکو۔ یعنی تا کہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے راستے پا سکو۔ اور اس عظیم الشان و بے مثال انتظام کو دیکھ کر تم لوگ اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس پر ایمان اور ہدایت کی راہ پا سکو کہ کس قدر رحیم و کریم وہاب و قدیر اور منعم و مہربان ہے ہمارا وہ رب جس نے ہمارے لیے طرح طرح کی ان عظیم الشان نعمتوں کو اس قدر وسعت و کشائش اور بے مثال حکمت و عنایت سے اس طرح پھیلا دیا۔ اور ہماری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر از خود محض اپنی شان کریمی سے ہمیں ان سے سرفراز فرما دیا۔ اور یہیں سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ اس کی معرفت اور اس کی عبادت و بندگی کا کس قدر بڑا اور عظیم الشان حق ہم پر عائد ہوتا ہے۔ سو کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس رب کریم کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر۔ غیروں کے آگے جھکتے اور طرح طرح کی بے حقیقت ہستیوں اور خود ساختہ اور فرضی سرکاروں کی پوجا پاٹ کی ذلت اٹھاتے ہیں۔ بہر کیف اگر تم لوگ صحیح طور پر غور وفکر سے کام لو تو تمہیں زمین کے اندر پائے جانے والے طرح طرح کے ان عظیم الشان نشانہائے قدرت سے راہ حق و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکتے ہو۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ ....

پانی کی نعمت میں غور وفکر کی دعوت وتحریک:

اور اس نے آسمان سے پانی اتارا ایک خاص اندازے کے ساتھ۔ یعنی تمہاری ضروریات و حاجات کے عین مطابق۔ نہ اتنا کم کہ تمہاری ضرورتوں کے لیے کفایت نہ کر سکے اور نہ اتنا زیادہ کہ تمہیں غرق کر دے اور طوفان نوح کی طرح تمہاری ہلاکت و بربادی کا باعث بن جائے۔ فالحمد للہ رَبِّ العالمین، سو آسمان سے پانی کے اس جوہر حیات آفریں کا اس طرح اترنا اور ایک نہایت ہی معقول اور مناسب اندازے اور مقدار میں نازل ہونا کوئی بخت و اتفاق یا محض ہوا اور موسمی حالات کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک خدائے عزیز و علیم اور قدیر و حکیم کی تقدیر اور اس کی نہایت ہی پر حکمت منصوبہ بندی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ سبحانہ وتعالی۔ سو یہ کتنی بے انصافی اور ناقدری ہے کہ انسان ظواہر و مظاہر میں اٹک کر اور الجھ کر اسی خدائے رحمن و رحیم، عزیز و علیم اور خبیر و قدیر کو بھول جائے اور اس کی بجائے اس کی اس پر حکمت کائنات کے مختلف مظاہر ہی کو پوجنے لگے۔ کسی نے سورج کو اپنا معبود بنا لیا اور کسی نے جل پوجا کے نام سے پانی کی پوجا کے ظلم کا ارتکاب کیا اور کسی نے کسی اور ایسی غیری مخلوق کی پوجا کی ذلت اٹھائی اور اپنی بربادی کا سامان کیا۔

مردہ زمین کو زندہ کرنے میں سامان غور وفکر:

پھر اسی پانی کے ذریعے ہم ہی نے جلا اٹھایا مردہ - و ویران - پڑی زمین کو۔ اپنی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور عنایت شاملہ سے۔ تو جو خالق کل اور مالک مطلق تمہاری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اس طرح ظاہری اور حسی بارش کا انتظام فرماتا ہے اور اس کے ذریعے وہ مردہ پڑی زمین کو زندہ فرماتا ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہدایت وارشاد کی معنوی اور روحانی بارش کا کوئی انتظام نہ فرمائے؟ اور تمہارے دلوں کی کھیتیوں کی سرسبزی وشادابی کا بندوبست نہ کرے؟ جبکہ جسم وجان کے اس مرکب میں اصل چیز تو قلب وروح ہی ہے۔ جسم تو بس اس کے لیے ایک سواری اور مرکب ہے۔ سو اس رب رحمٰن ورحیم نے تمہاری ہدایت وراہنمائی کیلئے نہایت ہی عظیم الشان انتظام فرمایا ہے کہ ایک طرف تو اس نے تمہارے سامنے کائنات کی اس کھلی کتاب کو نہایت ہی پر حکمت طریقے سے سجا کر رکھ دیا ہے جس میں حق اور حقیقت کو روشن کرنے والے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہر چہار سو پھیلائے ہیں۔ اور اس طور پر کہ وہ اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوت غور وفکر دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف تمہارے خالق ومالک رب علیم وقدیر نے تمہیں عقل و بصیرت کی اس عظیم الشان اور بے مثال روشنی سے نوازا اور سرفراز فرمایا جو ایک عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے۔ جس سے کام لیکر تم لوگ راہ حق وہدایت کو پا اور اپنا سکتے ہو۔ اور تیسری طرف اس نے حضرات انبیاء ورسل کی قدسی صفات ہستیوں کو تمہاری ہدایت وراہنمائی کیلئے اپنا نمائندہ اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں جنکی آخری اور کامل شکل قرآن مجید ہے۔ جو سب کتابوں کی جامع، انکے اصولی مضامین ومطالب کی محافظ ونگہبان اور ان کی امین و پاسدار ہے۔ سو اس سب کے باوجود جو لوگ راہ حق وہدایت سے منہ موڑتے ہیں وہ بڑے ہی محروم اور بدبخت لوگ ہیں۔ اور ان کیلئے اب کسی عذر ومعذرت کی کوئی گنجائش نہیں - بہرکیف پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے کے اس عمل میں عظیم الشان قدرت و حکمت ہے۔

بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی:

اور اسی طرح تم سب لوگوں کو نکالا جائے گا تمہاری قبروں سے۔ یعنی جس طرح کہ اس مردہ زمین سے وہ طرح طرح کی نباتات کو نکالتا ہے اور تم لوگ خود اس کا برابر اور ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہو۔ مگر غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ کہ جس قادر مطلق - سبحانہ وتعالیٰ - کی قدرت مطلقہ اور حکمت بالغہ سے مردہ زمین اور اس کے اندر کی بے شمار مردہ چیزوں کو زندہ کرنے کا یہ کام پیہم جاری ہے آخر وہ تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کیوں نہیں اٹھائے گا؟۔ اور یہ کام آخر اس کیلئے کیوں کر مشکل ہوسکتا ہے؟ سو اس طرح یہاں سے قیاس شرعی کی حجیت کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہاں پر مردوں کے قبروں سے نکلنے کو زمین سے نباتات کے نکلنے پر قیاس فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس طرح ہم پانی کے ذریعے مردہ پڑی ہوئی بے آب وگیاہ زمین کو اس طرح زندہ کر دیتے ہیں کہ وہ لہلہا اٹھتی ہے۔ سو اسی طرح تم لوگوں کو مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ اس زمین سے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے کا یہ پہلو چونکہ خاص اہمیت

کا حال ہے اس لیے اس کو متکلم کے صیغے سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جو اس کے اس پہلو کے اہتمام کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ!۔ کیا کیا باریکیاں اور لطافتیں اور نزاکتیں اللہ تعالیٰ کے اس کلام مجید میں ہیں۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ....

تمہاری سواریوں میں سامان غور وفکر:

اسی نے پیدا فرمائے تمہارے لیے وہ بحری جہاز اور چوپائے جن پر تم لوگ سوار ہوتے ہو۔ تاکہ اس طرح تم لوگ اپنی حوائج وضروریات کے لیے بحر و بر کے سفر کر سکو۔ اور اس طرح قسما قسم کے فوائد ومنافع حاصل کر سکو۔ نیز وہ تمہارے لیے آئندہ چل کر طرح طرح کی ایسی اور سواریاں پیدا فرمائے گا جو ابھی تمہارے علم و ادراک کی گرفت میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا گیا: { وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ } (النحل:8) یعنی اللہ پاک نے تمہاری سواری کے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سواری بھی کر سکو اور تمہارے لیے زیب وزینت کا سامان بھی ہو سکے۔ اور وہ آئندہ تمہارے لیے وہ کچھ پیدا فرمائے گا جو تم ابھی جان بھی نہیں سکتے۔ سو اس طرح یہ ارشاد ربانی تمام جدید ترین سواریوں کو عام اور شامل ہے۔ فللہ الحمد رب العالمین۔ سو بحر و بر کی یہ الگ الگ سواریاں جو اس طرح انسان کی طرح طرح کی خدمات انجام دے رہی ہیں، جہاں ایک طرف اس خالق و مالک کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کی واضح نشانیاں اور کھلے دلائل ہیں، وہیں یہ اس کی توحید اور وحدانیت مطلقہ کا بھی ثبوت ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی ارادۂ مطلقہ کی کرشمہ سازی ہے جو یہ سب اشیاء ایسے توافق کے ساتھ انسان کی خدمت میں محو ومصروف ہیں۔ نیز یہ قیامت کے امکان اور اس کی ضرورت کے واضح دلائل ہیں۔ سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں عظیم الشان دلائل موجود ہیں۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ ....

(تاکہ تم اچھی طرح ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ) جب خوب اچھی طرح جم کر جانوروں کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کو ایڑھ مار کر چلاتے ہیں اور ان کی پشتوں پر بیٹھنے اور جمنے کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے بتادیئے ہیں، گھوڑے پر زین کستے ہیں اور اونٹ پر کجاوہ باندھتے ہیں اس کے اٹھے ہوئے کوہان کے باوجود اس کی کمر پر بیٹھتے ہیں اور اس پر سفر کرتے ہیں۔

وقولہ تعالیٰ: مَا تَرْكَبُوْنَ ما موصولة والعائد محذوف والضمير المجرور فی ظهوره عائد الی لفظ ما وجمع الظهور رعاية للمعنی ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا تَرْكَبُوْنَ میں ما موصولہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور ظهوره کی ضمیر مجرور لفظ ما کی طرف لوٹتی ہے اور ظهور کو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے۔''

سوار ہونے کی دعا:

ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جاؤ) یہ یاد کرنا زبان اور دل دونوں سے ہونا چاہیے زبان سے یاد کرنے کی دعا بھی بتادی فرمایا: وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ

لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿ (اور تم یوں کہو، پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا اور ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے)۔ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿ (اور بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور ساتھ ہی اس بات کا بھی دھیان رکھیں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اسی دنیا میں نہیں رہنا مرنا ہے، اور یہاں سے جانا ہے زندگی کا اور نعمتوں کا حساب بھی ہونا ہے۔

جب جانور پر سوار ہو تو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے سنن ترمذی (کتاب الدعوات) میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں سواری کے لیے جانور لایا گیا، جب رکاب میں پاؤں رکھا تو بسم اللہ کہا پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر یہ آیت پڑھی: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے) اس کے بعد تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تین بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا پھر یہ دعا پڑھی: سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (اے اللہ تو پاک ہے بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے) اس کے بعد آپ ہنسے عرض کیا گیا امیر المؤمنین آپ کیوں ہنسے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی کیا جیسا میں نے کیا آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کس بات سے ہنسے؟ آپ نے فرمایا رب تعالیٰ شانہٗ کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے جب بندہ رب اغفرلی کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔ (وهو فى المشكوة ص ٢١٤)

سَخَّرَ لَنَا کی تشریح:

سواری کی جو دعا قرآن و حدیث میں بتائی اس میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے جو فائدہ اٹھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جانور پیدا فرمائے۔ پھر جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، یہ مستقل نعمت ہے ان پر سواری کرو، سامان لادو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاؤ، اگر اللہ تعالیٰ ان کو مسخر نہ فرماتا تو ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے (جانور بدک جاتا ہے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے۔)

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید، فرشتوں کو بیٹیاں بتانے والوں کی جہالت اور حماقت:

مشرکین عرب اور دیگر مشرکین جو دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جن میں نصاریٰ بھی ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر لی، سب جانتے ہیں کہ اولاد اپنے باپ کا جزو ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا اس کے لیے جزو تجویز کرنا ہوا۔ اہل عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مشرکین کا یہ عقیدہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿ (بلاشبہ انسان صریح ناشکرا ہے) اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے لیکن وہ تو توحید کے

خلاف بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔ یہ منعم حقیقی کی شکر گزاری کے تقاضوں کے خلاف ہے اور صریح ناشکری ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ۞

یعنی چاہیے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے۔ یہ صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اور اس کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کے لیے اولاد تجویز کی جائے، وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں، اول تو اولاد باپ کے وجود کا ایک جزو ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لیے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری ہے، دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہیے دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے۔ یہاں مخلوق و خالق و مجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے لڑکی باعتبار قوائے جسمیہ وعقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لیے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔

اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ۞

یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً زیبائش میں نشوونما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے وعقل کی، اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نہ رکھے۔ چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں، نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں، ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملا دیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تبیین مقصود میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی وہ گئی تھی، قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ ....

اس کے بعد فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتانے والوں کی تردید کی اور بطور استفہام انکاری ارشاد فرمایا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا اس نے اپنے لیے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اس کے لیے اولاد ہونا عیب کی بات ہے وہ اس عیب سے پاک ہے لیکن تم اپنی بیوقوفی تو دیکھو کہ رحمان جل مجدہٗ کے لیے اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو اس کے لیے بیٹیاں تجویز کر دیں اسی کو سورۃ النجم میں فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى، تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى﴾ (کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں یہ تو اس حالت میں بے ڈھنگی تقسیم ہے۔)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس خبر سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم میں گھٹنے لگتا ہے جس چیز کو اپنے لیے اتنا زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں اس کو اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں اور یہ نہ سوچا کہ جو چیز زینت میں اور زیور میں نشوونما پاتی ہے یعنی لڑکی اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو ٹھیک طرح اپنا دعویٰ بھی بیان

نہ کر سکے کیا ایسی چیز کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں؟ ایسی کمزور چیز کو اللہ کی اولاد تجویز کر بیٹھے، حماقت پر حماقت کرتے چلے گئے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ (کیا یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا) یعنی یہ تو موجود نہیں تھے انہوں نے اللہ کی مخلوق کے بارے میں کیسے تجویز کر لیا کہ وہ عورتیں ہیں یہ ان کی جرأت جاہلانہ اور مشرکانہ ہے: سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لکھا جاتا ہے قیامت کے دن اسے اپنے اعمال نامہ میں پائیں گے: وَ يُسْــَٔلُوْنَ ۞ (اور ان سے سوال کیا جائے گا) کہ تم نے جو یہ بات کہی تھی اس کی کیا دلیل تھی۔ والسین فی قوله تعالی ستكتب زيدت للتاكيد كما ذكره صاحب الروح ص ۲۷: ج ۲۵ سَتُكْتَبُ میں جو سین ہے یہ تاکید کے لیے زیادہ کی گئی ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے۔)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ ....

مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید، آباء واجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت

جب مشرکین کو متنبہ کیا جاتا اور بتایا جاتا تھا کہ تم جو شرک میں پڑے ہوئے ہو یہ گمراہی ہے اور تمہارا خالق اور مالک جل مجدہٗ اس سے راضی نہیں ہے تو کٹ حجتی کے طور پر یوں کہتے تھے کہ اگر ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے تو ہمیں اپنے علاوہ دوسروں کی عبادت کیوں کرنے دیتا ہے ان لوگوں کے نزدیک بت پرستی کا عمل صحیح ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل تھی اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ (ان کو اس بات کی کچھ تحقیق نہیں): اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۞ (یہ لوگ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) مشرکین کی یہ بات سورۂ انعام کی آیت: ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ (الآیۃ) اور سورۂ نحل کی آیت: وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ.... میں بھی گزر چکی ہے ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا جب اس نے ہمیں غیر اللہ کی عبادت کا موقع دیا یعنی ہمیں جبراً اس عمل سے نہیں روکا تو معلوم ہوگیا کہ وہ ہمارے عمل سے راضی ہے یہ ان لوگوں کی جاہلانہ اور احمقانہ دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ابتلاء اور آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے اور آزمائش جب ہی ہوسکتی ہے جب حق اور ناحق بیان کر دیا جائے اور اچھے برے اعمال بتا دیئے جائیں اور کرنے نہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے اگر جبراً کوئی کام کروالیا جائے تو اس میں امتحان نہیں ہوتا لہٰذا ان لوگوں کا یہ کہنا کفر و شرک کے اعمال پر ہم کو قدرت اور اختیار دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے کیونکہ امتحان کے لیے قدرت دے دینا راضی ہونے کی دلیل نہیں یہ لوگ اپنے کفر و شرک کو جائز کرنے کے لیے اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ (کیا ہم نے انہیں اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ اس پر استدلال کرتے ہیں) یعنی مشرکین عرب کے پاس ہم نے قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی اگر اس سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل کی جاتی اور اس میں شرک کی اجازت ہوتی تو اس کی دلیل میں پیش کرتے، ان کے پاس باپ دادوں کی تقلید کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جب انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم باطل پر ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا

ہے ہم انہیں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

دلائل صحیحہ قاہرہ کو نہ ماننا اور باپ دادوں کا اتباع کرنا دنیا میں پرانی رسم ہے اسی کو فرمایا: وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ ، اور جس طرح یہ لوگ جواب دیتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا تھا جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے تھے ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ہمارے امام تھے، اور ہم ان کے مقتدی ہیں۔

لوگوں کی یہ جاہلانہ بات سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ اور سورۂ لقمان میں بھی ذکر فرمائی سورۂ بقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) سورۂ لقمان میں فرمایا: اَوَ لَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو) خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کی تقلید کوئی چیز نہیں، ہاں اگر وہ ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع کیا جائے گمراہی میں کسی کا بھی اتباع کرنا گمراہی ہے، اتباع اس کا کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو۔ کما قال تعالیٰ: اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ.

قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ ....

سابقہ امتوں کی طرف جو نذیر بھیجے گئے ان کے مالدار لوگوں نے جو انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے پر ہیں اسی کا اقتداء کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات نے سوال کیا کہ تم نے جن طریقوں پر اپنے دادوں کو پایا ہے اگر ہم اس سے بڑھ کر اور بہتر ہدایت لے کر آئے ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہو گے اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے جب ان لوگوں نے حق کو نہ مانا اور حضرات انبیاء کرام کی تکذیب کردی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرما دیا: فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝ (سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھ لیجیے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟)

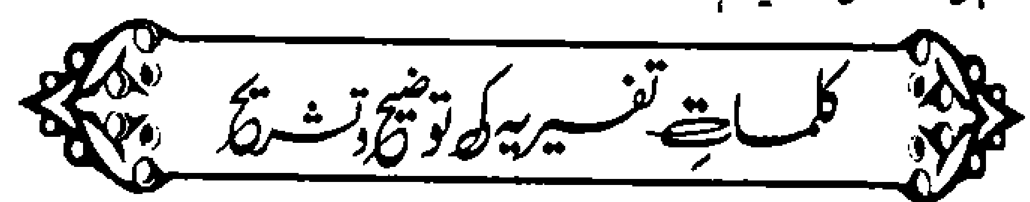
وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ اَیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ خَلَقَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ۝ یُرْشِدُنِیْ لِدِیْنِهٖ وَ جَعَلَهَا اَیْ كَلِمَةَ التَّوْحِیْدِ الْمَفْهُوْمَةَ مِنْ قَوْلِهٖ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ ذُرِّیَّتِهٖ فَلَا یَزَالُ فِیْهِمْ مَنْ یُّوَحِّدُ اللّٰهَ لَعَلَّهُمْ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ یَرْجِعُوْنَ ۝ عَمَّا هُمْ عَلَیْهِ اِلٰی دِیْنِ اِبْرَاهِیْمَ اَبِیْهِمْ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ الْمُشْرِكِیْنَ وَ اٰبَآءَهُمْ وَلَمْ اُعَاجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۝ مُظْهِرٌ لَهُمُ الْاَحْكَامَ الشَّرْعِیَّةَ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ لَا هَلَّا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ

الْقَرْيَتَيْنِ مِنْ اَيَّةٍ مِنْهُمَا عَظِيْمٍ ۝ اَيِ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ بِمَكَّةَ وَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيِّ بِالطَّائِفِ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ النُّبُوَّةَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ غَنِيًّا وَ بَعْضَهُمْ فَقِيْرًا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ بِالْغِنٰى فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ الْغَنِيُّ بَعْضًا الْفَقِيْرَ سُخْرِيًّا ۭ مُسَخَّرًا فِي الْعَمَلِ لَهُ بِالْاُجْرَةِ وَالْيَاءُ لِلنَّسَبِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ اَيِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَ لَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلَى الْكُفْرِ لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ بَدَلٌ مِنْ لِمَنْ سُقُفًا بِفَتْحِ السِّيْنِ وَسُكُوْنِ الْقَافِ وَبِضَمِّهِمَا جَمْعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ كَالدَّرَجِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ يَعْلُوْنَ اِلَى السَّطْحِ وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا مِنْ فِضَّةٍ وَّ جَعَلْنَا لَهُمْ سُرُرًا مِنْ فِضَّةٍ جَمْعُ سَرِيْرٍ عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَ زُخْرُفًا ۭ ذَهَبًا الْمَعْنٰى لَوْلَا خَوْفُ الْكُفْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ اِعْطَاءِ الْكَافِرِ مَا ذُكِرَ لَاَعْطَيْنَاهُ ذٰلِكَ لِقِلَّةِ خَطَرِ الدُّنْيَا عِنْدَنَا وَعَدَمِ حَظِّهٖ فِي الْاٰخِرَةِ فِي النَّعِيْمِ وَ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَا بِالتَّخْفِيْفِ فَمَا زَائِدَةٌ وَ بِالتَّشْدِيْدِ بِمَعْنٰى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ يَتَمَتَّعُ بِهٖ فِيْهَا ثُمَّ يَزُوْلُ وَ الْاٰخِرَةُ الْجَنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

۲۶ تا ۳۵

تَرْجَمَہ: اور یاد کیجئے یہ کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار، بے تعلق ہوں ان چیزوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا بنایا پھر وہی میری دینی راہنمائی کرتا ہے اور کر گئے ابراہیم اس کو یعنی توحید کو جوان کے قول: انی الی ربی سیھدین سے سمجھ میں آ رہا ہے ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد نسل میں چنانچہ کوئی نہ کوئی ان کی نسل میں پرستار توحید رہتا ہے تا کہ یہ لوگ مکہ والے باز رہیں اپنے موجود طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیم کی طرف بلکہ میں نے ان مشرکین کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا ہے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا جو شرعی احکام ان کو بتلاتا ہے یعنی محمد ﷺ اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی ایک میں کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر مکہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت نبوت تقسیم کرنا چاہتے ہیں ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں کہ ان میں سے کسی کو ہم نے امیر بنا دیا اور کسی کو فقیر اور ہم نے ایک کو خوشحالی سے دوسرے پر برتری دے رکھی ہے تا کہ ایک امیر دوسرے غریب سے کام لیتا رہے اور اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور کر سکے۔ سخریا میں یا نسبت کے لیے ہے اور یہ لفظ سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا

ہے۔اور آپ کے پروردگار کی رحمت جنت بدر جہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ دنیا میں سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کفر پر جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں تو ہم ان کے لیے ان کے گھر کی لن میں من سے بدل ہے چھتیں سقف سین کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے جن پر یہ چڑھا کرتے چھت پر جانے کے لیے اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور ہم نے ان کے لئے بنائے تخت بھی چاندی کے سرر، سریر کی جمع ہے جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں کے کافر کو دیدینے سے مؤمن کا کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافر کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے کیوں کہ دنیا ہمارے نزدیک حقیر ہے اور آخرت میں اس کے لئے جنت کا حصہ نہیں ہے اور یہ ان مخففہ ہے جو اصل میں مثقلہ تھا سب کچھ بھی ہیں۔لما تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو ما زائد ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہو کر ان نافیہ ہو جائے صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامیابی ہے جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی اور آخرت جنت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لیے ہے



قوله: بریٔ: البراء مصدر ہے جس کو صفت کے لیے استعمال کیا۔

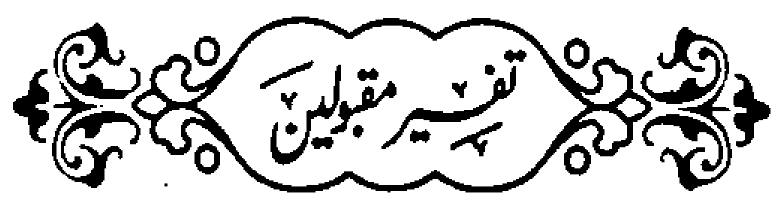
قوله: یہ کفار کی طرف سے انکار ہے اور ان کی ضد پر تعجب کا اظہار ہے۔

قوله: سُخْرِيًّا: مجبوراً کسی کام پر لگایا ہوا۔ بگار والا۔

قوله: وَالْاٰخِرَةُ: انجام کار۔

قوله: اَنْ يَّكُوْنَ: اس میں مضاف محذوف ہے کراھیۃ ان یکون۔

قوله: خَطَرِ الدُّنْيَا: دنیا کی عزت و عظمت۔



وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ۲۶

اہل باطل سے اظہار بیزاری کا درس:

سو اس سے شرک اور مشرکین سے اظہار بیزاری کے لیے اسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو ابراہیم کو جب انہوں نے باپ اور اپنی قوم کو خطاب کر کے اعلان براءت کیا۔ سو دیکھو کہ انہوں نے کس طرح اپنے باپ دادا کے شرکیہ طور طریقوں کے خلاف علم انکار و جہاد بلند کیا۔ پس تم لوگوں نے اے مشرکین مکہ، اگر باپ دادا ہی کی پیروی

کرنی ہے تو پھر ابراہیم جیسے باپ دادا کی پیروی کرو جنہوں نے شرک اور مشرکین سے صاف طور پر اعلان براءت کیا۔ خاص کر جب کہ تم لوگ ان کی نسل میں سے ہونے کے دعویدار بھی ہو۔ اور اس انتساب پر فخر بھی کرتے ہو۔ بڑوں کی پیروی کرنی ہے تو ایسے علمبردارانِ حق وتوحید کی پیروی کرو تا کہ تم راہ راست پاسکو نہ کہ ان مشرک باپ دادوں کی جو راہ حق وہدایت سے بھٹک اور بھٹک کر ابدی ہلاکت اور تباہی کی راہ پر چلتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس طرح مشرکین مکہ کے دلوں پر دستک دی گئی اور انکے ضمیروں کو جھنجھوڑا گیا کہ اگر تم لوگوں نے اپنے آباء واجداد کے طور طریقوں ہی پر چلنا ہے تو تم اپنے اصل جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل کو کیوں بھول جاتے ہو جنہوں نے اس قدر واشگاف الفاظ میں شرک سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور شرک ہی کی بنا پر انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے قطعی طور پر الگ ہو گئے۔ اور اپنے اس قول وفعل سے انہوں نے واضح کر دیا کہ دین وایمان کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت سب سے مقدم اور سب پر فائق ہے۔

چنانچہ ابراہیم نے اپنے مشرک باپ اور مشرک قوم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ میں قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں ان تمام معبودان باطلہ سے جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو؟ ۔ بَرَآءٌ جب باء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس وقت یہ مصدر ہوتا ہے۔ جیسے طلاق اور اس صورت میں یہ حمل مصدر علی سبیل المبالغہ ہوگا۔ اور جب بُرَآءٌ یعنی باء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس وقت یہ اسم مفرد ہوگا مبالغہ کے لیے۔ جیسے طوال اور کرام وغیرہ۔ (محاسن التاویل) سو بَرَآءٌ کے اس لفظ میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے زید عدل میں ہے۔ پس اس اعتبار سے اس کا معنیٰ ہوگا کہ میں تم لوگوں سے پوری طرح اور یک قلم بری ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان اب کوئی رابطہ اور تعلق نہیں رہا۔ تم لوگ الگ اور میں الگ۔ سو مشرکین مکہ کو یہ درس دیا گیا کہ اگر تم لوگوں کو حضرت ابراہیم سے انتساب پر فخر ہے تو تم کو چاہیے کہ انکے اس مثالی اسوہ اور نمونہ کو اپناؤ اور شرک اور مشرکین سے اسی طرح بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان واظہار کرو جس طرح حضرت ابراہیم نے کیا تھا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ۝

معبودِ حقیقی کا استثناء:

حضرت ابراہیم نے اپنے اعلان براءت کے ضمن میں معبود حقیقی کا استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے اور متصل بھی۔ منقطع تو ظاہر ہے۔ اور متصل اس لیے کہ اللہ پاک کی عبادت وبندگی کے وہ لوگ بھی قائل تھے اور وہ کہتے تھے کہ معبود حقیقی تو وہی ہے۔ یہ بت وغیرہ تو محض ذریعے اور واسطے ہیں اس کی جناب میں قرب حاصل کرنے کے لیے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر مشرکین کے اس شرکیہ فلسفے کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: { مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى } (الزمر: 30) اور ذات حق جل جلالہٗ پر کلمہ ما کا شمول واطلاق اس صورت میں تغلیب کے طور پر ہوگا۔ کیونکہ ان کے معبودوں کی اکثریت بتوں وغیرہ غیر ذوی العقول ہی پر مشتمل تھی۔ خداوند قدوس کی عبادت تو ان کے یہاں محض برائے نام تھی۔ بہرکیف اپنے اس اعلان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں پر واضح فرمادیا کہ جن خودساختہ معبودوں کی پوجا تم لوگ کرتے ہو وہ سب بالکل بے حقیقت ہیں۔ میں صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت و

بندگی کرتا ہوں اور کرتا رہونگا جس نے مجھے پیدا فرمایا کہ معبود حقیقی وہی وحدہ لاشریک ہے۔

حضرت ابراہیم نے اپنے رب کی ہدایت وراہنمائی پر اعتماد کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہی میرا رب میری رہنمائی فرماتا ہے اور فرمائے گا ہر مرحلے پر اور ہر معاملے میں۔ کیونکہ ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ دراصل وہی ذات اقدس وحدہ لاشریک ہے۔ اسی لیے یہاں ہدایت کو عام رکھا گیا ہے۔ اور فعل مضارع تجدد واستمرار کے لیے ہے۔ اور سین محض تاکید کے لیے ہے یا استقبال کے لیے۔ سو یہاں سے معلوم ہوا کہ عبادت وبندگی کے لائق وہی ذات ہوسکتی ہے جس میں پیدا کرنے اور ہدایت بخشنے کی دو صفتیں پائی جاتی ہوں۔ اور وہ صرف اللہ پاک کی ذات اقدس واعلیٰ ہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس عبادت وبندگی کے لائق بھی صرف وہی ذات ہے اور باقی کسی بھی معبود میں جب ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت نہیں پائی جاسکتی تو اس کیلئے کسی طرح کی عبادت کا بھی کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں ہوں یا کوئی زندہ ومردہ انسان کہ عبادت وبندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اللہ وحدہ لاشریک ہی کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بھی عبادت وبندگی کی کوئی بھی شکل اور کسی بھی قسم کا بجالانا شرک ہوگا۔ جو کہ ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم ہے۔ سو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرے رب نے اس سے پہلے بھی میری راہنمائی فرمائی جس سے مجھے حق وہدایت اور توحید کی راہ نصیب ہوئی اور آئندہ اپنے باپ اور اپنے قوم قبیلہ کو چھوڑنے سے جن مصائب وآلام سے مجھے بطور خاص واسطہ پڑے گا ان میں بھی وہی خالق ومالک میری مدد فرمائے گا کہ اسی کے نام پر اور اسی کی رضاء کیلئے میں یہ سب بازی کھیل رہا ہوں۔ اس لیے میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ پس اس راہ کی تمام مشکلات میں وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدہ توحید انہوں نے اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ آپ کی اولاد میں ایک بڑی تعداد موحدین کی ہوئی اور خود مکہ مکرمہ اور اس کے گرد ونواح میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت تک ایسے سلیم الفطرت حضرات موجود تھے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی دین پر ہی قائم رہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند کرنے اور رکھنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو صحیح دین پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کردینا ضروری بھی ہے اور انبیاء کی سنت بھی۔ اور یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف المنن والاخلاق میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لیے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔ افسوس ہے کہ اس آسان تدبیر سے آج کل غفلت عام ہوتی جارہی ہے۔ اور اس کے انجام بد کا مشاہدہ خود والدین کرتے رہتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض اور اس کا جواب:

دنیادار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال واسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں، خواہ کیسا ہی بڑا ظالم، خائن، سودخور، کنجوس مکھی چوس ہو، جب کسی بستی یا محلہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مالدار اور صاحب اقتدار ہو، اخلاق فاضلہ والے انسان، اللہ کے عبادت گزار بندے، علوم ومعارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور حال رہا ہے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ اور خصائل حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا تو جہاں تکذیب اور انکار کے لیے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں لہٰذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکہ یا شہر طائف کے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہیے تھا وہی رسول ہوتا اسی پر قرآن نازل ہوتا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کے لیے تجویز کریں رسول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کے لیے چاہیں عہدہ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اللہ بندوں میں سے جسے چاہے نبوت ورسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اسے ان اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے جن کا نبوت کے لیے ہونا ضروری ہے سورۂ انعام میں فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا۔ پھر فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے ان کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی) کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر کسی کو مالک اور کسی کو مملوک: لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا، اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں کم پیسے والے

مزدوری لیتے ہیں دنیا اس طرح چل رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرمادیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا، جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔

قال القرطبی فاذا لم یکن امر الدنیا الیھم فیکف یفوض امر النبوة الیه، وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت اس کے اختیار میں کیسے دی جاسکتی ہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ پروردگار جل مجدہٗ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے کی امداد کا محتاج ہو اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی بااختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنادیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں طلب و رسد کا نظام کہا جاتا ہے۔ طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دیکھ کر اسی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہوجاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ اسلام نے طلب و رسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لیے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور

انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لیے ہے اور رات کا سونے کے لیے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت طے نہیں پائی، بلکہ قدرت کے خودکار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم و فن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے، اسے طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لیے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ کل حزب بما لديهم فرحون. البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لیے رزق کے دروازے بند کر دے، بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال و حرام کی تفریق کر کے سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا ہے پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے لیے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں، اس موضوع پر احقر کے مستقل رسالہ "مسئلہ سود" "اسلام کا نظام تقسیم دولت" اور "اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات" ملاحظہ فرمائے جائیں۔

معاشی مساوات کی حقیقت:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کے تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے نہ ممکن العمل۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں اور کچھ حقوق دیے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے کہ جس کے ذمہ جتنے فرائض ہیں اس کے اتنے ہی حقوق ہیں۔ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حلال و حرام اور ناجائز و جائز کے مکلف نہیں ہیں اس لیے ان کے حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کے ساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کر کھاتا ہے بعض پر سواری کرتا ہے، بعض مخلوقات کو پامال کرتا ہے مگر اسے ان مخلوقات کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض کم ہیں اس لیے ان کے حقوق بھی کم ہیں۔ پھر کائنات میں سب سے زیادہ فرائض انسان اور جنات پر عائد کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے ہر قول و فعل اور ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں اور اگر اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کریں تو آخرت کے عذاب کے مستحق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو حقوق بھی دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عطا کیے ہیں۔ پھر انسانوں میں یہ لحاظ ہے کہ جس کی

ذمہ داری اور فرائض دوسروں سے زیادہ ہیں، اس کے حقوق بھی زائد ہیں۔ انسانوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے، چنانچہ ان کو بہت سے حقوق بھی دوسروں سے زائد عطا کئے گئے ہیں۔

نظام معیشت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے معاشی حقوق دیئے جائیں جتنے فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے، اور ظاہر ہے کہ فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص کے معاشی وظائف و فرائض دوسروں سے بالکل مساوی ہوں اس لیے کہ معاشی وظائف و فرائض انسانوں کی فطری صلاحیتوں پر موقوف ہیں جن میں جسمانی طاقت، صحت، دماغی قویٰ اور عمر، ذہنی معیار، چستی اور پھرتی جیسی خبریں داخل ہیں اور یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے انسانوں میں یکسانیت اور مساوات پیدا کرنا بڑی سے بڑی ترقی یافتہ اشتراکی حکومت کے بس میں بھی نہیں، جب انسانوں کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے تو ان کے فرائض میں بھی لازماً تفاوت ہوگا اور معاشی حقوق چونکہ انہی فرائض پر موقوف ہیں اس لیے معاشی حقوق یعنی آمدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے کیونکہ اگر سب کی آمدنی بالکل مساوی کردی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو اس سے بھی عدل وانصاف قائم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہوجائے گی جو صریح ناانصافی ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ آمدنی میں مکمل مساوات کسی بھی دور میں قرین انصاف نہیں ہوسکتی لہٰذا اشتراکیت اپنی ترقی کے انتہائی دور (مکمل کمیونزم) (اشتراکیت کا کہنا یہ ہے کہ فی الحال تو آمدنی کی مکمل مساوات ممکن نہیں، لیکن اگر اشتراکیت کے ابتدائی اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے تو ایک وقت ایسا آجائے گا جب آمدنی میں مکمل مساوات یا املاک میں مکمل اشتراک پیدا ہوجائے گا اور یہ مکمل کمیونزم کا دور ہوگا) میں بھی جس مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ قابل عمل ہے اور نہ قرین عدل وانصاف۔ البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں، اور ان کی مناسبت سے اسے کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک تعین کرسکے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجینئر نے ایک گھنٹہ میں اتنی آمدنی حاصل کرلی ہے جو ایک غیر ہنر مند مزدور نے دن بھر منوں مٹی ڈھو کر بھی حاصل نہیں کی، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطع نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی آزاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہوسکتی جو انجینئر نے اٹھا رکھا ہے۔ انجینئر کی یہ آمدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اس میں سالہا سال کی اس دماغ سوزی، عرق ریزی اور جانفشانی کے صلے کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اس نے انجینئرنگ کی تعلیم وتربیت اور پھر اس میں تجربہ ومہارت حاصل کرنے میں برداشت کی ہے۔ اشتراکیت نے اپنے ابتدائی دور میں آمدنی کے اس تفاوت کو تسلیم تو کرلیا ہے چنانچہ تمام اشتراکی ممالک میں آبادی کے مختلف طبقات کے درمیان تنخواہوں کا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے لیکن ٹھوکر یہاں کھائی ہے کہ تمام وسائل پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے کر وسائل کے لیے فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان پر آمدنی کی تقسیم بھی تمام تر حکومت ہی کے حوالہ کردی ہے۔ حالانکہ جیسا اوپر عرض کیا گیا فرائض اور حقوق کے درمیان تناسب باقی رکھنے کے لیے انسان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے

چنانچہ اشتراکیت کے طریق کار کے تحت ملک بھر کے انسانوں کی روزی کا تعین حکومت کے چند کارندوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور انہیں یہ اختیار مل گیا ہے کہ جس شخص کو جتنا چاہیں دیں، جتنا چاہیں روک لیں۔ اول تو اس میں بد دیانتیوں اور اقربا نوازیوں کو ایک بڑا میدان مل جاتا ہے جس کے سہارے افسر شاہی پھلتی پھولتی ہے، دوسرے اگر حکومت کے تمام کارندوں کو فرشتہ بھی تصور کرلیا جائے اور وہ فی الواقعہ یہی چاہیں کہ ملک میں آمدنی کی تقسیم حق وانصاف کی بنیاد پر ہو تو ان کے پاس آخر وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے وہ یہ فیصلہ کرسکیں کہ ایک انجینئر اور ایک مزدور کے فرائض میں کتنا تفاوت ہے، اور اس کی نسبت سے ان کی آمدنیوں میں کتنا تفاوت قرین انصاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ انسانی عقل کے ادراک سے قطعی ماوراء ہے اس لیے اسے قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ آیت زیر بحث وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس تفاوت کا تعین ہم نے انسانوں کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ دنیا میں ہر شخص کی ضروریات دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے نظام ایسا بنا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے دوسرے کو اتنا دینے پر مجبور ہے جتنے کا وہ مستحق ہے۔ یہاں بھی باہمی احتیاج پر مبنی طلب ورسد کا نظام ہر شخص کی آمدنی کا تعین کرتا ہے، یعنی ہر شخص اس بات کا فیصلہ خود کرتا ہے کہ جتنے فرائض میں نے اپنے ذمہ لیے ہیں ان کا کتنا معاوضہ میرے لیے کافی ہے اس سے کم ملے تو یہ کام کرنے پر راضی نہ ہو اور یہ زیادہ مانگنے لگے تو کام لینے والا اس سے کام نہ لے۔ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے آمدنی میں تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ ایک شخص دوسرے سے کام لے سکے ورنہ سب کی آمدنی برابر ہوتی تو کوئی کسی کے کام نہ آتا۔

ہاں البتہ بعض غیر معمولی حالات میں بڑے بڑے سرمایہ دار طلب ورسد کے اس قدرتی نظام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غریبوں کو اس بات پر مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی استحقاق سے کم اجرت پر کام کریں۔ اسلام نے اول تو حلال وحرام اور جائز وناجائز کے وسیع احکام کے ذریعہ نیز اخلاقی ہدایات اور تصور آخرت کے ذریعہ ایسی صورتحال کو پیدا ہونے سے روکا ہے، اور اگر بھی کسی مقام پر یہ صورت پیدا ہو جائے تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ ان غیر معمولی حالات کی حد تک وہ اجرتوں کا تعین کرسکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف غیر معمولی حالات کے لیے ہے اس لیے اس مقصد کے لیے تمام وسائل پیداوار کو حکومت کے حوالہ کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔

اسلامی مساوات کا مطلب:

مذکورہ بالا ارشادات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے، اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے۔ البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون، معاشرت اور ادائے حقوق کی مساوات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریق کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی، تمدنی اور معاشرتی حق میں سب برابر ہیں اس بات کے کوئی معنی

نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ ومنصب انسان اپنا حق عزت کے ساتھ با آسانی حاصل کر لے اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اور ذلیل وحقیر ہونا پڑے۔ قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یارومددگار چھوڑ دے، اسی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

واللہ ماعندی اقوی من اضعیف حتی اخذ الحق لہ و لا عندی اضعف من القوی حتی اخذ الحق منہ "خدا کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تاوقت کہ میں اس کا حق اسے نہ دلوادوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی سے زیادہ کمزور کوئی نہیں جب تک کہ میں اس سے (کمزور) کا حق وصول نہ کرلوں"۔

اس طرح خالصۃً معاشی نقطہ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور اسلام اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولت مند مال و دولت کے دہانوں پر قابض ہوکر اپنی اجارہ داریاں قائم کرلیں اور چھوٹے تاجروں کے لیے بازار میں بیٹھنا دوبھر بنادیں۔ چنانچہ سود، سٹہ، قمار، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دے کر نیز زکوٰۃ، عشر، خراج، نفقات، صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت، محنت اور سرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کرسکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ اس کے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہے اور جس طرح انسانوں کے درمیان حسن و جمال، قوت وصحت، عقل وذہانت اور آل واولاد کے تفاوت کو مٹانا ممکن نہیں، اسی طرح اس تفاوت کو بھی مٹایا نہیں جاسکتا۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ....

مال ودولت کی زیادتی فضیلت کا سبب نہیں ہے:

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنادیا گیا؟ ان آیات میں اس کا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لیے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال ودولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال ودولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے: لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ماسقی کافرا منہا شربۃ ماء (یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال ودولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لیے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں وہ سرکار دو عالم ﷺ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔

اور مذکورہ آیات میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر کافروں پر مال دولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ کافر ہو جاتے،

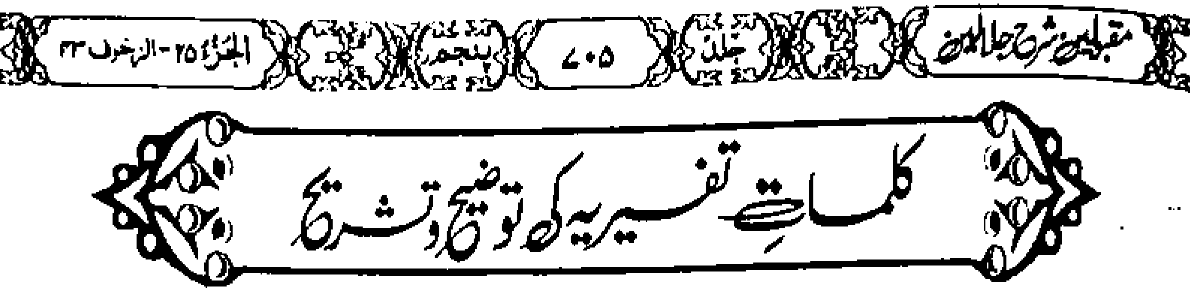
اس میں مراد لوگوں کی بھاری اکثریت ہے ورنہ اللہ کے کچھ نیک بندے آج بھی ایسے موجود ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کفر اختیار کر کے وہ مال و دولت سے نہال ہو سکتے ہیں، لیکن وہ مال و دولت کی خاطر کفر کو اختیار نہیں کرتے ایسے چند لوگ شاید اس وقت بھی ایمان پر قائم رہ جاتے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی۔ (معارف مفتی شفیع)

حاصل یہ کہ اللہ کے ہاں دنیاوی مال و دولت کی کوئی قدر نہیں نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب و وجاہت عند اللہ کی دلیل ہے۔ یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا۔ مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے۔ عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ اس لیے ایسا نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت و وجاہت عند اللہ اور نبوت و رسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا، تو اس کو آرام دے، آخرت میں تو دائمی عذاب ہے۔ کہیں تو آرام ملتا۔ مگر ایسا ہو تو سب وہ ہی کفر کا راستہ پکڑ لیں اور دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماء و آلاء کے متقین کے لیے مخصوص ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الْقُرْاٰنِ نُقَيِّضْ نُسَبِّبْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ لَا يُفَارِقُهٗ وَاِنَّهُمْ
اَيِ الشَّيَاطِيْنُ لَيَصُدُّوْنَهُمْ اَيِ الْعَاشِيْنَ عَنِ السَّبِيْلِ طَرِيْقِ الْهُدٰى وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فِي
الْجَمْعِ رِعَايَةُ مَعْنٰى مَنْ حَتّٰى اِذَا جَآءَنَا الْعَاشِيْ بِقَرِيْنِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ لَهٗ يٰلَيْتَ لِلتَّنْبِيْهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ
الْمَشْرِقَيْنِ اَيْ مِثْلَ بُعْدِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ اَنْتَ لِيْ قَالَ تَعَالٰى وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ اَيِ
الْعَاشِيْنَ تَمَنِّيْكُمْ وَنَدَمُكُمْ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَيْ تَبَيَّنَ لَكُمْ ظُلْمُكُمْ بِالْاِشْرَاكِ فِي الدُّنْيَا اَنَّكُمْ مَعَ
قُرَنَائِكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ عِلَّةٌ بِتَقْدِيْرِ اللَّامِ لِعَدَمِ النَّفْعِ وَاِذْ بَدَلٌ مِنَ الْيَوْمِ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ
تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ بَيِّنٍ اَيْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا
الزَّائِدَةِ نَذْهَبَنَّ بِكَ بِاَنْ نُّمِيْتَكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ نُرِيَنَّكَ فِيْ حَيٰوتِكَ
الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ عَلٰى عَذَابِهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾ قَادِرُوْنَ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
اَيِ الْقُرْاٰنُ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَشَرَفٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ لِنُزُوْلِهٖ بِلُغَتِهِمْ وَسَوْفَ

تُسْئَلُوْنَ۝ عَنِ الْقِيَامِ بِحَقِّهٖ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اَىْ غَيْرِهٖ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۝ قِيْلَ هُوَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ بِاَنْ جُمِعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ اُمَمُ مَنْ اَىْ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ وَلَمْ يَسْأَلْ عَلٰى وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلَيْنِ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاَمْرِ بِالسُّؤَالِ التَّقْرِيْرُ لِمُشْرِكِىْ قُرَيْشٍ اِنَّهُ لَمْ يَاتِ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَا كِتَابٌ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: جو شخص اللہ کے ذکر قرآن سے اندھا بن جائے منہ موڑ لے ہم اس پر اس وجہ سے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ یعنی شیاطین ان دنیاداروں کو راہ ہدایت سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں جمع کی ضمیر لانے میں من کے معنی رعایت ہے یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا دنیادار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں تو کہے گا اس ساتھی سے کہ اے کاش یا تنبیہ کے لیے ہے میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے سو برا ساتھی ہے تو میرے لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی۔ یہ بات دنیادارو تمہاری تمنا اور ندامت آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے یعنی دنیا میں شرک کرنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم واضح ہو چکا تھا یقیناً تم سب مع اپنے ساتھیوں کے عذاب میں شریک ہو۔ انکم جملہ علت عدم نفع کی بتقدیر اللام اور ذابدل ہے الیوم کا سو کیا آپ یہ ان بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے پھر اگر امام میں ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہو گیا ہم آپ کو اٹھا لیں گے کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں آخرت میں یا اگر ہم آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے تب بھی ہم کو ان کے عذاب پر ہر طرح کی قدرت طاقت ہے سو آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے ذکر بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے لئے ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا علاوہ دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب پیغمبر اسی لیے جمع کیے گئے اور بعض کی رائے ہے ان پیغمبروں کے امتی یعنی اہل کتاب مراد ہیں تاہم دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا کیونکہ یہاں سوال کرنے کا منشا مشرکین قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لیے نہیں آئی۔



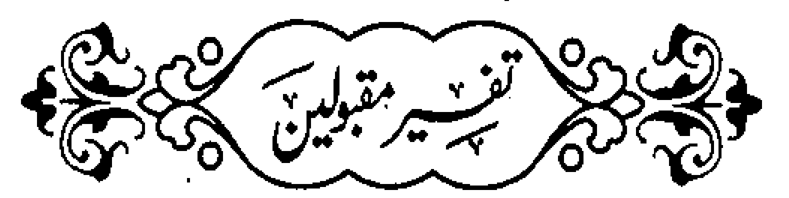
قوله: نُسَبِّب : یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں، اس طور پر کہ ان کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

قوله: لَهٗ قَرِيْنٌ : ایسا ساتھی جو اس سے جدا نہ ہو۔

قوله: فِي الْجَمْعِ : ضمیر میں جنس کا لحاظ کیا گیا۔

قوله: بِقَرِيْنِه : با مع کے معنی میں ہے۔

قوله: مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ : اصل اس طرح ہے بعد المشرق من المغرب تغلیبا الْمَشْرِقَيْنِ کہہ دیا۔



وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۞

يَّعْشُ کے وزن پر مضارع کا صیغہ ہے من شرطیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے جس کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو تب بھی نظر نہ آئے اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ نظر کمزور ہو جائے جس سے اچھی طرح نظر نہ آئے آیت کا مطلب یہ ہے، بہت سے لوگوں کے پاس حق آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آئی یعنی انہوں نے قرآن کو سنا اور سمجھا لیکن قصداً وارادۃً اس کی طرف سے اندھے بن گئے جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اب یہی شیطان ان کا ساتھی بنا رہتا ہے اور ان کو حق قبول نہیں کرنے دیتا اور حق پر نہیں آنے دیتا یہ شیاطین جو اس قسم کے لوگوں کے ساتھی بن جاتے ہیں ان گمراہی اختیار کرنے والے لوگوں کو راہ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ جن کے ساتھی شیاطین بن جاتے ہیں راہ حق سے ہٹ جانے اور گمراہی میں پڑ جانے کے باوجود یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں، یہ شیطان اس قرین کے علاوہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین فرشتہ اور ایک قرین شیطان مقرر ہے۔

(رواہ مسلم)

ان گمراہوں کی دنیا میں تو شیاطین سے دوستی ہے لیکن جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو گمراہ ہونے والا آدمی اپنے ساتھی یعنی شیطان سے کہے گا کہ تو نے میرا ناس کھو یا کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق کے درمیان ہے تو میرا برا ساتھی تھا تو نے مجھے گمراہ کیا اور کفر و شرک اور برے اعمال کو اچھا کر کے بتایا۔ کما فی السورۃ حم السجدہ: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان کے لیے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا کر دکھا رکھے تھے۔)

دنیا میں تو گمراہوں کا دوستانہ تھا شیاطین بھی کافر تھے اور جن انسانوں کو بہکاتے تھے وہ بھی ان کے بہکانے کی وجہ سے کفر پر جمے رہتے تھے پھر جب قیامت کے دن موجود ہوں گے تو سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں ایک دوسرے کو عذاب میں دیکھیں گے لیکن اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب دوزخ میں ہیں اور سب عذاب میں ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ ہم تنہا مصیبت میں نہیں ہیں، دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو ہم پر آئی ہے وہاں اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب عذاب میں شریک ہیں کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہے۔

دنیا میں جو بہت سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو حق کو جانتے اور پہچانتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے اور نفس وشیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اور بھی تو کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں جو ان کا حال ہوگا وہی ہمارا ہو جائے گا ایسے لوگوں کو بتا دیا کہ عذاب میں پڑنے والوں کے ساتھ عذاب میں جانا یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے جب سب عذاب میں جائیں گے تو یہ دیکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ دوسرے لوگ بھی عذاب میں ہیں۔

بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کا بھی یہ طریقہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فرائض انجام دو، حرام سے بچو اور گناہوں کو چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں، یہ جاہلانہ جواب ہے یہاں تو گنہگاروں کی جماعت میں شریک ہونا نفس کو اچھا لگ رہا ہے لیکن روز قیامت جب گنہگاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت اس بات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ ہم بھی عذاب میں ہیں تو کیا ہوا اور ہزاروں آدمی بھی تو عذاب میں ہیں اس بات کا خیال کرنے سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہو جائے گا۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان:

پیغمبر کی تسکین وتسلیہ کے لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ اگر نہیں سنتے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں بلکہ اصل رکاوٹ انکا عناد اور ہٹ دھرمی ہے جس کی بنا پر یہ اندھے بہرے بن کر رہ گئے ہیں۔ سو آپ کی تذکیر وموعظت ان ہی لوگوں کے اندر کارگر ہو سکتی ہے جو زندہ ہوں اور ان کے اندر دیکھنے سننے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی ہو۔ جبکہ ان لوگوں نے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر علم وادراک کی صلاحیتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اور یہ اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے ہیں۔ اور اندھوں بہروں کو راستہ دکھانا کسی کے بس میں نہیں۔ یعنی یہ لوگ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ گمراہی میں غرق اور اس میں غوطہ زن ہیں۔ تو پھر ان کو ہدایت کس طرح ہو سکتی ہے؟ کشتی پانی میں ہو تو پار لگ سکتی ہے مگر جب پانی کشتی میں بھر آئے تو اس کے پار لگنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ پس آپ ایسے اندھوں بہروں کی وجہ سے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ اور ان پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اس میں اپنی جان عزیز کو بھی داؤ پر لگا دیں۔ { فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ } (فاطر: 8) سو یہ دراصل آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ جو ان کی ہدایت کی حرص رکھتے ہیں اسکا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی حرص کے باوجود ایمان لانے والے نہیں۔ اس لیے آپ ان کی اتنی فکر نہ کریں۔ { وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

یؤمنون) کہ انہوں نے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کانوں کو بہرہ کر دیا ہے۔ اور اپنے دلوں پر انہوں نے تالے چڑھا دیے ہیں۔ سو ایسوں کو راہ راست پر لانا کسی کے بس میں نہیں کہ ان پر اللہ کی مار پڑ چکی ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ایسے بہرے اندھے کو جو ضلال مبین میں گرفتار ہو تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں ان ازلی گمراہوں کو اور بھی جرأت ہوتا اور نبی کی تکذیب وایذا پر کمر باندھ کر اس کہنے کا موقع ملنا (کہ تجھ سے ہماری ہدایت ممکن نہیں اور ہم ایسے بدراہ ہیں تو تیرا خدا اپنے وعدہ کے موافق ہمیں کچھ سزا دیوے تاکہ تیری سچائی معلوم ہو کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے) قرین قیاس ہے۔ ان کی اس شوخ چشمی کا جواب دیتا ہے۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ کہ اگر تجھے اے محمد ﷺ ہم دنیا سے لے جاویں کیونکہ تو اپنا کام جو تھا سو کر چکا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی ہی میں تجھے بھی آنکھ سے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ ہوا ہے دکھا دیں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل مکہ کو اپنی نسبت فی ضلال مبین اور اندھا بہرا سننا سخت ناگوار گزرا اور قصد کیا کہ ان کو مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اس کے ساتھ اس کے وہ وعدے بھی تمام ہو جاویں گے کہ جن سے ہم کو دھمکیاں دیا کرتا ہے۔ اس بات کا بیان کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے از انجملہ یہ ہے او یقتلوک او یخرجوک کہ تیرے مارنے یا نکال دینے کا قصد کرتے ہیں اور بد بخت لوگ جو مرتبہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں باغوائی بئس القرین ایسا ہی کیا کرتے ہیں اپنے خیر خواہوں کے ساتھ ان کی اس بات کا اس آیت میں جواب دیتا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا کہ تجھے مار ڈالا یا نکال دیا فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ ان دونوں باتوں کو شامل ہے دنیا سے لے جانا یا مکہ سے باہر لے جانا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم ہر حال میں قادر ہیں کہ تیرے جانے کے بعد بھی ان کو عذاب دکھا سکتے ہیں اور تیرے روبرو بھی اور ایسا ہی ہوا بھی مکہ میں جب آپ تھے ان پر سات برس کا قحط پڑا۔ سب شرارت نکل گئی اور مکہ چھوڑنے کے بعد بھی جنگ بدر وغیرہ معرکوں میں ان پر وہ مصیبتیں آئیں پس اے محمد ﷺ! آپ ان کی دھمکی کی کچھ پروا نہ کریں۔ فاستمسک بالذی اوحی الیک آپ اس پر خوب مضبوط رہیں جو تیری طرف توحید و مکارم اخلاق و عبادت کی بابت وحی کیا گیا ہے۔ اور وہ جو تیرے رستہ کو برا اور الٹا تجھے گمراہ کہتے ہیں کہنے دو انک علی صراط مستقیم بے شک آپ سیدھے رستہ پر ہیں۔

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ (اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ہے) اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے امتنان فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ مالک الملک ہے اور ملک الملوک ہے سب کا بادشاہ ہے اس کا کسی سے خطاب فرمانا یہ بہت بڑا شرف ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور بار بار آپ کو مخاطب فرمایا اس میں آپ کے لیے بڑے شرف اور فخر کی بات ہے پھر آپ کے واسطہ سے آپ کی قوم کو خطاب فرمایا اور ان کی زبان میں اور ان کی لغت میں قرآن مجید نازل فرمایا ان کے لیے بھی یہ بات بڑے شرف کی ہے، بہت سوں نے اس کی قدردانی نہ کی اور کفر پر مر گئے اور بہت سوں نے قدردانی کی اس پر ایمان لائے اس کی تلاوت کی اس کو پڑھا اور پڑھایا اور آگے بڑھایا یہ سب اہل عرب کے

لیے بڑے شرف اور فخر کی چیز ہے، نزول قرآن سے لے کر آج تک پورے عالم میں قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جتنے بھی پڑھانے والے ہیں سب کی سند حضرات صحابہ تک پہنچی ہے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا اور اس کی قراءت اور روایات اور طرق ادا کو آگے بڑھایا۔ قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان کی پوری دنیا میں اہمیت ہوگئی اس کے قواعد لکھے گئے بلاغت پر کتابیں تصنیف کی گئیں قرآن کی وجہ سے خود عرب بھی بلند ہوگئے ورنہ نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی یمن میں کسریٰ کا اقتدار تھا اور شام میں قیصر نصرانی کا اور مدینہ منورہ میں یہودی صاحب اقتدار بنے ہوئے تھے۔

لِقَوْمِكَ ۚ سے بعض حضرات نے قریش مکہ کو مراد لیا کیونکہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا اور بعض حضرات نے مطلقاً عربی بولنے والوں کو مراد لیا ہے یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ ذکر سے تذکرہ مراد لیا جائے جس کا حاصل ترجمہ شرف اور فخر کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے: لِقَوْمِكَ ۚ سے عام مؤمنین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم یعنی اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے۔

وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (اور تم لوگوں سے سوال ہوگا) کہ اس قرآن کا کیا حق ادا کیا اور اس پر کیا عمل کیا اور اس کی کیا قدر کی۔ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے دریافت کر لیجیے کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ معبود ٹھہرائے جن کی عبادت کی جائے) یعنی ایسا نہیں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام تو وفات پا چکے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب بعض مفسرین نے تو یہ دیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی معجزہ کے طور پر سابقہ انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کرا دے تو اس وقت ان سے یہ بات پوچھ لیجیے، چنانچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء سے ہوئی اور علامہ قرطبی نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی تھی لیکن ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی چنانچہ اکثر مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والوں صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے۔ چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کے جو صحیفے اب بھی موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے۔ مثال کے طور پر موجودہ بائبل کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمایئے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:

موجودہ تورات میں ہے:

"تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں" (استثناء ۴: ۳۵)

اور "سن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے" (استثناء ۶: ۴)

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

"میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا

کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں" (یسعیاہ ۴۵: ۶،۵)
اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے:
"اے اسرائیل، سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (مرقس ۲۱: ۲۹،۳۰ و متی ۲۲: ۳۷)
منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا:
"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۷۱: ۳)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ اَيِ الْقِبْطِ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ الدَّالَّةِ عَلٰى رِسَالَتِهٖ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِنْ اٰيٰتِ الْعَذَابِ كَالطُّوْفَانِ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُيُوْتَهُمْ وَوَصَلَ اِلٰى حُلُوْقِ الْجَالِسِيْنَ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَالْجَرَادُ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا قَرِيْنَتِهَا الَّتِيْ قَبْلَهَا وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ عَنْ كُفْرِهِمْ وَقَالُوْا لِمُوْسٰى لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ اَيِ الْعَالِمُ الْكَامِلُ لِاَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِيْمٌ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا اِنْ اٰمَنَّا اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ اَيْ مُؤْمِنُوْنَ فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوْسٰى عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ وَيُصِرُّوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ اِفْتِخَارًا فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ اَيْ مِنَ النِّيْلِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَيْ تَحْتَ قُصُوْرِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ عَظَمَتِيْ اَمْ تُبْصِرُوْنَ وَ حِيْنَئِذٍ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا اَيْ مُوْسٰى الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ضَعِيْفٌ حَقِيْرٌ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ يُظْهِرُ كَلَامَهٗ لِلُثْغَتِهٖ بِالْجَمْرَةِ الَّتِيْ تَنَاوَلَهَا فِيْ صِغَرِهٖ فَلَوْلَآ هَلَّا اُلْقِيَ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ صَادِقًا اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَغْرِبَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ كَعَادَتِهِمْ فِيْمَا يُسَوِّدُوْنَهٗ اَنْ يُلْبِسُوْهُ اَسْوِرَةَ ذَهَبٍ وَيُطَوِّقُوْهُ طَوْقَ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ مُتَتَابِعِيْنَ يَشْهَدُوْنَ بِصِدْقِهٖ فَاسْتَخَفَّ اِسْتَفَزَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ فِيْمَا يُرِيْدُ مِنْ تَكْذِيْبِ مُوْسٰى اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا اَغْضَبُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا جَمْعُ سَالِفٍ كَخَادِمٍ وَخَدَمٍ اَيْ سَابِقِيْنَ عِبْرَةً وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ بَعْدَهُمْ يَتَمَثَّلُوْنَ بِحَالِهِمْ لَا يُقْدِمُوْنَ عَلٰى مِثْلِ اَفْعَالِهِمْ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء قبطیوں کے پاس بھیجا تھا سو انھوں نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں پھر جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر آئے جوان کے رسول ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں تو وہ یکا یک ان پر لگے ہنسنے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے عذاب کی نشانیوں میں سے مثلاً طوفان کا پانی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ بیٹھنے والوں کے گلے گلے آ تا رہا اسی طرح ٹڈیوں کا عذاب تو ہر دوسری نشانی پہلی نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی جو اس سے پہلے آ چکی ہوتی اور ہم نے انکو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں اپنے کفر سے اور وہ لوگ بولے عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے اے جادوگر! ماہر کامل کیونکہ جادو ان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھالیا جائے گا ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے ایمان لے آئیں گے پھر جب ہم نے موسیٰ کی دعا سے ان سے وہ عذاب ہٹالیا تب بھی انھوں نے عہد توڑ دیا اپنے کفر پر بدستور جے رہے اور فرعون نے فخر یہ اپنی قوم میں منادی کرائی کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ اور یہ دریائے نیل کی نہریں میرے محل کے پائیں میں بہہ رہی ہیں کیا تم میری عظمت کو دیکھتے نہیں ہو؟ یا دیکھ رہے ہو اس صورت میں تو میں بہتر ہوں اس موسیٰ سے جو گھٹیا درجہ کا ہے کمزور حقیر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا قادر الکلام اس لکنت سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی سو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے اگر وہ سچا تھا "اساور" جمع ہے "اسورۃ" کی جیسے "اغربۃ" اور "اسورۃ" کی امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے کنگن اور ہار پہنا کرتے تھے یا فرشتے اس کے جلو میں پرے باندھکر آئے ہوتے اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لیے غرض فرعون نے اپنی قوم کو دبالیا مغلوب کر دیا سو وہ اس کے آگے جھک گئے موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا برہم کر دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو افسانہ سلف جمع ہے سالف کی جیسے خادم کی جمع خدم آتی ہے یعنی مقدمہ عبرت اور نمونہ بنا دیا آئندہ آنے والوں کے لئے بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

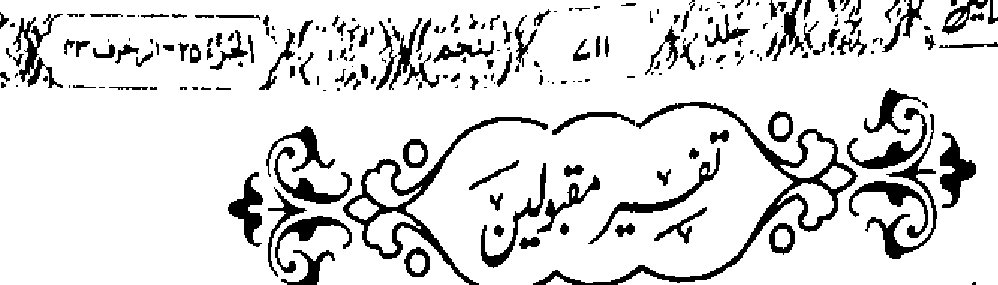
قوله: الْعَالِمُ : سحران کے ہاں معزز علم تھا۔ اس لیے اس لقب نے انہوں نے موسیٰ سے استدعا کی۔

قوله: مِنَ النِّيْلِ : نیل سے اس وقت چار بڑی نہریں ہیں: ۱۔ عبدالملک، ۲۔ طولون، ۳۔ دمیاط، ۴۔ تنیس۔

قوله: تُبْصِرُوْنَ : ام متصلہ مسبب کو سبب کے قائم مقام قرار دیا اور وہ ابصار ہیں۔

قوله: لِلُثْغَتِهٖ : لکنت۔ اغربہ جمع غراب۔

قوله: سَلَفًا : جمع سالف یہ مصدر نہیں۔



وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ ....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا اور ان لوگوں کا معجزات دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا، فرعون کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا:

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں اور چودھریوں کی تکذیب پھر ہلاکت اور تعذیب کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اشراف قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی معجزات لے کر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اژدھا بن گئی تو فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ اجی یہ کیا معجزہ ہے یہ تو جادو کا کرشمہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں جو حاضرین کو دیکھنے میں دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہوئے دھندے کو چٹ کرنے لگا اس پر جادوگر ہار مان گئے جس کا واقعہ سورۃ الاعراف، سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ ید بیضا تھا اس کا مقابلہ کرنے کی تو ہمت ہی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی، کیونکہ وہ امر غیر اختیار تھا ان کے علاوہ اور بھی معجزات تھے جو فرعونیوں کے لیے بھیجے گئے تھے، جن کا ذکر سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (یعنی ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیج دیا) یہ چیزیں ان پر عذاب کے طور پر تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات تھے جب کوئی نشانی ظاہر ہوتی تھی تو وہ اپنی ساتھ والی دوسری نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی عذاب آتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اسے جادو ہی سمجھ رہے ہیں تم کہتے ہو یہ میرے رب کی طرف سے ہے جو مجھے بطور معجزہ عطاء کیا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میرا رب تمہارے اس عذاب کو ہٹا دے گا ہماری سمجھ میں یہ بات آتی تو نہیں ہے ہم تو تمہیں جادوگر ہی سمجھ رہے ہیں لیکن اگر تمہارے رب نے ہمارا عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہٹا دیا جاتا تھا تو اپنا عہد توڑ دیتے تھے اور کافر کے کافر ہی رہتے تھے فرعون کو فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ شخص بڑے بڑے معجزات دکھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم کے لوگ اس بات کو قبول کر لیں اور میری حکومت اور سلطنت جاتی رہے اور یہی بڑا بن جائے لہٰذا اس نے اپنی قوم میں ایک منادی کرا دی اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کہا کہ دیکھو میں مصر کا بادشاہ ہوں میرے نیچے نہریں بہتی ہیں میں اس شخص سے بہتر ہوں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ میرے مقابلے میں ذلت والا ہے اس کی مالی حیثیت بھی نہیں اور یہ اور اس کا بھائی اس قوم میں سے ہے جو ہمارے خدمت گزار ہیں فرمانبردار ہیں: فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ یہ اول تو دنیاوی اعتبار سے مجھ

سے کم ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں جولکنت تھی اس کی طرف اشارہ کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ شخص نبی ہے تو بہت بڑا مالدار ہونا چاہیے اگر نبی ہوتا تو اس پر سونے کے کنگن ڈالے جاتے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی تائید کے لیے فرشتے آنے چاہئیں تھے جو لگا تار صفیں بنا کر آجاتے اس کی تائید اور مدد کرتے۔

ہر قوم کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف دیکھا کرتے ہیں بڑے لوگ فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی قوم کے دوسرے لوگ بھی مغلوب ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے فرعون کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اس کی قوم کے چھوٹے بڑے لوگ فاسق اور نافرمان تھے شرارت سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے کفر پر رہنے کا فیصلہ کیا سمجھانے سے باز نہ آئے، موسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی کی اور معجزات کو جادو بتایا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل کرنے والی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا غرق کرنے تک کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا کہ ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لیے سلف یعنی پہلے گزر جانے والا نمونہ بنا دیا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں پہلے آئے سرکشی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے ڈبو دیے گئے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے قصص الاولین مواعظا للاخرین، پہلے لوگوں کے واقعات جنہیں سلف کہا جاتا ہے بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت ہوتے ہیں اور اس بات کا نمونہ بن جاتے ہیں کہ جو قوم ان کی طرح اعمال کرے گی ان کے ساتھ پرانے لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

قوله تعالى: أَمْ أَنَا خَيْرٌ قال ابو عبيدة ام بمعنى بل ليس بحرف عطف، وقال الفراء ان شئت جعلتها من الاستفهام وان شئت جعلتها من النسق على قوله أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وقيل هى زائدة وقوله مقترنين معناه قال ابن عباس رضی اللہ عنہ يعاونونه على من خالفه وقال قتادة متتابعين قال مجاهد يمشون معه والمعنى هل ضم اليه الملائكة التى يزعم أنها عند ربه حتى يتكثر بهم يصر فهم على امره ونهيه فيكون ذلك اهيب فى القلوب۔

وقوله تعالى: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ، قال ابن الاعرابى للمعنى فاستجهل قومه لخفة أحلامهم وقلة عقولهم، وقيل استخف قومه قهرهم حتى اتبعوه يقال استخفه خلاف استثقله واستخف به اهانه۔

قوله تعالى: فَلَمَّا آسَفُونَا، عن ابن عباس أى غاظونا واغضبونا والغضب من الله اما ارادة العقوبة فيكون من صفات الذت اما عين العقوبة فيكون من صفات الفعل۔ (من القرطبى ص ۱۰۱: ج ۱۶)

ارشاد الٰہی: أَمْ أَنَا خَيْرٌ، ابو عبیدہؒ نے کہا ام، بل کے معنی میں ہے، حرف عطف نہیں ہے، فراء کہتے ہیں اگر چاہو تو استفہام کے لیے سمجھو چاہو تو: أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ پر عطف مان لو، بعض نے کہا زائد ہے۔

مُقْتَرِنِيْنَ ۞ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مخالفوں کے خلاف اس کی مدد کرتے، قتادہؒ کہتے ہیں اس کا معنی ہے متتابعین یعنی اس کی پیروی کرتے، مجاہد کہتے ہیں اس کے ساتھ چلتے مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ

فرشتے ہوتے جو اس بات کی دلیل ہوتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان فرشتوں سے کثرت حاصل کرتا اور امرونہی کا ان پر تصرف کرتا تو اس سے دلوں میں رعب پڑتا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ: ابن الاعرابی کہتے ہیں اس کا معنی ہے اس کی قوم کم عقلی و بے وقوفی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناسمجھ سمجھتی رہی، بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں کے ظلم کو ہلکا سمجھا اور اس کی اطاعت میں لگے رہے کہا جاتا ہے مخالفت نے اسے ہلکا کر دیا، اور اس نے اس کی اہانت کی۔

فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ

(**آسَفُونَا** یہ اسف سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں افسوس، لہٰذا اس جملے کے لفظی معنی ہوئے "پس جب انہوں نے ہمیں افسوس دلایا" اور افسوس بکثرت غصہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کا بامحاورہ ترجمہ عموماً اس طرح کیا جاتا ہے کہ "جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا" اور چونکہ باری تعالیٰ افسوس اور غصہ کی انفعالی کیفیات سے پاک ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کام ایسے کیے جس سے ہم نے انہیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (روح)

وَلَمَّا ضُرِبَ جُعِلَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا حِيْنَ نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ رَضِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَ عِيْسٰى لِاَنَّهٗ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِذَا قَوْمُكَ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْهُ مِنَ الْمَثَلِ يَصِدُّوْنَ ۝ يَضْحَكُوْنَ فَرَحًا بِمَا سَمِعُوْهُ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ اَيْ عِيْسٰى فَنَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَهٗ مَا ضَرَبُوْهُ اَيِ الْمَثَلَ لَكَ اِلَّا جَدَلًا خُصُوْمَةً بِالْبَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ اَنَّ مَا لِغَيْرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاوَلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ اِنْ مَا هُوَ عِيْسٰى اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ بِالنُّبُوَّةِ وَجَعَلْنٰهُ وُجُوْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَبٍ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ اَيْ كَالْمَثَلِ لِغَرَابَتِهٖ يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا يَشَاءُ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ بَدَلَكُمْ مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ بِاَنْ نُهْلِكَكُمْ وَاِنَّهٗ اَيْ عِيْسٰى لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ تُعْلَمُ بِنُزُوْلِهٖ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا اَيْ تَشُكُّنَّ فِيْهَا حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ وَقُلْ لَهُمْ وَاتَّبِعُوْنِ عَلَى التَّوْحِيْدِ هٰذَا الَّذِيْٓ اٰمُرُكُمْ بِهٖ صِرَاطٌ طَرِيْقٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ يَصْرِفَنَّكُمْ عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ وَالشَّرَائِعِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ بِالنُّبُوَّةِ وَشَرَائِعِ الْاِنْجِيْلِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ مِنْ اَحْكَامِ التَّوْرٰةِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَغَيْرِهٖ فَبَيَّنَ لَهُمْ اَمْرَ الدِّيْنِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

اَطِیْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِھِمْ ۚ فِیْ عِیْسٰی ھُوَ
اللّٰہُ اَوِ ابْنُ اللّٰہِ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ فَوَیْلٌ کَلِمَۃُ عَذَابٍ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کَفَرُوْا بِمَا قَالُوْہُ فِیْ عِیْسٰی مِنْ عَذَابِ
یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ مُؤْلِمٍ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ اَیْ مَا یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا السَّاعَۃَ اَنْ تَاْتِیَھُمْ بَدَلٌ مِنَ السَّاعَۃِ
بَغْتَۃً فَجْاَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ بِوَقْتِ مَجِیْئِھَا قَبْلَہٗ اَلْاَخِلَّآءُ عَلَی الْمَعْصِیَۃِ فِی الدُّنْیَا یَوْمَئِذٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
ع ۱۱ ۱۲ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِہٖ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَلْمُتَحَابِّیْنَ فِی اللّٰہِ عَلٰی طَاعَتِہٖ فَاِنَّھُمْ اَصْدِقَاءُ وَیُقَالُ لَھُمْ۔

ترجمہ: اور جب ابن مریم کے لیے ایک مضمون بیان کیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی، اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ... تو مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رکھے جائیں کیونکہ ان کی بھی پرستش کی گئی ہے تو یکایک آپ کی قوم کے لوگ مشرکین چلانے لگے اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا وہ عیسیٰ علیہ السلام اس لیے ہم راضی ہیں ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں ان لوگوں نے یہ بات جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑے کی غرض سے ہے غلط بکواس ہے ورنہ یہ جانتے ہیں کہ ما غیر عاقل کے لیے آتا ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں آتے ہی نہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو، بات کا بتنگڑ بنانے والے عیسیٰ علیہ السلام تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے نبوت دے کر فضل کیا تھا اور ان کو بلا باپ کے پیدا کر کے بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا تھا عجیب وغریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے بجائے تم میں فرشتے پیدا کرتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے ہم تمہیں ہلاک کر دیتے اور وہ عیسیٰ قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئیگی، تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو۔ تمترن اصل میں تمترون تھا نون رفع جزم کی وجہ سے اور واؤ التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں تشکّن کا معنی کیا جاتا ہے ان سے کہئے کہ تم میری پیروی کرو توحید کے متعلق یہ جو میں بتلا رہا ہوں سیدھا راستہ طریقہ ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کرے بلاشبہ وہ تمہارا صریح کھلا دشمن ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جب معجزات، نشانات واحکام لے کر آئے کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کر باتیں نبوت اور انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں یعنی تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں سو تم اللہ سے ڈرو میرا کہنا مان لو بلاشبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کرو یعنی ہے سیدھی راہ سو مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کفریہ کلمات کہتے کہ عیسیٰ ہی اللہ ہے یا اللہ کا بیٹا ہے یا تین خداؤں میں تیسرا ہے بڑی خرابی ہے ظالموں کافروں کیلئے اس سبب سے جو انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ایک دردناک عذاب ویل کلمہ عذاب ہے یہ لوگ کفار مکہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعتاً ان پر آن پڑے۔ ان تاتیھم، الساعۃ سے بدل ہے اور ان کو اس کے آنے کا پہلے احساس بھی نہ ہو تمام دوست دنیا میں گناہ کے ساتھی اس روز کا تعلق اگلے جملے سے ہے معصیت کی بنیاد پر دنیا میں ایک دوسرے کے دشمن ہو

جائیں گے۔

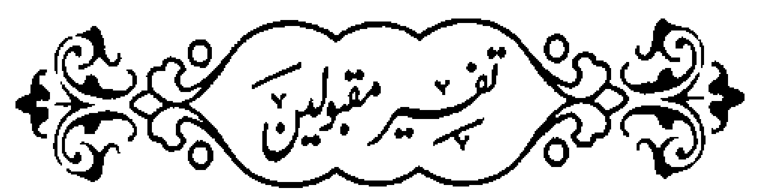
کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: وَالشَّرَائِعِ :واضح احکامات۔

قوله: الاحزاب: جمع حزب گروہ جماعت۔

قوله: من بینهم: نصرانیوں کے مابین۔

قوله: اَلْاَخِلَّاءُ :دوست۔ مستثنیٰ متصل ہے۔



تفسیر مقبولین

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝

ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا "یامعشر قریش لا خیر فی احد یعبد من دون اللہ" یعنی "اے قریش کے لوگو، اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں" اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی) دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی: **انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم** (بلاشبہ اے مشرکو، تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے) نازل ہوئی تو اس پر عبداللہ بن الزبعری نے جو اس وقت کافر تھے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے، اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ: **ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولئك عنها مبعدون** اور دوسرے سورۂ زخرف کی مذکورہ بالا آیات۔ (ابن کثیر وغیرہ)

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بے ہودہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت محمد ﷺ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں اس طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اور درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہیں ہوں گی جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیات نازل فرمادیں جن سے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ہو گیا۔ اس آخری اعتراض کا جواب تو مذکورہ آیات میں بالکل واضح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کرائی ہے

انہوں نے نہ کسی خدائی حکم سے ایسا کیا، نہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ خواہش تھی اور نہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے انہیں تو حضرت عیسیٰ کے باپ کے بغیر پیدا ہونے سے مغالطہ لگا تھا اور قرآن اس مغالطہ کی تردید کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ (معاذ اللہ) عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں۔

اور پہلی اور دوسری روایتوں میں کفار کے اعتراض کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔ ان کا جواب مذکورہ آیات سے اس طرح نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جتنوں کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ یا حضور نے جو فرمایا تھا کہ ان میں خیر نہیں، اس سے مراد وہ معبود تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت، یا جاندار ہوں مگر خود اپنی عبادت کا حکم دیتے یا اسے پسند کرتے ہوں جیسے شیاطین، فرعون اور نمرود وغیرہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نصاریٰ ان کی کسی ہدایت کی بنا پر ان کی عبادت نہیں کرتے، بلکہ انہیں ہم نے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا کر بغیر باپ کے پیدا کیا تھا تا کہ لوگوں پر یہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق میں اسباب کے کسی واسطے کی ضرورت نہیں لیکن نصاریٰ نے اس کا غلط مطلب لے کر انہیں معبود بنا لیا، حالانکہ ان کا یہ معبود بنانا عقلاً بھی غلط تھا اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے بھی بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی تھی۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبادت سے بیزار ہونا اس بات سے مانع ہے کہ انہیں دوسرے باطل معبودوں کی صف میں شامل کیا جائے۔

اس سے کفار کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا جس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آیا ہے کہ جن کو آپ خود خیر کہتے ہیں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ان کی بھی عبادت ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت کچھ بری بات نہیں۔ مذکورہ آیات میں اس کا جواب واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو عبادت ہوئی، وہ اللہ کی مرضی کے بھی خلاف تھی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے بھی۔ لہٰذا اس سے شرک کی صحت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۞

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ .... (اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے زمین میں رہا کرتے) یعنی انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں رہتے ان کی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی یعنی وہ دنیا میں آتے جاتے رہتے یہ الفاظ کا ظاہری ترجمہ ہے وھو قبول فی تفسیرہ اس کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو زمین میں آباد کر دیتے اپنی مخلوق کو ہم جہاں چاہیں آباد کریں مخلوق مخلوق ہی ہے، کہیں بھی رہے وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی فرشتوں کا آسمان میں ٹھہرانا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ وہ معبود ہو گئے یا یہ کہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا جا سکے والمعنی لو نشآء لاسکنا الارض الملئکۃ ولیس فی اسکاننا ایاھم السماء شرف حتی یعبدوا او یقال لھم بنات اللہ (معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم فرشتوں کو زمین میں ٹھہرا دیتے، ان کے آسمان میں ٹھہرانے میں کوئی ان کا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت شروع کر دی جائے یا انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جائے۔

آیت بالا کا ایک مطلب معالم التنزیل ج ٤: ص ١٤٣ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہارے

بدلہ زمین میں فرشتے پیدا کردیں جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہوجائیں اور میری عبادت اور فرمانبرداری کریں۔ فیکون لفظة منکم بمعنی بدلا منکم قال القرطبی ناقلا عن الزھری ان من قدتکون للبدل بدلیل ھذہ الایة

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (اور بلاشبہ وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہے):

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید قرب قیامت کی نشانی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب قیامت قریب ہے کما قال النبی ﷺ بعثت انا والساعة کھاتین (میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں۔)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے ان کا نزول قرب قیامت کی دلیل ہوگا (یاد رہے کہ قرب اور بعد امور اضافیہ میں سے ہیں۔)

اور بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں مردوں کا زندہ کرنا بھی تھا جسے ان کے زمانہ کے لوگوں نے دیکھا یہ مردوں کا زندہ ہونا قیامت کے دن اموات کے زندہ ہونے کا نمونہ بن گیا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ (سو تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو) هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (یہ سیدھا راستہ ہے)

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ....

اللہ کا خوف اور پیغمبر کی اطاعت ذریعہ نجات:

عیسیٰ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ ان تمام چیزوں میں جن کا تعلق دین و شریعت سے ہے کہ وہ تو تمہاری عقلوں کے احاطہ و ادراک سے باہر ہیں۔ بخلاف ان دنیاوی امور کے جو تمہاری عقل میں آسکتے ہیں کہ ان میں تم لوگ شریعت کی مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی عقل و فکر اور فہم و فراست سے کام لے سکتے ہو جیسا کہ تابیر نخل کے قصے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دِيْنِكُمْ -سو دنیاوی امور میں تو انسان محض اپنی عقل و فکر کی بنا پر کام کرسکتا ہے۔ جبکہ حدود شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو۔ لیکن دینی امور میں حضرات انبیائے کرام کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی اتباع و پیروی کیے بغیر بہر حال اور بہر صورت کوئی چارہ نہیں۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرت عیسیٰ کھلے دلائل کے ساتھ بنی اسرائیل کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس کوئی نیا دین لے کر نہیں آیا۔ بلکہ تم لوگوں کو اسی دین کی دعوت دے رہا ہوں جس کی دعوت حضرت موسیٰ نے دی تھی۔ اور حکمت دین کی جس دولت سے تم لوگوں نے اپنے آپ کو محروم کردیا تھا وہ لیکر آیا ہوں۔ پس تم

لوگوں کیلئے صحت وسلامتی اور نجات وفلاح کی راہ یہی ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت و پیروی کرو۔ سو خوف خدا
اور اطاعت واتباع رسول والی راہ ہی ذریعہ نجات اور وسیلہ فوز وفلاح ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

حضرت عیسیٰ کے نام لیواؤں کی گروہ بندیوں کا ذکر:

ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان لوگوں کے مختلف گروہ آپس میں اختلاف ہی میں پڑے رہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے اس واضح اور صاف وصریح اعلانِ حق وصداقت کے باوجود وہ لوگ اختلافات کی دلدل ہی میں پھنسے رہے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ کسی نے حضرت عیسیٰ کو عین خدا قرار دیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا مانا۔ اور کسی نے تین خداؤں میں سے ایک۔ اور کسی نے کہا کہ نہیں وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی کے اہل حق قائل ہیں۔ اور ان لوگوں نے تثلیث اور کفارہ جیسے شرکیہ اور گمراہانہ پھندے ایجاد کر کے دین عیسیٰ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اس کا کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیم توحید کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اور اپنی ان بدعات کی تعبیر وتشریح کا سلسلے میں آگے یہ لوگ مزید اختلافات اور گروہ بندیوں کا شکار ہو گئے۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷

دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ کے لیے ہو:

(تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے) اس آیت نے یہ بات کھول کر بتادی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کر ڈالتا ہے قیامت کے روز صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گی بلکہ عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت حضرت علی کا یہ ارشاد مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ دو دوست مؤمن تھے اور دو کافر، مؤمن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا۔ اس نے دعا کی کہ یا اللہ، میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت کی تاکید کرتا، بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے، لہٰذا یا اللہ، اس کو میرے بعد گمراہ نہ کیجئے گا تاکہ وہ بھی (جنت کے) وہ مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں، اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی راضی ہو جائیں۔ اس دعا کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے تمہارے اس دوست کے لیے کیا اجر وثواب رکھا ہے تو تم روؤ کم اور ہنسو زیادہ۔ اس کے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہو چکے گی تو دونوں کی ارواح جمع ہوں گی، باری تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میں سے ہر شخص دوسرے کی تعریف کرے، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہ بہترین بھائی، بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائے گا کہ اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا

تو اسے بھی اپنا دوست یاد آئے گا اس وقت وہ یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ، میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتا تھا، برائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا، اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہوں گا، لہٰذا یا اللہ، اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجئے گا، تا کہ وہ بھی (دوزخ کے) وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں، اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی ناراض ہوں۔ اس کے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہو جائے گا تو دونوں کی روحیں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی تعریف کرے، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ یہ بدترین بھائی، بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔ (ابن کثیر ص:134 ج4) اسی لیے دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ جن دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لیے محبت ہو ان کے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ اور اللہ کے لیے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بنا پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے۔ چنانچہ علوم دین کے استاذ، شیخ و مرشد، علماء اور اہل اللہ سے نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت اس میں داخل ہے۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَ لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نعتٌ لِعِبَادِيْ بِاٰيٰتِنَا القرآنِ وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۞ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ مبتدأٌ وَ اَزْوَاجُكُمْ زوجاتُكم تُحْبَرُوْنَ ۞ تُسَرُّوْنَ وَتُكْرَمُوْنَ خبرُ المبتدأ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ بقِصَاعٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ جمعُ كُوبٍ وهو اناءٌ لا عُروةَ له ليشربَ الشاربُ من حيثُ شاءَ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ تلذُّذًا وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ نظرًا وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا اي بعضَها تَاْكُلُوْنَ ۞ وما يُؤكَلُ يُخلَفُ بدلَه اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۞ لَا يُفَتَّرُ يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۞ ساكتونَ سكوتَ يأسٍ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ هو خازنُ النارِ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ ليُمِتْنا قَالَ بعدَ الفِ سنةٍ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۞ مقيمونَ في العذابِ دائمًا قال تعالى لَقَدْ جِئْنٰكُمْ اي اهلَ مكةَ بِالْحَقِّ على لسانِ الرسلِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۞ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اي كفارُ مكةَ احكموا اَمْرًا في كيدِ محمدٍ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۞ محكمونَ كيدَنا في اهلاكِهم اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ ما يُسِرُّونَ الى غيرِهم وما يَجْهَرُونَ به بينَهم بَلٰى نسمعُ ذلك وَ رُسُلُنَا

الْحَفَظَةُ لَدَيْهِمْ عِنْدَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ ذٰلِكَ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَرَضًا فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ لِلْوَلَدِ لٰكِنْ
ثَبَتَ اَنْ لَا وَلَدَ لَهٗ تَعَالٰى فَانْتَفَتْ عِبَادَتُهٗ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الْكُرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
يَقُوْلُوْنَ مِنَ الْكِذْبِ بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَيْهِ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا فِيْ بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوْا فِيْ دُنْيَاهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ فِيْهِ الْعَذَابَ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ الَّذِيْ هُوَ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ
اِسْقَاطِ الْاُوْلٰى وَتَسْهِيْلِهَا كَالْيَاءِ اَيْ مَعْبُوْدٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَكُلٌّ مِنَ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهٗ وَهُوَ
الْحَكِيْمُ فِيْ تَدْبِيْرِ خَلْقِهِ الْعَلِيْمُ ۝ بِمَصَالِحِهِمْ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ
عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ مَتٰى تَقُوْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ اَيِ الْكُفَّارُ مِنْ
دُوْنِهٖ اَيِ اللّٰهِ الشَّفَاعَةَ لِاَحَدٍ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ اَيْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِقُلُوْبِهِمْ مَا
شَهِدُوْا بِهٖ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَهُمْ عِيْسٰى وَعُزَيْرٌ وَالْمَلٰئِكَةُ فَاِنَّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ يُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ
تَعَالٰى وَقِيْلِهٖ اَيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَيْ وَقَالَ
يٰرَبِّ اِنَّ هٰؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ تَعَالٰى فَاصْفَحْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ مِنْكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يُؤْمَرَ
بِقِتَالِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْيَاءِ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ

ترجمہ: ان سے کہا جائے اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے جو ہماری آیتوں پر قرآن پر ایمان لائے یہ عبادی کی صفت ہے اور وہ فرمانبردار تھے اور تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی اور اکرام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ مبتدا خبر ہے اور ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اکواب، کوب کی جمع ہے اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی نہ ہوتا کہ پینے والا جدھر سے چاہے پی لے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا دل چاہے گا اور جن کو دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی جنت ہے جس کے تم اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جن میں سے تم ہمیشہ کھاتے رہو گے اور جو کھایا جائے گا اس کا بدلہ موجود ہو جائیگا بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی ان سے ہلکا نہیں کیا جائیگا اور وہ اسی میں مایوسی کے ساتھ خاموش پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے اے مالک داروغہ جہنم تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تا کہ ہم مر جائیں ہزار سال کے بعد وہ جواب دیگا تم کو تو ہمیشہ عذاب میں رہنا ہے اے اہل مکہ

ہم تمہارے پاس رسولوں کی زبانی حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے کیا کفار مکہ نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی پختہ تدبیر کر رکھی ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی ان کی ہلاکت کے بارے میں پختہ تدبیر کرنے والے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے جن باتوں کو وہ رازدارانہ طور پر کرتے ہیں اور جن باتوں کو وہ آپس میں علی الاعلان کرتے ہیں ہاں کیوں نہیں؟ اس کو ضرور سنتے ہیں ہمارے نگراں فرستادے ان کے پاس اس کو لکھ لیتے ہیں آپ کو کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمٰن کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے ولد کی عبادت کرنے والا ہوتا لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد نہیں ہے لہٰذا اس کی عبادت بھی منتفی ہو گئی آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو کہ عرش کرسی کا بھی مالک ہے اس کی جانب ولد کی نسبت کر کے جو جھوٹ بک رہے ہیں وہ ان سے پاک ہے اب آپ انہیں اسی باطل بحث مباحثہ اور دنیوی کھیل کود میں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انھیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے وہی آسمانوں میں معبود ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق اور اولیٰ کو ساقط کر کے اور اسکی یاء کی مانند تسہیل کر کے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور دونوں ظرفوں میں سے ہر ایک اپنے مابعد سے متعلق ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کے بارے میں بڑی حکمت والا ہے اور ان کی مصلحتوں کے بارے میں بڑے علم والا ہے اور وہ بڑی عظمت والا ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ کب ہوگی اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے تاء اور یاء کے ساتھ اور جن غیر اللہ کو کافر پوجتے ہیں وہ کسی کی شفاعت کرنے کا حق نہیں رکھتے ہاں جو حق بات کا اقرار کریں لا الہ الا اللہ کہہ کر اور وہ جانتے بھی ہیں اس چیز کو دریافت کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ لئن میں لام قسمیہ ہے لیقولن میں نون رفع اور واؤ ضمیر حذف کر دئے گئے ہیں تو پھر یہ کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس کو محمد ﷺ کے اس قول کی بھی خبر ہے کہ اے میرے پروردگار یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور قیلہ پر نصب فعل مقدر کا مصدر ہونیکی وجہ سے ہے ای قال قیلہ آپ ان سے منہ پھیریں اور کہہ دیں میں تم کو سلام کرتا ہوں اور یہ جہاد کا حکم آنے سے پہلے کی بات ہے تو ان کو عنقریب معلوم ہو جائیگا یاء اور تاء کے ساتھ یہ ان کے لیے دھمکی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَکْوَابٍ: جمع کوب جس کا دستہ نہ ہو۔

قوله: یٰمٰلِكُ: یہ خازن نار کا نام ہے۔ مطلب یہ ہے تم اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے۔

قوله: سِرَّهُمْ: حدیث نفس۔

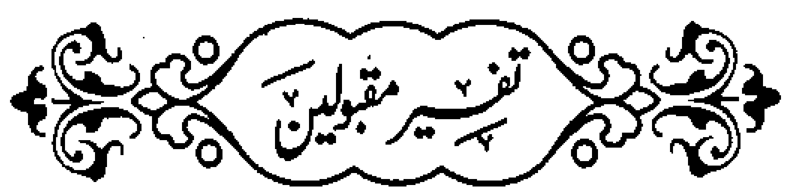
قوله: لِلْوَلَدِ: نبی تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

قوله: هوَ: اس سے اشارہ ہے موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور وہ هوَ ہے جو کہ مبتداء ہے۔

قوله: كُلٌّ مِنَ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهٗ : کیونکہ وہ معبود کے معنی میں ہے۔

قوله: سَلٰمٌ مِنْكُمْ :اس سے اشارہ ہے کہ یہ سلام متارکت ہے وہ منکم مقدر سے ہوتا ہے۔

قوله: فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ: یہ تہدید ہے۔



يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

متقی لوگوں کیلئے اس روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا کہ اب نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تم غمگین ہوؤ گے۔ یعنی نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا کہ اب تمہیں جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو چکی ہے جو کبھی چھننے والی نہیں۔ کیونکہ یہ عطاو بخشش ہوگی اس اکرم الاکرمین کی طرف سے جو نعمت دے کر چھینتا نہیں۔ خاص کر آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں جہاں اس کی شان عطاو بخشش اپنے عروج وکمال پر ہوگی۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اسی طرح ان خوش نصیب حضرات کو اپنی دنیا اور اپنے ماضی پر بھی کوئی غم اور افسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے صدق واخلاص اور توفیق و عنایت خداوندی کی بنا پر دنیا میں راہ حق وہدایت کو اپنایا ہوگا اور اپنی متاع زندگی کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کیا ہوگا۔ اس لیے وہ اپنے ماضی اور اپنے اعمال کے بارے میں شاداں وفرحاں ہوں گے۔ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ اور کامیاب زندگی ہوگی جنت کی وہ زندگی جہاں نہ ماضی کا کوئی غم وافسوس ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف واندیشہ۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت کتنی بڑی اور کس قدر عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرتی ہے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝

متقیوں کے لیے دخول جنت کا حکم وارشاد:

ان سے کہا جائے گا کہ اب داخل ہو جاؤ جنت میں تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی۔ جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی ایمان و اطاعت کے ساتھ گزاری ہوگی۔ اور ان میں سے جو یکے بعد دیگرے مختلف شوہروں کے عقد میں رہی ہوں گی وہ اپنے آخری شوہر کو ملیں گی اگر وہ جنتی ہوا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ بہر حال یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مبارکباد ہوگی جو اس روز ان خوش نصیبوں کو سنائی جائے گی کہ اے میرے بندو اب تم خوف اور حزن کے دار الابتلاء سے نکل کر جنت کی اس ابدی بادشاہی میں داخل ہو گئے ہو جس میں تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تم کبھی غمگین ہوؤ گے۔ واضح رہے کہ خوف مستقبل کے خطرات سے ہوتا ہے اور غم ماضی اور حال کی ناکامیوں اور صدمات سے۔ سو جنت ایسی جگہ ہوگی جہاں اہل ایمان ان دونوں ہی سے محفوظ رہیں گے۔ جبکہ دنیا میں یہ چیز کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ سو جنت ابدی اور حقیقی بادشاہی کی جگہ ہوگی۔

نیز ان سے کہا جائے گا کہ یہاں تمہیں ہر طرح سے خوش رکھا جائے گا۔ [illegible] اور دراصل اس خوشی کو کہا جاتا ہے جس کے اثرات انسان کے چہرے مہرے پر ظاہر ہوں۔ (صفوۃ البیان لمعانی القرآن [illegible]) سو اہل جنت کو حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے ایسی ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا جائے گا کہ ان کے اثرات ان کے چہروں پر طرح طرح سے عیاں اور ہویدا ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ } - کہ تم ان کے چہروں میں نعمتوں کی ترو تازگی دیکھو گے- اللہ اپنے کرم واحسان سے نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ازواج کے معنی بیویوں کے بھی آتے ہیں اور ہم مشرب ساتھیوں اور دوستوں کے بھی۔ اوپر کفار کے ہم مشربوں کا بیان ہوا کہ آپس میں یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ اور یہ اس کے مقابلے میں اہل ایمان کا حال بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ سرور اور شادکام ہوں گے اور اپنے ساتھیوں، دوستوں اور ہم مشربوں سے مل کر خوش ہو رہے ہوں گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ

جنتیوں کی ہر خواہش کی تکمیل:

اس سے جنتیوں کی ہر خواہش کی تکمیل کی بشارت سنائی گئی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ } (حم السجدۃ:31) یعنی تم لوگوں کو وہاں پر ہر وہ چیز ملے گی جو تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے لیے وہاں پر وہ سب کچھ ہوگا جو تم طلب کرو گے۔ سو اس سے جنت کی حقیقت اور اس کی عظمت شان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو من چاہی زندگی اس دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے لیے بھی ممکن نہیں وہ وہاں پر یہ ایک عام جنتی کو بھی نصیب ہوگی- فَسُبْحَانَ اللهِ الَّذِيْ لَا حَدَّ لِعَظَمَتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَزَّ سُلْطَانُهٗ - مالک الملک ارحم الراحمین ہمیں بھی محض اپنے فضل و کرم سے اس سے سرفراز فرما دے- آمین ثم آمین۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ غلمان جنت اہل جنت کی تواضع وضیافت کیلئے انکے سامنے سونے کی طشتریاں اور جام لے کر ہر وقت گردش میں رہیں گے۔ اور ان طشتریوں اور پیالوں میں کھانے پینے کے وہ وہ سامان ہوں گے جو دل پسند ہوں گے اور جن سے آنکھوں کو لذت ملے گی۔ سو وہ چیزیں دل پسند بھی ہونگی اور باصرہ نواز بھی۔ دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ذائقے کے لحاظ سے تو اچھی ہوتی ہیں لیکن دیکھنے میں اچھی نہیں لگتیں۔ لیکن اہل جنت کی تواضع جن نعمتوں سے کی جائی گے وہ لذت میں بھی عمدہ ہونگی اور شکل میں بھی-

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اہل جنت کے لیے جنت کی میراث کی خوشخبری:

اس سے اہل جنت کے لیے اس خوش کن اعلان کا ذکر فرمایا گیا کہ تمہیں جنت کا واث بنا دیا گیا۔ سو جنتیوں کے سرور کو دوبالا کرنے کے لیے اعلان وارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث بنا دیا گیا تم لوگوں کو۔ پس جس طرح وراثت سے حاصل ہونے والی ملکیت سب سے پختہ اور یقینی ہوتی ہے اسی طرح جنت سے تمہاری یہ سرفرازی بھی دائمی اور مستقل ہوگی۔ نیز

جس طرح وراثت انسان کو اپنے کسی عمل کے بدلے میں نہیں ملتی اسی طرح جنت بھی انسان کو محض اللہ پاک کے فضل وکرم سے ملے گی۔ اسی لیے اسے فضل خداوندی اور اس کی مہربانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز مؤمن کافر کے حصے کی جنت کا بھی وارث بنتا ہے جو کہ ایمان کی صورت میں اس کو ملتی ہے۔ جیسا کہ حدیث مرفوع میں وارد ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانا ہے جنت میں بھی اور دوزخ میں بھی۔ پس کافر دوزخ میں مؤمن کے حصے کی آگ کا بھی وارث بنتا ہے اور مؤمن جنت میں کافر کے حصے کی جنت کا بھی وارث بنتا ہے۔ سو کیا کہنے نعمت ایمان کے نتائج وثمرات کے کہ اس کے بعد نوازشیں ہی نوازشیں اور عنایتیں ہی عنایتیں ہیں۔

نیز اس سے اہل جنت کے لیے ایک اور خوش کن اعلان اور اس عظیم الشان خوش خبری کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جنت تمہارے اپنے اعمال کا بدلہ ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے مزید کہا جائے گا کہ تم کو اس کا وارث بنا دیا گیا تمہارے اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے یعنی اپنی دنیاوی زندگی میں۔ پس جنت تو اصل میں اللہ پاک کے فضل و کرم ہی سے ملے گی مگر اس کے اس فضل وکرم کا سبب اور ذریعہ انسان کے اپنے وہ نیک عمل ہی ہوں گے جو وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کرتا رہا ہوگا۔ اور پھر کرم بالائے کرم یہ کہ جنتیوں کو وہاں پر اعلانیہ طور پر یہ بتایا بھی جائے گا کہ یہ جنت تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ وثمرہ ہے تاکہ اس طرح اہل جنت کا سرور دوبالا ہو جائے۔ سو یہ بھی اس اکرم الاکرمین کی شان کرم کا ایک عظیم الشان مظہر ہوگا۔ ورنہ جنت کی ان سدا بہار اور ابدی نعمتوں کے مقابلے میں انسانی اعمال کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ اعمال تو اللہ پاک کی ان بے شمار نعمتوں میں سے بھی کسی کا بدل نہیں بن سکتے جن سے ہم اس دنیا میں مستفید اور بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بہرکیف انسان کو چونکہ اپنے کیے کا پھل ملنے پر طبعی طور سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لیے وہاں اہل جنت کیلئے یہ اعلان فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے اعمال کا بدلہ ہے جس سے ان کا لطف وسرور مزید از مزید دوبالا ہوگا۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ

دوزخ اور دوزخیوں کی درگت:

اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لیے یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا ہم نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں حجت قائم کر دی لیکن یہ اپنی سرکشی سے عصیان سے طغیان سے باز نہ آئے اس پر یہ بدلہ پایا اس میں اللہ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے یہ جہنمی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے، صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن اللہ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ (فاطر:۳۶) یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی تخفیف ہوگی اور فرمان باری ہے آیت: وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (الاعلیٰ:۱۱) یعنی وہ بدبخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو

بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ پس جب یہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرو گے نہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں مکث ایک ہزار سال ہے۔ یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا واضح کر دیا تو انہوں نے اسے مانا تو ایک طرف اس سے نفرت کی۔ ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے اس سے رکتے رہے ہاں ناحق کی طرف مائل رہے ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو ہی ملامت کرو اور اپنے ہی اوپر افسوس کرو لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بدترین مکر اور زبردست داؤ کھیلنا چاہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا حضرت مجاہد کی یہی تفسیر ہے اور اس کی شہادت اس آیت میں ہے: وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (النمل: ۵۰) یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کے لیے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور ان کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا اور ان کی آنکھیں نہ کھلیں اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا گمان بالکل غلط ہے ہم تو انکی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

اس کے بعد ان کی ایک درخواست کا ذکر ہے۔ حضرت مالک جو دوزخ کے خازن یعنی ذمہ دار ہیں ان سے عرض معروض کریں گے: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ. اور اہل دوزخ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے) یعنی ہمیں موت ہی دیدے تا کہ ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں وہ جواب دیں گے: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ (بلاشبہ تم کو اسی میں رہنا ہے۔)

سنن ترمذی میں ہے کہ اہل دوزخ آپس میں مشورہ کریں گے کہ داروغہائے دوزخ سے عرض معروض کریں، لہٰذا وہ ان سے کہیں گے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے) وہ جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے تھے؟) اس پر دوزخی جواب دیں گے کہ بلٰی یعنی ہاں آتے تو تھے لیکن ہم نے ان کا کہنا نہ مانا، فرشتے جواب میں کہیں گے: وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (تو پھر ہم تمہارے لیے دعا نہیں کر سکتے تم ہی دعا کر لو اور وہ بھی بے نتیجہ ہوگی) کیونکہ کافروں کی دعا (آخرت میں) بالکل بے اثر ہے، يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا. اے مالک (تم دعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام تمام کر دے وہ جواب دیں گے: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ. تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)

حضرت اعمشؒ فرماتے تھے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مالک (علیہ السلام) کے جواب میں اور دوزخیوں کی درخواست

میں ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہوگا۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝

مشرکین کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہارے پاس حق پہنچا دیا حق واضح کر دیا توحید کی دعوت سامنے رکھ دی اس کے دلائل بیان کر دیے لیکن تم نہیں مانتے تم میں سے اکثر لوگ حق کو برا جانتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں یہ حق سے دور بھاگنا انہی حالات کا پیش خیمہ ہے جو اہل دوزخ کے احوال میں بیان کیے گئے ہیں۔

قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے کے مشورے کرتے رہتے تھے موقع ملنے پر تکلیف بھی پہنچاتے تھے آپ کو شہید کرنے کا بھی مشورہ کیا آپ کی دعوت انہیں بہت ہی ناگوار تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا (کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کرلی ہے اور اس کے مطابق آپ کو تکلیف دینے کا پختہ مشورہ کرچکے ہیں): فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (سو ہم مضبوط تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی ان لوگوں کا اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ہم آپ کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے یا آپ کو شہید کر دیں گے یہ ان کی نا سمجھی ہے بے وقوفی کی باتیں ہیں ہماری مدد آپ کے ساتھ ہے ہمارے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوں گی۔ سورۃ الطور میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا وہاں ارشاد فرمایا: اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (کیا یہ لوگ تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہی تدبیر میں گرفتار ہونے والے ہیں۔)

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ۝

کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے۔ مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی۔ آئندہ جو اس دین میں آئے اس کے رشتہ دار اس کو مار مار کر الٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اس کو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے۔ یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا ان کو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۝

اس آیت سے گمراہی کے ایک بڑے سبب اور باعث کی نشاندہی فرمادی گئی، وہ یہ کہ گمراہ انسان اپنی بدبختی سے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے کرتوتوں کو جانتا نہیں، اس لیے وہ طرح طرح کے پردوں وغیرہ میں چھپ کر برائیاں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اسکے ان کرتوتوں کی اس کو علم و آگہی نہیں، جس کے نتیجے میں وہ برائی پر دلیر ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے خطاب کر کے کہا جائیگا کہ تم لوگ ایسے نہیں تھے کہ تم اس سے چھپ جاتے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، اور تمہاری کھالیں، تمہارے خلاف گواہی دیں، بلکہ تم لوگوں نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ اللہ بہت سے ان کاموں کو نہیں جانتا جو تم کرتے رہے تھے، اور تمہارے اسی گمان نے جو تم لوگوں نے اپنے رب کے بارے میں قائم کر رکھا تھا تمہیں تباہی کے گھاٹ اتار دیا، جس کے نتیجے میں تم لوگ اس انتہائی

ہولناک خسارے میں مبتلا ہو رہے [illegible]

فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے [illegible]

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہمارے رسول ان سے [illegible]

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ

یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں۔ آپ [illegible] اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اس کی اولاد کی پرستش کرے۔ کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جس کو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہیے۔ [illegible] العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد [illegible] حقوق پہچانو گے۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو! کہ تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی عبادت کرنے والا ہوں جو اولاد واحفاد سے منزہ و مقدس ہے۔ بعض نے عابد کے معنی لغۃ جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک ان نافیہ ہے۔ یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں۔ مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں اور بھی احتمالات ہیں جن کے استیعاب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو آپ چھوڑ دیں یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں دنیا میں ساری لہو ولعب ہے جیسا کہ سورۃ الحدید میں فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ۔ ان لوگوں کا باطل میں لگا رہنا اور کھیل میں مشغول رہنا یہاں تک آگے بڑھتا رہے گا کہ یہ لوگ اس دن سے ملاقات کریں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے بعض حضرات نے موت کا دن اور بعض حضرات نے یوم بدر اور بعض حضرات نے یوم القیامۃ مراد لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی معبود حقیقی وہی ہے اور مستحق عبادت بھی وہی ہے جو لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جگہ جبین فرسائی کرتے ہیں اور غلط جگہ پیشانی کو رگڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے یعنی بڑی حکمت والا ہے اور علیم بھی ہے یعنی بڑے علم والا ہے اس کے علاوہ کوئی ان صفات سے متصف نہیں اور اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ ....

فرمایا: وہ ذات عالی شان ہے جس کے لیے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی سلطنت ہے اور اس کے پاس قیامت کا یعنی اس کے وقت مقرر کا علم ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے وہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا اور کفر و معاصی کی سزا سامنے آجائے گی۔

مشرکین سے جب یہ کہا جاتا تھا کہ شرک بری چیز ہے تو شیطان کے پٹی پڑھا دینے سے یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم ان کی

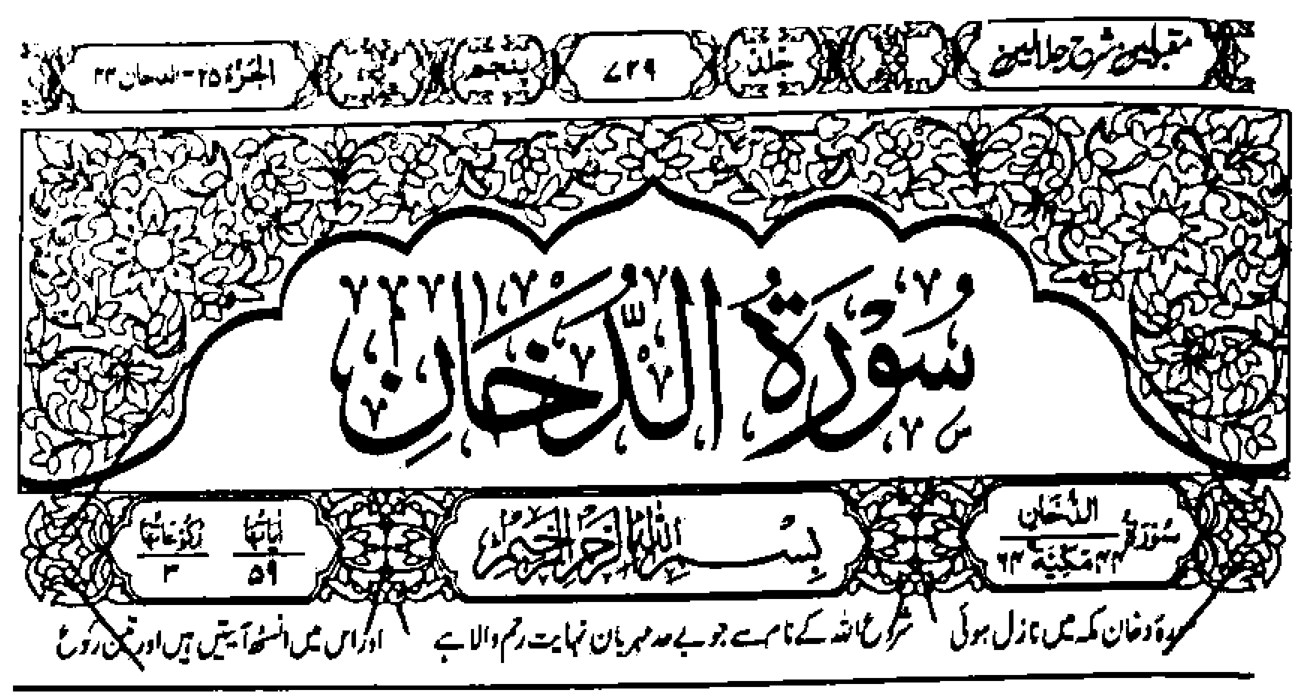
عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے لیے سفارش کردیں گے۔

بیان کا ایک بہانہ تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جن کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی وہ کیا سفارش کر سکتے ہیں اور بے جون کیسے سفارش کریں گے جس کی بارگاہ میں سفارش کی ضرورت ہوگی اس نے کب فرمایا کہ یہ میرے ہاں سفارشی بنیں گے، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے نبیوں نے توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان کی بات نہ مانی مشرک بنے اور جواز شرکت کا حیلہ بھی تراش لیا ان لوگوں کو واضح طور پر بتادیا کہ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کرسکیں گے ہاں اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ شفاعت کرسکیں گے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے گی لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے جس کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کی سفارش کریں گے اس مضمون کو یہاں سورۂ زخرف میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اور سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اور سورۂ انبیاء کی آیت: وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى میں بیان فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ان جیسے حضرات مراد ہیں گو ان حضرات کی عبادت کی گئی لیکن اس میں ان کا کوئی دخل نہ تھا یہ حضرات شفاعت کرسکیں گے لیکن کافروں کے لیے شفاعت نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہٖ سخت ہیں، دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے ہیں ﷺ جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور یہ فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی، ورنہ معمولی تکلیف پر رحمت للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ سے ایسی پر درد شکایت نہ فرماتے۔ اس تفسیر کے مطابق وقیلہ ایک آیت پہلے کے لفظ الساعۃ پر معطوف ہے، اس آیت کی اور بھی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں۔



سورۂ دخان مکہ میں نازل ہوئی ۔ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔ اور اس میں انسٹھ آیتیں ہیں اور تین رکوع

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيْلَ اِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ الْاٰيَةُ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّ خَمْسُوْنَ اٰيَةً

سورۂ دخان مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کاشِفُوا الْعَذَابِ مکیہ نہیں۔ کل آیات ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔

یہ سورت ان اہم اور عظیم سورتوں میں شمار کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو ان بیس سورتوں میں شامل کیا ہے جو نظائر کہلاتی ہیں اور ان کو آنحضرت ﷺ مضمون کی مشابہت کی وجہ سے ملا کر دو دو سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ باہلیؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن سورت الدخان کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی شب میں حٰم الدخان اور سورت یٰسین کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کردی گئی ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔

(ربط) گزشتہ سورت کے اکثر مضامین قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل و براہین کے سلسلہ کے بعد منکرین و مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرتناک احوال کا ذکر تھا اور اسی پر سورت کا مضمون ختم فرمایا، اب اس سورت کا آغاز بھی قرآنی عظمتوں کے مضمون سے ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کا نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ کیسی عظیم برکتوں والی رات تھی اور اس شب مبارک کی کیا خصوصیات ہیں تو جو کتاب الٰہی خود عظمت والی ہو اور جس زمانہ میں اتاری جائے وہ بھی برکتوں والا زمانہ ہو، تو بلاشبہ اس پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ہر خیر و برکت کا موجب ہوگی۔

حٰمٓ ۝ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ الْمُبِيْنِ ۝ الْمُظْهِرِ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيْهَا مِنْ اُمِّ الْكِتٰبِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى السَّمَاءِ

الدُّنْيَا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ مُخَوِّفِيْنَ بِهٖ فِيْهَا اَيْ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ يُفْرَقُ يُفْصَلُ كُلُّ اَمْرٍ
حَكِيْمٍ ○ مُحْكَمٍ مِنَ الْاَرْزَاقِ وَالْاٰجَالِ وَغَيْرِهِمَا الَّتِيْ تَكُوْنُ فِي السَّنَةِ اِلٰى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ اَمْرًا فُرِقًا
مِّنْ عِنْدِنَا ۚ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهُ رَحْمَةً رَأْفَةً بِالْمُرْسَلِ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِهِمُ الْعَلِيْمُ ○ بِاَفْعَالِهِمْ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ بِرَفْعِ رَبُّ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِجَرِّهٖ بَدَلٌ
مِنْ رَبِّكَ اِنْ كُنْتُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ مُّوْقِنِيْنَ ○ بِاَنَّهٗ تَعَالٰى رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَيْقِنُوْا بِاَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُوْلُهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِنَ الْبَعْثِ يَلْعَبُوْنَ ○
اِسْتِهْزَاءً بِكَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ قَالَ تَعَالٰى فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَاْتِي
السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ فَاَجْدَبَتِ الْاَرْضُ وَاشْتَدَّ بِهِمُ الْجُوْعُ اِلٰى اَنْ رَاَوْا مِنْ شِدَّتِهٖ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ يَّغْشَى النَّاسَ ۚ فَقَالُوْا هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○
مُصَدِّقُوْنَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالٰى اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى اَيْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِيْمَانُ عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ وَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ اَيْ يُعَلِّمُهُ الْقُرْاٰنَ بَشَرٌ مَّجْنُوْنٌ ○ اِنَّا كَاشِفُوا
الْعَذَابِ اَيِ الْجُوْعِ عَنْكُمْ زَمَنًا قَلِيْلًا فَكَشَفَ عَنْهُمْ اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ○ اِلٰى كُفْرِكُمْ فَعَادُوْا اِلَيْهِ اُذْكُرْ
يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ مِنْهُمْ وَالْبَطْشُ الْاَخْذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا
قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَهٗ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ هُوَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرِيْمٌ ○ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ اَيْ بِاَنْ
اَدُّوْٓا اِلَيَّ مَا اَدْعُوْكُمْ اِلَيْهِ مِنَ الْاِيْمَانِ اَيْ اَظْهِرُوْا اِيْمَانَكُمْ بِالطَّاعَةِ لِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○
عَلٰى مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا تَتَجَبَّرُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ بِتَرْكِ طَاعَتِهٖ اِنِّيْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ بُرْهَانٍ مُّبِيْنٍ ○ بَيِّنٍ
عَلٰى رِسَالَتِيْ فَتَوَعَّدُوْهُ بِالرَّجْمِ فَقَالَ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ○ بِالْحِجَارَةِ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا
لِيْ تُصَدِّقُوْنِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ○ فَاتْرُكُوْا اِذَايَ فَلَمْ يَتْرُكُوْهُ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ اَيْ بِاَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ○
مُشْرِكُوْنَ فَقَالَ تَعَالٰى فَاَسْرِ بِقَطْعِ الْهَمْزَةِ وَوَصْلِهَا بِعِبَادِيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○

يَتْبَعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ إِذَا قَطَعْتَهُ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ رَهْوًا سَاكِنًا مُنْفَرِجًا حَتّٰى تَدْخُلَهُ الْقِبْطُ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿﴾ فَاطْمَأَنَّ بِذٰلِكَ فَاُغْرِقُوْا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿﴾ تَجْرِيْ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ وَّنَعْمَةٍ مُتْعَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿﴾ نَاعِمِيْنَ كَذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَإٍ أَيِ الْأَمْرُ وَأَوْرَثْنٰهَا أَيْ أَمْوَالَهُمْ هَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿﴾ أَيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَبْكِيْ عَلَيْهِمْ بِمَوْتِهِمْ مُصَلَّاهُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَمَصْعَدُ عَمَلِهِمْ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿﴾ مُؤَخَّرِيْنَ لِلتَّوْبَةِ

ع ۲۱ ۱۴

ترجمہ: سورہ دخان مکی ہے سوائے کَاشِفُوا الْعَذَابِ ایک آیت کے اور اس میں ۵۶ / یا ۵۷ / ۵۹ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰم اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے قسم ہے اس کتاب قرآن واضح کی جو حلال حرام بتلانیوالی ہے کہ ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے شب قدر مراد ہے یا شب براءت جس میں قرآن پاک ساتویں آسمان سے آسمان دنیا پر نازل ہوا ہے ہم آگاہ کرنے والے ڈرانے والے ہیں اس شب قدر یا شب براءت میں ہر حکمت والا معاملہ طے کیا جاتا ہے فیصلہ کیا جاتا ہے روزی موت وغیرہ کے حالات جو اگلے سال کی شب قدر تک طے کئے جاتے ہیں ہماری بارگاہ سے ہم پیغمبر بنانے والے ہیں محمد ﷺ کو اور ان سے پہلے انبیاء کو محض اپنی رحمت سے جو پیغمبر کی قوموں پر ہوئی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے وہ ان کی باتوں کو بڑا سننے والا ان کے کاموں کو بڑا جاننے والا ہے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان میں ہے رب اگر مرفوع ہے تو تیسری خبر ہوگی اور مجرور ہونے کی صورت میں ربک کا بدل ہوگا اگر تم مکہ والو! یقین لانا چاہو کہ اللہ آسمان زمین کا رب ہے تو یہ بھی یقین رکھو کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے باپ دادوں کا بھی بلکہ یہ قیامت کے معاملہ میں شک میں ہیں بیکار باتوں میں پڑے ہوئے ہیں آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں آنحضرت نے ان کے لئے قوم یوسف علیہ السلام کی طرح قحط سالی کی بددعا کی جس کو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالیا سو آپ ان کیلئے انتظار کیجئے اس روز کا کہ آسمان کی طرف نظر آنے والا ایک دھواں پیدا ہو چنانچہ زمین میں سوکھا پڑا اور فقر وفاقہ زیادہ ہو گیا حتی کہ اس کی شدت سے زمین و آسمان کے درمیان دھوئیں کی طرح تر مرے نظر آنے لگے جو سب لوگوں کو گھیر لے۔ یہ ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے پروردگار ہم سے مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے آپ کے پیغمبر کی تصدیق کریں گے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انکو نصیحت کب ہوتی ہے؟ یعنی عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا حالانکہ ان کے پاس کھلے طور پر رسول آیا جن کی رسالت واضح ہے پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے کہ یہ پڑھایا ہوا ہے قرآن کسی نے ان کو سکھلایا ہے دیوانہ ہے ہم بھوک کے عذاب کو ہٹائیں گے کچھ روز چنانچہ یہ عذاب ہٹ گیا تم پھر اسی حالت پر سابقہ کفر کی طرف آجاؤ گے یاد کیجئے جب ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے مراد جنگ

بدلہ لیں گے ان سے اور "بطش" کہتے ہیں سخت پکڑ کو اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو فرعون سمیت آزمایا اور ان کے پاس ایک پیغمبر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جو اللہ کے نزدیک معزز تھے کہ میرے کہنے پر چلو جس ایمان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس کو پورا کرو میری فرمانبرداری کر کے اے اللہ کے بندو! میں تمہارے پاس رسول بن کر آیا ہوں امانت دار ہوں پیغام پہونچانے میں اور تم سرکشی ظلم نہ کرو اللہ پر اس کی نافرمانی کر کے میں تمہارے سامنے ایک واضح کھلی دلیل پیش کرتا ہوں اپنی رسالت پر اس پر مشرکین نے آپ پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپ کو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے میری تصدیق نہیں کرتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو میرے درپے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور درپے آزار رہے تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں، مشرک ہیں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو اب لے کر چلے لفظ اسر ہمزہ قطعی کے ساتھ اور ہمزہ وصل کے ساتھ ہے میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں سکون کی حالت میں کہ پانی میں راستے بنے رہیں تا کہ قبطی اس میں داخل ہو سکیں ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر مطمئن ہو گئے اور فرعون کا لشکر غرقاب ہو گیا ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چشمے رواں اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات آراستہ مجلسیں اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش مگن رہا کرتے تھے اسی طرح ہوا یہ خبر ہے مبتدائے محذوف الامر کی اور ہم نے ان کو اموال کا وارث بنا دیا دوسری قوم بنی اسرائیل کو سو ان پر نہ زمین و آسمان کو رونا آیا برخلاف مسلمانوں کے کہ ان کی موت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال پڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے اور نہ ان کو مہلت توبہ کے لئے ڈھیل دی گئی۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح وتشریح

قوله: فرقا: یہ یَفْرَقُ کا مصدر ہے۔

قوله: رَحْمَةً: یہ مفعول لہ ہے۔

قوله: مِّن رَّبِّكَ: رب کے لفظ کو ضمیر کی جگہ لائے، اس لیے کہ رسالت ربوبیت کا تقاضا ہے۔

قوله: يُعَلِّمُهُ: بعض نے کہا ثقیف عجمی غلام سکھاتا تھا بعض نے مجنون کہا۔

قوله: الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ: اس لیے کہ وہ دبدبے پر مشتمل تھی۔

قوله: مُّجْرِمُونَ: یہ دعا کی تعریض ہے۔

تفسیر مقبولین

حٰمٓ ○

(ربط) گزشتہ سورتک مضمون توحید ورسالت کا اثبات تھا اور اس سے اختلاف واعراض کرنے والے مجرمین کی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے افسوس ناک عبرت ناک انجام کا بیان تھا اور اسی موضوع پر سورت کا مضمون ختم فرمادیا گیا تھا کہ اگر ان واقعات کو سنکر بھی قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو سوچ لینا چاہئے کہ ایسا ہی عبرت ناک انجام ان کا بھی ہوگا، ساتھ ہی آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت ودشمنی سے آپ زائد پریشان نہ ہوں اور اتمام حجت کے ساتھ فرمادیا گیا تھا: " وقل سلام فسوف یعلمون "۔ تو اسی مناسبت سے اب اس سورت کی ابتداء قرآن کی عظمت وحقانیت سے ہورہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ اس کتاب الٰہی کی حقانیت وعظمت اس طرح بھی جا سکتی ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کتاب نازل کی وہ بھی بڑی عظمتوں والی ذات ہے اور جس زمانہ اور ساعت میں اس کو اتارا گیا اس کی برکتوں اور عظمتوں کی بھی کوئی انتہاء نہیں، تو جب اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات بھی باعظمت ہے اور زمانہ نزول بھی برکتوں اور عظمتوں کا زمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب الٰہی کی عظمت وبلندی کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں ہوسکتی

لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس رات کو مبارک فرمانا اس لیے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات وبرکات نازل ہوتی ہیں اور قرآن کریم کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورۃ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے۔ انا انزلنه فی لیلة القدر، اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلۃ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداء دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت قتادہ نے بروایت واثلہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارہویں میں، انجیل اٹھارویں میں اور قرآن چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (قرطبی)

قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن سماء دنیا پر اسی رات میں نازل کردیا گیا تھا۔ پھر تیئس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل کردیا جاتا تھا۔ (قرطبی)

اور بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شب برات یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزول قرآن دوسری تمام نصوص قرآن اور روایات حدیث کے خلاف ہے شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن اور انا انزلنه فی لیلة القدر جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے

نہیں کہہ سکتا کہ نزول قرآن شب برات میں ہوا۔ البتہ شعبان کی پندرھویں شب کو بعض روایات حدیث میں شب برات یا لیلۃ الصک کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس رات کا مبارک ہونا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ بعض روایات میں یہ مضمون بھی آیا ہے جو اس جگہ لیلہ مبارکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے یعنی فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضرت ابن عباس یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال میں پیدا ہوں گے، کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا۔ یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، کیونکہ قرآن وسنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔ تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ قضاء وقدر کی تنفیذ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ (قرطبی)

چونکہ بعض روایات حدیث میں شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں شب کے متعلق بھی آیا ہے کہ اس میں آجال و ارزاق کے فیصلے لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البراۃ سے کر دی ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں اس رات میں نزول قرآن کا ذکر سب سے پہلے ہے اور اس کا رمضان میں ہونا قرآن کی نصوص سے متعین ہے۔ اور شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی لیکن روح المعانی وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس طرح دونوں قول میں تطبیق ہو سکتی ہے ورنہ اصل بات جو ظاہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ سورۂ دخان کی آیت میں لیلہ مبارکہ اور فیہا یفرق وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں۔ رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایات حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں اس لیے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات اگرچہ باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝

دخان سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا جب ظاہر ہوگا تو زمین میں چالیس دن رہے گا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دے گا۔ اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہو جائے گی اور کفار اور فجار کی ناکوں میں گھس جائے گا اور سانس لینے میں انہیں سخت تکلیف ہوگی۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن علی اور حسن اور ابن ابی ملیکہ رحمہم اللہ کا یہی فرمانا ہے کہ دھواں اب تک ظاہر نہیں ہوا قیامت کے قریب ہوگا۔ صحیح مسلم میں دس نشانیوں کے ذیل میں دھوئیں کا تذکرہ موجود ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ ہیں (صحیح مسلم ص ۳۹۲: ج ۲) جن حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جس دھوئیں کا ذکر ہے وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا ان حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے۔ جسے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ مذکورہ دخان سے قرب قیامت کا دھواں مراد ہے، تو حضرت ابن مسعودؓ کو یہ سن کر ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتادے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم کی بات ہے اس کے بعد فرمایا جب قریش مکہ نے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کو بددعا دے دی اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلَیْھِمْ بِسَبْعٍ کَسَبْعِ یُوْسُفَ (اے اللہ ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ وہ مردار اور ہڈیاں کھانے لگے بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوگیا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں نظر آتا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرما دیا تھا: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ، جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اے ہمارے رب عذاب دور فرما دیجیے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عبداللہ نے اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا قیامت کے دن عذاب بھی دور کردیا جائے گا؟ یعنی آیت کریمہ میں عذاب دور کرنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کا عذاب دور نہیں کیا جائے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ سورت الدخان میں دخان مبین سے قیامت کے دن کا عذاب مراد نہیں، اس کے آگے قصہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں ابوسفیان کو بھیجا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا اے محمد ﷺ آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ اس عذاب کو ہٹا دے آپ نے دعا کر دی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی وہ لوگ اچھی حالت میں ہو گئے لیکن کفر پر ہی باقی رہے جیسے اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ میں بیان فرمایا جب کفر پر ہی جمے رہے تو آیت کریمہ: یَوْمَ نَبْطِشُ

الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ۞ نازل ہوئی جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ، بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں بڑی پکڑ سے غزوہ بدر مراد ہے ان لوگوں نے وعدہ تو کیا تھا کہ ہم عذاب دور ہونے پر مؤمن ہو جائیں گے لیکن عذاب ٹل جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اس لیے فرمایا: اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ۞ کہاں ہے ان کو نصیحت اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس رسول آ چکا ہے جس کی دعوت و دلائل سب واضح ہیں: ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ... پھر انہوں نے اس کی طرف سے روگردانی کی اور اعراض کیا۔ اور کہنے لگے کہ اس کو دوسروں نے سکھایا ہے اور یہ دیوانہ ہے یعنی رسول مبین کی واضح دعوت اور دلائل سے اعراض کر چکے ہیں اور اس کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ دوسروں کا پڑھایا ہوا ہے اور دیوانہ ہے ان سے یہ امید کرنا کہ عذاب چلے جانے پر ایمان لے آئیں گے بے جا امید ہے۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ۞

ان آیات میں فرعون کی نافرمانی کا اور بطور سزا لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے یعنی قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا ان کے پاس رسول کریم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و معظم تھے انہوں نے فرعون سے اور اس کی جماعت سے کہا کہ بنی اسرائیل کو تم دکھ تکلیف دیتے ہو انہیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ان اللہ کے بندوں کو تم میرے حوالے کر دو اور میرے ساتھ بھیج دو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میں اس کا رسول امین ہوں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سرکشی نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں مت آؤ۔ اس کی اطاعت کرو میں تمہارے پاس واضح دلیل یعنی معجزات کثیرہ لے کر آیا ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور حق بات پہنچائی تو فرعون اور اس کی جماعت نے ان کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو یعنی مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرو۔ مزید فرمایا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم یہ کرو کہ مجھ سے دور رہو مجھے کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ کیونکہ اس سے تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا وہ لوگ ہدایت پر نہ آئے اور سرکشی کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو جاؤ آبادی سے نکل جاؤ اور سمندر کی راہ لے لو جب تم روانہ ہو جاؤ گے تو تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارے پیچھے آ پہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے، فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چل دیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب سمندر پر پہنچو تو سمندر میں اپنی لاٹھی مار دینا اس کا معجزہ والا اثر یہ ہوگا کہ پانی رک جائے گا اور جگہ خشک ہو جائے گی اور اس میں راستے نکل آئیں گے تم اس سمندر کو اس کی حالت پر ٹھہرا چھوڑ کر پار ہو جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں راستے بن گیا جگہ خشک ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ان راستوں میں داخل ہو گئے اور سمندر اپنی ہیبت اور حالت پر سکون کے ساتھ ٹھہرا ہوا رہ گیا پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر آیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے اپنی فوجیں ڈال دیں بنی اسرائیل پار ہو گئے اور فرعون

اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا سمندر میں راستے بن جانے کی وجہ سے جو قرار و سکون ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا پانی آپس میں مل گیا جیسا کہ پہلے ہی فرما دیا تھا جو راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا اسی کو فرمایا: وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝

(سو ان پر آسمان اور زمین کو رونا نہ آیا اور وہ مہلت دیئے جانے والے نہ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے مبغوض اور مغضوب علیہم ہونے کی وجہ سے ہلاک فرما دیا اور یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مبغوض تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے بغض تھا گو تکوینی طور پر بامر الٰہی ان پر بارش ہوتی تھی اور زمین بھی ان کا رزق اگاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم آسمان و زمین ان سے راضی نہ تھے لہٰذا ان کے بیک وقت غرق ہونے پر انہیں ذرا بھی ترس نہ آیا اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے وہ ذرا بھی نہ روئے۔

مؤمن کی موت پر آسمان و زمین کا رونا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی مؤمن بندہ ہے اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے۔ جب اس کی موت ہو جاتی ہے تو دونوں دروازے اس پر رونے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا: فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الدخان)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ قَتْلَ الْاَبْنَاءِ وَاسْتِخْدَامِ النِّسَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ قِيْلَ بَدَلٌ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِيْرِ مُضَافٍ اَيْ عَذَابِ وَ قِيْلَ حَالٌ مِنَ الْعَذَابِ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ اَيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى عِلْمٍ مِنَّا بِحَالِهِمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَيْ عَالِمِيْ زَمَانِهِمْ اَيِ الْعُقَلَاءِ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ۝ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلْقِ الْبَحْرِ وَالْمَنِّ وَالسَّلْوٰى وَغَيْرِهِمَا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ مَا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ بَعْدَهَا الْحَيٰوةُ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى اَيْ وَهُمْ نُطَفٌ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ بِمَبْعُوْثِيْنَ اَحْيَاءً بَعْدَ الثَّانِيَةِ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اَحْيَاءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَنَّا نُبْعَثُ بَعْدَ مَوْتِنَا اَيْ نُحْيَا قَالَ تَعَالٰى اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ هُوَ نَبِيٌّ اَوْ رَجُلٌ صَالِحٌ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ مِنَ الْاُمَمِ اَهْلَكْنٰهُمْ ؗ لِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنٰى لَيْسُوْا اَقْوٰى مِنْهُمْ

و هذا خبر إِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۞ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۞ بخلق ذلك

حال مَا خَلَقْنٰهُمَآ وما بينهما إِلَّا بِالْحَقِّ أي محقين في ذلك ليستدل به على قدرتنا ووحدانيتنا وغير ذلك

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ أي كفار مكة لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ يوم القيامة يفصل الله فيه بين العباد

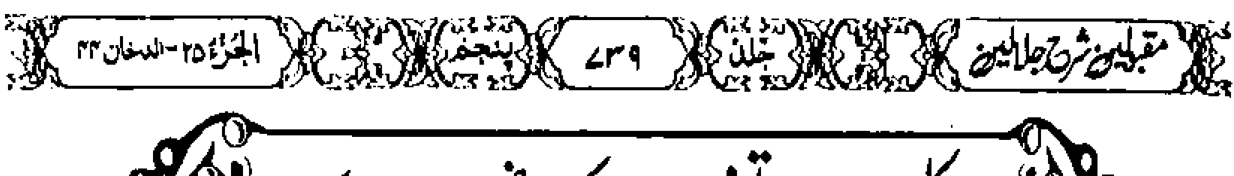
مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ للعذاب الدائم يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى بقرابة أو صداقة أي لا

يدفع عنه شَيْئًا من العذاب وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۞ يمنعون منه ويوم بدل من يوم الفصل إِلَّا مَنْ رَّحِمَ

اللّٰهُ وهم المؤمنون فإنه يشفع بعضهم لبعض بإذن الله إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيْزُ الغالب في انتقامه من

ع الكفار الرَّحِيْمُ ۞ بالمؤمنين

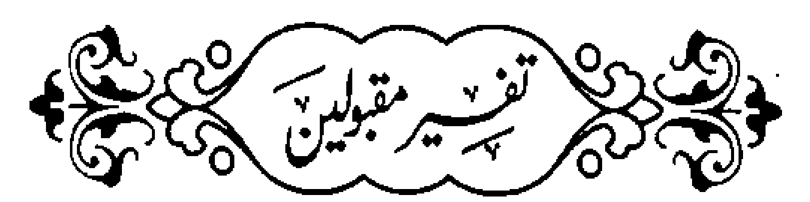
ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں سے خدمت لینے یعنی فرعون سے نجات دیدی۔ بعض نے من فرعون کو مضاف مقدر مان کر من العذاب سے بدل مانا ہے اور بعض نے حال کہا ہے واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کو برتری بخشی ان کے حالات سے اپنی واقفیت کے بنا پر دنیا جہان والوں پر یعنی اپنے زمانہ کے دانشوروں پر اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلم کھلا انعام تھا یعنی دریائے نیل کا پھٹ جانا من وسلویٰ کا اترنا اسی طرح کی اور بھی نعمتیں اور یہ لوگ کفار مکہ کہتے ہیں کہ بس یہی یعنی دوبارہ موت کے بعد پھر زندگی ہونا نہیں ہے۔ پہلی دفعہ کی موت تھی یعنی وجود سے پہلے نطفہ کی حالت اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے دوسری موت کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ سو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے موجود کرو اگر تم سچے ہو اس بارہ میں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے زندہ کیے جائیں گے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع پیغمبر یا ولی کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ ان کے کفر کی وجہ سے حاصل یہ کہ اہل مکہ پہلے سے زیادہ مضبوط نہیں پھر بھی وہ ہلاک ہو گئے۔ واقعتاً وہ لوگ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا لاعبین حال واقع ہے۔ ہم نے ان آسمانوں اور زمین کے درمیان کی چیزوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان سے قدرت وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جا سکے لیکن مکہ کے کافروں میں اکثر سمجھتے نہیں بلا شبہ فیصلہ کا دن قیامت کا روز ہے جس میں اللہ بندوں کا فیصلہ فرمائے گا ان سب کے دائمی عذاب کا مقررہ وقت ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے تعلق یا دوستی کی وجہ سے۔ کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا ذرا بھی کام نہیں آئے گا عذاب سے بچاؤ کے لیے اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی مدد ہوگی۔ یوم بدل ہے. یَوْمُ الْفَصْلِ کا ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے مومنین اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔ یقیناً وہ زبردست ہے کفار سے انتقام لینے میں غالب۔ مہربان ہے مومنین کے لیے



قولہ: مِيْقَاتُهُمْ: وعدہ کا وقت۔

قولہ: يَوْمَ لَا يُغْنِيْ: کام آنا، بدلہ دینا۔

قولہ: مَوْلًى: مددگار۔



بنی اسرائیل پر انعام اور امتنان:

اس کے بعد بنی اسرائیل پر امتنان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ یعنی ان کے زمانے میں جو لوگ تھے ان سب کے مقابلے میں انہیں برتری عطا فرمائی۔ فی معالم التنزیل علی عالمی زمانهم

مزید فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔ یعنی وہ ایسی چیز تھی جو ان کے لیے نعمت تھیں، اور قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں تھیں۔ مثلاً انہیں فرعون کے چنگل سے نکالنا جو ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کے لیے سمندر کو پھاڑ دینا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ نازل کرنا پھر انہیں زمین میں اقتدار بخشا ان میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمانا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

بنی اسرائیل کی عظمت وبرتری اپنے دور کے سب جہانوں پر:

حضرات علماء ومفسرین کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی یہ فضیلت وبرتری صرف ان کے اپنے دور کے اعتبار سے تھی ورنہ مطلق فضیلت اور سب زمانے کے لوگوں کے مقابلے میں بڑائی تو صرف امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے۔ { كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اخرجت للناس } - اور یہ اس لیے کہ ان کے اس دور میں دین وشریعت کے علم کی روشنی ان ہی لوگوں کے پاس تھی۔ اور یہ ایک اہم اور بنیادی حقیقت ہے کہ جو قوم خداوند قدوس کی شریعت کی حامل ہوتی ہے طبعی اور فطری طور پر وہی اس کی اہل اور حق دار ہوتی ہے کہ خلق خدا کی راہنمائی کرے۔ اور ان کا یہ منصب اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرے۔ سو وہ اگر اپنے فرائضِ منصبی کو صحیح طور پر ادا نہیں کرے گی تو اس کو اس کے اس منصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم کو اس کے مقام پر فائز کر دیا جائے گا جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو صحیح

طریقے سے نبھائے گی۔ سو بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ایک خاص دور میں ان کو لوگوں کی امامت و پیشوائی کے اس اہم منصب پر فائز کیا گیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کی ذمہ داریوں سے تغافل برتا اور وہ اس کے اہل نہ رہے تو ان کو اس سے معزول کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد خلق خدا کی ہدایت وراہنمائی کے اس منصب جلیل پر امت مسلمہ کو فائز کیا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے سرفرازی نسلی یا موروثی بنیادوں پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے عمل و کردار اور اہلیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور اب ان کی لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اس دین حق اسلام کو صدق دل سے اپنالیں اور اس کی تعلیمات مقدسہ پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ اس طرح وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پھر پالیں گے ورنہ ان کے لیے ہمیشہ کی ذلت وخواری ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ۝

ہم نے انکو طرح طرح کی ایسی نشانیوں سے نوازا جن میں کھلی آزمائش کا سامان تھا۔ مثلاً یہ کہ ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی۔ ان کے لیے چلتے سمندر کو پھاڑ کر راستے بنا دیئے۔ بادلوں سے ان کے لیے سائے کا انتظام کیا اور ان پر من وسلویٰ کی نعمتیں اتاریں وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ ان کے سوا اور کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ اور یہ چیزیں جہاں ایک طرف نعمتیں تھیں وہاں دوسری طرف ان کے لیے ابتلاء وآزمائش کا سامان بھی تھیں کہ وہ ان کا حق کیا اور کس طرح ادا کرتے ہیں؟ اسی لیے لفظ بلاء استعمال فرمایا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ نعمت کے بھی آتے ہیں اور آزمائش کے بھی۔ {فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ} یعنی تا کہ وہ دیکھے کہ ان اور ان نعمتوں سے مستفید وبہرہ ور ہو کر تم لوگ کس عمل کا مظاہرہ کرتے ہو۔ سو بلاء کے اصل معنیٰ آزمائش کے ہوتے ہیں اور آزمائش چونکہ نعمت کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور مصیبت کے ذریعے بھی اس لیے اس کو یہاں پر بلاء کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ نعمت کا امتحان شکر کی جانچ کیلئے ہوتا ہے اور مصیبت کا امتحان صبر ورضا کی جانچ کیلئے۔

اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ۝

منکرین کا کہنا ہے کہ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو۔ اے مسلمانو! ۔ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ اور اپنے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا بدلہ پانا ہے۔ بلکہ زندگی تو یہی دنیاوی زندگی ہے اور بس۔ سو جو اس میں عیش کر گیا وہ کر گیا۔ پھر اٹھنا وٹھنا کچھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ قیامت وغیرہ کا ڈراوا تو محض ایک ہوا ہے۔ موت تو بس یہی موت ہے جس سے اس دنیا میں سابقہ اور واسطہ پیش آتا ہے اور بس۔ اور یہی موت اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اس کے بعد نہ کوئی موت ہے نہ زندگی۔ اور موتہ اولیٰ یعنی پہلی موت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد کوئی دوسری موت بھی ہو۔ جیسا کہ ہم لوگ اپنے محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کے یہاں پہلا بچہ پیدا ہوا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے یہاں دوسرا بچہ بھی پیدا ہو۔ بلکہ اس کے لیے اتنی بات کافی ہوتی ہے کہ اس کے یہاں اس سے پہلے کوئی بچہ نہ ہوا ہو۔ جیسے کوئی کہتا ہے کہ یہ پہلی کمائی ہے جو مجھے آج حاصل ہوئی۔ عام اس سے کہ اس کے یہاں اس کے بعد کوئی اور کمائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ منکرین کا کہنا ہے کہ ہمیں کبھی دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لا موجود کرو) قرآن کریم نے ان کے اس اعتراض کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ بالکل ظاہر تھا اور وہ یہ کہ تمام انسانوں کی دوبارہ زندگی کا دعویٰ آخرت میں کیا جا رہا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا۔ دنیا میں موت و حیات قدرت کے مخصوص قوانین اور مصالح کی پابند ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کسی کو دوسری زندگی عطا نہیں فرما رہا تو یہ اس بات کی دلیل کیسے بن گئی کہ آخرت میں بھی وہ دوبارہ زندہ نہ کر سکے گا۔ منطقی اصطلاح میں اس جواب کو یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ مقید کا عدم وقوع مطلق کے عدم وقوع کو مستلزم نہیں ہو سکتا۔ (بیان القرآن)

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ....

منکرین قیامت کی کٹ حجتی، یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے:

ان آیات میں اول تو منکرین بعث کا قول نقل فرمایا ہے، پھر ان کی بات کی تردید فرمائی ہے منکرین نے یہ کہا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ مرنا ہے اور مر کر جی اٹھنا ہے اور حساب و کتاب ہے یہ ہم نہیں مانتے ہمارے نزدیک بس یہی بات طے شدہ ہے کہ ہم پہلی بار جو مریں گے تو بس مر گئے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے والی بات نہیں مانتے، ان لوگوں نے مزید یوں بھی کہا کہ تم دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے ہو تو چلو ہمارے باپ دادوں کو لا کر دکھا دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو (کہ دوبارہ اٹھنا ہے اور قیامت قائم ہونی ہے) ان کی تردید میں فرمایا: اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۞ کیا یہ لوگ بہتر ہے یا تبع کی قوم بہتر تھی اور جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بہتر تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے یعنی یہ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ اللہ کے رسول کی رسالت اور دعوت کے منکر ہیں اپنے کو دنیاوی طور پر بڑی قوت والا سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر منکر ہو رہے ہیں یہ سوچنا اور سمجھنا بالکل ہی غلط ہے ان کی کیا حیثیت ہے ان سے پہلے (یمن کے بادشاہ) تبع کی قوم گزر چکی ہے اور ان میں بھی بہت سی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جب ان پر عذاب آیا تو شوکت و قوت نے کچھ بھی کام نہ دیا سورۂ سبا میں فرمایا: وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب۔)

تبع کون تھے؟

یہ تبع کون تھا؟ جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۳ ج ۴ نے اس پر لمبا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اتنی بات تو تقریباً سبھی نے لکھی ہے کہ تبع یمن کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے قیصر و کسریٰ، اور نجاشی اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے القاب تھے اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا یہ کون سا تبع تھا جس کا آیت بالا میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابو کرب لکھی ہے محمد بن اسحق (صاحب السیرۃ) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ تبع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا

... وہ جب اہل مدینہ کو اس کا پتہ چلا تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ میں سے دو عالم کعب اور اسد نامی اس کے پاس آئے
اس سے کہا کہ اے بادشاہ تو ایسا نہ کر اگر تو ہماری بات نہیں مانتا تو جان ہمیں ڈر ہے کہ تجھ پر جلد ہی عذاب نازل ہو جائے گا
کیونکہ یہ ایک نبی کا دار الہجرت ہے وہ قریش سے ہوں گے نام محمد ہوگا ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی یہ سن کر وہ اپنے ارادے سے
پھر گیا پھر ان دونوں عالموں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی اس نے ان کا دین قبول کر لیا یعنی یہودیت والا دین۔ وہ
اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے چلا گیا اس کے ساتھ کچھ یہودی تھے جن میں وہ دونوں عالم بھی تھے (جنہوں نے اسے مدینہ منورہ پر
حملہ کرنے سے روکا تھا) یمن جانے کے لیے روانہ ہوگئے راستے میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ لوگ ملے انہوں نے تبع سے کہا کہ
ہم تمہیں ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس میں موتی زمرد اور چاندی کا خزانہ ہے اس نے سوال کیا کہ وہ کون سا گھر ہے انہوں نے
بتایا کہ وہ گھر مکہ معظمہ میں ہے بنی ہذیل کا مقصد اس کی خیر خواہی نہ تھی بلکہ اسے ہلاک کروانا مقصود تھا وہ جانتے تھے کہ اس
بیت پر جس نے بھی حملہ کا ارادہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

تبع نے لوگوں کی بات سن کر انہیں یہودی علماء سے مشورہ لیا جو اس کے ساتھ تھے ان لوگوں نے کہا تو اس پر حملہ آور مت
ہو ہمارے علم میں صرف یہی ایک گھر ہے جس کی اللہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو وہاں نماز بھی پڑھ، قربانی بھی کر، اور سر بھی
مونڈ یہ لوگ تیری دشمنی کے لیے ایسا مشورہ دے رہے ہیں، علماء یہود نے جب اسے ایسا مشورہ دیا تو اس نے بنی ہذیل کے چند
لوگوں کو پکڑا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور اندھا کرنے کے لیے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اور انہیں
سولی پر چڑھا دیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے کعبہ شریف کو پردہ پہنایا اور وہاں جانور ذبح کیے وہاں چند دن قیام بھی کیا، طواف بھی
کیا اور حلق بھی کیا جب تبع مکہ معظمہ سے جدا ہوا اور یمن کے قریب پہنچا تو قبیلہ بنی حمیر کے لوگ آڑے آ گئے تبع اسی قبیلہ سے
تھا اور کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس ہرگز نہیں آ سکتا کیونکہ تو ہمارے دین سے جدا ہو گیا، تبع نے انہیں اپنے دین کی دعوت دی
اور ان سے کہا کہ میں نے جو دین اختیار کیا ہے تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے آگ کو حکم یعنی فیصلہ کرنے والی چیز
بنایا اس پر آگ نے اہل یمن کے بتوں کو اور جو کچھ انہوں نے بتوں پر چڑھاوے چڑھائے تھے ان سب کو جلا دیا اور یہودی
علماء کو دیکھ کر آگ پیچھے ہٹ گئی یہاں سے یمن میں دین یہودیت پھیلنے کی ابتداء ہوئی تبع نے نبی اکرم ﷺ پر آپ کی
بعثت سے سات سو سال پہلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً ایک سو سال پہلے ایمان لے آیا حضرت عائشہؓ فرماتی
تھیں کہ تبع کو برا نہ کہو وہ نیک آدمی تھے۔ اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے حضرت سہل بن سعدؓ سے یہ حدیث نقل کی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تبع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ حدیث مسند احمد ص ۳۴۰ جلد ۵ میں مذکور ہے۔ پھر
بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا
کہ تبع نبی تھے یا غیر نبی۔

ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ تبع اچھے آدمی تھے لیکن ان کی قوم کب اور کیسے ہلاک ہوئی اس کا پتہ نہیں چلتا جب کہ
سورۂ ق میں اور سورۂ دخان میں قوم تبع کے ہلاک کیے جانے کی تصریح ہے اگر معالم التنزیل کے بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ
باوجود یہ کہ آگ نے فیصلہ کر دیا تھا پھر بھی تبع کی قوم ایمان نہ لائی اور کفر پر جمی رہی اور اس کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو یہ قرین

قیاس ہے یہاں تک لکھنے کے بعد تفسیر ابن کثیر میں دیکھا انہوں نے اس تبع کا نام اسعد بتایا ہے اور کنیت ابوکریب لکھی ہے اور باپ کا نام ملیکہ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ۳۲۶ سال تک حکومت کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن جب اس کی وفات ہوگئی تو وہ لوگ مرتد ہو گئے آگ اور بتوں کی پوجا کرنے لگے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا جیسا کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے مفسر ابن کثیر کا فرمانا ہے کہ قوم تبع اور سبا ایک ہی قوم کا مصداق ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۴۲، ۱۴۴: جلد ۴)

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

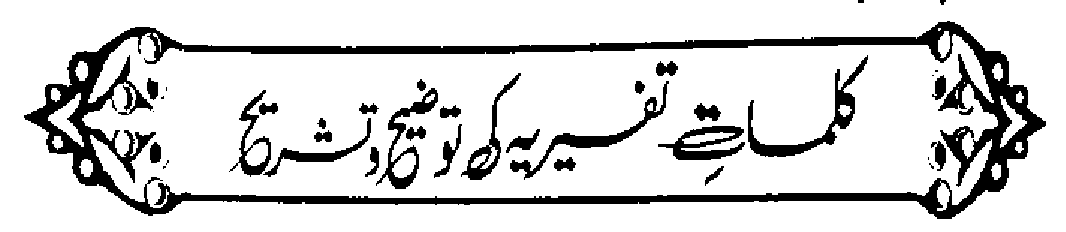
(ہم نے ان دونوں یعنی زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر۔ دوسرے آخرت کے امکان پر، کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔ تیسرے جزا و سزا کی ضرورت پر، کیونکہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بیکار ہو جاتا ہے۔ اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزا و سزا دی جائے ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے۔ چوتھے یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اطاعت خداوندی پر ابھارنے والی بھی ہے کیونکہ یہ ساری مخلوقات اس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے اخلاق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔ (معارف مفتی شفیع)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ هِيَ مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتِهَامَةَ يُنْبِتُهَا اللّٰهُ فِي الْجَحِيْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ اَيْ اَبِيْ جَهْلٍ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِي الْاِثْمِ الْكَثِيْرِ كَالْمُهْلِ ۚ اَيْ كَدُرْدِي الزَّيْتِ الْاَسْوَدِ خَبَرٌ ثَانٍ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ بِالْفَوْقَانِيَّةِ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِالتَّحْتَانِيَّةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ اَلْمَاءِ الشَّدِيْدِ الْحَرَارَةِ خُذُوْهُ يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ خُذُوا الْاَثِيْمَ فَاعْتِلُوْهُ بِكَسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا جُرُّوْهُ بِغِلْظَةٍ وَشِدَّةٍ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ وَسْطَ النَّارِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ اَيْ مِنَ الْحَمِيْمِ الَّذِيْ لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ اَبْلَغُ مِمَّا فِيْ اٰيَةِ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ وَيُقَالُ لَهٗ ذُقْ ۚ اَيِ الْعَذَابَ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ بِزَعْمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا اَعَزُّ وَاَكْرَمُ مِنِّيْ وَيُقَالُ لَهُمْ اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ فِيْهِ تَشُكُّوْنَ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ مَجْلِسٍ اَمِيْنٍ ۝ يَأْمَنُ فِيْهِ الْخَوْفَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ اَيْ مَا رَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَمَا غَلُظَ مِنْهُ مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ حَالٌ اَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى قَفَا

بعضٍ لدوران الأسرة بهم كَذٰلِكَ يقدر قبله الأمر وَزَوَّجْنٰهُمْ من التزويج أو قرناهم بِحُوْرٍ عِيْنٍ
بنساء بيض واسعات الأعين حسانها يَدْعُوْنَ يطلبون الخدم فِيْهَا أي الجنة أن يأتوا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
مِّنْهَا اٰمِنِيْنَ من انقطاعها ومضرتها ومن كل مخوف حال لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى
أي التي في الدنيا بعد حياتهم فيها قال بعضهم الا بمعنى بعد وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ فَضْلًا مصدر
بمعنى تفضلا منصوب بتفضل مقدرا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ سهلنا القرآن
بِلِسَانِكَ بلغتك لتفهمه العرب منك لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ يتعظون فيؤمنون لكنهم لا يؤمنون فَارْتَقِبْ
ع انتظر اهلاكهم اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ هلاكك وهذا قبل نزول الأمر بجهادهم

ترجمہ: بلاشبہ زقوم کا درخت جو بدترین کڑوا درخت تہامہ میں ہوتا ہے دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا بڑے مجرم کا کھانا ہو گا۔ ابوجہل اور اس کے یار دوستوں کے لیے جو بڑے پاپی تھے جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا۔ سیاہ تیل کی گار کی طرح یہ خبر ثانی ہے۔ وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا، تغلی خبر ثالث ہے اور یغلی حال ہے من المھل سے جیسے گرم پانی انتہائی تیز کھولتا ہے۔ اس کو پکڑ و دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کرلو۔ پھر ان کو گھسیٹتے ہوئے کسرہ تا اور ضمہ کے ساتھ، نہایت سختی سے کھینچنا۔ دوزخ کے بیچوں بیچ درمیان تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا تکلیف دہ پانی انڈیل دو یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو یہ الفاظ دوسری آیت یصب من فوق رؤسھم الحمیم سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور اس سے کہہ دیا جائے گا لے عذاب چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے اپنے خیال میں اور تیرا کہنا یہ تھا کہ مکہ میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو وہی چیز ہے جس میں تم شک شبہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے ایسی جگہ ہوں گے جہاں امن ہوگا خوف نہیں ہوگا یعنی باغات اور نہریں ہوں گی وہ باریک اور دبیز لباس پہنیں گے ریشم کا باریک اور دبیز لباس آمنے سامنے بیٹھے ہوئے۔ یہ حال ہے یعنی اسپرنگ دار کرسیوں کی وجہ سے آپس میں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ بات اسی طرح ہے۔ کذالک سے پہلے الامر مقدر ہے اور ہم ان کی شادی کردیں گے۔ یہ لفظ تزویج سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان کو باہم جوڑے ملا دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتوں سے۔ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی حسین عورتوں سے منگواتے ہوں گے۔ خدمت گاروں سے فرمائش کرتے ہوں گے۔ وہاں جنت میں ہر قسم کے پھل ملیں گے، اطمینان کے ساتھ نہ ان کے ختم ہوجانے کا کھٹکا ہوگا اور نہ نقصان کا اندیشہ اور نہ کسی اور طرح کا ڈر۔ یہ حال ہے وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔ یعنی دنیاوی زندگانی میں جو موت پیش آچکی ہے اور بعض نے الا بمعنی بعد کہا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ مہربانی لفظ مصدر ہے بمعنی تفضل منصوب ہے۔ تفضل مقدر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے سو اس قرآن کو ہم نے آسان سہل کردیا ہے آپ کی زبان

میں عربی لغت میں تا کہ عرب آپ کی بات سمجھ سکیں اس امید پر کہ یہ نصیحت قبول کریں۔ راہ راست پر آ کر ایمان لے آئیں لیکن یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ سو اب منتظر رہیے ان کی تباہی کا انتظار کیجئے۔ یہ لوگ بھی منتظر ہیں آپ کی وفات کے۔ یہ حکم جہاد کے آنے سے پہلے کا ہے۔



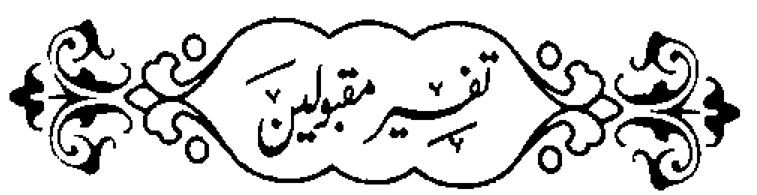
قوله: كَدُرْدِي الزَّيْتِ : تلچھٹ۔

قوله: خَبَرٌ ثَالِثٌ : یہ درخت کی تیسری خبر ہے۔

قوله: فَاعْتِلُوْهُ : سختی سے گھسیٹو، العتل: گریبان سے پکڑنا۔

قوله: عَذَابِ الْحَمِيْمِ : گرم پانی کو مستقل عذاب مبالغہ کے لیے فرمایا۔

قوله: فَارْتَقِبْ : اس کا اور پھر مرتقبون کا مفعول محذوف ہے۔



اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝

زقوم منکرین قیامت کی خوراک ہوگا:

منکرین قیامت کو جو سزا وہاں دی جائے گی اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو نافرمانی سے ملوث کئے ہوئے تھے آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابو جہل ہے۔ گو دراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو درداء ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ (اثیم) ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بجائے اس کے یتیم کہہ دیا کرتا تھا تو آپ نے اسے (طعام الفاجر) پڑھوایا یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین میں ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، یہ مثل تلچھٹ کے ہوگا۔ اپنی حرارت بدمزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے فرمائے گا کہ اس کافر کو پکڑ لو وہیں ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے اسے اندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے فرمایا: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ (الحج: ۱۹) یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوختہ

ہو جائیں گی اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ہتھوڑے ماریں گے جن سے ان کا دماغ پاش پاش ہو جائیں گے پھر اوپر سے یہ حمیم ان پر ڈالا جائے گا یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے پھر انہیں شرمسار کرنے کے لیے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لیے کہا جائے گا کہ لو مزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو نہ بزرگی والے۔ مغازی امویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل ملعون سے کہا کہ مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لیے ویل ہے تجھ پر افسوس ہے پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لیے خرابی اور افسوس ہے۔ اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت وتکریم والا میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اب اپنی عزت کا اور اپنی تکریم کا اور اپنی بزرگی اور بڑائی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں ہمیشہ شک شبہ کرتے رہے۔ جیسے اور آیتوں میں ہے کہ جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم میں پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝

دنیا کی بڑائی کا انجام:

اس سے کہا جائے گا کہ اب تو اس کا مزہ چکھ کہ دنیا میں تو بڑا عزت دار بنا ہوا تھا۔ یعنی دنیا میں تو تو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھا کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے تو حق کا انکار کرتا تھا۔ اور اس سے محروم رہا تھا۔ سو اب تو مزہ چکھ لے اپنے کفر و انکار اور اپنے کیے کرائے کا۔ یہ اس بدبخت کی تحقیر وتذلیل کے لیے اس سے کہا جائے گا۔ اور اس طرح وہ دوزخ کی ظاہری آگ کے ساتھ ساتھ تحقیر وتذلیل اور حسرت ویاس کی اس باطنی آگ میں بھی جلے گا۔ اور عذاب درعذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور ہر ہر دوزخی سے اس طرح کہنا اس ہولناک عذاب کی زبان حال سے بھی ہو سکتا ہے اور عذاب دینے والوں کی زبان قال سے بھی۔ سو ان بدبختوں کی تذلیل وتحقیر کیلئے ان سے کہا جائے گا کہ اب تم چکھو مزہ اس عذاب کا۔ یہ وہی کچھ ہے جس کے بارے میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس کے بارے میں تم طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے نور حق وہدایت سے خود بھی مزید از مزید دور ونفور اور محروم ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی محروم کرتے تھے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کا دنیا پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان غیبی حقائق سے جن کو جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں اتنا پیشگی اور اس قدر صراحت ووضاحت کے ساتھ اس دنیا میں ہی آگاہ فرما دیا ہے تاکہ جنہوں نے بچنا ہو بچ جائیں قبل اس سے کہ فرصت عمر اور حیات دنیا کی یہ مہلت ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کے لیے پچھتانا پڑ جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝

متقیوں کے انعامات، باغ اور چشمے، لباس اور ازواج، ہر قسم کے پھل اور حیات ابدی:

دوزخیوں کے عذاب بتانے کے بعد اہل جنت کے بعض انعامات ذکر فرمائے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ متقی لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے یعنی جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں کسی قسم کا خوف وہراس، بے اطمینانی، بے چینی نہیں ہوگی اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے انہیں کبھی خوف یا غم نہ ہوگا نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ثانیاً فرمایا کہ یہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ثالثاً یہ فرمایا کہ سندس اور استبرق کا لباس پہنیں گے سندس باریک ریشم کو اور استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ رابعاً یہ فرمایا کہ آپس میں متقابل ہو کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: لا یریٰ بعضھم قفا بعض یعنی اس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی پشت کسی کی طرف نہ ہوگی۔ خامساً یہ فرمایا کہ ہم حورعین سے ان کا نکاح کر دیں گے لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو استعمال میں حور کو مفرد سمجھا جاتا ہے) حوراء گورے رنگ کی عورت کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب آنکھوں میں جچ رہا ہو اور اچھا لگ رہا ہو اور عین عیناء کی جمع ہے اس کا معنی ہے بڑی آنکھوں والی عورت، اللہ تعالیٰ حورعین کو اہل جنت کے نکاح میں دے دیں گے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کو روشن کر دے اور ان دونوں کے درمیان کو خوشبوؤں سے بھر دے اور فرمایا کہ یہ واقعی بات ہے کہ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر جنتی کی (کم از کم) دو بیویاں ہوں گی ان میں سے ہر ایک ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا۔ (رواہ الترمذی)

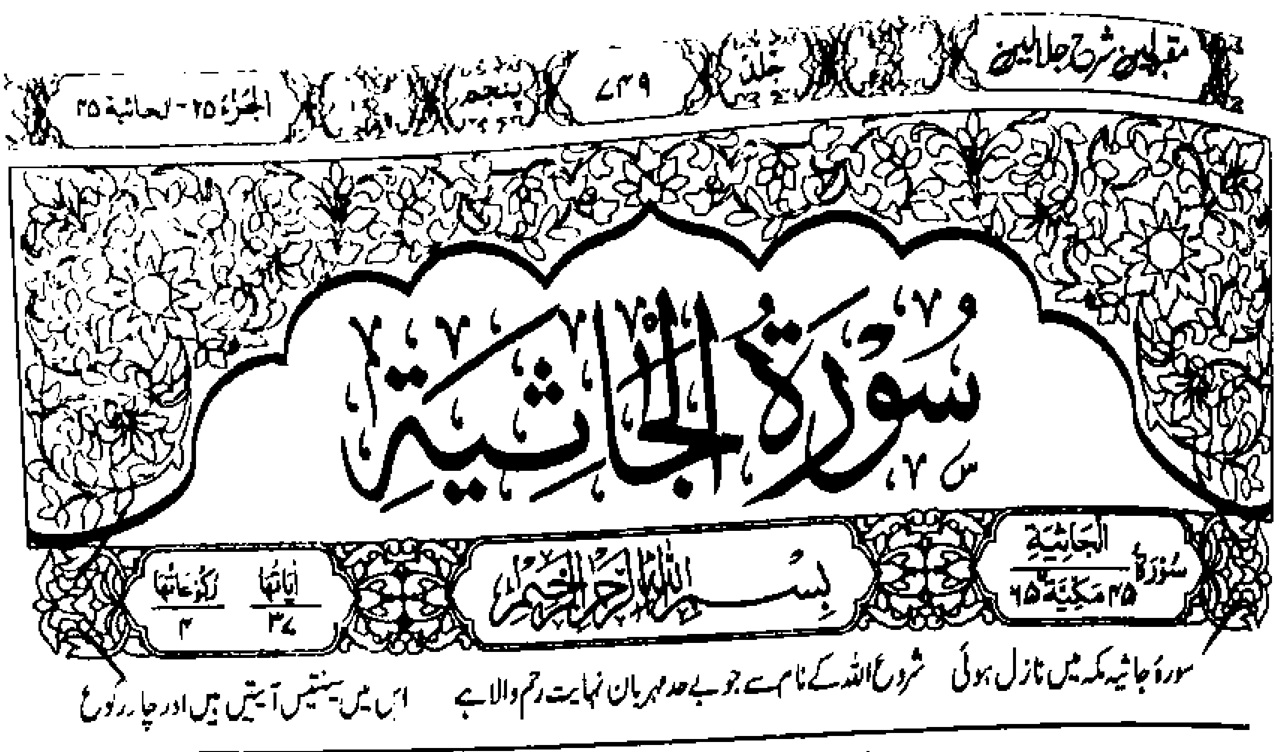
سادساً یہ فرمایا کہ اہل جنت ہر قسم کے میوے طلب کریں گے۔ سابعاً فرمایا کہ وہاں انہیں کبھی بھی موت نہیں آئے گی دنیا میں جو موت آ گئی تھی اس کے بعد اور کسی موت کا خطرہ نہ ہوگا۔ ثامناً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دوزخ سے بچالے گا عذاب دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل فرمانا یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا (اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان پر اور اعمال صالحہ پر جنت دینے کا اور دوزخ سے محفوظ فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے۔)

آخر میں فرمایا ہے: ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ (یہ جو کچھ مذکور ہوا بڑی کامیابی ہے اس میں اہل دنیا کو تنبیہ ہے کہ تم جس چیز کو کامیابی سمجھ رہے ہو وہ فانی چیزیں ہیں جنت کی طرف رخ کرو اور اس کے اعمال میں لگو وہاں جو ملے گا وہ بڑی کامیابی ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۞

یہ سورۃ الدخان کی آخری دو آیتیں ہیں یہ سورت قرآن کریم کی قسم کھانے اور مبارک رات میں نازل فرمانے کے ذکر سے شروع ہوئی تھی آخر سورت میں پھر قرآن کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے آپ کی زبان عربی ہے یہ بھی عربی ہے آپ اسے پڑھیں اور ان کے سامنے بیان کریں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں نیز یہ فرمایا کہ آپ

انکار فرمایا کہ یہ لوگ بھی انکار کر رہے ہیں حتیٰ اگر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس انکار میں حد سے آگے بڑھ
جائے تو آپ کچھ بھی ان کے انکار اور آزردہ نہ ہوں اے اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمانے کا [illegible]
فرمایا ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون قل تربصوا فانی معکم من المتربصین (یہ کہتے ہیں
شاعر ہے ہم اس کے بارے میں موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں آپ فرمادیجیے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ
انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔)



سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا الْاٰيَةَ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۂ جاثیہ مکیہ ہے بجز آیت قل للذین امنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں

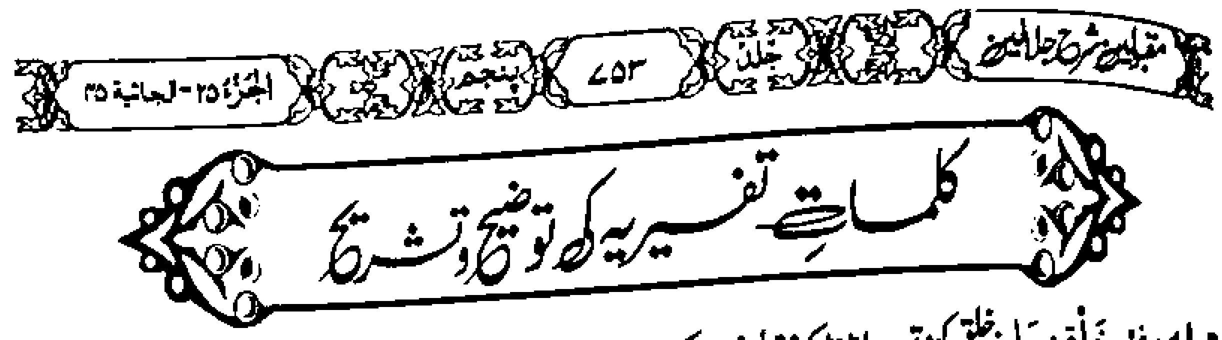
حٰمٓ ۚ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمِ ۝ فِيْ صُنْعِهٖ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ فِيْ خَلْقِهِمَا لَاٰيٰتٍ دَالَّةٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ اَيْ خَلْقِ كُلٍّ مِنْكُمْ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ عَلَقَةٍ ثُمَّ مُضْغَةٍ اِلٰى اَنْ صَارَ اِنْسَانًا وَ خَلْقِ مَا يَبُثُّ يُفَرِّقُ فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ هِيَ مَا يَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ بِالْبَعْثِ وَفِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذِهَابِهِمَا وَمَجِيْئِهِمَا وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ مَطَرٍ لِاَنَّهٗ سَبَبُ الرِّزْقِ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ تَقْلِيْبِهَا مَرَّةً جَنُوْبًا وَمَرَّةً شِمَالًا وَبَارِدَةً وَحَارَّةً اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ الدَّلِيْلَ فَيُؤْمِنُوْنَ تِلْكَ الْاٰيٰتُ الْمَذْكُوْرَةُ اٰيٰتُ اللّٰهِ حُجَجُهُ الدَّالَّةُ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ نَتْلُوْهَا نَقُصُّهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ مُتَعَلِّقٌ بِنَتْلُوْا فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ اَيْ حَدِيْثِهٖ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَاٰيٰتِهٖ حُجَجِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ اَيْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ كَذَّابٍ اَثِيْمٍ ۝ كَثِيْرِ الْاِثْمِ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ عَلٰى كُفْرِهٖ مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ مُؤْلِمٍ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا اَيِ الْقُرْاٰنِ شَيْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ اَيْ مَهْزُوًّا بِهَا اُولٰٓئِكَ اَيِ الْاَفَّاكُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذُوْ اِهَانَةٍ مِنْ وَّرَآئِهِمْ اَيْ اَمَامِهِمْ لِاَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا

جهنم ولا يغني عنهم ما كسبوا من المال والفعال شيئا ولا ما اتخذوا من دون الله أي الأصنام أولياء
ولهم عذاب عظيم هذا أي القرآن هدى من الضلالة والذين كفروا بآيات ربهم لهم عذاب حظ من
ع رجز أي عذاب أليم موجع الله الذي سخر لكم البحر لتجري الفلك السفن فيه بأمره بإذنه
ولتبتغوا تطلبوا بالتجارة من فضله ولعلكم تشكرون وسخر لكم ما في السموت من شمس وقمر ونجم
وماء وغيره وما في الأرض من دابة وشجر ونبات وأنهار وغيرها أي خلق ذلك لمنافعكم جميعا تأكيد
منه حال أي سخرها كائنة منه تعالى إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون فيها فيؤمنون قل للذين
آمنوا يغفروا للذين لا يرجون يخافون أيام الله وقائعه أي اغفروا للكفار ما وقع منهم من الأذى لكم
وهذا قبل الأمر بجهادهم ليجزي أي الله وفي قراءة بالنون قوما بما كانوا يكسبون من الغفر للكفار
أذاهم من عمل صالحا فلنفسه عمل ومن أساء فعليها أساء ثم إلى ربكم ترجعون تصيرون
فيجازي المصلح والمسيء ولقد آتينا بني إسرائيل الكتب التورية والحكم به بين الناس والنبوة
لموسى وهارون منهم ورزقنهم من الطيبت الحلالات كالمن والسلوى وفضلنهم على العلمين
عالمي زمانهم العقلاء وآتينهم بينت من الأمر أمر الدين من الحلال والحرام وبعثة محمد عليه
أفضل الصلوة والسلام فما اختلفوا في بعثته إلا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم أي لبغي حدث
بينهم حسدا له إن ربك يقضي بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون ثم جعلنك يا محمد على شريعة
طريقة من الأمر أمر الدين فاتبعها ولا تتبع أهواء الذين لا يعلمون في عبادة غير الله إنهم لن يغنوا
يدفعوا عنك من الله من عذابه شيئا وإن الظلمين الكافرين بعضهم أولياء بعض والله ولي المتقين
المؤمنين هذا القرآن بصائر للناس معالم يتبصرون بها في الأحكام والحدود وهدى ورحمة لقوم
يوقنون بالبعث أم بمعنى همزة الإنكار حسب الذين اجترحوا اكتسبوا السيئات الكفر والمعاصي
أن نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصلحت سواء خبر محياهم ومماتهم مبتدأ ومعطوف والجملة

بدل من الکاف والضمیران للکفار المعنی احسبوا ان نجعلھم فی الاٰخرۃ فی خیر کالمؤمنین ای فی رغد من العیش مساو لعیشھم فی الدنیا حیث قالوا للمؤمنین لئن بعثنا لنعطی من الخیر مثل ما تعطون قال تعالی علی وفق انکارہ بالھمزۃ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۝ ای لیس الامر کذٰلک فھم فی الاٰخرۃ فی العذاب علی خلاف عیشھم فی الدنیا والمؤمنون فی الاٰخرۃ فی الثواب بعملھم الصالحات فی ع ۱۹
الدنیا من الصلاۃ والزکوۃ والصیام وغیر ذٰلک وما مصدریۃ ای بئس حکما حکمھم ھذا

ترجمہ: حم۔ اس کی واقعی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یہ نازل کی ہوئی کتاب قرآن مبتدا ہے۔ اللہ کی طرف سے خبر ہے۔ جو اپنے ملک میں غالب، اپنی کاریگری میں حکمت والا ہے۔ آسمان اور زمین کے بنانے میں بہت سے دلائل ہیں جو اللہ کی قدرت و وحدانیت پر راہنمائی کرنے والے ہیں۔ اہل ایمان کے لئے اور خود تمہارے پیدا کرنے میں یعنی ہر انسان کو عام طور پر نطفہ، پھر علقہ پھر مضغہ بنا کر مکمل انسان بناڈالا اور ان جانوروں کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے جو چلتے پھرتے ہیں۔ زمین پر خواہ وہ انسان ہوں یا اور مخلوق نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو قیامت کا یقین رکھتے ہیں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے اختلاف آنے جانے میں اور اس روزی میں مراد بارش ہے کیوں کہ وہ رزق پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا۔ زمین سوکھنے کے بعد اور ہواؤں کی لوٹ پھیر میں کبھی جنوبی ہوا چلتی ہے کبھی شمالی، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم، دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں دلیل کو اور ایمان قبول کرتے ہیں۔ یہ مذکورہ نشانیاں اللہ کی آیتیں ہیں اس کی وحدانیت پر راہنمائی کرنے والی حجتیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ بتلاتے ہیں صحیح صحیح طریقہ پر نتلوا کے متعلق ہے پھر کون سی بات پر اللہ کے بعد یعنی اس کی بات قرآن کے بعد اور اس کی آیتوں حجتوں کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ مراد کفار مکہ ہیں یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک قراءت میں تومنون تا کے ساتھ ہے۔ بڑی خرابی ہوگی "ویل" کلمہ عذاب ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو جھوٹا نافرمان ہو۔ بڑا گنہگار ہے جو اللہ کی آیتیں قرآن سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ کفر پر اڑا رہتا ہے تکبر ایمان سے روگردانی کرتے ہوئے اس طرح جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو دردناک تکلیف دہ عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اور جب وہ ہماری قرآن کی آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے اس کو مذاق بنالیتا ہے ایسے جھوٹے سٹیا ہوں کے لیے ذلت آمیز آبرو ریز عذاب ہے ان کے آگے یعنی سامنے کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں تھے دوزخ ہے اور نہ ان کے وہ چیزیں کام آئیں گی جو مال و اعمال کمائے ذرا بھی اور وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا بتوں کو کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ قرآن سرتاسر گمراہی سے ہدایت ہے اور جو لوگ اپنی آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے سخت عذاب کا دردناک تکلیف دہ عذاب کا حصہ ہوگا اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس کے حکم اجازت سے اس میں کشتیاں جہاز چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی اکاروبار کے ذریعہ تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں، سورج، چاند، ستارے،

پانی وغیرہ۔ اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ حاصل یہ کہ سب لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا ان سب کو تاکید ہے اپنی طرف سے مسخر بنادیا حال واقع ہے یعنی اللہ ہی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لیے مسخر ہوئی ہیں بیشک ان باتوں میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں پھر ایمان لے آتے ہیں آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو یقین خوف نہیں رکھتے اللہ کے معاملات کا، واقعات کا۔ کفار سے جو کچھ تمہیں تکلیفیں پہونچیں ان کو جانے دو یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے تاکہ صلہ دے اللہ ایک قراءت میں نجزی نون کے ساتھ ایک قوم کو عمل کا کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لیے کرتا ہے اور جو شخص برا کام کرتا ہے سو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانا ہے جہاں نیک و بد کو بدلہ ملے گا اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات اور حکومت لوگوں کے درمیان فیصلے اور نبوت دی تھی حضرت موسیٰ ہارون بھی انہیں میں ہوئے ہیں اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں حلال جیسے من وسلویٰ کھانے کو دی تھیں اور ہم نے انکو جہاں والوں اس دور کے دانشوروں پر فوقیت بخشی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دی تھیں حلال وحرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق علم آنے کے بعد بھی باہم اختلاف کیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے حسد کے سبب جو ان میں عناد بڑھا آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کرے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے اے محمدؐ! آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کردیا سو آپ اسی پر چلتے رہیے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جہلاء ہیں غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں آپ کے کام نہ آئیں گے۔ بچاؤ نہ کرسکیں گے۔ اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور ظالم کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں مؤمنوں کا دوست ہے۔ یہ قرآن عام لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا ذریعہ ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام وحدود میں بصیرت ملتی ہے اور ہدایت ورحمت ہے یقین لانے والوں کے لیے قیامت پر کیا ہمزہ انکاری ہے یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام کفر ومعاصی کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے۔ سواء خبر ہے اور محیا ھم مبتدا ہے اور مماتھم معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بدل ہے۔ محیاھم ومماتھم دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مؤمنین کے برابر بھلائی میں یکساں کردیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش وعشرت کرتے تھے یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لیے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہمزہ انکار فرماتے ہیں یہ برا فیصلہ کرتے ہیں یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا بلکہ کفار دنیاوی عیش وعشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی اس میں ما مصدریہ ہے یعنی ان کا حکم لگانا غلط فیصلہ ہے۔



قوله: فِیْ خَلْقِهِمَا : خلق کو مقدر مانا تا کہ معطوف کے مناسب ہو۔

قوله: خَلْقِ مَا يَبُثُّ : مَا يَبُثُّ سے پہلے خَلْقِ مصدر جو مقدر ہے وہ اس لیے نہیں کہ اس کا عطف خلقکم کی ضمیر مجرور پر ہے، بلکہ اس کا عطف مضاف خلق پر ہے۔

قوله: اٰيٰتِه : سے مراد دلائل متلوہ ہیں۔

قوله: يُصِرُّ : ضد کرنا، اصرار کرنا۔

قوله: عَذَابٌ : رجز شدید عذاب کو کہتے ہیں۔

قوله: يَغْفِرُوْا : جواب کی دلالت سے مقولہ حذف کر دیا تقدیر عبارت یہ ہے: قل لهم اغفروا امغفروا۔

قوله: لِيَجْزِيَ : یہ امر کی علت ہے اور وہ اغفروا مقدر ہے۔ قوما سے مراد مؤمن ہیں۔

قوله: بَيِّنٰتٍ : دین کے سلسلہ میں دلائل یا آپ ﷺ کی نبوت کے نشانات۔

قوله: لِبَغْيِ حَدَثَ : اس میں اشارہ ہے کہ بغیا مفعول لہ ہے۔ حَدَثَ بَيْنَهُمْ سے اشارہ کر دیا، بین فعل مقدر کا ظرف اور وہ فعل حدث ہے۔

قوله: فِیْ عِبَادِ غَيْرِ اللهِ : یہ لاتتبع کے متعلق ہے۔

قوله: مَعَالِمُ : علامات یا معلم کی جمع ہے ماخذ علم۔

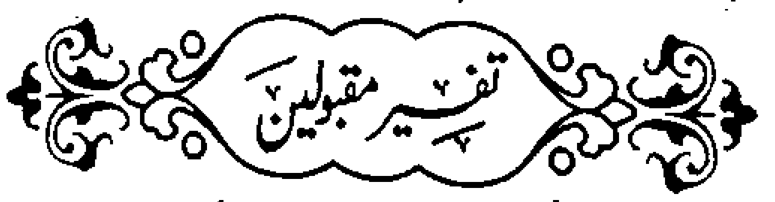
قوله: بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ : حبان کا انکار۔

قوله: اِكْتَسَبُوْا : کمانا، جارحہ: کمانے والا۔

قوله: اَنْ نَّجْعَلَهُمْ : کردیں۔ صار کے معنیٰ میں ہے۔

قوله: سَوَآءً : یہ نجعلهم کے دوسرے مفعول کا بدل ہے اور وہ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہے اور مَّحْيَاهُمْ یہ سَوَآءً کا فاعل ہے مستوی کی تاویل سے اور مَمَاتُهُمْ کا عطف مَّحْيَاهُمْ پر ہے۔

قوله: بِئْسَ حُكْمًا : حکما ضمیر مستتر کی تمیز ہے۔ اور حکمهم یہ مما یحکمون کی تعبیر ہے مصدر کی تاویل سے اور یہ مخصوص بالذم ہے اور اس کا فاعل بئس میں ضمیر ہے۔



(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون ان اوصاف کے بیان پر ختم کیا گیا تھا۔ جو انسانی فوز و فلاح اور سعادت کے ضامن ہیں اور یہ

کہ قرآن کریم عربی زمین میں آسان و سہل بنا کر نازل کیا گیا اب اگر اس کے بعد بھی لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو یہ انکی محرومی اور بدنصیبی ہے تو اس مناسبت سے سورۃ جاثیہ کی ابتداء عظمت کو دیکھ کر اس کی کتاب کی عظمت کو بھی پہچان سکیں، ساتھ انعامات کا بھی ذکر ہے اور قادر مطلق و منعم حقیقی کی نافرمانی پر تنبیہ و وعید بھی۔

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝

یہ کتاب عزیز و حکیم کی طرف سے ہے، آسمان اور زمین، انسان کی تخلیق، لیل و نہار کے اختلاف اور بارش کے نزول میں معرفت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں۔

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ عزیز بھی ہے حکیم بھی ہے، اس کے بعد توحید کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں، اہل ایمان ان کو دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے زمین میں پھیلا رکھے ہیں ان سب میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں اور دلائل ہیں جو لوگ یقین رکھتے ہیں اس طرح رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں سے رزق نازل فرمایا یعنی بارش جس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا یعنی اس کی خشکی کو دور فرما کر اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور سبزیاں پیدا فرمادیں اور ہوا کو بھیج کر جو مختلف کاموں میں لگایا جو کبھی پورب کو جاتی ہیں اور کبھی پچھم کو کبھی گرم ہے، کبھی ٹھنڈی، کبھی نفع دینے والی ہے، کبھی ضرر پہنچانے والی ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں عقل والے دیکھتے اور سمجھتے ہیں یہ سب امور قادر مطلق جل شانہٗ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہیں یہ آپ کو فرشتہ سناتا ہے پھر آپ کے ذریعے آپ کے مخاطبین کو پہنچتی ہیں لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان آیات کو سننے کے بعد ان کو کیا انتظار ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سامنے آگئے۔ اس کی آیات جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچیں آپ سے ان لوگوں نے سنیں ان پر وہ ایمان نہیں لائے اس سب کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۝

ہر جھوٹے، گنہگار اور متکبر اور منکر کے لیے عذاب الیم ہے:

قریش مکہ میں جو لوگ ایمان نہیں لائے ان میں بعض لوگ کفر و شرک کے سرغنہ ہوئے تھے۔ جو اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی قبول نہیں کرنے دیتے تھے ان میں سے ابوجہل بھی تھا اور نضر بن حارث بھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ: وَيۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۝ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی یہ عجمیوں کی باتیں (قصے کہانیاں) خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں اور قرآن شریف نہ سنیں۔ جس کا کچھ بیان سورۂ لقمان کے پہلے رکوع میں آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ کے ذیل میں گزر

چکا ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ شان نزول خواہ کسی ایک شخص کے بارے میں ہو، لیکن الفاظ کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو اپنے عمل اور کردار سے آیت کے مفہوم کے مصداق ہوارشاد فرمایا کہ ہر اَفَّاكٍ یعنی خوب جھوٹ بولنے والے اور ہر اَثِیْمٍ یعنی بڑے گنہگار کے لیے ویل ہے یعنی خرابی اور بربادی اور ہلاکت ہے (جس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی وہ چونکہ بہت جھوٹا اور بہت بڑا گنہگار تھا اس لیے یہ دونوں لفظ لائے گئے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تھوڑا جھوٹ اور تھوڑے گناہ جائز ہیں۔)

اس بڑے جھوٹے اور بڑے گنہگار کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَیْهِ (یہ اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں) ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا پھر وہ اپنے کفر پر اور شرارت پر اور گنہگاری پر اصرار کرتا ہے اس کا یہ اصرار تکبر کرنے کی حالت میں ہے: كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا (وہ تکبر کرتے ہوئے اس طرح بے رخی اختیار کرلیتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں) فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں) یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں بڑا ہوں سردار بنا ہوا ہوں ہمیشہ اس حال میں رہوں گا یہ دنیا فانی ہے تھوڑی سی ہے پھر مرنا بھی ہے، موت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ اور کتاب کو جھٹلانے والے دردناک عذاب میں داخل ہوں گے۔

اَفَّاكٍ اور اَثِیْمٍ ۝ (جس کا ذکر اوپر ہوا) کی مزید بے ہودگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا. (یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کا مذاق بناتا ہے یعنی تمسخر کرتا ہے): اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے: مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ. (ان کے آگے دوزخ ہے اپنے شرک کی وجہ سے اس میں داخل ہوں گے): وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ اور انہوں نے جو بھی کچھ کمایا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اللہ کے سوا جو انہوں نے اپنے خیال میں اولیاء یعنی کارساز بنا رکھے تھے وہ بھی کچھ نفع نہ دیں گے: وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ.....

دریا کا مسخر ہونا:

پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں: فقال اللہ: اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کردیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من بوجھ لے کر پانی کی سطح پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ شے ہے کہ اگر مخالف ہوجاوے تو بھی ہلاک کرنے کو بس ہے اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کرہ ماء اور کرہ ہوا ہے؟

ہر چیز کا مسخر ہونا:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ. اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان و زمین میں ہیں

آفتاب، ستارے، بارش، آندھی، حجر، شجر، حیوانات سب تمہارے لیے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو فوائد حاصل ہیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی بہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جائے تو بیساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاری گری اسی قادر مختار کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک لہ ہونا اور محسن و مربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا حلم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشیاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ قل للذین امنوا ایمانداروں سے کہہ دے وہ بھی حلم و مغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداءِ دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمانداروں سے سختی سے پیش آتے ہیں، سخت کلامی بدگوئی، بدمزاجی، بدمعاملگی، دست درازی مؤمنوں پر کرتے ہیں، درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑمریں ماریں مرجاویں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تنہا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقت اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر بضرورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

لِیَجْزِیَ معاف کریں تاکہ اللہ خود اس قوم کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اگر تم نے آپ بدلہ لے لیا تو پھر خدا انہیں لے گا۔ تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ قوماً سے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے اے ایماندارو! معاف کیا کرو تاکہ اللہ ایک قوم یعنی ایمانداروں کو ان کے اعمال کا نیک بدلہ دے منجملہ ان کے اعمال حسنہ کے یہ معاف کرنا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہیے کہ من عمل صالحاً فلنفسہ الخ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پاوے گا اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھوتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ و فساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایماء کر رہی ہے۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا....

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمرؓ پر دشنام طرازی کی تھی۔ حضرت عمر نے اس کے بدلے میں اسے کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ غزوہ بنوالمصطلق کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا اس نے اپنے غلام کو کنوئیں سے پانی بھرنے کے لیے بھیجا، اسے واپسی میں دیر ہو گئی۔ عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر کا ایک غلام کنوئیں کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا تھا اس نے کسی کو اس وقت تک پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کے مشکیزے نہیں بھر گئے اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ "ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے سمن کلبک یاکلک (اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا)" حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار سنبھال کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے (قرطبی و

روح المعانی) ان روایتوں کی اسنادی تحقیق سے اگر دونوں کی صحت ثابت ہو تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی، پھر جب غزوہ بنوالمصطلق کے موقع پر اسی سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر واقعہ کو اس پر بھی منطبق فرمایا اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوا ہے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یاد دہانی کے لیے غزوہ بنوالمصطلق کے واقعہ میں دوبارہ یہ آیت لے آئے ہوں کہ یہ موقع اس آیت پر عمل کرنے کا ہے۔ اصول تفسیر کی اصطلاح میں اسے "نزول مکرر" کہا جاتا ہے اور آیت میں ایام اللہ کے لفظ سے مراد بیشتر مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وہ معاملات ہیں جو وہ آخرت میں انسانوں کے ساتھ کرے گا یعنی جزا و سزا کیونکہ "ایام" کا لفظ "واقعات و معاملات" کے معنی میں عربی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

یہاں دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ بات یوں بھی کہی جا سکتی تھی کہ "آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ مشرکین سے درگزر کریں۔" اس کے بجائے کہ یوں کہا گیا ہے کہ "ان لوگوں سے درگزر کریں، جو خدا تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔" اس سے شاید اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ان لوگوں کو اصل سزا آخرت میں دی جائے گی اور چونکہ یہ لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اس لیے یہ سزا ان کے لیے غیر متوقع اور اچانک ہوگی اور غیر متوقع تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے اسلئے ان کو پہنچنے والا عذاب بہت سخت ہوگا اور اس کے ذریعہ ان کی تمام بدعنوانیوں کا پورا پورا بدلہ لے لیا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات، کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمانا، طیبات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت:

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم دیا۔ بعض حضرات نے حکم کا ترجمہ فقہ فی الدین کیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے حکمتیں مراد لی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی دی یعنی ان میں کثرت سے نبی بھیجے سورۂ مائدہ میں فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں دیں) یعنی عمدہ اور حلال اور لذت والی چیزیں عطا فرمائیں: فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت دی ان کے زمانہ میں جو لوگ تھے بنی اسرائیل کو ان پر فضیلت عطا فرمائی۔)

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ (اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلے ہوئے واضح دلائل عطا فرمائے) جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی تھے۔ صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی نشانیاں مراد ہیں یہودیوں کو آپ کی بعثت کی نشانیاں معلوم تھیں لیکن جب آپ تشریف لائے تو یہ لوگ

جانتے ہوئے آپ کی بعثت اور رسالت کا یقین ہوتے ہوئے منکر ہو گئے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (پھر جب وہ
چیز آ پہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں اس کا انکار کر بیٹھے۔)

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ.....

(سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے)

بَغْيًا کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے اختلاف میں لگ گئے دلائل واضح سامنے ہوتے ہوئے حق سے منہ موڑا اور ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے اختلافات میں پڑ گئے اور ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر حسد کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا پہلے تو آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو کہنے لگے کہ عرب میں سے کیسے کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم میں سے ہمیشہ نبی آتا رہے گا ان میں سے صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اور آج تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دنیاوی ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بغاوت کی اور انبیاء کرام کو قتل کر دیا یہی حال آپ کے زمانہ کے مشرکین کا ہے ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آ گئی ہیں لیکن دنیاوی ریاست کے چھن جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝ (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ ....

پچھلی امتوں کی شریعتوں کا حکم ہمارے لیے:

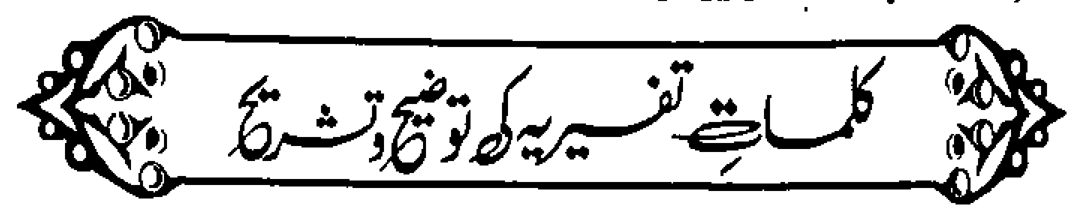
(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو اصولی عقائد ہیں مثلاً توحید و آخرت وغیرہ اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جہاں تک اصولی عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں اور ان میں کبھی ترمیم اور تبدیلی نہیں ہوئی لیکن عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، آیت مذکورہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو "دین کے ایک خاص طریقے" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت محمدیہ کے لیے صرف شریعت محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں۔ پچھلی امتوں کو جو احکام دیئے گئے تھے وہ ہمارے لیے اس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن و سنت سے ان کی تائید نہ ہو جائے۔ پھر تائید کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں صراحۃً یہ فرمایا گیا ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لیے بھی واجب العمل ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کسی پچھلی امت کا کوئی حکم بطور تحسین و مدح بیان فرمائیں اور اس کے بارے میں یہ نہ فرمائیں کہ یہ حکم ہمارے زمانے میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی جاری ہے اور درحقیقت اس حکم کا واجب العمل ہونا بھی اس صورت میں شریعت محمدی کا ایک جز ہونے کی حیثیت ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں اتنی بات مسئلہ کی حقیقت سمجھنے

کے لیے کافی ہے۔ تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِهٖ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِنَ الْمَعَاصِيْ وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِى الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ اَفَرَءَيْتَ اَخْبِرْنِيْ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ مَا يَهْوَاهُ مِنْ حَجَرٍ بَعْدَ حَجَرٍ يَرَاهُ اَحْسَنَ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ مِنْهُ تَعَالٰى اَىْ عَالِمًا بِاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهٖ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ فَلَمْ يَسْمَعِ الْهُدٰى وَلَمْ يَعْقِلْهُ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ظُلْمَةً فَلَمْ يُبْصِرِ الْهُدٰى وَيُقَدَّرُ هُنَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِىْ لِرَاَيْتَ اَىْ اَيَهْتَدِىْ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَىْ بَعْدَ اِضْلَالِهٖ اِيَّاهُ اَىْ لَا يَهْتَدِىْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ تَتَّعِظُوْنَ فِيْهِ اِدْغَامُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الذَّالِ وَقَالُوْا اَىْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ مَا هِيَ اَيِ الْحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الَّتِىْ فِى الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا اَىْ يَمُوْتُ بَعْضٌ وَيَحْيٰى بَعْضٌ بِاَنْ يُّوْلَدُوْا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ اَىْ مُرُوْرُ الزَّمَانِ قَالَ تَعَالٰى وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ الْمَقُوْلِ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ مَا هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۞ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ الدَّالَّةُ عَلٰى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ حَالٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اَحْيَاءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ اَنَّا نُبْعَثُ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ حِيْنَ كُنْتُمْ نُطَفًا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اَحْيَاءً اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْقَائِلُوْنَ مَا ذُكِرَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ع ۳ | ۵ | ۱۹

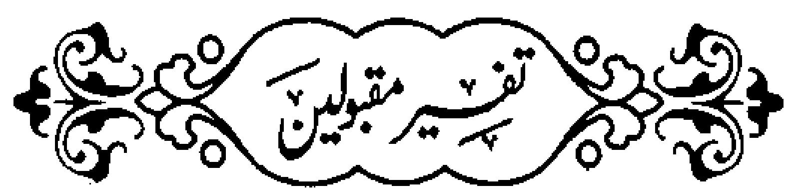
ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا بالحق خلق سے متعلق ہے۔ تا کہ اللہ کی قدرت ووحدانیت پر دلالت کرے اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جا سکے جو اس نے نافرمانی اور فرمانبرداری کے کام کئے۔ جس سے یہی نکلا کہ کافر ومومن برابر نہیں اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتلایئے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے ایک پتھر کے بعد دوسرا پتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بنا لیتا ہے اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے یعنی اللہ کو اس کی پیدائش کے پہلے ہی سے اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اس لیے نہ وہ ہدایت کو سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے ظلمت کا۔ اس لیے اس کو ہدایت نظر نہیں آتی اور یہاں رایت کا مفعول ثانی مقدر ہے یعنی یھتدی سو ایسے شخص کو اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کوئی ہدایت نہیں دے سکتا کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اس میں دو تاؤں میں سے ایک کا ذال میں ادغام ہے اور یہ لوگ منکرین قیامت یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگانی کے علاوہ اور کوئی زندگی

نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے اور ہمیں صرف زمانہ کے گزرنے سے موت آتی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض الکل سے ہانک رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں قرآن کریم کی جن سے قیامت کی نسبت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے کھلی کھلی واضح۔ یہ حال ہے تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی نطفہ ہونے کی حالت میں پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کر کے کر جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک وشبہ نہیں لیکن اکثر لوگ جو ان باتوں کے قائل ہیں نہیں سمجھتے۔



قوله: اِلَّا الدَّهْرُ: اس سے اصل دنیا کی کل مدت مراد ہے۔

قوله: الْمَقُوْلِ: وہ لوگ حوادث کی نسبت حرکت افلاک کی طرف کرتے تھے۔



اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ....

عالم آخرت اور اس میں جزا وسزا عقلاً ضروری ہے مذکورہ دو آیتوں میں سے پہلی آیت کا حاصل ایک عقلی استدلال ہے روز جزا کے ضروری ہونے پر وہ یہ ہے کہ یہ بات تو ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کسی کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کا بدلہ پورا نہیں ملتا، بلکہ عام طور سے کفار، فجار، دولت دنیا اور عیش وعشرت میں زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کے اطاعت شعار بندے فقر و فاقہ اور مصائب وآفات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول تو دنیا میں بدکردار مجرموں کے جرم کا علم ہی اکثر نہیں ہوتا، علم بھی ہو گیا تو اکثر پکڑے نہیں جاتے کبھی پکڑے بھی گئے تو حلال حرام جھوٹ سچ کی پروا کئے بغیر سزا سے بچنے کے راستے ڈھونڈ لیتے ہیں اور سینکڑوں میں کسی ایک کو سزا ہو بھی گئی تو وہ بھی اس کے عمل کی پوری سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے باغی اپنی خواہشات کے پیرو اس دنیا کی زندگی میں دندناتے پھرتے رہتے ہیں اور بیچارے مؤمن پابند شریعت بہت سی دولت اور لذتوں کو تو حرام سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور مصائب وآفات سے بچنے کے لیے بھی صرف جائز طریقے اختیار کرتے ہیں اس لیے دنیا میں ان کا بڑی راحتوں اور لذتوں سے محروم رہنا ظاہر ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اعمال کی پوری جزا نہیں ملتی تو اب اگر اس دنیا کے بعد دوسرا عالم آخرت اور اس میں دوبارہ زندگی اور جزا وسزا کا نفاذ نہ ہو تو پھر دنیا میں کسی چوری، ڈاکے، زنا، قتل وغیرہ کو جرم کہنا حماقت کے سوا کیا ہے۔ یہ لوگ تو اکثر دنیا میں بڑی کامیاب زندگی گزارتے

ہیں۔ایک چور ڈاکو رات بھر میں اتنی دولت حاصل کر لیتا ہے جو ایک گریجویٹ سالوں کی ملازمت اور محنت سے حاصل نہیں کرسکتا تو اگر آخرت اور اس کا حساب کتاب کچھ نہ ہو تو اس چور ڈاکو کو اس شریف گریجویٹ سے بہتر اور افضل کہنا پڑے گا جو کوئی ذی عقل گوارا نہیں کرسکتا۔ رہا یہ کہنا کہ ان لوگوں پر دنیا میں سخت سزائیں ہر حکومت میں مقرر ہیں مگر آج کل کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ مجرم صرف وہ پکڑا جاتا ہے جو بے وقوف ہو، ہوشیار عادی مجرم کے لیے سزا سے بچنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک رشوت ہی کا چور دروازہ ان کے فرار کے لیے کافی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ دنیا میں کوئی بھلائی برائی، نیکی بدی کوئی چیز نہیں، اپنا مطلب جس طرح حاصل ہو وہ عین ثواب ہے مگر اس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور جب نیکی بدی کا امتیاز تسلیم کیا جائے تو پھر دونوں کا انجام برابر رہے بلکہ بد اور مجرم نیک سے زیادہ آرام میں رہے، اس کی برابر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ اسی کو قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجرم اور غیر مجرم دونوں کو دنیا و آخرت میں برابر کر دیا جائے۔ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ، یہ نہایت احمقانہ فیصلہ ہے جبکہ دنیا میں نیکی بدی کی جزا سزا پوری نہیں ملتی آخرت کی دوسری زندگی اور اس میں جزا سزا ہونا لازمی ہے۔ دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کی تکمیل کے لیے فرمایا گیا: وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ یعنی ظلم و جور کے مٹانے اور انصاف قائم کرنے کے لیے روز جزاء ہونا ضروری ہے۔ رہا یہ شبہ کہ دنیا ہی میں ہر عمل کا بدلہ اچھا یا برا کیوں نہ نمٹا دیا گیا یہ اس حکمت تکوینی کے خلاف ہے کہ اس عالم کو حق تعالیٰ نے دار العمل اور دار الامتحان بنایا ہے دار الجزا نہیں بنایا۔ واللہ اعلم (معارف القرآن مفتی شفیع)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ....

ان آیات میں مشرکین کی گمراہی بتلائی کہ وہ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی خواہش ہی کو معبود بنا رکھا ہے جس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں کبھی پتھر کے سامنے جھکے عاجزی کر رہے ہیں کبھی اس پتھر کو سجدہ کیے ہوئے نظر آتے ہیں، علامہ قرطبی نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عرب کے مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ کسی پتھر کو پوجنے لگتے تھے پھر جب اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے تھے اور دوسرے پتھر کو پوجنے لگتے تھے یعنی ان کا معبود ان کی نفس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔

آیت کا دوسرا معنی مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں دیکھا جو اپنے نفس کے پابند ہیں؟ انہیں ہدایت سے کوئی محبت نہیں اور گمراہی سے کوئی نفرت نہیں جو نفس چاہتا ہے وہی کہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں یہ تفسیر پہلے مفہوم کو بھی شامل ہے عربی میں ھَوٰی خواہش نفس کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ بھی ھَوٰیہ کا ذکر ہے مذمت کے ساتھ ہی ہے سورۃ القصص میں فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا)۔

اتباع ھویٰ کے بارے میں ضروری تنبیہ:

جیسا کہ نفس کی خواہش کفر پر جما کر رکھتی ہے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھتی ہے اسی طرح بہت سے مدعیان اسلام بھی نفس کے پابند ہونے کی وجہ سے بڑھ چڑھ کر گناہ کرتے ہیں جو نفس کی خواہش ہوتی ہے وہی کرتے ہیں نمازیں بھی چھوڑتے ہیں، زکوتیں بھی حساب کر کے نہیں دیتے حرام مال بھی کماتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں دشمنوں کی طرح شکل وصورت بناتے ہیں اور ان جیسا لباس پہنتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب رہتے ہیں اتباع ھویٰ یعنی نفس کی خواہش پر چلنا برباد کردینے والی چیز ہے اور نفس کی مخالفت کرنا کامیابی کا راستہ ہے سورۃ النازعات میں فرمایا: وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔)

مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں سے خبردار رہے جائز اور حلال خواہش پوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر نفس کی ہر خواہش پورا کرنے کے پیچھے پڑا تو نفس تباہ کر کے چھوڑے گا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا رہا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں نجات دینے والی یہ چیزیں ہیں: (۱) پوشیدہ اور ظاہر طریقے پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا۔ (۲) رضا مندی اور ناراضگی میں حق بولنا۔ (۳) مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: (۱) نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے۔ (۲) کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے۔ (۳) انسان کا اپنے نفس پر اترانا اور یہ ان میں سب سے زیادہ ہے۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۴۲۱)

مؤمن پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں کو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے تابع کردے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے: (لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ) (مشکوۃ المصابیح ص ۳۰) البتہ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے نفس کو دبانا پڑتا ہے اور اسے خیر کے لیے آمادہ کرنا پڑتا ہے۔

وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اور اسے اللہ نے علم والا ہوتے ہوئے گمراہ کردیا) وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً. یہ تینوں جملے پہلے جملہ پر معطوف ہیں چاروں جملوں کا ترجمہ یوں ہوا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ فرمادیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا: فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ. (سو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے گا) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) درحقیقت نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنا انسان کی بربادی کا سب سے بڑا

سبب ہے اتباع ہویٰ کرتے کرتے اور جی چاہی زندگی پر چلتے چلتے قبول حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے پھر علم بھی کام نہیں دیتا جانتے اور سمجھتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتا کان بھی حق سننے کو تیار نہیں اور دل بھی قبول نہیں کرتا اور آنکھوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اتنی دور کی گمراہی میں پڑ جانے کے بعد ہدایت پر آنے کی کوئی بھی امید نہیں رہتی۔

قولہ تعالی: عَلٰی عِلْمٍ یجوز ان یکون حالا من الفاعل أی اضلہ اللہ عالما بانہ من اھل الضلال فی سابق علمہ، ویجوز ان یکون حالا من للفعول أی أضلہ عالما بطریق الھدی۔

عَلٰی عِلْمٍ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فاعل سے حال ہو یعنی اللہ نے اسے گمراہ کیا اپنے ازلی علم سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ گمراہوں میں سے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں یہ ہدایت کا راستہ جانتا تھا۔ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔

وقولہ تعالی: ﴿فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ۝﴾ أی من بعد اضلال اللہ ایاہ وقیل معناہ فمن یھدیہ غیر اللہ (تفسیر انوار البیان)

وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ ....

دہریوں کی جاہلانہ باتیں اور ان سے ضروری سوال:

اس کے بعد مشرکین کے انکار قیامت کا تذکرہ فرمایا۔ وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا. ان لوگوں نے کہا کہ جس کا نام زندگی ہے وہ ہماری اس دنیا والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے ہمیں ایک ہی بار یہ زندگی ملی ہے مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا نہیں نَمُوْتُ وَنَحْیَا موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے ہم مر جائیں گے اور ہماری اولاد اس دنیا میں پیچھے زندہ رہ جائے گی پھر وہ بھی مر جائیں گے اور ان کی اولاد زندہ رہ جائے گی یہ قیامت کا آنا اور حساب کتاب ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ ۚ. اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ۔ عموماً منکرین اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے دنیا میں آتے ہیں مر جاتے ہیں قیامت اور حساب وکتاب کچھ نہیں ان میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن موت اور حیات اور انقلابات اور حوادث اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ زمانہ نے ایسا کیا اور زمانہ کو جو برا کہتے ہیں یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ سب کچھ حوادث اور انقلابات اسی کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور زمانہ خود اسی کی مخلوق ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے اور ہر نشیب وفراز کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ عالم کی ابتداء کے قائل ہیں اور نہ انتہا کے، ان کو عرف عام میں دہریہ کہا جاتا ہے ان لوگوں سے اگر بات کی جائے کہ زمانہ تو رات دن گزرنے کا نام ہے اس میں کوئی تاثیر نہیں پھر زمانہ میں تو خود تغیرات ہیں وہ فاعل مختار کیسے ہوسکتا ہے اور یہ جو مخلوق کی انواع واقسام ہیں اور آپس میں امتیازات ہیں انسانوں میں قلب ہے اور جوارح ہیں، اور درخت ہیں ان کے پھل مختلف ہیں مزے مختلف ہیں، جانور کی صورتیں اور ان کے اعمال مختلف ہیں اور اس طرح کے ہزاروں امتیازات ہیں یہ صرف رات دن کے گزرنے سے وجود میں سے کیسے آگئے، آم کا پھل بڑا اور

جامن کا چھوٹا کیوں ہے کھجور کا تنا لمبا کیوں ہے اس کے پھل چھوٹے کیوں ہیں بڑے بڑے سمندروں کا پانی شور کیوں ہے میٹھا کیوں نہیں ہوتا، کسی کے اولاد ہوتی ہی نہیں کسی کے صرف لڑکے ہوتے ہیں کسی کے صرف لڑکیاں ہوتی ہیں تو ان سب باتوں کے جواب سے دہریہ عاجز رہ جاتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ (اور انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے) اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ (بس اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) ان لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے قیامت رک نہ جائے گی، وہ ضرور واقع ہوگی جو اس کے منکروں کے لیے عذاب شدید کا باعث بنے گی۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ....

منکرین قیامت کی حجت بازی

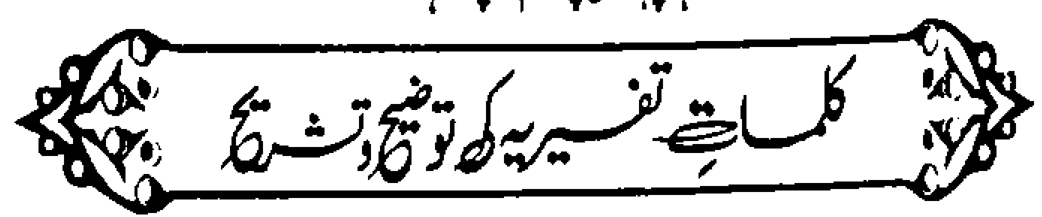
اور جب ان کے اوپر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت واقع ہونے کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اس کے امکان اور وقوع کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو اصلی دلیل سے عاجز ہو کر کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت آنے کی جو خبر دے رہے ہو اگر تمہارا یہ خبر دینا سچ ہے تو ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ جنہیں مرے ہوئے زمانہ دراز گزر چکا ہے اگر وہ لوگ زندہ ہو کر سامنے آ جائیں تو ایک تو ہمیں موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین آ جائے گا دوسرے ہم ان سے پوچھ لیں گے کہ موت کے بعد کیا کیا ہوا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ (آپ فرما دیجیے کہ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے) یعنی بے جان نطفہ سے پیدا فرماتا ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ (پھر تمہیں موت دے گا) ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ . پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں یعنی تم مانو یا نہ مانو ایسا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے باپ دادوں کو زندہ فرمائے، اس نے وقوع قیامت کی خبر دے دی امکان اور وقوع کے دلائل بیان فرما دیے سب پر حجت پوری ہوگئی۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نبیوں نے جو وقوع قیامت کی خبر دی ہے وہ سچ ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْدَلُ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ الكافرون اى يظهر خسرانهم بان يصيروا الى النار وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ اى اهل دين جَاثِيَةً ۣ على الركب او مجتمعة كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ كتاب اعمالها ويقال لهم اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اى جزاءه هٰذَا كِتٰبُنَا ديوان الحفظة يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ نثبت ونحفظ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ جنته ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ البين الظاهر وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ فيقال لهم اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ القرآن تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ تكبرتم وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ كافرين وَاِذَا قِيْلَ لكم ايها الكفار اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بالبعث حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ بالرفع والنصب لَا رَيْبَ شك فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا

ندری ما الساعة إن نظن إلا ظنا قال المبرد أصله إن نحن إلا نظن ظنا وما نحن بمستيقنين أنها آتية
وبدا ظهر لهم في الآخرة سيئات ما عملوا في الدنيا أي جزاؤها وحاق نزل بهم ما كانوا به
يستهزءون ۝ أي العذاب وقيل اليوم ننساكم نترككم في النار كما نسيتم لقاء يومكم هذا أي
تركتم العمل للقائه ومأواكم النار وما لكم من ناصرين ۝ مانعين منها ذلكم بأنكم اتخذتم آيات الله
هزوا وغرتكم الحيوة الدنيا حتى قلتم لا بعث ولا حساب فاليوم لا يخرجون بالبناء للفاعل
والمفعول منها من النار ولا هم يستعتبون ۝ أي لا يطلب منهم أن يرضوا ربهم بالتوبة والطاعة
لأنها لا تنفع يومئذ فلله الحمد الوصف بالجميل على وفاء وعده في المكذبين رب السموت ورب
الأرض رب العلمين ۝ خالق ما ذكر والعالم ما سوى الله وجمع لاختلاف أنواعه ورب بدل وله
الكبرياء العظمة في السموت والأرض حال أي كائنة فيهما وهو العزيز الحكيم ۝ تقدم ع ۳ ۱۱ ۲۰

ترجمہ: اور اللہ کی سلطنت ہے آسمان اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی آگے بدل ہے اس روز غلط کار لوگ ٹوٹے میں ہوں گے مراد کافر ہیں یعنی ان کا خسارہ کھل کر سامنے آجائے گا جب وہ جہنم رسید ہو جائیں گے اور آپ ہر فرقہ مذہبی جماعت کو دیکھیں گے کہ اوندھے منہ گر پڑیں گے زانو کے بل یا اوندھے منہ ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائیگا اور اس سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے کیے کا بدلہ صلہ تمہیں ملے گا یہ ہمارا دفتر محافظ خانہ ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے محفوظ کرتے جاتے تھے سو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت جنت میں داخل کر دے گا اور یہ کھلی روشن واضح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے۔ ان سے کہا جائے گا کیا میری آیات قرآن تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم کافر رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا اللہ کا وعدہ قیامت برحق ہے اور قیامت میں رفع اور نصب کے ساتھ ہے کوئی شک شبہ نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے مبرد کی رائے ہے کہ اصل عبارت: ان انحن لا نظن ظنا ہے اور ہمیں یقین نہیں ہے کہ قیامت آئے گی اور ان کو آخرت میں ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال جو دنیا میں کیے تھے یعنی ان کی سزا اور آگھیرے گا پکڑ لے گا ان کو جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں دوزخ میں ڈال کر اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار اس سے بچاؤ کا راستہ نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات قرآن کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈالے رکھا حتی کہ تم یہ کہہ اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب و کتاب، سو آج نہ یہ دوزخ جہنم سے نکالے جائیں گے لا یخرجون، معروف مجہول دونوں طرح ہے اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا یعنی ان سے خواہش

نہیں کی جائے گی کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کرکے اس کو راضی کرلیں۔ کیوں کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر اسکی تعریف ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا۔ مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے عالم سے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے اور جمع، اختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے اور رب بدل ہے اور اسی کی بڑی عظمت ہے آسمانوں اور زمین میں حال ہے ای کائنۃ فی السموت والارض۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے پہلے اس پر کلام ہوچکا ہے۔



قولہ: عَلَى الرُّكَبِ: مضبوطی سے بیٹھ جانا۔ انگلیوں کے پوروں کے بل بیٹھنا۔

قولہ: مُجْتَمِعَةٌ: یہ جثوۃ سے ہے وہ جماعت کو کہتے ہیں۔

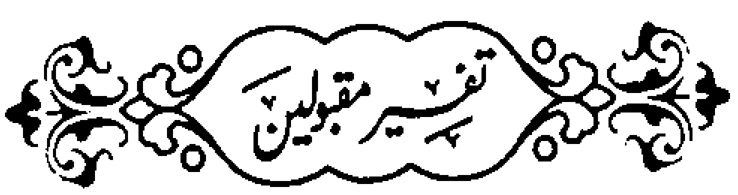
قولہ: بِالرَّفْعِ: اس پر رفع ابتداء کی وجہ سے ہے۔

قولہ: وَالنَّصْبِ: نصب کی صورت میں ان کے اسم پر عطف ہے۔

قولہ: مَا السَّاعَةُ: قیامت کیا ہے۔ یہ بطور استغراب کہا۔

قولہ: إِنْ نَّحْنُ: اصل لنظن ظنا تھا۔ حرف نفی داخل کیا گیا۔ یہ استثناء ظن کے ثبوت کے لیے اور ماسواء کی نفی کے لیے ہے۔ گویا اس طرح کہا: مانحن الانظن ظنا۔

قولہ: بَدَلٌ: یہ اول سے بدل ہے۔



وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ....

جثو سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان نے فرمایا، جثو اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں زمین پر صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے ٹک جائیں، اس طرح کی نشست ہول اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔ اور ظاہر كُلَّ اُمَّةٍ کے لفظ سے یہ ہے کہ یہ صورت خوف تمام اہل محشر مؤمن کافر نیک وبد سب کو پیش آئے گی اور بعض دوسری آیات اور روایات میں جو محشر کے خوف وفزع سے انبیاء وصلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت وخوف تھوڑی مدت کے لیے انبیاء وصلحاء پر بھی طاری ہو، مگر تھوڑی دیر قلیل ہونے کی بنا پر اس کو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ كُلَّ اُمَّةٍ سے مراد تمام اہل محشر نہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے لیے بولا جاتا ہے اور بعض حضرات مفسرین نے جاثیہ کے معنے ایسی نشست کے کیے ہیں جیسے نماز میں ہوتی ہے تو پھر وہ اشکال

خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔ کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤی اِلٰی كِتٰبِهَا: کتاب سے مراد اس جگہ اکثر مفسرین کے نزدیک وہ نامہ اعمال ہے جو فرشتے دنیا میں لکھتے رہے تھے اور اب محشر میں یہ تحائف اعمال اڑا دیئے جائیں گے ہر ایک آدمی کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔ یعنی اپنا نامہ اعمال پڑھ لو اور خود ہی حساب لگا لو کہ تمہیں ان اعمال کا کیا بدلہ ملنا چاہئے اور اس اعمال نامہ کی طرف بلانے کا مطلب ان کے حساب کی طرف بلانا ہے۔ واللہ اعلم

مزید ارشاد ہوگا: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (یہ ہماری کتاب ہے (یعنی تمہارے اعمال نامے ہیں) جو تمہارے اعمال کے بارے میں بالکل صحیح گواہی دے رہے ہیں) اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور تھے بندوں کے اعمال لکھنا ان کے سپرد تھا یہ انہیں کے لکھے ہوئے اعمال نامے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔

فائدہ: لفظ جَاثِيَةً کا ترجمہ اگر مُجْتَمِعَةً ہو تو اس پر بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ معنی لیے جائیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دو زانوں بیٹھے ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ حساب کے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام کی امتوں کے صالحین کو ان میں سے عام مخصوص منہ البعض کے طور پر مستثنیٰ مان لیا جائے تب بھی اشکال باقی نہیں رہتا اگر لفظ کلّ کا مصداق سب ہی کو لیا جائے تو یہ بظاہر وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ کے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کیفیت کی مدت اور مقدار بیان نہیں کی گئی اس لیے اگر ذرا دیر کو صالحین کی بھی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ بھی معارض نہیں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....

اس کے بعد اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی یہ جنت اور رحمت کھلی ہوئی کامیابی ہے

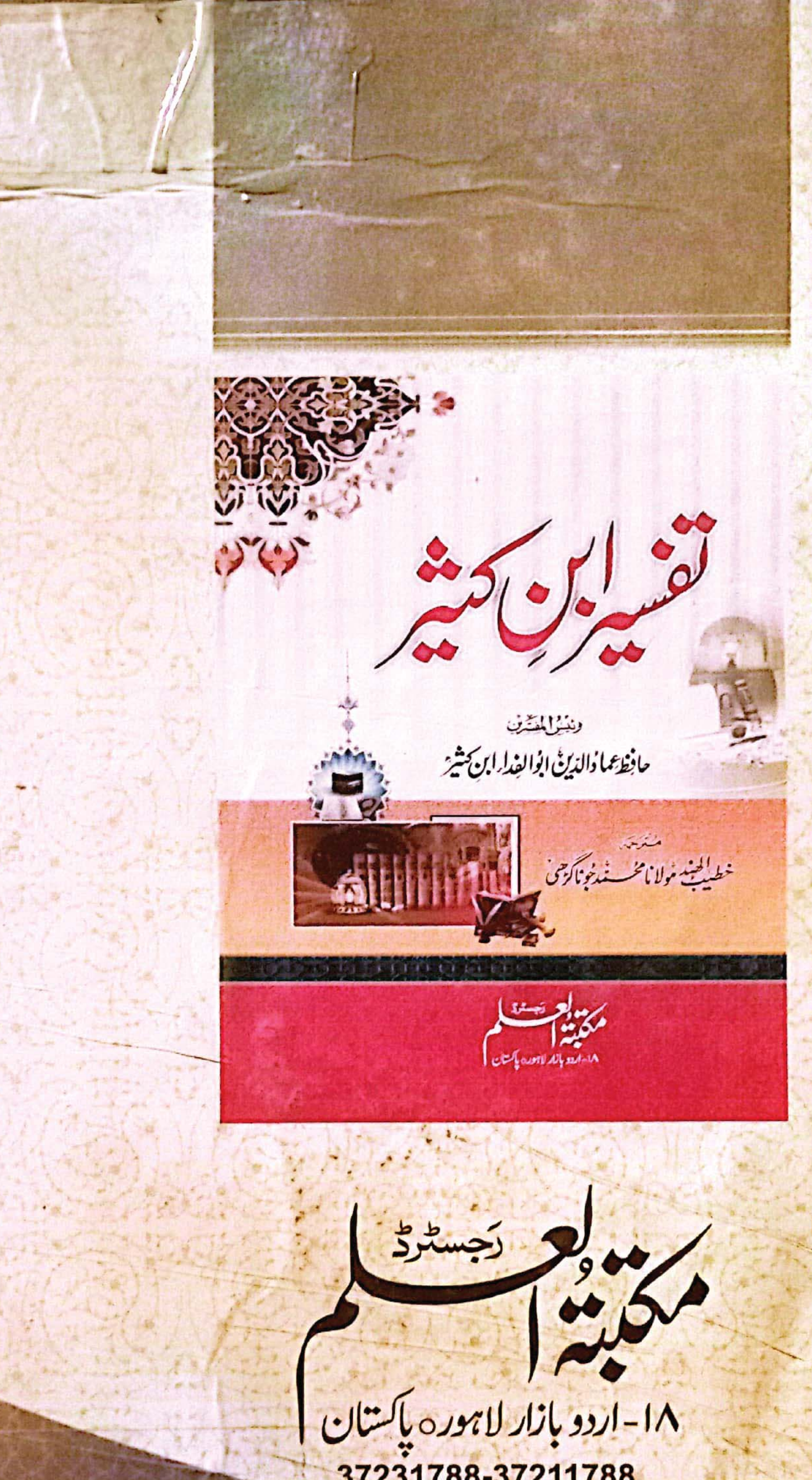
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ....

پھر کافرین کی سزا کا تذکرہ فرمایا: وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے دن عذاب میں داخل ہوں گے جب مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو چھٹکارہ کے لیے معذرت کریں گے اس وقت ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائے گا۔ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ. کیا تمہارے اوپر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ جب یہ آیات تمہارے پاس پہنچیں تو تم نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا، کفر پر قائم رہنے ہی میں تم اپنی بڑائی سمجھتے رہے۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ (اور تم جرم کرنے والے لوگ تھے) تم نے تکبر کیا حق کو ٹھکرایا مجرمانہ زندگی اختیار کی آج تمہارے لیے اسی جرم کی سزا کا فیصلہ کیا گیا ہے ان سے مزید خطاب ہوگا کہ دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت ضرور آئے گی اس میں شک نہیں ہے تو جواب یوں دے دیتے تھے: مَا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ (ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے) اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا (ہم خیال نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) مطلب یہ تھا کہ

ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا کہ قیامت قائم ہوگی لوگوں کے کہنے سے یوں ہی چلتا ہوا خیال دل میں آجاتا ہے۔ وَّ مَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ۝ (اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔)

وَ بَدَا لَهُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝

یہ دنیا چونکہ عمل و امتحان کا جہاں ہے اس لیے یہاں ہر چیز پس پردہ ہے، اور اس کی اصل حقیقت مخفی و مستور ہے، مگر آخرت کا وہ جہاں چونکہ کشف حقائق اور ظہور نتائج کا جہاں ہوگا، اس لیے وہاں پر ہر چیز اپنی اصلی اور حقیقی شکل و صورت میں سامنے آجائے گی، سو دنیا میں لوگ جن مختلف عقلی اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے برے نتائج چونکہ فوراً ان کے سامنے نہیں آتے، اس لیے وہ ایسے جرائم کے ارتکاب پر دلیر ہوجاتے ہیں، اور اس حد تک کہ وہ کسی ناصح کی نصیحت کو قبول کرنے اور اس پر کان دھرنے کیلئے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اخلاقیات کا درس دینے والے ایسے ناصحین کو الٹا بیوقوف سمجھنے اور ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ لیکن قیامت کے روز جب حقائق سے پردہ اٹھے گا تو ان کو اپنے برے اعمال اپنی اصل شکل میں نظر آئیں گے اور اس طور پر کہ اس دن اندھے سے اندھے شخص کو بھی نظر آجائے گا کہ اس نے دنیا میں برائیوں اور جرائم کی جو بس بھری فصل اس نے بوئی تھی اس کا انجام کس قدر ہولناک ہے اللہ کے رسولوں اور اسکے نیک بندوں نے ان کو جس انجام سے خبردار کیا تھا وہ اپنے انذار میں کتنے سچے اور کس قدر حق بجانب تھے۔ لیکن انہوں نے اسکی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔ تب یہ لوگ رو رو کر افسوس کرینگے، اور چیخ چیخ کر ایمان لانے کا اعلان کرینگے، اور کہیں گے امنّا یعنی ہم ایمان لے آئے، مگر اس وقت کے ان کے ماننے حق کو تسلیم کرنے، اور افسوس کرنے کا ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا۔ سوائے ان کی آتش یاس و حسرت میں اضافے کے سو اس وقت وہی عذاب ان کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے چکا ہوگا۔ جس کا وہ اپنی دنیاوی زندگی میں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے اور اس وقت وہ اس ہولناک عذاب میں اس طرح گھر چکے ہونگے کہ ان کے لیے اس سے گریز و فرار کی کوئی راہ ممکن نہیں ہوگی، اور ان سے صاف طور پر کہہ دیا جائے گا کہ اب ہم نے تم لوگوں کو بھلا دیا جس طرح تم اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، اور بھلا دینے سے مراد اس کا لازم اور نتیجہ ہے، یعنی اب ہم تم پر کوئی رحمت و عنایت نہیں کریں گے، بلکہ تم لوگوں کو اس طرح نظر انداز کردینگے جس طرح کسی بھولی بسری چیز کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، پس اب تم کو ہمیشہ کیلئے اسی عذاب کے اندر رہنا ہے، کیونکہ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں کیلئے کمائی کا موقع دنیاوی زندگی کی فرصت محدود ہی میں تھا جس کو تم لوگوں نے اپنے کفر و انکار، اور عناد و استکبار کی نذر کردیا، اور وہ فرصت تمہارے ہاتھوں سے ہمیشہ کیلئے نکل گئی، پس اب تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، جس میں تم نے ہمیشہ کیلئے رہنا ہے، اور تمہارے لیے اب کوئی مددگار بھی ممکن نہیں۔



تفسیر ابنِ کثیر
رئیس المفسرین
حافظ عماد الدینؒ ابو الفداء ابن کثیرؒ
مترجم
خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی
مکتبۃ العلم رجسٹرڈ
۱۸-اردو بازار لاہور ۰ پاکستان
37231788-37211788